قرۃ عیون الابرار
ترجمہ و تشریح
دُرِّ مختار
مترجم و شارح
مفتی غلام رسول منظور القاسمی پہراوی
جلد سوم
کتاب الصوم - کتاب الحج - کتاب النکاح
MAKTABA-E-REHMANIA
مکتبہ رحمانیہ
اقرا سنٹر غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور
فون: 042-37224228-37355743

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مکتبہ رحمانیہ (رجسٹرڈ)

نام کتاب

قرۃ عیون الابرار

جلد سوم

مترجم

مفتی غلام رسول منظور القاسمی بہراوی

ناشر

مکتبہ رحمانیہ (رجسٹرڈ)

مطبع

خضر جاوید پرنٹرز لاہور

اقرأ سنٹر، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور

فون: 042-37224228-37355743

ضروری وضاحت

ایک مسلمان جان بوجھ کر قرآن مجید، احادیث رسول ﷺ اور دیگر دینی کتابوں میں غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا بھول کر ہونے والی غلطیوں کی تصحیح و اصلاح کے لیے بھی ہمارے ادارہ میں مستقل شعبہ قائم ہے اور کسی بھی کتاب کی طباعت کے دوران اغلاط کی تصحیح پر سب سے زیادہ توجہ اور عرق ریزی کی جاتی ہے۔ تاہم چونکہ یہ سب کام انسانوں کے ہاتھوں ہوتا ہے اس لیے پھر بھی غلطی کے رہ جانے کا امکان ہے۔ لہٰذا قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر ایسی کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرمادیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہو سکے۔ نیکی کے اس کام میں آپ کا تعاون صدقہ جاریہ ہوگا۔ (ادارہ)

تنبیہ

فہرست مضامین

قرۃ عیون الابرار شرح اردو درمختار (جلد سوم)

● ● ●

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

كِتَابُ الصَّوْمِ

یہ کتاب روزے کے احکام ومسائل کے بیان میں ہے

قِيلَ لَوْ قَالَ الصِّيَامُ لَكَانَ أَوْلَى لِمَا فِي الظَّهِيرِيَّةِ لَوْ قَالَ: لِلّٰهِ عَلَيَّ صَوْمٌ لَزِمَهُ يَوْمٌ، وَلَوْ قَالَ: صِيَامٌ لَزِمَهُ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ كَمَا فِي قَوْلِهِ تَعَالَى - ﴿فَفِدْيَةٌ مِنْ صِيَامٍ﴾ - وَتُعُقِّبَ بِأَنَّ الصَّوْمَ لَهُ أَنْوَاعٌ عَلَى أَنَّ أَلْ تُبْطِلُ مَعْنَى الْجَمْعِ وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ لَا يُكْرَهُ قَوْلُ رَمَضَانَ. وَفُرِضَ بَعْدَ صَرْفِ الْقِبْلَةِ إِلَى الْكَعْبَةِ لِعَشْرٍ فِي شَعْبَانَ بَعْدَ الْهِجْرَةِ بِسَنَةٍ وَنِصْفٍ

ترجمہ وتشریح: اسلام کی بنیاد جن پانچ چیزوں پر ہے ان میں سے ایک اہم رکن رمضان المبارک کا روزہ رکھنا ہے، روزہ رکھنے سے نفسِ امارہ مغلوب ہوتا ہے اور آدمی متقی و پرہیزگار بن جاتا ہے اور حضرت انسان کے اندر ملکوتی صفت پیدا ہوتی ہے، اسی لیے قرآن واحادیث میں اس کی بہت زیادہ فضیلت آئی ہے۔ بعض علماء نے اس کو نماز جیسی اہم عبادت پر ترجیح اور فضیلت دی ہے، اگرچہ اکثر اہل علم کے نزدیک نماز تمام اعمال اسلامیہ میں افضل ترین عمل ہے۔ اس کا منکر شریعت کی نظر میں کافر ہوتا ہے اور اس کا تارک فاسق کہلاتا ہے۔

روزہ کے فوائد

روزہ کے بہت سارے فوائد ہیں جن کو یہاں جمع کرنا مقصود نہیں ہے، البتہ ان فوائد کثیرہ میں سے چند فوائد سپرد قلم کردیے جاتے ہیں:

(۱) کسی بھی اسلامی عبادت وعمل کا سب سے بڑا فائدہ یہی ہوتا ہے کہ اس کی بجا آوری سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا نصیب ہوتی ہے۔

(۲) روزہ رکھنے سے دل جمعی اور قلبی سکون میسر ہوتا ہے۔

(۳) روزہ سے نفس امارہ مغلوب ہوتا ہے۔ اور وہ اعضاء جن کا تعلق براہ راست نیکی اور بدی سے ہے، جیسے آنکھ، ہاتھ، زبان، کان اور شرمگاہ وغیرہ سب سست پڑ جاتے ہیں جس کی وجہ سے گناہوں کی طرف طبیعت راغب نہیں ہوتی ہے۔

(۴) روزہ رکھنے سے دل کدورتوں اور گندگیوں سے پاک وصاف ہو جاتا ہے۔

(۵) روزہ غرباء ومساکین کے ساتھ حسن سلوک اور ترحم کا سبب ہوتا ہے، کیوں کہ جو شخص کسی وقت بھی بھوک وغم جھیل چکا

ہوتا ہے وہ جب کسی کو بھوکا دیکھتا ہے تو اس کو اپنی بھوک کی وہ حالت یاد آجاتی ہے جس کی وجہ سے دل میں جذبہ ترحم امڈ آتا ہے۔

(۶) روزہ دار اپنے روزہ کی حالت میں گویا غرباء و فقراء کے ساتھ موافقت کرتا ہے، کیوں کہ غرباء اور فقراء بھوک کی جس اذیت و تکلیف میں مبتلا ہوتے ہیں روزے دار بھی اسی تکلیف میں مبتلا ہوتے ہیں۔

(۷) روزہ رکھنے سے مکارہ و شدائد پر صبر و ثبات کی عادت پڑتی ہے، اس لیے کہ روزہ، روزہ دار کو ہر طرح کی خواہشات نفس سے دور رکھتا ہے اور اس کو عزم قوی اور صبر و ثبات کے حسین زیور سے آراستہ کرتا ہے، چناں چہ آپ دیکھتے ہیں کہ مغرب سے قبل روزہ دار کے سامنے ہر طرح کے کھانے کا سامان، عمدہ عمدہ مشروبات اور میوے ہوتے ہیں لیکن وہ توبہ و استغفار میں مشغول رہتا ہے، اشیائے خورد و نوش کی طرف توجہ بھی نہیں کرتا ہے جو یقیناً صبر کا بیّن ثبوت ہے۔

(۸) روزہ درحقیقت بندے کو اس کی ذلت و مسکنت کو یاد دلاتا ہے، اس لیے کہ روزہ دار روزہ کے دوران تھوڑا کھانا اور قلیل پانی کا محتاج ہوتا ہے اور کسی شئ کی طرف محتاجگی ذلت کی بات ہوتی ہے۔

(۹) روزہ رکھنے سے بھوک کے جو فوائد ہیں وہ بندہ حاصل کرتا ہے، بھوک سے فکر روشن ہوتی ہے اور بصیرت تیز ہوتی ہے، اسی وجہ سے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا جس نے اپنے پیٹ کو بھوکا رکھا اس نے اپنی فکر کو بڑھایا۔

(۱۰) روزہ درحقیقت خواہشات نفسانیہ کے لگام کو کنٹرول میں رکھتا ہے اور انسان معصیت و گناہ میں پڑنے سے بچتا ہے اس لیے کہ کبھی کبھار طبیعت عورتوں کی طرف مائل ہوتی ہے اور نان و نفقہ کا آدمی مالک نہیں ہوتا ہے کہ نکاح کر کے تسکین نفس کر سکے چناں چہ زنا کا خوف لاحق ہو جاتا ہے لہٰذا روزہ رکھنے سے خواہشات کی تیزی فرو ہو جاتی ہے، اسی لیے رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: اے نوجوانو! تم میں سے جس کو نکاح کرنے کی طاقت ہے اس کو چاہیے کہ نکاح کرلے اور جس کے پاس نکاح کرنے کی گنجائش نہ ہو وہ روزہ رکھے اس لیے کہ روزہ نفس کو کوٹ ڈالتا ہے۔

عبارت کی تشریح

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اگر ''کتاب الصوم'' کی جگہ ''الصیام'' کہتے تو یہ زیادہ بہتر تھا کیونکہ فتاویٰ ظہیریہ میں ہے کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ''لِلّٰہِ عَلَیَّ صَوْمٌ'' خدا کے واسطے میرے اوپر روزہ ہے۔ تو اس صورت میں اس پر صرف ایک روزہ لازم ہوگا۔ اور اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ''لِلّٰہِ عَلَیَّ صِیَامٌ'' خدا کے لیے میرے اوپر روزے ہیں۔ تو اس صورت میں تین روزے لازم ہوں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد میں ہے: {فَفِدْیَۃٌ مِنْ صِیَامٍ} یہاں جمع کے واسطے ''صیام'' کا لفظ لایا گیا ہے۔ شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ''صوم'' کا لفظ کہنا بھی درست ہے، کیوں کہ روزے کی مختلف قسمیں ہیں اور لفظ صوم اسم جنس ہے جو تمام کو شامل ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جمع پر جب الف لام داخل ہوتا ہے تو جمع سے جمعیت کے معنی ختم ہو جاتے ہیں۔ اور لفظ ''رمضان'' بغیر لفظ ''شھر'' کے بولنا مکروہ نہیں ہے۔ اور جن لوگوں نے مکروہ قرار دیا ہے وہ صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ حدیث

شریف میں صراحتاً آیا ہے: "مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَا تَأَخَّرَ"۔ دوسری حدیث شریف میں ہے: "عُمْرَةٌ رَمَضَانَ تَعْدِلُ حَجَّةً"۔ یہاں لفظ "رمضان" بغیر لفظ "شہر" کے آیا ہے۔

روزے کی فرضیت کب ہوئی؟

رمضان المبارک کا روزہ ہجرت نبوی کے ڈیڑھ برس بعد دسویں شعبان کو تحویل قبلہ کے دس روز بعد فرض ہوا ہے۔

(بعض اہل علم حضرات کہتے ہیں کہ رمضان المبارک کے روزہ سے پہلے کوئی روزہ فرض نہیں تھا، لیکن بعض دوسرے اہل علم کا کہنا ہے کہ اس سے قبل بھی کچھ ایام کے روزے فرض تھے جو رمضان کے روزے کی فرضیت کے بعد مسنوخ ہو گئے، چناں چہ بعض کے نزدیک یوم عاشورہ کا روزہ فرض تھا بعض کے نزدیک ہر قمری ماہ کے ایام بیض (تیرہویں، چودھویں، اور پندرہویں راتوں کے دن) کے روزے فرض تھے)۔ (مظاہر حق جدید: ۲/۶۰۲)

(هُوَ) لُغَةً (إِمْسَاكٌ عَنِ الْمُفْطِرَاتِ) الْآتِيَةِ (حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا) كَمَنْ أَكَلَ نَاسِيًا فَإِنَّهُ مُمْسِكٌ حُكْمًا (فِي وَقْتٍ مَخْصُوصٍ) وَهُوَ الْيَوْمُ (مِنْ شَخْصٍ مَخْصُوصٍ) مُسْلِمٍ كَائِنٍ فِي دَارِنَا أَوْ عَالِمٍ بِالْوُجُوبِ طَاهِرٍ عَنْ حَيْضٍ أَوْ نِفَاسٍ (مَعَ النِّيَّةِ) الْمَعْهُودَةِ وَأَمَّا الْبُلُوغُ وَالْإِفَاقَةُ فَلَيْسَا مِنْ شَرْطِ الصِّحَّةِ لِصِحَّةِ صَوْمِ الصَّبِيِّ وَمَنْ جُنَّ أَوْ أُغْمِيَ عَلَيْهِ بَعْدَ النِّيَّةِ، وَإِنَّمَا لَمْ يَصِحَّ صَوْمُهُمَا فِي الْيَوْمِ الثَّانِي لِعَدَمِ النِّيَّةِ. وَحُكْمُهُ نَيْلُ الثَّوَابِ وَلَوْ مَنْهِيًّا عَنْهُ كَمَا فِي الصَّلَاةِ فِي أَرْضٍ مَغْصُوبَةٍ. (وَسَبَبُ صَوْمِ) الْمَنْذُورِ النَّذْرُ وَلِذَا لَوْ عَيَّنَ شَهْرًا وَصَامَ شَهْرًا قَبْلَهُ عَنْهُ أَجْزَأَهُ لِوُجُودِ السَّبَبِ وَيَلْغُو التَّعْيِينُ وَالْكَفَّارَاتِ الْحِنْثُ وَالْقَتْلُ وَ (رَمَضَانَ شُهُودُ جُزْءٍ مِنَ الشَّهْرِ) مِنْ لَيْلٍ أَوْ نَهَارٍ عَلَى الْمُخْتَارِ كَمَا فِي الْخَبَّازِيَّةِ وَاخْتَارَ فَخْرُ الْإِسْلَامِ وَغَيْرُهُ أَنَّهُ الْجُزْءُ الَّذِي يُمْكِنُ إِنْشَاءُ الصَّوْمِ فِيهِ مِنْ كُلِّ يَوْمٍ، حَتَّى لَوْ أَفَاقَ الْمَجْنُونُ فِي لَيْلَةٍ أَوْ فِي آخِرِ أَيَّامِهِ بَعْدَ الزَّوَالِ لَا قَضَاءَ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى كَمَا فِي الْمُجْتَبَى وَالنَّهْرِ عَنِ الدِّرَايَةِ وَصَحَّحَهُ غَيْرُ وَاحِدٍ وَهُوَ الْحَقُّ كَمَا فِي الْغَايَةِ.

صوم کی لغوی واصطلاحی تعریف

لفظ "صوم" اور لفظ "صیام" کے لغوی معنی ہیں: مطلق رکنا۔ (خواہ کسی بھی چیز سے ہو، چناں چہ اہل عرب کہتے ہیں: صَامَتِ الْخَيْلُ۔ جب گھوڑا چلنے سے رک جاتا ہے۔ اور جب ہوا رک جاتی ہے تو کہتے ہیں: صَامَتِ الرِّيحُ۔ اور حضرت مریمؑ کے متعلق قرآن میں ہے: {فَقُوْلِيْ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا} وغیرہ وغیرہ)۔

اور شرعی اعتبار سے صوم کے معنی ان تمام افطار کرنے والی چیزوں سے رکے رہنا ہے جن کی تفصیل آئندہ آنے والی ہے،

یہ رکنا خواہ حقیقتاً ہو خواہ حکماً ہو، حقیقتاً رکنا تو یہ ہے کہ بالکل نہ کھائے نہ پیئے نہ جماع کرے۔ اور حکماً رکنا یہ ہے کہ اگر بھول کر کھا پی لیا یا جماع کرلیا تو حکماً رکنا ہی سمجھا جائیگا۔ اور ان مفطرات سے رکنا مخصوص وقت میں مخصوص شخص یعنی مسلمان کی طرف سے ہو روزہ کی نیت کے ساتھ۔ (مخصوص وقت صبح صادق کے طلوع سے ذرا پہلے سے لے کر غروب آفتاب تک روزہ کی نیت سے رکنا ہے)۔ اور یہاں مخصوص شخص سے مراد وہ مسلمان ہے جو دارالاسلام میں رہتا ہو یا کہیں بھی رہتا ہو لیکن اس کو روزے کی فرضیت کا علم ہو اور اگر روزہ رکھنے والی عورت ہو تو وہ حیض ونفاس سے پاک ہو۔

صحتِ روزہ کے لیے عقل وبلوغ شرط نہیں ہے

شارحؒ فرماتے ہیں کہ روزہ کے درست ہونے کے لیے روزے دار کا عاقل وبالغ ہونا شرط نہیں ہے، کیوں کہ نابالغ بچے کا روزہ اور اس شخص کا روزہ درست ہوجاتا ہے جو روزہ کی نیت کرنے کے بعد مجنون یا بے ہوش ہوگیا ہو، البتہ مجنون اور بے ہوش آدمی کا دوسرے دن کا روزہ درست نہیں ہوگا؛ اس لیے کہ نیت نہیں پائی گئی ہے حالاں کہ نیت صحت روزہ کے لیے ضروری ہے۔

وجوبِ روزہ اور صحتِ روزہ کی شرائط

روزہ کے واجب ہونے کے لیے حضرات فقہاء کرام نے چار شرطیں لکھی ہیں: (۱) مسلمان ہونا۔ (۲) دارالاسلام میں ہونا یا روزہ کی فرضیت کا علم ہونا خواہ کہیں بھی ہو۔ (۳) بالغ ہونا۔ (۴) عاقل ہونا۔ اور روزہ کے درست ہونے کے لیے تین شرطیں ہیں: (۱) مسلمان ہونا۔ (۲) عورت کا حیض ونفاس سے پاک ہونا۔ (۳) روزہ کی نیت کرنا۔ (شامی زکریا: ۳/۳۳۱)

روزے کا حکم شرعی

روزے کا شرعی حکم یہ ہے کہ روزہ دار کو آخرت میں اس کا ثواب ملے گا اگرچہ اس دن کے روزہ سے روکا گیا ہو، جس طرح غصب شدہ زمین میں نماز پڑھنے کا بھی ثواب ملتا ہے اور دنیا میں اس کا فائدہ یہ ہے کہ فرض ذمہ سے ساقط ہوجائے گا۔

(ایام تشریق کا روزہ جو ممنوع ہے اس کی دو حیثیت ہے: ایک تو یہ ہے کہ اس میں مفطرات ثلاثہ سے رکنا ہے۔ دوسرے روزہ رکھنے میں اللہ تعالیٰ کی ضیافت سے روگردانی لازم آتی ہے، لہٰذا حیثیت اول کی طرف نظر کرتے ہوئے تو ایام منہیہ میں روزہ رکھنا مستحسن ہے اور وجہ ثانی کی طرف نظر کرتے ہوئے ممنوع ہے، لہٰذا یہ روزہ اصل کے اعتبار سے مشروع ہوگا اور وصف کے اعتبار سے ممنوع ہوگا)۔

وجوبِ روزہ کا سبب

رمضان المبارک کے روزہ کے واجب ہونے کا سبب رمضان کے مہینے کے کسی جز کا موجود ہونا ہے خواہ وہ رات کا ہو یا دن کا، خبازیہ میں اسی کو مختار مذہب کہا گیا ہے۔ اور فخر الاسلام وغیرہ نے کہا ہے روزہ کا سبب ہر دن کا وہ حصہ ہے جس میں روزہ

کی ابتداء ممکن ہو، اسی وجہ سے اگر کوئی پاگل رات میں یا دن کے اخیر میں زوال کے بعد ٹھیک ہوا تو اس پر اس دن کی قضا واجب نہیں ہے، اسی پر فتویٰ ہے جیسا کہ مجتبیٰ اور النہر الفائق میں درایہ سے نقل کیا ہے۔ اور دیگر علماء نے اسی قول کی تصحیح کی ہے اور یہی قول حق بھی ہے جیسا کہ غایۃ البیان نامی کتاب میں ہے۔

نذر کے روزے کا سبب نذر ماننا ہے؛ چناں چہ اگر کوئی شخص کسی متعین مہینہ میں رزہ رکھنے کی نذر مانے اور اس متعین مہینہ سے پہلے مہینہ میں روزہ رکھ لے تو چوں کہ سبب یعنی نذر پایا جا رہا ہے اس لیے اس کا یہ روزہ رکھنا اس متعین مہینہ کی طرف سے کافی ہو جائے گا اور مہینہ کا جو تعین تھا لغو قرار پائے گا۔ اور کفارہ کے روزہ کا سبب قسم توڑنا ہے اور کسی کو جان سے مار ڈالنا یا حالت احرام میں شکار کرنا ہے۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص ہر ہفتہ میں دوشنبہ اور جمعرات کے دنوں میں روزہ رکھنے کی منت مانے اور اس کے بدلے میں دوسرے دنوں میں روزہ رکھ لے تو جائز ہے کیوں کہ سبب روزہ یعنی نذر پایا جا رہا ہے۔ (کشف الاسرار: ۲/ ۲۰۲)

(وَهُوَ) أَقْسَامٌ ثَمَانِيَةٌ: (فَرْضٌ) وَهُوَ نَوْعَانِ: مُعَيَّنٌ (كَصَوْمِ رَمَضَانَ أَدَاءً وَ) غَيْرُ مُعَيَّنٍ كَصَوْمِهِ (قَضَاءً وَ) صَوْمُ (الْكَفَّارَاتِ) لَكِنَّهُ فَرْضٌ عَمَلًا لَا اعْتِقَادًا وَلِذَا لَا يُكَفَّرُ جَاحِدُهُ قَالَهُ الْبَهْنَسِيُّ تَبَعًا لِابْنِ الْكَمَالِ. (وَوَاجِبٌ) وَهُوَ نَوْعَانِ: مُعَيَّنٌ (كَالنَّذْرِ الْمُعَيَّنِ، وَ) غَيْرُ مُعَيَّنٍ كَالنَّذْرِ (الْمُطْلَقِ) وَأَمَّا قَوْلُه تَعَالَى - {وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ} فَدَخَلَهُ الْخُصُوصُ كَالنَّذْرِ بِمَعْصِيَةٍ فَلَمْ يَبْقَ قَطْعِيًّا (وَقِيلَ) قَائِلُهُ الْأَكْمَلُ وَغَيْرُهُ وَاعْتَمَدَهُ الشُّرُنْبُلَالِيُّ، لَكِنْ تَعَقَّبَهُ سَعْدِيٌّ بِالْفَرْقِ بِأَنَّ الْمَنْذُورَةَ لَا تُؤَدَّى بَعْدَ صَلَاةِ الْعَصْرِ بِخِلَافِ الْفَائِتَةِ (هُوَ فَرْضٌ عَلَى الْأَظْهَرِ) كَالْكَفَّارَاتِ يَعْنِي عَمَلًا لِأَنَّ مُطْلَقَ الْإِجْمَاعِ لَا يُفِيدُ الْفَرْضَ الْقَطْعِيَّ كَمَا بَسَطَهُ خُسْرو (وَنَفْلٌ كَغَيْرِهِمَا) يَعُمُّ السُّنَّةَ كَصَوْمِ عَاشُورَاءَ مَعَ التَّاسِعِ. وَالْمَنْدُوبَ كَأَيَّامِ الْبِيضِ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ وَيَوْمِ الْجُمُعَةِ وَلَوْ مُنْفَرِدًا وَعَرَفَةَ وَلَوْ لِحَاجٍّ لَمْ يُضْعِفْهُ. وَالْمَكْرُوهَ تَحْرِيمًا كَالْعِيدَيْنِ. وَتَنْزِيهًا كَعَاشُورَاءَ وَحْدَهُ وَسَبْتٍ وَحْدَهُ وَنَيْرُوزَ وَمِهْرَجَانٍ إِنْ تَعَمَّدَهُ وَصَوْمِ دَهْرٍ وَصَوْمِ صَمْتٍ وَوِصَالٍ وَإِنْ أَفْطَرَ الْأَيَّامَ الْخَمْسَةَ، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ كَمَا فِي الْمُحِيطِ.

روزے کے اقسام

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ روزے کی آٹھ قسمیں ہیں: (۱) فرض۔ اور اس فرض روزے کی دو قسمیں ہیں: (۱) ایک فرض معین، جیسے رمضان المبارک کا ادا روزہ۔ دوسرے فرض غیر معین، جیسے رمضان المبارک کا قضاء روزہ اور تمام

کفاروں کا روزہ، لیکن کفارے کے روزے فرضِ عملی ہیں فرض اعتقادی نہیں ہیں، اسی وجہ سے کفاروں کے روزوں کے انکار کرنے والوں کی تکفیر نہیں کی جائے گی، اس کو بہنسی نے ابن الکمال کے اتباع میں کہا ہے۔

(۲) روزہ کی دوسری قسم واجب ہے۔ اور اس کی بھی دو قسمیں ہیں: ایک واجب معین، جیسے نذر معین کے روزے۔ دوسرے واجب غیر معین، جیسے نذر مطلق کے روزے۔

(معین کا مطلب یہ ہے کہ اس کا وقت مخصوص و متعین ہو، مثلاً جمعرات و جمعہ کا روزہ یا کسی متعین تاریخ کا روزہ۔ اور غیر معین کا مطلب یہ ہے کہ جس کا وقت مخصوص و متعین نہ ہو، جیسے محض روزہ کی نذر ماننا)۔

رہا اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی: ﴿وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ﴾ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اپنی نذروں کو پوری کریں۔ اس میں خصوص داخل ہوا ہے لہٰذا نذرِ معصیت اس سے نکال دی گئی ہے چناں چہ یہ حکم اب قطعی باقی نہ رہا کیوں کہ مخصوص منہ البعض قطعی الدلالۃ باقی نہیں رہتا ہے۔

نذر کے متعلق علمائے کرام کی مختلف آراء

نذر کے متعلق ایک قول یہ ہے کہ وہ فرض ہے ظاہر قول یہی ہے۔ شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس کے قائل اکمل وغیرہ ہیں۔ اور شرنبلالی نے اسی قول پر اعتماد کیا ہے۔ (لیکن علامہ اکمل الدین بابرتی نے ہدایہ کی شرح "عنایہ" میں نذر کے وجوب کو ثابت کیا ہے، ممکن ہے کہ انھوں نے کسی دوسری کتاب میں لکھا ہو)۔ سعدی نے نذر کے فرض ہونے پر اس طرح اعتراض کیا ہے کہ نذر مانی ہوئی نماز، عصر کی نماز کے بعد ادا نہیں کی جاتی ہے اور فرض نماز کی قضاء عصر کی فرض نماز کے بعد جائز ہے۔ اس سے پتہ چلا کہ نذر کی نماز اگر فرض ہوتی تو اس کا عصر بعد ادا کرنا مکروہ نہ ہوتا، مکروہ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ نذر نماز فرض نہیں ہے بلکہ واجب ہے۔

اور نذر کی نماز کو اظہر روایات کے مطابق اسی طرح فرض کہا گیا ہے جس طرح کفارہ کے روزوں کو عملاً فرض کہا گیا ہے، اس لیے کہ مطلق اجماع فرض قطعی کا فائدہ نہیں دیتا ہے جیسا کہ خسرو نے اس کو نہایت تفصیل سے بیان کیا ہے۔

روزے کی تیسری قسم نفل ہے

اور روزے کی تیسری قسم نفل ہے اور یہ فرض اور واجب کے علاوہ تمام روزوں کو شامل ہے حتیٰ کی سنت روزہ جیسے دسویں محرم کا روزہ نویں کے ساتھ۔ اور مندوب روزہ جیسے ہر مہینے کا ایام بیض (۱۳/ ۱۴/ ۱۵) کا روزہ، جمعہ کے دن کا روزہ، اگر چہ صرف جمعہ کے ایک دن کا روزہ رکھا گیا ہو، عرفہ کا روزہ، ایسے حاجیوں کے لیے جو کمزور نہ ہوں۔ اور وہ روزہ جو مکروہ تحریمی ہو جیسے عیدین کے دن کا روزہ۔ اور وہ روزہ جو مکروہ تنزیہی ہو جیسے عاشورہ کے دن صرف ایک دن روزہ رکھنا، نیز سنیچر کے دن تنہا روزہ رکھنا۔ (اس میں

یہودیوں کے ساتھ مشابہت ہے) اور نیروز ومہرجان کا روزہ اگر جان بوجھ کر رکھا جائے، ان تمام روزوں کو نفل روزہ شامل ہے بلکہ صوم دہر، اور خاموشی کا روزہ، (یعنی ایسا روزہ جس میں کلام کرنا چھوڑ دے (اس میں مجوسیوں سے مشابہت لازم آتی ہے) صوم وصال، اگرچہ سال کے ان پانچ دنوں میں روزہ نہ رکھے جن میں منع کیا گیا ہے، کو بھی شامل ہے۔ اور صوم وصال حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مکروہ اس وجہ سے ہے کہ واجبات کی ادائیگی اور کسب حلال میں ضعف طاری ہوگا یا پھر مسلسل روزہ رکھنے کی وجہ سے عادت ثانیہ بن جائے گی تو روزہ رکھنے میں وہ کوئی مشقت محسوس نہیں کرے گا اور روزہ کا مقصد فوت ہو جائے گا۔

فَهِيَ خَمْسَةَ عَشَرَ. وَأَنْوَاعُهُ ثَلَاثَةَ عَشَرَ: سَبْعَةٌ مُتَتَابِعَةٌ رَمَضَانُ وَكَفَّارَةُ ظِهَارٍ وَقَتْلٍ وَيَمِينٍ وَإِفْطَارِ رَمَضَانَ وَنَذْرٌ مُعَيَّنٌ وَاعْتِكَافٌ وَاجِبٌ. وَسِتَّةٌ يُخَيَّرُ فِيهَا: نَفْلٌ وَقَضَاءُ رَمَضَانَ وَصَوْمُ مُتْعَةٍ وَفِدْيَةِ حَلْقٍ وَجَزَاءِ صَيْدٍ وَنَذْرٌ مُطْلَقٌ. إِذَا تَقَرَّرَ هَذَا (فَيَصِحُّ) أَدَاءُ (صَوْمِ رَمَضَانَ وَالنَّذْرِ الْمُعَيَّنِ وَالنَّفْلِ بِنِيَّةٍ مِنَ اللَّيْلِ) فَلَا تَصِحُّ قَبْلَ الْغُرُوبِ وَلَا عِنْدَهُ (إِلَى الضَّحْوَةِ الْكُبْرَى لَا) بَعْدَهَا وَلَا (عِنْدَهَا) اعْتِبَارًا لِأَكْثَرِ الْيَوْمِ (وَبِمُطْلَقِ النِّيَّةِ) أَيْ نِيَّةِ الصَّوْمِ فَأَلْ بَدَلٌ عَنِ الْمُضَافِ إِلَيْهِ (وَبِنِيَّةِ نَفْلٍ) لِعَدَمِ الْمُزَاحِمِ (وَبِخَطَإٍ فِي وَصْفٍ) كَنِيَّةِ وَاجِبٍ آخَرَ (فِي أَدَاءِ رَمَضَانَ) فَقَطْ لِتَعَيُّنِهِ بِتَعْيِينِ الشَّارِعِ (إِلَّا إِذَا وَقَعَتِ النِّيَّةُ) (مِنْ مَرِيضٍ أَوْ مُسَافِرٍ) حَيْثُ يَحْتَاجُ إِلَى التَّعْيِينِ لِعَدَمِ تَعَيُّنِهِ فِي حَقِّهِمَا فَلَا يَقَعُ عَنْ رَمَضَانَ (بَلْ يَقَعُ عَمَّا نَوَى) مِنْ نَفْلٍ أَوْ وَاجِبٍ (عَلَى مَا عَلَيْهِ الْأَكْثَرُ) بَحْرٌ وَهُوَ الْأَصَحُّ سِرَاجٌ، وَقِيلَ بِأَنَّهُ ظَاهِرُ الرِّوَايَةِ فَلِذَا اخْتَارَهُ الْمُصَنِّفُ تَبَعًا لِلدُّرَرِ لَكِنْ فِي أَوَائِلِ الْأَشْبَاهِ الصَّحِيحُ وُقُوعُ الْكُلِّ عَنْ رَمَضَانَ سِوَى مُسَافِرٍ نَوَى وَاجِبًا آخَرَ وَاخْتَارَهُ ابْنُ الْكَمَالِ وَفِي الشُّرُنْبُلَالِيِّ عَنِ الْبُرْهَانِ أَنَّهُ الْأَصَحُّ (وَالنَّذْرُ الْمُعَيَّنُ) وَلَا يَصِحُّ بِنِيَّةِ وَاجِبٍ آخَرَ بَلْ (يَقَعُ عَنْ وَاجِبٍ نَوَاهُ) مُطْلَقًا فَرْقًا بَيْنَ تَعْيِينِ الشَّارِعِ وَالْعَبْدِ (وَلَوْ صَامَ مُقِيمٌ عَنْ غَيْرِ رَمَضَانَ) وَلَوْ (لِجَهْلِهِ بِهِ) أَيْ بِرَمَضَانَ (فَهُوَ عَنْهُ) لَا عَمَّا نَوَى لِحَدِيثِ «إِذَا جَاءَ رَمَضَانُ فَلَا صَوْمَ إِلَّا عَنْ رَمَضَانَ» .

نوافل کے ذیل میں داخل ہونے والے روزے

نفل کے ذیل میں جتنے روزے آتے ہیں ان کی مجموعی تعداد پندرہ ہے۔ (مکروہ تحریمی روزوں میں یوم الشک اور ایام تشریق کے روزوں کا ذکر رہ گیا تھا۔ اور مکروہ تنزیہی میں عورت کا شوہر کی اجازت کے بغیر روزہ رکھنا رہ گیا، اسی طرح غلام کا آقا کی اجازت کے بغیر روزہ رکھنا اور اجیر کا مستاجر کی اجازت کے بغیر روزہ رکھنا ذکر کرنے سے باقی رہ گیا تھا۔ اور مندوبات کے ذیل میں دوشنبہ اور جمعرات کا روزہ اور صوم داؤد رہ گیا تھا اور اس میں عید کے بعد جو چھ یوم کا روزہ رکھا جاتا ہے وہ بھی رہ گیا تھا)۔ (شامی: ۳/ ۳۳۸)

لازم روزوں کی اقسام

لازم روزوں کی تیرہ قسمیں ہیں، سات قسم کے روزے تو لگا تار رکھے جاتے ہیں: (۱) رمضان المبارک کے روزے۔ (۲) کفارۂ ظہار کے روزے۔ (۳) کفارۂ قتل کے روزے۔ (۴) کفارۂ یمین کے روزے۔ (۵) کفارۂ افطار کے روزے۔ (۶) نذر معین کے روزے۔ (۷) اعتکاف واجب کے روزے۔

اور چھ قسم کے روزے وہ ہیں جن میں روزہ دار کو اختیار ہوتا ہے چاہے مسلسل رکھے چاہے فصل کے ساتھ رکھے:

(۱) نفلی روزے۔ (۲) قضائے رمضان کے روزے۔ (۳) حج تمتع اور قران کے روزے، جب ذبیحہ کی طاقت نہ ہو۔ (۴) سر منڈوانے کے فدیہ کے روزے۔ (۵) شکار کے بدلے کے روزے۔ (۶) نذر مطلق کے روزے، جس میں مسلسل رکھنے اور مہینہ کا تعین نہ ہو۔

روزے کی نیت کا وقت

جب یہ بات ثابت ہوگئی ہے تو اب روزے کی نیت کے متعلق یہ عرض ہے کہ ادائے رمضان المبارک، نذر معین اور نفلی روزے کی نیت رات سے لے کر آدھے شرعی دن تک کی جا سکتی ہے۔ (یہاں ادائے رمضان کی قید اس لیے لگائی ہے کہ رمضان المبارک کے قضاء کا روزہ اور نذر معین کے قضاء کا روزہ اور وہ نفلی روزہ جو فاسد ہونے کے بعد قضاء کیا جائے ان سب میں رات ہی سے نیت ضروری ہے اور تعیین بھی ضروری ہے)۔

لہٰذا اگر آفتاب کے غروب ہونے سے پہلے یا غروبِ آفتاب کے وقت کوئی شخص روزہ کی نیت کرے تو روزہ درست نہ ہوگا اسی طرح اگر کسی شخص نے شرعی آدھے دن کے بعد نیت کی، یا ضحوۃ الکبریٰ کے وقت نیت کی تو اس سے روزہ درست نہ ہوگا، اکثر یوم کا اعتبار کرتے ہوئے۔ (اور نصف نہار شرعی کہتے ہیں صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک وقت کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے اس کے نصف اول کو نصف نہار شرعی کہتے ہیں)۔

بلا تعیین مطلق نیت سے بھی رمضان کا روزہ جائز ہے

رمضان المبارک کا اداء روزہ، نذر معین کا روزہ اور نفل روزہ مطلق نیت سے بھی درست ہو جاتا ہے۔ (یہاں النیّۃ میں الف لام مضاف الیہ کے بدلے میں ہے)۔ اور نفل کی نیت سے بھی رمضان کا روزہ ادا ہو جائے گا، اس لیے کہ رمضان کے دنوں میں دوسرے روزوں کی سرے سے گنجائش ہی نہیں ہے بلکہ رمضان کا مہینہ رمضان کے روزے ہی کے لیے متعین ہے اس لیے متعین کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور نذر معین میں خود نذر کرنے والے کی طرف سے تعیین ہوتی ہے اس لیے یہ بھی مطلق نیت سے درست ہو جائے گا۔

اسی طرح اگر نیت کرنے میں وصف کے اندر غلطی ہو جائے، مثال کے طور پر کوئی شخص رمضان کے اداء روزے کی نیت کر رہا تھا مگر غلطی سے دوسرے واجب کی نیت کر لی تو اس سے بھی رمضان ہی کا روزہ ادا ہوگا، دوسرا روزہ ادا نہ ہوگا اس لیے کہ شارع علیہ السلام کی طرف سے رمضان کے ایام رمضان ہی کے روزے کے لیے مخصوص ہیں، مگر صرف رمضان کے ساتھ خاص ہے۔ (رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب شعبان کا مہینہ گذر جائے تو اب رمضان کے علاوہ دوسرا روزہ نہیں ہے)

اگر مریض یا مسافر کی طرف سے تعیین میں غلطی ہوگئی تو کیا حکم ہے؟

حضرت مصنفؒ فرماتے ہیں کہ اگر نیت کے وصف میں غلطی کسی مریض یا مسافر کی طرف سے ہوگئی تو رمضان کا روزہ ادا نہ ہوگا، بلکہ وہی روزہ ادا ہوگا جس روزہ کی وہ نیت کرے گا، اس لیے کہ مسافر اور مریض کے لیے مرض اور سفر کی وجہ سے اس کے حق میں رمضان کا روزہ متعین نہیں ہے، بلکہ ان دونوں کو روزہ نہ رکھنے کی بھی اجازت ہے اس لیے ان کے واسطے متعین کرنے کی ضرورت ہے، اگر غیر رمضان کا روزہ رکھ لیا تو وہی ادا ہوگا خواہ نفل ہو یا واجب، اکثر مشائخ امت کا یہی مسلک ہے جیسا کہ البحر الرائق میں ہے اور یہی مسلک صحیح ہے جیسا کہ السراج الوہاج میں ہے۔ اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ یہی ظاہر الر وایہ بھی ہے اسی وجہ سے مصنف علیہ الرحمہ نے اس کو دُرر کے اتباع میں اختیار کیا ہے۔ (علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ یہاں اکثر مشائخ کی جانب جس مسئلہ کی نسبت کی گئی ہے یہ صرف مریض کے حق میں ہے، رہا مسافر تو اس میں تفصیل ہے کہ اگر مسافر کسی دوسرے واجب کی نیت کرے گا تو دوسرا واجب ہی ادا ہوگا، اگر وہ نفل کی نیت کرے گا یا مطلق نیت کرے گا، تو امام صاحب سے اس بارے میں تین روایتیں منقول ہیں صحیح ترین روایت یہ ہے کہ رمضان ہی کا روزہ ادا ہوگا، اس لیے کہ نفل کا فائدہ ثواب ہے اور وقتیہ فرض میں ثواب زیادہ ہے جیسا کہ معلوم ہے)۔ (شامی/۳/۳۴۳)

مریض و مسافر کے متعلق دوسرا قول

لیکن الاشباہ والنظائر کے اوائل میں ہے کہ اگر مسافر اور مریض رمضان المبارک میں دوسرے نفل و واجب کی نیت کرلیں تو صحیح یہ ہے کہ تمام صورتوں میں رمضان ہی کا روزہ ادا ہوگا، ہاں اگر مسافر دوسرے واجب کی نیت کرے گا تو اس کی جانب سے دوسرا واجب ادا ہوگا، اس کو ابن الکمال نے اختیار کیا ہے۔ اور شرنبلالیہ میں برہان نامی کتاب سے منقول ہے کہ یہی زیادہ صحیح ہے۔ (اور علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ تمام صورتوں سے مراد یہ ہے کہ مریض نفل کی نیت کرے یا مطلق نیت کرے یا کسی دوسرے واجب کی نیت کرے یا مسافر شخص نفل کی یا مطلق نیت کرے تو ان تمام صورتوں میں یہ رمضان المبارک ہی کا روزہ ہوگا، علاوہ اس ایک صورت کے جس کا ذکر ابھی اوپر ہوا ہے کہ اگر مسافر کسی واجب آخر کی نیت کرے تو وہی واجب ادا ہوگا جس کی اس نے نیت کی ہے)۔ (شامی:۳/۳۴۲)

نذرِ معین کا روزہ واجب آخر کی نیت سے ادا کرنے کا حکم

اور نذرِ معین کا روزہ کسی دوسرے واجب کی نیت سے درست نہیں ہوتا ہے بلکہ جس واجب کی نیت کرے گا وہی واجب ادا ہوگا (خواہ وہ تندرست ہو خواہ مریض، خواہ مقیم ہو یا مسافر) تا کہ اللہ رب العزت کی تعیین اور بندے کی تعیین میں فرق ظاہر ہو سکے، رمضان کی تعیین تو منجانب اللہ ہے لہٰذا دوسرا واجب اس میں ادا نہیں ہو سکتا ہے لیکن نذرِ معین بندے کی طرف سے تعیین ہے، اس لیے اس میں دوسرا واجب ادا ہو سکتا ہے اور نذرِ معین کی قضاء واجب ہوگی۔

مقیم رمضان میں غیر رمضان کا روزہ رکھے تو کیا حکم ہے؟

اگر مقیم نے رمضان المبارک میں غیر رمضان کا روزہ رکھا تو رمضان ہی کا روزہ ادا ہوگا اگر چہ وہ رمضان سے ناواقف تھا، غیر رمضان کا روزہ نہ ہوگا، اس لیے کہ حدیث شریف میں ہے کہ جب رمضان کا مہینہ آجائے تو رمضان کے علاوہ کوئی دوسرا روزہ نہیں ہے بلکہ صرف رمضان ہی کا روزہ ہے۔

(وَيَحْتَاجُ صَوْمُ كُلِّ يَوْمٍ مِنْ رَمَضَانَ إِلَى نِيَّةٍ) وَلَوْ صَحِيحًا مُقِيمًا تَمْيِيزًا لِلْعِبَادَةِ عَنِ الْعَادَةِ. وَقَالَ زُفَرُ وَمَالِكٌ: تَكْفِي نِيَّةٌ وَاحِدَةٌ كَالصَّلَاةِ. قُلْنَا: فَسَادُ الْبَعْضِ لَا يُوجِبُ فَسَادَ الْكُلِّ بِخِلَافِ الصَّلَاةِ (وَالشَّرْطُ لِلْبَاقِي) مِنَ الصِّيَامِ قِرَانُ النِّيَّةِ لِلْفَجْرِ وَلَوْ حُكْمًا وَهُوَ (تَبْيِيتُ النِّيَّةِ) لِلضَّرُورَةِ (وَتَعْيِينُهَا) لِعَدَمِ تَعَيُّنِ الْوَقْتِ. وَالشَّرْطُ فِيهَا: أَنْ يَعْلَمَ بِقَلْبِهِ أَيَّ صَوْمٍ يَصُومُهُ. قَالَ الْحَدَّادِيُّ: وَالسُّنَّةُ أَنْ يَتَلَفَّظَ بِهَا وَلَا تَبْطُلُ بِالْمَشِيئَةِ بَلْ بِالرُّجُوعِ عَنْهَا بِأَنْ يَعْزِمَ لَيْلًا عَلَى الْفِطْرِ وَنِيَّةُ الصَّائِمِ الْفِطْرَ لَغْوٌ وَنِيَّةُ الصَّوْمِ فِي الصَّلَاةِ صَحِيحَةٌ، وَلَا تُفْسِدُهَا بِلَا تَلَفُّظٍ، وَلَوْ نَوَى الْقَضَاءَ نَهَارًا صَارَ نَفْلًا فَيَقْضِيهِ لَوْ أَفْسَدَهُ لِأَنَّ الْجَهْلَ فِي دَارِنَا غَيْرُ مُعْتَبَرٍ فَلَمْ يَكُنْ كَالْمَظْنُونِ -بَحْرٌ (وَلَا يُصَامُ يَوْمُ الشَّكِّ) هُوَ يَوْمُ الثَّلَاثِينَ مِنْ شَعْبَانَ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ عِلَّةٌ أَيْ عَلَى الْقَوْلِ بِعَدَمِ اعْتِبَارِ اخْتِلَافِ الْمَطَالِعِ لِجَوَازِ تَحَقُّقِ الرُّؤْيَةِ فِي بَلْدَةٍ أُخْرَى، وَأَمَّا عَلَى مُقَابِلِهِ فَلَيْسَ بِشَكٍّ وَلَا يُصَامُ أَصْلًا شَرْحُ الْمَجْمَعِ لِلْعَيْنِيِّ عَنِ الزَّاهِدِيِّ (إِلَّا نَفْلًا) وَيُكْرَهُ غَيْرُهُ (وَلَوْ صَامَهُ لِوَاجِبٍ آخَرَ كُرِهَ) تَنْزِيهًا وَلَوْ جَزَمَ أَنْ يَكُونَ عَنْ رَمَضَانَ كُرِهَ تَحْرِيمًا (وَيَقَعُ عَنْهُ فِي الْأَصَحِّ إِنْ لَمْ تَظْهَرْ رَمَضَانِيَّتُهُ وَإِلَّا) بِأَنْ ظَهَرَتْ (فَعَنْهُ) لَوْ مُقِيمًا .

رمضان میں ہر دن نیت ضروری ہے

حضرت مصنفؒ فرماتے ہیں کہ رمضان المبارک کے روزے میں ہر دن نیت کرنے کی ضرورت پڑتی ہے خواہ تندرست

مقیم ہی کیوں نہ ہوتا کہ عبادت اور عادت کے درمیان فرق ہو جائے۔ اور حضرت امام زفرؒ و مالکؒ فرماتے ہیں کہ رمضان کے روزے میں پورے مہینے میں صرف ایک نیت کافی ہوتی ہے جس طرح کہ نماز میں ایک تحریمہ تمام رکعتوں کے لیے کافی ہو جاتا ہے۔ شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ حضرت امام زفرؒ اور امام مالکؒ کا روزہ کو نماز پر قیاس کرنا درست نہیں ہے کیوں کہ ایک روزہ کے فاسد ہونے سے تمام روزے فاسد نہیں ہوتے ہیں اس کے برخلاف نماز میں ایک رکعت فاسد ہونے سے ساری رکعات فاسد ہو جاتی ہیں۔

کن روزوں کے لیے رات ہی سے نیت ضروری ہے؟

ادائے رمضان اور نذر معین کے علاوہ بقیہ تمام روزوں کے لیے نیت کا فجر سے متصل ہونا شرط ہے اگر چہ یہ اتصال حکماً ہی کیوں نہ ہو۔ اور حکمی اتصال رات میں نیت کرنا ہے ضرورت کی وجہ سے، اس کی وجہ یہ ہے کہ رمضان کا اداء روزہ اور نذر معین کے روزہ کے علاوہ کسی کا وقت متعین نہیں ہوتا ہے لہٰذا رات ہی میں یہ طے کرلے اور دل سے یقین کرلے کہ فلاں روزہ رکھنا ہے۔ اور دل سے یہ جاننا کہ کون سا روزہ رکھ رہا ہے شرط ہے اور شیخ حدادی نے کہا کہ سنت یہ ہے کہ اس کو زبان سے کہہ لے، لیکن یہاں سنت سے مراد مشائخ علماء کی سنت مراد ہے رسول اللہ ﷺ کی سنت مراد نہیں ہے، اس لیے کہ نبی کریم ﷺ اور حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے زبان سے نیت کا ثبوت نہیں ملتا ہے۔

نیت کے وقت انشاء اللہ کہنے کا حکم

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ نیت میں انشاء اللہ کہنے سے نیت باطل نہیں ہوتی ہے بلکہ اگر نیت سے رجوع کرلے اور رات ہی میں پختہ ارادہ کرلے کہ افطار کرنا ہے تو پھر نیت ختم ہو جائے گی اور روزہ دار کا روزہ رکھنے کی حالت میں افطار کی نیت کرنا لغو ہے اس سے روزہ فاسد نہ ہوگا اور نماز کی حالت میں روزہ کی نیت کرنا درست ہے اور زبان سے روزہ کی نیت کا تلفظ کئے بغیر نماز فاسد نہ ہوگی۔

یہ بات پیچھے آچکی ہے کہ قضاء روزہ کے لیے رات ہی سے نیت کرنا ضروری ہے لیکن اگر کوئی شخص قضاء روزہ کی نیت دن میں کرلے تو اس کا یہ روزہ نفل شمار ہوگا قضاء روزہ نہیں ہوگا، چناں چہ اگر اس کو توڑ دے گا تو اس کی قضاء لازم ہوگی، اس لیے کہ دار الاسلام میں جہالت غیر معتبر ہے لہٰذا یہ روزہ اس ظنی روزہ کی طرح نہیں ہے جو اس خیال سے رکھ لیتا ہے کہ میرے ذمہ روزہ ہے پھر اس کو معلوم ہوتا ہے کہ اس پر کوئی روزہ لازم نہ تھا تو اس ظنی روزہ کا پورا کرنا لازم نہیں ہے، البتہ پورا کرلینا افضل ہے، ہاں اگر یہ جاننے کے بعد کہ اس پر کوئی روزہ لازم نہیں ہے اس کے باوجود رکھے رہا تو پھر اس کو توڑنا جائز نہیں ہے اور توڑنے کی صورت میں قضاء لازم ہوگی۔ (شامی: ۳/۳۴۶)

شک کے دن روزہ رکھنے کا شرعی حکم

اگر آسمان صاف ہو، اس میں گردوغبار نہ ہو تو شک کے دن یعنی تیسویں شعبان کا روزہ نہیں رکھا جائے گا اور یہ شک کا روزہ اس قول کی وجہ سے ہے جس میں کہا گیا ہے کہ رمضان میں اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں ہے اس بات کے امکان کی وجہ سے کہ چاند کسی دوسرے شہر میں دیکھا گیا ہو اور اگر اختلاف مطالع کو مان لیا جائے کہ ہر جگہ کا مطلع الگ الگ ہے ایک جگہ کا چاند دوسری جگہ کے لیے کافی نہیں ہوتا ہے تو تیسویں شعبان یوم الشک نہ ہوگا اور اس دن بالکل روزہ نہ رکھا جائے گا جیسا کہ عینی کے شرح المجمع میں زاہدی سے منقول ہے۔

یوم الشک میں نفل اور واجب آخر روزہ رکھنے کا حکم

لیکن یوم الشک میں نفل روزہ رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے البتہ نفل روزہ کے علاوہ کوئی اور روزہ اس دن رکھنا مکروہ ہے (خواہ وہ فرض ہو یا واجب) چناں چہ شک کے دن اگر کوئی شخص دوسرا واجب روزہ رکھ لے تو یہ مکروہ تنزیہی ہے اور اگر یوم الشک میں حتمی طور پر رمضان ہی سمجھ کر روزہ رکھے تو یہ مکروہ تحریمی ہے۔ (کیوں کہ یوم الشک کے دن روزہ رکھنے سے اہل کتاب کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہے اس لیے کہ انہوں نے اپنے روزوں کو اپنی طرف سے کچھ بڑھا لیا تھا اور ایک حدیث شریف میں اس سے منع کیا گیا ہے)۔ (شامی: ۳/۳۴۷)

اگر کسی شخص نے یوم الشک میں دوسرے واجب کی نیت سے روزہ رکھا پھر بعد میں معلوم ہوا کہ رمضان کا چاند نظر نہیں آیا، تو اس کی نیت کے مطابق وہی واجب روزہ ادا ہوگا جس کی اس نے نیت کی ہے اور اگر یوم الشک میں دوسرے واجب کی نیت سے روزہ رکھا بعد میں معلوم ہوا کہ رمضان کا چاند نظر آ گیا اور یوم الشک کا دن رمضان تھا تو رمضان ہی کا روزہ ادا ہوگا بشرطیکہ روزہ رکھنے والا مقیم ہو۔

(اور یہاں مقیم کی قید اس لیے لگائی گئی ہے کہ اگر مسافر نے یوم الشک میں واجب آخر کی نیت سے روزہ رکھا پھر رمضان ہو گیا تو واجب آخر ہی کا روزہ ادا ہوگا، اس لیے کہ سفر کی وجہ سے رمضان کا روزہ اس کے ذمہ واجب نہیں ہے)۔

(وَالتَّنَفُّلُ فِيهِ أَحَبُّ) أَيْ أَفْضَلُ اتِّفَاقًا (إنْ وَافَقَ صَوْمًا يَعْتَادُهُ) أَوْ صَامَ مِنْ آخِرِ شَعْبَانَ ثَلَاثَةً فَأَكْثَرَ لَا أَقَلَّ لِحَدِيثِ «لَا تُقَدِّمُوا رَمَضَانَ بِصَوْمِ يَوْمٍ أَوْ يَوْمَيْنِ» . وَأَمَّا حَدِيثُ «مَنْ صَامَ يَوْمَ الشَّكِّ فَقَدْ عَصَى أَبَا الْقَاسِمِ» فَلَا أَصْلَ لَهُ (وَإِلَّا يَصُومُهُ الْخَوَاصُّ وَيُفْطِرُ غَيْرُهُمْ بَعْدَ الزَّوَالِ) بِهِ يُفْتَى نَفْيًا لِتُهْمَةِ النَّهْيِ (وَكُلُّ مَنْ عَلِمَ كَيْفِيَّةَ صَوْمِ الشَّكِّ فَهُوَ مِنْ الْخَوَاصِّ وَإِلَّا فَمِنْ الْعَوَامّ، وَالنِّيَّةُ) الْمُعْتَبَرَةُ هُنَا (أَنْ يَنْوِيَ التَّطَوُّعَ) عَلَى سَبِيلِ الْجَزْمِ (مَنْ لَا يَعْتَادُ صَوْمَ ذَلِكَ الْيَوْمِ) . أَمَّا

الْمُعْتَادُ فَحُكْمُهُ مَرَّ (وَلَا يَخْطُرُ بِبَالِهِ أَنَّهُ إنْ كَانَ مِنْ رَمَضَانَ فَعَنْهُ) ذَكَرَهُ أَخِي زَادَهْ (وَلَيْسَ بِصَائِمٍ لَوْ) رَدَّدَ فِي أَصْلِ النِّيَّةِ بِأَنْ (نَوَى أَنْ يَصُومَ غَدًا إنْ كَانَ مِنْ رَمَضَانَ وَإِلَّا فَلَا) أَصُومُ لِعَدَمِ الْجَزْمِ (كَمَا) أَنَّهُ لَيْسَ بِصَائِمٍ (لَوْ نَوَى أَنَّهُ إنْ لَمْ يَجِدْ غَدَاءً فَهُوَ صَائِمٌ وَإِلَّا فَمُفْطِرٌ وَيَصِيرُ صَائِمًا مَعَ الْكَرَاهَةِ لَوْ) رَدَّدَ فِي وَصْفِهَا بِأَنْ (نَوَى إنْ كَانَ مِنْ رَمَضَانَ فَعَنْهُ وَإِلَّا فَعَنْ وَاجِبٍ آخَرَ وَكَذَا) يُكْرَهُ (لَوْ قَالَ أَنَا صَائِمٌ إنْ كَانَ مِنْ رَمَضَانَ وَإِلَّا فَعَنْ نَفْلٍ) لِلتَّرَدُّدِ بَيْنَ مَكْرُوهَيْنِ أَوْ مَكْرُوهٍ وَغَيْرِ مَكْرُوهٍ (فَإِنْ ظَهَرَ رَمَضَانِيَّتُهُ فَعَنْهُ وَإِلَّا فَنَفْلٌ فِيهِمَا) أَيْ الْوَاجِبِ وَالنَّفْلِ (غَيْرُ مَضْمُونٍ بِالْقَضَاءِ) لِعَدَمِ التَّنَفُّلِ قَصْدًا. أَكْلُ الْمُتَلَوِّمِ نَاسِيًا قَبْلَ النِّيَّةِ كَأَكْلِهِ بَعْدَهَا وَهُوَ الصَّحِيحُ شَرْحُ وَهْبَانِيَّةٍ.

شک کے دن معمول کی وجہ سے روزہ رکھنا

یوم الشک میں نفل روزہ رکھنا بالاتفاق افضل ہے، لیکن یہ افضلیت اس وقت ہے جب کہ ان دنوں میں اس کو روزہ رکھنے کی عادت ہو، یا اس نے اخیر شعبان کے تین یا زیادہ روزے رکھے تھے اس سے کم نہیں، اس لیے کہ حدیث شریف میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ''اے لوگو! رمضان المبارک سے ایک دن یا دو دن پہلے روزہ نہ رکھو''۔ رہی وہ حدیث جس میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ''جس نے شک کے دن روزہ رکھا اس نے درحقیقت ابوالقاسم (ﷺ) کی نافرمانی کی'' تو اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے۔ (یہاں اصل حدیث کا انکار مقصود نہیں ہے بلکہ حدیث کے مرفوع ہونے کی اصلیت کا انکار مقصود ہے، اس لیے کہ یہ حدیث موقوفاً مروی ہے۔ اور امام بخاریؒ نے اس حدیث کو تعلیقاً بصیغۂ جزم نقل کیا ہے، لہٰذا نفس حدیث کا انکار کرنا ممکن نہیں ہے)۔

خواص لوگوں کو یوم الشک میں روزہ رکھنے کا حکم

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اگر یوم الشک عادت کے دنوں میں نہ پڑے، یا اخیر شعبان کے تین یا زیادہ روزے نہیں رکھے تو خواص لوگوں کو چاہئے کہ اس دن روزہ رکھیں۔ اور عوام الناس زوال کے بعد روزہ توڑ دیں، اسی پر فتویٰ ہے تاکہ یہ نہی کی تہمت سے بری رہ سکیں۔ (اور فتح القدیر میں لکھا ہے کہ خواص لوگ بھی اس طرح روزہ رکھیں کہ عوام کو خبر نہ ہو سکے، تاکہ جاہلوں کو یہ شبہ نہ ہو جائے کہ رمضان میں ایک دن کا اضافہ ہو گیا ہے)۔ اور ہر وہ شخص جو یوم الشک میں روزہ رکھنے کی کیفیت جانتا ہو وہ خواص میں سے ہے اور جو شخص نہ جانتا ہو اس کا عوام الناس میں شمار ہے۔

جو شخص اس دن میں روزہ رکھنے کا عادی نہیں ہے اور وہ اس دن میں روزہ رکھنا چاہے تو اس کے لیے یوم الشک میں روزہ

رکھنے میں معتبر نیت یہ ہے کہ وہ یقینی طور پر نفل کی نیت کرے۔ اور جو شخص اس دن روزہ رکھنے کا عادی ہو اس کا حکم پہلے گذر چکا ہے کہ اس کے لیے اس دن روزہ رکھنا مکروہ نہیں ہے، کیونکہ اس کے دل میں یہ خیال ہی نہیں آئے گا کہ آج رمضان داخل ہو گیا ہے، تو میری طرف سے رمضان کا روزہ ہوگا ورنہ نفل کا روزہ ہوگا، اس کو اخی زادہ نے ذکر کیا ہے۔

یوم الشک میں روزہ رکھتے ہوئے اگر نیت میں تردد ہو تو کیا حکم ہے؟

یوم الشک میں روزہ رکھتے ہوئے جس شخص نے اصل نیت میں تردد کر لیا بایں طور کہ اس طرح نیت کی کہ اگر کل رمضان ہوگا تو رمضان کا روزہ اور اگر کل رمضان نہ ہوگا تو کوئی روزہ نہیں، تو اس صورت میں عدم تیقن کی وجہ سے اس کا روزہ نہیں ہوگا، جس طرح کہ اس شخص کا روزہ نہیں ہوتا ہے جو اس طرح نیت کرے کہ اگر کل دوپہر کا کھانا نہیں ملا تو روزہ ہے اور اگر کھانا ملا تو افطار ہے، البتہ اگر روزہ کے وصف میں تردد پایا جائے بایں طور کہ اس طرح نیت کرے کہ اگر یہ دن رمضان کا ہے تو رمضان کا روزہ ہے اور اگر رمضان کا دن نہیں ہے تو کسی دوسرے واجب کا روزہ ہے تو اس صورت میں کراہت تنزیہی کے ساتھ اس کا روزہ ہو جائے گا اور وہ کراہت کے ساتھ روزہ دار کہلائے گا۔

اسی طرح اس طریقہ سے بھی روزہ رکھنا مکروہ ہے کہ اس نے اس طرح نیت کی کہ اگر کل رمضان ہے تو رمضان کا روزہ۔ اور اگر رمضان نہیں ہے تو نفل کا روزہ، اس لیے کہ پہلی صورت میں دو مکروہ کے درمیان تردد پایا گیا ہے اور دوسری صورت میں مکروہ اور غیر مکروہ کے درمیان تردد پایا جا رہا ہے، اس لیے مکروہ ہے۔

بہر حال اگر بعد میں معلوم ہوا کہ وہ دن رمضان کا تھا تو رمضان کا روزہ مانا جائے گا، ورنہ واجب اور نفل دونوں صورتوں میں ایسا نفل روزہ ہوگا جس کے توڑنے سے قضاء لازم نہیں ہوگی، کیونکہ اس نے عمداً نفل کا روزہ نہیں رکھا ہے۔

ایک شخص شک کے دن میں نصف یوم تک چاند کی خبر کا انتظار کرتا رہا اور کھانا پینا بند کر رکھا ہے، ایسے شخص کے لیے نیت کرنے سے پہلے بھول کر کھانا ایسا ہے جیسے کہ نیت کے بعد بھول کر کھا لیا، یعنی بھول کر کھا لینے کے بعد نیت کرے گا تو بھی اس کا روزہ جائز ہوگا اور نیت بھی درست ہوگی، اس لیے کہ بھول کر کھانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے، یہی بات صحیح ہے جیسا کہ شرح وہبانیہ میں ہے۔

(رَأَى) مُكَلَّفٌ (هِلَالَ رَمَضَانَ أَوْ الْفِطْرِ وَرُدَّ قَوْلُهُ) بِدَلِيلٍ شَرْعِيٍّ (صَامَ) مُطْلَقًا وُجُوبًا وَقِيلَ نَدْبًا (فَإِنْ أَفْطَرَ قَضَى فَقَطْ) فِيهِمَا لِشُبْهَةِ الرَّدِّ. (وَاخْتَلَفَ) الْمَشَايِخُ لِعَدَمِ الرِّوَايَةِ عَنْ الْمُتَقَدِّمِينَ (فِيمَا إذَا أَفْطَرَ قَبْلَ الرَّدِّ) لِشَهَادَتِهِ (وَالرَّاجِحُ عَدَمُ وُجُوبِ الْكَفَّارَةِ) وَصَحَّحَهُ غَيْرُ وَاحِدٍ لِأَنَّ مَا رَآهُ يَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ خَيَالًا لَا هِلَالًا وَأَمَّا بَعْدَ قَبُولِهِ فَتَجِبُ الْكَفَّارَةُ وَلَوْ فَاسِقًا فِي الْأَصَحِّ (وَقُبِلَ بِلَا دَعْوَى وَ) بِلَا (لَفْظِ أَشْهَدُ) وَبِلَا حُكْمٍ وَمَجْلِسِ قَضَاءٍ لِأَنَّهُ خَبَرٌ لَا شَهَادَةٌ (لِلصَّوْمِ

مَعَ عِلَّةٍ كَغَيْمٍ) وَغُبَارٍ (خَبَرُ عَدْلٍ) أَوْ مَسْتُورٍ عَلَى مَا صَحَّحَهُ الْبَزَّازِيُّ عَلَى خِلَافِ ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ لَا فَاسِقٍ اتِّفَاقًا وَهَلْ لَهُ أَنْ يَشْهَدَ مَعَ عِلْمِهِ بِفِسْقِهِ قَالَ الْبَزَّازِيُّ: نَعَمْ لِأَنَّ الْقَاضِيَ رُبَّمَا قَبِلَهُ (وَلَوْ) كَانَ الْعَدْلُ (قِنًّا أَوْ أُنْثَى أَوْ مَحْدُودًا فِي قَذْفٍ تَابَ) بَيَّنَ - كَيْفِيَّةَ الرُّؤْيَةِ أَوْ لَا عَلَى الْمَذْهَبِ وَتُقْبَلُ شَهَادَةُ وَاحِدٍ عَلَى آخَرَ كَعَبْدٍ وَأُنْثَى وَلَوْ عَلَى مِثْلِهِمَا وَيَجِبُ عَلَى الْجَارِيَةِ الْمُخَدَّرَةِ أَنْ تَخْرُجَ فِي لَيْلَتِهَا بِلَا إِذْنِ مَوْلَاهَا وَتَشْهَدَ كَمَا فِي الْخَانِيَّةِ. (وَشُرِطَ لِلْفِطْرِ) مَعَ الْعِلَّةِ وَالْعَدَالَةِ (نِصَابُ الشَّهَادَةِ وَلَفْظُ أَشْهَدُ) وَعَدَمُ الْحَدِّ فِي قَذْفٍ لِتَعَلُّقِ نَفْعِ الْعَبْدِ لَكِنْ (لَا) تُشْتَرَطُ (الدَّعْوَى) كَمَا لَا تُشْتَرَطُ فِي عِتْقِ الْأَمَةِ وَطَلَاقِ الْحُرَّةِ (وَلَوْ كَانُوا بِبَلْدَةٍ لَا حَاكِمَ فِيهَا صَامُوا بِقَوْلِ ثِقَةٍ وَأَفْطَرُوا بِإِخْبَارِ عَدْلَيْنِ) مَعَ الْعِلَّةِ (لِلضَّرُورَةِ) وَلَوْ رَآهُ الْحَاكِمُ وَحْدَهُ خُيِّرَ فِي الصَّوْمِ بَيْنَ نَصْبِ شَاهِدٍ وَبَيْنَ أَمْرِهِمْ بِالصَّوْمِ بِخِلَافِ الْعِيدِ كَمَا فِي الْجَوْهَرَةِ،

رؤیت ہلال کے احکام ومسائل کا بیان

ایک عاقل وبالغ، شریعت کے مکلف شخص نے رمضان، یا عید الفطر کا چاند دیکھا اور اس نے چاند کی شہادت دی، لیکن اس کے قول کو حجت شرعیہ سے رد کر دیا گیا اور اس کی شہادت تسلیم نہیں کی گئی، تو بھی اس پر واجب ہے کہ وہ روزہ رکھے، خواہ عید کا چاند ہو یا رمضان کا۔ اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ یہ روزہ رکھنا اس کے لیے مستحب ہے، پس اگر اس نے روزہ نہیں رکھا اور افطار کر لیا تو اس صورت میں اس پر صرف اس کی قضاء لازم ہے کفارہ واجب نہیں ہے، کیونکہ شہادت کے رد ہونے کی وجہ سے شبہ پایا گیا اور عید کے چاند میں اس لیے کہ اس کے نزدیک وہ عید کا دن ہے جس دن روزہ رکھنا حرام ہے۔

اور اگر شہادت کے رد ہونے سے پہلے اس نے افطار کر لیا تو اس میں مشائخ علماء کا اختلاف ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ کفارہ بھی واجب ہے۔ اور بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ صرف قضاء لازم ہوگی کفارہ نہیں اور یہی قول راجح ہے اور اکثر لوگوں نے اس کی تصحیح کی ہے، اس لیے کہ ممکن ہے کہ جو اس نے چاند دیکھا ہے وہ چاند نہ ہو بلکہ اس کا خیال ہو جو چاند کی شکل میں نظر آیا ہو۔ اور مشائخ میں اختلاف کی وجہ متقدمین سے کسی روایت کا منقول نہ ہونا ہے۔

البتہ اگر چاند دیکھنے والے کی شہادت قبول کر لی گئی، اس کے بعد اس نے افطار کر لیا تو اس صورت میں اس پر اس روزہ کی قضاء اور کفارہ دونوں لازم ہوں گے، اگرچہ چاند دیکھنے والا فاسق ہی کیوں نہ ہو، اس بارے میں صحیح تر روایت یہی ہے۔

اگر ایک آدمی نے رمضان کے چاند کی خبر دی تو کیا حکم ہے؟

اگر چاند رات میں آسمان پر بادل یا گرد وغبار ہو تو صرف ایک عادل یا مستور الحال آدمی کی خبر قبول کی جائے گی، جس میں

نہ تو دعویٰ کی ضرورت ہوگی نہ لفظ "اَشْهَدُ" کہنے کی اور نہ حکم کی ضرورت ہوگی، نہ مجلس قضاء کی، اس لیے کہ یہ ایک خبر ہے شہادت نہیں ہے۔ بزازی نے ظاہر الروایہ کے خلاف اس قول کی تصحیح کی ہے۔ (لیکن علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ یہ بھی ظاہر الروایہ ہے، اس لیے کہ حاکم شہید نے کافی نامی کتاب جس میں امام محمدؒ کے اقوال جمع کئے گئے ہیں۔ میں کہا ہے کہ مسلمان مرد اور مسلمان عورت کی گواہی چاند کے سلسلہ میں قبول کی جائے گی، خواہ عادل ہو یا غیر عادل)۔ (شامی: ۳/ ۳۵۲)

اور روزے کے سلسلے میں فاسق کا قول بالاتفاق قبول نہیں کیا جائے گا۔ (اس لیے کہ اصولِ شرع یہ ہے کہ جن دینی اُمور میں عادل شخص کی گواہی میسر ہوسکتی ہے ان میں فاسق کی گواہی مقبول نہیں ہے، اگرچہ قاضی کو فاسق کی گواہی لینے کا اختیار ہے، اس لیے یہاں غیر عادل سے مراد مستور الحال ہے)۔

کیا فاسق گواہی دے سکتا ہے؟

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ فاسق شخص کو جب اپنا فسق معلوم ہو تو کیا اس کے لیے گواہی دینا جائز ہے؟ تو اس بارے میں بزازی کا جواب یہ ہے کہ جی ہاں! اس کے لیے ایسا کرنا جائز ہے، اس لیے کہ بسا اوقات قاضی فاسق کی شہادت بھی قبول کرتا ہے۔ (اور شمس الائمہ حلوانی نے کہا کہ چاند والی رات میں عادل کے لیے شہادت دینا لازم ہے، خواہ وہ باندی ہو یا پردہ نشین خاتون، اس لیے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ لوگ صبح کے وقت افطار کرلیں۔ اور شہادت دینا فرضِ عین ہے۔ اور اگر فاسق کو یقین ہو کہ حاکم اس کی شہادت مان لے گا تو اس کے لیے حاکم کے پاس جاکر شہادت پیش کرنا واجب ہے۔ اور مستور الحال کے متعلق دو روایتیں ہیں)۔ (شامی: ۳/ ۳۵۲)

عادل شخص کی شہادت

چاند کے سلسلے میں عادل شخص کی شہادت قبول کی جائے گی اگرچہ وہ عادل شخص غلام ہو، یا عورت ہو، یا ایسا شخص ہو جس پر حدِ قذف لگ چکا ہو اور اس نے اللہ تعالیٰ سے توبہ کرلی ہو، خواہ چاند دیکھنے والا چاند دیکھنے کی کیفیت بیان کرے یا بیان نہ کرے، بہر صورت اس کی شہادت قبول کی جائے گی، صحیح مذہب یہی ہے۔ (البتہ امام فضلیؒ فرماتے ہیں کہ ایک عادل شخص کی شہادت اس وقت قبول کی جائے گی جب وہ تفسیر کرے اور یہ بیان کرے کہ میں نے شہر سے باہر جنگل میں جاکر چاند دیکھا ہے، یا بادل کے ٹکڑوں میں دیکھا ہے، اس تفصیل کے بغیر اس کی شہادت قبول نہ ہوگی)۔ (شامی: ۳/ ۳۵۳)

شہادت علی الشہادۃ کا بیان

اور رمضان کے چاند کے بارے میں ایک شخص کی شہادت پر دوسرے کی گواہی مقبول و معتبر ہے، جیسے کہ عورت اور غلام کی گواہی معتبر ہے، اگرچہ یہ گواہی اپنے مثل پر ہو۔ (بقیہ دیگر احکامِ شرعیہ میں شہادت علی الشہادۃ اس وقت تک قبول نہیں ہے

جب تک کہ ایک آدمی کی شہادت پر دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں شہادت نہ دیں)۔(شامی: ۲/ ۳۵۳)

چاند کی شہادت کے بارے میں شریعت کا اہتمام

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ رمضان کے چاند دیکھنے کے لیے پردہ نشین باندی پر واجب ہے کہ چاند کی رات میں اپنے آقا کی اجازت کے بغیر باہر نکلے اور قاضی کے پاس جا کر شہادت پیش کرے، جیسا کہ حافظیہ میں ہے۔ (یہی حکم آزاد عورت کا بھی ہے کہ وہ اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر قاضی کے پاس جا کر شہادت پیش کرے۔ اسی طرح جو باندی پردہ نشین نہیں ہے یا جو لڑکی شادی شدہ نہیں ہے وہ بدرجۂ اولیٰ چاند دیکھنے کی شہادت دے گی)۔

عید کے چاند کے متعلق شریعت کا اہتمام

فرماتے ہیں کہ اگر آسمان گرد آلود ہو تو عید الفطر کے چاند دیکھنے کی شہادت دینے کے لیے عادل ہونے کے ساتھ ساتھ نصابِ شہادت کا پایا جانا بھی شرط ہے، یعنی شہادت دینے والے دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ہوں اور اسی کے ساتھ ساتھ لفظ "اَشْهَدُ" (یعنی میں گواہی دیتا ہوں) کہنا بھی شرط ہے، نیز یہ بھی شرط ہے کہ شہادت دینے والا ایسا ہو جس پر حدِ قذف نہ لگایا گیا ہو اور یہ تمام شرطیں عید الفطر کے چاند دیکھنے میں اس لیے لگائی ہیں کہ اس سے بندے کا دنیاوی نفع متعلق ہے، یہی وجہ ہے کہ یہ تمام شرطیں رمضان کے چاند میں نہیں ہیں، اس لیے کہ وہ ایک امر دینی ہے۔

اور چاند دیکھنے کے متعلق دعویٰ شرط نہیں ہے، جیسے کہ باندی کی آزادی اور آزاد عورت کے طلاق میں دعویٰ شرط نہیں ہے اس لیے کہ اس میں حق العبد ہونے کے ساتھ ساتھ حقوق اللہ بھی پائے جاتے ہیں، جیسے کہ عید کے دن روزہ کا حرام ہونا، نمازِ عید کا واجب ہونا ہے۔

جہاں حاکم وقاضی نہ ہوں

اگر مسلمان ایسے علاقے اور شہر میں آباد ہوں جہاں کوئی حاکم اور قاضی شرعی نہ ہو اور آسمان ابر آلود ہو تو ایک ثقہ آدمی کی خبر سے کہ چاند ہو گیا ہے، روزہ رکھیں۔ اور اگر آسمان میں گرد و غبار ہو تو ایسے علاقے اور شہر کے لوگ اس وقت افطار کریں گے جب دو عادل آدمی چاند کے ہونے کی خبر دیں، ضرورت اس کی داعی ہے، کیونکہ اس جگہ نہ کوئی قاضی ہے، نہ حاکم، جہاں جا کر لوگ چاند کی شہادت دیں گے اور پھر قاضی اعلان کرے گا۔

اور اگر چاند صرف حاکم نے تنہا دیکھا ہے اس کے علاوہ کسی اور مسلمان نے نہیں دیکھا ہے تو اس کو اختیار ہے کہ وہ گواہی دینے کے لیے اپنا کوئی نائب مقرر کر دے جو اس کے سامنے گواہی دے، یا اس کے بغیر ہی روزہ رکھنے کا لوگوں کو حکم کرے، البتہ عید الفطر کے چاند دیکھنے کے متعلق صرف ایک آدمی کا قول معتبر نہیں ہے، جیسا کہ جوہرہ نامی کتاب میں ہے۔

وَلَا عِبْرَةَ بِقَوْلِ الْمُؤَقِّتِينَ، وَلَوْ عُدُولًا عَلَى الْمَذْهَبِ قَالَ فِي الْوَهْبَانِيَّةِ وَقَوْلُ أُولِي التَّوْقِيتِ لَيْسَ بِمُوجِبٍ وَقِيلَ نَعَمْ وَالْبَعْضُ إنْ كَانَ يَكْثُرُ (وَ) قُبِلَ (بِلَا عِلَّةٍ جَمْعٌ عَظِيمٌ يَقَعُ الْعِلْمُ) الشَّرْعِيُّ وَهُوَ غَلَبَةُ الظَّنِّ (بِخَبَرِهِمْ وَهُوَ مُفَوَّضٌ إلَى رَأْيِ الْإِمَامِ مِنْ غَيْرِ تَقْدِيرٍ بِعَدَدٍ) عَلَى الْمَذْهَبِ وَعَنْ الْإِمَامِ أَنَّهُ يَكْتَفِي بِشَاهِدَيْنِ وَاخْتَارَهُ فِي الْبَحْرِ وَصَحَّحَ فِي الْأَقْضِيَةِ الِاكْتِفَاءَ بِوَاحِدٍ إنْ جَاءَ مِنْ خَارِجِ الْبَلَدِ أَوْ كَانَ عَلَى مَكَانٍ مُرْتَفِعٍ، وَاخْتَارَهُ ظَهِيرُ الدِّينِ قَالُوا وَطَرِيقُ إثْبَاتِ رَمَضَانَ وَالْعِيدِ أَنْ يَدَّعِيَ وَكَالَةً مُعَلَّقَةً بِدُخُولِهِ بِقَبْضِ دَيْنٍ عَلَى الْحَاضِرِ فَيُقِرُّ بِالدَّيْنِ وَالْوَكَالَةِ وَيُنْكِرُ الدُّخُولَ فَيَشْهَدُ الشُّهُودُ بِرُؤْيَةِ الْهِلَالِ فَيُقْضَى عَلَيْهِ بِهِ، وَيَثْبُتُ دُخُولُ الشَّهْرِ ضِمْنًا لِعَدَمِ دُخُولِهِ تَحْتَ الْحُكْمِ. (شَهِدُوا أَنَّهُ شَهِدَ عِنْدَ قَاضِي مِصْرَ كَذَا شَاهِدَانِ بِرُؤْيَةِ الْهِلَالِ) فِي لَيْلَةِ كَذَا (وَقَضَى) الْقَاضِي (بِهِ وَوُجِدَ اسْتِجْمَاعُ شَرَائِطِ الدَّعْوَى قَضَى) أَيْ جَازَ لِهَذَا (الْقَاضِي) أَنْ يَحْكُمَ (بِشَهَادَتِهِمَا) لِأَنَّ قَضَاءَ الْقَاضِي حُجَّةٌ وَقَدْ شَهِدُوا بِهِ لَا لَوْ شَهِدُوا بِرُؤْيَةِ غَيْرِهِمْ لِأَنَّهُ حِكَايَةٌ، نَعَمْ لَوْ اسْتَفَاضَ الْخَبَرُ فِي الْبَلْدَةِ الْأُخْرَى لَزِمَهُمْ عَلَى الصَّحِيحِ مِنْ الْمَذْهَبِ مُجْتَبَى وَغَيْرُهُ (وَبَعْدَ صَوْمِ ثَلَاثِينَ بِقَوْلِ عَدْلَيْنِ حَلَّ الْفِطْرُ) الْبَاءُ مُتَعَلِّقَةٌ بِصَوْمٍ وَبَعْدَ مُتَعَلِّقَةٌ بِحَلَّ لِوُجُودِ – نِصَابِ الشَّهَادَةِ (وَ) لَوْ صَامُوا (بِقَوْلِ عَدْلٍ) حَيْثُ يَجُوزُ وَغُمَّ هِلَالُ الْفِطْرِ (لَا) يَحِلُّ عَلَى الْمَذْهَبِ خِلَافًا لِمُحَمَّدٍ كَذَا ذَكَرَهُ الْمُصَنِّفُ، لَكِنْ نَقَلَ ابْنُ الْكَمَالِ عَنْ الذَّخِيرَةِ أَنَّهُ إنْ غُمَّ هِلَالُ الْفِطْرِ حَلَّ اتِّفَاقًا وَفِي الزَّيْلَعِيِّ الْأَشْبَهُ إنْ غُمَّ حَلَّ وَإِلَّا لَا. (وَ) هِلَالُ (الْأَضْحَى) وَبَقِيَّةُ الْأَشْهُرِ التِّسْعَةِ (كَالْفِطْرِ) عَلَى الْمَذْهَبِ وَرُؤْيَتُهُ بِالنَّهَارِ لِلَّيْلَةِ الْآتِيَةِ مُطْلَقًا عَلَى الْمَذْهَبِ ذَكَرَهُ الْحَدَّادِيُّ.

نجومیوں، سائنس دانوں کا قول اور کلینڈر معتبر نہیں

روزہ کے واجب ہونے کے متعلق نجومیوں کے حساب کا اعتبار نہیں ہے، اگر چہ وہ عادل ہی کیوں نہ ہوں، اس بارے میں صحیح مذہب یہی ہے۔ (بلکہ معراج الدرایہ میں ہے کہ خود نجومیوں کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے حساب پر عمل کریں، ان کا قول بالاتفاق معتبر نہیں ہے۔ اور نہر الفائق شرح کنز الدقائق میں ہے کہ اگر نجومی یہ کہے کہ فلاں دن چاند دکھائی دے گا تو اس کے اس قول سے مسلمانوں پر روزہ لازم نہیں ہوگا، اگر چہ وہ عادل ہو، یہی صحیح ہے)۔ (شامی: ۳/ ۳۵۴)

اور شرح الوہبانیہ میں ہے کہ نجومیوں کا قول روزہ رکھنے کا موجب نہیں بن سکتا ہے۔ اور بعض علماء نے فرمایا کہ ان کا قول لائق اعتماد ہے، بشرطیکہ وہ بہت زیادہ ہوں، لیکن فتویٰ اس پر نہیں ہے: بلکہ فتویٰ اس پر ہے کہ نجومیوں کا قول معتبر نہیں ہے، نیز

کلینڈروں میں جو تاریخ لکھی رہتی ہے اس کا بھی اعتبار نہیں ہے؛ بلکہ قمری مہینوں میں چاند دیکھنے کا اعتبار ہے، یہی وجہ ہے کہ کبھی کلینڈر کی تاریخ غلط نکل جاتی ہے۔

اگر مطلع صاف ہو تو جم غفیر کی شہادت شرط ہے

اگر مطلع صاف ہو اور آسمان میں کوئی گرد وغبار نہ ہو تو اس وقت چاند دیکھنے کے سلسلے میں ایک جم غفیر کا قول قبول کیا جائے گا جن سے علم شرعی یعنی غلبۂ ظن حاصل ہو سکے۔ ایک آدمی یا دو چار آدمیوں کا قول اس وقت معتبر نہیں ہے، اس لیے کہ جب آسمان بالکل بے گرد وغبار، صاف ستھرا ہو تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ صرف ایک یا دو چار کو چاند نظر آئے اور بقیہ لوگوں کو بالکل نہ دکھائی دے۔

اور "جم غفیر" کس کو کہیں گے؟ یہ امام المسلمین کی صواب دید پر ہے، وہ جتنے لوگوں کو جم غفیر قرار دے گا اتنے ہی لوگ جم غفیر قرار پائیں گے۔ جم غفیر کتنے لوگوں کی مقدار کو کہیں گے؟ اس بارے میں شریعت سے کوئی خاص عدد منقول نہیں ہے، صحیح مذہب یہی ہے۔ (علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ سراج الوہاج میں ہے کہ جم غفیر کی تعداد ظاہر الروایہ میں متعین کر کے نہیں بیان کی گئی ہے، البتہ حضرت امام ابو یوسفؒ سے ایک روایت یہ منقول ہے کہ پچاس مرد ہوں، جیسا کہ قسامہ کے اندر ہوتا ہے۔ اور بعض اہل علم کے نزدیک محلے کے اکثر لوگ مراد ہیں۔ اور بعض کے نزدیک ہر مسجد سے ایک یا دو آدمی کا دیکھنا مراد ہے۔ اور اس بارے میں خلف بن ایوب کا قول یہ ہے کہ بلخ میں پانچ سو کی تعداد بھی کم ہے، اس لیے ان سب اقوال میں صحیح قول یہ ہے کہ امام کی رائے پر چھوڑ دیا جائے، جتنے لوگوں کی خبر کو امام معتبر سمجھے گا وہی تعداد وجوب روزہ میں معتبر ہے۔ البحر الرائق اور فتح القدیر میں یہ ہے کہ اس بارے میں حق بات وہ ہے جو حضرت امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ چاند کے ہونے کی خبر ہر طرف سے تواتر کے ساتھ آئے)۔ (شامی: ۳/۳۵۶)

عصر حاضر میں دو آدمیوں کی شہادت

حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ قاضی صرف دو گواہوں پر بھی فیصلہ کر سکتا ہے۔ اور البحر الرائق میں اسی قول کو اختیار کیا ہے اور فرمایا کہ ہمارے اس زمانے میں اسی پر عمل کرنا مناسب ہے، اس لیے کہ اس زمانے میں لوگ چاند دیکھنے میں سستی اور کاہلی سے کام لیتے ہیں۔ اور "الاقضیہ" نامی کتاب میں اس بات کی تصحیح کی ہے کہ چاند دیکھنے کے سلسلے میں ایک آدمی کا قول بھی کافی ہے، بشرطیکہ وہ شہر کے باہر سے آیا ہو یا وہ کسی بلند اور اونچی جگہ سے آیا ہو، ظہیر الدین نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ (اور فتاویٰ صغریٰ میں اسی پر اعتماد ظاہر کیا گیا ہے، جو در حقیقت امام طحاوی کا قول ہے۔ اور کتاب الاستحسان میں امام محمدؒ نے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے، لیکن خلاصہ میں ہے کہ ظاہر الروایۃ یہ ہے کہ شہری اور غیر شہری میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اور مبسوط میں ہے کہ اگر آسمان صاف ستھرا ہے تو امام اس شخص کی شہادت پر فیصلہ کر دے گا، البتہ اگر آسمان ابر آلود ہو اور وہ باہر سے آیا ہو یا

او نچے مقام سے آیا ہو تو اس کی بات تسلیم کی جائے گی)۔(شامی: ۳/۳۵۷)

رمضان اور عید کے ثابت کرنے کا ایک طریقہ

علمائے امت نے فرمایا کہ رمضان اور عید کے ثابت کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ کوئی شخص کسی موجود آدمی پر یہ دعویٰ کرے کہ فلاں غائب کا تیرے ذمہ قرض ہے اور اس کے وصول کرنے کا اس نے مجھے وکیل بنایا ہے کہ جب رمضان یا عید آجائے تو تم اس سے میرا قرض وصول کر لینا، اب یہ موجود شخص قرض اس کے وکیل ہونے کا اقرار کر لے اور رمضان یا عید آنے کا انکار کر دے پھر گواہ چاند کے ہونے کی شہادت دیں تو اس گواہی سے فیصلہ کر دیا جائے گا کہ تم قرض ادا کر دو۔ اس سے ضمنی طور پر رمضان یا عید کا داخل ہونا بھی ثابت ہو جائے گا، کیونکہ اس کا داخل ہونا حکم کے تحت نہیں ہے۔

کسی دوسرے شہر کے قاضی کے فیصلہ پر روزہ کا حکم

اگر چند گواہوں نے شہر کے قاضی کے سامنے اس بات کی گواہی دی کہ فلاں فلاں لوگوں نے فلاں رات میں چاند ہونے کی شہادت دی ہے اور اس قاضی نے ان گواہوں کی گواہی پر رمضان کا فیصلہ کر دیا ہے اور عندالشہادۃ دعویٰ کی تمام شرطیں پائی گئیں تو اس قاضی کے لیے جائز ہے کہ ان لوگوں کی شہادت پر رمضان ہونے کا فیصلہ کر دے، کیونکہ قاضی کا فیصلہ حجت شرعی ہے اور یہاں کے شاہدوں نے اس قاضی کے فیصلہ کرنے کی شہادت دیدی ہے، لیکن اگر یہ گواہان اپنے علاوہ دوسروں کے دیکھنے کی شہادت دیں گے تو قاضی اس صورت میں رمضان ہونے کا فیصلہ نہیں کرے گا، اس لیے کہ اس کی شہادت درحقیقت حکایت ہے، کیوں کہ ان گواہان نے نہ خود اپنا دیکھنا بیان کیا ہے نہ غیر کے دیکھنے کی گواہی دی ہے، بلکہ دوسرے کے دیکھنے کا واقعہ نقل کیا ہے، اس لیے اس صورت میں قاضی رمضان ہونے کا فیصلہ نہیں کرے گا۔

اگر چاند کی خبر مشہور ہو جائے تو روزہ کا حکم

البتہ اگر چاند دیکھنے کی خبر دوسرے شہر میں خوب عام ہو جائے اور مشہور ہو جائے تو اس صورت میں صحیح مذہب کے مطابق ان کے لیے روزہ رکھنا لازم ہوگا، جیسا کہ مجتبیٰ وغیرہ میں ہے۔(علامہ شامیؒ نے لکھا ہے کہ ذخیرہ نامی کتاب میں ہے کہ شمس الائمہ حلوانی نے کہا ہے کہ جب دوسرے شہر میں چاند دیکھنے کی خبر پھیل جائے اور خبر متحقق ہو جائے تو اس شہر والوں پر بھی روزہ رکھنا لازم ہوگا، علمائے احناف کا صحیح مذہب یہی ہے۔ اور چاند کی خبر پھیل جانے کا مطلب یہ ہے کہ اس شہر سے متعدد لوگ آکر چاند دیکھنے کی خبر بیان کریں کہ انھوں نے چاند دیکھ کر روزہ رکھا ہے، لیکن اگر صرف خبر کا پھیلنا بتائیں اور یہ نہ بتائیں کہ کس نے دیکھا اور کس نے یہ خبر شائع کی تو اس کو استفاضہ نہیں کہیں گے)۔(شامی: ۳/۳۵۹)

اگر رمضان کا چاند دیکھ کر روزہ نہیں رکھا گیا تو عید کے چاند میں کیا کیا جائے؟

اگر رمضان میں دو عادل آدمیوں کی شہادت سے روزہ رکھنا شروع کیا گیا، چاند دیکھ کر روزہ نہیں شروع کیا گیا تو اس صورت میں تیس روزہ پورا کرنے کے بعد افطار کرنا حلال ہے، اس لیے کہ نصاب شہادت پایا جارہا ہے۔ شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ بقول کا "باء" صوم سے متعلق ہے اور بعد متعلق ہے لفظ حل کے۔

لیکن اگر رمضان کا روزہ مسلمانوں نے ایک عادل شخص کے کہنے پر رکھا ہے اور ایسا کرنا جائز بھی ہے اور عید الفطر کے چاند میں آسمان ابر آلود ہوگیا، تو اس صورت میں صحیح مذہب یہ ہے کہ صرف تیس روزہ پورا کرکے بغیر چاند دیکھے افطار کرنا درست نہیں ہے۔ اس مسئلہ میں حضرت امام محمدؒ کا اختلاف ہے جیسا کہ مصنف نے بھی اس کو ذکر کیا ہے، لیکن ابن الکمال نے ذخیرہ سے نقل کیا ہے کہ اگر عید کے چاند نظر آنے کے دن آسمان ابر آلود ہو اور تیس روزے مکمل ہوچکے ہوں تو بالاتفاق افطار کرنا حلال ہے، اس لیے کہ تیس یوم سے زیادہ روزہ نہیں ہوتا ہے۔ اور قاضی کے فیصلہ سے تیس روزہ مکمل ہوا ہے۔ اور زیلعی میں ہے کہ درست بات یہ ہے کہ اگر آسمان میں گرد وغبار ہو تو افطار حلال ہے، ورنہ نہیں، یعنی اگر آسمان صاف ہو اور چاند نظر نہ آئے تو افطار جائز نہیں ہے۔

عید الاضحی اور دیگر مہینوں کا چاند

عید الاضحی اور بقیہ نو مہینوں کے چاند کا وہی حکم ہے جو عید الفطر کے چاند کے متعلق گذرا ہے، اس بارے میں صحیح مذہب یہی ہے، یعنی ذی الحجہ کے چاند کا وہی حکم ہے جو شوال کے چاند کا ہے، یعنی اگر آسمان ابر آلود ہوگا تو کم از کم دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت سے ثابت ہوگا اور جب آسمان صاف ہوگا تو جم غفیر کا دیکھنا شرط ہوگا، اس کے بعد ہی ثابت ہوگا۔

اگر کوئی شخص دن میں چاند دیکھے تو کیا حکم ہے؟

فرماتے ہیں کہ اگر چاند دن میں نظر آئے تو بالیقین وہ چاند آنے والی رات کا چاند ہوگا، اس بارے میں صحیح مذہب یہی ہے، اس کو حدادی نے ذکر کیا ہے۔ (اور دن میں چاند خواہ زوال سے پہلے نظر آیا ہو یا زوال کے بعد دونوں صورتوں میں آنے والی رات کا چاند ہوگا۔ اور مذہب صحیح سے مراد یہ ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کا یہی قول ہے۔ اور بدائع الصنائع میں صراحت ہے کہ جس دن میں چاند دیکھا گیا ہے وہ رمضان شمار ہوگا۔ اور حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اگر چاند دن میں زوال کے بعد نظر آیا تو بلاشبہ آنے والی رات کا چاند ہوگا اور اگر دن میں زوال سے پہلے نظر آیا تو وہ گذشتہ رات کا چاند مانا جائے گا اور دن رمضان کا شمار ہوگا اور یہی اختلاف عید الفطر کے چاند میں بھی ہے)۔ (شامی: ۳/۳۶۱)

(وَاخْتِلَافُ الْمَطَالِعِ) وَرُؤْيَتُهُ نَهَارًا قَبْلَ الزَّوَالِ وَبَعْدَهُ (غَيْرُ مُعْتَبَرٍ عَلَى) ظَاهِرِ (الْمَذْهَبِ) وَعَلَيْهِ أَكْثَرُ الْمَشَايِخِ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى بَحْرٌ عَنْ الْخُلَاصَةِ (فَيَلْزَمُ أَهْلَ الْمَشْرِقِ بِرُؤْيَةِ أَهْلِ الْمَغْرِبِ) إذَا

ثَبَتَ عِنْدَهُمْ رُؤْيَةُ أُولَئِكَ بِطَرِيقٍ مُوجِبٍ كَمَا مَرَّ، وَقَالَ الزَّيْلَعِيُّ: الْأَشْبَهُ أَنَّهُ يُعْتَبَرُ لٰكِنْ قَالَ الْكَمَالُ: الْأَخْذُ بِظَاهِرِ الرِّوَايَةِ أَحْوَطُ. [فَرْعٌ] إِذَا رَأَوُا الْهِلَالَ يُكْرَهُ أَنْ يُشِيرُوا إِلَيْهِ لِأَنَّهُ مِنْ عَمَلِ الْجَاهِلِيَّةِ كَمَا فِي السِّرَاجِيَّةِ وَكَرَاهَةِ الْبَزَّازِيَّةِ.

مطالع کے اختلاف کا اعتبار ہے یا نہیں؟

حضرت مصنفؒ فرماتے ہیں کہ اختلافِ مطالع اور چاند کا دن میں دیکھنا خواہ زوال سے پہلے ہو یا زوال کے بعد ظاہر مذہب کے مطابق غیر معتبر ہے۔ اکثر مشائخ امت کا اسی پر عمل ہے اور اسی قول پر فتویٰ بھی ہے، جیسا کہ البحرالرائق میں خلاصہ سے نقل کیا ہے، چناں چہ اگر اہلِ مغرب نے چاند دیکھا اور روزہ رکھا یا افطار کیا تو اہلِ مشرق کے لیے بھی بطریق موجب رویت ثابت ہوگئی اور اہل مشرق پر بھی روزہ رکھنا یا افطار کرنا لازم ہو جائے گا، جیسا کہ گزرا۔ اور امام زیلعیؒ نے فرمایا کہ اس میں شک نہیں ہے کہ اختلافِ مطالع پایا جاتا ہے اور اس کا اعتبار ہے۔ اور کمال الدین بابرتی نے کہا کہ ظاہر الروایہ پر عمل کرنے میں زیادہ احتیاط ہے۔

فروعات: اور جب چاند نظر آئے تو اس کی طرف اشارہ کرنا مکروہ ہے، کیوں کہ چاند کی طرف اشارہ کرنا دورِ جاہلیت کا عمل ہے، جیسا کہ سراجیہ اور بزازیہ کے کتاب الکراہیۃ میں مذکور ہے۔ اور علت مذکورہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کراہت سے مراد کراہت تنزیہی ہے۔

ایک ضروری تحقیق

علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں کہ یہ بات خوب اچھی طرح جان لینی چاہئے کہ نفس اختلافِ مطالع میں کوئی نزاع نہیں ہے؛ بلکہ بالیقین اختلافِ مطالع پایا جاتا ہے اس لیے کہ دو شہروں اور دو ملکوں کے درمیان کبھی اس قدر دوری ہوتی ہے کہ ایک ملک میں چاند نظر آتا ہے دوسرے میں نظر نہیں آتا ہے بلکہ ایک دن بعد نظر آتا ہے، یہی حال طلوعِ آفتاب کے مطالع کا بھی ہے، چناں چہ جس وقت ایک ملک میں صبح ہوتی ہے تو دوسرے ملک میں شام ہوتی ہے اور بعض ممالک میں آدھی رات ہوتی ہے۔ اب علماء کے درمیان اختلاف اس میں ہے کہ اختلافِ مطالع کا اعتبار ہے یا نہیں؟ تو اس سلسلے میں دو مذاہب ہیں ایک مذہب یہ ہے کہ ہر ملک والوں کے لیے اپنے اپنے مطالع کا اعتبار کرنا ضروری ہے، غیر ملک کے مطلع پر عمل کرنا لازم نہیں ہے، جیسے کہ آج کل عرب اور ہندوستان کا مطلع الگ الگ ہے، چناں چہ عرب میں ایک یا دو دن پہلے چاند نظر آتا ہے اور ہندوستان میں ایک دو دن بعد نظر آتا ہے اور دونوں ممالک والے اپنے اپنے ملک کی رویت کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ اور دوسرا مذہب یہ ہے کہ اختلافِ مطالع کا اعتبار سرے سے بالکل ہے ہی نہیں، دنیا کے جس حصے میں بھی چاند نظر آئے کا سب کو اسی کے مطابق عمل کرنا لازم ہوگا، چناں چہ اگر مغرب میں جمعہ کی رات چاند نظر آ گیا اور وہاں کے لوگوں نے دیکھ لیا تو اہل مشرق پر لازم ہے

کہ اہل مغرب کی رؤیت پر عمل کریں اور روزہ رکھیں، آج کل فتویٰ قولِ اوّل پر ہے۔

بَابُ مَا يُفْسِدُ الصَّوْمَ وَمَا لَا يُفْسِدُهُ

یہ باب ان چیزوں کے بیان میں ہے جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور جن سے نہیں ٹوٹتا ہے

الْفَسَادُ وَالْبُطْلَانُ فِي الْعِبَادَاتِ سِيَّانِ (إِذَا أَكَلَ الصَّائِمُ أَوْ شَرِبَ أَوْ جَامَعَ) حَالَ كَوْنِهِ (نَاسِيًا) فِي الْفَرْضِ وَالنَّفْلِ قَبْلَ النِّيَّةِ أَوْ بَعْدَهَا عَلَى الصَّحِيحِ بَحْرٌ عَنِ الْقُنْيَةِ إِلَّا أَنْ يُذَكَّرَ فَلَمْ يَتَذَكَّرْ -وَيُذَكِّرُهُ لَوْ قَوِيًّا وَإِلَّا وَلَيْسَ عُذْرًا فِي حُقُوقِ الْعِبَادِ (أَوْ دَخَلَ حَلْقَهُ غُبَارٌ أَوْ ذُبَابٌ أَوْ دُخَانٌ) وَلَوْ ذَاكِرًا اسْتِحْسَانًا لِعَدَمِ إِمْكَانِ التَّحَرُّزِ عَنْهُ، وَمُفَادُهُ أَنَّهُ لَوْ أَدْخَلَ حَلْقَهُ الدُّخَانَ أَفْطَرَ أَيَّ دُخَانٍ كَانَ وَلَوْ عُودًا أَوْ عَنْبَرًا لَهُ ذَاكِرًا لِإِمْكَانِ التَّحَرُّزِ عَنْهُ فَلْيُتَنَبَّهْ لَهُ كَمَا بَسَطَهُ الشُّرُنْبُلَالِيُّ. (أَوْ أَدْهَنَ أَوْ اكْتَحَلَ أَوْ احْتَجَمَ) وَإِنْ وَجَدَ طَعْمَهُ فِي حَلْقِهِ وَلَمْ يُنْزِلْ (أَوْ احْتَلَمَ أَوْ أَنْزَلَ بِنَظَرٍ) وَلَوْ إِلَى فَرْجِهَا مِرَارًا (أَوْ بِفِكْرٍ) وَإِنْ طَالَ مَجْمَعٌ (أَوْ بَقِيَ بَلَلٌ فِي فِيهِ بَعْدَ الْمَضْمَضَةِ وَابْتَلَعَهُ مَعَ الرِّيقِ) كَطَعْمِ أَدْوِيَةٍ وَمَصِّ إِهْلِيلَجٍ بِخِلَافِ نَحْوِ سُكَّرٍ. (أَوْ دَخَلَ الْمَاءُ فِي أُذُنِهِ وَإِنْ كَانَ بِفِعْلِهِ) عَلَى الْمُخْتَارِ كَمَا لَوْ حَكَّ أُذُنَهُ بِعُودٍ ثُمَّ أَخْرَجَهُ وَعَلَيْهِ دَرَنٌ ثُمَّ أَدْخَلَهُ وَلَوْ مِرَارًا (أَوْ ابْتَلَعَ مَا بَيْنَ أَسْنَانِهِ وَهُوَ دُونَ الْحِمَّصَةِ) لِأَنَّهُ تَبَعٌ لِرِيقِهِ، وَلَوْ قَدْرَهَا أَفْطَرَ كَمَا سَيَجِيءُ

ترجمہ وتشریح: اس باب میں حضرت مصنف علیہ الرحمہ ان چیزوں کو بیان کریں گے جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور ان چیزوں کا بھی ذکر کریں گے جن سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے۔ جن چیزوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اُن کی دو قسمیں ہیں: ایک تو وہ ہے جس سے صرف قضاء لازم ہوتی ہے، کفارہ واجب نہیں ہوتا ہے۔ اور دوسری قسم وہ ہے جس سے قضاء اور کفارہ دونوں لازم ہوتے ہیں۔ اسی طرح جن چیزوں سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے اس کی بھی دو قسمیں ہیں: ایک تو وہ قسم ہے جس کا کرنا مباح ہے۔ دوسری وہ قسم ہے جس کا کرنا مکروہ ہے۔ (شامی: ۳/۳۶۵)

فساد اور بطلان کے درمیان فرق

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ عبادات میں فساد اور بطلان کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے؛ بلکہ دونوں برابر ہیں، البتہ معاملات کے اندر ان دونوں میں فرق ہے، اگر معاملہ کا اثر اس پر بالکل مرتب نہ ہو تو اس کو "بطلان" کہتے ہیں اور اگر اثر مرتب ہو اور اس کا فسخ کرنا شرعاً مطلوب ہو تو اس کو "فساد" کہتے ہیں۔ اور اگر شرعاً فسخ کرنا مطلوب نہ ہو تو اس کو "صحت" کہتے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر کسی مسلمان نے مردہ جانور یا شراب کو فروخت کیا تو چونکہ اس کا کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا ہے اس لیے اس کو بیع باطل

کہیں گے۔ اور اگر کسی نے غلام کو اس شرط کے ساتھ فروخت کیا کہ وہ ایک ماہ میری خدمت کرے گا اور مشتری کے حوالہ کردیا تو مشتری اس کا مالک ہو جائے گا لیکن اس بیع کا فسخ کرنا بائع اور مشتری دونوں کے لیے لازم ہے، تو یہ بیع فاسد کہلائے گی۔ اور اگر غلام بغیر کسی شرط فاسد کے فروخت کیا تو چونکہ شرعاً فسخ کرنا مطلوب نہیں ہے اس لیے اس کو "بیع صحیح" کہیں گے۔ (شامی: ۳/۳۶۵)

بھول کر کھانے پینے اور جماع کرنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا ہے

اگر روزے دار نے بھول کر کھالیا، یا پی لیا، یا جماع کرلیا، خواہ اس نے یہ تمام کام فرض روزہ میں کیا ہو یا نفل روزہ میں، روزہ کی نیت کرنے سے پہلے کیا ہو یا نیت کرنے کے بعد، صحیح مذہب کے مطابق کسی صورت میں بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ (اور نیت سے پہلے بھول کر کھانے پینے اور جماع کرنے کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص نے انتیس شعبان کو چاند نہیں دیکھا وہ دوسرے دن اس انتظار میں کھانے پینے سے رُکا رہا کہ کہیں سے چاند کی خبر آجائے، اسی اثناء میں اس نے بھول کر کھالیا، یا پی لیا، اس کے بعد کہیں سے چاند ہونے کی خبر آئی تو اس کے باوجود وہ روزہ رکھے گا اور اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا)۔

ہاں اگر کسی کو روزہ یاد دلایا گیا اس کے باوجود روزہ یاد نہیں رکھا اور اس کے باوجود کھا پی لیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا)۔ اور قضاء لازم ہوگی، البتہ کفارہ نہیں)۔ اور اگر بھول کر کھانے پینے والا قوی اور صحت مند ہو تو اس کو یاد دلایا جائے کہ تم تو روزے سے ہو، لیکن اگر وہ ضعیف و کمزور اور لاغر ہے تو اس کو یاد نہ دلایا جائے؛ بلکہ گنجائش ہے کہ اس کو کھانے پینے دیا جائے۔ اور تندرست آدمی کو کھاتے پیتے دیکھنے کے بعد یاد نہ دلانا مکروہ تحریمی ہے۔

اور بھولنا حقوق العباد کے اندر عذر نہیں ہے؛ بلکہ حقوق العباد میں بھول کر کھانے کے باوجود بھی حکم مرتب ہوگا، چناں چہ اگر کسی نے کسی شئی امانت کو بھول کر کھالیا تو اگر چہ آخرت میں مواخذہ نہ ہوگا لیکن دنیا میں اس پر اس کا ضمان لازم ہوگا۔

اگر حلق میں گرد وغبار یا مکھی چلی جائے تو کیا حکم ہے؟

اگر روزے دار کے حلق میں گرد وغبار، یا مکھی، یا دھواں چلا جائے تو اس سے روزہ بطور استحسان نہیں ٹوٹتا ہے، گو کہ اس کو روزہ یاد ہو اس لیے کہ دھواں یا گرد وغبار یا مکھی سے بچنا ممکن نہیں ہے۔ (اس مسئلہ میں قیاس یہ چاہتا ہے کہ مکھی کے حلق میں اتر جانے سے روزہ ٹوٹ جانا چاہیے، جس طرح مٹی اور کنکر کے پیٹ میں جانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، اگر چہ یہ بھی غذا نہیں ہے، لیکن فتویٰ اس پر نہیں ہے، فتویٰ اس پر ہے کہ روزہ نہیں ٹوٹتا ہے)۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ اگر کسی نے قصداً اپنے حلق میں دھواں داخل کیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا، خواہ کوئی سا بھی دھواں ہو، خواہ عود اور عنبر ہی کا دھواں کیوں نہ ہو، مگر اس میں شرط یہ ہے کہ روزہ یاد ہو، کیونکہ اس صورت میں اس سے بچنا ممکن ہے، لہٰذا اس سے بچنا چاہیے جیسا کہ شرنبلالی نے اس کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ (اس سے معلوم ہوا کہ بیڑی، سگریٹ اور حقہ پینے

سے بھی روزہ ٹوٹ جائے گا۔ البتہ پھول وغیرہ کی خوشبو سونگھنے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا)۔

تیل، سرمہ اور پچھنا لگوانے سے روزے کا حکم

تیل لگانے، سرمہ لگانے اور پچھنا لگوانے سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا ہے، اگرچہ روزہ دار تیل اور سرمہ کا مزہ اپنے حلق میں محسوس کرے۔ (اسی طرح اگر تھوک میں تیل اور سرمہ کا رنگ پائے تو بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا، اس لیے کہ انسان کے بدن کے مسامات کے راستہ سے جو چیز داخل ہوتی ہے اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے، جس طرح کہ غسل کرنے سے پانی کی ٹھنڈک جسم کے اندر پہنچتی ہے، لیکن اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے؛ بلکہ روزہ اس وقت فاسد ہوتا ہے جب غذا کے راستے سے اندر داخل ہو)۔

مسئلہ: روزہ دار کے لیے روزہ کی حالت میں بھیگا ہوا کپڑا لپیٹنا، اسی طرح پانی میں ڈوبے رہنا مکروہ ہے، اس لیے کہ اس طرح کرنے سے بظاہر عبادت کی بجاآوری میں تنگ دلی کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ (شامی: ۳/۳۶۷)

بوس وکنار، انزال اور احتلام وغیرہ سے روزے کا حکم

اگر کسی نے روزے کی حالت میں بوسہ لیا اور انزال نہیں ہوا، یا نیند کی حالت میں احتلام ہوا یا کسی کی طرف دیکھنے سے انزال ہوگیا، خواہ عورت کی شرمگاہ کی طرف بار بار دیکھنے سے انزال ہوا ہو، یا گہری سوچ کی وجہ سے انزال ہوگیا ہو، تو ان تمام صورتوں میں روزہ نہیں ٹوٹے گا، یا کلی کرنے کے بعد منہ میں پانی کی تری باقی رہ گئی تھی اس کو تھوک کے ساتھ نگل گیا تو اس سے بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا، جس طرح کہ دوائیوں کے کوٹنے کا مزہ جو حلق میں جاتا ہے اور ہڑ کے چبانے سے اس کا تھوک حلق میں جاتا ہے اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے، البتہ شکر وغیرہ کے چبانے سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔

کان میں تیل ڈالنے سے روزہ کا حکم

یا کسی کے کان میں خود سے پانی داخل ہوجائے اگرچہ پانی کا داخل ہونا اس کے فعل سے ہوا ہو، مختار مذہب کے مطابق اس سے بھی روزہ فاسد نہیں ہوتا ہے۔ (البتہ اگر کسی نے جان بوجھ کر کان میں پانی داخل کیا یا کان میں تیل ڈالا تو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا، اس بارے میں مختار مذہب یہی ہے)۔

جس طرح کہ اگر کسی نے لکڑی سے کان کھجایا پھر اس لکڑی کو نکال لیا جب کہ اس پر میل تھی پھر اس نے اس لکڑی کو بار بار کان میں ڈالا تو اس سے بھی روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ (البتہ حضرات شوافع کے یہاں اس سے روزہ فاسد ہوجائے گا)۔

دانت میں پھنسی ہوئی چیز کے نگل جانے سے روزہ کا حکم

اگر کوئی شخص دانت میں پھنسی ہوئی چیز کو نگل گیا اور وہ چنے کی مقدار سے کم تھی تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا اس لیے کہ یہ تھوک کے تابع ہے۔ اور اگر چنے کے برابر یا اس سے بڑی ہے تو روزہ فاسد ہوجائے گا، جیسا کہ اس کی تفصیل عنقریب آنے والی ہے۔

(أَوْ خَرَجَ الدَّمُ مِنْ بَيْنِ أَسْنَانِهِ وَدَخَلَ حَلْقَهُ) يَعْنِي وَلَمْ يَصِلْ إِلَى جَوْفِهِ أَمَّا إِذَا وَصَلَ فَإِنْ غَلَبَ الدَّمُ أَوْ تَسَاوَيَا فَسَدَ وَإِلَّا لَا، إِلَّا إِذَا وَجَدَ طَعْمَهُ بَزَّازِيَّةٌ وَاسْتَحْسَنَهُ الْمُصَنِّفُ وَهُوَ مَا عَلَيْهِ الْأَكْثَرُ وَسَيَجِيءُ (أَوْ طُعِنَ بِرُمْحٍ فَوَصَلَ إِلَى جَوْفِهِ) وَإِنْ بَقِيَ فِي جَوْفِهِ كَمَا لَوْ أُلْقِيَ حَجَرٌ فِي الْجَائِفَةِ أَوْ نَفَذَ السَّهْمُ مِنَ الْجَانِبِ الْآخَرِ وَلَوْ بَقِيَ النَّصْلُ فِي جَوْفِهِ فَسَدَ (أَوْ أَدْخَلَ عُودًا) وَنَحْوَهُ (فِي مَقْعَدَتِهِ وَطَرَفُهُ خَارِجٌ) وَإِنْ غَيَّبَهُ فَسَدَ وَكَذَا لَوِ ابْتَلَعَ خَشَبَةً أَوْ خَيْطًا وَلَوْ فِيهِ لُقْمَةٌ مَرْبُوطَةٌ إِلَّا أَنْ يَنْفَصِلَ مِنْهَا شَيْءٌ. وَمُفَادُهُ أَنَّ اسْتِقْرَارَ الدَّاخِلِ فِي الْجَوْفِ شَرْطٌ لِلْفَسَادِ بَدَائِعُ. (أَوْ أَدْخَلَ أُصْبُعَهُ الْيَابِسَةَ فِيهِ) أَيْ دُبُرِهِ أَوْ فَرْجِهَا وَلَوْ مُبْتَلَّةً فَسَدَ، وَلَوْ أَدْخَلَتْ قُطْنَةً إِنْ غَابَتْ فَسَدَ وَإِنْ بَقِيَ طَرَفُهَا فِي فَرْجِهَا الْخَارِجِ لَا، وَلَوْ بَالَغَ فِي الِاسْتِنْجَاءِ حَتَّى بَلَغَ مَوْضِعَ الْحُقْنَةِ فَسَدَ وَهَذَا قَلَّمَا يَكُونُ وَلَوْ كَانَ فَيُورِثُ دَاءً عَظِيمًا (أَوْ نَزَعَ الْمُجَامِعُ) حَالَ كَوْنِهِ (نَاسِيًا فِي الْحَالِ عِنْدَ ذِكْرِهِ) وَكَذَا عِنْدَ طُلُوعِ الْفَجْرِ وَإِنْ أَمْنَى بَعْدَ النَّزْعِ لِأَنَّهُ كَالِاحْتِلَامِ، وَلَوْ مَكَثَ حَتَّى أَمْنَى وَلَمْ يَتَحَرَّكْ قَضَى فَقَطْ وَإِنْ حَرَّكَ نَفْسَهُ قَضَى وَكَفَّرَ كَمَا لَوْ نَزَعَ ثُمَّ أَوْلَجَ (أَوْ رَمَى اللُّقْمَةَ مِنْ فِيهِ) عِنْدَ ذِكْرِهِ أَوْ طُلُوعِ الْفَجْرِ وَلَوِ ابْتَلَعَهَا إِنْ قَبْلَ إِخْرَاجِهَا كَفَّرَ وَبَعْدَهُ لَا (أَوْ جَامَعَ فِيمَا دُونَ الْفَرْجِ وَلَمْ يُنْزِلْ) يَعْنِي فِي غَيْرِ السَّبِيلَيْنِ كَسُرَّةٍ وَفَخِذٍ وَكَذَا الِاسْتِمْنَاءُ بِالْكَفِّ وَإِنْ كُرِهَ تَحْرِيمًا لِحَدِيثِ «نَاكِحُ الْيَدِ مَلْعُونٌ» وَلَوْ خَافَ الزِّنَى يُرْجَى أَنْ لَا وَبَالَ عَلَيْهِ. (أَوْ أَدْخَلَ ذَكَرَهُ فِي بَهِيمَةٍ) أَوْ مَيْتَةٍ (مِنْ غَيْرِ إِنْزَالٍ) أَوْ (مَسَّ فَرْجَ بَهِيمَةٍ أَوْ قَبَّلَهَا فَأَنْزَلَ أَوْ أَقْطَرَ فِي إِحْلِيلِهِ) مَاءً أَوْ دُهْنًا وَإِنْ وَصَلَ إِلَى الْمَثَانَةِ عَلَى الْمَذْهَبِ، وَأَمَّا فِي قُبُلِهَا فَمُفْسِدٌ إِجْمَاعًا لِأَنَّهُ كَالْحُقْنَةِ.

دانتوں سے خون نکلنے سے روزے کا حکم

یا دانتوں کے درمیان سے خون نکلا اور اس کے حلق میں داخل ہو گیا، لیکن پیٹ تک نہیں پہنچا تو اس سے روزہ فاسد نہ ہوگا، لیکن اگر خون پیٹ تک پہنچ گیا اور خون غالب ہو گیا یا خون اور تھوک دونوں برابر ہو گئے تو اس صورت میں روزہ ٹوٹ جائے گا۔ اور اگر ایسا نہیں ہوا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، ہاں اگر خون کم ہو لیکن اس کا مزہ محسوس ہو رہا ہو تو بھی اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔ مصنفؒ نے اس کو پسند کیا ہے اور اکثر مشائخ کا یہی قول ہے اور عنقریب اس کی تفصیل آئندہ آنے والی ہے۔

پیٹ میں نیزہ مارنے سے روزے کا حکم

یا کسی نے کسی کے پیٹ میں نیزہ مارا اور وہ اس کے پیٹ تک پہنچ گیا تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا اگر چہ وہ اس کے اندر باقی

رہ گیا ہو، جس طرح کہ اگر کوئی شخص اس زخم میں کنکری ڈالے جو زخم پیٹ تک پہنچا ہوا ہو، یا کوئی تیر ایک طرف سے لگ کر دوسری طرف نکل جائے تو ان صورتوں میں بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا، لیکن اگر تیر کا پھل پیٹ کے اندر رہ گیا تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔

پاخانہ کے راستہ میں لکڑی وغیرہ داخل کرنے سے روزے کا حکم

اگر کسی نے لکڑی یا اسی طرح کی کوئی اور چیز اپنے پاخانہ کے راستہ میں داخل کرلی، اس طرح کہ اس کا دوسرا کنارہ باہر تھا تو روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ اور اگر دوسرا کنارہ بھی بالکل داخل ہو چکا ہے تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص لکڑی نگل جائے یا دھاگا نگل جائے اگرچہ اس میں ایک لقمہ بندھا ہوا تھا تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، البتہ اگر اس میں سے کچھ حصہ پیٹ میں رہ جائے تو پھر روزہ ٹوٹ جائے گا، اس کا حاصل یہ ہے کہ روزہ ٹوٹنے کے لیے شرط یہ ہے کہ اندر داخل ہونے والی چیز اندر ٹھہر جائے۔

روزہ دار اگر اپنے دُبر میں سوکھی انگلی ڈالے تو کیا حکم ہے؟

اگر کسی نے اپنی سوکھی ہوئی انگلی اپنے پاخانہ کے راستہ میں داخل کی، یا عورت نے اپنی شرمگاہ میں سوکھی انگلی ڈالی تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، البتہ اگر تر انگلی داخل کی تو پھر روزہ ٹوٹ جائے گا۔ اور اگر عورت نے اپنی شرمگاہ میں روئی ڈالی اور وہ روئی اس میں غائب ہوگئی تو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔ اور اگر اس کا دوسرا حصہ اس کی شرمگاہ سے باہری حصہ میں باقی رہا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

استنجاء میں مبالغہ کرنے سے روزہ کا حکم

اگر کسی نے استنجاء کرنے میں مبالغہ کیا، یہاں تک کہ حقنہ کی جگہ میں پہنچ گیا تو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا اور اس طرح بہت کم ہوتا ہے اور اگر اس طرح ہونے لگے تو اس سے بہت بڑی بیماری پیدا ہونے کا خطرہ ہے۔ اور موضع حقنہ سے مراد وہ جگہ ہے جہاں سے معدہ میں دوا گرائی جاتی ہے۔

بھول کر جماع کر رہا تھا کہ یاد آنے پر ذکر فرج سے نکال لیا تو کیا حکم ہے؟

ایک شخص روزے کی حالت میں بھول کر جماع کر رہا تھا کہ اچانک اس کو روزہ رکھنا یاد آ گیا تو اس نے یاد آتے ہی ذکر عورت کی فرج سے نکال لیا تو اس سے بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا، اسی طرح اس شخص کا بھی روزہ نہیں فاسد ہوگا جو صبح صادق کے طلوع سے قبل قصداً جماع کر رہا تھا کہ صبح صادق طلوع ہوگئی اور اس نے فوراً ذکر باہر نکال لیا، اگرچہ باہر نکالنے کے بعد منی بھی نکل گئی ہو، اس لیے کہ یہ احتلام کے درجہ میں ہے، لیکن اگر صبح صادق کے طلوع کے بعد ٹھہرا رہا یہاں تک کہ منی نکل آئی اور اس نے حرکت نہیں کی تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور اس پر صرف اس کی قضاء لازم ہوگی کفارہ واجب نہ ہوگا۔ اور اگر اس نے اس حالت میں اپنے آپ کو حرکت دی ہے اور منی خارج ہوئی تو اس صورت میں قضاء و کفارہ دونوں لازم ہوں گے، جس طرح کہ اگر کسی

نے اپنا ذکر شرمگاہ سے باہر نکال کر پھر داخل کیا ہو تو اس صورت میں قضاء و کفارہ دونوں لازم ہوں گے، خواہ بھول کر اس نے ایسا کیا ہو یا طلوع صبح صادق کے وقت اس طرح کیا، یعنی ایک آدمی بیوی سے بھول کر جماع کر رہا تھا کہ روزہ یاد آ گیا اس کے بعد اس نے شرمگاہ کو نکال لیا پھر داخل کیا تو اس صورت میں کفارہ بھی لازم ہوگا۔

روزہ یاد آتے ہی لقمہ منہ سے نکال دیا تو کیا حکم ہے؟

ایک روزہ دار بھول کر کھا رہا تھا کہ اچانک روزہ یاد آ گیا، یاد آتے ہی اس نے لقمہ منہ سے باہر پھینک دیا، یا قصداً اخیر رات میں کھانا کھا رہا تھا کہ صبح صادق طلوع ہوتے ہی لقمہ منہ سے باہر نکال دیا تو اس صورت میں روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ اور اگر اس نے لقمہ نگل لیا، منہ سے باہر نہیں نکالا تو اس پر کفارہ بھی لازم ہوگا۔ اور اگر لقمہ باہر نکال کر پھر کھایا تو کفارہ لازم نہیں ہوگا؛ کیونکہ طبیعت نفرت کرتی ہے، یہی صحیح ہے، جیسا کہ شرح الوہبانیہ میں محیط سے نقل کیا ہے۔

ران وغیرہ سے جماع اور مشت زنی سے روزہ کا حکم

اگر کسی روزہ دار نے قُبُل اور دُبُر کے علاوہ دوسری جگہ میں جماع کیا، جیسے ران یا ناف میں اور اس سے انزال نہیں ہوا تو اس صورت میں روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ اسی طرح اگر کسی نے مشت زنی کر کے منی خارج کی تو اس سے بھی روزہ فاسد نہیں ہوگا، اگرچہ ایسا کرنا شرعی اعتبار سے مکروہ تحریمی ہے، اس لیے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: مشت زنی کرنے والا ملعون ہے۔ اگر اس نے مشت زنی زنا کے خوف سے کی تو اُمید کی جاتی ہے کہ اس کی وجہ سے اس پر کوئی عذاب نہ ہوگا، لیکن اگر صرف مزہ لینے کے لیے ایسا کیا تو گناہ گار ہوگا۔ (علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ مشت زنی سے روزہ فاسد نہیں ہوتا ہے بشرطیکہ انزال نہ ہوا ہو، اگر انزال ہو گیا تو روز فاسد ہو جائے گا، یہی مختار اور مفتیٰ بہ ہے)۔ (شامی: ۳/۱۷۴)

جانوروں اور مردہ سے وطی کرنے سے روزہ کا حکم

اگر کسی روزہ دار نے اپنا عضوِ تناسل کسی چوپایہ یا مردہ انسان کی شرمگاہ میں داخل کیا اور اس سے انزال نہیں ہوا تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا، لیکن اگر اس سے انزال ہو جائے تو قضاء واجب ہوگی۔ اسی طرح کسی جانور کی شرمگاہ کو ہاتھ لگایا یا اس کے منہ کو چوما اور اس کی وجہ سے اس کو انزال ہو گیا تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ (اور اگر انزال نہیں ہوا تو بدرجۂ اولیٰ روزہ فاسد نہ ہوگا)۔

عضوِ تناسل میں پانی اور تیل ٹپکانے سے روزہ کا شرعی حکم

اگر کسی روزہ دار مرد نے اپنے عضوِ تناسل کے سوراخ میں پانی ڈالا یا اس میں تیل ڈالا اور وہ مثانہ تک پہنچ گیا تب بھی روزہ فاسد نہ ہوگا، اس بارے میں صحیح مذہب یہی ہے۔ (حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کا قول یہی ہے۔ حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا، اس لیے کہ ان کا خیال یہ ہے کہ اس سے گذرنے کا راستہ ہے، مگر صحیح یہ ہے کہ کوئی

راستہ نہیں ہے اس لیے روزہ کا فاسد نہ ہونا ہی اصوب ہے)۔
البتہ اگر عورت اپنی شرمگاہ میں پانی یا تیل ڈالے تو روزہ فاسد ہو جائے گا، اس لیے کہ یہ حقنہ کی طرح ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

(أَوْ أَصْبَحَ جُنُبًا وَ) إِنْ بَقِيَ كُلَّ الْيَوْمِ (أَوْ اغْتَابَ) مِنَ الْغِيبَةِ (أَوْ دَخَلَ أَنْفَهُ مُخَاطٌ فَاسْتَشَمَّهُ فَدَخَلَ حَلْقَهُ) وَإِنْ نَزَلَ لِرَأْسِ أَنْفِهِ كَمَا لَوْ تَرَطَّبَ شَفَتَاهُ بِالْبُزَاقِ عِنْدَ الْكَلَامِ وَنَحْوِهِ فَابْتَلَعَهُ أَوْ سَالَ رِيقُهُ إِلَى ذَقَنِهِ كَالْخَيْطِ وَلَمْ يَنْقَطِعْ فَاسْتَنْشَقَهُ (وَلَوْ عَمْدًا) خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ فِي الْقَادِرِ عَلَى مَجِّ النُّخَامَةِ فَيَنْبَغِي الِاحْتِيَاطُ (أَوْ ذَاقَ شَيْئًا بِفَمِهِ) وَإِنْ كُرِهَ (لَمْ يُفْطِرْ) جَوَابُ الشَّرْطِ وَكَذَا لَوْ فَتَلَ الْخَيْطَ بِبُزَاقِهِ مِرَارًا وَإِنْ بَقِيَ فِيهِ عَقْدُ الْبُزَاقِ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَصْبُوغًا وَظَهَرَ لَوْنُهُ فِي رِيقِهِ وَابْتَلَعَهُ ذَاكِرًا وَنَظَمَهُ ابْنُ الشِّحْنَةِ فَقَالَ:

مُكَرِّرُ بَلِّ الْخَيْطِ بِالرِّيقِ فَاتِلًا ☆ بِإِدْخَالِهِ فِي فِيهِ لَا يَتَضَرَّرُ

وَعَنْ بَعْضِهِمْ:

إِنْ يَبْلَعِ الرِّيقَ بَعْدَ ذَا يَضُرُّ ☆ كَصِبْغٍ لَوْنُهُ فِيهِ يَظْهَرُ.

(وَإِنْ أَفْطَرَ خَطَأً) كَأَنْ تَمَضْمَضَ فَسَبَقَهُ الْمَاءُ أَوْ شَرِبَ نَائِمًا أَوْ تَسَحَّرَ أَوْ جَامَعَ عَلَى ظَنِّ عَدَمِ الْفَجْرِ (أَوْ أُوجِرَ (مُكْرَهًا) أَوْ نَائِمًا) وَأَمَّا حَدِيثُ "رُفِعَ الْخَطَأُ" فَالْمُرَادُ رَفْعُ الْإِثْمِ وَ فِي التَّحْرِيرِ الْمُؤَاخَذَةُ بِالْخَطَإِ جَائِزَةٌ عِنْدَنَا خِلَافًا لِلْمُعْتَزِلَةِ. (أَوْ أَكَلَ) أَوْ جَامَعَ (نَاسِيًا) أَوْ احْتَلَمَ أَوْ أَنْزَلَ بِنَظَرٍ أَوْ ذَرَعَهُ الْقَيْءُ (فَظَنَّ أَنَّهُ أَفْطَرَ فَأَكَلَ عَمْدًا) لِلشُّبْهَةِ – وَلَوْ عَلِمَ عَدَمَ فِطْرِهِ لَزِمَتْهُ الْكَفَّارَةُ إِلَّا فِي مَسْأَلَةِ الْمَتْنِ فَلَا كَفَّارَةَ مُطْلَقًا عَلَى الْمَذْهَبِ لِشُبْهَةِ خِلَافِ مَالِكٍ خِلَافًا لَهُمَا كَمَا فِي الْمَجْمَعِ وَشُرُوحِهِ فَقَيْدُ الظَّنِّ إِنَّمَا هُوَ لِبَيَانِ الِاتِّفَاقِ. (أَوْ احْتَقَنَ أَوْ اسْتَعَطَ) فِي أَنْفِهِ شَيْئًا (أَوْ أَقْطَرَ فِي أُذُنِهِ دُهْنًا أَوْ دَاوَى جَائِفَةً أَوْ آمَّةً) فَوَصَلَ الدَّوَاءُ حَقِيقَةً – إِلَى جَوْفِهِ وَدِمَاغِهِ.

روزہ دار کا جنابت کی حالت میں صبح کرنا

اگر روزے دار نے بحالتِ جنابت صبح کی اور سارا دن جنابت ہی کی حالت میں رہ گیا، یا اس نے بحالتِ روزہ کسی کی غیبت کی، یا اس کی ناک میں رینٹ آ گیا پھر اس نے اس کو اوپر کی جانب کھینچا جس کی وجہ سے وہ رینٹ اس کے حلق میں داخل ہو گئی، اگر چہ وہ اس کے ناک کے سرے تک آ گئی ہو، تو مذکورہ تمام صورتوں میں روزہ فاسد نہ ہوگا۔

اور یہ مسئلہ ایسے ہی ہے جیسے کہ بات چیت کے دوران دونوں ہونٹ تھوک سے تر ہو جاتے ہیں اور اس کو نگل جاتے ہیں یا اس کا لعاب تاگے کی طرح اُس کی ٹھوڑی تک بہہ جائے اور یہ منقطع نہ ہو پھر اس کو سانس کے ذریعہ اوپر چڑھالے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے، اگر چہ اس نے لعاب کے تاگے والے دھار کو قصداً اوپر چڑھایا ہو۔ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص کھنکھار کر پھینکنے پر قدرت رکھتا ہو اگر اس نے ایسا کیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا، علمائے احناف بھی اس بارے میں یہی کہتے ہیں کہ اس میں احتیاط ضروری ہے تا کہ اختلافی صورت سے بچا جا سکے۔

کوئی چیز چکھنا اور تھوک کا استعمال کرنا

یا کسی روزہ دار نے منھ سے کوئی چیز چکھی تو اس سے بھی روزہ فاسد نہ ہوگا، یہ اور بات ہے کہ روزے کی حالت میں کوئی شئی چکھنا مکروہ ہے۔ اور یہی حکم اس کا ہے کہ کوئی شخص اپنا تھوک لگا کر تاگا بانٹا اور چند بار ایسا کیا تو اس سے بھی روزہ نہیں فاسد ہوگا اگر چہ اس میں تھوک کا اثر باقی رہ گیا ہو، لیکن اگر تاگا رنگین ہو اور تھوک نکالنے سے اس کا رنگ اس میں ظاہر ہو رہا ہو اس کے باوجود اس کو نگل جائے تو اس صورت میں روزہ فاسد ہو جائے گا، اس کو علامہ ابن شحنہ نے منظوم کیا ہے جس کا ترجمہ ہے:

”تاگا کو بار بار تھوک میں بھگو کر بانٹنے والا، منھ میں اس کو داخل کرنے سے نقصان نہیں اُٹھاتا ہے، یعنی اس کا روزہ فاسد نہیں ہوتا ہے۔ اور بعض مشائخ امت کی روایت میں ہے کہ اگر وہ اس کو نگل جائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا جس طرح رنگین دھاگا تھوک لگانے سے اس کا رنگ ظاہر ہو پھر اس کو نگل جائے تو اس سے روزہ فاسد ہو جائے گا، اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے“۔

غلطی سے حلق میں پانی چلا جانا

اگر کسی روزے دار نے غلطی سے افطار کر لیا، مثال کے طور پر وہ کلی کر رہا تھا کہ بے خیالی میں پانی حلق میں چلا گیا، یا سونے کی حالت میں پانی پی لیا یا یہ سوچ کر کہ ابھی صبح صادق نہیں ہوئی سحری کھالیا یا جماع کر لیا، یا کسی نے روزے دار کے حلق میں زبردستی کوئی چیز ڈال دی، یا سونے کی حالت میں کسی نے منھ میں کچھ ڈال دیا اور وہ حلق میں چلا گیا، تو ان تمام چیزوں سے روزہ فاسد ہو جائے گا اور صرف قضاء لازم ہوگی، کفارہ واجب نہ ہوگا۔ رہی وہ حدیث شریف جس میں رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ”رُفِعَ الخَطأ عَنْ أُمَّتِي“ کہ میری اُمت سے خطاء معاف کردی گئی ہے، تو اس سے مراد یہ ہے کہ وہ گناہ گار نہیں ہوگا، لیکن اس خطا کا اثر دنیا میں ظاہر ہوگا اور روزہ فاسد ہو جائے گا، البتہ اس بارے میں حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مکرہ اور مخطی کا روزہ فاسد نہ ہوگا۔ اور التحریر نامی کتاب میں لکھا ہے کہ احناف کے نزدیک خطاء پر مواخذہ جائز ہے، معتزلہ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔

بھول سے وطی اور کھانے کے بعد اس گمان سے کہ روزہ فاسد ہوگیا جان کر وطی اور جماع کرنا

یا کسی نے بھول کر کھا، پی لیا، یا بھول کر جماع کرلیا، یا اس کو احتلام ہوگیا، یا کسی کی طرف دیکھنے سے انزال ہوگیا، یا اس کو قئی آگئی، ان تمام صورتوں میں روزہ دار نے یہ سمجھا کہ روزہ فاسد ہوگیا اور اس نے جان بوجھ کر کھالیا، یا جماع کرلیا تو اس صورت میں صرف قضاء لازم ہوگی کفارہ نہیں، اس لیے کہ اس نے ایسا شبہ کی وجہ سے کیا، لیکن اگر وہ یہ جانتے ہوئے کہ روزہ فاسد نہیں ہوا ہے کھا پی لیا یا جماع کرلیا جان کر تو کفارہ بھی لازم ہوگا، لیکن متن میں ذکر کردہ مسئلہ میں مطلقاً مختار مذہب کے مطابق صرف قضاء لازم ہوگی، کفارہ نہیں، کیونکہ اس میں حضرت امام مالکؒ کے اختلاف کا شبہ ہے، کیونکہ امام مالکؒ کے نزدیک بھول کر کھانے سے بھی روزہ فاسد ہوجاتا ہے۔ اور حضرات صاحبینؒ کے نزدیک اوپر کے مسئلہ میں اگر روزہ دار کو معلوم تھا کہ روزہ فاسد نہیں ہوا ہے اس کے باوجود اس نے جان بوجھ کر کھا پی لیا یا جماع کرلیا تو کفارہ بھی لازم ہوگا، جیسا کہ مجمع الانہر اور اس کی شروحات میں ہے۔ شارح علیہ الرحمہ نے یہاں "ظن" کی قید بیانِ اتفاق کے واسطے لگائی ہے، اس لیے کہ فسادِ صوم کے علم کے باجود اگر کھالیا یا جماع کرلیا تب بھی کفارہ لازم نہ ہوگا۔ (شامی: ۳/۳۷۶)

حقنہ لگانا اور کان ناک میں تیل ڈالنے سے روزے کا حکم

اگر روزے دار نے روزے کی حالت میں حقنہ لگوایا، یا ناک کے راستہ کوئی چیز چڑھائی، یا کان میں تیل ڈالا، یا اس نے اس زخم میں دوا ڈالی جو زخم پیٹ تک پہنچا ہو، یا ایسے زخم میں دوا ڈالی جو دماغ تک پہنچتا ہو اور دوا حقیقتاً دماغ اور پیٹ تک پہنچ گئی، تو مذکورہ تمام صورتوں میں صرف قضاء ہے کفارہ نہیں۔

(أَوِ ابْتَلَعَ حَصَاةً) وَنَحْوَهَا مِمَّا لَا يَأْكُلُهُ الْإِنْسَانُ أَوْ يَعَافُهُ أَوْ يَسْتَقْذِرُهُ وَنَظَمَهُ ابْنُ الشِّحْنَةِ فَقَالَ:

وَمُسْتَقْذَرٌ مَعَ غَيْرِ مَأْكُولٍ مِثْلِنَا ☆ فَفِي أَكْلِهِ التَّكْفِيرُ يُلْغَى وَيُهْجَرُ

(أَوْ لَمْ يَنْوِ فِي رَمَضَانَ كُلِّهِ صَوْمًا وَلَا فِطْرًا) مَعَ الْإِمْسَاكِ لِشُبْهَةِ خِلَافِ زُفَرَ (أَوْ أَصْبَحَ غَيْرَ نَاوٍ لِلصَّوْمِ فَأَكَلَ عَمْدًا) وَلَوْ بَعْدَ النِّيَّةِ قَبْلَ الزَّوَالِ لِشُبْهَةِ خِلَافِ الشَّافِعِيِّ: وَمُفَادُهُ أَنَّ الصَّوْمَ بِمُطْلَقِ النِّيَّةِ كَذَلِكَ. (أَوْ دَخَلَ حَلْقَهُ مَطَرٌ أَوْ ثَلْجٌ) بِنَفْسِهِ لِإِمْكَانِ التَّحَرُّزِ عَنْهُ بِضَمِّ فَمِهِ بِخِلَافِ نَحْوِ الْغُبَارِ وَالْقَطْرَتَيْنِ مِنْ دُمُوعِهِ أَوْ عَرَقِهِ وَأَمَّا فِي الْأَكْثَرِ - فَإِنْ وَجَدَ الْمُلُوحَةَ فِي جَمِيعِ فَمِهِ وَاجْتَمَعَ شَيْءٌ كَثِيرٌ وَابْتَلَعَهُ أَفْطَرَ وَإِلَّا لَا خُلَاصَةٌ. (أَوْ وَطِئَ امْرَأَةً مَيِّتَةً) أَوْ صَغِيرَةً لَا تُشْتَهَى نَهْرٌ (أَوْ بَهِيمَةً أَوْ فَخِذًا أَوْ بَطْنًا أَوْ قَبَّلَ) وَلَوْ قُبْلَةً فَاحِشَةً بِأَنْ يُدَغْدِغَ أَوْ يَمُصَّ شَفَتَيْهَا (أَوْ لَمَسَ) وَلَوْ بِحَائِلٍ لَا يَمْنَعُ الْحَرَارَةَ أَوِ اسْتَمْنَى بِكَفِّهِ أَوْ بِمُبَاشَرَةٍ فَاحِشَةٍ وَلَوْ بَيْنَ الْمَرْأَتَيْنِ (فَأَنْزَلَ) قَيْدٌ لِلْكُلِّ حَتَّى لَوْ لَمْ يُنْزِلْ لَمْ يُفْطِرْ كَمَا مَرَّ. (أَوْ أَفْسَدَ غَيْرَ صَوْمِ رَمَضَانَ أَدَاءً) لِاخْتِصَاصِهَا بِهَتْكِ رَمَضَانَ (أَوْ وُطِئَتْ

نَائِمَةً أَوْ مَجْنُونَةً) بِأَنْ أَصْبَحَتْ صَائِمَةً فَجُنَّتْ (أَوْ تَسَحَّرَ أَوْ أَفْطَرَ يَظُنُّ الْيَوْمَ) أَيْ الْوَقْتَ الَّذِي أَكَلَ فِيهِ (لَيْلًا وَ) الْحَالُ أَنَّ (الْفَجْرَ طَالِعٌ وَالشَّمْسَ لَمْ تَغْرُبْ) لَفٌّ وَنَشْرٌ وَيَكْفِي الشَّكُّ فِي الْأَوَّلِ دُونَ الثَّانِي عَمَلًا بِالْأَصْلِ فِيهِمَا وَلَوْ لَمْ يَتَبَيَّنْ الْحَالُ لَمْ يَقْضِ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ وَالْمَسْأَلَةُ تَتَفَرَّعُ إِلَى سِتَّةٍ وَثَلَاثِينَ، مَحَلُّهَا الْمُطَوَّلَاتُ (قَضَى) فِي الصُّوَرِ كُلِّهَا (فَقَطْ) كَمَا لَوْ شَهِدَا عَلَى الْغُرُوبِ وَآخَرَانِ عَلَى عَدَمِهِ فَأَفْطَرَ فَظَهَرَ عَدَمُهُ، وَلَوْ كَانَ ذَلِكَ فِي طُلُوعِ الْفَجْرِ قَضَى وَكَفَّرَ؛ لِأَنَّ شَهَادَةَ النَّفْيِ لَا تُعَارِضُ شَهَادَةَ الْإِثْبَاتِ. وَاعْلَمْ أَنَّ كُلَّ مَا انْتَفَى فِيهِ الْكَفَّارَةُ مَحَلُّهُ مَا إِذَا لَمْ يَقَعْ مِنْهُ ذَلِكَ مَرَّةً بَعْدَ أُخْرَى لِأَجْلِ قَصْدِ الْمَعْصِيَةِ فَإِنْ فَعَلَهُ وَجَبَتْ زَجْرًا لَهُ بِذَلِكَ أَفْتَى أَئِمَّةُ الْأَمْصَارِ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى قُنْيَةٌ وَهَذَا حَسَنٌ نَهْرٌ (وَالْأَخِيرَانِ يُمْسِكَانِ بَقِيَّةَ يَوْمِهِمَا وُجُوبًا عَلَى الْأَصَحِّ) لِأَنَّ الْفِطْرَ قَبِيحٌ وَتَرْكُ الْقَبِيحِ شَرْعًا وَاجِبٌ (كَمُسَافِرٍ أَقَامَ وَحَائِضٍ وَنُفَسَاءَ طَهُرَتَا وَمَجْنُونٍ أَفَاقَ وَمَرِيضٍ صَحَّ) وَمُفْطِرٍ وَلَوْ مُكْرَهًا أَوْ خَطَأً (وَصَبِيٍّ بَلَغَ وَكَافِرٍ أَسْلَمَ وَكُلُّهُمْ يَقْضُونَ) مَا فَاتَهُمْ (إِلَّا الْأَخِيرَيْنِ) وَإِنْ أَفْطَرَا لِعَدَمِ أَهْلِيَّتِهِمَا فِي الْجُزْءِ الْأَوَّلِ مِنْ الْيَوْمِ وَهُوَ السَّبَبُ فِي الصَّوْمِ لَكِنْ لَوْ نَوَيَا قَبْلَ الزَّوَالِ كَانَ نَفْلًا فَيَقْضِي بِالْإِفْسَادِ كَمَا فِي الشُّرُنْبُلَالِيَّةِ عَنْ الْخَانِيَّةِ. وَلَوْ نَوَى الْمُسَافِرُ وَالْمَجْنُونُ وَالْمَرِيضُ قَبْلَ الزَّوَالِ – صَحَّ عَنْ الْفَرْضِ، وَلَوْ نَوَى الْحَائِضُ وَالنُّفَسَاءُ لَمْ يَصِحَّ أَصْلًا لِلْمُنَافِي فِي أَوَّلِ الْوَقْتِ وَهُوَ لَا يَتَجَزَّأُ وَيُؤْمَرُ الصَّبِيُّ بِالصَّوْمِ إِذَا أَطَاقَهُ وَيُضْرَبُ عَلَيْهِ ابْنُ عَشْرٍ كَالصَّلَاةِ فِي الْأَصَحِّ. (وَإِنْ جَامَعَ) الْمُكَلَّفُ آدَمِيًّا مُشْتَهًى (فِي رَمَضَانَ أَدَاءً) لِمَا مَرَّ (أَوْ جَامَعَ) أَوْ تَوَارَتْ الْحَشَفَةُ (فِي أَحَدِ السَّبِيلَيْنِ) أَنْزَلَ أَوْ لَا (أَوْ أَكَلَ أَوْ شَرِبَ غِذَاءً) بِكَسْرِ الْغَيْنِ وَبِالذَّالِ الْمُعْجَمَتَيْنِ وَالْمَدِّ مَا يُتَغَذَّى بِهِ (أَوْ دَوَاءً) مَا يُتَدَاوَى بِهِ وَالضَّابِطُ وُصُولُ مَا فِيهِ صَلَاحُ بَدَنِهِ لِجَوْفِهِ وَمِنْهُ رِيقُ حَبِيبِهِ فَيُكَفِّرُ لِوُجُودِ مَعْنَى صَلَاحِ الْبَدَنِ فِيهِ دِرَايَةٌ وَغَيْرُهَا وَمَا نَقَلَهُ الشُّرُنْبُلَالِيُّ عَنْ الْحَدَّادِيِّ رَدَّهُ فِي النَّهْرِ (عَمْدًا) –رَاجِعٌ لِلْكُلِّ

کنکری اور قابلِ نفرت شئ کے استعمال سے روزہ کا حکم

اگر روزہ دار بحالتِ روزہ ایسی چیز نگل گیا جس کو انسان عام طور پر نہیں کھاتا ہے، یا جس سے نفرت کرتا ہے، یا اس کا استعمال ناگوار جانتا ہے، جیسے کنکری، یا اس جیسی کوئی اور چیز تو اس سے روزہ فاسد ہو جائے گا اور صرف قضاء لازم ہوگی کفارہ نہیں، اس لیے کہ اس سے نہ جسم کو تقویت ملتی ہے اور نہ کوئی ذائقہ اور خوش گواری ہوتی ہے، اس کو ابن شحنہ نے منظوم کرتے ہوئے کہا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے:

"اور ایسی ناگوار اور گندی چیز جو انسانوں کے لیے کھائے جانے کے واسطے نہ ہو تو اس کے کھانے میں کفارہ واجب نہیں ہے"۔

بغیر نیت کے رمضان کا روزہ

یا کوئی شخص روزے دار کی طرح رہا (یعنی کھانے پینے اور جماع سے رُکا رہا) مگر اس نے نہ ہی روزے کی نیت کی اور نہ ہی افطار کی نیت کی، تو اس صورت میں بھی صرف قضاء واجب ہے کفارہ نہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں حضرت امام زفرؒ کے ساتھ اختلاف کی مشابہت پائی جاتی ہے، کیونکہ حضرت امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ بغیر نیت کے ... ہوگا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جب نیت نہ ہونے کی وجہ سے روزہ ہی نہیں ہوا تو کفارہ کس طرح لازم ہوگا؟

بغیر نیت روزہ کے صبح کر دینا

یا کسی نے صبح کی اس حال میں کہ اس نے روزہ کی نیت ہی نہیں کی، پھر اس نے عمداً کھا پی لیا تو اس صورت میں بھی صرف قضاء واجب ہوگی کفارہ نہیں، اگرچہ اس نے زوال سے پہلے نیت کے بعد ہی کھایا پیا ہو، پھر بھی یہی حکم ہے کہ صرف قضاء واجب ہے، کیونکہ اس میں حضرت امام شافعیؒ کے اختلاف سے مشابہت پائی گئی ہے، حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ دن کی نیت سے روزہ درست نہیں ہوتا ہے تو صورتِ بالا میں اُن کے نزدیک روزہ ہوا ہی نہیں اور جب روزہ ہی نہیں ہوا تو کفارہ کیسے واجب ہوگا؟ اس سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ مطلق نیت سے اگر کسی نے روزہ رکھا پھر قصداً کھا پی لیا یا جماع کر لیا تو صرف ... ہی واجب ہوگی کفارہ نہیں، کیونکہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک مطلق نیت سے روزہ نہیں ہوتا ہے۔

روزے دار کے منہ میں بارش کا پانی یا برف چلا جائے تو کیا حکم ہے؟

اگر روزے دار کے حلق میں بارش کا پانی یا برف چلا جائے تو اس سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے اور اس پر قضاء واجب ہو جاتی ہے، اس لیے کہ اس سے بچنا ممکن تھا، بایں طور کہ روزہ دار اپنا منہ بند کر لیتا، اس کے برخلاف گرد و غبار اور اپنے پسینہ اور آنسو کے ایک دو قطرہ سے بچنا مشکل ہے اس لیے اس میں قضاء بھی لازم نہیں ہے، البتہ اگر آنسو یا پسینہ دو قطرہ سے زیادہ منہ میں چلا جائے اور اس کی نمکینیت پورے منہ میں محسوس ہو یا بہت سارا آنسو اور پسینہ منہ میں جمع ہو جائے اور اس کو نگل جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور اگر نگلا نہیں تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، جیسا کہ خلاصہ نامی کتاب میں ہے۔

روزے دار نے مردہ عورت یا چوپایہ کے ساتھ وطی کی تو کیا حکم ہے؟

اگر کوئی روزہ دار کسی مردہ عورت کے ساتھ وطی کرے، یا ایسی چھوٹی لڑکی کے ساتھ وطی کرے جو ابھی مشتہاۃ نہ ہو، یا کسی چوپایہ کے ساتھ وطی کرے، یا کسی کی ران میں یا پیٹ میں وطی کرے، یا کسی عورت کا اس طرح بوسہ لے کہ اس کو گدگدی لگے یا اس کے ہونٹوں کو چوسے اور اس کی وجہ سے انزال ہو جائے، یا اس طرح آدمی کو چھوئے کہ درمیان میں کوئی ایسی چیز حائل تھی جو

حرارت کے لیے مانع نہیں تھی اور اس کی وجہ سے انزال ہو گیا، یا مشت زنی کی اور انزال ہو گیا، یا دو آدمیوں نے آپس میں مباشرتِ فاحشہ کی؛ بایں طور کہ دونوں نے آپس میں اپنے عضو مخصوص کو ایک دوسرے سے ملایا اور اس سے انزال ہو گیا تو مذکورہ تمام صورتوں میں روزہ فاسد ہو جائے گا اور صرف قضاء واجب ہوگی کفارہ نہیں، اس لیے کہ ایسا محل نہیں پایا گیا جس میں پوری شہوت پائی جاتی ہو۔ اور اگر مذکورہ صورتوں میں انزال نہیں ہوا تو پھر روزہ فاسد نہ ہوگا جیسا کہ گذر چکا ہے۔

سوئی ہوئی یا پاگل لڑکی سے کسی نے وطی کرلی جو روزے سے تھی تو کیا حکم ہے؟

یا کسی نے رمضان کے اداء روزے کے علاوہ روزہ فاسد کر دیا، یا کسی سوئی ہوئی یا پاگل لڑکی سے وطی کی گئی، بایں طور کہ اس لڑکی نے روزہ کی حالت میں صبح کی، پھر بعد میں پاگل ہو گئی، یا رات میں روزے کی نیت کی تھی اور رات ہی میں پاگل ہو گئی اور دن میں اس کے ساتھ وطی کی گئی، یا اس خیال سے کہ ابھی وقت باقی ہے سحری کھالی، حالانکہ صبح صادق طلوع ہو چکی تھی، یا اس خیال سے کہ سورج غروب ہو چکا ہے افطار کرلیا حالانکہ ابھی سورج غروب نہیں ہوا تھا، تو مذکورہ تمام صورتوں میں صرف قضاء واجب ہوگی کفارہ نہیں۔ (جس نے سوئی یا پاگل لڑکی سے وطی کی اس پر قضاء و کفارہ دونوں لازم ہوں گے) اس لیے کہ شک کی وجہ سے ایسا ہوا ہے۔ اور دوسری صورت میں یعنی کسی نے یہ سمجھ کر کہ رات باقی ہے سحری کھالی حالانکہ صبح صادق ہو چکی تھی مگر اس کو معلوم نہ ہو سکا تو اس صورت میں قضاء بھی واجب نہیں ہے، ظاہر الروایہ یہی ہے۔

یہاں چھتیس (۳۶) طریقہ پر مسائل متفرع ہوتے ہیں، جن کا محل لمبی لمبی کتابیں ہیں۔

گواہوں کی گواہی پر روزہ افطار کرلیا تو کیا حکم ہے؟

اسی طرح اس شخص پر صرف قضاء لازم ہے جس کے سامنے دو گواہوں نے اس بات کی گواہی دی کہ آفتاب غروب ہو چکا ہے اور دوسرے دو گواہوں نے اس بات کی گواہی دی کہ ابھی آفتاب غروب نہیں ہوا ہے، اس نے غروبِ آفتاب کے متعلق گواہی دینے والے کی بات مان کر افطار کرلیا پھر بعد میں معلوم ہوا کہ آفتاب غروب نہیں ہوا تھا، تو اس پر کفارہ اس لیے لازم نہیں ہے کہ اس نے گواہوں کی گواہی پر اعتماد کر کے افطار کیا ہے۔ اور اگر گواہوں کا یہ اختلاف صبح صادق کے طلوع ہونے کے بارے میں ہوا، بایں طور کہ دو گواہ اس بات کی گواہی دیں کہ ابھی رات باقی ہے، لہٰذا سحری کھا سکتے ہو اور دو گواہوں نے اس بات کی گواہی دی کہ صبح صادق طلوع ہو چکی ہے، روزہ دار نے پہلے گواہوں کی بات مان کر سحری کھالی حالانکہ فجر طلوع ہو چکی تھی اور فجر کا طلوع ہونا بالکل متحقق ہو چکا تھا تو اس صورت میں اس پر قضاء اور کفارہ دونوں لازم ہوں گے، اس لیے کہ نفی کی گواہی اثبات کی گواہی کا معارضہ نہیں کر سکتی ہے۔ (کیونکہ گواہ ثابت کرنے کے لیے ہوتے ہیں نفی کرنے کے لیے نہیں ہوتے ہیں، لہٰذا ثابت کرنے والے کی گواہی مقبول ہوگی)۔

فعل کے تکرار کا ثمرہ

اور یہ بات خوب اچھی طرح جان لینی چاہئے کہ مذکورہ بالا جن صورتوں میں صرف قضاء واجب ہونے کا حکم دیا گیا ہے اور کفارہ واجب نہیں کیا گیا ہے وہ تمام اس صورت کے ساتھ مخصوص ہے کہ جب کہ روزہ دار نے اس کو معصیت کے ارادے سے بار بار نہ کیا ہو، اگر اس نے اس فعل کو بار بار کیا ہو تو بطور زجر اس پر کفارہ بھی لازم ہوگا، شہروں کے اماموں نے اسی کا فتویٰ دیا ہے اور اسی پر فتویٰ بھی ہے، جیسا کہ قنیہ میں ہے اور یہ حسن ہے جیسا کہ النہر الفائق میں ہے۔

غیر روزے دار کو روزے دار کی طرح رہنے کا حکم

اور اخیر کی دو صورتوں میں حکم یہ ہے کہ بقیہ دن روزے دار کی طرح بغیر کھائے پیے رہے اور اس طرح رہنا واجب ہے، اس بارے میں صحیح قول یہی ہے۔ اخیر کی دو صورتوں سے مراد یہ ہے کہ جس نے رات سمجھ کر سحری کھالی، پھر بعد میں معلوم ہوا کہ صبح ہو چکی تھی، یا غروب آفتاب سمجھ کر افطار کر لیا پھر بعد میں معلوم ہوا کہ آفتاب غروب نہیں ہوا تھا تو یہ بغیر کھائے پیے دن کے بقیہ حصہ میں رہیں گے اور ان کے لیے ایسا کرنا واجب اس لیے ہے کہ رمضان میں افطار سے رہنا فعل قبیح ہے اور شرعی اعتبار سے فعل قبیح کو چھوڑنا واجب ہے، نیز رمضان المبارک کا احترام بھی ضروری ہے، جس طرح کہ اس مسافر پر جو اقامت کی نیت کر چکا ہے اور اس حائضہ ونفساء پر جو حیض ونفاس سے پاک ہو چکی ہو اور اس مجنون پر جو ٹھیک ہو چکا ہو اور اس بیمار پر جو تندرست ہو چکا ہو اور اس شخص پر جس نے رمضان میں افطار کر لیا ہو اگر چہ افطار کسی نے زبردستی کرا دیا ہو، یا بھول کر کر لیا اور وہ نابالغ بچہ جو رمضان کے دن میں بالغ ہو گیا، یا وہ کافر جو مسلمان ہو گیا تو ان سب پر رمضان المبارک کے احترام میں لازم ہے کہ بقیہ دن روزے دار کی طرح نہ کھائیں نہ پئیں نہ ہی بیوی سے جماع کریں، گو کہ ان کا روزہ نہیں ہے۔ اور مذکورہ تمام لوگ اپنے روزوں کی صرف قضاء کریں گے، البتہ اخیر کے دو قسم کے لوگ یعنی بچہ بالغ ہوا، یا کافر مسلمان ہوا تو ان پر اس دن کا روزہ قضاء کرنا واجب نہیں ہے، اگر چہ انھوں نے افطار کیوں نہ کر لیا ہو، کیونکہ دن کے ابتدائی حصہ میں ان میں نابالغ اور کافر ہونے کی وجہ سے روزہ رکھنے کی اہلیت ہی نہیں تھی اور یہی ابتدائی حصہ روزہ کے واجب ہونے کا سبب ہے، لیکن اگر بالغ ہونے والا بچہ یا مسلمان ہونے والا کافر نصف النہار سے پہلے روزہ کی نیت کر لے گا تو اُن کا روزہ نفل ہوگا اور اس روزہ کے فاسد ہونے کی وجہ سے اس کی قضاء لازم ہوگی جیسا کہ شرنبلالیہ میں خانیہ سے نقل کیا گیا ہے۔

مسئلہ: جب مسافر حالت سفر میں ہو، یا عورت حالت حیض یا حالت نفاس میں ہو تو ان سب پر روزے دار کی طرح بھوکے پیاسے رہنا واجب نہیں ہے، بلکہ حیض ونفاس والی عورت رمضان المبارک کے دن میں کھا پی سکتی ہے، اسی طرح مسافر بھی کھا پی سکتا ہے۔ (شامی: ۳/ ۳۸۳)

اگر مسافر مقیم ہو جائے تو اس پر روزہ رکھنے کا حکم

اور اگر مسافر جو مقیم ہو گیا ہے، یا پاگل جو ٹھیک ہو گیا ہے، یا بیمار جو تندرست ہو گیا ہے، اگر نصف النہار شرعی یعنی زوال سے پہلے پہلے روزہ کی نیت کرلیں تو ان کا روزہ فرض ادا ہو جائے گا۔ اور اگر حیض ونفاس والی عورت جب پاک ہو اور نصف النہار سے پہلے روزے کی نیت کرلے تو اس کا فرض روزہ ادا نہیں ہوگا، بلکہ اس کا نفل روزہ بھی نہیں ہوگا، کیوں کہ دن کے ابتدائی حصہ میں روزہ کے منافی حیض ونفاس موجود تھا اور روزہ ایک عبادت ہے اس کی تجزی نہیں ہوتی ہے، جب ابتدائی حصہ میں مفسد صوم پایا گیا تو روزہ کیسے ہو سکتا ہے جب کہ وہی حصہ وجوب صوم کا سبب ہے۔

نابالغ پر روزہ کا شرعی حکم

اگر نابالغ بچہ کے اندر روزہ رکھنے کی طاقت ہو تو اس کو روزہ رکھنے کا حکم کیا جائے گا اور جب اس بچہ کی عمر دس برس ہو جائے تو روزہ نہ رکھنے پر اس کی پٹائی کی جائے گی اصح قول یہی ہے، جس طرح کہ نماز کے سلسلہ میں دس سال کی عمر کے بعد چھوڑنے پر مارنے کا حکم ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب بچہ سات سال کا ہو جائے تو اس کو نماز کے لیے حکم کرو اور جب دس سال کا ہو جائے تو اس کو نماز چھوڑنے پر پٹائی کرو، لیکن پٹائی ہاتھ سے کی جائے گی نہ کہ ڈنڈے سے، نیز تین مرتبہ سے زیادہ نہیں پیٹیں گے۔ اور بچہ کو جو روزہ رکھوانے کا حکم آیا ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ پورے رمضان اس سے روزہ رکھوایا جائے بلکہ جتنے دن وہ آسانی سے رکھ سکے اتنے دن رکھنے دیا جائے، تاکہ تدریجی طور پر روزہ کی عادت پڑ جائے اور بالغ ہونے کے بعد روزہ نہ چھوٹنے پائے۔

ان صورتوں کا بیان جن میں قضاء کے ساتھ کفارہ بھی واجب ہے

قولہ: وإن جامعَ المكلّف إلخ: حضرت مصنف علیہ الرحمہ اس عبارت سے ایسے مسائل کا بیان شروع کر رہے ہیں جن میں قضاء کے ساتھ ساتھ کفارہ بھی لازم ہوتا ہے، چناں چہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی عاقل وبالغ شخص نے رمضان المبارک کے روزے کے ادا کرنے کی حالت میں کسی لائق شہوت آدمی سے جان بوجھ کر جماع کرلیا، یا اس کے قُبل ودُبر میں سے کسی میں قصداً جماع کیا اور جماع کرنے والے کا حشفہ اس میں چھپ گیا تو اس صورت میں قضا وکفارہ دونوں واجب ہوں گے، خواہ انزال ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔

نوٹ: علامہ شامیؒ کی تحقیق یہ ہے کہ کفارہ صرف رمضان المبارک کے اداء روزہ کو بلا عذر شرعی توڑنے سے لازم آتا ہے، کیونکہ اس سے رمضان المبارک کی حرمت وعظمت پر حرف آتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر کسی نے رمضان کا قضاء روزہ قصداً توڑ دیا تو اس پر کفارہ واجب نہیں ہے۔ اور جماع کرنے والے کے لیے عاقل وبالغ مکلف شرع کی قید اس لیے لگائی ہے کہ اگر جماع کرنے والا نابالغ یا پاگل ہو تو اس پر کفارہ واجب نہیں ہے، نیز جماع آدمی کے ساتھ پایا جائے، لہٰذا اگر جنیہ کے ساتھ

جماع کیا تو کفارہ واجب نہیں ہے۔ اور جس سے جماع کیا گیا وہ قابل شہوت ہو، لہٰذا چوپایہ اور مردہ کے ساتھ جماع کرنے سے کفارہ واجب نہ ہوگا اگرچہ انزال کیوں نہ ہو جائے اور جماع کرنے والے کا حشفہ اس کی شرمگاہ میں چھپ جائے تو کفارہ لازم ہوگا۔ (شامی:۳/۳۸۶)

روزے کی حالت میں جان بوجھ کر کھا پی لیا تو کیا حکم ہے؟

یا کسی نے روزے کی حالت میں جان بوجھ کر کھا پی لیا، خواہ غذا ہو یا دوا۔ اور لفظ ''غذاء'' غین کے زیر اور ذال کے ساتھ ہے۔ اور ''غذا'' اس کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ بدن کی اصلاح ہوتی ہے۔ اور ''دواء'' اس کو کہتے ہیں جس کے استعمال سے مقصود شفاء طلب کرنا ہو، پیٹ بھرنا مقصود نہ ہو، الغرض اس کے استعمال سے بھی قضاء وکفارہ دونوں واجب ہوتے ہیں۔ اور غذاء اور دواء کے متعلق اصول کلی یہ ہے کہ ایسی شئی کا پیٹ میں پہنچنا جو بدن کے لیے صلاح اور صحت کا ذریعہ ہو۔

محبوب کے لعابِ دہن کے استعمال سے کفارہ کا حکم

اگر کوئی شخص اداءِ رمضان کی حالت میں اپنے محبوب ومعشوق کا لعابِ دہن نگل جائے تو اس پر قضاء کے ساتھ ساتھ کفارہ بھی لازم ہوگا، کیونکہ اس کے اندر بدن میں اصلاح کرنے کی صلاحیت ہے، جیسا کہ درایہ وغیرہ میں ہے اور جس کو شرنبلالی نے حدادی سے نقل کیا ہے۔ (یعنی اس میں غذاء ہونے کے معنی میں اختلاف ہے، بعض نے کہا کہ جس شئی کی طرف طبیعت مائل ہوتی ہو اور اس کے کھانے سے پیٹ کی خواہش دور ہوتی ہو اس کو غذاء کہتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ جس سے بدن کی صحت اچھی ہو اور اس کو نفع پہنچے۔ ان دونوں تعریفوں کا فرق اس صورت میں ظاہر ہوگا جب کوئی شخص کسی کے منہ کا چبایا ہوا اور اُگلا ہوا لقمہ کھائے تو تعریف اوّل کے اعتبار سے کفارہ واجب نہ ہوگا، لیکن تعریفِ ثانی کے اعتبار سے کفارہ واجب ہوگا)۔ اس کو النہر الفائق میں رد کیا ہے۔ اور اکل وشرب اور جماع کے اندر شرط یہ ہے کہ ایسا عمداً کیا ہو، نہ کہ غلطی، بھول اور دباؤ سے کیا ہو۔

(أَوِ احْتَجَمَ) أَيْ فَعَلَ مَا لَا يَظُنُّ الْفِطْرَ بِهِ كَفَصْدٍ وَكُحْلٍ وَلَمْسٍ وَجِمَاعِ بَهِيمَةٍ بِلَا إِنْزَالٍ أَوْ إِدْخَالِ أُصْبُعٍ فِي دُبُرٍ وَنَحْوِ ذَلِكَ (فَظَنَّ فِطْرَهُ بِهِ فَأَكَلَ عَمْدًا قَضَى) فِي الصُّوَرِ كُلِّهَا (وَكَفَّرَ) لِأَنَّهُ ظَنَّ فِي غَيْرِ مَحَلِّهِ حَتَّى لَوْ أَفْتَاهُ مُفْتٍ يَعْتَمِدُ عَلَى قَوْلِهِ أَوْ سَمِعَ حَدِيثًا وَلَمْ يَعْلَمْ تَأْوِيلَهُ لَمْ يُكَفِّرْ لِلشُّبْهَةِ وَإِنْ أَخْطَأَ الْمُفْتِي وَلَمْ يَثْبُتِ الْأَثَرُ إِلَّا فِي الْأَذْهَانِ – وَكَذَا الْغِيبَةُ عِنْدَ الْعَامَّةِ زَيْلَعِيٌّ لَكِنْ جَعَلَهَا فِي الْمُلْتَقَى كَالْحِجَامَةِ وَرَجَّحَهُ فِي الْبَحْرِ لِلشُّبْهَةِ (كَكَفَّارَةِ الْمُظَاهِرِ) الثَّابِتَةِ بِالْكِتَابِ، وَأَمَّا هَذِهِ فَبِالسُّنَّةِ وَمِنْ ثَمَّ شَبَّهُوهَا بِهَا ثُمَّ إِنَّمَا يُكَفِّرُ – إِنْ نَوَى لَيْلًا، وَلَمْ يَكُنْ مُكْرَهًا وَلَمْ يَطْرَأْ مُسْقِطٌ كَمَرَضٍ وَحَيْضٍ، وَاخْتُلِفَ فِيمَا لَوْ مَرِضَ بِجُرْحِ نَفْسِهِ أَوْ سُوفِرَ بِهِ

مَكْرُوهًا وَالْمُعْتَمَدُ لُزُومُهَا وَ فِي الْمُعْتَادِ حُمّٰى وَحَيْضًا وَالْمُتَيَقَّنِ قِتَالَ عَدُوٍّ لَوْ أَفْطَرَ، وَلَمْ يَحْصُلْ الْعُذْرُ وَالْمُعْتَمَدُ سُقُوطُهَا وَلَوْ تَكَرَّرَ فِطْرُهُ وَلَمْ يُكَفِّرْ لِلْأَوَّلِ يَكْفِيهِ وَاحِدَةٌ وَلَوْ فِي رَمَضَانَيْنِ عِنْدَ مُحَمَّدٍ وَعَلَيْهِ الاعْتِمَادُ بَزَّازِيَّةٌ وَمُجْتَبَى وَغَيْرُهُمَا وَاخْتَارَ بَعْضُهُمْ لِلْفَتْوَى أَنَّ الْفِطْرَ بِغَيْرِ الْجِمَاعِ تَدَاخَلَ وَإِلَّا لَا وَلَوْ أَكَلَ عَمْدًا شُهْرَةً بِلَا عُذْرٍ يُقْتَلُ، وَتَمَامُهُ فِي شَرْحِ الْوَهْبَانِيَّةِ.

روزے کی حالت میں پچھنا لگوانا

یا روزے دار نے پچھنا لگوایا، یعنی ایسا کام کیا کہ اس سے عموماً افطار کا خیال نہیں ہوتا ہے، جیسے فصد لگوانا، سرمہ لگانا، عورت کو چھونا اور ہاتھ لگانا اور بغیر انزال کے چوپایہ سے وطی کرنا، نیز دُبر میں خشک انگلی داخل کرنا وغیرہ پھر اس کو افطار کا خیال ہو گیا، چناں چہ اس کے بعد جان بوجھ کر کھا لیا تو مذکورہ تمام صورتوں میں روزے کی قضا بھی کرے گا اور ساتھ ساتھ کفارہ بھی لازم ہوگا، اس لیے کہ پچھنا لگوانے میں افطار کا خیال بے محل ہے، چناں چہ اگر اس کو کسی ایسے مفتی نے فتویٰ دیدیا جس پر اس کو اعتماد ہو، اگر چہ اس سے غلطی ہوئی ہو کوئی اثر ثابت نہ ہوگا، مگر تیل لگانے میں، یا اس نے پچھنا لگوانے سے متعلق حدیث شریف سنی اور اسے اُس کی تاویل کا علم نہ ہو تو اس پر کفارہ لازم نہ ہوگا، کیونکہ اس کو شبہ ہو گیا تھا۔ (خلاصہ یہ ہے کہ اگر ظن اپنے موقع محل میں ہو تو کفارہ لازم نہیں ہوتا ہے اور اگر ظن بے موقع اور بے محل ہو تو لازم ہوتا ہے۔ اور مفتی کے اندر قابل اعتماد ہونے کی شرط اس لیے لگائی ہے کہ یہ شبہ اسی سے پیدا ہو سکتا ہے، جس پر اعتماد ہی نہ اس کے فتویٰ سے شبہ نہیں ہوگا)۔

پچھنا لگوانے سے متعلق رسولِ اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی

جو روزہ دار روزہ کی حالت میں پچھنا لگوائے اس کے متعلق رسولِ اکرم ﷺ کا ارشاد یہ ہے کہ "أَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُومُ" کہ پچھنا لگانے والے اور پچھنا لگوانے والے دونوں کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ حضرت امام محمدؒ کے نزدیک یہ حدیث اپنے ظاہری مفہوم پر ہے، چناں چہ اگر کوئی شخص پچھنا لگوانے کے بعد عمداً کھائے گا تو اس پر کفارہ لازم نہیں ہوگا، اس لیے کہ قولِ رسول ﷺ بہر حال قولِ مفتی سے بہت زیادہ قوی ہے، اس لیے اس صورت میں شبہ کی جہت کی وجہ سے کفارہ بدرجۂ اولیٰ ساقط ہو جائے گا۔ اور حضرت امام ابو یوسفؒ اس کے برخلاف فرماتے ہیں، ان کا کہنا یہ ہے کہ عوام الناس کو حضرات فقہائے کرام کے قول پر اعتماد کرنا چاہئے، اس لیے کہ عوام کو صحیح طور پر حدیث کی معرفت نہیں ہو سکتی ہے، لہٰذا محض حدیث کا سماع سقوطِ کفارہ کے لیے کافی نہیں ہے بلکہ مفتی کا قول کافی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی حدیث کی تاویل یہ ہے کہ یہ حدیث شریف منسوخ ہے اور معنی حقیقی پر محمول نہیں ہے، جن کی شان میں یہ حدیث شریف آئی ہے اُن کا حال یہ تھا کہ وہ غیبت کیا کرتے تھے اور مقصود یہ تھا کہ اُن کو روزے کا ثواب نہیں ملے گا، لہٰذا جو

آدمی حدیث شریف کی اس تاویل کو جانتا ہو پھر پچھنا لگوانے کے بعد عمداً کھالے تو اس پر کفارہ لازم ہوگا، اس لیے کہ اس علم کے بعد شبہ باقی نہیں رہا ہے۔ (شامی: ۳/۳۸۹)

غیبت کرنے والے نے عمداً کھالیا تو کیا حکم ہے؟

یہی حکم غیبت کرنے والے کا بھی تمام مشائخ کے یہاں ہے، یعنی اگر کسی نے غیبت کی پھر یہ سمجھ کر کہ روزہ تو ٹوٹ ہی گیا قصداً کھالیا تو اس پر کفارہ لازم ہوگا۔ اکثر علمائے کرام کا یہی قول ہے، جیسا کہ زیلعی میں ہے اور جس حدیث شریف میں آیا ہے کہ غیبت سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ غیبت کرنے والا روزہ کے ثواب سے محروم رہتا ہے، لیکن "ملتقی" نامی کتاب میں ہے کہ غیبت کے بعد قصداً کھانے والے کو حجامت یعنی پچھنا لگوانے کی مانند کہا ہے، یعنی اس پر کفارہ واجب نہیں ہوگا، البحر الرائق میں اسی کو راجح قرار دیا ہے شبہ کی وجہ سے۔

روزے کا کفارہ کیا ہے؟

حضرت مصنف فرماتے ہیں کہ روزے کا کفارہ ظہار کے کفارے کی طرح ہے جسکا ثبوت اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن کریم سے ہے اور ترک روزہ سے جو کفارہ لازم ہوتا ہے اس کا ثبوت رسول اللہ ﷺ کی سنت مبارکہ سے ہے، اسی وجہ سے روزے کے کفارہ کو ظہار کے کفارہ کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ (الغرض کفارۂ ظہار اور کفارۂ روزہ دونوں ایک ہی ہیں، لیکن دونوں کے ثبوت میں فرق ہے، ایک کا ثبوت کتاب اللہ سے ہے اور دوسرے کا ثبوت سنت رسول اللہ ﷺ سے ہے اور وہ کفارہ یہ ہے کہ اگر غلام ہے تو سب سے پہلے غلام آزاد کرے اور اگر غلام نہ ہو تو دو مہینے لگاتار مسلسل روزہ رکھے، درمیان میں کبھی غیر حاضری نہ ہو، اگر کسی دن کسی وجہ سے غیر حاضری ہوگئی تو پھر شروع سے دو ماہ روزے رکھنے ہوں گے۔ اور اگر دو ماہ روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کھانا کھلائے، یا ہر ایک کو نصف صاع گندم دیدے۔ (شامی: ۳/۳۹۰)

مسئلہ: اگر عورت اپنے متروکہ روزے کا کفارہ روزے کے ذریعہ سے ادا کرنے تو حیض کے زمانہ میں جو ترک کرے گی اس کی وجہ سے ازسر نو وہ روزہ دوبارہ رکھنا نہیں ہوگا، نیز اگر کوئی کفارہ ظہار کا انکار کردے تو کافر ہوگا اس لیے کہ نص قرآنی کا منکر ہوگا اور کفارۂ صوم کا منکر کافر نہ ہوگا۔ (شامی: ۳/۳۹۰)

روزے کا کفارہ کب واجب ہے؟

اور روزے کا کفارہ اس وقت واجب ہے جب اس نے رمضان المبارک کے روزہ کی نیت رات میں کی ہو، کیوں کہ دن میں نیت کرنے میں حضرت امام شافعیؒ کا اختلاف ہے، پس اس شبہ کی وجہ سے کفارہ لازم نہ ہوگا، نیز وجوب کفارۂ صوم کے لیے دوسری شرط یہ ہے کہ روزہ کے توڑنے میں کسی کا دباؤ نہ ہو۔ تیسری شرط یہ ہے کہ عمداً روزہ فاسد کرنے کے بعد کوئی ایسا ساوی

حادثہ پیش نہ آیا ہو جس کی وجہ سے کفارہ ساقط ہو جاتا ہے، جیسے کہ ایسی بیماری جس میں روزہ توڑنا جائز ہو جاتا ہو، یا حیض کا آجانا، ان اعذار کے پیش آنے کی وجہ سے کفارہ لازم نہ ہوگا۔

قصداً روزہ توڑنے کے بعد خود کو زخمی کر کے بیمار کر لے تو کیا حکم ہے؟

لیکن اگر کوئی شخص قصداً روزہ توڑنے کے بعد اپنے آپ کو زخم لگا کر بیمار کر لے، یا کوئی شخص زبردستی اس کو سفر میں لے جائے تو اس صورت میں اس پر کفارہ لازم ہوگا یا نہیں؟ اس بارے میں حضرات علمائے کرام کا اختلاف ہے، لیکن معتمد قول یہ ہے کہ صورت ہذا میں کفارہ لازم ہوگا۔ اور اس صورت میں بھی کفارہ کے وجوب اور عدم وجوب کے متعلق اختلاف ہے، جب کہ ایک آدمی کو بخار کی عادت تھی، یا عورت کو حیض کی، یا اس کو دشمن سے قتال کا یقین تھا چناں چہ ان اعذار میں سے کسی عذر کی وجہ سے افطار کر لیا پھر عذر نہیں پایا گیا تو اس صورت میں قابلِ اعتماد قول یہ ہے کہ کفارہ ساقط ہو جائے گا۔

(فتاویٰ بزازیہ، قاضی خاں، شرنبلالیہ میں اسی قول کی تصحیح کی گئی ہے، لیکن علامہ ابن نجیم نے کنز الدقائق کی شرح البحر الرائق میں اس کے مخالف لکھا ہے کہ اگر کسی عورت نے اس خیال سے افطار کیا کہ اس کو آج سے حیض آئے گا، پھر حیض نہیں آیا تو اس پر کفارہ واجب ہے، جس طرح کہ اگر کسی کو یہ یقین تھا کہ آج بیماری کا دن ہے اور اس نے افطار کر لیا پھر بیمار نہیں ہوا تو اس پر کفارہ لازم ہوگا، البتہ اگر کسی کو دشمن کا خوف ہوا اور اس نے افطار کر لیا پھر دشمنِ اسلام سے مقابلہ نہیں ہوا تو اس پر کفارہ واجب نہیں ہوگا، کیوں کہ دشمن سے مقابلہ کی صورت میں پہلے سے تیاری کی ضرورت پڑتی ہے اس لیے افطار کر لیا، لہٰذا کفارہ واجب نہیں ہوگا)۔

دو روزوں کی جانب سے ایک کفارہ ادا کرنا کافی ہے

اگر کسی شخص نے دوسری مرتبہ روزہ فاسد کیا جب کہ اس نے پہلے بھی روزہ توڑا تھا اور اس کا کفارہ ادا نہیں کیا تھا تو ایسے شخص کے لیے دونوں روزوں کی جانب سے صرف ایک کفارہ کافی ہو جائے گا، اگرچہ دو رمضان میں الگ الگ روزہ فاسد کرنے کا واقعہ پیش آیا ہو۔ اور یہ حضرت امام محمدؒ کے نزدیک ہے اور اسی پر اعتماد کیا گیا ہے۔ بزازیہ اور مجتبیٰ وغیرہ میں یہی لکھا ہے۔ (اور اس بارے میں دوسرا قول یہ ہے کہ اگر یہ دو مرتبہ روزے کا توڑنا ایک سال کے رمضان میں پایا جائے تو ایک کفارہ کافی ہو جائے گا لیکن اگر یہ دو واقعے دو الگ الگ رمضان میں آئے ہیں تو ایک کفارہ سے کام نہ چلے گا؛ بلکہ دو کفارے ادا کرنے ہوں گے، اس کو ظاہر الروایہ کہا گیا ہے)۔

اور بعض حضرات فقہائے کرام نے یہ کہا کہ اگر دونوں روزوں کا افطار اکل و شرب کے ذریعہ سے ہوا تھا تو دونوں کا کفارہ ایک ہی کافی ہو جائے گا، لیکن اگر یہ مکرر افطار جماع کے ذریعہ سے ہوا تھا تو دونوں روزوں کے لیے الگ الگ کفارہ واجب ہوگا۔ (شامی: ۳/ ۳۹۲)

رمضان المبارک میں کھلے عام علانیہ طور پر کھانے پینے والے کا حکم

رمضان المبارک کی تعظیم وتکریم ہر صاحب ایمان پر لازم ہے، یہی وجہ ہے کہ جو شخص رمضان المبارک کا احترام واکرام نہ کرے اور اس میں بلا عذر شرعی قصداً کھائے پیے تو اس کو قتل کر دیا جائے گا، اس لیے کہ وہ دین اسلام اور رمضان کا مذاق اڑانے والا ہے، یا اس چیز کا منکر ہے جو ضرورۃً قرآن وحدیث سے ثابت ہے، اس کی پوری تفصیل بحث شرح الوہبانیہ میں ہے۔(شامی:۳/۳۹۲)

(وَإِنْ ذَرَعَهُ الْقَيْءُ وَخَرَجَ) وَلَمْ يَعُدْ (لَا يُفْطِرُ مُطْلَقًا) مَلَأَ أَوْ لَا (فَإِنْ عَادَ) بِلَا صُنْعِهِ (وَ) لَوْ (هُوَ مِلْءُ الْفَمِ مَعَ تَذَكُّرِهِ لِلصَّوْمِ لَا يَفْسُدُ) خِلَافًا لِلثَّانِي (وَإِنْ أَعَادَهُ) أَوْ قَدْرَ حِمَّصَةٍ مِنْهُ فَأَكْثَرَ حَدَّادِيٌّ (أَفْطَرَ إجْمَاعًا) وَلَا كَفَّارَةَ (إنْ مَلَأَ الْفَمَ وَإِلَّا لَا) هُوَ الْمُخْتَارُ (وَإِنْ اسْتَقَاءَ) أَيْ طَلَبَ الْقَيْءَ (عَامِدًا) أَيْ مُتَذَكِّرًا لِصَوْمِهِ (إنْ كَانَ مِلْءَ الْفَمِ فَسَدَ بِالْإِجْمَاعِ) مُطْلَقًا (وَإِنْ أَقَلَّ لَا) عِنْدَ الثَّانِي وَهُوَ الصَّحِيحُ، لَكِنْ ظَاهِرُ الرِّوَايَةِ كَقَوْلِ مُحَمَّدٍ إنَّهُ يَفْسُدُ كَمَا فِي الْفَتْحِ عَنْ الْكَافِي (فَإِنْ عَادَ بِنَفْسِهِ لَمْ يُفْطِرْ وَإِنْ أَعَادَهُ فَفِيهِ رِوَايَتَانِ) أَصَحُّهُمَا لَا يُفْسِدُ مُحِيطٌ (وَهَذَا) كُلُّهُ (فِي قَيْءِ طَعَامٍ أَوْ مَاءٍ أَوْ مِرَّةٍ) أَوْ دَمٍ (فَإِنْ كَانَ بَلْغَمًا فَغَيْرُ مُفْسِدٍ) مُطْلَقًا خِلَافًا لِلثَّانِي وَاسْتَحْسَنَهُ الْكَمَالُ وَغَيْرُهُ. (وَلَوْ أَكَلَ لَحْمًا بَيْنَ أَسْنَانِهِ) إنْ (مِثْلَ حِمَّصَةٍ) فَأَكْثَرَ (قَضَى فَقَطْ وَفِي أَقَلَّ مِنْهَا لَا) يُفْطِرُ (إلَّا إذَا أَخْرَجَهُ مِنْ فَمِهِ (فَأَكَلَهُ) وَلَا كَفَّارَةَ لِأَنَّ النَّفْسَ تَعَافُهُ (وَكُلْ مِثْلَ سِمْسِمَةٍ) مِنْ خَارِجٍ (يُفْطِرُ) وَيُكَفِّرُ فِي الْأَصَحِّ (إلَّا إذَا مَضَغَ بِحَيْثُ (تَلَاشَتْ فِي فَمِهِ) إلَّا أَنْ يَجِدَ الطَّعْمَ فِي حَلْقِهِ كَمَا مَرَّ، وَاسْتَحْسَنَهُ الْكَمَالُ قَائِلًا وَهُوَ الْأَصْلُ فِي كُلِّ قَلِيلٍ مَضَغَهُ (وَكُرِهَ) لَهُ (ذَوْقُ شَيْءٍ وَ) كَذَا (مَضْغُهُ بِلَا عُذْرٍ) قَيَّدَ فِيهِمَا قَالَهُ الْعَيْنِيُّ كَكَوْنِ زَوْجِهَا أَوْ سَيِّدِهَا سَيِّئَ الْخُلُقِ فَذَاقَتْ. وَ فِي كَرَاهَةِ الذَّوْقِ عِنْدَ الشِّرَاءِ قَوْلَانِ، وَوَفَّقَ فِي النَّهْرِ بِأَنَّهُ إنْ وَجَدَ بُدًّا، وَلَمْ يَخَفْ غَبْنًا كُرِهَ وَإِلَّا لَا وَهَذَا فِي الْفَرْضِ لَا النَّفْلِ كَذَا قَالُوا وَفِيهِ كَلَامٌ لِحُرْمَةِ الْفِطْرِ فِيهِ بِلَا عُذْرٍ عَلَى الْمَذْهَبِ فَتَبْقَى الْكَرَاهَةُ.

روزہ کی حالت میں خود بخود قے آنا

اگر روزے دار کو قے خود بخود آ گئی اور نکل گئی، حلق میں دوبارہ واپس نہیں ہوئی تو اس طرح کی قئے سے مطلقاً روزہ فاسد نہیں ہوگا، خواہ قے منہ بھر کے ہو یا اس سے کم ہو۔ اور اگر قے آئی اور از خود لوٹ گئی تو خواہ وہ قے بھر منہ ہی کیوں نہ ہو اور

روزہ یاد بھی کیوں نہ ہوتو بھی روزہ فاسد نہیں ہوگا، لیکن حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں روزہ ٹوٹ جائے گا، لیکن اس بارے میں صحیح قول یہ ہے کہ روزہ فاسد نہیں ہوگا، جیسا کہ علامہ شامیؒ نے بیان کیا ہے کیوں کہ اس صورت میں روزہ دار کی طرف سے کوئی فعل نہیں پایا گیا ہے۔

اور اگر روزے دار نے اس آنے والی قے کو جان بوجھ کر لوٹا لیا یا اس قے میں سے چنے کی مقدار کے برابر یا اس سے زیادہ مقدار لوٹا لیا تو اس صورت میں بالاتفاق روزہ ٹوٹ جائے گا، لیکن کفارہ لازم نہیں ہوگا۔ اور صورت مذکورہ میں روزہ کے فاسد ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ قے منھ بھر کے ہو۔ اور اگر قے منھ بھر کے نہ ہوتو روزہ فاسد نہیں ہوگا، یہی قول مختار ہے اور یہ حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ہے، درحقیقت حضرت امام ابو یوسفؒ منھ بھر کی قئے کا اعتبار کرتے ہیں اور امام محمدؒ قے کرنے والے کے فعل کا اعتبار کرتے ہیں، یہاں مسئلے کی چار صورتیں بنتی ہیں:

۱- قے منھ بھر سے کم ہو اور خود بخود لوٹ جائے تو بالاتفاق روزہ فاسد نہیں ہوگا، کیونکہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک قے بھر منھ نہیں ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک اس لیے روزہ فاسد نہیں ہوگا کہ اس کے لوٹنے میں اس کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔

۲- قے بھر منھ آئی ہو اور جان بوجھ کر اس کو لوٹا لیا ہو تو بالاتفاق روزہ فاسد ہو جائے گا، امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تو بھر منھ قے ہونے کی وجہ سے اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک بالقصد لوٹانے کی وجہ سے۔

۳- قے بھر منھ سے کم آئی اور اس کو بالقصد لوٹا لیا تو اس صورت میں حضرت امام محمدؒ کے نزدیک روزہ فاسد ہو جائے گا، لیکن امام ابو یوسفؒ کے نزدیک فاسد نہ ہوگا، کیوں کہ قے منھ بھر کے نہیں ہے۔

۴- قے منھ بھر کے آئی ہو اور خود بخود لوٹ گئی ہو تو اس صورت میں حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک روزہ فاسد ہو جائے گا، لیکن امام محمدؒ کے نزدیک روزہ فاسد نہ ہوگا اس لیے کہ قے کرنے والے کے عمل کا کوئی دخل نہیں ہے؛ بلکہ خود بخود لوٹ گئی ہے۔ (شامی: ۳/۳۹۲)

روزے دار کا جان بوجھ کر قئے کرنے کا حکم

اگر روزے دار نے جان بوجھ کر قصداً قے کی، بایں طور کہ اس کو روزہ بھی یاد تھا تو اس صورت میں اگر قئے بھر منھ ہو تو بالاتفاق روزہ فاسد ہو جائے گا، خواہ عمداً قے کو لوٹائے یا خود بخود لوٹ جائے، یا بالکل نہ لوٹے، بہر صورت روزہ فاسد ہو جائے گا۔ اور اگر قے منھ بھر سے کم ہوئی تو حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک روزہ فاسد نہیں ہوگا، یہی بات صحیح ہے، لیکن حضرت امام محمدؒ کے نزدیک روزہ فاسد ہو جائے گا یہی ظاہر الروایہ ہے، جیسا کہ فتح القدیر میں کافی سے نقل کیا گیا ہے۔

اور اگر قے بھر منھ سے کم کیا اور خود بخود لوٹ گئی تو اس صورت میں روزہ فاسد نہیں ہوگا اور اگر اسکو جان بوجھ کر لوٹا لیا تو اس بارے میں حضرت امام ابو یوسفؒ سے دو روایتیں ہیں اور ان میں صحیح تر روایت یہ ہے کہ روزہ فاسد نہیں ہوگا، جیسا کہ محیط

نامی کتاب میں ہے۔اور یہ ساری باتیں اس وقت ہیں جبکہ قے میں کھانا یا پانی یا پت یا خون بستہ نکلے۔اور اگر قے میں بلغم نکلے تو اس صورت میں مطلقاً روزہ فاسد نہیں ہوگا،اس میں حضرت امام ابو یوسفؒ کا اختلاف ہے،امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اگر قے عمداً قصداً اور منھ بھر کے کی تو اس صورت میں روزہ فاسد ہو جائے گا،اسی قول کو کمالؒ وغیرہ نے مستحسن قرار دیا ہے۔

دانت میں پھنسے ہوئے گوشت کے ریشہ کو کھانے سے روزہ کا حکم

اگر روزے دار نے دانتوں میں پھنسے ہوئے گوشت کا ریشہ نکال کر کھالیا تو دیکھا جائے گا کہ اس کی مقدار کیا ہے،اگر اس کی مقدار ایک چنے کے برابر یا اس سے زیادہ ہو تو اس صورت میں روزہ فاسد ہو جائے گا اور اس پر صرف روزے کی قضاء لازم ہوگی،کفارہ واجب نہ ہوگا۔اور اگر اس کی مقدار چنے کے دانے سے کم ہو تو روزہ فاسد نہ ہوگا،ہاں اگر اس کو منھ سے باہر نکال کر دوبارہ کھالیا تو اس صورت میں روزہ فاسد ہو جائے گا اور قضاء لازم ہوگی کفارہ نہیں،اس لیے کہ دانت میں پھنسی ہوئی چیز کو منھ سے نکال کر دوبارہ کھانے سے طبیعت نفرت کرتی ہے اور ایسی قابل نفرت چیز کو کھانے پر کفارہ واجب نہیں ہوتا ہے۔

منھ سے خارج کی ہوئی چیز کھانے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے

اگر روزے دار نے تل کے برابر بھی کوئی چیز باہر سے کھائی تو اس سے روزہ فاسد ہو جائے گا اور اصح قول کے مطابق کفارہ بھی لازم ہوگا،البتہ اگر اس نے اس کو اس طرح چبایا کہ اس کے اجزاء منھ کے حصوں میں چمٹ کر رہ گئے اور اندر کچھ بھی نہیں جاسکا تو اس صورت میں روزہ فاسد نہیں ہوگا،ہاں اگر وہ چبانے میں اپنے حلق کے اندر مزہ پائے گا تو اس سے روزہ فاسد ہو جائے گا جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔اور کمالؒ نے اسی کو یہ کہتے ہوئے مستحسن قرار دیا ہے کہ ہر قلیل چیز کے چبانے میں بنیادی شئ یہی ہے کہ اگر مزہ حلق میں پایا گیا تو روزہ فاسد ہو جائے گا ورنہ نہیں۔

روزے کی حالت میں کسی چیز کا چکھنا

حضرت مصنفؒ فرماتے ہیں کہ روزے کی حالت میں کسی بھی چیز کا چکھنا مکروہ تنزیہی ہے،اسی طرح اس کا بلا عذر شرعی چبانا بھی مکروہ ہے،بلا عذر کی قید اس لیے لگائی گئی ہے کہ اگر عذر معقول ہو،بایں طور کہ شوہر بد مزاج ہو یا آقا بد خلق ہو تو بیوی کے لیے، اسی طرح غلام وملازم کے لیے چکھنا مکروہ نہیں ہے؛ بلکہ چکھنے کی اجازت ہوگی،اسی طرح اگر شیر خوار بچہ کو چبا کر کھلانے کے لیے کوئی غیر روزہ دار نہ ہو تو روزے دار کے لیے چبا کر شیر خوار بچہ کو کھلانا جائز ہے اور یہ اس کے لیے اجازت ہے۔(شامی:۳/۳۹۵)

خریدنے والے کا چکھنا

اگر روزے دار کوئی سامان خرید رہا ہو تو اس کی لیے خریدتے وقت سامان کو چکھنا جائز ہے یا نہیں؟اس بارے میں دو قول ہیں اور النہر الفائق میں دونوں قولوں کے درمیان تطبیق اس طرح دی ہے کہ اگر بغیر چکھے ہوئے لینے میں غبن کا اندیشہ نہ ہو تو پھر

چکھنا مکروہ ہے اور اگر بغیر چکھے لینے میں غبن کا اندیشہ اور غالب گمان ہو تو اس صورت میں چکھنا مکروہ نہیں ہے۔ اور یہ چکھنے کی جو کراہت بیان کی گئی ہے یہ فرض روزہ کے متعلق ہے، نفل روزہ میں چکھنا مکروہ نہیں ہے جیسا کہ حضرات علماء نے کہا ہے، لیکن اسکے اندر کلام ہے اس لیے کہ نفل روزہ بھی بلا عذر توڑنا مذہب کے مطابق کراہت سے خالی نہیں ہے، لہٰذا کراہت باقی رہے گی۔

(وَ) كُرِهَ (مَضْغُ عِلْكٍ) أَبْيَضَ مَمْضُوغٍ مُلْتَئِمٍ، وَإِلَّا فَيُفْطِرُ، وَكُرِهَ لِلْمُفْطِرِينَ إِلَّا فِي الْخَلْوَةِ بِعُذْرٍ وَقِيلَ يُبَاحُ وَيُسْتَحَبُّ لِلنِّسَاءِ لِأَنَّهُ سِوَاكُهُنَّ فَتْحٌ. (وَ) كُرِهَ (قُبْلَةٌ) وَمَسٌّ وَمُعَانَقَةٌ وَمُبَاشَرَةٌ فَاحِشَةٌ (إِنْ لَمْ يَأْمَنْ) الْمُفْسِدَ وَإِنْ أَمِنَ لَا بَأْسَ. (لَا) يُكْرَهُ (دَهْنُ شَارِبٍ وَ) لَا (كُحْلٌ) إِذَا لَمْ يَقْصِدْ الزِّينَةَ أَوْ تَطْوِيلَ اللِّحْيَةِ إِذَا كَانَتْ بِقَدْرِ الْمَسْنُونِ وَهُوَ الْقَبْضَةُ وَصَرَّحَ فِي النِّهَايَةِ بِوُجُوبِ قَطْعِ مَا زَادَ عَلَى الْقَبْضَةِ بِالضَّمِّ، وَمُقْتَضَاهُ الْإِثْمُ بِتَرْكِهِ لَا أَنْ يُحْمَلَ الْوُجُوبُ عَلَى الثُّبُوتِ، وَأَمَّا الْأَخْذُ مِنْهَا وَهِيَ دُونَ ذَلِكَ كَمَا يَفْعَلُهُ بَعْضُ الْمَغَارِبَةِ، وَمُخَنَّثَةُ الرِّجَالِ فَلَمْ يُبِحْهُ أَحَدٌ، وَأَخْذُ كُلِّهَا فِعْلُ يَهُودِ الْهِنْدِ وَمَجُوسِ الْأَعَاجِمِ فَتْحٌ. وَحَدِيثُ التَّوْسِعَةِ عَلَى الْعِيَالِ يَوْمَ عَاشُورَاءَ صَحِيحٌ وَحَدِيثُ الِاكْتِحَالِ فِيهِ ضَعِيفٌ لَا مَوْضُوعٌ كَمَا زَعَمَهُ ابْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ. (وَ) لَا (سِوَاكٌ وَلَوْ عَشِيًّا) أَوْ رَطْبًا بِالْمَاءِ عَلَى الْمَذْهَبِ، وَكَرِهَهُ الشَّافِعِيُّ بَعْدَ الزَّوَالِ وَكَذَا لَا تُكْرَهُ حِجَامَةٌ وَتَلَفُّفٌ بِثَوْبٍ مُبْتَلٍّ وَمَضْمَضَةٌ أَوْ اسْتِنْشَاقٌ أَوْ اغْتِسَالٌ لِلتَّبَرُّدِ عِنْدَ الثَّانِي وَبِهِ يُفْتَى شُرُنْبُلَالِيَّةٌ عَنْ الْبُرْهَانِ. وَيُسْتَحَبُّ السُّحُورُ وَتَأْخِيرُهُ وَتَعْجِيلُ الْفِطْرِ لِحَدِيثِ «ثَلَاثٌ مِنْ أَخْلَاقِ الْمُرْسَلِينَ: تَعْجِيلُ الْإِفْطَارِ، وَتَأْخِيرُ السُّحُورِ، وَالسِّوَاكُ». [فُرُوعٌ] لَا يَجُوزُ أَنْ يَعْمَلَ عَمَلًا يَصِلُ بِهِ إِلَى الضَّعْفِ فَيَخْبِزُ نِصْفَ النَّهَارِ وَيَسْتَرِيحُ الْبَاقِيَ، فَإِنْ قَالَ لَا يَكْفِينِي كَذَبَ بِأَقْصَرِ أَيَّامِ الشِّتَاءِ، فَإِنْ أَجْهَدَ الْحُرُّ نَفْسَهُ بِالْعَمَلِ حَتَّى مَرِضَ فَأَفْطَرَ فَفِي كَفَّارَتِهِ قَوْلَانِ قُنْيَةٌ وَفِي الْبَزَّازِيَّةِ: لَوْ صَامَ عَجَزَ عَنْ الْقِيَامِ صَامَ وَصَلَّى قَاعِدًا جَمْعًا بَيْنَ الْعِبَادَتَيْنِ.

روزے کی حالت میں گوند چبانا

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ روزے دار کے لیے سفید جمے ہوئے گوند کا چبانا مکروہ ہے اور اگر گوند جما ہوا نہیں ہے تو اس کے چبانے سے روزہ فاسد ہو جائے گا، اس لیے کہ جو گوند جما ہوا نہ ہو اس کے چبانے سے حلق تک جاتا ہے بلکہ پیٹ تک پہنچ جاتا ہے اس لیے روزہ فاسد ہو جائے گا۔ اور غیر روزہ داروں کے لیے بھی گوند چبانا مکروہ ہے، اس لیے کہ اس میں عورتوں کے ساتھ مشابہت پائی جاتی ہے، ہاں اگر کسی عذر کی وجہ سے چبانا ہی پڑ جائے تو مرد تنہائی میں چبائے اس میں کراہت

نہیں ہے۔ اور اس بارے میں ایک قول یہ بھی ہے کہ غیر روزے داروں کے لیے گوند چبانا مباح ہے، اس میں کوئی کراہت وغیرہ نہیں ہے، البتہ عورتوں کے لیے اس کا استعمال کرنا مستحب ہے، اس لیے کہ یہ عورتوں کے لیے مسواک کے قائم مقام ہے۔

روزے کی حالت میں بوسہ لینا اور معانقہ وغیرہ کرنا

روزے داروں کے لیے روزے کی حالت میں عورتوں کا بوسہ لینا، چھونا، معانقہ کرنا اور بغیر کسی پردہ کے جسم کا جسم سے ملانا مکروہ ہے بشرطیکہ جماع اور انزال سے مطمئن نہ ہو، ہاں اگر اس طرح سے کرنے کی وجہ سے ان کو جماع اور انزال کا بالکل خوف نہ ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔ (لیکن اس دور میں اس سے بچنا ہی زیادہ بہتر ہے خاص کر نوجوان آدمی کو اور جس کی نئی نئی شادی ہوئی ہو تو اس کے لیے بچنا زیادہ ضروری ہے، کیونکہ انزال یا جماع کر لینے کا غالب گمان ہے، ہاں اگر کوئی بوڑھا شخص اس طرح کر رہا ہو تو کوئی حرج نہیں ہے)۔ (شامی: ۳/۳۹۶)

مسئلہ: روزے داروں کے لیے دوسرے کے ہونٹوں کو منھ میں لے کر دبانا اور چوسنا مطلقاً مکروہ ہے خواہ انزال وجماع کا خوف ہو خواہ خوف نہ ہو۔ (شامی: ۳/۳۹۶)

روزے کی حالت میں تیل اور سرمہ لگانے کا حکم شرعی

روزے داروں کے لیے بحالت روزہ مونچھ میں تیل، اسی طرح آنکھوں میں سرمہ لگانا مکروہ نہیں ہے بشرطیکہ اس سے اس کا مقصد نہ زینت کرنا ہو نہ ہی داڑھی لمبی کرنا ہو، جب کہ اس کی داڑھی بقدر مسنون ایک مشت لمبی ہو۔

ایک مشت سے زائد داڑھی کے بالوں کو کاٹنے کا حکم

نہایہ میں اس کی صراحت کی گئی ہے کہ داڑھی کا جو حصہ ایک مشت سے زائد ہو جائے اس کا کاٹنا واجب ہے، اگر کوئی شخص اس زائد حصہ کو نہیں کاٹے گا تو گناہ گار ہوگا، لیکن اگر یہاں وجوب کو ثبوت کے معنی میں لیا جائے تو زیادہ حصہ کو نہ کٹانے والے گناہ گار نہ ہوں گے۔ جس کی داڑھی ایک مشت یا اس سے کم ہو، پھر اس داڑھی سے کچھ حصہ کاٹنا، جیسا کہ بعض اہل مغاربہ کرتے ہیں اور مخنث لوگ کرتے ہیں جائز نہیں ہے اس کو کسی نے بھی جائز قرار نہیں دیا ہے اور نہ اس کے جواز کا کوئی قائل ہے۔ اور داڑھی کو بالکل منڈوا دینا یہ ہندوستان کے کفار اور عجم کے مجوسیوں کا فعل ہے جیسا کہ فتح القدیر میں ہے۔ (لیکن افسوس کہ آج کل ہمارے مسلمان بھائی بھی اپنی نادانی میں داڑھی منڈوا دیتے ہیں اور غیروں کے ساتھ مشابہت اختیار کرتے ہیں، یہ بالکل حرام اور ناجائز ہے، داڑھی رکھنا سنت انبیاء اور شعائر مسلمان میں سے ہے لہٰذا ہر مسلمان کو اس سنت ہدیٰ پر عمل کرنا چاہیے۔ داڑھی منڈوانا ایک ایسا منحوس گناہ ہے جو انسان کے ساتھ چوبیس گھنٹے ہمیشہ چپکا رہتا ہے، اس لیے اس سے بچنا از حد ضروری ہے)۔

عاشوراء اور محرم میں توسیع

محرم الحرام کے یوم عاشوراء میں اہل وعیال کو فراخ دلی سے کھلانے پلانے کے متعلق جو حدیث شریف آئی ہے وہ صحیح

ہے۔(رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: "مَن وسّعَ علی عیالِہٖ یومَ عاشوراءَ وسّعَ اللہُ علیہ السنۃَ کُلَّھا"۔ جو شخص عاشوراء کے دن اپنے اہل وعیال کو خوب وسعت کے ساتھ کھلائے گا اللہ تعالیٰ پورے سال اس کے رزق میں وسعت عطا فرمائے گا۔حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ میں نے چالیس سال تک اس کو آزمایا تو کبھی خلاف نہیں پایا)۔(شامی:۳/۳۹۸)

البتہ اس دن سرمہ لگانے کے متعلق جو حدیث آئی ہے وہ ضعیف ہے، لیکن موضوع نہیں ہے، جیسا کہ ابن عبدالعزیز کا خیال ہے۔(سرمہ لگانے کے متعلق حدیث یہ ہے: "مَن اکتحلَ بالاثمدِ یومَ عاشوراءَ لَم یرمد أبداً" جو شخص عاشوراء کے دن اثمد کا سرمہ لگائے گا وہ کبھی آشوبِ چشم کی بیماری میں مبتلا نہیں ہوگا۔اس حدیث کو بیہقی نے روایت کیا ہے اور اس کو ضعیف قرار دیا ہے اور ابن الجوزی نے اس کو موضوعات میں شمار کیا ہے)۔(شامی:۳/۳۹۸)

روزے کی حالت میں مسواک کرنے کا حکم

روزے داروں کے لیے روزے کی حالت میں مسواک کرنا مکروہ نہیں ہے، اگرچہ زوال کے بعد ہو یا پانی میں بھگو کر کے کیوں نہ ہو صحیح مذہب یہی ہے۔اور اس بارے میں امام شافعیؒ کا قول یہ ہے کہ زوال کے بعد مسواک کرنا مکروہ ہے، اسی طرح روزے کی حالت میں پچھنا لگوانا، تر کپڑا بدن میں لپیٹنا، کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا اور ٹھنڈک حاصل کرنے کے واسطے غسل کرنا حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مکروہ نہیں ہے اور اسی پر فتویٰ بھی ہے، جیسا کہ شرنبلالیہ نے برہان سے نقل کیا ہے۔(حدیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے روزے کی حالت میں شدید پیاس اور گرمی کی وجہ سے سر مبارک پر پانی ڈالا ہے۔اور حضرت عمرؓ روزے کی حالت میں شدید گرمی کی وجہ سے تر کپڑا لپیٹ لیا کرتے تھے)۔(شامی:۳/۳۹۹)

سحری تاخیر سے کرنا اور افطار جلدی کرنا افضل ہے

روزے داروں کے لیے سحری کھانا اور اس کو دیر سے کھانا مستحب ہے اور روزہ افطار کرنے میں جلدی کرنا مستحب ہے، یعنی غروبِ آفتاب کے بعد انتظار نہ کیا جائے بلکہ افطار کر لیا جائے، اس لیے کہ حدیث شریف میں ہے کہ تین چیزیں رسولوں کی عادات میں سے ہیں: (۱) افطار جلدی کرنا۔ (۲) سحری دیر سے کھانا۔ (۳) اور مسواک کرنا۔

روزے داروں کے لیے محنت کا کام کرنا

روزے داروں کے لیے ایسی مشقت ومحنت کا کام کرنا جائز نہیں ہے جس سے کمزوری پیدا ہو جائے اور وہ روزہ کے لیے مانع بن جائے، ایسے محنت کش کام کرنے والے کو چاہئے کہ آدھے دن کام کرے اور آدھے دن آرام کرے۔اور اگر کوئی کہے کہ آدھے دن کی محنت کافی نہیں ہے تو اس کی بات مانی نہیں جائے گی اس لیے کہ سردی کے موسم میں سب سے چھوٹا دن اسی قدر ہوتا ہے اور اتنے وقت میں کام ہو جاتا ہے۔اگر کسی آزاد شخص نے رمضان کے دنوں میں محنت کا کام کیا یہاں تک کہ وہ بیمار ہو گیا اور افطار کر لیا تو

اس صورت میں کفارہ واجب ہوگا یا نہیں؟ اس بارے میں دو قول ہیں: بعض نے کہا کفارہ ہوگا، بعض نے کہا کفارہ نہیں ہوگا جیسا کہ قنیہ میں ہے۔ اور فتاویٰ بزازیہ میں ہے کہ اگر کوئی شخص روزہ رکھنے کی وجہ سے اس قدر کمزور ہو جائے کہ نماز میں قیام نہیں کر سکتا تو ایسے شخص کے لیے حکم یہ ہے کہ وہ روزہ رکھے اور نماز بیٹھ کر ادا کرے تاکہ دونوں فرض عبادتیں جمع ہو سکیں۔ واللہ اعلم بالصواب

فَصْلٌ فِی الْعَوَارِضِ الْمُبِیحَۃِ لِعَدَمِ الصَّوْمِ

ان عوارض کا بیان جن کی وجہ سے رمضان میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے

وَقَدْ ذَكَرَ الْمُصَنِّفُ مِنْهَا خَمْسَةً وَبَقِيَ الْإِكْرَاهُ وَخَوْفُ هَلَاكٍ أَوْ نُقْصَانُ عَقْلٍ وَلَوْ بِعَطَشٍ أَوْ جُوعٍ شَدِيدٍ وَلَسْعَةِ حَيَّةٍ (لِمُسَافِرٍ) سَفَرًا شَرْعِيًّا وَلَوْ بِمَعْصِيَةٍ (أَوْ حَامِلٍ أَوْ مُرْضِعٍ) أُمًّا كَانَتْ أَوْ ظِئْرًا عَلَى ظَاهِرٍ (خَافَتْ بِغَلَبَةِ الظَّنِّ عَلَى نَفْسِهَا أَوْ وَلَدِهَا) وَقَيَّدَهُ الْبَهْنَسِيُّ تَبَعًا لِابْنِ الْكَمَالِ بِمَا إِذَا تَعَيَّنَتْ لِلْإِرْضَاعِ (أَوْ مَرِيضٍ خَافَ الزِّيَادَةَ) لِمَرَضِهِ وَصَحِيحٍ خَافَ الْمَرَضَ، وَخَادِمَةٍ خَافَتْ الضَّعْفَ بِغَلَبَةِ الظَّنِّ بِأَمَارَةٍ أَوْ تَجْرِبَةٍ أَوْ بِأَخْبَارِ طَبِيبٍ حَاذِقٍ مُسْلِمٍ مَسْتُورٍ وَأَفَادَ فِي النَّهْرِ تَبَعًا لِلْبَحْرِ جَوَازَ التَّطْبِيبِ بِالْكَافِرِ فِيمَا لَيْسَ فِيهِ إِبْطَالُ عِبَادَةٍ. قُلْتُ: وَفِيهِ كَلَامٌ لِأَنَّ عِنْدَهُمْ نُصْحَ الْمُسْلِمِ كُفْرٌ فَأَنَّى يُتَطَبَّبُ بِهِمْ، وَ فِي الْبَحْرِ عَنْ الظَّهِيرِيَّةِ لِلْأَمَةِ أَنْ تَمْتَنِعَ مِنْ امْتِثَالِ أَمْرِ الْمَوْلَى إِذَا كَانَ يُعْجِزُهَا عَنْ إِقَامَةِ الْفَرَائِضِ لِأَنَّهَا مُبْقَاةٌ عَلَى أَصْلِ الْحُرِّيَّةِ فِي الْفَرَائِضِ (الْفِطْرُ) يَوْمَ الْعُذْرِ إِلَّا السَّفَرَ كَمَا سَيَجِيءُ (وَقَضَوْا) لُزُومًا (مَا قَدَرُوا بِلَا فِدْيَةٍ وَ) بِلَا (وَلَاءٍ) لِأَنَّهُ عَلَى التَّرَاخِي وَلِذَا جَازَ التَّطَوُّعُ قَبْلَهُ بِخِلَافِ قَضَاءِ الصَّلَاةِ. (وَ) لَوْ جَاءَ رَمَضَانُ الثَّانِي (قُدِّمَ الْأَدَاءُ عَلَى الْقَضَاءِ) وَلَا فِدْيَةَ لِمَا مَرَّ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ.

ترجمہ وتشریح: اس فصل کے اندر حضرت مصنفؒ ان عوارض کو بیان کریں گے جن کی وجہ سے روزہ نہ رکھنے کی شرعاً اجازت ہے۔ اور جن عوارض کی وجہ سے رمضان المبارک میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے ان میں سے پانچ عوارض کو مصنفؒ نے بیان کیا ہے۔ (وہ یہ ہیں: (۱) سفر۔ (۲) حمل۔ (۳) ارضاع، یعنی دودھ پلانا۔ (۴) بیماری۔ (۵) بڑھاپا، یعنی ایسا بڑھاپا جو ناقابل تحمل ہو۔ (۶) اکراہ۔ (۷) جہاد۔ (۸) بھوک کی شدت۔ (۹) پیاس کی شدت۔ اس طرح کل نو اعذار ہو جاتے ہیں جن کی وجہ سے افطار کی اجازت ہے اور بعد میں صرف قضاء لازم ہے کفارہ نہیں)۔

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ مصنف نے پانچ عوارض کو بیان کیا ہے اور یہ عوارض باقی رہ جاتے ہیں: اکراہ، ہلاکت یا عقل کے ختم ہونے کا خطرہ، خواہ یہ خطرہ پیاس کی شدت کی وجہ سے ہو یا بھوک کی شدت کی وجہ سے ہو، یا سانپ کے ڈس لینے

کی وجہ سے ہو، یعنی اگر کسی کو سانپ ڈس لے اور اس کی وجہ سے اسے روزہ توڑنا پڑے تو اس کی اجازت ہے۔

مسافر، حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت کا روزہ نہ رکھنا

حضرت مصنفؒ فرماتے ہیں کہ مسافر کے واسطے جو سفر شرعی کی مسافت یا اس سے زیادہ کی مسافت پر ہو اگرچہ وہ گناہ کا سفر کیوں نہ ہو اس کی لیے رمضان المبارک میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔ (البتہ بعد میں قضاء کرنا لازم ہوگا اور روزہ نہ رکھنے کی وعید میں داخل نہ ہوگا) یہ اور بات ہے کہ مسافر کی لیے روزہ رکھنا ہی افضل اور مندوب ہے اگر نقصان کا خطرہ نہ ہو۔

اسی طرح حاملہ عورت جس کے شکم میں بچہ ہو اور بچہ کو دودھ پلانے والی عورت کے لیے خواہ بچہ کی ماں ہو یا دایہ، رمضان المبارک میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے، لیکن یہ اجازت اس وقت ہے کہ جب کہ دودھ پلانے والی عورت کو روزہ رکھنے کی وجہ سے خود اپنے اوپر یا بچہ کے اوپر نقصان آنے کا غالب گمان رکھتی ہو۔ اور بہنسیؒ نے ابن الکمال کی پیروی میں اس کو مقید کیا ہے اس صورت کے ساتھ جب کہ دودھ پلانے کے واسطے عورتِ بالکل متعین ہو۔ (علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ یہاں مرضعہ سے مراد بچے کو دودھ پلانے والی دایہ عورت ہے اس لیے کہ اس پر دودھ پلانا واجب ہے، اسی طرح اگر بچہ اپنی ماں کے پستان کے علاوہ کسی اور عورت کا پستان منھ میں نہ لیتا ہو اور باپ تنگ دست ہو تو ایسی صورت میں بچے کی ماں کے لیے بھی یہی حکم ہے کہ روزہ افطار کرلے، کیوں کہ اس وقت اس پر بچہ کو دودھ پلانا واجب ہے، لیکن ظاہر الروایہ اس کے خلاف ہے، ماں پر دیانۃً دودھ پلانا واجب ہے نہ کہ شرعاً۔ (شامی: ۳/ ۴۰۳)

مریض کے لیے روزہ نہ رکھنے کی اجازت

اسی طرح ایسے مریض کے لیے بھی رمضان المبارک میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے جس کو روزہ رکھنے کی صورت میں مرض بڑھ جانے کا خطرہ ہو، یا یہ خطرہ ہو کہ مرض جلدی ٹھیک نہیں ہوگا یا تندرست آدمی کو یہ خطرہ ہے کہ روزہ رکھنے کی وجہ سے بیمار پڑ جاؤں گا تو اس کے واسطے افطار کی اجازت ہے، اسی طرح اس تیاردار کے لیے بھی افطار کی اجازت ہے جو یہ خطرہ محسوس کرتا ہو کہ روزہ رکھنے کی وجہ سے کمزوری آجائے گی اور تیارداری نہیں کر پائے گا۔ اور علامت یا تجربہ کاری یا کسی مسلمان ماہر مستور الحال ڈاکٹر کے بتلانے سے انھیں ظن غالب ہو کہ روزہ رکھنے کی وجہ سے کمزور ہو جائے گا اور بیماری کی وجہ سے خدمت نہیں کر پائے گا، اس باب میں کافر ڈاکٹر کا قول معتبر نہیں ہے۔

صاحب النہر الفائق نے البحر الرائق کی اتباع کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جن صورتوں میں عبادت کا ابطال نہ ہو کافر ڈاکٹر سے علاج ومعالجہ کرانا جائز ہے اور اس کی بات پر عمل کرنا درست ہے۔ شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ کافر ڈاکٹروں سے علاج کرانا قابل غور ہے، اس لیے کہ کافروں کے نزدیک مسلمانوں کی خیر خواہی کفر ہے پھر ان سے علاج ومعالجہ کس طرح کرایا جائے۔ (اس

دور میں کافر ڈاکٹروں سے علاج معالجہ کرانا جائز ہے اور اسی پر فتویٰ ہے بشرطیکہ حرام اشیاء سے علاج نہ کرے۔از: مترجم)

جہاں اللہ کی معصیت لازم آئے وہاں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں ہے

علامہ ابن نجیم مصری نے البحر الرائق شرح کنز الدقائق میں فتاویٰ ظہیریہ سے نقل کیا ہے کہ باندی کو شرعی اعتبار سے یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے آقا کی بات ان صورتوں میں نہ مانے جن میں ماننے کی وجہ سے فرائض کی ادائیگی میں مجبوری پیش آئے، اس لیے کہ باندی کو فرائض اسلام کی ادائیگی میں اصل آزادی پر رکھا گیا ہے۔(مثال کے طور پر نماز کا وقت تنگ ہو اور آقا اس وقت میں کوئی دوسرا حکم دے تو اس صورت میں باندی پہلے نماز ادا کرے گی پھر آقا کا حکم بجالائے گی، نماز چھوڑ کر آقا کا حکم بجالانا درست نہیں ہے، اگر آقا کا حکم مان کر باندی روزہ توڑ دے گی تو اس پر کفارہ لازم ہوگا۔(شامی/ ۳/ ۴۰۴)

قضاء شدہ روزوں کی ادائیگی

مسافر نے جس دن روزہ رکھ کر سفر شروع کیا ہے اس دن کا روزہ پورا کرنا اس پر ضروری ہوگا۔(البتہ دوسرے معذورین کو جس دن عذر پیش آئے تو اس دن روزہ پورا کرنا ضروری نہیں ہے، جیسا کہ تفصیلی بحث آنے والی ہے۔اور یہ مسافر شرعی، حاملہ عورت اور مرضعہ اور دوسرے معذورین لازمی طور پر ان روزوں کی قضاء کریں گے، البتہ ان معذورین پر کوئی فدیہ اور کفارہ لازم نہیں ہے اور نہ ہی ان پر روزوں کو لگاتار رکھنا لازم ہوگا اور نہ علی الفور لازم ہوگا، بلکہ جس طرح سے سہولت ہو ادا کرے، اسی وجہ سے ان معذورین کے لیے قضاء کرنے سے پہلے نفل روزہ رکھنا جائز ہے، ہاں اگر نماز قضاء ہو گئی تو اس کی اداء علی الفور واجب ہے۔

ذمہ میں قضاء روزہ باقی ہے اور دوسرا رمضان آگیا تو کیا حکم ہے؟

اگر ابھی کسی کے ذمہ اس سال کے رمضان المبارک کا قضاء شدہ روزہ باقی ہے، ابھی اس کو ادا نہیں کیا کہ دوسرے سال کا رمضان آگیا تو اس صورت میں پہلے موجودہ رمضان کا اداء روزہ رکھے گا اس کے بعد رمضان کے ختم پر پہلے رمضان کے روزہ کا قضاء کرے گا اور اس پر کوئی فدیہ لازم نہ ہوگا، اس میں حضرت امام شافعیؒ کا اختلاف ہے۔

(وَيُنْدَبُ لِمُسَافِرٍ الصَّوْمُ) لِآيَةِ - ﴿وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَكُمْ﴾ - وَالْخَيْرُ بِمَعْنَى الْبِرِّ لَا أَفْعَلَ تَفْضِيلٍ (إنْ لَمْ يَضُرَّهُ) فَإِنْ شَقَّ عَلَيْهِ أَوْ عَلَى رَفِيقِهِ فَالْفِطْرُ أَفْضَلُ لِمُوَافَقَتِهِ الْجَمَاعَةَ. (فَإِنْ مَاتُوا فِيهِ) أَيْ فِي ذَلِكَ الْعُذْرِ (فَلَا تَجِبُ) عَلَيْهِمْ (الْوَصِيَّةُ بِالْفِدْيَةِ) لِعَدَمِ إدْرَاكِهِمْ عِدَّةً مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ (وَلَوْ مَاتُوا بَعْدَ زَوَالِ الْعُذْرِ وَجَبَتْ) الْوَصِيَّةُ بِقَدْرِ إدْرَاكِهِمْ عِدَّةً مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ، وَأَمَّا مَنْ أَفْطَرَ عَمْدًا فَوُجُوبُهَا عَلَيْهِ بِالْأَوْلَى (وَفَدَى) لُزُومًا (عَنْهُ) أَيْ عَنْ الْمَيِّتِ (وَلِيُّهُ) الَّذِي يَتَصَرَّفُ فِي مَالِهِ (كَالْفِطْرَةِ) قَدْرًا (بَعْدَ قُدْرَتِهِ عَلَيْهِ) أَيْ عَلَى قَضَاءِ الصَّوْمِ (وَفَوْتِهِ) أَيْ فَوْتِ الْقَضَاءِ بِالْمَوْتِ

فَلَوْ فَاتَهُ عَشَرَةُ أَيَّامٍ فَقَدَرَ عَلَى خَمْسَةٍ فَدَاهَا فَقَطْ (بِوَصِيَّتِهِ مِنَ الثُّلُثِ) مُتَعَلِّقٌ بِفَدَى وَهَذَا لَوْ لَهُ وَارِثٌ وَإِلَّا فَمِنَ الْكُلِّ قُهُسْتَانِيٌّ (وَإِنْ) لَمْ يُوصِ وَ(تَبَرَّعَ وَلِيُّهُ بِهِ جَازَ) إِنْ شَاءَ اللَّهُ وَيَكُونُ الثَّوَابُ لِلْوَلِيِّ اخْتِيَارٌ (وَإِنْ صَامَ أَوْ صَلَّى عَنْهُ) الْوَلِيُّ (لَا) لِحَدِيثِ النَّسَائِيِّ «لَا يَصُومُ أَحَدٌ عَنْ أَحَدٍ وَلَا يُصَلِّي أَحَدٌ عَنْ أَحَدٍ وَلَكِنْ يُطْعِمُ عَنْهُ وَلِيُّهُ» (وَكَذَا) يَجُوزُ (لَوْ تَبَرَّعَ عَنْهُ) وَلِيُّهُ (بِكَفَّارَةِ يَمِينٍ أَوْ قَتْلٍ) بِإِطْعَامٍ أَوْ كِسْوَةٍ (بِغَيْرِ إِعْتَاقٍ). لِمَا فِيهِ مِنْ إِلْزَامِ الْوَلَاءِ لِلْمَيِّتِ بِلَا رِضَاهُ (وَفِدْيَةُ كُلِّ صَلَاةٍ وَلَوْ وِتْرًا) كَمَا مَرَّ فِي قَضَاءِ الْفَوَائِتِ (كَصَوْمِ يَوْمٍ) عَلَى الْمَذْهَبِ وَكَذَا الْفِطْرَةُ وَالِاعْتِكَافُ الْوَاجِبُ يُطْعِمُ عَنْهُ لِكُلِّ يَوْمٍ كَالْفِطْرَةِ وَالْوَلْوَالِجِيَّةُ. وَالْحَاصِلُ أَنَّ مَا كَانَ عِبَادَةً بَدَنِيَّةً فَإِنَّ الْوَصِيَّ يُطْعِمُ عَنْهُ بَعْدَ مَوْتِهِ عَنْ كُلِّ وَاجِبٍ كَالْفِطْرَةِ وَالْمَالِيَّةُ كَالزَّكَاةِ، يُخْرِجُ عَنْهُ الْقَدْرَ الْوَاجِبَ وَالْمُرَكَّبُ كَالْحَجِّ يُحِجُّ عَنْهُ رَجُلًا مِنْ مَالِ الْمَيِّتِ بَحْرٌ. (وَلِلشَّيْخِ الْفَانِي الْعَاجِزِ عَنِ الصَّوْمِ الْفِطْرُ وَيَفْدِي) وُجُوبًا وَلَوْ فِي أَوَّلِ الشَّهْرِ وَبِلَا تَعَدُّدِ فَقِيرٍ كَالْفِطْرَةِ لَوْ مُوسِرًا وَإِلَّا فَيَسْتَغْفِرُ اللَّهَ هَذَا إِذَا كَانَ الصَّوْمُ أَصْلًا بِنَفْسِهِ وَخُوطِبَ بِأَدَائِهِ، حَتَّى لَوْ لَزِمَهُ الصَّوْمُ لِكَفَّارَةِ يَمِينٍ أَوْ قَتْلٍ ثُمَّ عَجَزَ لَمْ تَجُزِ الْفِدْيَةُ لِأَنَّ الصَّوْمَ هُنَا بَدَلٌ عَنْ غَيْرِهِ، وَلَوْ كَانَ مُسَافِرًا فَمَاتَ قَبْلَ الْإِقَامَةِ لَمْ يَجِبِ الْإِيصَاءُ، وَمَتَى قَدَرَ قَضَى لِأَنَّ اسْتِمْرَارَ الْعَجْزِ شَرْطُ الْخَلَفِيَّةِ وَهَلْ تَكْفِي الْإِبَاحَةُ فِي الْفِدْيَةِ؟ قَوْلَانِ الْمَشْهُورُ نَعَمْ، وَاعْتَمَدَهُ الْكَمَالُ

مسافر کے لیے بحالتِ سفر روزہ رکھنا مستحب ہے

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ مستحب یہ ہے کہ مسافر حالتِ سفر میں بھی روزہ رکھ لیا کرے، بشرطیکہ روزہ رکھنا اس کے لیے نقصان دہ نہ ہو، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا پاک ارشاد ہے: {وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ} اور یہ کہ تمہارے لیے روزہ رکھنا بہتر ہے، البتہ اگر حالتِ سفر میں روزہ رکھنا اس پر یا اس کے ہم سفروں پر شاق گذرے تو اپنے ہم سفروں کی رعایت میں روزہ نہ رکھنا ہی افضل ہے۔ شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ لفظ "خیر" بر کے معنی میں ہے، افعل تفضیل نہیں ہے۔

معذورین اگر انتقال کر جائیں تو ان کی طرف سے فدیہ ادا کرنا

اور مذکورہ معذورین جن کو رمضان میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے اسی زمانۂ عذر میں انتقال کر جائیں تو ان پر فدیہ کی وصیت واجب نہیں ہے، کیونکہ ان معذورین نے ان عذروں کے دنوں کے علاوہ کوئی دوسرا دن نہیں پایا ہے جس کی قرآن مجید میں صراحت ہے۔ اور اگر یہ معذورین زمانۂ عذر کے ختم ہونے کے بعد انتقال کریں تو ان پر اس صورت میں فدیہ کی وصیت کرنا

واجب ہے، مگر اتنے ہی دنوں کی وصیت واجب ہے جتنے دن عذر کے ختم ہونے کے بعد پائے تھے۔ اور جس شخص نے عمداً بلا کسی عذر شرعی کے افطار کر لیا اس کے لیے وصیت کرنا ضروری ہے، وقت پانے کی شرط اس کے لیے نہیں ہے، کیوں کہ جس وقت کو اس نے افطار میں گذارا ہے وہ وقت روزہ ہی کا وقت تھا۔

میت کی طرف سے فدیہ اس کا ولی بقدر صدقۃ الفطر ادا کرے

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ معذورین میت کی طرف سے اس کا وہ ولی لازمی طور پر فدیہ ادا کرے گا جو اس کے مال میں تصرف کا حق رکھتا ہے اور ایک روزہ کا فدیہ شریعت میں ایک شخص کے صدقۃ الفطر کے برابر ہے، یعنی نصف صاع گیہوں یا اس کی قیمت۔ (یہ فدیہ مرنے والے کے تہائی مال سے ادا ہوگا، اگر اس نے اس کی وصیت کی ہے تو اس کے ذمہ اس کی ادائیگی لازم ہوگی ورنہ لازم نہ ہوگی، البتہ اگر وہ بطور تبرع واحسان کے فدیہ ادا کردے تو افضل ہے)۔

فدیہ کا وجوب

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ فدیہ ادا کرنا اس وقت واجب اور ضروری ہے جب مرنے والے کو بعد میں روزہ قضاء کرنے کی قدرت حاصل ہوئی اور موت کی وجہ سے اس کو ادا نہ کر سکا ہو، لہٰذا اگر مرنے والے کے دس روزے قضاء ہوئے تھے لیکن عذر ختم ہونے کے بعد صرف پانچ ہی روزے کے ادا کرنے پر قدرت ہوئی تھی کہ اس کا انتقال ہو گیا تو اس صورت میں اس کے ذمہ صرف پانچ روزوں کا فدیہ لازم ہوگا دس کا نہیں۔ حضرت امام محمدؒ کا قول اس بارے میں یہی ہے، لیکن حضرات شیخین فرماتے ہیں کہ اگر اس کو صرف ایک روزہ کے ادا کرنے کی قدرت ملی تھی تب بھی اس کے ذمہ دسوں روزوں کا فدیہ ادا کرنا لازم ہوگا، حضرت امام طحاویؒ نے یہ نقل کیا ہے، لیکن بعض اہل علم نے فرمایا کہ امام طحاوی کا یہ قول صحیح نہیں ہے اس لیے کہ امام محمدؒ اور حضرات شیخین کے درمیان جو اختلاف ہے وہ نذر کے روزوں کے متعلق ہے رمضان کے روزوں کے متعلق نہیں ہے، رمضان کے روزوں میں تو قدرت کے مطابق فدیہ ادا ہوتا ہے۔ (شامی: ۳/۷۰۴)

اگر مرنے والے نے اپنے قضاء شدہ روزوں کے فدیہ ادا کرنے کی وصیت کی تھی تو اس صورت میں میت کے ثلث مال سے فدیہ ادا کیا جائے گا، یہ حکم اس وقت ہے جب کہ اس کا وارث موجود ہو لیکن اگر اس کا کوئی وارث نہ ہو تو اس صورت میں اس کے کل مال سے فدیہ ادا کیا جائے گا، جیسا کہ قہستانی میں ہے۔

اگر مرنے والے نے اپنے قضاء شدہ روزوں کی جانب سے فدیہ ادا کرنے کی وصیت نہیں کی تھی اور اس کے وارثین اولیاء بطور احسان اس کی جانب سے فدیہ ادا کردیں تو جائز ہے اور اللہ کی ذات سے اُمید ہے کہ اس کی طرف سے کافی ہو جائے گا اور ثواب ولی کو ملے گا۔

میت کی طرف سے روزہ رکھنا یا نماز پڑھنا جائز نہیں

اگر کسی شخص کے ذمہ روزہ یا نماز باقی ہو اور اس کا انتقال ہو جائے تو اس کی طرف سے روزہ رکھنا یا اس کی جانب سے نماز پڑھنا جائز نہیں ہے، کیونکہ حدیث شریف میں ہے، نسائی شریف کی حدیث ہے، رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص کسی دوسرے کی طرف سے روزہ نہ رکھے اور نہ ہی کسی کی جانب سے نماز ادا کرے، البتہ اس کی طرف سے اس کا ولی کھانا دے سکتا ہے، تاکہ میت کو اس کا ثواب پہنچے۔

میت کی طرف سے کفارہ کی ادائیگی کا حکم

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اسی طرح یہ بھی جائز ہے کہ میت کی طرف سے اس کا ولی بطور احسان کفارۂ یمین اور کفارۂ قتل ادا کر دے، فقراء کو کھانا کھلا کر یا کپڑا پہنا کر، البتہ میت کی طرف سے اس کے ولی کے لیے کفارہ میں غلام آزاد کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ اس صورت میں میت کی رضامندی کے بغیر اس کے ذمہ ولاء کا لازم کرنا آتا ہے۔

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ شرنبلالیہ میں اس بات کی صراحت ہے کہ کفارۂ قتل میں ولی کے لیے بطور احسان میت کی طرف سے کفارۂ قتل ادا کرنا کسی بھی شئے سے جائز نہیں ہے اس لیے کہ کفارۂ قتل میں سب سے پہلے غلام کا آزاد کرنا ہی واجب ہے اور وارث وولی کے لیے اس کی طرف سے آزاد کرنا صحیح نہیں ہے۔ اور آزاد کرنے پر قدرت نہ ہونے کے بعد روزہ ہے اور اس میں فدیہ درست نہیں ہے، رہا کھانا کھلانا کپڑا پہنانا تو یہ کفارۂ قتل میں سے نہیں ہے۔ (شامی: ۳/۴۰۸)

نمازوں کے فدیہ ادا کرنے کی شرعی مقدار

ہر وقت کے فرض نماز کا فدیہ خواہ وہ وتر ہی کیوں نہ ہو اتنی ہی مقدار ہے جتنی مقدار ایک دن روزے کا فدیہ ہے، یعنی نصف صاع گندم یا اس کی قیمت جیسا کہ باب قضاء الفوائت کے تحت یہ مسئلہ تفصیل کے ساتھ گذر چکا ہے، اس باب میں صحیح مذہب یہی ہے۔ (اور جن لوگوں نے یہ کہا کہ پانچ وقت کی نمازوں کا فدیہ نصف صاع گندم ہے وہ صحیح نہیں ہے جنھوں نے یہ بات کہی تھی انھوں نے اپنے قول سے رجوع کر لیا ہے، لہٰذا اس سے استدلال درست نہیں ہے۔) (شامی: ۳/۴۰۹)

اور اسی مقدار میں صدقۃ الفطر بھی ہے اور اعتکاف واجب بھی ہے یعنی اگر واجب اعتکاف میت کے ذمہ باقی رہ گیا ہے اور اس نے وصیت کی ہے تو اس کی جانب سے ہر روز کے لیے نصف صاع گندم بطور فدیہ ادا کیا جائے گا، یا پھر اس کی قیمت ادا کی جائے گی اور اس کا نفاذ بھی اسی تہائی مال سے ہوگا۔

عباداتِ بدنیہ اور عباداتِ مالیہ کا بدلہ

شارحؒ فرماتے ہیں کہ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ جو عبادت بدنی ہو اور میت سے چھوٹ جائے تو اس کے بدلہ میں فطرہ کی مقدار

میت کی جانب سے مستحق کو کھلایا جائے گا، جیسے اگر نماز باقی رہ گئی تو ہر نماز کے بدلہ میں نصف صاع گندم یا اس کی قیمت بطور فدیہ دی جائے گی۔ اور جو عبادت مالی ہو، جیسے زکوۃ ہے تو جس قدر واجب ہے اتنی مقدار نکالی جائے گی۔ اور جو عبادت مالی اور بدنی دونوں ہوں جیسے حج ہے، تو میت کے مال سے میت کی طرف سے حج بدل کروادیا جائے گا، جیسا کہ البحر الرائق میں ہے۔

شیخ فانی کا حکم

اور ایسا شیخ فانی جس کو رمضان میں روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہو بلکہ روزہ رکھنے سے عاجز ہو اور اس کے لیے رمضان میں افطار کرنے کی اجازت ہو تو اس شیخ فانی پر واجب ہے کہ وہ ہر دن کے روزہ کی طرف سے واجبی طور پر نصف صاع گندم یا اس کی قیمت فدیہ میں فقراء کو دے، اگر پورے مہینے کا فدیہ حساب کر کے شروع میں ادا کرے تو بھی جائز ہے۔ اور فدیہ کی ادائیگی کے لیے یہ بھی شرط نہیں ہے کہ متعدد فقراء کو دیا جائے بلکہ فطرہ کی طرح ایک فقیر کو سارا فدیہ دینا بھی جائز ہے۔ اور فدیہ ادا کرنا واجب اس وقت ہے جب وہ مالدار ہو اور فدیہ دے سکتا ہو۔ اور جو فدیہ ادا کرنے پر قادر نہ ہو اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار کرے گا۔ اور عدم فدیہ کی صورت میں توبہ واستغفار اس روزہ کے لیے ہے جو روزہ بذات خود اصل ہو اور اس کو اس کے اداء کرنے کا مخاطب بنایا گیا ہو۔ (جیسے رمضان کا فرض روزہ اور اس کی قضاء) یہاں تک کہ اگر کفارۂ قتل یا کفارۂ یمین کا روزہ واجب ہوا تھا پھر ادا کرنے سے عاجز ہو گیا اور مرتے وقت اس کے اداء کرنے کی وصیت کر گیا تو اس کا فدیہ دینا درست نہیں ہے، اس لیے کہ خود روزہ اس پر براہ راست واجب نہیں تھا بلکہ یہ روزہ دوسرے روزے کے بدل میں اس پر آیا ہے۔

مسافر کا اقامت سے پہلے انتقال ہو جائے تو کیا حکم ہے؟

اگر کوئی شخص مسافر تھا اور وہ اقامت کی نیت کرنے سے پہلے مر گیا تو اس پر فدیہ کی وصیت کرنا واجب نہیں ہے۔ جب شیخ فانی میں روزہ رکھنے کی قدرت پیدا ہو جائے گی جب کہ وہ فدیہ ادا کر چکا ہے تب بھی ان فوت شدہ روزوں کی قضاء کرنی پڑے گی، اس لیے کہ روزہ کا فدیہ اس وقت کافی ہوتا ہے جب اس کا عذر معقول مستقل طور پر باقی رہے، اگر عذر معقول ختم ہو گیا تو اصل فریضہ ادا کرنا واجب ہوگا، سوال پیدا ہوتا ہے کہ فدیہ میں اباحت کافی ہے یا تملیک ضروری ہے؟ اس بارے میں دو قول ہیں: مشہور قول یہ ہے کہ اباحت کافی ہے، اسی پر کمال نے اعتماد ظاہر کیا ہے۔

(وَلَزِمَ نَفْلٌ شُرِعَ فِيهِ قَصْدًا) كَمَا فِي الصَّلَاةِ، فَلَوْ شَرَعَ ظَنًّا فَأَفْطَرَ أَيْ فَوْرًا فَلَا قَضَاءَ أَمَّا لَوْ مَضَى سَاعَةً لَزِمَهُ الْقَضَاءُ لِأَنَّهُ بِمُضِيِّهَا صَارَ كَأَنَّهُ نَوَى الْمُضِيَّ عَلَيْهِ فِي هَذِهِ السَّاعَةِ تَجْنِيسٌ وَمُجْتَبَى (أَدَاءً وَقَضَاءً) أَيْ يَجِبُ إتْمَامُهُ فَإِنْ فَسَدَ وَلَوْ بِعُرُوضِ حَيْضٍ فِي الْأَصَحِّ وَجَبَ الْقَضَاءُ (إلَّا فِي الْعِيدَيْنِ وَأَيَّامِ التَّشْرِيقِ) فَلَا يَلْزَمُ لِصَيْرُورَتِهِ صَائِمًا بِنَفْسِ الشُّرُوعِ فَيَصِيرُ مُرْتَكِبًا لِلنَّهْيِ. أَمَّا بِالصَّلَاةِ

فَلَا يَكُونُ مُصَلِّيًا مَا لَمْ يَسْجُدْ بِدَلِيلِ مَسْأَلَةِ الْيَمِينِ (وَلَا يُفْطِرُ) الشَّارِعُ فِي نَفْلٍ (بِلَا عُذْرٍ فِي رِوَايَةٍ) وَهِيَ الصَّحِيحَةُ وَ فِي أُخْرَى يَحِلُّ بِشَرْطِ أَنْ يَكُونَ مِنْ نِيَّتِهِ الْقَضَاءُ وَاخْتَارَهَا الْكَمَالُ وَتَاجُ الشَّرِيعَةِ وَصَدْرُهَا فِي الْوِقَايَةِ وَشَرْحِهَا (وَالضِّيَافَةُ عُذْرٌ) لِلضَّيْفِ وَالْمُضِيفِ (إِنْ كَانَ صَاحِبُهَا مِمَّنْ لَا يَرْضَى بِمُجَرَّدِ حُضُورِهِ وَيَتَأَذَّى بِتَرْكِ الْإِفْطَارِ) فَيُفْطِرُ (وَإِلَّا لَا) هُوَ الصَّحِيحُ مِنَ الْمَذْهَبِ ظَهِيرِيَّةٌ. (وَلَوْ حَلَفَ) رَجُلٌ عَلَى الصَّائِمِ (بِطَلَاقِ امْرَأَتِهِ إِنْ لَمْ يُفْطِرْ أَفْطَرَ وَلَوْ كَانَ صَائِمًا (قَضَاءً) وَلَا يُحَنِّثُهُ (عَلَى الْمُعْتَمَدِ) بَزَّازِيَّةٌ. وَ فِي النَّهْرِ عَنِ الذَّخِيرَةِ وَغَيْرِهَا هَذَا إِذَا كَانَ قَبْلَ الزَّوَالِ أَمَّا بَعْدَهُ فَلَا إِلَّا لِأَحَدِ أَبَوَيْهِ إِلَى الْعَصْرِ لَا بَعْدَهُ. وَ فِي الْأَشْبَاهِ: دَعَاهُ أَحَدُ إِخْوَانِهِ لَا يُكْرَهُ فِطْرُهُ لَوْ صَائِمًا غَيْرَ قَضَاءِ رَمَضَانَ وَلَا تَصُومُ الْمَرْأَةُ نَفْلًا إِلَّا بِإِذْنِ الزَّوْجِ إِلَّا عِنْدَ عَدَمِ الضَّرَرِ بِهِ وَلَوْ فَطَّرَهَا وَجَبَ الْقَضَاءُ بِإِذْنِهِ أَوْ بَعْدَ الْبَيْنُونَةِ وَلَوْ صَامَ الْعَبْدُ وَمَا فِي حُكْمِهِ بِلَا إِذْنِ الْمَوْلَى لَمْ يَجُزْ، وَإِنْ فَطَّرَهُ قَضَى بِإِذْنِهِ أَوْ بَعْدَ الْعِتْقِ (وَلَوْ نَوَى مُسَافِرٌ الْفِطْرَ) أَوْ لَمْ يَنْوِ (فَأَقَامَ وَنَوَى الصَّوْمَ فِي وَقْتِهَا) قَبْلَ الزَّوَالِ (صَحَّ) مُطْلَقًا (وَيَجِبُ عَلَيْهِ) الصَّوْمُ (لَوْ) كَانَ (فِي رَمَضَانَ) لِزَوَالِ الْمُرَخِّصِ (كَمَا يَجِبُ عَلَى مُقِيمٍ إِتْمَامُ) صَوْمِ (يَوْمٍ مِنْهُ) أَيْ رَمَضَانَ (سَافَرَ فِيهِ) أَيْ فِي ذَلِكَ الْيَوْمِ (وَ) لَكِنْ (لَا كَفَّارَةَ عَلَيْهِ لَوْ أَفْطَرَ فِيهِمَا) لِلشُّبْهَةِ فِي أَوَّلِهِ وَآخِرِهِ إِلَّا إِذَا دَخَلَ مِصْرَهُ لِشَيْءٍ نَسِيَهُ فَأَفْطَرَ فَإِنَّهُ يُكَفِّرُ، وَلَوْ نَوَى الصَّائِمُ الْفِطْرَ لَمْ يَكُنْ مُفْطِرًا كَمَا مَرَّ (كَمَا لَوْ نَوَى التَّكَلُّمَ فِي صَلَاتِهِ وَلَمْ يَتَكَلَّمْ) شَرْحُ الْوَهْبَانِيَّةِ قَالَ وَفِيهِ خِلَافُ الشَّافِعِيِّ.

نفل روزہ رکھ کر فاسد کر دیا تو کیا حکم ہے؟

جس نفل روزہ کو قصداً شروع کیا گیا ہو وہ ذمہ میں لازم ہو جاتا ہے، جیسا کہ اس سے پہلے کتاب الصلوۃ میں گذرا ہے کہ اس کا پورا کرنا اس کے ذمہ اداءً وقضاءً واجب ہے۔ اور شروع کرنے کے بعد اگر ایام حیض آجانے کی وجہ سے فاسد ہو جائے تو بھی اس کی قضاء واجب ہوگی، لیکن اگر کسی نے اس گمان سے روزہ شروع کیا کہ واجب ہے پھر بعد میں معلوم ہوا کہ واجب نہیں ہے فوراً افطار کر لیا تو اس صورت میں اس کے ذمہ قضاء واجب نہیں ہے، لیکن اگر معلوم ہونے کے بعد فوراً افطار نہیں کیا تو سمجھا جائے گا کہ اس نے روزہ باقی رکھنے کی نیت کر لی ہے اس لیے قضاء واجب ہوگی جیسا کہ تجنیس اور مجتبیٰ نامی کتاب میں ہے۔

ایام تشریق اور عیدین کا روزہ

اگر کسی نے ایام تشریق (یعنی دس ذی الحجہ سے لے کر تیرہ ذی الحجہ تک) اور عید الفطر یا عید الاضحیٰ میں روزہ شروع کیا تھا تو

ان کا پورا کرنا لازم نہیں ہے، لہٰذا اس کی قضاء بھی بعد میں واجب نہ ہوگی، کیونکہ وہ روزہ شروع کرتے ہی روزہ دار ہوگیا اور اس نے نہی کا ارتکاب کیا ہے جس سے اس کو منع کیا گیا تھا اور جس سے منع کیا گیا ہو اس کے شروع کرنے سے پورا کرنا لازم اور ضروری نہیں ہوتا ہے بلکہ اس شئ ممنوع کو ختم کردینا ہی لازم ہوتا ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ جن اوقات میں نماز سے منع کیا گیا ہے اگر ان اوقات ممنوعہ میں سے کسی وقت میں نماز شروع کردے تو وہ نماز ذمہ میں کیوں واجب ہوجاتی ہے؟ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ دونوں کے درمیان فرق ہے اور وہ فرق یہ ہے کہ نماز محض شروع کردینے ہی سے معصیت کا مرتکب قرار نہیں پاتا ہے جب تک کہ سجدہ نہ کرلے، کیونکہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں نماز نہیں پڑھوں گا تو صرف نماز شروع کرنے سے حانث نہیں ہوگا جب تک سجدہ نہ کرلے، اس کے برخلاف روزہ ہے کہ جن دنوں میں روزہ رکھنے سے منع کیا گیا ہے صرف شروع کردینے سے معصیت کا مرتکب قرار پائے گا، لہٰذا ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔

نفل روزہ بلا عذر نہ توڑے

اگر کسی نے نفل روزہ شروع کردیا تو ایک روایت کے مطابق اس کو چاہئے کہ بلا عذر شرعی اس کو نہ توڑے اور یہی روایت صحیح ہے۔ اور اس بارے میں دوسری روایت یہ ہے کہ بلا عذر شرعی بھی اس نفل روزہ کو توڑنا درست ہے بشرطیکہ اس کی نیت قضاء کرنے کی ہو۔ اور کمال نے نیز تاج الشریعہ وصدر الشریعہ نے وقایہ اور اس کی شرح میں اسی کو اختیار کیا ہے۔ (تاج الشریعہ صدر الشریعہ کے دادا ہیں اور وقایہ تاج الشریعہ کی ہے اور صدر الشریعہ نے اس کا اختصار کیا ہے اور اس کا نام نقایہ رکھا پھر خود ہی اس کی شرح بھی لکھی ہے)۔

مہمان ومیزبان ہونا نفل روزہ کے لیے عذر ہے

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ مہمان ہونا اور میزبان ہونا نفل روزہ توڑنے کے جواز کے واسطے عذر مانا گیا ہے، جب کہ ضیافت والا صرف اس کی موجودگی پر راضی نہ ہو بلکہ کچھ کھانے پینے پر اصرار کرے اور نہ کھانے پر کچھ اذیت محسوس کرے تو ایسی صورت میں نفل روزہ رکھنے والا شخص اپنا روزہ توڑ دے گا۔ اور اگر یہ صورت حال نہ ہو تو پھر افطار نہ کرے، بلکہ صحیح مذہب کے مطابق روزہ باقی رکھے، جیسا کہ فتاویٰ ظہیریہ میں ہے۔ (علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ اس بارے میں دوسرا قول یہ ہے کہ مہمان ہونا یا میزبان ہونا نفل روزہ کے لیے عذر ہے جب کہ زوال سے پہلے ہو اور اگر زوال کے بعد پیش آئے تو یہ عذر نہیں ہے۔ اور اس بارے میں ایک تیسرا قول یہ ہے کہ اگر اس کو یقین واعتماد ہو کہ توڑنے کے بعد قضاء کرلے گا تو توڑ دے ورنہ نہیں۔ شمس الائمہ حلوانی فرماتے ہیں کہ اس باب میں یہ احسن اور افضل ہے)۔ (شامی: ۳/۴۱۴)

اگر کوئی شخص طلاق کو روزہ توڑنے پر معلق کرے تو کیا حکم ہے؟

ایک شخص نے یہ قسم کھائی کہ اگر فلاں شخص نے اپنا نفل روزہ نہیں توڑا تو میری بیوی کو طلاق، تو اس صورت میں اس کو افطار کرلینا چاہئے اگر چہ وہ رمضان المبارک کا قضاء روزہ رکھے ہوئے ہو اور اس کو اپنی قسم میں حانث نہیں ہونے دینا چاہئے، اس باب میں قابل اعتماد روایت یہی ہے، جیسا کہ بزازیہ میں ہے۔ اور نہر الفائق میں ذخیرہ وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ یہ حکم اس وقت ہے جب کہ زوال سے پہلے افطار ہو، زوال کے بعد ماں باپ کے علاوہ کسی اور کے لیے نفل روزہ توڑنا جائز نہیں ہے۔ اور والدین کے لیے بھی صرف عصر تک روزہ توڑنے کی اجازت ہے، عصر کے بعد والدین کے لیے بھی نفل روزہ توڑنا جائز نہیں ہے۔ اور الاشباہ والنظائر میں ہے کہ اگر کسی کی کسی بھائی نے دعوت کی تو اس کے لیے نفل روزہ توڑنا مکروہ نہیں ہے، البتہ قضائے رمضان کا روزہ کسی کی دعوت کی وجہ سے توڑنا مکروہ ہے۔

عورت شوہر کی اجازت کے بغیر نفل روزہ نہ رکھے

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ عورت اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر نفل روزہ نہیں رکھے گی۔ ہاں اگر عورت کو یہ معلوم ہو کہ اس کے روزہ رکھنے کی وجہ سے شوہر کا کوئی نقصان نہیں ہوگا تو پھر شوہر کی اجازت کے بغیر بھی نفل روزہ رکھ سکتی ہے۔ اور اگر عورت نے شوہر کی اجازت کے بغیر نفل روزہ رکھ لیا پھر شوہر نے افطار کرا دیا تو اس صورت میں عورت پر اس روزہ کی قضاء شرعاً واجب ہوگی، جب شوہر اس کو قضاء کرنے کی اجازت دے گا تب قضاء کرے گی، یا جب شوہر گھر میں موجود نہ ہو تب قضاء کرے گی۔ (اسی طرح اگر عورت نے شوہر کی اجازت کے بغیر نفل حج کا احرام باندھ لیا تو شوہر کے لیے شرعی طور پر جائز ہے کہ اس کا احرام کھلوا دے، اسی طرح شوہر نفل نماز کی نیت بھی تڑوا سکتا ہے)۔ (شامی: ۳/۴۱۵)

آقا کی اجازت کے بغیر غلام کے لیے نفل روزہ رکھنا

اگر غلام اور جو غلام کے حکم میں ہے آقا کی اجازت کے بغیر نفل روزہ رکھے تو یہ جائز نہیں ہے، اگر آقا غلام کا روزہ تڑوا دے تو غلام پر آقا کی اجازت سے اس کی قضاء واجب ہے یا غلام اس کی قضاء آزادی کے بعد کرے۔ (علامہ شامیؒ لکھتے ہیں کہ السراج الوہاج میں ہے کہ نوکر اور مزدور، اسی طرح مستاجر اپنے افسر کی اجازت کے بغیر نفلی روزہ رکھ سکتا ہے بشرطیکہ مالک کا نقصان نہ ہوتا ہو۔ اور اگر نفلی روزہ رکھنے سے مالک کا نقصان ہوتا ہو تو نہیں رکھنا چاہئے)۔ (شامی: ۳/۴۱۶)

مسافر مقیم ہو جائے تو کیا حکم ہے؟

مسافر نے خواہ افطار کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو، پھر وہ مقیم ہو جائے اور زوال سے پہلے پہلے نیت کے وقت میں روزہ کی نیت کرے (جب کہ وہ ابھی تک کچھ کھایا پیا نہ ہو) تو اس کا روزہ رکھنا صحیح ہو جائے گا، خواہ نفل روزہ ہو یا نذر معین کا روزہ ہو، یا

ادائے رمضان کا روزہ ہو۔ اور اگر یہ صورت رمضان المبارک میں پیش آئی ہو تو اس پر روزہ رکھنا ضروری اور واجب ہے کیونکہ رمضان میں جس وجہ سے افطار کی اجازت تھی وہ اب باقی نہیں رہی ہے۔

جس دن سفر شروع کرے اس دن کا روزہ

جس طرح کہ مقیم شخص پر اس دن کا روزہ پورا کرنا واجب ہے جس دن اس نے سفر شروع کیا ہے، مثال کے طور پر کسی نے رمضان میں فجر کے بعد سفر شروع کیا تو اس دن کا روزہ مکمل کرنا اس پر لازم ہوگا، لیکن اگر وہ روزہ پورا نہ کرے بلکہ افطار کرلے تو اس پر صرف اس روزے کی قضا واجب ہوگی، کفارہ واجب نہیں ہوگا، کیوں کہ سفر کی وجہ سے اس کے اوّل و آخر میں شبہ پیدا ہو گیا ہے۔

مسافر بھولا ہوا سامان لینے کے لیے وطن گیا اور وہاں افطار کرلیا تو کیا حکم ہے؟

اگر مسافر اپنے وطن میں کچھ بھول گیا تھا اس کو لینے کے ارادے سے اپنے وطن گیا اور وہاں جا کر اس نے افطار کرلیا یعنی روزہ توڑ دیا تو اس صورت میں اس پر کفارہ ادا کرنا لازم ہے، کیونکہ جب وہ گھر آیا تو حکماً مقیم ہو گیا اور مقیم آدمی عمداً افطار کرے تو اس پر کفارہ واجب ہوتا ہے۔ اگر روزہ دار صرف افطار کی نیت کرے تو اس سے روزہ کا افطار کرنے والا نہیں ہوگا، جیسا کہ یہ بات گذر چکی ہے۔ اور یہ مسئلہ ایسا ہی ہے جیسے کہ کوئی شخص نماز میں صرف بولنے کی نیت کرے، لیکن بولے نہ تو محض بولنے کی نیت کرنے کی وجہ سے اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔ اور شرح الوہبانیہ میں کہا ہے کہ اس میں حضرت امام شافعیؒ کا اختلاف ہے، یعنی ان کے یہاں محض بولنے کی نیت کرنے سے نماز فاسد ہو جائے گی، لیکن طحطاوی میں ہے کہ اس باب میں حضرت امام شافعیؒ کا بھی قابل اعتماد مذہب یہی ہے کہ محض بولنے کی نیت سے نماز فاسد نہیں ہوگی۔ (شامی: ۳/ ۴۱۷)

(وَقَضَى أَيَّامَ إِغْمَائِهِ وَلَوْ) كَانَ الْإِغْمَاءُ (مُسْتَغْرِقًا لِلشَّهْرِ) لِنُدْرَةِ امْتِدَادِهِ (سِوَى يَوْمٍ حَدَثَ الْإِغْمَاءُ فِيهِ أَوْ فِي لَيْلَتِهِ) فَلَا يَقْضِيهِ إِلَّا إِذَا عَلِمَ أَنَّهُ لَمْ يَنْوِهِ (وَ فِي الْجُنُونِ إِنْ لَمْ يَسْتَوْعِبْ) الشَّهْرَ (قَضَى) مَا مَضَى (وَإِنْ اسْتَوْعَبَ) لِجَمِيعِ مَا يُمْكِنُهُ إِنْشَاءُ الصَّوْمِ فِيهِ عَلَى مَا مَرَّ (لَا) يَقْضِي مُطْلَقًا لِلْحَرَجِ (وَلَوْ نَذَرَ صَوْمَ الْأَيَّامِ الْمَنْهِيَّةِ أَوْ) صَوْمَ هَذِهِ (السَّنَةِ صَحَّ) مُطْلَقًا عَلَى الْمُخْتَارِ، وَفَرَّقُوا بَيْنَ النَّذْرِ وَالشُّرُوعِ فِيهَا بِأَنَّ نَفْسَ الشُّرُوعِ مَعْصِيَةٌ، وَنَفْسَ النَّذْرِ طَاعَةٌ فَصَحَّ (وَ) لَكِنَّهُ (أَفْطَرَ) الْأَيَّامَ الْمَنْهِيَّةَ (وُجُوبًا) تَحَامِيًا عَنِ الْمَعْصِيَةِ (وَقَضَاهَا) إِسْقَاطًا لِلْوَاجِبِ (وَإِنْ صَامَهَا خَرَجَ عَنِ الْعُهْدَةِ) مَعَ الْحُرْمَةِ، وَهَذَا إِذَا نَذَرَ قَبْلَ الْأَيَّامِ الْمَنْهِيَّةِ فَلَوْ بَعْدَهَا لَمْ يَقْضِ شَيْئًا. وَإِنَّمَا يَلْزَمُهُ بَاقِي السَّنَةِ عَلَى مَا هُوَ الصَّوَابُ وَكَذَا الْحُكْمُ لَوْ نَكَّرَ السَّنَةَ أَوْ شَرَطَ التَّتَابُعَ فَيُفْطِرُهَا لَكِنَّهُ يَقْضِيهَا هُنَا مُتَتَابِعَةً، وَيُعِيدُ لَوْ أَفْطَرَ يَوْمًا بِخِلَافِ الْمُعَيَّنَةِ، وَلَوْ لَمْ يَشْتَرِطِ التَّتَابُعَ

يَقْضِي خَمْسَةً وَثَلَاثِينَ وَلَا يُجْزِيهِ صَوْمُ الْخَمْسَةِ فِي هَذِهِ الصُّورَةِ.

بیہوشی کے دنوں کے روزوں کی قضاء کا شرعی حکم

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ رمضان میں جن دنوں میں بے ہوشی کی وجہ سے روزہ چھوٹ گیا ان دنوں کے چھوٹے ہوئے روزوں کی قضاء کرے گا، اگرچہ بے ہوشی کا زمانہ پورا مہینہ رہا ہو، پھر بھی قضاء کرے گا، کیونکہ اتنے لمبے عرصے تک بے ہوش رہنا شاذونادر ہے کیونکہ بغیر کھائے پئے اتنے دنوں تک زندہ رہنا عام بات نہیں ہے بلکہ نادر ہے البتہ جس دن یا جس رات میں بے ہوشی طاری ہوئی ہے اس دن کے روزہ کی قضاء نہیں کرے گا، ہاں اگر یہ یقین اور علم ہو کہ اس دن روزے کی نیت نہیں کی تھی تو اس دن کے روزے کی قضاء کرنی ہوگی۔

مجنون کے روزوں کا حکم

اگر کوئی شخص رمضان المبارک میں پاگل ہو گیا اور پاگل پن پورے رمضان کے مہینے میں نہیں رہا تو جتنے دن جنون میں گذرے ہیں صرف اُن دنوں کے روزوں کی قضاء کرے گا۔ اور اگر اس کا جنون پورے رمضان کے مہینے رہا تو اس کے ذمہ مطلقاً قضاء لازم نہیں ہے، کیونکہ پورے مہینے کے روزوں کی قضاء میں دشواری اور حرج ہے۔ اسی طرح اگر رمضان المبارک میں ان تمام اوقات میں جنون ہو جاتا ہے جن میں وہ روزے کی نیت کر کے روزہ رکھتا تو اس صورت میں بھی اس کے ذمہ قضاء واجب نہیں ہے کیونکہ قضاء کا حکم دینے میں حرج ہے۔

ایامِ منہیہ اور پورے سال روزے کی نذر ماننا

اگر کسی شخص نے ان دنوں میں روزہ رکھنے کی نذر مانی جن دنوں میں روزہ رکھنا شرعاً منع ہے یا پورے سال روزہ رکھنے کی نذر مانی تو مختار مذہب کے مطابق اس کی یہ نذر ماننا صحیح ہے، ایامِ منہیہ میں روزہ کی نذر ماننا اور ایامِ منہیہ میں نذر کا روزہ شروع کرنا دونوں کے درمیان حضرات فقہائے کرام نے فرق بیان کیا ہے کہ نفس نذر ماننا ایک جائز عبادت ہے، لہٰذا ایامِ منہیہ میں روزہ رکھنے کی نذر ماننا بھی درست ہے، لیکن بعض دنوں میں نذر شروع کرنا امر معصیت ہے، لہٰذا ایامِ منہیہ کے علاوہ میں نذر پوری کرے۔ اور جن دنوں میں روزہ رکھنے سے شریعت نے منع کیا ہے لازم ہے کہ نذر ماننے والا ان دنوں میں روزہ ترک کر دے تاکہ گناہ میں مبتلا نہ ہو اور ایامِ منہیہ کے علاوہ ایام میں اس کی قضاء کرے، تاکہ جو روزہ ذمہ میں واجب ہو چکا ہے وہ ذمہ سے ساقط ہو جائے۔ اور اگر کسی نے ایامِ منہیہ ہی میں روزہ رکھ لیا تو وہ بری الذمہ ہو جائے گا، لیکن حرام فعل کا ارتکاب کرنے والا ہوگا اور گناہ گار ہوگا، لیکن اس کی قضاء لازم نہ ہوگی اور یہ اس صورت میں ہے جب کہ ایامِ منہیہ سے پہلے نذر مانی ہو اور اگر ایامِ منہیہ کے بعد نذر مانی ہو تو کسی بھی شئی کی قضاء نہیں کرے گا۔

اگر کوئی شخص سالِ معین کے روزے کی نذر مانے تو ایامِ منہیہ کے روزوں کی قضاء اس وقت لازم ہے جب کوئی ایامِ منہیہ کے آنے سے پہلے نذر مانے، اگر ان دنوں کے گذرنے کے بعد نذر مانی ہے. مثلاً: ۱۴/ ذی الحجہ کو نذر مانی ہے تو اس کے ذمہ ان دنوں کی قضاء نہیں ہے، البتہ باقی تمام سال کے روزوں کی قضاء لازم ہوگی اور ان میں ذی الحجہ کے بقیہ ایام بھی داخل ہیں، درست بات اس مسئلہ میں یہی ہے۔

سال بھر کے روزے کی نیت کرنا

اور یہی حکم اس صورت میں بھی ہے جب اس نے لفظ "سنۃ" کو نکرہ استعمال کیا یا مسلسل لگا تار روزہ رکھنے کی شرط لگائی تو اس صورت میں ان دنوں میں روزہ نہیں رکھے گا جن میں شریعت کے اندر روزہ رکھنے کی ممانعت آئی ہے۔ (جیسے عیدین اور ایامِ تشریق، کہ ان پانچ دنوں میں روزہ رکھنا اسلام میں حرام ہے اور شریعت میں ان میں روزہ رکھنے کی ممانعت آئی ہے)۔ لیکن ان دنوں کے روزوں کی قضاء بعد میں لگا تار مسلسل کرے گا۔ اور اگر درمیان میں ایک دن کا روزہ بھی نہیں رکھے گا تو اسے پھر سے اعادہ کرنا ہوگا، بخلاف سالِ معین کے، اس میں ایامِ منہی عنہ کے روزوں کی قضاء مسلسل رکھنا لازم نہیں ہے اور اگر اس نے مسلسل روزہ رکھنے کی شرط نہیں کی ہے تو اس صورت میں وہ ۳۵/ دنوں کے روزوں کی قضاء کرے گا، صرف پانچ دنوں کے روزوں کی قضاء کافی نہیں ہوگی۔ (۳۵/ دنوں میں تو پانچ دن ایامِ منہیہ کے روزوں کی قضاء ہوگی اور ۳۰/ دن رمضان کے روزوں کی قضاء ہوگی)۔

وَاعْلَمْ أَنَّ صِيغَةَ النَّذْرِ تَحْتَمِلُ الْيَمِينَ فَلِذَا كَانَتْ سِتَّ صُوَرٍ ذَكَرَهَا بِقَوْلِهِ (فَإِنْ لَمْ يَنْوِ) بِنَذْرِهِ الصَّوْمَ (شَيْئًا أَوْ نَوَى النَّذْرَ فَقَطْ) دُونَ الْيَمِينِ (أَوْ نَوَى) (النَّذْرَ وَنَوَى أَنْ لَا يَكُونَ يَمِينًا كَانَ) فِي هَذِهِ الثَّلَاثِ صُوَرٍ (نَذْرًا فَقَطْ) إِجْمَاعًا عَمَلًا بِالصِّيغَةِ (وَإِنْ نَوَى الْيَمِينَ وَأَنْ لَا يَكُونَ نَذْرًا كَانَ) فِي هَذِهِ الصُّورَةِ (يَمِينًا) فَقَطْ إِجْمَاعًا عَمَلًا بِتَعْيِينِهِ (وَعَلَيْهِ كَفَّارَةُ) يَمِينٍ (إِنْ أَفْطَرَ) لِحِنْثِهِ (وَإِنْ نَوَاهُمَا أَوْ نَوَى (الْيَمِينَ) بِلَا نَفْيِ النَّذْرِ (كَانَ) فِي الصُّورَتَيْنِ (نَذْرًا وَيَمِينًا، حَتَّى لَوْ أَفْطَرَ يَجِبُ الْقَضَاءُ لِلنَّذْرِ وَالْكَفَّارَةُ لِلْيَمِينِ) عَمَلًا بِعُمُومِ الْمَجَازِ خِلَافًا لِلثَّانِي (وَنُدِبَ تَفْرِيقُ صَوْمِ السِّتِّ مِنْ شَوَّالٍ) وَلَا يُكْرَهُ التَّتَابُعُ عَلَى الْمُخْتَارِ خِلَافًا لِلثَّانِي حَاوِي. وَالْإِتْبَاعُ الْمَكْرُوهُ أَنْ يَصُومَ الْفِطْرَ وَخَمْسَةً بَعْدَهُ فَلَوْ أَفْطَرَ الْفِطْرَ لَمْ يُكْرَهْ بَلْ يُسْتَحَبُّ وَيُسَنُّ ابْنُ كَمَالٍ (وَلَوْ نَذَرَ صَوْمَ شَهْرٍ غَيْرِ مُعَيَّنٍ مُتَتَابِعًا فَأَفْطَرَ يَوْمًا) وَلَوْ مِنَ الْأَيَّامِ الْمَنْهِيَّةِ (اسْتَقْبَلَ) لِأَنَّهُ أَخَلَّ بِالْوَصْفِ مَعَ خُلُوِّ شَهْرٍ عَنْ أَيَّامِ نَهْيٍ نَهْرٌ بِخِلَافِ السَّنَةِ (لَا) يَسْتَقْبِلُ (فِي نَذْرِ) شَهْرٍ (مُعَيَّنٍ) لِئَلَّا يَقَعَ

كُلِّهُ فِي غَيْرِ الْوَقْتِ (وَالنَّذْرُ) مِنْ اعْتِكَافٍ أَوْ حَجٍّ أَوْ صَلَاةٍ أَوْ صِيَامٍ أَوْ غَيْرِهَا (غَيْرِ الْمُعَلَّقِ) وَلَوْ مُعَيَّنًا (لَا يَخْتَصُّ بِزَمَانٍ وَمَكَانٍ وَدِرْهَمٍ وَفَقِيرٍ) فَلَوْ نَذَرَ التَّصَدُّقَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ بِمَكَّةَ بِهَذَا الدِّرْهَمِ عَلَى فُلَانٍ فَخَالَفَ جَازَ، وَكَذَا لَوْ عَجَّلَ قَبْلَهُ فَلَوْ عَيَّنَ شَهْرًا لِلِاعْتِكَافِ أَوْ صَوْمٍ فَعَجَّلَ قَبْلَهُ عَنْهُ صَحَّ وَكَذَا لَوْ نَذَرَ أَنْ يَحُجَّ سَنَةَ كَذَا فَحَجَّ سَنَةً قَبْلَهَا صَحَّ أَوْ صَلَاةَ يَوْمِ كَذَا. فَصَلَّاهَا قَبْلَهُ لِأَنَّهُ تَعْجِيلٌ بَعْدَ وُجُوبِ السَّبَبِ وَهُوَ النَّذْرُ فَيَلْغُو التَّعْيِينُ شُرُنْبُلَالِيَّةٌ فَلْيُحْفَظْ (بِخِلَافِ النَّذْرِ (الْمُعَلَّقِ) فَإِنَّهُ لَا يَجُوزُ تَعْجِيلُهُ قَبْلَ وُجُودِ الشَّرْطِ كَمَا سَيَجِيءُ فِي الْأَيْمَانِ (وَلَوْ قَالَ مَرِيضٌ: لِلَّهِ عَلَيَّ أَنْ أَصُومَ شَهْرًا فَمَاتَ قَبْلَ أَنْ يَصِحَّ لَا شَيْءَ عَلَيْهِ، وَإِنْ صَحَّ) وَلَوْ (يَوْمًا) وَلَمْ يَصُمْهُ (لَزِمَهُ الْوَصِيَّةُ بِجَمِيعِهِ) عَلَى الصَّحِيحِ كَالصَّحِيحِ إِذَا نَذَرَ ذَلِكَ وَمَاتَ قَبْلَ تَمَامِ الشَّهْرِ لَزِمَهُ الْوَصِيَّةُ بِالْجَمِيعِ بِالْإِجْمَاعِ كَمَا فِي الْخَبَّازِيَّةِ، بِخِلَافِ الْقَضَاءِ فَإِنَّ سَبَبَهُ إِدْرَاكُ الْعِدَّةِ.

الفاظ نذر یمین کا احتمال رکھتا ہے

اور یہ بات خوب اچھی طرح معلوم ہونی چاہئے کہ صیغۂ نذر کے اندر یمین کا بھی احتمال ہے، اسی وجہ سے اسکی چھ صورتیں ہوں گی جس کو مصنف نے اپنے قول فَ اِنْ لَمْ یَنْوِ اِلخ سے ذکر کیا ہے۔(۱) نذر کے صیغہ سے کچھ کی بھی نیت نہ کی ہو۔(۲) یا صرف نذر کی نیت کی ہو قسم کی نہیں۔(۳) یا نذر کی نیت کی اور اس بات کی نیت کی کہ قسم نہ ہو، تو ان تینوں صورتوں میں متفقہ طور پر صرف نذر ہوگی صیغہ پر عمل کرتے ہوئے۔(۴) اور اگر قسم کی نیت کی اور اس بات کی کہ وہ نذر نہ ہو تو اس صورت میں متفقہ طور پر صرف قسم ہوگی، کیونکہ اس نے خود متعین کر دیا ہے۔ اور اگر اس نے افطار کر لیا روزہ نہیں رکھا تو حانث ہونے کی وجہ سے اس پر کفارۂ یمین لازم ہوگا۔(۵) اگر نذر اور یمین دونوں کی نیت کی ہو(٦) یا یمین کی نیت کی ہو نذر کی نیت کی نفی کئے بغیر، تو ان دونوں صورتوں میں نذر اور قسم دونوں ہوں گی، یہاں تک کہ اگر اس نے اس دن افطار کر لیا اور روزہ نہیں رکھا تو نذر کی وجہ سے اس کی قضاء واجب ہوگی۔ اور عموم مجاز پر عمل کرتے ہوئے کفارۂ یمین بھی واجب ہوگا۔ اس مسئلہ میں حضرت امام ابو یوسفؒ کا اختلاف ہے۔(انکے نزدیک پہلی صورت میں نذر ہے اور دوسری صورت میں قسم ہے، کیونکہ صیغہ کا استعمال نذر کے اندر حقیقی ہے اور قسم کے اندر مجازی ہے۔ پہلی صورت میں حقیقت راجح ہے اور دوسری صورت میں بوجہ نیت مجازی معنی متعین ہے، یہاں بظاہر حقیقت و مجاز کا اجتماع لازم آرہا ہے جو محال ہے، اسی لیے شارح نے عموم مجاز کی قید لگائی ہے، یعنی نذر اور قسم دونوں الگ الگ نہیں ہیں بلکہ دونوں وجوب کو چاہتے ہیں، صرف فرق اتنا ہے کہ نذر بنفسہٖ برمحل ہو جائے)۔

شوال کے چھ روزے مستحب ہیں

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ شوال المکرم کے چھ روزے متفرق طور پر رکھنا مندوب و مستحب ہیں۔ اور مختار

مذہب کے مطابق مسلسل لگاتار رکھنا مکروہ نہیں ہے، لیکن اس مسئلہ میں حضرت امام ابویوسفؒ کا اختلاف ہے جیسا کہ الحاوی القدسی میں ہے۔ اور رمضان المبارک کے بعد وہ روزے رکھنے مکروہ ہیں جن میں عید کے دن ایک روزہ رکھے اور عید کے بعد پانچ روزہ رکھے، چناں چہ اگر اس نے عید کے دن افطار کرلیا اور روزہ نہیں رکھا تو یہ مکروہ نہیں ہے بلکہ مستحب اور مسنون ہے۔ (چناں چہ حدیث شریف میں ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص رمضان کے روزے رکھے اور عید کے بعد چھ روزے رکھے تو پورے ایک سال روزہ رکھنے کا ثواب ملے گا)۔

نذر مسلسل کے روزے میں افطار کرنا

اگر کسی شخص نے ایک مہینہ غیر متعین طور پر لگاتار روزہ رکھنے کی نذر مانی تو اس صورت میں وہ اگر ایک دن بھی درمیان میں افطار کرلے گا اگر چہ وہ ایک دن ان دنوں میں سے کیوں نہ ہو جن میں روزہ رکھنا حرام اور ممنوع ہے تو از سر نو روزہ رکھنا ہوگا، اس لیے کہ اس نے لگاتار روزہ رکھنے کی جو شرط لگائی تھی وہ باقی نہیں رہی، حالانکہ اس کو روزہ رکھنے کے لیے ایسا مہینہ مل سکتا تھا جس میں ایامِ منہی عنہ نہ پڑیں، جیسا کہ النہر الفائق میں ہے، البتہ اگر ایک سال مسلسل طور پر روزہ رکھنے کی نیت کی ہو خواہ وہ سال متعین ہو یا غیر متعین ہو تو اس میں لامحالہ طور پر ایامِ منہیہ پڑیں گے اس لیے نئے سرے سے روزے نہیں رکھنے ہوں گے، تاکہ سارا روزہ غیر وقت میں رکھنا لازم نہ آئے۔

نذر میں وقت، جگہ اور فقیر کی تعیین کا حکم

اور نذر غیر معلق خواہ اعتکاف کی ہو، حج کی ہو، نماز کی ہو، یا روزے وغیرہ کی ہو اگر چہ وہ متعین ہو تو اس طرح کی نذر کسی زمانہ، کسی جگہ، کسی درہم اور کسی فقیر کے ساتھ مخصوص نہیں ہوتی ہے، چناں چہ اگر کسی نے یہ نذر مانی کہ وہ جمعہ کے دن مکہ مکرمہ میں اس درہم کو فلاں فقیر کو دے گا، پھر اس نے اس کے خلاف عمل کیا تو اس کا یہ عمل جائز ہے۔

(خلاصۂ کلام یہ ہے کہ نذر کے بارے میں تعیین سے تعیین نہیں ہوتی ہے، چناں چہ اس کے خلاف کرنے سے بھی صدقہ ادا ہوجاتا ہے، چناں چہ معراج الدرایہ نامی کتاب میں ہے کہ کسی نے یہ نذر مانی کہ کل روزہ رکھوں گا پھر اس نے اس روزہ کو پرسوں رکھا تو یہ جائز ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے)۔ جیسے کہ کسی نے یہ نذر مانی کہ ابھی ایک درہم صدقہ دوں گا پھر اس نے تھوڑی دیر کے بعد دیا تو جائز ہے)۔ (شامی: ۳/ ۴۲۳)

بعض اہل علم نے فرمایا کہ درہم و دینار کی خصوصیت سرے سے لغو نہیں ہے بلکہ کبھی اس کا اعتبار رہتا ہے، چناں چہ فتاویٰ خانیہ میں ہے کہ کسی نے متعین درہم کے صدقہ کی نذر مانی پھر وہ درہم جاتا رہا تو نذر ساقط ہوجائے گی۔ اسی طرح بدائع الصنائع میں لکھا ہے کہ کسی نے کہا کہ میں اس خاص فقیر کو کچھ کھلاؤں گا، مسکین کا نام نہیں لیا اور چیز متعین نہیں کی تو اس صورت میں اسی فقیر

کو دینا ضروری ہے۔ (شامی: ۳/ ۴۲۳)

یہی حکم اس کا بھی ہے کہ اگر کسی نے کہا کہ میں فلاں دن صدقہ کروں گا اور اس نے پہلے کر دیا تو یہ جائز ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے، چناں چہ اگر کسی نے کسی مہینہ کو اعتکاف کے لیے یا روزہ رکھنے کے لیے مخصوص کیا پھر نذر ماننے والے نے اس کو اس مہینے سے پہلے ہی ادا کر دیا تو یہ جائز ہے۔ (البتہ حضرت امام محمدؒ کا اس میں اختلاف ہے ان کے نزدیک وقت سے پہلے ادا کرنا جائز نہیں ہے، چناں چہ شامی میں یہ جزئیہ ہے کہ کسی نے رجب کے روزے کی نذر مانی اور رجب آنے سے پہلے ہی اس نے ۲۹/ روزے رکھ لیے، اب جب رجب کا مہینہ بھی انتیس ہی کا ہوا ہو تو اس کے ذمہ قضاء واجب نہیں ہے، اس بارے میں اصح ترین قول یہی ہے، جیسا کہ السراج الوہاج میں ہے۔ اور اگر رجب کا مہینہ تیس دن کا ہوا تو ایک دن کے روزے کی قضاء لازم ہوگی)۔ (شامی: ۳/ ۴۲۳)

نذر کی ادائیگی وقتِ معین سے پہلے

اسی طرح اگر کسی نے یہ نذر مانی کہ وہ فلاں سال حج کرے گا لیکن اس نے اس سال کے آنے سے پہلے ہی حج کر لیا تو اس کا یہ حج درست ہو جائے گا، یا اس بات کی نذر مانی کہ فلاں دن نماز پڑھوں گا اور اس نے اس دن سے پہلے ہی نذر کی نماز ادا کر لی تو یہ بھی درست ہے، کیونکہ یہ سبب پائے جانے کے بعد جلدی ادا کرنا ہے اور سبب یہاں پر نذر ہے، پس اس وقت تعیین لغو ہو جائے گی جیسا کہ شرنبلالیہ میں ہے، لہٰذا اس مسئلہ کو خوب اچھی طرح ذہن نشین کر لو۔

نذرِ معلق کو وقت سے پہلے ادا کرنے کا شرعی حکم

اس کے برخلاف نذرِ معلق کو وقت سے پہلے ادا کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ جب اس کو کسی شرط پر موقوف کر رکھا ہے تو شرط کے پائے جانے سے پہلے ادا کرنا جائز نہ ہوگا، بلکہ وجودِ شرط کے بعد ہی نذر پائی جائے گی جیسا کہ اس کی تفصیلی بحث عنقریب أیمان کی بحث میں آنے والی ہے فانتظروا إنّي معکم من المنتظرین۔

نذر کی ادائیگی سے پہلے مر جائے تو کیا حکم ہے؟

کسی بیمار آدمی نے یہ کہا کہ خدا کے واسطے میرے ذمہ لازم ہے کہ میں ایک ماہ روزہ رکھوں، لیکن صحت مند ہونے سے پہلے ہی اس کا انتقال ہو گیا تو اس صورت میں اس پر کچھ لازم نہیں ہے۔ اور اگر وہ صحت مند ہو گیا خواہ ایک ہی دن کے لیے کیوں نہ ہوا ہو اور اس لے روزہ نہیں رکھا تو اس پر تمام روزے کی وصیت کرنی لازم ہوگی، اس مسئلہ میں صحیح مذہب یہی ہے۔ (یہ حضرات شیخینؒ کا قول ہے اور حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ جتنے دن صحت مند ہونے کے بعد روزہ نہیں رکھا صرف اتنے ہی دن کی وصیت لازم ہے، جیسا کہ رمضان کے روزوں کی قضاء کا حکم ہے)۔

جس طرح کہ ایک صحت مند اور تندرست آدمی نے یہ نذر مانی کہ میں ایک ماہ کا روزہ رکھوں گا اس نے ان دنوں میں روزہ نہیں رکھا اور ماہ مکمل ہونے سے پہلے پہلے مرگیا تو اس صورت میں متفقہ طور پر پورے مہینے کے روزے کے فدیہ کی وصیت کرنا لازم ہے، جیسا کہ خبازیہ نامی کتاب میں ہے۔ اس کے برخلاف قضائے رمضان ہے اس میں سبب فوت صوم ہے لہٰذا وہ رمضان کے بعد جتنا موقع پائے گا اتنے ہی دن کے روزوں کے فدیہ کی وصیت لازم ہوگی، پورے ماہ کے روزوں کے فدیہ کی وصیت لازم نہ ہوگی۔

[فُرُوعٌ] قَالَ: وَاللَّهِ أَصُومُ لَا صَوْمَ عَلَيْهِ بَلْ إِنْ صَامَ حَنِثَ كَمَا سَيَجِيءُ فِي الْأَيْمَانِ. نَذَرَ صَوْمَ رَجَبٍ فَدَخَلَ وَهُوَ مَرِيضٌ أَفْطَرَ وَقَضَى كَرَمَضَانَ أَوْ صَوْمَ الْأَبَدِ فَضَعُفَ لِاشْتِغَالِهِ بِالْمَعِيشَةِ أَفْطَرَ وَكَفَّرَ كَمَا مَرَّ أَوْ يَوْمَ يَقْدَمُ فُلَانٌ فَقَدِمَ بَعْدَ الْأَكْلِ أَوْ الزَّوَالِ أَوْ حَيْضِهَا قَضَى عِنْدَ الثَّانِي خِلَافًا لِلثَّالِثِ، وَلَوْ قَدِمَ فِي رَمَضَانَ فَلَا قَضَاءَ اتِّفَاقًا وَلَوْ عَنَى بِهِ الْيَمِينَ كَفَّرَ فَقَطْ إِلَّا إِذَا قَدِمَ قَبْلَ نِيَّتِهِ فَنَوَاهُ عَنْهُ بَرَّ بِالنِّيَّةِ، وَوَقَعَ عَنْ رَمَضَانَ وَلَوْ نَذَرَ شَهْرًا لَزِمَهُ كَامِلًا أَوْ الشَّهْرَ فَبَقِيَّتَهُ أَوْ صَوْمَ جُمُعَةٍ فَالْأُسْبُوعُ إِلَّا أَنْ يَنْوِيَ الْيَوْمَ، وَلَوْ نَذَرَ يَوْمَ السَّبْتِ صَوْمَ ثَمَانِيَةِ أَيَّامٍ صَامَ سَبْتَيْنِ وَلَوْ قَالَ سَبْعَةَ فَسَبْعَةُ أَسْبُتٍ، وَالْفَرْقُ أَنَّ السَّبْتَ لَا يَتَكَرَّرُ فِي السَّبْعَةِ فَحُمِلَ عَلَى الْعَدَدِ، بِخِلَافِ الْأَوَّلِ. وَاعْلَمْ أَنَّ النَّذْرَ الَّذِي يَقَعُ لِلْأَمْوَاتِ مِنْ أَكْثَرِ الْعَوَامّ وَمَا يُؤْخَذُ مِنْ الدَّرَاهِمِ وَالشَّمْعِ وَالزَّيْتِ وَنَحْوِهَا إِلَى ضَرَائِحِ الْأَوْلِيَاءِ الْكِرَامِ تَقَرُّبًا إِلَيْهِمْ فَهُوَ بِالْإِجْمَاعِ بَاطِلٌ وَحَرَامٌ مَا لَمْ يَقْصِدُوا صَرْفَهَا لِفُقَرَاءِ الْأَنَامِ وَقَدْ ابْتُلِيَ النَّاسُ بِذَلِكَ، وَلَا سِيَّمَا فِي هَذِهِ الْأَعْصَارِ وَقَدْ بَسَطَهُ الْعَلَّامَةُ قَاسِمٌ فِي شَرْحِ دُرَرِ الْبِحَارِ، وَلَقَدْ قَالَ الْإِمَامُ مُحَمَّدٌ: لَوْ كَانَتْ الْعَوَامُّ عَبِيدِي لَأَعْتَقْتُهُمْ وَأَسْقَطْتُ وَلَائِي وَذَلِكَ لِأَنَّهُمْ لَا يَهْتَدُونَ فَالْكُلُّ بِهِمْ يَتَغَيَّرُونَ.

اضافہ شدہ مسائل کا بیان

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے کہا: وَاللّٰہِ أَصُومُ بخدا! میں روزہ رکھوں گا، تو اس کے اس طرح کہنے سے اس پر روزہ لازم نہیں ہوگا بلکہ اگر روزہ رکھے گا تو حانث قرار پائے گا، جیسا کہ اس کی تفصیل کتاب الأیمان میں آئے گی۔

مسئلہ: ایک شخص نے نذر مانی کہ وہ رجب کے مہینے میں روزہ رکھے گا، چناں چہ جب رجب کا مہینہ آیا تو وہ بیمار ہوگیا تو اس صورت میں وہ رجب میں روزہ نہیں رکھے گا بلکہ جب تندرست ہوجائے گا تو بعد میں اس کی قضاء کرے گا، جس طرح کہ رمضان کے روزوں کی قضاء کی جاتی ہے۔

مسئلہ: ایک شخص نے ہمیشہ روزہ رکھنے کی نذر مانی لیکن وہ طلب معیشت میں مشغول ہونے کی وجہ سے نہایت کمزور

ہوگیا اور روزہ رکھنے کی طاقت جسم میں نہ رہی تو اس صورت میں وہ روزہ نہیں رکھے گا اور روزوں کا فدیہ ادا کرے گا، جیسا کہ شیخ فانی کے متعلق مسئلہ گذرا ہے۔

کسی کے آنے کے دن روزہ رکھنے کی نذر ماننا

مسئلہ: کسی نے یہ نذر مانی کہ جس دن فلاں شخص آئے گا اس دن روزہ رکھوں گا، چناں چہ وہ فلاں شخص کھانے کے بعد یا زوال کے بعد آیا، یا نذر ماننے والی عورت تھی اس کو حیض آگیا تو اس پر صورتِ مذکورہ میں اس دن کے روزے کی قضاء حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک لازم ہے، اس میں حضرت امام محمدؒ کا اختلاف ہے۔ اور اگر وہ فلاں شخص رمضان المبارک کے مہینے میں آیا تو اس پر بالاتفاق قضاء لازم نہیں ہے۔ (اس لیے کہ اس کی نذر رمضان کے مہینے میں آکر پڑی ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ جو شخص رمضان کے مہینے میں نذر مانے اس پر کچھ واجب نہیں ہے)۔

الفاظِ نذر سے یمین مراد لینا

مسئلہ: اگر کسی شخص نے نذر کے الفاظ بول کر اس سے یمین مراد لی اور قسم کی نیت کی تو اس کو صرف کفارہ ادا کرنا ہوگا قضاء لازم نہ ہوگی، البتہ جس کی آمد پر روزہ کو معلق کیا تھا وہ نیت کرنے سے پہلے آگیا اور رمضان میں آیا اور اس نے نذر کے ادا کرنے کی نیت کی تو رمضان کے روزے رکھنے ہی سے نذر بھی ادا ہو جائے گی، الگ سے نذر کے واسطے روزہ رکھنا ضروری نہیں ہوگا۔

مسئلہ: اگر کسی نے ایک ماہ روزہ رکھنے کی نذر مانی تو اس پر پورے کامل ماہ کے روزے لازم ہوں گے۔ (اور یہ گنتی کے اعتبار سے بھی مکمل کرسکتا ہے، چاند کے حساب سے پہلا روزہ شروع کرنا ضروری اور لازم نہیں، البتہ اگر متعین ماہ کی نذر مانی ہے تو پھر چاند کے اعتبار سے روزہ رکھنا ہوگا)۔

اگر کسی نے ماہِ رواں کے روزہ کی نذر کی تو ماہِ رواں کے جو ایام باقی رہ گئے ہیں ان ایام کے روزے رکھنے لازم ہوں گے۔ اور اگر کسی نے مطلقاً جمعہ کے روزہ کی نذر مانی تو اس صورت میں پورے ہفتہ کا روزہ لازم ہوگا، لیکن اگر اس کی نیت متعین طور پر جمعہ کے ہی دن کی تھی تو صرف جمعہ کا ہی ایک روزہ لازم ہوگا پورے ہفتے کا روزہ لازم نہ ہوگا۔ اور اگر سنیچر کے دن کے روزے کی نذر مانی اور یہ کہا کہ جو آٹھ دن میں ہوتا ہے تو اس پر دو سنیچر کا روزہ رکھنا لازم ہوگا۔ اور اگر سنیچر کے بعد سات کا نام لیا تو اس صورت میں سات سنیچر کا روزہ رکھنا لازم ہوگا۔ اور دونوں صورتوں میں فرق یہ ہے کہ سنیچر سات دن میں مکرر نہیں ہوتا ہے، لہٰذا وہ سات، عدد پر محمول ہوگا اور سات دن مراد ہوگا، بخلاف پہلی صورت کے، اس لیے کہ آٹھ دن میں دو سنیچر ہوسکتا ہے لہٰذا جو مکرر ہوگا وہی مراد ہوگا۔ اور یاد رکھنا چاہئے کہ یہ حکم اس وقت ہے جب الفاظ بول کر کچھ نیت نہ کی ہو، باقی اگر نیت کرلی تو جیسی نیت ہوگی اسی کے مطابق عمل کرنا لازم ہوگا۔

مُردوں اور قبروں کے واسطے نذر ماننے کا شرعی حکم

اور یہ بات تمام مسلمانوں کو خوب اچھی طرح معلوم ہونی چاہئے کہ اکثر عوام جو نذر اور منت مُردوں کے واسطے مانتے ہیں اور روپے، پیسے، موم بتی اور تیل وغیرہ جو اولیاء کرامؒ کی قبروں پر لے جاتے ہیں تا کہ ان سب چیزوں سے ان کی قربت حاصل ہو، یہ سب کے سب بالاتفاق باطل اور حرام ہیں، جب تک کہ ان سامانوں کو فقراء مسلمین پر خرچ کرنے کا ارادہ نہ کرلیا جائے۔ اس بدعت میں بہت سارے نادان مسلمان مبتلا ہیں اور خاص طور پر اس زمانے کے مسلمان تو بہت ہی زیادہ مبتلا ہیں۔ علامہ قاسم نے اس کو شرح وبسط کے ساتھ شرح درر البحار میں بیان کیا ہے۔ اور حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اگر عوام الناس میرے غلام ہوتے تو میں ان کو آزاد کر دیتا اور اپنی ولاء ساقط کر دیتا، کیونکہ یہ عام طور پر ہدایت یافتہ نہیں ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان سے تمام لوگوں کو عار ہوتی ہے۔

مُردوں اور قبروں کے واسطے نذر ماننے کی وجوہِ بطلان

حضرات اولیاء کرام اور بزرگانِ دین کی قبروں اور خود ان کے واسطے نذر ومنت ماننا حرام ہے اور اس کی درج ذیل وجہیں ہیں: (۱) یہ درحقیقت مخلوق کے واسطے نذر ماننا ہے اور مخلوق کے واسطے نذر ماننا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ نذر ایک عبادت ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہے۔

(۲) جس کے واسطے نذر مانی جارہی ہے وہ تو مردہ ہے اور مردہ مالک نہیں ہوتا۔

(۳) اس طرح کی نذر ماننے والوں کا عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ مردہ کے اندر تصرف کرنے کی صلاحیت ہے، حالانکہ اس طرح کا عقیدہ رکھنا قرآن وسنت کے خلاف ہے؛ بلکہ مردہ کو صاحبِ تصرف جاننا کفر ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص یہ کہے کہ یا اللہ! میں تیرے ہی واسطے نذر کرتا ہوں، اگر تو فلاں مریض کو شفا بخش دے تو میں ان فقراء کو کھانا کھلاؤں گا جو فلاں جگہ قیام پذیر ہیں، تو اس طرح کی نذر شرعی اعتبار سے جائز ہے۔ نذر صرف غرباء وفقراء پر صرف ہوگی، مالداروں پر نذر کے سامان کو صرف کرنا جائز نہیں ہے۔ اور قبروں پر جو چراغ جلایا جاتا ہے اگر ان کے تیل کے واسطے منت مانے تو یہ بھی جائز نہیں ہے۔ فقط، واللہ أعلم بالصواب، وإليه المتاب، ولا حول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم۔

بَابُ الِاعْتِكَافِ

یہ باب اعتکاف کے احکام ومسائل کے بیان میں ہے

وَجْهُ الْمُنَاسَبَةِ لَهُ وَالتَّأْخِيرِ اشْتِرَاطُ الصَّوْمِ فِي بَعْضِهِ وَالطَّلَبُ الْآكَدُ فِي الْعَشْرِ الْأَخِيرِ. (هُوَ) لُغَةً: اللُّبْثُ وَشَرْعًا: (لُبْثٌ) بِفَتْحِ اللَّامِ وَتُضَمُّ الْمُكْثُ (ذَكَرٍ) وَلَوْ مُمَيِّزًا فِي (مَسْجِدِ جَمَاعَةٍ)

هُوَ مَا لَهُ إِمَامٌ وَمُؤَذِّنٌ أُدِّيَتْ فِيهِ الْخَمْسُ أَوْ لَا. وَعَنِ الْإِمَامِ اشْتِرَاطُ أَدَاءِ الْخَمْسِ فِيهِ وَصَحَّحَهُ بَعْضُهُمْ وَقَالَ لَا يَصِحُّ فِي كُلِّ مَسْجِدٍ وَصَحَّحَهُ السُّرُوجِيُّ، وَأَمَّا الْجَامِعُ فَيَصِحُّ فِيهِ مُطْلَقًا اتِّفَاقًا (أَوْ) لُبْثُ (امْرَأَةٍ فِي مَسْجِدِ بَيْتِهَا) وَيُكْرَهُ فِي الْمَسْجِدِ، وَلَا يَصِحُّ فِي غَيْرِ مَوْضِعِ صَلَاتِهَا مِنْ بَيْتِهَا كَمَا إِذَا لَمْ يَكُنْ فِيهِ مَسْجِدٌ وَلَا تَخْرُجُ مِنْ بَيْتِهَا إِذَا اعْتَكَفَتْ فِيهِ، وَهَلْ يَصِحُّ مِنَ الْخُنْثَى فِي بَيْتِهِ لَمْ أَرَهُ وَالظَّاهِرُ لَا لِاحْتِمَالِ ذُكُورِيَّتِهِ (بِنِيَّةٍ) فَاللُّبْثُ: هُوَ الرُّكْنُ وَالْكَوْنُ فِي الْمَسْجِدِ وَالنِّيَّةُ مِنْ مُسْلِمٍ عَاقِلٍ طَاهِرٍ مِنْ جَنَابَةٍ وَحَيْضٍ وَنِفَاسٍ شَرْطَانِ.

ترجمہ وتشریح: شارحؒ کتاب الصوم اور کتاب الاعتکاف کے درمیان مناسبت ذکر کر رہے ہیں، چناں چہ فرماتے ہیں کہ کتاب الصوم اور باب الاعتکاف کے درمیان مناسبت اور اس کو بعد میں لانے کی وجہ یہ ہے کہ بعض اعتکاف میں روزہ شرط ہے۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ رمضان المبارک کے اخیر عشرہ میں اعتکاف مؤکد طور پر مطلوب ہے۔ (اور قاعدہ یہ ہے کہ پہلے شرط ہوتی ہے پھر مشروط پایا جاتا ہے اس لیے کتاب الصوم کو پہلے بیان کیا، اب اس کے بعد باب الاعتکاف بیان کر رہے ہیں)۔

اعتکاف کی لغوی وشرعی تعریف

اعتکاف کے لغوی معنی: "ٹھہرنا" ہے۔ اور اصطلاحِ شریعت میں اعتکاف کے معنی ہیں مرد کا خواہ ہوشمند ہی کیوں نہ ہو، اس مسجد میں ٹھہرنا جس میں جماعت ہوتی ہے، یا عورت کا اپنے گھر کی مسجد میں ٹھہرنا اعتکاف کہلاتا ہے۔ شارح فرماتے ہیں کہ لفظ "لبث" لام کے فتحہ کے ساتھ ہے، گو لام کو ضمہ کی ساتھ پڑھنا بھی جائز ہے۔ اور "لبث" کے معنی ٹھہرنے کے ہیں۔ اور شارح کے قول و لو ممیزًا سے معلوم ہوا کہ اعتکاف کے لیے بالغ ہونا شرط نہیں ہے بلکہ اتنی عمر ہو کہ اس میں اعتکاف کو سمجھنے کی تمیز پیدا ہو جائے۔

صحت اِعتکاف کے لیے جماعت والی مسجد کا ہونا

اعتکاف کے صحیح ہونے کے لیے جماعت والی مسجد کا ہونا شرط ہے اور جماعت والی مسجد اس کو کہتے ہیں جس میں امام ومؤذن متعین ہوں، خواہ اس کے اندر نماز پنج گانہ ہوتی ہو یا نہ ہوتی ہو۔ اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ اعتکاف کی صحت کے لیے ایسی مسجد کا ہونا شرط ہے جس میں باقاعدہ پانچ وقت کی نماز ہوتی ہو۔ بعض اہل علم نے اس قول کی تصحیح بھی کی ہے اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ ہر مسجد میں اعتکاف صحیح ہے، خواہ پنج وقتہ نماز کے لیے باقاعدہ جماعت ہوتی ہو خواہ نہ ہوتی ہو۔ اور سروجی نے اسی کی تصحیح کی ہے۔ اور جامع مسجد میں تو اعتکاف متفقہ طور پر مطلقاً درست ہے۔

افضل اعتکاف کون سی جگہ ہے؟

علامہ شامیؒ نے النہر الفائق اور فتح القدیر کے حوالہ سے لکھا ہے کہ سب سے افضل اعتکاف مسجد حرام میں ہے، پھر مسجد

نبوی ﷺ میں، پھر بیت المقدس میں، پھر اس جامع مسجد میں جس میں جماعت ہوتی ہو۔ اگر جامع مسجد میں جماعت نہ ہوتی ہو تو اپنے محلے کی مسجد میں اعتکاف کرنا افضل ہے، پھر اس مسجد میں اعتکاف کرنا افضل ہے جس میں زیادہ نمازی ہوں۔ (شامی: ۳/۴۲۹)

عورتیں اپنے گھر کی مسجد میں اعتکاف کریں گی

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ عورتیں اپنے گھر کی مسجد میں اعتکاف کریں گی اور ان کے لیے مسجدوں میں اعتکاف کرنا شرعی اعتبار سے مکروہ ہے۔ اور یہاں گھر کی مسجد سے وہ جگہ مراد ہے جسے عورت نماز پڑھنے کے لیے مخصوص کرتی ہے۔ اگر عورتیں گھر میں اپنے نماز پڑھنے کی جگہ کے علاوہ دوسری جگہ اعتکاف کریں گی تو اعتکاف درست نہ ہوگا، جس طرح کہ اگر گھر میں کوئی جگہ نماز کے لیے مخصوص نہ ہو تو اعتکاف درست نہیں ہے۔ (مناسب یہ ہے کہ عورتیں اپنے گھر میں نماز پڑھنے کے لیے کوئی جگہ مخصوص کرلیں تاکہ ان کا اعتکاف درست ہو)۔ اور جب اعتکاف میں عورتیں بیٹھیں گی تو اپنے گھر سے باہر نہیں نکلیں گی۔ اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ خنثیٰ کے لیے اس کے گھر میں اعتکاف ہے یا نہیں؟ شارح فرماتے ہیں کہ اس کے بارے میں صراحتاً کوئی جزئیہ نہیں دیکھا ہے، لیکن اصول وقواعد سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے لیے اعتکاف درست نہیں ہے کیونکہ خنثیٰ میں اس کے مرد ہونے کا احتمال باقی رہتا ہے۔

اعتکاف کے رُکن اور شرائط

اعتکاف میں ٹھہرنے کی نیت کرنا رُکن ہے۔ اور اعتکاف کے صحیح ہونے کے دو شرطیں ہیں: (۱) معتکف کا مسجد میں ہونا۔ (۲) مسلمان، عاقل اور جنابت وحیض ونفاس سے پاک ہونا۔ یہ دونوں اعتکاف کے لیے شرط ہیں۔

(وَهُوَ) ثَلَاثَةُ أَقْسَامٍ (وَاجِبٌ بِالنَّذْرِ) بِلِسَانِهِ وَبِالشُّرُوعِ وَبِالتَّعْلِيقِ ذَكَرَهُ ابْنُ الْكَمَالِ (وَسُنَّةٌ مُؤَكَّدَةٌ فِي الْعَشْرِ الْأَخِيرِ مِنْ رَمَضَانَ) أَيْ سُنَّةُ كِفَايَةٍ كَمَا فِي الْبُرْهَانِ وَغَيْرِهِ لِاقْتِرَانِهَا بِعَدَمِ الْإِنْكَارِ عَلَى مَنْ لَمْ يَفْعَلْهُ مِنَ الصَّحَابَةِ (مُسْتَحَبٌّ فِي غَيْرِهِ مِنَ الْأَزْمِنَةِ) هُوَ بِمَعْنَى غَيْرِ الْمُؤَكَّدَةِ. (وَشَرْطُ الصَّوْمِ) لِصِحَّةِ (الْأَوَّلِ) اتِّفَاقًا (فَقَطْ) عَلَى الْمَذْهَبِ (فَلَوْ نَذَرَ اعْتِكَافَ لَيْلَةٍ لَمْ يَصِحَّ) وَإِنْ نَوَى مَعَهَا الْيَوْمَ لِعَدَمِ مَحَلِّيَّتِهَا لِلصَّوْمِ أَمَّا لَوْ نَوَى بِهَا الْيَوْمَ صَحَّ وَالْفَرْقُ لَا يَخْفَى (بِخِلَافِ مَا لَوْ قَالَ) فِي نَذْرِهِ لَيْلًا وَنَهَارًا (فَإِنَّهُ يَصِحُّ وَ) إِنْ لَمْ يَكُنِ اللَّيْلُ مَحِلًّا لِلصَّوْمِ لِأَنَّهُ (يَدْخُلُ اللَّيْلُ تَبَعًا وَ) . اعْلَمْ أَنَّ (الشَّرْطَ) فِي الصَّوْمِ مُرَاعَاةُ (وُجُودِهِ لَا إِيجَادِهِ) لِلْمَشْرُوطِ قَصْدًا (فَلَوْ نَذَرَ اعْتِكَافَ شَهْرِ رَمَضَانَ لَزِمَهُ وَأَجْزَأَهُ) صَوْمُ رَمَضَانَ (عَنْ صَوْمِ الِاعْتِكَافِ) لَكِنْ قَالُوا لَوْ صَامَ تَطَوُّعًا ثُمَّ نَذَرَ اعْتِكَافَ ذَلِكَ الْيَوْمِ لَمْ يَصِحَّ لِانْعِقَادِهِ مِنْ أَوَّلِهِ تَطَوُّعًا فَتَعَذَّرَ جَعْلُهُ وَاجِبًا (وَإِنْ

لَمْ يَعْتَكِفْ) رَمَضَانَ الْمُعَيَّنَ (قَضَى شَهْرًا) غَيْرَهُ (بِصَوْمٍ مَقْصُودٍ) لِعَوْدِ شَرْطِهِ إِلَى الْكَمَالِ الْأَصْلِيِّ فَلَمْ يَجُزْ فِي رَمَضَانَ آخَرَ وَلَا فِي وَاجِبٍ سِوَى قَضَاءِ رَمَضَانَ الْأَوَّلِ لِأَنَّهُ خَلَفَ عَنْهُ وَتَحْقِيقُهُ فِي الْأُصُولِ فِي بَحْثِ الْأَمْرِ. (وَأَقَلُّهُ نَفْلًا سَاعَةٌ) مِنْ لَيْلٍ أَوْ نَهَارٍ عِنْدَ مُحَمَّدٍ وَهُوَ ظَاهِرُ الرِّوَايَةِ عَنِ الْإِمَامِ لِبِنَاءِ النَّفْلِ عَلَى الْمُسَامَحَةِ وَبِهِ يُفْتَى وَالسَّاعَةُ فِي عُرْفِ الْفُقَهَاءِ جُزْءٌ مِنَ الزَّمَانِ لَا جُزْءٌ مِنْ أَرْبَعَةٍ وَعِشْرِينَ كَمَا يَقُولُهُ الْمُنَجِّمُونَ كَذَا فِي غُرَرِ الْأَذْكَارِ وَغَيْرِهِ. (فَلَوْ شَرَعَ فِي نَفْلِهِ ثُمَّ قَطَعَهُ لَا يَلْزَمُهُ قَضَاؤُهُ) لِأَنَّهُ لَا يُشْتَرَطُ لَهُ الصَّوْمُ (عَلَى الظَّاهِرِ) مِنَ الْمَذْهَبِ وَمَا فِي بَعْضِ الْمُعْتَبَرَاتِ أَنَّهُ يَلْزَمُ بِالشُّرُوعِ مُفَرَّعٌ عَلَى الضَّعِيفِ قَالَهُ الْمُصَنِّفُ وَغَيْرُهُ

اعتکاف کی قسمیں

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اعتکاف کی تین قسمیں ہیں: (۱) اعتکاف واجب، جو زبان سے نذر کرے۔ اور اعتکاف کبھی شروع کر دینے سے اور کبھی معلق کر دینے سے بھی واجب ہو جاتا ہے، اس کو کمالؔ نے ذکر کیا ہے۔ اور یہاں زبان سے کہنے کی قید اس لیے لگائی ہے کہ صرف نیت کرنے سے نذر نہیں ہوتی ہے۔

(۲) اعتکاف کی دوسری قسم سنت مؤکدہ ہے جو رمضان المبارک کے اخیر عشرہ میں ہوتا ہے مگر یہ سنت مؤکدہ علی وجہ الکفایہ ہے، پورے محلہ میں سے ایک آدمی بھی کرے گا تو سب کی طرف سے کافی ہو جائے گا، جیسا کہ برھانؔ وغیرہ میں ہے۔ اور اس کے سنت مؤکدہ علی وجہ الکفایہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ عہد نبوت میں جن صحابۂ کرام نے اعتکاف نہیں کیا رسول اللہ ﷺ نے ان پر نکیر نہیں فرمائی۔

(۳) اعتکاف کی تیسری قسم مستحب اعتکاف ہے جو رمضان المبارک کے اخیر عشرہ کے علاوہ دوسرے وقتوں میں کیا جائے اور یہاں مستحب سے مراد سنت غیر مؤکدہ ہے۔

اعتکافِ واجب کے صحیح ہونے کے لیے روزہ رکھنا شرط ہے

اعتکافِ واجب کے صحیح ہونے کے لیے روزہ رکھنا شرط قرار دیا گیا ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، اس بارے میں صحیح مذہب یہی ہے اور یہی ظاہر الروایہ ہے۔ (لیکن روایۃ الحسن کے مطابق نفل و مستحب اعتکاف کے لیے روزہ رکھنا شرط قرار دیا گیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ نفل اعتکاف کے واسطے وقت کی کوئی تحدید ہے یا نہیں؟ جن لوگوں نے ایک دن کی شرط لگائی ہے ان کے نزدیک نفل اعتکاف میں روزہ رکھنا شرط ہے اور جن کے نزدیک وقت کی کوئی تحدید نہیں ہے ان کے یہاں روزہ شرط نہیں ہے)۔ (شامی: ۴۳۱/۳)

صرف رات کا اعتکاف کرنے کا حکم

ابھی ابھی معلوم ہوا کہ اعتکاف واجب کے لیے روزہ شرط ہے، لہٰذا اگر کسی نے صرف رات میں اعتکاف کی نذر مانی تو اس کی یہ نذر درست نہیں ہوگی اگر چہ وہ اس کے ساتھ دن کی بھی نیت کرے اور زبان سے اس کا ذکر نہ کرے۔ اور صرف رات کا اعتکاف اس وجہ سے نہیں ہے کہ وہ روزہ کا محل نہیں ہے، البتہ اگر زبان سے رات کی نیت کرے اور اس سے مراد رات و دن کا مجموعہ لے تو یہ درست ہے۔ اور فرق ان دونوں صورتوں میں پوشیدہ نہیں ہے۔

اس کے برخلاف اگر کسی نے اپنی نذر میں رات و دن دونوں کہا ہے تو اعتکاف کی یہ نذر درست ہوگی، اگر چہ رات روزے کا محل نہیں ہے، اس لیے کہ اس صورت میں رات دن کے تابع بن کر داخل ہوگی۔ اور یہاں یہ بات خوب اچھی طرح ذہن نشین ہو جانی چاہئے کہ چوں کہ اعتکاف میں روزہ پایا جاتا ہے اس لیے روزہ کی شرط لگا دی گئی ہے، یہ روزہ مخصوص طور پر اعتکاف ہی کے لیے نہیں ہے۔ (جیسے وضو کرنا نماز کی لیے شرط ہے مگر یہ شرط نہیں ہے کہ وضو مخصوص طور پر نماز ہی کے لیے ہو)۔ چناں چہ اگر کسی نے رمضان کے مہینے کے اعتکاف کی نذر مانی تو اس پر اعتکاف لازم ہوگا اور رمضان کا روزہ اعتکاف کے روزے کی طرف سے کافی ہوگا۔

نفل روزے کے دن اعتکاف کرنا

حضرات فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے نفل روزہ رکھا تھا پھر اس نے اس دن کے اعتکاف کی نذر مان لی تو از روئے شرع یہ اعتکاف صحیح نہیں ہوگا، اس لیے کہ یہ روزہ جس کو وہ شروع کر چکا تھا نفل تھا، لہٰذا اب اس نفل روزہ کو واجب قرار دینا ممکن نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ صوم واجب کے ذریعہ دن کا احاطہ نہیں ہو سکے گا جو اعتکاف واجب کی کم سے کم مقدار ہے۔ اگر کسی نے نذر معین کا اعتکاف رمضان کے مہینے میں نہیں کیا تو اس اعتکاف کی دوسرے مہینے میں قضاء کرے گا اور اس کے واسطے خصوصی طور پر الگ سے روزہ بھی رکھے گا، اس لیے کہ اعتکاف کی شرط روزہ اب کمال اصلی کی طرف لوٹ آئی ہے، لہٰذا یہ اعتکاف نہ تو دوسرے رمضان میں جائز ہے اور نہ کسی دوسرے واجب روزہ کے دنوں میں جائز ہے، ہاں اگر رمضان المبارک کا اعتکاف کسی وجہ سے قضاء ہو گیا تو اس کی قضاء دوسرے رمضان میں کر سکتا ہے، اس لیے کہ اعتکاف کے جواز کے حق میں یہ رمضان اس کا خلیفہ ہے، اس مسئلہ کی پوری تحقیقی بحث اصول فقہ میں امر کی بحث کے اندر موجود ہے۔

نفل اعتکاف کے لیے کم سے کم وقت

حضرت مصنف ؒ فرماتے ہیں کہ نفل اعتکاف کے واسطے کم سے کم مدت ایک ساعت ہے۔ حضرت امام محمدؒ کے نزدیک خواہ دن میں ہو خواہ رات میں۔ اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ سے ظاہر الروایۃ یہی ہے اور اس کی علت یہ ہے کہ نفل کی بنیاد سہولت

وآسانی پر ہے، چناں چہ یہی قول مفتی بہ بھی ہے۔ (یہی وجہ ہے کہ جو چیز فرض وواجب میں جائز نہیں ہوتی ہے نفل میں جائز ہوتی ہے، جیسے نفل نماز میں قیام پر قدرت کے باوجود قیام ضروری نہیں ہے اور فرض وواجب نماز میں قیام ضروری ہے)۔

فقہاء کے عرف میں ساعت کا اطلاق

اور حضرات فقہاء امت کے عرف میں "ساعت" مطلق زمانے کے ایک جزء کا نام ہے نہ کہ چوبیں گھنٹے کے اجزاء میں سے ایک جزء کا نام، جیسا کہ منجموں نے بیان کیا ہے، جیسا کہ غرر الاذکار وغیرہ میں مذکور ہے۔

نفل اعتکاف شروع کرنے کے بعد توڑ دے تو کیا حکم ہے؟

اگر کسی نے نفل اعتکاف شروع کیا پھر کسی وجہ سے اس کو توڑ دیا تو اس کی وجہ سے اس اعتکاف کی قضاء لازم نہیں ہوگی، اس لیے کہ اعتکاف نفل کے لیے روزہ شرط نہیں ہے، اس بارے میں ظاہر الروایۃ کے مطابق صحیح مذہب یہی ہے۔ اور بعض کتابوں میں جو یہ مسئلہ مذکور ہے کہ نفل اعتکاف شروع کرنے کے بعد توڑ دینے سے واجب ہو جاتا ہے اس کی بنیاد قول ضعیف پر ہے، حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے اس کو ذکر کیا ہے۔

(وَحَرُمَ عَلَيْهِ) أَيْ عَلَى الْمُعْتَكِفِ اعْتِكَافًا وَاجِبًا أَمَّا النَّفْلُ فَلَهُ الْخُرُوجُ لِأَنَّهُ مِنْهُ لَا مُبْطِلٌ كَمَا مَرَّ (الْخُرُوجُ إلَّا لِحَاجَةِ الْإِنْسَانِ) طَبِيعِيَّةٍ كَبَوْلٍ وَغَائِطٍ وَغُسْلٍ لَوِ احْتَلَمَ وَلَا يُمْكِنُهُ الِاغْتِسَالُ فِي الْمَسْجِدِ كَذَا فِي النَّهْرِ (أَوْ) شَرْعِيَّةٍ كَعِيدٍ وَأَذَانٍ لَوْ مُؤَذِّنًا وَبَابُ الْمَنَارَةِ خَارِجَ الْمَسْجِدِ وَ (الْجُمُعَةِ وَقْتَ الزَّوَالِ وَمَنْ بَعُدَ مَنْزِلُهُ) أَيْ مُعْتَكَفُهُ (خَرَجَ فِي وَقْتٍ يُدْرِكُهَا) مَعَ سُنَّتِهَا يُحَكِّمُ فِي ذَلِكَ رَأْيَهُ، وَيَسْتَنُّ بَعْدَهَا أَرْبَعًا أَوْ سِتًّا عَلَى الْخِلَافِ، وَلَوْ مَكَثَ أَكْثَرَ لَمْ يَفْسُدْ لِأَنَّهُ مَحَلٌّ لَهُ وَكُرِهَ تَنْزِيهًا لِمُخَالَفَةِ مَا الْتَزَمَهُ بِلَا ضَرُورَةٍ. (فَلَوْ خَرَجَ) وَلَوْ نَاسِيًا (سَاعَةً) زَمَانِيَّةً لَا رَمْلِيَّةً كَمَا مَرَّ (بِلَا عُذْرٍ فَسَدَ) فَيَقْضِيهِ إلَّا إذَا أَفْسَدَهُ بِالرِّدَّةِ وَاعْتَبَرَا أَكْثَرَ النَّهَارِ قَالُوا: وَهُوَ الِاسْتِحْسَانُ وَبَحَثَ فِيهِ الْكَمَالُ (وَ) إنْ خَرَجَ (بِعُذْرٍ يَغْلِبُ وُقُوعُهُ) وَهُوَ مَا مَرَّ لَا غَيْرُ (لَا) لَا يَفْسُدُ وَأَمَّا مَا لَا يَغْلِبُ كَإِنْجَاءِ غَرِيقٍ وَانْهِدَامِ مَسْجِدٍ فَمُسْقِطٌ لِلْإِثْمِ لَا لِلْبُطْلَانِ وَإِلَّا لَكَانَ النِّسْيَانُ أَوْلَى بِعَدَمِ الْفَسَادِ كَمَا حَقَّقَهُ الْكَمَالُ خِلَافًا لِمَا فَصَّلَهُ الزَّيْلَعِيُّ وَغَيْرُهُ. لَكِنْ فِي النَّهْرِ وَغَيْرِهِ جَعَلَ عَدَمَ الْفَسَادِ لِانْهِدَامِهِ وَبُطْلَانِ جَمَاعَتِهِ وَإِخْرَاجِهِ كَرْهًا وَاسْتِحْسَانًا وَ فِي التَّتَارْخَانِيَّةِ عَنِ الْحُجَّةِ لَوْ شَرَطَ وَقْتَ النَّذْرِ أَنْ يَخْرُجَ لِعِيَادَةِ مَرِيضٍ وَصَلَاةِ جِنَازَةٍ وَحُضُورِ مَجْلِسِ عِلْمٍ جَازَ ذَلِكَ فَلْيُحْفَظْ

معتکف کے لیے مسجد سے بلا ضرورت شرعی نکلنا

جس شخص نے مسجد میں واجب اعتکاف کر رکھا ہے اس کے واسطے بلا ضرورت شرعی مسجد سے نکلنا حرام ہے، البتہ اگر نفل اعتکاف ہو تو اس کے واسطے مسجد سے نکلنا جائز ہے، کیوں کہ بلا وجہ نفل اعتکاف میں مسجد سے نکلنا ممنوع تو ہے لیکن اعتکاف کو باطل نہیں کرتا ہے، جیسا کہ اس سے پہلے گذر چکا ہے کہ نفل اعتکاف کے لیے کوئی وقت کی تحدید نہیں ہے کم سے کم وقت میں بھی جائز ہے۔

ضرورتِ طبعیہ کے واسطے معتکف کے لیے مسجد سے نکلنا

معتکف کے لیے طبعی ضرورت، جیسے پیشاب و پاخانہ اور غسل جنابت وغیرہ کے واسطے مسجد سے نکلنا جائز ہے۔ اور غسل جنابت کے لیے یہ نکلنا اس وقت جائز ہے جب کہ مسجد میں غسل کرنا ممکن نہ ہو، جیسا کہ النہر الفائق میں ہے۔ (اگر معتکف غسل جنابت مسجد کے اندر اس طرح کر سکتا ہے کہ مسجد ملوث نہ ہو تو مسجد کے اندر غسل کرنے میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ اور اگر جنابت والا پانی مسجد کے اندر گرتا ہو تو اس کے لیے مسجد میں غسل کرنا جائز نہیں ہے کیوں کہ مسجد کی صفائی اور اس کو پاک رکھنا واجب ہے)۔ (شامی: ۳/۴۳۵)

شرعی ضرورت کے لیے مسجد سے نکلنا

معتکف کے لیے شرعی ضرورت کے لیے مسجد سے نکلنا جائز ہے، جیسے عیدین و نماز جمعہ کی ادائیگی کے واسطے۔ اور اگر معتکف مؤذن ہے تو اذان دینے کے واسطے جب کہ اذان کا منارہ مسجد سے باہر ہو تو نکلنا جائز ہے۔ اور معتکف جمعہ کی ادائیگی کے واسطے زوالِ آفتاب کے بعد نکلے گا۔ اور اگر مسجد کافی دور ہو تو معتکف ایسے وقت میں نکلے گا کہ وہ جامع مسجد پہنچ کر مع سنتوں کے جمعہ کی نماز ادا کر سکے۔ اور کتنا پہلے اس کو جانا چاہیے؟ وہ خود اس کا فیصلہ کرے گا۔ اور نماز ادا کرنے کے بعد مسجد میں معتکف اتنی دیر رُکے جتنی دیر میں وہ چار رکعات سنت یا چھ رکعات سنت علی اختلاف الاقوال پڑھ سکے، لیکن اگر معتکف اس سے زیادہ مسجد میں رک گیا تو اعتکاف تو باطل نہیں ہوگا کیونکہ وہ مسجد میں رُکا ہے جو اعتکاف کا محل ہے لیکن بہرحال زیادہ دیر رکنا مکروہ تنزیہی ہے۔ اور کراہت کی وجہ یہ ہے کہ اس نے جس چیز کا التزام کیا تھا اس کی بلا ضرورت مخالفت کی ہے۔

قولہ محل لہ: اس سے اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ گھر اور مسجد میں ٹھہرنے میں فرق ہے، گھر میں ٹھہرنے سے اعتکاف فاسد ہو جائے گا اور مسجد میں ٹھہرنے سے اعتکاف فاسد نہیں ہوگا۔ (شامی: ۳/۴۳۷)

اعتکاف کی قضاء

اگر معتکف بلا عذر شرعی تھوڑی دیر کے لیے مسجد سے باہر نکلے گا خواہ بھول کر ہی کیوں نہ ہو، اس کا اعتکاف فاسد ہو جائے گا اور بعد میں اس کی قضاء ادا کرے گا۔ (اگر وہ اعتکاف واجب ہو جیسے نذر وغیرہ تو اس کی قضاء میں روزہ بھی رکھنا ہوگا)۔ ہاں

اگر معتکف نے اپنا اعتکاف بذریعہ ارتداد فاسد کیا، بایں طور کہ وہ زمانہ اعتکاف میں مرتد ہوگیا تو ظاہر ہے کہ اس کا اعتکاف فاسد ہوجائے گا لیکن اس کی قضاء لازم نہیں ہے۔ اور اعتکاف کی حالت میں مسجد سے باہر نکلنے میں حضرت امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ نے دن کے اکثر حصہ کا اعتبار کیا ہے۔ اور حضرات علمائے کرام نے اسی قول کو مستحسن قرار دیا ہے، لیکن حضرات صاحبینؒ کے قول پر کمالؒ نے بحث کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ صاحبین کا قول مستحسن نہیں ہے، بلا ضرورتِ شرعی خواہ تھوڑی دیر کے لیے نکلنا ہو خواہ زیادہ دیر کے لیے نکلنا ہو، دونوں برابر ہے۔

معقول ضرورت کی وجہ سے نکلنا اعتکاف کو فاسد نہیں کرتا

اگر معتکف حالت اعتکاف میں ان عذروں کی وجہ سے نکلا جو عام طور پر پیش آتے رہتے ہیں (جیسے پیشاب پاخانہ اور نماز جمعہ وعیدین وغیرہ) تو اس سے اعتکاف فاسد نہیں ہوگا، البتہ وہ عذر جو عام طور پر پیش نہیں آتے ہیں جیسے پانی میں ڈوبتے ہوئے کو بچانا، مسجد کا منہدم ہونا، یہ گناہ کو ساقط کرتا ہے، بطلان کو ساقط نہیں کرتا ہے، یعنی اس سے گناہ تو نہیں ہوگا لیکن اعتکاف فاسد ہوجائے گا۔ اور معتکف کا بھول کر نکلنا بھی مفسد اعتکاف نہیں ہے، جیسا کہ کمالؒ نے اس کی تحقیق اس کے خلاف کی ہے جس کی زیلعی وغیرہ نے تفصیل کی ہے۔ (زیلعی نے ان سب کو مفسدات اعتکاف میں شمار کیا ہے چناں چہ مریض کی عیادت کے لیے نکلنا، نمازِ جنازہ کے واسطے نکلنا، ڈوبتے کو بچانے کے لیے نکلنا، اعلانِ جہاد پر نکلنا اور آگ بجھانے کے واسطے نکلنا، یہ سب کے سب مفسد اعتکاف ہیں، لیکن گناہ گار نہیں ہوگا، ہاں اگر مسجد گرنے کا خوف ہو اور معتکف اس مسجد سے نکل کر دوسری مسجد میں منتقل ہوجائے، یا کسی نے زبردستی مسجد سے اُٹھا کر باہر نکال دیا تو یہ مفسد اعتکاف نہیں ہے)۔ (شامی:۳/۴۳۸)

مسجد سے زبردستی کسی نے باہر کردیا تو کیا حکم ہے؟

النہر الفائق وغیرہ میں ہے کہ مسجد کے گرنے کے خوف کے وقت مسجد سے نکلنے سے، بطلانِ جماعت کے وقت مسجد سے باہر نکلنے سے، یا کسی نے معتکف کو زبردستی نکال دیا تو بطور استحسان ان سب چیزوں سے اعتکاف فاسد نہیں ہوگا۔ اور فتاویٰ تتارخانیہ میں حجہ نامی کتاب سے نقل کیا ہے کہ اگر معتکف نے اعتکاف میں بیٹھتے وقت یا نذر ماننے وقت یہ شرط لگائی کہ وہ مریض کی عیادت، نمازِ جنازہ اور مجلسِ علم میں حاضر ہونے کے لیے نکلے گا تو یہ جائز ہے اور اس سے اعتکاف فاسد نہیں ہوگا، لہٰذا یہ مسئلہ خوب اچھی طرح محفوظ کرلینا چاہیے۔

(وَخُصَّ) الْمُعْتَكِفُ (بِأَكْلٍ وَشُرْبٍ وَنَوْمٍ وَعَقْدٍ احْتَاجَ إِلَيْهِ) لِنَفْسِهِ أَوْ عِيَالِهِ فَلَوْ لِتِجَارَةٍ كُرِهَ (كَبَيْعٍ وَنِكَاحٍ وَرَجْعَةٍ) فَلَوْ خَرَجَ لِأَجْلِهَا فَسَدَ لِعَدَمِ الضَّرُورَةِ (وَكُرِهَ) أَيْ تَحْرِيمًا لِأَنَّهَا مَحَلُّ إِطْلَاقِهِمْ بَحْرٌ (إِحْضَارُ مَبِيعٍ فِيهِ) كَمَا كُرِهَ فِيهِ مُبَايَعَةُ غَيْرِ الْمُعْتَكِفِ مُطْلَقًا لِلنَّهْيِ وَكَذَا أَكْلُهُ وَنَوْمُهُ

إلَّا لِغَرِيبٍ أَشْبَاهٌ وَقَدْ قَدَّمْنَاهُ قُبَيْلَ الْوِتْرِ، لَكِنْ قَالَ ابْنُ كَمَالٍ لَا يُكْرَهُ الْأَكْلُ وَالشُّرْبُ وَالنَّوْمُ فِيهِ مُطْلَقًا وَنَحْوُهُ فِي الْمُجْتَبَى. (وَ) يُكْرَهُ تَحْرِيمًا (صَمْتٌ) إنْ اعْتَقَدَهُ قُرْبَةً وَإِلَّا لَا لِحَدِيثِ "مَنْ صَمَتَ نَجَا" وَيَجِبُ أَيْ الصَّمْتُ كَمَا فِي غُرَرِ الْأَذْكَارِ عَنْ شَرٍّ لِحَدِيثِ «رَحِمَ اللَّهُ امْرَأً تَكَلَّمَ فَغَنِمَ أَوْ سَكَتَ فَسَلِمَ» (وَتَكَلُّمٌ إلَّا بِخَيْرٍ) وَهُوَ مَا لَا إثْمَ فِيهِ وَمِنْهُ الْمُبَاحُ عِنْدَ الْحَاجَةِ إلَيْهِ لَا عِنْدَ عَدَمِهَا وَهُوَ مَحْمَلُ مَا فِي الْفَتْحِ أَنَّهُ مَكْرُوهٌ فِي الْمَسْجِدِ، يَأْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَأْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ كَمَا حَقَّقَهُ فِي النَّهْرِ (كَقِرَاءَةِ قُرْآنٍ وَحَدِيثٍ وَعِلْمٍ) وَتَدْرِيسٍ فِي سِيَرِ الرَّسُولِ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - وَقِصَصِ الْأَنْبِيَاءِ - عَلَيْهِمْ السَّلَامُ - وَحِكَايَاتِ الصَّالِحِينَ وَكِتَابَةِ أُمُورِ الدِّينِ. (وَبَطَلَ بِوَطْءٍ فِي فَرْجٍ) أَنْزَلَ أَمْ لَا (وَلَوْ) كَانَ وَطْؤُهُ خَارِجَ الْمَسْجِدِ (لَيْلًا) أَوْ نَهَارًا عَامِدًا (أَوْ نَاسِيًا) فِي الْأَصَحِّ لِأَنَّ حَالَتَهُ مُذَكِّرَةٌ (وَ) بَطَلَ (بِإِنْزَالٍ بِقُبْلَةٍ أَوْ لَمْسٍ) أَوْ تَفْخِيذٍ وَلَوْ لَمْ يُنْزِلْ لَمْ يَبْطُلْ وَإِنْ حَرُمَ الْكُلُّ لِعَدَمِ الْحَرَجِ وَلَا يَبْطُلُ بِإِنْزَالٍ بِفِكْرٍ أَوْ نَظَرٍ، وَلَا بِسُكْرٍ لَيْلًا وَلَا بِأَكْلٍ نَاسِيًا لِبَقَاءِ الصَّوْمِ بِخِلَافِ أَكْلِهِ عَمْدًا وَرِدَّتِهِ وَكَذَا إغْمَاؤُهُ وَجُنُونُهُ إنْ دَامَا أَيَّامًا فَإِنْ دَامَ جُنُونُهُ سَنَةً قَضَاهُ اسْتِحْسَانًا (وَلَزِمَهُ اللَّيَالِي بِنَذْرِهِ) بِلِسَانِهِ (اعْتِكَافَ أَيَّامٍ وِلَاءً) أَيْ مُتَتَابِعَةً وَإِنْ لَمْ يَشْتَرِطْ التَّتَابُعَ (كَعَكْسِهِ) لِأَنَّ ذِكْرَ أَحَدِ الْعَدَدَيْنِ بِلَفْظِ الْجَمْعِ وَكَذَا التَّثْنِيَةُ يَتَنَاوَلُ الْآخَرَ

معتکف کے لیے مسجد میں کھانے پینے کی اجازت

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ شریعت نے معتکف کے لیے خصوصی طور پر مسجد میں کھانے پینے کی اجازت دی ہے، نیز ان معاملات کی بھی اجازت دی ہے جن کی معتکف کو اپنی ذات یا اپنے بال بچوں کے لیے ضرورت ہو، لیکن مسجد میں تجارت کرنا خواہ مسجد میں سامان نہ لایا جائے مکروہ ہے۔ اسی طرح معتکف کے لیے مسجد میں فروخت کرنا، نکاح کرنا اور رجعت کرنا سب مکروہ ہے، اگر معتکف ان اُمور کے واسطے مسجد سے باہر نکلے گا تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا، کیونکہ ان کاموں کے لیے نکلنے کی ضرورت نہیں ہے۔

معتکف کے واسطے سامانِ بیع کو مسجد میں حاضر کرنا مکروہِ تحریمی ہے، جیسا کہ غیر معتکف کے لیے مسجد میں خرید و فروخت کرنا مطلقاً مکروہ ہے، کیونکہ مسجد میں ان کاموں سے روکا گیا ہے۔ (چناں چہ ابوداؤد شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد میں خرید و فروخت سے منع فرمایا ہے، نیز مسجد میں گم شدہ چیز کے اعلان کرنے سے، مسجد میں برے اشعار پڑھنے سے اور جمعہ کے دن مسجد میں نماز سے پہلے حلقہ لگا کر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے)۔ (ابوداؤد رقم الحدیث/۱۰۷۹، مسند احمد: ۲/۱۷۸)

غیر معتکف کے لیے مسجد میں کھانا پینا

اسی طرح غیر معتکف کے لیے مسجد میں کھانا پینا اور سونا مکروہ ہے، البتہ مسافر کے لیے مسجد میں کھانے پینے اور سونے کی اجازت ہے، جیسا کہ الاشباہ والنظائر میں ہے۔ اور ہم باب الوتر سے پہلے یہ بیان کر چکے ہیں، لیکن ابن الکمال نے کہا کہ غیر معتکف کے لیے بھی مسجد میں کھانا پینا اور سونا مطلقاً مکروہ نہیں ہے، اسی طرح مجتبیٰ نامی کتاب میں ہے۔

اعتکاف کی حالت میں خاموشی کو عبادت سمجھنا

خاموشی کو عبادت سمجھ کر معتکف کے لیے چپ چاپ رہنا مکروہ تحریمی ہے، ہاں اگر یہ اعتقاد نہ ہو بلکہ صرف اس حدیث کی وجہ سے خاموش رہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ''جس نے خاموشی اختیار کی اس نے نجات پائی''۔ تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، البتہ بری باتوں اور دنیاوی جنگ وجدال اور لڑائی جھگڑے سے خاموشی اختیار کرنا واجب ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ''اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم کرے کہ جب وہ بات چیت کرے تو غنیمت حاصل کرے اور جب وہ خاموش رہے تو سلامتی پائے''، جیسا کہ غرر الاذکار نامی کتاب میں ہے۔

اعتکاف کی حالت میں بکواس کرنا مکروہ ہے، ہاں اچھی اور خیر کی بات کرنا جس میں گناہ نہیں ہے کوئی حرج نہیں ہے۔ اور جس کلام میں گناہ نہیں ہے وہ مباح کلام کے اندر داخل ہے، جب کلام مباح کی ضرورت ہو تو کر سکتا ہے، البتہ بلا ضرورت معتکف کو بات چیت نہیں کرنی چاہئے۔ اور فتح القدیر میں جو یہ مسئلہ لکھا ہے کہ مسجد میں بات چیت کرنی مکروہ ہے اور مسجد میں بات چیت کرنے سے نیکیاں اس طرح ضائع ہو جاتی ہیں جس طرح آگ لکڑی کو جلا ڈالتی ہے، اسی پر محمول ہے جیسا کہ النہر الفائق میں اس کی تحقیق کی گئی ہے۔

مسجد میں کلام خیر کی اجازت ہے

مسجد میں کلامِ خیر کی اجازت ہے اور کلامِ خیر کرنے میں قرآنِ کریم کا پڑھنا، علمِ حدیث سیکھنا، سیرتِ رسول ﷺ کا درس دینا، انبیاء ورسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کے قصوں کو بیان کرنا، نیز بزرگوں کے واقعات کو بیان کرنا اور دینی باتوں کو لکھنا داخل ہیں۔

ان افعال کا بیان جن سے اعتکاف باطل ہو جاتا ہے

اعتکاف کی حالت میں فرج یا دُبر میں وطی کرنے سے، خواہ وطی کرنے سے انزال ہوا ہو خواہ نہ ہوا ہو، خواہ یہ وطی مسجد کے باہر ہو یا اندر، رات میں یا دن میں، جان بوجھ کر ہو یا بھول کر، بہر صورت اعتکاف باطل ہو جائے گا، اس بارے میں اصح ترین مذہب یہی ہے، کیونکہ حالتِ اعتکاف خود یاد دلانے والی حالت ہے۔ (قرآن پاک میں اللہ ربّ العزت نے صراحت کے ساتھ معتکفین کو مباشرت کرنے سے منع فرمایا ہے، چناں چہ ارشادِ باری ہے: ﴿وَ لَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَ اَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِی

الْمَسٰجِدِ) یعنی جب تم مسجد میں اعتکاف کی حالت میں رہو تو تم اپنی بیویوں سے صحبت نہ کرو۔ اگر معتکف نے کسی کا بوسہ لے لیا، یا چھوا، یا ران میں وطی کی اور ان تمام صورتوں میں انزال ہو گیا تو اس سے اعتکاف باطل ہو جائے گا۔ اور اگر مذکورہ کام کی وجہ سے انزال نہیں ہوا تو اعتکاف باطل نہ ہوگا، لیکن اس طرح کی تمام حرکتیں حالتِ اعتکاف میں کرنا حرام ہیں اور ان سے احتراز کرنا ضروری ہے، اس کی ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے۔

وہ افعال جن کے ارتکاب سے اعتکاف باطل نہیں ہوتا ہے

اگر معتکف نے کسی عورت یا لڑکے کے بارے میں خوب غور و فکر کیا، یا کسی حسین و جمیل آدمی کی طرف دیکھا اور اس کی وجہ سے انزال ہو گیا تو اس سے اعتکاف باطل نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر رات میں نشہ طاری ہو گیا، یا معتکف نے بھول کر کھا لیا تو اس سے بھی اعتکاف باطل نہ ہوگا، کیونکہ بھول کر کھانے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا ہے، اگر کسی معتکف نے جان بوجھ کر کھا لیا یا وہ مرتد ہو گیا تو اس کی وجہ سے اعتکاف باطل ہو جائے گا۔

ایک ضابطہ کلیہ کا بیان:

علامہ شامیؒ نے یہاں ایک اصول اور ضابطہ بیان کیا ہے کہ جو چیزیں اعتکاف کی وجہ سے ممنوع ہیں اگر وہ بھول کر کی جائیں یا قصد و ارادہ سے، خواہ دن میں ہو خواہ رات میں ہو، بہر صورت اعتکاف فاسد ہوگا، جیسے مسجد سے نکلنا، جماع کرنا وغیرہ اعتکاف کی وجہ سے ممنوع ہیں۔ اور جو چیزیں اعتکاف میں روزہ کی وجہ سے ممنوع ہیں تو ان میں بھول کر اور جان بوجھ کر استعمال کرنے میں فرق آتا ہے، جیسے اکل و شرب ہے، پہلی صورت میں ہر حالت میں اعتکاف فاسد ہو جائے گا اور دوسری صورت میں بھول کر ہونے سے اعتکاف فاسد نہ ہوگا۔ (شامی: ۳/ ۴۴۳)

حالتِ اعتکاف میں پاگل اور بے ہوش ہونا

اگر معتکف حالتِ اعتکاف میں بے ہوش ہو جائے یا پاگل ہو جائے تو اس سے بھی اعتکاف فاسد نہیں ہوتا ہے، اگرچہ جنون و بے ہوشی مسلسل چند دنوں تک پائی جائے، ہاں اگر معتکف کا جنون ایک سال تک رہ گیا تو اس صورت میں استحساناً اعتکاف کی قضاء کرے گا۔ (لیکن قیاس کا تقاضہ یہ تھا کہ قضاء نہ کی جائے، جس طرح کہ پورا رمضان اگر کوئی بے ہوش یا پاگل رہا اور رمضان نکلنے کے بعد ہوش آیا تو اس کے ذمہ رمضان کے روزوں کی قضاء لازم نہیں ہے۔ اور استحسان کی وجہ یہ ہے کہ رمضان کا روزہ جنون کی وجہ سے اس لیے ساقط ہو جاتا ہے اور قضاء لازم نہیں ہوتی ہے کہ رمضان ہر سال آتا ہے اس کی قضاء میں حرج واقع ہوگا اور چونکہ اعتکاف میں یہ بات نہیں ہے اس لیے قضاء لازم ہوتی ہے)۔ (شامی: ۳/ ۴۴۳)

چند دن اعتکاف کی نذر ماننا

اگر کوئی شخص اپنی زبان سے چند دن مسلسل اعتکاف کی نذر مانے تو اس پر ان دنوں کی راتوں میں بھی مسلسل اعتکاف لازم ہوگا، اگر چہ نذر ماننے والے نے لگا تار کی قید نہ لگائی ہو، جیسا کہ اس کے برعکس ہونے کی صورت میں (یعنی اگر کسی نے صرف راتوں میں اعتکاف کرنے کی نذر مانی تو دن بھی شامل ہوجائے گا، کیونکہ دونوں میں سے کسی ایک کا ذکر جب جمع یا تثنیہ کے ساتھ ہوگا تو دوسرے کو بھی شامل ہوگا، عرف وعادت یہی ہے، چناں چہ اگر کوئی شخص یوں کہے کہ: ''میں فلاں کے پاس تین دن رہا'' تو اس میں راتیں بھی داخل ہوں گی)۔ (شامی: ۳/ ۴۴۳)

(فَلَوْ نَوَى فِي) نَذْرِ (الْأَيَّامِ النَّهَارَ خَاصَّةً صَحَّتْ نِيَّتُهُ) لِنِيَّتِهِ الْحَقِيقَةَ (وَإِنْ نَوَى بِهَا) أَيْ بِالْأَيَّامِ (اللَّيَالِيَ لَا) بَلْ يَلْزَمُهُ كِلَاهُمَا (كَمَا لَوْ نَذَرَ اعْتِكَافَ شَهْرٍ وَنَوَى النَّهَارَ خَاصَّةً أَوْ) نَوَى (عَكْسَهُ) أَيْ اللَّيَالِيَ خَاصَّةً فَإِنَّهُ لَا تَصِحُّ نِيَّتُهُ لِأَنَّ الشَّهْرَ اسْمٌ لِمُقَدَّرٍ يَشْمَلُ الْأَيَّامَ وَاللَّيَالِيَ فَلَا يَحْتَمِلُ مَا دُونَهُ إِلَّا أَنْ يَسْتَثْنِيَ اللَّيَالِيَ فَيَخْتَصُّ بِالنَّهَارِ، وَلَوْ اسْتَثْنَى الْأَيَّامَ صَحَّ وَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ لِمَا مَرَّ. وَاعْلَمْ أَنَّ اللَّيَالِيَ تَابِعَةٌ لِلْأَيَّامِ إِلَّا لَيْلَةَ عَرَفَةَ وَلَيَالِيَ النَّحْرِ فَتَبَعٌ لِلنُّهُرِ الْمَاضِيَةِ رِفْقًا بِالنَّاسِ، كَمَا فِي أُضْحِيَّةِ الْوَلْوَالِجِيَّةِ. هَذَا، وَلَيْلَةُ الْقَدْرِ دَائِرَةٌ فِي رَمَضَانَ اتِّفَاقًا إِلَّا أَنَّهَا تَتَقَدَّمُ وَتَتَأَخَّرُ خِلَافًا لَهُمَا، وَثَمَرَتُهُ فِيمَنْ قَالَ بَعْدَ لَيْلَةٍ مِنْهُ أَنْتِ حُرٌّ أَوْ أَنْتِ طَالِقٌ لَيْلَةَ الْقَدْرِ فَعِنْدَهُ لَا يَقَعُ حَتَّى يَنْسَلِخَ شَهْرُ رَمَضَانَ الْآتِي لِجَوَازِ كَوْنِهَا فِي الْأَوَّلِ وَ فِي الْأُولَى وَ فِي الْآتِي فِي الْأَخِيرَةِ وَقَالَا يَقَعُ إِذَا مَضَى مِثْلُ تِلْكَ اللَّيْلَةِ فِي الْآتِي، وَلَا خِلَافَ أَنَّهُ لَوْ قَالَ: قَبْلَ دُخُولِ رَمَضَانَ وَقَعَ بِمُضِيِّهِ قَالَ فِي الْمُحِيطِ وَالْفَتْوَى عَلَى قَوْلِ الْإِمَامِ لَكِنْ قَيَّدَهُ بِكَوْنِ الْحَالِفِ فَقِيهًا يَعْرِفُ الِاخْتِلَافَ وَإِلَّا فَهِيَ لَيْلَةُ السَّابِعِ وَالْعِشْرِينَ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ.

خاص طور پر دن کی نذر ماننا

اگر کسی نے چند ایام اعتکاف کرنے کی نذر مانی اور ایام سے خاص طور پر دن والے حصہ کی نیت کی، رات کی نیت نہیں کی تو اس کی یہ نیت درست ہوگی، کیونکہ اس نے لفظ ''نہار'' کے حقیقت لغوی کی نیت کی ہے۔ (اگر چہ عرف عام میں یوم، دن اور رات کے مجموعہ کو کہا جاتا ہے، لیکن چونکہ اس نے اس کی نیت نہیں کی ہے اس لیے یہ داخل نہ ہوگا)۔

اور اگر نذر ماننے والے نے ایام بول کر صرف رات کی نیت کی ہے تو اس کی یہ نیت درست نہیں ہوگی بلکہ رات و دن دونوں میں اعتکاف لازم ہوگا، جس طرح کہ اگر کوئی شخص ایک ماہ کے اعتکاف کی نذر مانے اور وہ صرف دنوں میں اعتکاف کی

نیت کرے، یا کوئی شخص ایک ماہ کے اعتکاف کی نذر مانے اور صرف راتوں میں اعتکاف کی نیت کرے تو ان صورتوں میں اس کی یہ نیت درست نہیں ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مہینہ ایک متعین مقدار کا نام ہے جو دن و رات دونوں کو شامل ہوتا ہے، لہٰذا اس سے کم مراد لینا درست نہیں ہے، ہاں اگر وہ رات کو سرے ہی سے مستثنیٰ کر دے تو اس صورت میں صرف دنوں کا اعتکاف اس پر لازم ہوگا۔ اور اگر اس نے دنوں کا استثناء کیا تو یہ بھی صحیح ہوگا اور اس پر کچھ بھی لازم نہیں ہوگا جیسا کہ پہلے بھی گذر چکا ہے۔ (جہاں یہ بتایا گیا ہے کہ راتیں روزہ کا محل نہیں ہیں اس لیے صرف راتوں کے اعتکاف کی نذر بھی درست نہ ہوگی)۔

چند راتوں کے علاوہ تمام راتیں دن کے تابع ہیں

شارح فرماتے ہیں کہ یہ بات خوب اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ تمام راتیں آنے والے دنوں کے تابع ہوتی ہیں، البتہ عرفہ اور قربانی کے دنوں کی راتیں آنے والے دنوں کے تابع نہیں ہوتی ہیں، بلکہ وہ راتیں گذرے ہوئے دنوں کے تابع ہوتی ہیں۔ اور یہ لوگوں کی سہولت کے پیش نظر ہے، جیسا کہ ولوالجیہ کی کتاب الاضحیہ میں اس کی صراحت موجود ہے، لہٰذا اس کو یاد رکھنا چاہئے۔ (خلاصہ یہ ہے کہ پورے سال میں چار راتوں کو چھوڑ کر تمام راتیں آنے والے دن کے تابع ہوتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ رمضان کا چاند نظر آتے ہی تراویح شروع ہو جاتی ہے بعد میں روزہ رکھا جاتا ہے اور چاند نظر آتے ہی تراویح بند کر دی جاتی ہے)۔

شب قدر کی تاریخ متعین نہیں

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ شب قدر پورے رمضان المبارک میں گھومتی رہتی ہے اور یہ متفقہ مسئلہ ہے۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک شب قدر رمضان میں آگے پیچھے ہوتی رہتی ہے، البتہ حضرات صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ ایسا نہیں ہوتا ہے بلکہ شب قدر کی تاریخ متعین ہے۔

ثمرۂ اختلاف ائمہ

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور حضرات صاحبینؒ کے درمیان شب قدر کی تعیین اور عدم تعیین کے متعلق جو اختلاف ہے اس کا ثمرہ اس صورت میں ظاہر ہوگا جب کہ کسی نے رمضان کی پہلی تاریخ گذر جانے کے بعد اپنے غلام سے کہا کہ تو شب قدر میں آزاد ہے، یا شوہر نے بیوی سے کہا کہ تو شب قدر میں طلاق والی ہے، تو اس صورت میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک نہ غلام آزاد ہوگا نہ بیوی پر طلاق واقع ہوگی، جب تک کہ آنے والا دوسرا رمضان پورا گذر نہ جائے، اس لیے کہ یہ بات ممکن ہے کہ جس رمضان میں اس نے یہ جملہ کہا ہے اس کی شب قدر رمضان کی پہلی تاریخ میں گذر چکی ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ دوسرے رمضان میں شب قدر بالکل اخیر تاریخ میں واقع ہو۔

اور حضرات صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ پہلے رمضان کی جس تاریخ کو کہا تھا جب وہی تاریخ دوسرے رمضان میں آکر گذر

جائے گی بیوی پر طلاق ہوجائے گی اور غلام آزاد ہوجائے گا، البتہ اگر اس نے یہ جملہ رمضان کے داخل ہونے سے پہلے کہا تھا تو اسی پہلے رمضان کے گذرنے سے غلام آزاد ہوجائے گا اور بیوی پر طلاق ہوجائے گی، اس میں کسی بھی امام کا اختلاف نہیں ہے۔ اور محیط نامی کتاب میں اس کی تصریح ہے کہ اس مسئلہ میں فتویٰ امام اعظمؒ کے قول پر ہے، لیکن صاحب محیط اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ امام صاحب کے قول پر فتویٰ اس صورت میں ہے جب جملہ استعمال کرنے والا فقیہ ہو اور اختلاف کا علم رکھتا ہو۔ اور اگر قسم کھانے والا شخص عوام الناس میں سے ہو تو اس کے لیے شب قدر ستائیسویں رمضان کا ہے، کیونکہ عام طور پر یہی معروف و مشہور ہے اور بہت سے علمائے کرام نے یہی کہا ہے، لہٰذا ۲۷/ رمضان کے گذرتے ہی طلاق واقع ہوجائے گی اور غلام آزاد ہوجائے گا۔ فقط واللہ أعلم بالصواب وإليه المتاب

كِتَابُ الْحَجِّ

یہ کتاب حج کے احکام و مسائل کے بیان میں ہے

(هُوَ) بِفَتْحِ الْحَاءِ وَكَسْرِهَا لُغَةً: الْقَصْدُ إلَى مُعَظَّمٍ لَا مُطْلَقُ الْقَصْدِ كَمَا ظَنَّهُ بَعْضُهُمْ. وَشَرْعًا (زِيَارَةُ) أَيْ طَوَافٌ وَوُقُوفٌ (مَكَانٍ مَخْصُوصٍ) أَيْ الْكَعْبَةِ وَعَرَفَةَ (فِي زَمَنٍ مَخْصُوصٍ) فِي الطَّوَافِ مِنْ فَجْرِ النَّحْرِ إلَى آخِرِ الْعُمْرِ وَ فِي الْوُقُوفِ مِنْ زَوَالِ شَمْسِ عَرَفَةَ لِفَجْرِ النَّحْرِ (بِفِعْلٍ مَخْصُوصٍ) بِأَنْ يَكُونَ مُحْرِمًا بِنِيَّةِ الْحَجِّ سَابِقًا كَمَا سَيَجِيءُ لَمْ يَقُلْ لِأَدَاءِ رُكْنٍ مِنْ أَرْكَانِ الدِّينِ لِيَعُمَّ حَجَّ النَّفْلِ. (فُرِضَ) سَنَةَ تِسْعٍ وَإِنَّمَا أَخَّرَهُ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - لِعَشْرٍ لِعُذْرٍ مَعَ عِلْمِهِ بِبَقَاءِ حَيَاتِهِ لِيُكْمِلَ التَّبْلِيغَ (مَرَّةً) لِأَنَّ سَبَبَهُ الْبَيْتُ وَهُوَ وَاحِدٌ وَالزِّيَادَةُ تَطَوُّعٌ وَقَدْ تَجِبُ كَمَا إذَا جَاوَزَ الْمِيقَاتَ بِلَا إحْرَامٍ فَإِنَّهُ كَمَا سَيَجِيءُ يَجِبُ عَلَيْهِ أَحَدُ النُّسُكَيْنِ فَإِنْ اخْتَارَ الْحَجَّ اتَّصَفَ بِالْوُجُوبِ وَقَدْ يَتَّصِفُ بِالْحُرْمَةِ كَالْحَجِّ بِمَالٍ حَرَامٍ، وَبِالْكَرَاهَةِ كَالْحَجِّ بِلَا إذْنٍ مِمَّنْ يَجِبُ اسْتِئْذَانُهُ وَ فِي النَّوَازِلِ: لَوْ كَانَ الِابْنُ صَبِيًّا فَلِلْأَبِ مَنْعُهُ حَتَّى يَلْتَحِيَ (عَلَى الْفَوْرِ) فِي الْعَامِ الْأَوَّلِ عِنْدَ الثَّانِي وَأَصَحُّ الرِّوَايَتَيْنِ عَنْ الْإِمَامِ وَمَالِكٍ وَأَحْمَدَ فَيَفْسُقُ وَتُرَدُّ شَهَادَتُهُ بِتَأْخِيرِهِ أَيْ سِنِينَا لِأَنَّ تَأْخِيرَهُ صَغِيرَةٌ وَبِارْتِكَابِهِ مَرَّةً لَا يَفْسُقُ إلَّا بِالْإِصْرَارِ بَحْرٌ وَوَجْهُهُ أَنَّ الْفَوْرِيَّةَ ظَنِّيَّةٌ لِأَنَّ دَلِيلَ الِاحْتِيَاطِ ظَنِّيٌّ، وَلِذَا أَجْمَعُوا أَنَّهُ لَوْ تَرَاخَى كَانَ أَدَاءً وَإِنْ أَثِمَ بِمَوْتِهِ قَبْلَهُ وَقَالُوا لَوْ لَمْ يَحُجَّ حَتَّى أَتْلَفَ مَالَهُ وَسِعَهُ أَنْ يَسْتَقْرِضَ وَيَحُجَّ وَلَوْ غَيْرَ قَادِرٍ عَلَى وَفَائِهِ وَيُرْجَى أَنْ لَا يُؤَاخِذَهُ اللَّهُ بِذَلِكَ، أَيْ لَوْ نَاوِيًا وَفَاءً إذَا قَدَرَ كَمَا قَيَّدَهُ فِي الظَّهِيرِيَّةِ.

ترجمہ وتشریح: جب مصنف علیہ الرحمہ زکوۃ اور روزے کے احکام ومسائل کے بیان سے فارغ ہو چکے تو اب حج کے احکام کو بیان کرنے جا رہے ہیں، چوں کہ حج عبادتِ بدنیہ اور عبادتِ مالیہ دونوں سے مرکب ہے اس لیے اس کا ذکر بعد میں کر رہے ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ حج ارکانِ اسلام میں سے پانچواں رکن ہے اور اس کا پانچواں درجہ ہے اس لیے حج کے مسائل کو اخیر میں لا رہے ہیں۔

حج کے لغوی واصطلاحی معنی

لفظ "حج" حاء کے زبر اور زیر دونوں کے ساتھ مستعمل ہے۔ اس کے لغوی معنی: عظیم الشان چیز کی طرف ارادہ کرنا ہے۔ حج کا لفظ مطلق ارادہ کے معنی میں نہیں آتا ہے، جیسا کہ بعض علماء کا خیال ہے، الحج: لغت میں قصد وارادہ کے معنی میں آتا ہے جیسا کہ اہل عرب کہتے ہیں: حَجَّ إلینا فلان فلاں آدمی ہمارے پاس آیا۔ (لسان العرب: ۲/۷۷۹، المغرب: ۱/۱۸۰، المصباح المنیر: ۱/۱۲۱)

حج کی اصطلاحی تعریف چاروں ائمہ کرام نے الگ الگ کی ہے چناں چہ علمائے احناف نے حج کی تعریف یہ کی ہے کہ حج نام ہے مخصوص جگہ یعنی بیت اللہ شریف کے قصد کرنے کا مخصوص صفت کے ساتھ مخصوص وقت میں مخصوص شرائط کے ساتھ۔

اور علمائے شوافع نے کہا کہ حج نام ہے بیت اللہ شریف کا حج کے لیے قصد وارادہ کرنے کا۔ اور مالکیہ فرماتے ہیں کہ حج کہتے ہیں کہ دسویں ذی الحجہ کی رات کو عرفہ میں ٹھہرنے، بیت اللہ کے سات مرتبہ طواف کرنے اور صفا ومروہ کے درمیان سعی کرنے کو، مخصوص طریقہ سے، احرام کی حالت میں۔ اور حنابلہ نے حج کی اصطلاحی تعریف یوں فرمائی ہے کہ: مخصوص زمانے میں بغرضِ حج مکہ مکرمہ کے قصد کرنے کا نام حج ہے۔ (الاختیار/۱۷۷، مغنی المحتاج: ۱/۴۶۰، نہایۃ المحتاج: ۳/۲۲۲، الشرح الکبیر: ۲/۲۰۲، حاشیۃ العدوی: ۱/۴۵۳، المبدع: ۳/۲۸۳، کشف القناع: ۳/۳۷۵، علی ہامش الشامی: ۳/۴۴۷، مطبوعہ زکریا بکڈپو دیوبند)

حج کی تعریف شریعت کی اصطلاح میں

اور حج شریعت کی اصطلاح میں مخصوص جگہ کی مخصوص وقت میں، مخصوص فعل کے ساتھ زیارت کرنا ہے۔ شارح فرماتے ہیں کہ یہاں زیارت سے مراد طواف بیت اللہ اور وقوف عرفہ ہے۔ اور مخصوص جگہ سے مراد کعبۃ اللہ اور عرفات ہے۔ اور زمانہ مخصوص طواف کے واسطے دسویں ذی الحجہ کی فجر کے طلوع سے لے کر اخیر عمر تک ہے۔ اور وقوف عرفہ کا وقت نویں ذی الحجہ کے آفتاب ڈھلنے سے لے کر قربانی کی فجر تک ہے۔ اور مخصوص فعل یہ ہے کہ حج کی نیت کر کے احرام باندھ لے، حج کی نیت، احرام، طواف اور وقوف عرفہ سے پہلے ہو، جیسا کہ اس کی تفصیل عنقریب آنے والی ہے۔

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے یہ نہیں فرمایا کہ: "دین اسلام کے ارکان میں سے ایک رکن کی ادائیگی کے لیے مخصوص جگہ کی، مخصوص وقت میں، مخصوص فعل کے ساتھ زیارت کرنا حج ہے"، تا کہ اس کے اندر حج نفل

بھی شامل ہو جائے، اس لیے کہ نفلی حج کے لیے بھی مذکورہ چیزیں ضروری ہیں لیکن رکن اسلام نہیں ہیں، اسی کے پیش نظر مصنف نے لِأَدَاءِ رُكْنٍ مِن أَرْكَانِ الدِّين کے الفاظ سے حج کی تعریف نہیں فرمائی ہے، جیسا کہ اہل علم وفہم اور صاحب بصیرت پر یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے۔

حج کس سن میں فرض ہوا؟

حج کی فرضیت کب ہوئی؟ اس بارے میں حضرات علمائے کرام کے اقوال مختلف ہیں، چناں چہ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ حج ۵ ھ میں فرض ہوا، لیکن اکثر علمائے کرام اس کے قائل ہیں کہ حج کی فرضیت ٦ ھ میں ہوئی ہے، لیکن اس بارے میں اصح ترین قول ان علمائے کرام کا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ حج ۹ ھ میں فرض ہوا ہے، جب اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا کہ: {وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِينَ} (آل عمران: ۹۷) اور اللہ تعالیٰ ہی کے واسطے بیت اللہ شریف کا حج کرنا ان لوگوں پر لازم ہے جو بیت اللہ شریف تک جانے کی استطاعت رکھتے ہوں، اور حج کی استطاعت کے باوجود جو لوگ حج نہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ سارے عالم سے بے نیاز ہے۔

نیز حج کی فرضیت حدیث شریف سے بھی ثابت ہے، رسول اکرم ﷺ نے حضرات صحابہ کرام کو خصوصی طور پر اور قیامت تک آنے والی ساری امت کو عمومی طور پر مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: "يٰأَيُّهَا النَّاس! قد فرض عليكم الحج فحجّوا"۔ اے لوگو! تم پر حج فرض کیا گیا لہٰذا تم حج کیا کرو۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ حج فرض ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب

اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب حج ۹ ھ میں فرض ہو چکا تھا تو رسول اکرم ﷺ نے حج کو مؤخر کر کے ۱۰ ھ میں کیوں ادا فرمایا، جس سال حج فرض ہوا تھا اسی سال کیوں نہیں ادا فرمایا؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے عذر کی وجہ سے حج کو دسویں ہجری تک مؤخر فرمایا اور ۱۰ ھ میں حج فرمایا، رسول اللہ ﷺ کو حج فرض ہونے کے وقت آئندہ سال تک زندہ رہنے کا علم تھا تا کہ تبلیغ رسالت کی تکمیل کر سکیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ چوں کہ حج کی فرضیت ۹ ھ کے بالکل اخیر میں ہوئی تھی، اس لیے رسول اکرم ﷺ افعال حج کی تعلیم میں مشغولیت اور سال آئندہ کے لیے سفر حج کے اسباب کی تیاری میں مشغولیت کی وجہ سے خود حج کے لیے تشریف نہیں لے جا سکے، بلکہ اس سال حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حاجیوں کا امیر بنا کر مکہ مکرمہ روانہ فرما دیا تا کہ وہ لوگوں کو حج کرا دیں، پھر آپ بذات خود آئندہ سال ۱۰ ھ میں حج کے لیے تشریف لے گئے اور یہ آپ ﷺ کا آخری حج تھا، اسی وجہ سے یہ حجۃ الوداع کے نام سے مشہور ہوا اور اس حج کے بعد ۱۱ ھ میں آپ ﷺ اس دنیا سے پردہ فرما گئے۔

حج پوری زندگی میں صرف ایک بار فرض ہے

حج تمام عمر میں صرف ایک بار فرض ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حج کا سبب بیت اللہ شریف ہے اور وہ ایک ہے اس لیے ایک ہی بار فرض ہے، ایک بار سے زیادہ حج کرنا نفل ہے۔ (حدیث شریف میں ہے کہ جب رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: أيها الناس! قد فرض عليكم الحج فحجوا۔ اے لوگو! تم پر حج کو فرض کیا گیا ہے لہٰذا حج کیا کرو، تو ایک صحابی جن کا نام اقرع بن حابس ہے انھوں نے رسولِ اکرم ﷺ سے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا حج کرنا ہر سال فرض ہے یا صرف پوری زندگی میں ایک مرتبہ؟ آپ ﷺ نے یہ سوال سن کر سکوت اختیار فرمایا یہاں تک کہ ان صحابی نے تین بار دریافت کیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں یہ کہہ دیتا کہ ہاں ہر سال حج فرض ہے تو تم پر حج ہر سال فرض ہو جاتا، پھر تم اس کے ادا کرنے کی طاقت نہ رکھتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ صرف ایک بار زندگی میں حج فرض ہے اور جو ایک بار سے زیادہ حج کرے گا وہ نفل حج ہوگا۔

حج کی قسمیں

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ کبھی تو حج واجب ہو جاتا ہے، اس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ اگر کوئی شخص بغیر احرام باندھے حج کے میقات سے گذر جائے تو اس پر حج یا عمرہ واجب ہو جائے گا جیسا کہ اس کا تفصیلی ذکر آئندہ آنے والا ہے، چناں چہ اب جب وہ حج کرے گا تو حج واجب کہلائے گا۔ اور کبھی حج حرام ہوتا ہے جیسے کہ اگر کوئی شخص حرام مال سے حج کرے (مثلاً: چوری، ڈکیتی، رشوت، سود، غصب وغیرہ سے حاصل شدہ مال) تو اس طرح کے مال سے جو حج کیا جائے گا وہ حج حرام ہوگا۔ (اور حج حرام ہونے کا مطلب یہ ہے کہ حج میں مال حرام خرچ کرنا حرام ہے فی نفسہٖ حج حرام نہیں ہے جو مکانِ مخصوص کی افعالِ مخصوصہ کے ساتھ زیارت کرنے کا نام ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص حرام مال سے حج کرے گا تو اس کے ذمہ سے فرض ساقط ہو جائے گا۔ اور یہ مسئلہ ایسا ہی ہے کہ اگر کوئی شخص مغصوبہ زمین میں نماز پڑھے تو نماز تو ہو جائے گی لیکن دوسروں کی زمین میں بلا اجازت نماز ادا کرنا حرام ہے۔ (شامی: ۳/ ۴۵۳)

اور حج کبھی مکروہ ہو جاتا ہے جیسے کہ اس شخص کی اجازت کے بغیر حج کرنا جس کی اجازت حاصل کرنا واجب ہے۔ (جیسے کہ اگر والدین خدمت کے محتاج ہوں تو ان کی اجازت کے بغیر سفر حج میں جانا مکروہ ہے، اسی طرح ایسا مقروض جس کے پاس قرض کی ادائیگی کے لیے مال نہیں ہے وہ قرض خواہوں کی اجازت کے بغیر حج میں جائے، یا کفیل کی اجازت کے بغیر حج میں جائے یہ مکروہ تحریمی ہے۔ (شامی: ۳/ ۴۵۴)

بے ریش امرد لڑکے کو حج سے منع کرنا

اور "نوازل" میں لکھا ہے کہ اگر کسی کا لڑکا حسین الوجہ خوب صورت ہو اور چہرے پر داڑھی نہ ہو تو باپ اس کو سفر حج میں

جانے سے روک سکتا ہے، یہاں تک کہ اس کے چہرے پر داڑھی اُگ آئے۔(بلکہ اس طرح کے صبیح الوجہ بے ریش امرد لڑکے کو اگر باپ گھر ہی سے نکلنا منع کر دے تو یہ بھی جائز ہے)۔

حج کی ادائیگی علی الفور واجب ہے یا علی التراخی؟

حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک پوری زندگی میں ایک مرتبہ پہلے سال حج فرض ہے۔اور حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ، حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی دو روایتوں میں سے اصح ترین روایت یہی ہے کہ حج علی الفور واجب ہے۔ (حج کی ادائیگی میں تاخیر کرنا احتیاط کے خلاف ہے، کیوں کہ کسی بھی فرد بشر کو موت کا حال معلوم نہیں ہے کہ موت کب آجائے گی۔ایک حدیث شریف میں ہے رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص حج کا ارادہ کرے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ جلدی کرے اس وجہ سے کہ کبھی آدمی بیمار پڑ جاتا ہے، کبھی سامان سفر ختم ہو جاتا ہے۔اور حضرت امام محمدؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک حج علی الفور فرض نہیں ہے بلکہ علی التراخی فرض ہے، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ زندگی میں فوت نہ ہونے پائے)۔

جن ائمہ کرام کے نزدیک صاحب استطاعت ہونے کے بعد فوراً حج فرض ہو جاتا ہے ان کے نزدیک اگر اس نے اس سال حج نہ کیا اور چند سال تک تاخیر کر دیا تو وہ شخص فاسق اور مردود الشہادۃ قرار پائے گا، کیوں کہ حج فرض ہونے کے باوجود بلا عذر تاخیر کرنا گناہ صغیرہ ہے اور گناہ صغیرہ کے ایک بار کرنے سے فاسق تو نہیں ہوتا ہے؛ البتہ اگر کوئی شخص گناہ صغیرہ کے ارتکاب پر اصرار کرے تو اس سے فاسق ہو جاتا ہے، جیسا کہ یہ مسئلہ البحر الرائق میں ہے۔اور ادائیگی حج میں تاخیر کرنا گناہ صغیرہ ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ حج علی الفور فرض ہونے کی دلیل ظنی ہے، اس لیے کہ وہ دلیل جو احتیاط پر مبنی ہوتی ہے وہ ظنی ہوتی ہے نہ کہ قطعی اور گناہ کبیرہ دلیل قطعی سے ثابت ہوتا ہے ظنی سے نہیں، اسی وجہ حضرات فقہائے کرام کا اس بات پر اجماع ہے کہ اگر کسی نے حج فرض ہونے کے بعد باوجود قدرت کے چند سال تک تاخیر کی پھر حج ادا کیا تو یہ حج ادا ہی کہلائے گا قضا نہیں کہلائے گا، لیکن اگر وہ حج ادا کرنے سے پہلے انتقال کر گیا تو اب گناہ گار ہوگا۔

حج فرض ہونے کے بعد مال ہلاک ہو جائے تو کیا حکم ہے؟

اور حضرات فقہائے کرام نے یہ فرمایا کہ اگر صاحب استطاعت نے حج نہیں کیا یہاں تک کہ اس کا مال جس سے حج میں جاتا سب ضائع ہو گیا یا ہلاک ہو گیا تو اس کے لیے یہ اجازت ہے کہ وہ قرض لے کر حج فرض ادا کرے اور اگر اس کو قرض کی ادائیگی کی قدرت نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کی ذات سے اُمید واثق ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے مواخذہ نہیں فرمائے گا، بشرطیکہ عند القدرۃ قرض کی ادائیگی کی نیت ہو، چنانچہ فتاویٰ ظہیریہ میں یہی قید لگائی ہے۔(علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ایسی صورت میں قرض لینا لازم ہے)۔

(عَلَى مُسْلِمٍ) لِأَنَّ الْكَافِرَ غَيْرُ مُخَاطَبٍ بِفُرُوعِ الْإِيمَانِ فِي حَقِّ الْأَدَاءِ وَقَدْ حَقَّقْنَاهُ فِيمَا عَلَّقْنَاهُ عَلَى الْمَنَارِ (حُرٌّ مُكَلَّفٍ) عَالِمٌ بِفَرْضِيَّتِهِ إِمَّا بِالْكَوْنِ بِدَارِنَا وَإِمَّا بِإِخْبَارِ عَدْلٍ أَوْ مَسْتُورَيْنِ (صَحِيحِ) الْبَدَنِ (بَصِيرٍ) غَيْرِ مَحْبُوسٍ وَخَائِفٍ مِنْ سُلْطَانٍ يَمْنَعُ مِنْهُ (ذِي زَادٍ) يَصِحُّ بِهِ بَدَنُهُ فَالْمُعْتَادُ اللَّحْمَ وَنَحْوَهُ إِذَا قَدَرَ عَلَى خُبْزٍ وَجُبْنٍ لَا يُعَدُّ قَادِرًا (وَرَاحِلَةٍ) مُخْتَصَّةٍ بِهِ وَهُوَ الْمُسَمَّى بِالْمُقَتَّبِ إِنْ قَدَرَ وَإِلَّا فَتُشْتَرَطُ الْقُدْرَةُ عَلَى الْمَحَارَةِ لِلْآفَاقِيِّ لَا لِلْمَكِّيِّ يَسْتَطِيعُ الْمَشْيَ لِشَبَهِهِ بِالسَّعْيِ لِلْجُمُعَةِ، وَأَفَادَ أَنَّهُ لَوْ قَدَرَ عَلَى غَيْرِ الرَّاحِلَةِ مِنْ بَغْلٍ أَوْ حِمَارٍ لَمْ يَجِبْ قَالَ فِي الْبَحْرِ: وَلَمْ أَرَهُ صَرِيحًا وَإِنَّمَا صَرَّحُوا بِالْكَرَاهَةِ وَ فِي السِّرَاجِيَّةِ الْحَجُّ رَاكِبًا أَفْضَلُ مِنْهُ مَاشِيًا بِهِ يُفْتَى وَالْمُقَتَّبُ أَفْضَلُ مِنَ الْمَحَارَةِ وَ فِي إِجَارَةِ الْخُلَاصَةِ حِمْلُ الْجَمَلِ مِائَتَانِ وَأَرْبَعُونَ مَنًّا وَالْحِمَارِ مِائَةٌ وَخَمْسُونَ فَظَاهِرُهُ أَنَّ الْبَغْلَ كَالْحِمَارِ، وَلَوْ وَهَبَ الْأَبُ لِابْنِهِ مَالًا يَحُجُّ بِهِ لَمْ يَجِبْ قَبُولُهُ لِأَنَّ شَرَائِطَ الْوُجُوبِ لَا يَجِبُ تَحْصِيلُهَا وَهَذَا مِنْهَا بِاتِّفَاقِ الْفُقَهَاءِ خِلَافًا لِلْأُصُولِيِّينَ.

ادائیگیِ حج کے شرائط

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ حج کی ادائیگی صرف مسلمان پر فرض ہے، اس لیے کہ کافر فروع ایمان کے ادا کرنے کا مخاطب ہی نہیں ہیں (البتہ احکام اسلامیہ کے اعتقاد کے حق میں مخاطب ہیں)۔ شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ہم نے اس مسئلہ کو شرح المنار میں تحقیق کے ساتھ درج کردیا ہے۔ (یہ بات معلوم ہونی چاہئے کہ حضرت مصنف علیہ الرحمہ یہاں سے حج کے شرائط کو بیان کررہے ہیں اور شرائط حج تین طرح کے ہوتے ہیں: (۱) حج کے واجب ہونے کی شرائط۔ (۲) ادائیگیِ حج کی شرائط۔ (۳) حج کے صحیح ہونے کی شرائط۔

شرائط وجوبِ حج

حج کے واجب ہونے کے لیے کل آٹھ شرطیں ہیں جو ہم یہاں اختصار کے ساتھ درج کررہے ہیں، آٹھ شرطیں درج ذیل ہیں:

۱- مسلمان ہونا، لہٰذا کافروں پر حج فرض نہیں ہے۔
۲- عاقل ہونا، لہٰذا مجنون، بے ہوش اور مست پر حج فرض نہیں ہے۔
۳- بالغ ہونا، لہٰذا نابالغوں پر حج فرض نہیں ہے۔
۴- آزاد ہونا، لہٰذا غلاموں پر حج فرض نہیں ہے۔
۵- وقتِ حج کا پایا جانا، لہٰذا ایامِ حج کے علاوہ حج واجب نہیں ہے۔

۶- راستہ کے اخراجات پر قادر ہونا، لہٰذا جن کے پاس راستے کے اخراجات نہیں ہیں ان پر حج فرض نہیں ہے۔
۷- سواری کا پایا جانا، لہٰذا اگر وہاں تک پہنچنے کے لیے کوئی سواری نہ ملے تو حج واجب نہیں ہے۔
۸- حج کے فرض ہونے کا علم ہونا، لہٰذا جن کو حج کی فرضیت کا علم نہیں ہے ان پر حج فرض نہیں ہے۔

ادائیگیٔ حج کی شرائط

ادائیگیٔ حج کی پانچ شرطیں ہیں، یعنی جن شرطوں کے پائے جانے کے بعد حج ادا کرنا واجب ہوتا ہے وہ کل پانچ ہیں جو یہاں درج ہیں:

۱- صحت مند و تندرست ہونا، لہٰذا بیمار اور معذور شخص پر ادائیگیٔ حج فرض نہیں ہے۔
۲- موانع حسیہ کے زوال پر قادر ہونا۔
۳- راستہ کا مامون ہونا، لہٰذا اگر راستہ پر امن نہیں ہے بلکہ پر خطر ہے تو حج کی ادائیگی واجب نہیں ہے۔
۴- عورت کا ایام عدت میں نہ ہونا، لہٰذا اگر ایام عدت میں ہو تو اس پر ادائیگیٔ حج فرض نہیں ہے۔
۵- اگر حج کرنے والی عورت ہو تو اسکے ساتھ کوئی محرم وغیرہ کا ہونا۔

حج کے صحیح ہونے کی شرطیں

حج کے صحیح ہونے کے لیے کل چار شرطیں ہیں جو یہاں اختصار اور اجمالی طور پر ذکر کی جاتی ہیں:
(۱) احرام حج کا ہونا۔ (۲) ایام حج کا پایا جانا۔ (۳) ان مقامات کا ہونا جہاں حج ہوتا ہے۔ (۴) اور مسلمان ہونا۔

حج کن لوگوں پر فرض ہے؟

حضرت مصنفؒ فرماتے ہیں کہ حج اس مسلمان آزاد شخص پر فرض ہے جو احکام شرعیہ کا مکلف ہو اور حج کی فرضیت کو جانتا ہو، بایں طور کہ وہ دار الاسلام ہی میں رہتا ہو یا اسکو حج کے فرض ہونے کے بارے میں کسی عادل شخص نے بتایا ہو، یا ایسے دو آدمیوں نے بتایا جن کا عادل یا غیر عادل ہونا مخفی ہو، پھر جن پر حج فرض ہے ان کا تندرست ہونا بھی ضروری ہے۔ (لہٰذا جو فالج زدہ ہو یا جس کے دونوں پاؤں کٹے ہوں یا ایسا بیمار ہو یا بڈھا ہو کہ سواری پر بیٹھ نہ سکتا ہو تو ان پر حج فرض نہیں ہے)۔ نیز جن لوگوں پر حج فرض ہے ان کا آنکھ والا ہونا ضروری ہے، نیز یہ کہ وہ قید میں نہ ہو اور بادشاہ سے نہ ڈرتا ہو کہ حج سے منع کردے۔

زاد و راحلہ پر قادر ہونا

اسی طرح جن لوگوں پر حج فرض ہے ان کے واسطے یہ بھی ضروری اور شرط ہے کہ وہ راستے میں ایسے کھانے پینے کا سامان اور توشہ رکھتے ہوں جو ان کی صحت کو تندرست رکھے اور ان کی صحت کے لیے مفید ہو، لہٰذا جن لوگوں کو گوشت وغیرہ کھانے کی

عادت ہو ان کو صرف روٹی اور پنیر مل رہا ہو تو اس کو کھانے پر قادر نہیں سمجھا جائے گا، پھر جن پر حج فرض ہے وہ ایسی سواری رکھتے ہوں جو ان کے لیے مخصوص ہو اور منزل مقصود تک پہنچا سکتی ہو۔ (اور آج کل یہ شرط ہے کہ سواری کا کوئی معقول انتظام ہو جس کے ذریعہ بعافیت امن وسکون کے ساتھ مکہ مکرمہ پہنچ سکے اور وہ اس کا کرایہ ادا کرنے پر قادر ہو)۔

زاد وراحلہ کی شرط کن کے لیے ہے؟

زاد وراحلہ کی شرط ان لوگوں کے واسطے ہے جو مکہ مکرمہ سے دور رہتے ہوں، جن کو اصطلاح میں ''آفاقی'' کہا جاتا ہے۔ جو لوگ مکہ مکرمہ ہی کے رہنے والے ہوں ان کے واسطے یہ شرط ہے کہ وہ عرفات تک چلنے پر قادر ہوں، کیونکہ ان کے واسطے مکہ سے عرفات تک چلنا نماز جمعہ کے لیے چلنے کے مشابہ ہو گیا، لیکن اگر انتہائی درجہ کی کمزوری کی وجہ سے نہ چل سکے تو اس کے لیے بھی سواری شرط ہوگی۔

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر مکہ مکرمہ تک پہنچانے والی سواری کے علاوہ دوسری سواری رکھتا ہو جیسے خچر یا گدھا تو اس پر حج واجب نہیں ہوگا۔ اور کنز الدقائق کی شرح البحر الرائق میں لکھا ہے کہ میں نے اس مسئلہ کی صراحت کہیں نہیں دیکھی ہے، البتہ حضرات فقہائے کرام نے حج کے واسطے گدھے اور خچر کی سواری کو مکروہ لکھا ہے اور مکروہ سے مکروہ تنزیہی مراد ہے۔

پیدل حج کے لیے جانا

فتاویٰ سراجیہ میں ہے کہ پیدل چل کر حج کرنے سے افضل یہ ہے کہ سوار ہو کر حج کرنے جائے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ پیدل چلنے میں بہت زیادہ مشقت اُٹھانی پڑتی ہے جس سے انسان کا مزاج معتدل باقی نہیں رہتا ہے، فتویٰ بھی اسی قول پر ہے۔ اسی طرح کاٹھی والے اونٹ پر سوار ہونا محمل پر سوار ہونے سے افضل ہے کیونکہ اس کے اندر ریاء سمعہ اور فخر ومباہات کا موقع نہیں ہوتا ہے۔ اور خلاصہ نامی کتاب کے باب الاجارہ میں یہ لکھا ہے کہ اونٹ کا بوجھ دو سو چالیس من ہے اور گدھے کا بوجھ ڈیڑھ سو من ہے اور ظاہر ہے خچر کا وزن گدھے کے برابر ہوگا۔ (جوہرہ میں ہے ۲۶ / اوقیہ کا ایک من ہوتا ہے اور ایک اوقیہ سات مثقال کا ہوتا ہے اور ایک مثقال دس درہم کا ہوتا ہے اور دو سو چالیس من کا وسق ہوتا ہے)۔ (شامی: ۳/۴۶۰)

حج کے واسطے دوسرے کا عطیہ قبول کرنا

اگر کوئی باپ اپنے بیٹے کو حج کرنے کے واسطے مال دے تو بیٹے پر اس کا قبول کرنا واجب نہیں ہے، اس لیے کہ حج کے واجب ہونے کے شرائط کو حاصل کرنا انسان پر واجب نہیں ہے اور باتفاق فقہائے کرام اخراجات سفر اور سواری کا ہونا حج کے شرائط میں سے ہے، البتہ حضرات اصولیین فرماتے ہیں کہ اخراجات سفر اور سواری کا ہونا حج کے واجب ہونے کے لیے شرط

نہیں ہے، بلکہ حج کی ادائیگی کے واجب ہونے کی شرط ہے۔

(فَضْلًا عَمَّا لَا بُدَّ مِنْهُ) كَمَا مَرَّ فِي الزَّكَاةِ وَمِنْهُ الْمَسْكَنُ وَمَرَمَّتُهُ وَلَوْ كَبِيرًا يُمْكِنُهُ الِاسْتِغْنَاءُ بِبَعْضِهِ، وَالْحَجُّ بِالْفَاضِلِ فَإِنَّهُ لَا يَلْزَمُهُ بَيْعُ الزَّائِدِ. نَعَمْ هُوَ الْأَفْضَلُ وَعُلِمَ بِهِ عَدَمُ لُزُومِ بَيْعِ الْكُلِّ وَالِاكْتِفَاءُ بِسُكْنَى الْإِجَارَةِ بِالْأَوْلَى وَكَذَا لَوْ كَانَ عِنْدَهُ مَا لَوْ اشْتَرَى بِهِ مَسْكَنًا وَخَادِمًا لَا يَبْقَى بَعْدَهُ مَا يَكْفِي لِلْحَجِّ لَا يَلْزَمُهُ خُلَاصَةٌ وَحَرَّرَ فِي النَّهْرِ أَنَّهُ يُشْتَرَطُ بَقَاءُ رَأْسِ مَالٍ لِحِرْفَتِهِ إنْ احْتَاجَتْ لِذَلِكَ وَإِلَّا لَا وَ فِي الْأَشْبَاهِ مَعَهُ أَلْفٌ وَخَافَ الْعُزُوبَةَ إنْ كَانَ قَبْلَ خُرُوجِ أَهْلِ بَلَدِهِ فَلَهُ التَّزَوُّجُ وَلَوْ وَقْتَهُ لَزِمَهُ الْحَجُّ (وَ) فَضْلًا عَنْ (نَفَقَةِ عِيَالِهِ) مِمَّنْ تَلْزَمُهُ نَفَقَتُهُ لِتَقَدُّمِ حَقِّ الْعَبْدِ (إلَى) حِينِ (عَوْدِهِ) وَقِيلَ بَعْدَهُ بِيَوْمٍ وَقِيلَ بِشَهْرٍ (مَعَ أَمْنِ الطَّرِيقِ) بِغَلَبَةِ السَّلَامَةِ وَلَوْ بِالرِّشْوَةِ عَلَى مَا حَقَّقَهُ الْكَمَالُ وَسَيَجِيءُ آخِرَ الْكِتَابِ أَنَّ قَتْلَ بَعْضِ الْحُجَّاجِ عُذْرٌ وَهَلْ مَا يُؤْخَذُ مِنْ الْمَكْسِ وَالْخَفَارَةِ عُذْرٌ قَوْلَانِ وَالْمُعْتَمَدُ لَا كَمَا فِي الْقُنْيَةِ وَالْمُجْتَبَى وَعَلَيْهِ فَيُحْتَسَبُ فِي الْفَاضِلِ عَمَّا لَا بُدَّ مِنْهُ الْقُدْرَةُ عَلَى الْمَكْسِ وَنَحْوِهِ كَمَا فِي مَنَاسِكِ الطَّرَابُلُسِيِّ. (وَ) مَعَ (زَوْجٍ أَوْ مَحْرَمٍ) وَلَوْ عَبْدًا أَوْ ذِمِّيًّا أَوْ بِرَضَاعٍ (بَالِغٍ) قَيْدٌ لَهُمَا كَمَا فِي النَّهْرِ بَحْثًا (عَاقِلٍ وَالْمُرَاهِقُ كَبَالِغٍ) جَوْهَرَةٌ (غَيْرِ مَجُوسِيٍّ وَلَا فَاسِقٍ) لِعَدَمِ حِفْظِهِمَا (مَعَ) وُجُوبِ النَّفَقَةِ لِمَحْرَمِهَا (عَلَيْهَا) لِأَنَّهُ مَحْبُوسٌ (عَلَيْهَا) لِامْرَأَةٍ حُرَّةٍ وَلَوْ عَجُوزًا فِي سَفَرٍ وَهَلْ يَلْزَمُهَا التَّزَوُّجُ؟ قَوْلَانِ وَلَيْسَ عَبْدُهَا بِمَحْرَمٍ لَهَا وَلَيْسَ لِزَوْجِهَا مَنْعُهَا عَنْ حَجَّةِ الْإِسْلَامِ وَلَوْ حَجَّتْ بِلَا مَحْرَمٍ جَازَ مَعَ الْكَرَاهَةِ (وَ) مَعَ (عَدَمِ عِدَّةٍ عَلَيْهَا مُطْلَقًا) أَيَّةَ عِدَّةٍ كَانَتْ ابْنُ مَالِكٍ (وَالْعِبْرَةُ لِوُجُوبِهَا) أَيْ الْعِدَّةِ الْمَانِعَةِ مِنْ سَفَرِهَا (وَقْتَ خُرُوجِ أَهْلِ بَلَدِهَا) وَكَذَا سَائِرُ الشُّرُوطِ بَحْرٌ.

زادوراحلہ کا ضروریاتِ زندگی سے زائد ہونے کا اعتبار ہے

حضرت مصنفؒ فرماتے ہیں کہ فرضیت حج کے لیے شریعت نے جس زادوراحلہ کا اعتبار کیا ہے وہ یہ ہے کہ وہ ضروریات زندگی سے زائد ہو، جیسا کہ کتاب الزکوۃ میں گذر چکا ہے (کہ رہنے کے لیے گھر کا ہونا، خدمت کے لیے غلام کا ہونا، اور گھر کا ساز وسامان انسانی ضروریات میں داخل ہے، ان چیزوں کے موجود رہنے سے حج کی استطاعت ثابت نہیں ہوتی ہے)۔

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ انسانی ضروریات کے اندر رہنے سہنے کا گھر اور اس کی مرمت بھی داخل ہے اگر اس کا گھر اتنا کشادہ اور بڑا ہو کہ اس کے ایک حصہ سے اس کی ضرورت پوری ہو سکتی ہے اور باقی زائد حصہ کو فروخت کر کے حج میں جا سکتا ہے تب بھی اس کے لیے زائد حصہ کو فروخت کر کے حج میں جانا لازم نہیں ہے، ہاں! اس طرح کرنا زیادہ سے زیادہ افضل ہے،

اس سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ پورا مکان بیچ کر حج کرنا اور کرایہ کے مکان میں رہنا بدرجۂ اولیٰ لازم نہیں ہے۔
اسی طرح اگر کسی آدمی کے پاس اتنا مال ہو کہ وہ اس مال سے اگر گھر اور خادم خرید لے تو اس کے پاس اتنا مال نہ بچ سکے جس سے وہ حج ادا کر سکے تو اس صورت میں اس پر یہ لازم نہیں ہے کہ اس مال سے حج کرے، اس لیے کہ یہ مال حاجات اصلیہ میں داخل ہوگا جیسا کہ خلاصہ نامی کتاب میں مذکور ہے۔ اور النہر الفائق میں لکھا ہے کہ اہل حرفت کے لیے رأس المال یعنی اصل پونجی کو باقی رکھنا شرط ہے تا کہ وہ اس کے ذریعہ اپنی صنعت کو باقی رکھ سکے اور ضرورت کے وقت اس کو استعمال میں لا سکے، البتہ اگر اس کی ضرورت نہیں ہے تو اصل پونجی باقی رہنا شرط نہیں ہے بلکہ اس کو زائد سمجھا جائے گا۔
اور الاشباہ والنظائر میں ہے کہ ایک آدمی کے پاس ہزار درہم ہیں اور اس کی شادی ابھی نہیں ہوئی ہے اور بغیر شادی کے رہنے میں گناہ میں پڑنے کا اندیشہ رکھتا ہے تو اگر وہ قافلۂ حج کے شہر سے نکلنے سے پہلے ہزار درہم کا مالک ہوا ہے تو اس کے لیے اس رقم سے نکاح کر لینا جائز ہے اور اگر وہ ایک ہزار درہم کا مالک اس وقت ہوا ہے جب کہ قافلۂ حج شہر سے نکل رہا تھا تو اس پر اس ہزار درہم سے حج کرنا لازم ہے۔

حج سے واپسی تک اہل وعیال کا نفقہ ہو تو حج فرض ہوگا

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ حج اس وقت لازم ہے جب آدمی کے پاس اتنا مال ہو کہ حج سے واپسی تک بال بچوں کے اخراجات کی لیے کافی ہو، اور ان لوگوں کے اخراجات کے لیے کافی ہو جن کا نان ونفقہ اس کے ذمہ لازم اور ضروری ہے اس لیے کہ حقوق العباد کو پہلے ادا کرنا ضروری ہے، اس لیے کہ بندہ محتاج ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ غنی اور بے نیاز ہے۔
قولہ: إلی حین عودہ: یعنی بال بچوں کے اخراجات کا سامان سفر حج سے واپسی تک ضروری ہے۔ اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ سفر حج سے واپسی کے بعد بھی ایک دن کا سامان باقی رہنا ضروری ہے۔ اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ سفر حج سے واپسی کے بعد اس کے پاس ایک ماہ کا خرچہ رہنا ضروری ہے۔ (اور بال بچوں یا جن لوگوں کا نفقہ اس کے ذمہ لازم ہے ان کے اخراجات میں اعتدال اور میانہ روی کا اعتبار کیا جائے گا، نہ فضول خرچی ہو نہ کمی ہو بلکہ میانہ روی سے خرچ کرنے کا اعتبار ہوگا۔ (شامی: ۳/۴۶۲)

شرائط وجوب حج میں ایک شرط راستہ کا پرامن ہونا ہے

حج کے واجب ہونے کے شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ حج میں جانے کے واسطے راستہ پرسکون وپرامن ہو، یعنی گمان غالب یہ ہو کہ وہ سلامتی کے ساتھ جائے گا اور پرامن طریقہ سے واپس بھی آئے گا۔ (اگر راستہ کے پرخطر ہونے کا محض گمان ہو تو اس کا اعتبار نہ ہوگا) اور راستہ کو پرامن اور پرسکون بنانے کے لیے اگر کچھ رشوت دینا پڑے تو علامہ کمال کی تحقیق کے مطابق رشوت دے کر راستہ کو پرامن بنا لینا چاہیے۔ (اس لیے کہ دفع ظلم کے لیے رشوت دینا اور اپنا حق لینے کے لیے رشوت

دینا درست ہے)اس کی تفصیل کتاب کے اخیر میں آئے گی۔

اگر راستے میں کچھ حجاج کرام قتل ہو جاتے ہوں تو یہ عذر سمجھا جائے گا اور سفر حج سے روک دیا جائے گا۔ یہاں ایک سوال یہ ہے کہ سفر حج میں راستہ میں بطور چنگی اور بطور راہ داری مال دیا جاتا ہے، آیا وہ حج کے ساقط ہونے کے واسطے عذر شرعی ہے یا نہیں؟ تو معلوم ہونا چاہئے کہ اس مسئلہ میں دو قول ہیں، قابل اعتماد قول یہ ہے کہ یہ سقوط حج کے لیے عذر نہیں ہے جیسا کہ قنیہ اور مجتبیٰ نامی کتاب میں ہے اور اسی پر فتویٰ بھی ہے، لہٰذا اس زائد مال کی قدرت کو بھی ضروریات حج میں شمار کرنا چاہئے، مناسک طرابلسی میں اسی طرح مذکور ہے۔

عورت کے ساتھ سفر حج میں محرم کا ہونا شرط ہے

اگر عورت حج کرنے کے لیے جانا چاہتی ہے تو اس کے ساتھ شوہر یا محرم کا ہونا شرط ہے، اگرچہ محرم غلام یا ذمی یا رضاعی ہی کیوں نہ ہو۔ (اور محرم سے مراد وہ مرد ہے جس سے اس عورت کا نکاح کبھی بھی جائز نہ ہو خواہ نسبی رشتہ کی وجہ سے ہو خواہ رضاعی رشتہ کی وجہ سے ہو خواہ حرمت مصاہرت کی وجہ سے کیوں نہ ہو، عورت کے لیے بغیر محرم کے سفر کرنا حرام ہے، رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کسی مسلمان عورت کے لیے تین منزل یا اس سے زیادہ کا سفر بغیر محرم کے کرنا جائز نہیں ہے)۔

محرم کن اوصاف کے حامل ہوں؟

عورت جس محرم کے ساتھ سفر حج میں جارہی ہے اس محرم کے لیے ضروری ہے کہ وہ بالغ اور عاقل ہو۔ اور بالغ و عاقل ہونے کی قید شوہر اور محرم کے لیے لگائی گئی ہے جیسا کہ النہر الفائق میں ہے۔ الغرض جب تک عورت کے ساتھ سفر حج میں شوہر یا اس کا کوئی عاقل و بالغ محرم جانے والا نہ ہوگا اس پر حج فرض نہ ہوگا، نابالغ اور پاگل محرم یا شوہر کا ساتھ ہونا کافی نہیں ہے البتہ جو محرم قریب البلوغ ہو وہ اس مسئلہ میں بالغ کی طرح ہے جیسا کہ جوہرہ نامی کتاب میں ہے لہٰذا اس کے ساتھ حج میں جاسکتی ہے۔

نیز عورت کے ساتھ سفر حج میں جانے والے محرم کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ وہ مجوسی اور فاسق نہ ہو اس لیے کہ مجوسی محرم اور فاسق محرم دونوں قابل اعتماد نہیں ہے۔ (مجوسی کے مذہب میں محارم ماں بہن بیٹی سے نکاح حلال ہے اس لیے اس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا) اور جو محرم عورت کے ساتھ سفر حج میں جائے گا اس کا سفر خرچ اور نان ونفقہ عورت پر لازم ہے اس لیے کہ محرم اس کے ساتھ مقید ہو جاتا ہے اور وہ اپنے آپ کو اس کے ساتھ مخصوص کر دیتا ہے۔ اور سفر حج میں آزاد عورت کے ساتھ محرم ہونا شرط ہے اگرچہ حج کے لیے جانے والی عورت بوڑھی ہی کیوں نہ ہو۔

عورت کے ساتھ محرم نہ ہونے کے وقت شادی کرنے کا حکم

سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس عورت پر مال و دولت کی وجہ سے حج فرض ہو لیکن اس کے ساتھ سفر حج میں جانے کے لیے کوئی

محرم نہ ہوتو کیا اس عورت پر حج کی ادائیگی کے لیے شادی کر لینی لازم ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس بارے میں دو قول ہیں، ایک قول کے مطابق نکاح کر کے حج کرنا لازم ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ عورت پر نکاح کر کے سفر حج میں جانا لازم نہیں۔ اور عورت کا غلام اس کا محرم شرعی نہیں بن سکتا ہے، اگرچہ غلام مقطوع الذکر یا خصی ہی کیوں نہ ہو، اس لیے کہ غلام سے نکاح کرنا حرام نہیں ہے بلکہ عورت غلام کو آزاد کر کے اس سے نکاح کر سکتی ہے۔

شوہر کے لیے جائز نہیں کہ بیوی کو حج سے روکے

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ شوہر کے لیے یہ جائز نہیں کہ اپنی بیوی کو فرض حج ادا کرنے سے روکے، بشرطیکہ عورت کے ساتھ کوئی محرم موجود ہو، اگر عورت کے ساتھ سفر حج میں جانے کے لیے کوئی محرم نہیں ہے تو شوہر بیوی کو حج فرض سے اسی طرح روک سکتا ہے جس طرح حج نفل سے روک سکتا ہے۔ اور اگر کوئی عورت بغیر کسی محرم کے سفر حج پر چلی گئی اور حج کر لیا تو اس کا حج کراہت تحریمی کے ساتھ ادا ہو جائے گا۔

غیر معتدہ پر حج ادا کرنا فرض ہے

اور عورت کو اس وقت حج ادا کرنا فرض ہوگا جب وہ کسی عدت کے گذارنے میں مشغول نہ ہو، خواہ کسی بھی طرح کی عدت ہو یعنی عدت طلاق ہو، یا عدت وفات ہو (جیسا کہ ابن الملک نے ذکر کیا ہے) اور وہ عدت جو عورت کے لیے سفر حج کے واسطے مانع ہے وہ یہ ہے کہ شہر کا قافلۂ حج نکل رہا ہو اور عورت عدت میں بیٹھی ہو۔ اور یہاں یہ بات ذہن نشین ہونی چاہئے کہ قافلۂ حج کے شہر سے نکلنے کے وقت تمام شرائط کے پائے جانے کا اعتبار ہے، اس سے پہلے یا اس کے بعد شرائط کے پائے جانے کا اعتبار نہیں ہے۔

(فَلَوْ أَحْرَمَ صَبِيٌّ عَاقِلٌ أَوْ أَحْرَمَ عَنْهُ أَبُوهُ صَارَ مُحْرِمًا) وَيَنْبَغِي أَنْ يُجَرِّدَهُ قَبْلَهُ وَيُلْبِسَهُ إِزَارًا وَرِدَاءً مَبْسُوطَيْنِ وَظَاهِرُهُ أَنَّ إِحْرَامَهُ عَنْهُ مَعَ عَقْلِهِ صَحِيحٌ فَمَعَ عَدَمِهِ أَوْلَى (فَبَلَغَ أَوْ عَبْدٌ فَعَتَقَ) قَبْلَ الْوُقُوفِ (فَمَضَى) كُلٌّ عَلَى إِحْرَامِهِ (لَمْ يَسْقُطْ فَرْضُهُمَا) لِانْعِقَادِهِ نَفْلًا فَلَوْ جَدَّدَ الصَّبِيُّ الْإِحْرَامَ قَبْلَ وُقُوفِهِ بِعَرَفَةَ وَنَوَى حَجَّةَ الْإِسْلَامِ أَجْزَأَهُ (وَلَوْ فَعَلَ) الْعَبْدُ (الْمُعْتَقُ ذَلِكَ) التَّجْدِيدَ الْمَذْكُورَ (لَمْ يُجْزِهِ) لِانْعِقَادِهِ لَازِمًا بِخِلَافِ الصَّبِيِّ وَالْكَافِرِ وَالْمَجْنُونِ.

نابالغ عقلمند کا حج

پس اگر کسی عقلمند نابالغ بچہ نے حج کا احرام باندھا یا اس کی طرف سے اس کے باپ نے احرام باندھا تو ان دونوں صورتوں میں وہ نابالغ سمجھدار بچہ محرم قرار پائے گا، اب اس کے باپ کو چاہئے کہ لڑکے کے بدن سے وہ تمام کپڑے اُتار دے جو احرام باندھنے سے پہلے پہنے ہوئے تھا اور اس کو ازار اور چادر پہنا دے جو محرم پہنتے ہیں، جیسا کہ مبسوط میں ہے۔ اور مبسوط

کے کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب نابالغ بچہ کی عقل وہوش کے باوجود اس کی طرف سے اس کے باپ کا احرام باندھنا درست ہے تو جب نابالغ بے سمجھ یا بے ہوش ہو تو اس کی طرف سے باپ کے لیے احرام باندھنا بدرجۂ اولیٰ جائز ہوگا۔

نابالغ بچہ احرام باندھنے کے بعد بالغ ہوگیا تو کیا حکم ہے؟

پس اگر نابالغ بچہ احرام باندھنے کے بعد بالغ ہوگیا، یا غلام احرام باندھنے کے بعد وقوف عرفہ سے پہلے آزاد ہوگیا چنانچہ ان دونوں نے پہلے ہی احرام پر حج کے جملہ افعال خواہ فرض ہوں یا واجب، ادا کئے اور بلوغ وآزادی کے بعد دوسرا احرام نہیں باندھا تو اس صورت میں ان دونوں سے حج فرض ذمہ سے ساقط نہ ہوگا اس لیے کہ جس وقت انھوں نے احرام باندھا تھا اس وقت ان کا حج نفلی کے حکم میں تھا اور نفل احرام سے فرض حج ادا نہیں ہوسکتا ہے، لہٰذا دونوں پر بدستور حج لازم و باقی رہا، ہاں اگر نابالغ نے بلوغ کے بعد وقوف عرفہ سے پہلے پہلے حج فرض کے واسطے نیا احرام باندھ لیا تو اس صورت میں اس کا فرض حج ادا ہوجائے گا۔ (اور احرام کی تجدید اس طرح کرے گا کہ بالغ ہونے کے بعد اپنے میقات پر لوٹ کر جائے گا اور وہاں سے دوسرا احرام باندھ کر حج فرض کی نیت کرے گا)۔

لیکن اگر اس طرح نیا احرام غلام آزاد ہونے کے بعد باندھے گا تو اس کا فرض حج ادا نہیں ہوگا اس لیے کہ غلام نے جو حج نفل شروع کیا ہے وہ اس پر لازم ہوگیا، اس کو وہ توڑ نہیں سکتا ہے، اس کے برخلاف نابالغ کافر اور مجنون کے نفل حج شروع کرنے سے لازم نہیں ہوتا ہے۔ (مطلب یہ ہے کہ مجنون یا کافر یا نابالغ نے احرام باندھا پھر وقوف عرفہ سے پہلے مجنون ٹھیک ہوگیا، یا کافر مسلمان ہوگیا اور نابالغ بالغ ہوگیا اور پھر سے ازسرنو احرام باندھا تو اس کا حج فرض ادا ہوجائے گا)۔

(وَ) الْحَجُّ (فَرْضُهُ) ثَلَاثَةٌ (الْإِحْرَامُ) وَهُوَ شَرْطُ ابْتِدَاءٍ، وَلَهُ حُكْمُ الرُّكْنِ انْتِهَاءً حَتَّى لَمْ يَجُزْ لِفَائِتِ الْحَجِّ اسْتِدَامَتُهُ لِيَقْضِيَ بِهِ مِنْ قَابِلٍ (وَالْوُقُوفُ بِعَرَفَةَ) فِي أَوَانِهِ سُمِّيَتْ بِهَا لِأَنَّ آدَمَ وَحَوَّاءَ تَعَارَفَا فِيهَا (وَ) مُعْظَمُ (طَوَافِ الزِّيَارَةِ) وَهُمَا رُكْنَانِ (وَوَاجِبُهُ) نَيِّفٌ وَعِشْرُونَ (وُقُوفُ جَمْعٍ) وَهُوَ الْمُزْدَلِفَةُ سُمِّيَتْ بِذَلِكَ لِأَنَّ آدَمَ اجْتَمَعَ بِحَوَّاءَ وَازْدَلَفَ إِلَيْهَا أَيْ دَنَا. (وَالسَّعْيُ) وَعِنْدَ الْأَئِمَّةِ الثَّلَاثَةِ هُوَ رُكْنٌ (بَيْنَ الصَّفَا) سُمِّيَ بِهِ لِأَنَّهُ جَلَسَ عَلَيْهِ آدَمُ صَفْوَةُ اللّٰهِ (وَالْمَرْوَةِ) لِأَنَّهُ جَلَسَ عَلَيْهَا امْرَأَةٌ وَهِيَ حَوَّاءُ وَلِذَا أُنِّثَتْ. (وَرَمْيُ الْجِمَارِ) لِكُلٍّ مِنَ الْحَجِّ (وَطَوَافُ الصَّدَرِ) أَيِ الْوَدَاعِ (لِلْآفَاقِيِّ) غَيْرِ الْحَائِضِ (وَالْحَلْقُ أَوِ التَّقْصِيرُ وَإِنْشَاءُ الْإِحْرَامِ مِنَ الْمِيقَاتِ وَمَدُّ الْوُقُوفِ بِعَرَفَةَ إِلَى الْغُرُوبِ) إِنْ وَقَفَ نَهَارًا. (وَالْبِدَاءَةُ بِالطَّوَافِ مِنَ الْحَجَرِ الْأَسْوَدِ) عَلَى الْأَشْبَهِ لِمُوَاظَبَتِهِ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – وَقِيلَ فَرْضٌ وَقِيلَ سُنَّةٌ (وَالتَّيَامُنُ فِيهِ) أَيْ فِي

الطَّوَافِ فِي الْأَصَحِّ (وَالْمَشْيُ فِيهِ لِمَنْ لَيْسَ لَهُ عُذْرٌ) يَمْنَعُهُ مِنْهُ، وَلَوْ نَذَرَ طَوَافًا زَحْفًا لَزِمَهُ مَاشِيًا وَلَوْ شَرَعَ مُتَنَفِّلًا زَحْفًا فَمَشْيُهُ أَفْضَلُ (وَالطَّهَارَةُ فِيهِ) مِنَ النَّجَاسَةِ الْحُكْمِيَّةِ عَلَى الْمَذْهَبِ قِيلَ وَالْحَقِيقِيَّةِ مِنْ ثَوْبٍ وَبَدَنٍ وَمَكَانِ طَوَافٍ وَالْأَكْثَرُ عَلَى أَنَّهُ سُنَّةٌ مُؤَكَّدَةٌ كَمَا فِي شَرْحِ لُبَابِ الْمَنَاسِكِ (وَسَتْرُ الْعَوْرَةِ) فِيهِ وَبِكَشْفِ رُبْعِ الْعُضْوِ فَأَكْثَرَ كَمَا فِي الصَّلَاةِ يَجِبُ الدَّمُ. (وَبُدَاءَةُ السَّعْيِ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ مِنَ الصَّفَا) وَلَوْ بَدَأَ بِالْمَرْوَةِ لَا يُعْتَدُّ بِالشَّوْطِ الْأَوَّلِ فِي الْأَصَحِّ (وَالْمَشْيُ فِيهِ) فِي السَّعْيِ (لِمَنْ لَيْسَ لَهُ عُذْرٌ) كَمَا مَرَّ (وَذَبْحُ الشَّاةِ لِلْقَارِنِ وَالْمُتَمَتِّعِ وَصَلَاةُ رَكْعَتَيْنِ لِكُلِّ أُسْبُوعٍ) مِنْ أَيِّ طَوَافٍ كَانَ فَلَوْ تَرَكَهَا هَلْ عَلَيْهِ دَمٌ قِيلَ نَعَمْ فَيُوصِي بِهِ. (وَالتَّرْتِيبُ الْآتِي) بَيَانُهُ: (بَيْنَ الرَّمْيِ وَالْحَلْقِ وَالذَّبْحِ يَوْمَ النَّحْرِ) وَأَمَّا التَّرْتِيبُ بَيْنَ الطَّوَافِ وَبَيْنَ الرَّمْيِ وَالْحَلْقِ فَسُنَّةٌ فَلَوْ طَافَ قَبْلَ الرَّمْيِ وَالْحَلْقِ لَا شَيْءَ عَلَيْهِ وَيُكْرَهُ لُبَابٌ، وَسَيَجِيءُ أَنَّ الْمُفْرِدَ لَا ذَبْحَ عَلَيْهِ وَسَنُحَقِّقُهُ. (وَفِعْلُ طَوَافِ الْإِفَاضَةِ) أَيِ الزِّيَارَةِ (فِي) يَوْمٍ مِنْ (أَيَّامِ النَّحْرِ) وَمِنَ الْوَاجِبَاتِ كَوْنُ الطَّوَافِ وَرَاءَ الْحَطِيمِ وَكَوْنُ السَّعْيِ بَعْدَ طَوَافٍ مُعْتَدٍّ بِهِ وَتَوْقِيتُ الْحَلْقِ بِالْمَكَانِ وَالزَّمَانِ وَتَرْكُ الْمَحْظُورِ كَالْجِمَاعِ بَعْدَ الْوُقُوفِ، وَلُبْسُ الْمَخِيطِ، وَتَغْطِيَةُ الرَّأْسِ وَالْوَجْهِ وَالضَّابِطُ أَنَّ كُلَّ مَا يَجِبُ بِتَرْكِهِ دَمٌ فَهُوَ وَاجِبٌ صُرِّحَ بِهِ فِي الْمُلْتَقَى وَسَيَتَّضِحُ فِي الْجِنَايَاتِ.

فرائض حج کا بیان

یہاں سے حضرت مصنف علیہ الرحمہ حج کے فرائض کو بیان کررہے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ حج میں تین فرض ہیں: (۱) احرام باندھنا (۲) وقوف عرفہ (۳) اور طواف زیارت۔ (اور اصطلاح فقہاء میں فرض وہ ہے جس کے چھوڑنے سے حج باطل ہوجاتا ہے اور اس کی قضاء آئندہ سال لازم ہوجاتی ہے) حج میں احرام ابتداء کے اعتبار سے شرط ہے (لہٰذا احرام حج کے مہینوں سے پہلے باندھنا درست ہوگا جس طرح نماز کے وقت سے پہلے وضو کرنا درست ہوتا ہے) اور انتہاء کے اعتبار سے احرام رکن کے حکم میں ہے، لہٰذا جس شخص کا حج فوت ہوگیا ہے اس کے واسطے احرام باندھنے کے بعد اس کا سال آئندہ تک باقی رکھنا جائز نہیں ہے کہ آئندہ سال اسی احرام سے حج کی قضاء کرے۔

فرائض حج میں دوسرا فرض وقوف عرفہ ہے، یعنی اس کے وقت کے اندر عرفات میں ٹھہرنا ہے۔ اور عرفہ کا نام عرفہ اس لیے رکھا گیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حواء علیہا السلام کی آپس میں ملاقات اسی جگہ میں ہوئی تھی اور دونوں میں یہیں تعارف ہوا تھا۔

اور فرائض حج میں سے تیسرا فرض طواف زیارت کا اکثر حصہ ادا کرنا ہے۔ وقوف عرفہ اور طواف زیارت دونوں حج کے رکن ہیں (لیکن وقوف عرفہ کا درجہ طواف زیارت سے زیادہ ہے، کیونکہ اگر کوئی محرم وقوف عرفہ سے پہلے بیوی سے جماع کرلے

تو اس کا حج فاسد ہو جائے گا اور اگر طواف زیارت سے پہلے جماع کر لیا تو حج فاسد نہ ہوگا)۔

واجباتِ حج کا بیان

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ حج کے واجبات بیس سے کچھ زیادہ ہی ہیں (چنانچہ بعض لوگوں نے ۳۵ رشمار کرائے ہیں۔ بعض نے ۲۴ رشمار کرائے ہیں۔ اور بعض نے ۲۲ رشمار کرائے ہیں۔ اور واجب اس کو کہتے ہیں کہ اس کے ترک سے حج باطل نہ ہو بلکہ صرف دم دینا لازم ہوتا ہو) واجبات حج میں سے ایک واجب مزدلفہ میں وقوف کرنا ہے۔ اور مزدلفہ کا نام مزدلفہ اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس جگہ حضرت آدمؑ حضرت حوائؑ کے ساتھ جمع ہوئے اور ان کے قریب تر ہوئے۔

واجبات حج میں سے دوسرا واجب صفا مروہ کے درمیان سعی کرنا ہے۔ اور سعی بین الصفا والمروہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک رکن ہے۔ صفا اور مروہ در حقیقت مسجد حرام کے پاس دو پہاڑیاں ہیں۔ صفا کا نام صفا اس لیے پڑا کہ حضرت آدم صفی اللہ اس پر بیٹھے تھے اور مروہ کا نام مروہ اس لیے پڑا کہ اس پر حضرت حوا علیہا السلام بیٹھی تھیں، اسی وجہ سے مروہ کو بصیغہ مؤنث لایا گیا ہے۔

واجبات حج میں سے تیسرا واجب تینوں جمروں پر کنکریاں مارنا ہے۔ اور یہ ہر اس شخص پر واجب ہے جو حج کرے (خواہ حج قران کرنے والا ہو یا حج تمتع کرنے والا ہو یا مفرد ہو) اور چوتھا واجب طواف صدر ہے، یعنی رخصت ہوتے وقت کا طواف ہے اور یہ طواف ان لوگوں کے لیے واجب ہے جو آفاقی ہوں، یعنی مکہ مکرمہ کے باہر سے آئے ہوں، البتہ حائضہ عورت کے لیے طواف صدر واجب نہیں ہے۔ اور واجبات حج میں سے پانچواں واجب بال منڈوانا یا اس کو چھوٹا کرانا ہے۔ اور چھٹا واجب میقات سے احرام باندھنا ہے۔ اور ساتواں واجب یہ ہے کہ وقوف عرفہ کو آفتاب کے غروب ہونے تک دراز کرے اگر اس نے دن میں وقوف عرفہ کیا ہے۔

طواف کی ابتداء کہاں سے کی جائے؟

واجبات حج میں سے آٹھواں واجب یہ ہے کہ طواف کی ابتداء حجر اسود کی طرف سے کی جائے، اس بارے میں اشبہ قول یہی ہے اس لیے کہ رسول اکرم ﷺ نے ہمیشہ طواف کی ابتداء حجر اسود سے کی ہے۔ اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ حجر اسود سے طواف کی ابتداء کرنا فرض ہے اور بعض حضرات نے کہا کہ حجر اسود سے طواف کی ابتداء کرنا سنت ہے۔

واجبات حج میں سے نواں واجب طواف کا داہنی طرف سے کرنا ہے اس بارے میں صحیح قول یہی ہے (یعنی جب طواف کرنے والا حجر اسود کے مقابل کھڑا ہو تو اپنی دائیں طرف سے طواف کرے، جس طرف بیت اللہ کا دروازہ اور ملتزم شریف ہے) اور دسواں واجب یہ ہے کہ اگر کوئی معقول عذر نہ ہو جو اس کو پیدل چلنے سے روک دے تو اپنے پاؤں سے پیدل چلے۔ اور جس آدمی نے کھسک کر طواف کرنے کی نذر مانی ہے اس کے لیے پیدل چل کر طواف کرنا لازم ہے۔ اور اگر کسی نے نفل طواف

کھسک کر شروع کیا تو اس کے واسطے بھی پیدل چل کر طواف کرنا افضل ہے۔

طواف پاکی کی حالت میں کرنا

واجبات حج میں سے گیارہواں واجب یہ ہے کہ طواف نجاست حکمی سے پاک رہنے کی حالت میں کرے، صحیح مذہب یہی ہے۔ اور اس بارے میں ایک قول یہ ہے کہ طواف کرتے وقت کپڑے، بدن اور طواف کی جگہ نجاست حقیقیہ سے پاک ہو۔ اور اکثر علمائے کرام فرماتے ہیں کہ طواف کے لیے نجاست حقیقیہ سے پاکی سنت مؤکدہ ہے واجب نہیں ہے جیسا کہ شرح لباب المناسک کے اندر مذکور ہے۔

طواف کرتے وقت ستر کا چھپانا

بارہواں واجب طواف کرتے وقت ستر کا چھپانا ہے۔ اگر طواف کرتے وقت ستر میں تین چوتھائی یا اس سے زیادہ کھل جائے تو اس پر دم لازم ہوتا ہے، جس طرح کہ اگر نماز میں تین چوتھائی یا اس سے زیادہ ستر کھل جائے تو نماز باطل ہو جاتی ہے اور واجب الاعادہ ہوتی ہے۔

سعی کی ابتداء کہاں سے کی جائے؟

حج کے واجبات میں سے تیرہواں واجب صفا و مروہ کے درمیان دوڑنے کی ابتداء صفا پہاڑی سے کرنا ہے۔ اگر کوئی شخص سعی کی ابتداء مروہ پہاڑی سے کرے گا تو اصح قول کے مطابق پہلا چکر شمار نہیں ہوگا، یعنی پہلی مرتبہ جو مروہ سے صفا تک چلے گا وہ شمار نہ ہوگا، پھر صفا سے جب مروہ کا چکر لگائے گا تو پہلا چکر شمار ہوگا۔ اور چودھواں واجب یہ ہے کہ جس کے پاس کوئی معقول عذر نہ ہو وہ سعی بین الصفا والمروہ پیدل کرے جیسا کہ اس سے پہلے گذر چکا ہے۔

قارن، متمتع کے لیے دم دینا اور دو رکعت نماز ادا کرنا

واجبات حج میں سے پندرہواں واجب حج قران اور حج تمتع کرنے والوں کا بکری ذبح کرنا ہے۔ اور سولہواں واجب بیت اللہ شریف کے سات چکر لگانے کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا ہے خواہ کوئی بھی طواف ہو، اگر طواف کرنے والا طواف کے بعد دو رکعت نہیں پڑھے گا تو اس پر دم لازم ہوگا اور اگر دم دینے سے پہلے موت آجائے تو اس پر وصیت کرنا لازم ہوگی۔

حلق اور رمی میں ترتیب کا اعتبار کرنا

اور واجبات حج میں سے سترہواں واجب قربانی کے دن کنکری مارنے، سر منڈانے اور جانور ذبح کرنے کے درمیان اس ترتیب کو باقی رکھنا ہے جو آگے آنے والی ہے، رہا طواف کرنے، کنکری مارنے اور سر منڈانے کے درمیان ترتیب برقرار رکھنا تو یہ سنت ہے چنانچہ اگر کسی نے کنکری مارنے اور سر منڈانے سے پہلے بیت اللہ کا طواف کر لیا تو اس پر کچھ بھی واجب نہیں ہے البتہ

ایسا کرنا مکروہ تنزیہی ہے، کیوں کہ سنت چھوٹ گئی، جیسا کہ شرح لباب المناسک میں ہے اور عنقریب آگے یہ مسئلہ آرہا ہے کہ جس نے صرف حج کا احرام باندھا، حج قران اور حج تمتع کا احرام نہیں باندھا اس پر کوئی دم وغیرہ واجب نہیں ہے، باب الجنایات میں اس کی تحقیق آرہی ہے۔

طوافِ زیارت کرنا

واجباتِ حج میں سے اٹھارہواں واجب قربانی کے دنوں میں سے کسی دن طوافِ زیارت کرنا ہے۔ اور واجباتِ حج میں سے انیسواں واجب بیت اللہ کا طواف حطیم سمیت کرنا ہے (اس لیے کہ حطیم کا کچھ حصہ بیت اللہ کے اندر شامل ہے، حطیم بیت اللہ کے جانب شمال اور جانب مغرب میں ایک جگہ کا نام ہے جس کا نشان بنا ہوا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ یہ حصہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں بیت اللہ کے اندر داخل تھا، دورِ جاہلیت میں جب قریش نے کعبہ کی تعمیر کی تو اخراجات کی کمی کی وجہ سے اس کو کعبہ سے الگ کر دیا، چونکہ اس کا داخل کعبہ ہونا نص قطعی سے ثابت نہیں ہے اس لیے اس کا طواف فرض نہیں ہے بلکہ صرف واجب ہے)۔

بیسواں واجب سعی کا اس طواف کے بعد ہونا ہے جس کا اعتبار ہے، یعنی چار یا اس سے زیادہ چکر لگانے کے بعد سعی کرنا۔ اور اکیسواں واجب ایامِ قربانی میں حرم کے اندر سر منڈانا ہے۔ بائیسواں واجب وقوفِ عرفہ کے بعد ان اشیاء ممنوعہ کو ترک کرنا ہے جن سے حج فاسد نہیں ہوتا ہے، جیسے وقوفِ عرفہ کے بعد جماع کرنا۔ تیئیسواں واجب سلے ہوئے لباس کے پہننے کو چھوڑ دینا ہے۔ چوبیسواں واجب سر کے چھپانے کو چھوڑ دینا ہے۔ پچیسواں واجب چہرہ چھپانے کو چھوڑنا ہے۔

واجبات کے متعلق ایک ضابطہ کلیہ

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ باب حج میں واجبات سے متعلق قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ ہر وہ شئی جس کے ترک سے حاجی پر دم واجب ہوتا ہو وہ واجب ہے۔ ملتقی نامی کتاب میں اس کی صراحت ہے۔ اور جن افعال کے چھوڑنے سے دم واجب ہوتا ہے ان کی تفصیل باب الجنایات میں آئے گی۔ یہاں مصنف نے قاعدہ کلیہ بیان کر کے اس طرح اشارہ کرنا چاہا کہ واجباتِ حج مذکورہ پچیس ہی میں منحصر نہیں ہیں بلکہ اس ضابطہ کے تحت جو شئی بھی داخل ہوگی وہ سب واجب ہوگی۔

(وَغَيْرُهَا سُنَنٌ وَآدَابٌ) كَأَنْ يَتَوَسَّعَ فِي النَّفَقَةِ وَيُحَافِظَ عَلَى الطَّهَارَةِ وَعَلَى صَوْنِ لِسَانِهِ وَيَسْتَأْذِنَ أَبَوَيْهِ وَدَائِنَهُ وَكَفِيلَهُ وَيُوَدِّعَ الْمَسْجِدَ بِرَكْعَتَيْنِ وَمَعَارِفَهُ وَيَسْتَحِلَّهُمْ وَيَلْتَمِسَ دُعَاءَهُمْ وَيَتَصَدَّقَ بِشَيْءٍ عِنْدَ خُرُوجِهِ وَيَخْرُجَ يَوْمَ الْخَمِيسِ فَفِيهِ خَرَجَ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ أَوْ الِاثْنَيْنِ أَوْ الْجُمُعَةِ بَعْدَ التَّوْبَةِ وَالِاسْتِخَارَةِ أَيْ فِي أَنَّهُ هَلْ يَشْتَرِي أَوْ يَكْتَرِي

وَهَلْ يُسَافِرُ بَرًّا أَوْ بَحْرًا وَهَلْ يُرَافِقُ فُلَانًا أَوْ لَا لِأَنَّ الِاسْتِخَارَةَ فِي الْوَاجِبِ وَالْمَكْرُوهِ لَا مَحَلَّ لَهَا وَتَمَامُهُ فِي النَّهْرِ. (وَأَشْهُرُهُ شَوَّالٌ وَذُو الْقَعْدَةِ) بِفَتْحِ الْقَافِ وَتُكْسَرُ (وَعَشْرُ ذِي الْحِجَّةِ) بِكَسْرِ الْحَاءِ وَتُفْتَحُ وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ لَيْسَ مِنْهَا يَوْمُ النَّحْرِ وَعِنْدَ مَالِكٍ ذُو الْحِجَّةِ كُلُّهُ عَمَلًا بِالْآيَةِ. قُلْنَا اسْمُ الْجَمْعِ يَشْتَرِكُ فِيهِ مَا وَرَاءَ الْوَاحِدِ، وَفَائِدَةُ التَّأْقِيتِ أَنَّهُ لَوْ فَعَلَ شَيْئًا مِنْ أَفْعَالِ الْحَجِّ خَارِجَهَا لَا يُجْزِيهِ (وَ) أَنَّهُ (يُكْرَهُ الْإِحْرَامُ) لَهُ (قَبْلَهَا) وَإِنْ أَمِنَ عَلَى نَفْسِهِ مِنَ الْمَحْظُورِ لِشِبْهِهِ بِالرُّكْنِ كَمَا مَرَّ وَإِطْلَاقُهَا يُفِيدُ التَّحْرِيمَ

سنن وآدابِ حج کا بیان

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ فرائض وواجبات کے علاوہ تمام افعال یا تو سنت ہیں یا آدابِ حج میں سے ہیں، چنانچہ حج میں اپنے اوپر اور اپنے سواری پر کشادگی کے ساتھ خرچ کرنا اور ہمیشہ باوضو رہنا اور زبان کو غیبت وبدگوئی وغیرہ سے حفاظت رکھنا یہ سب حج کے اندر مطلوب ہیں، چنانچہ ارشادِ ربانی ہے: {فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ} جس نے حج کو لازم کرلیا اس کے لیے نہ تو جماع کرنا ہے، نہ فسق وفجور کی باتیں جائز ہیں اور نہ ہی حج میں جنگ وجدال جائز ہے۔

اسی طرح حج کے لیے والدین سے اجازت لینا اور جس کا ذمہ میں قرض باقی ہے اور جو اس کے کہنے سے کفیل وذمہ دار بنا ہے ان سب سے اجازت لے کر حج میں جانا مستحب ہے۔ اور حج کے واسطے جب گھر سے نکلنے کا ارادہ کرے تو محلہ کی مسجد میں جا کر دو رکعت نماز ادا کرے اور اپنے جان پہچان والوں سے مل جل کر سفرِ حج کے لیے رخصت ہوتا کہ وہ دعائے خیر کریں اور ان لوگوں سے اپنی غلطی کی معافی چاہے اور ان سے دعا کی درخواست کرے۔ (اور فتح القدیر میں ہے کہ حج میں جاتے وقت جاننے والوں سے خود جا کر ملے اور حج سے واپسی پر جاننے والوں کو چاہئے کہ خود جا کر ان سے ملیں)۔

سفرِ حج میں روانگی کے وقت صدقہ کرنا

اور سفرِ حج میں روانگی کے وقت کچھ خیرات وصدقہ کرنا مستحب ہے، اس لیے کہ صدقہ بلاؤں اور مصیبتوں کو ٹالتا ہے۔ اور مستحب یہ ہے کہ جمعرات کے روز حج کا سفر شروع کرے، اس لیے کہ سرورِ دو عالم ﷺ نے جمعرات ہی کے دن حجۃ الوداع کا سفر شروع فرمایا تھا۔ اور اگر جمعرات کو کسی وجہ سے جانا نہ ہو سکے تو سوموار یا پھر جمعہ کے دن سفرِ حج کے لیے روانہ ہو اور روانہ ہونے سے پہلے اپنی کوتاہیوں سے توبہ کرے اور استخارہ کرے کہ کن لوگوں کے ساتھ سفر کرنا موزوں رہے گا اور سفرِ حج میں حاجی سواری مول لے یا کرایہ پر استعمال کرے اور خشکی کا سفر اچھا رہے گا یا سمندر کا سفر، ان اُمور میں استخارہ کرے لیکن وہ امور جو ذمہ میں

واجب ہیں یا وہ امور جو مکروہات میں سے ہیں استخارہ کا محل ہی نہیں ہیں اور اس کی پوری تفصیل النہر الفائق میں ہے۔

اَشہرِ حج کا بیان

حج کے مہینے تین ہیں: (۱) شوال (۲) ذی قعدہ (۳) ذی الحجہ کے دس دن۔

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ لفظ ''ذوالقعدہ'' قاف کے فتحہ اور کسرہ دونوں طرح مستعمل ہے اور اسی طرح لفظ ذی الحجہ بھی حاء کے زیر اور زبر دونوں کے ساتھ مستعمل ہے۔ اور حضرت امام مالکؒ کے نزدیک ذی الحجہ کا پورا مہینہ حج کے مہینوں میں داخل ہے اور ان کی دلیل قرآنِ کریم آیت ﴿الْحَجُّ أَشْهُرٌ مَّعْلُومٰتٌ﴾ ہے، یہاں لفظ اشہر جمع کا صیغہ ہے اور اقل جمع تین ہیں لہٰذا تینوں مہینے کامل مراد ہوں گے، ان کے استدلال کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ دو سے زیادہ پر بھی جمع کا اطلاق ہوتا ہے۔

اور حج کے مہینوں کی تعیین کا فائدہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص افعالِ حج ان مہینوں کے علاوہ دنوں میں ادا کرے گا تو وہ کافی شمار نہ ہوگا اور یہاں اگر لا یجزءُ کے بجائے لا یحل کہتے تو زیادہ بہتر تھا، اس لیے کہ بعض چیزیں کفایت کرتی ہیں، مگر حلال نہیں ہیں۔

اشہرِ حج سے پہلے احرام باندھنے کا حکم

اشہرِ حج سے پہلے احرام باندھنا مکروہ ہے، اگرچہ اس کو اپنے آپ پر یہ اطمینان ہو کہ وہ ممنوعات کا ارتکاب نہیں کرے گا۔ اور کراہت کی وجہ یہ ہے کہ احرام درحقیقت رکن کے مشابہ ہے جیسا کہ گذرا اور یہاں مطلقاً کراہت کہنے سے کراہت تحریمی ہی مراد ہے، اس لیے کہ جب مطلق کراہت بولا جاتا ہے تو کراہت تحریمی مراد ہوتی ہے۔

(وَالْعُمْرَةُ) فِي الْعُمُرِ (مَرَّةً سُنَّةٌ مُؤَكَّدَةٌ) عَلَى الْمَذْهَبِ وَصَحَّحَ فِي الْجَوْهَرَةِ وُجُوبَهَا. قُلْنَا الْمَأْمُورُ بِهِ فِي الْآيَةِ الْإِتْمَامُ وَذٰلِكَ بَعْدَ الشُّرُوعِ وَبِهِ نَقُولُ (وَهِيَ إِحْرَامٌ وَطَوَافٌ وَسَعْيٌ) وَحَلْقٌ أَوْ تَقْصِيرٌ فَالْإِحْرَامُ شَرْطٌ، وَمُعْظَمُ الطَّوَافِ رُكْنٌ وَغَيْرُهُمَا وَاجِبٌ هُوَ الْمُخْتَارُ وَيَفْعَلُ فِيهَا كَفِعْلِ الْحَاجِّ (وَجَازَتْ فِي كُلِّ السَّنَةِ) وَنُدِبَتْ فِي رَمَضَانَ (وَكُرِهَتْ) تَحْرِيمًا (يَوْمَ عَرَفَةَ وَأَرْبَعَةً بَعْدَهَا) أَيْ كُرِهَ إِنْشَاؤُهَا بِالْإِحْرَامِ حَتَّى يَلْزَمَهُ دَمٌ وَإِنْ رَفَضَهَا لَا أَدَاؤُهَا فِيهَا بِالْإِحْرَامِ السَّابِقِ كَقَارِنٍ فَاتَهُ الْحَجُّ فَاعْتَمَرَ فِيهَا لَمْ يُكْرَهْ سِرَاجٌ، وَعَلَيْهِ فَاسْتِثْنَاءُ الْخَانِيَةِ الْقَارِنَ مُنْقَطِعٌ فَلَا يَخْتَصُّ بِيَوْمِ عَرَفَةَ كَمَا تَوَهَّمَهُ فِي الْبَحْرِ.

عمر میں ایک مرتبہ عمرہ کرنا سنت ہے

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ پوری زندگی میں ایک مرتبہ عمرہ کرنا صحیح مذہب کے مطابق سنتِ مؤکدہ ہے۔ اور جوہرۃ میں وجوب کے قول کو صحیح کہا ہے، یعنی پوری عمر میں ایک مرتبہ عمرہ کرنا واجب ہے اور اس کی دلیل قرآنِ کریم کی آیت ﴿وَ

أَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ پیش کی ہے۔

شارح علیہ الرحمہ اس کے جواب میں یہ فرماتے ہیں کہ آپ نے جس آیت کریمہ کو وجوب عمرہ کی دلیل میں پیش کیا ہے اس میں اتمام کا حکم ہے اور اتمام شروع کرنے پر موقوف ہے اور ہم بھی اس کے قائل ہیں کہ سنت بلکہ نفل کو بھی شروع کرنے سے اس کا اتمام لازم ہوجاتا ہے۔

عمرہ کے افعال

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ عمرہ کے اندر چار کام کرنے ہوتے ہیں: (۱) احرام باندھنا (۲) بیت اللہ شریف کا طواف کرنا (۳) صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنا ۴۔ حلق یا قصر کرانا۔ ان چاروں افعال کے مجموعہ کا نام عمرہ ہے۔ پس عمرہ کے اندر احرام باندھنا شرط ہے اور طواف کا اکثر حصہ ادا کرنا فرض ہے اور ان دونوں کے علاوہ بقیہ افعال واجب ہیں اس مسئلہ میں یہی مختار مذہب ہے۔ اور عمرہ کا احرام، طواف، سعی اور حلق یا تقصیر اسی طرح ہوں گے جس طرح حج کے اندر ہوتے ہیں، سر منڈوانے کے بعد آدمی احرام سے نکل جاتا ہے، پورے سال عمرہ کرنا جائز ہے البتہ رمضان المبارک میں عمرہ ادا کرنا مستحب ہے۔ (اس لیے کہ ابن عباسؓ کی حدیث ہے کہ رمضان شریف میں عمرہ کرنے کا ثواب حج کے برابر ہے)۔

سال کے پانچ دنوں میں عمرہ کرنا مکروہ ہے

حضرت مصنفؒ فرماتے ہیں کہ عرفہ کے دن اور عرفہ کے بعد چار دن یعنی سال کے پانچ دنوں میں عمرہ ادا کرنا مکروہ تحریمی ہے، یعنی ان دنوں میں باقاعدہ احرام باندھ کر عمرہ شروع کرنا مکروہ تحریمی ہے، کیوں کہ اس طرح کرنے سے اس پر دم واجب ہوگا اور اس کو چھوڑنا بھی پڑے گا، ہاں اگر کوئی شخص پہلے سے احرام باندھ رکھا ہے تو اس کے لیے ان دنوں میں عمرہ ادا کرنا مکروہ نہیں ہے، جیسے کہ کوئی شخص حج قران کرنے والا تھا مگر اس کا حج فوت ہوگیا تو اس نے عمرہ کرلیا تو اس میں کسی طرح کی کوئی کراہت نہیں ہے، جیسا کہ السراج الوہاج میں ہے۔ اور فتویٰ اسی پر ہے اور فتاویٰ قاضی خاں میں قارن کو مستثنیٰ کرنا مستثنیٰ منقطع ہے، لہٰذا عرفہ کے دن کے ساتھ خاص نہ ہوگا جیسا کہ صاحب البحر الرائق کو وہم ہوگیا ہے۔

(وَالْمَوَاقِيتُ) أَيِ الْمَوَاضِعُ الَّتِي لَا يُجَاوِزُهَا مُرِيدُ مَكَّةَ إِلَّا مُحْرِمًا خَمْسَةٌ (ذُو الْحُلَيْفَةِ) بِضَمٍّ فَفَتْحٍ مَكَانٌ عَلَى سِتَّةِ أَمْيَالٍ مِنَ الْمَدِينَةِ وَعَشْرِ مَرَاحِلَ مِنْ مَكَّةَ تُسَمِّيهَا الْعَوَامُّ أَبْيَارَ عَلِيٍّ -رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ- يَزْعُمُونَ أَنَّهُ قَاتَلَ الْجِنَّ فِي بَعْضِهَا وَهُوَ كَذِبٌ (وَذَاتُ عِرْقٍ) بِكَسْرٍ فَسُكُونٍ عَلَى مَرْحَلَتَيْنِ مِنْ مَكَّةَ (وَجُحْفَةٌ) عَلَى ثَلَاثِ مَرَاحِلَ بِقُرْبِ رَابِغٍ (وَقَرْنٌ) عَلَى مَرْحَلَتَيْنِ فَتْحُ الرَّاءِ خَطَأٌ وَنِسْبَةُ أُوَيْسٍ إِلَيْهِ خَطَأٌ آخَرُ (وَيَلَمْلَمُ) جَبَلٌ عَلَى مَرْحَلَتَيْنِ أَيْضًا (لِلْمَدَنِيِّ

وَالْعِرَاقِيِّ وَالشَّامِيِّ) الْغَيْرِ الْمَارِّ بِالْمَدِينَةِ بِقَرِينَةِ مَا يَأْتِي (وَالنَّجْدِيِّ وَالْيَمَنِيِّ) لَفٌّ وَنَشْرٌ مُرَتَّبٌ وَيَجْمَعُهَا قَوْلُهُ:

عِرْقُ الْعِرَاقِ يَلَمْلَمُ الْيَمَنِ ☆ وَبِذِي الْحُلَيْفَةِ يُحْرِمُ الْمَدَنِيّ

لِلشَّامِ جُحْفَةُ إِنْ مَرَرْتَ بِهَا ☆ وَلِأَهْلِ نَجْدٍ قَرْنُ فَاسْتَبِنْ

(وَكَذَا هِيَ لِمَنْ مَرَّ بِهَا مِنْ غَيْرِ أَهْلِهَا) كَالشَّامِيِّ يَمُرُّ بِمِيقَاتِ أَهْلِ الْمَدِينَةِ فَهُوَ مِيقَاتُهُ قَالَهُ النَّوَوِيُّ الشَّافِعِيُّ وَغَيْرُهُ وَقَالُوا وَلَوْ مَرَّ بِمِيقَاتَيْنِ فَإِحْرَامُهُ مِنَ الْأَبْعَدِ أَفْضَلُ وَلَوْ أَخَّرَهُ إِلَى الثَّانِي لَا شَيْءَ عَلَيْهِ عَلَى الْمَذْهَبِ وَعِبَارَةُ اللُّبَابِ سَقَطَ عَنْهُ الدَّمُ وَلَوْ لَمْ يَمُرَّ بِهَا تَحَرَّى وَأَحْرَمَ إِذَا حَاذَى أَحَدَهَا وَأَبْعَدُهَا أَفْضَلُ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ بِحَيْثُ يُحَاذِي فَعَلَى مَرْحَلَتَيْنِ.

مواقیت حج کا بیان

یہاں سے حضرت مصنف علیہ الرحمہ ان جگہوں کو بیان کر رہے ہیں جہاں سے بغیر احرام باندھے مکہ مکرمہ کی طرف آگے بڑھنا جائز نہیں ہے، جن کو شریعت کی اصطلاح میں میقات اور مواقیت کہا جاتا ہے۔ اور وہ کل پانچ جگہیں ہیں (خانہ کعبہ کو چوں کہ اللہ تعالیٰ نے مکرم و معظم اور باعظمت بنایا ہے اور اس کو دربار الٰہی قرار دیا ہے اور چوں کہ بیت اللہ مکہ مکرمہ کے اندر ہے اس لیے احترام کعبہ میں شہر مکہ داخل ہونے سے پہلے مقررہ جگہ سے احرام باندھ کر داخل ہونا واجب ہے)۔

(۱) مقام ذوالحلیفہ

ان پانچ جگہوں میں سے پہلی جگہ جہاں سے احرام باندھے بغیر مکہ مکرمہ کی جانب بڑھنا جائز نہیں ہے مقامِ ذوالحلیفہ ہے۔ اور یہ لفظ حاء کے ضمہ اور لام کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ اور ذوالحلیفہ مدینہ منورہ سے چھ میل کی دوری اور مکہ مکرمہ سے دس منزل کی دوری پر واقع ہے۔ عوام الناس اس مقام کو ابیار علی (کنویں) کے نام سے موسوم کرتے ہیں، اور ان لوگوں کا خیال یہ تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جنوں سے یہاں کسی کنویں پر مقابلہ کیا ہے، حالانکہ یہ خیال بالکل غلط اور سراسر جھوٹ ہے، مقام ذوالحلیفہ اہل مدینہ اور اس طرف سے آنے والوں کا میقات ہے۔

(۲) ذاتِ عرق

دوسری میقات "ذاتِ عرق" ہے۔ یہ لفظ عین کے کسرہ اور راء کے سکون کیساتھ مستعمل ہے، یہ مقام مکہ مکرمہ سے دو منزل کی دوری پر جانب مشرق میں واقع ہے، یہ مقام عراق والوں اور عراق کی جانب سے آنے والے تمام لوگوں کی میقات ہے۔

(۳) مقام جحفہ

تیسری میقات مقامِ جحفہ ہے جو مکہ مکرمہ سے تین منزل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اور مقامِ رابغ کے بالکل قریب ہے (یہ

لفظ جیم کے ضمہ اور حاء کے سکون کے ساتھ مستعمل ہے، یہ جگہ اہل مصر، اہل شام اور مغرب کی جانب سے آنے والوں کی میقات ہے۔ اور اس جگہ کا نام "جحفہ" اس لیے پڑا ہے کہ سیلاب اس جگہ سے آیا اور اس کے باشندوں کو ہلاک و برباد کر دیا تھا اس کا اصل نام "مہیعہ" ہے)۔ (شامی: ۳/۴۷۹)

(۴) قرن

چوتھی میقات "مقامِ قرن" ہے۔ یہ لفظ قاف کے فتحہ کے ساتھ اور راء کے سکون کے ساتھ ہے۔ یہ جگہ مکہ مکرمہ سے دو منزل کی دوری پر واقع ہے۔ بعض حضرات نے اس لفظ کو راء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے جو غلط ہے۔ اور حضرت اویس کو اس کی طرف منسوب کرنا بھی غلط ہے، یعنی اویس قرنی جو کہا جاتا ہے وہ اس لیے نہیں کہ ان کی نسبت اس مقامِ قرن کی طرف ہے؛ بلکہ حضرت اویس اس قبیلہ کی طرف منسوب ہو کر قرنی کہے جاتے ہیں جو بنو قرن کے نام سے معروف و مشہور ہے، قرن اہل نجد کے لیے میقات ہے۔

(۵) مقام یلملم

پانچواں میقات "یلملم" ہے۔ یہ مکہ معظمہ سے جانب جنوب میں دو منزل پر واقع ایک پہاڑی کا نام ہے، یہ یمن والوں اور ہندوستانیوں کے لیے میقات ہے۔ ایک شاعر نے ان مواقیت اور اہل مواقیت کو اپنے اشعار میں جمع کر دیا ہے، جن کا ترجمہ یہ ہے: "ذات عرق عراق والوں کی میقات ہے۔ اور یلملم یمن والوں کے لیے میقات ہے۔ اور ذوالحلیفہ سے اہل مدینہ احرام باندھتے ہیں۔ اور اہل شام کی میقات جحفہ ہے، اگر تم اسکے پاس سے گذرو۔ اور نجد والوں کی میقات قرن ہے۔

اسی طرح مذکورہ بالا مواقیت ان لوگوں کے لیے میقات ہیں جو ان کی طرف سے ہو کر کے آئیں، چنانچہ اگر کوئی شامی مدینہ منورہ کی میقات کی طرف سے آئے گا تو اس کے واسطے وہی میقات ہوگی جو مدینہ منورہ والوں کی میقات ہوگی، مثال کے طور پر شام والوں کی میقات مقامِ جحفہ ہے لیکن وہ مدینہ کی طرف سے آرہے ہیں تو ان کی میقات ذوالحلیفہ ہی ہوگی اور ذوالحلیفہ پہنچ کر احرام باندھیں گے ان کے واسطے جحفہ جانا ضروری نہیں ہے، اسی کو امام شافعی اور امام نووی وغیرہ نے کہا ہے۔

دو میقات سے گذرنے والا کہاں سے احرام باندھے؟

حضرات علمائے کرامؒ نے فرمایا کہ جو شخص دو میقات سے ہو کر گذرے گا تو اس کے لیے افضل اور بہتر یہ ہے کہ جو میقات مکہ مکرمہ سے دوری پر ہو وہاں پہنچ کر احرام باندھے، لیکن اگر اس نے وہاں احرام نہیں باندھا بلکہ دوسرے میقات پر پہنچ کر احرام باندھا تو صحیح قول کے مطابق کوئی حرج نہیں ہے اور نہ اس پر کوئی کفارہ لازم آئے گا۔ اور لباب نامی کتاب میں عبارت یہ ہے کہ اس سے دم ساقط ہو جائے گا، یعنی جب وہ میقات اوّل سے بغیر احرام باندھے گذرا تو اس پر دم لازم ہو گیا تھا لیکن جب

اس نے دوسرے میقات پر پہنچ کر احرام باندھ لیا تو اب اس سے دم ساقط ہو گیا۔

میقات نہ ملنے کی صورت میں کیا حکم ہے؟

اگر کوئی شخص مکہ مکرمہ ایسے راستے سے جائے کہ بیچ میں میقات نہ پڑے تو ایسی صورت میں غور و فکر کرے اور جہاں دل مطمئن ہو جائے کہ یہ میقات کے برابر میں ہے وہاں احرام باندھ لے۔ اور اگر کسی جگہ دو میقات سامنے پڑتے ہوں تو جو میقات مکہ مکرمہ سے زیادہ دور ہو وہاں سے احرام باندھنا افضل ہوگا۔ اور اگر کسی ایسے راستے سے جائے کہ کوئی میقات سامنے نہ پڑتا ہو اور نہ اندازہ میں آتا ہو تو اس صورت میں جب مکہ مکرمہ دو منزل کی دوری پر رہ جائے تو احرام باندھ لینا چاہئے کیونکہ کوئی بھی میقات دو منزل سے کمتر نہیں ہے۔

(وَحَرُمَ تَأْخِيرُ الْإِحْرَامِ عَنْهَا) كُلِّهَا (لِمَنْ) أَيْ لِآفَاقِيٍّ (قَصَدَ دُخُولَ مَكَّةَ) يَعْنِي الْحَرَمَ (وَلَوْ لِحَاجَةٍ) غَيْرِ الْحَجِّ أَمَّا لَوْ قَصَدَ مَوْضِعًا مِنَ الْحِلِّ كَخُلَيْصٍ وَجُدَّةَ حَلَّ لَهُ مُجَاوَزَتُهُ بِلَا إِحْرَامٍ فَإِذَا حَلَّ بِهِ الْتَحَقَ بِأَهْلِهِ فَلَهُ دُخُولُ مَكَّةَ بِلَا إِحْرَامٍ وَهُوَ الْحِيلَةُ لِمُرِيدِ ذَلِكَ إِلَّا لِمَأْمُورٍ بِالْحَجِّ لِلْمُخَالَفَةِ (لَا) يَحْرُمُ (التَّقْدِيمُ) لِلْإِحْرَامِ (عَلَيْهَا) بَلْ هُوَ الْأَفْضَلُ إِنْ فِي أَشْهُرِ الْحَجِّ وَأَمِنَ عَلَى نَفْسِهِ (وَحَلَّ لِأَهْلِ دَاخِلِهَا) يَعْنِي لِكُلِّ مَنْ وُجِدَ فِي دَاخِلِ الْمَوَاقِيتِ (دُخُولُ مَكَّةَ غَيْرَ مُحْرِمٍ) مَا لَمْ يُرِدْ نُسُكًا لِلْحَرَجِ كَمَا لَوْ جَاوَزَهَا حَطَّابُو مَكَّةَ فَهَذَا (مِيقَاتُهُ الْحِلُّ) الَّذِي بَيْنَ الْمَوَاقِيتِ وَالْحَرَمِ (وَ) الْمِيقَاتُ (لِمَنْ بِمَكَّةَ) يَعْنِي مَنْ بِدَاخِلِ الْحَرَمِ (لِلْحَجِّ الْحَرَمُ وَلِلْعُمْرَةِ الْحِلُّ) لِيَتَحَقَّقَ نَوْعُ سَفَرٍ وَالتَّنْعِيمُ أَفْضَلُ وَنَظَمَ حُدُودَ الْحَرَمِ ابْنُ الْمُلَقِّنِ فَقَالَ:

وَلِلْحَرَمِ التَّحْدِيدُ مِنْ أَرْضِ طَيْبَةَ ۔۔۔ ثَلَاثُ أَمْيَالٍ إِذَا رُمْتَ إِتْقَانَهُ
وَسَبْعَةُ أَمْيَالٍ عِرَاقٍ وَطَائِفٍ ۔۔۔ وَجُدَّةُ عَشْرٌ ثُمَّ تِسْعٌ جِعِرَّانَهُ.

مکہ کے باہر سے آنے والوں کے لیے احرام باندھنے کا حکم

مکہ مکرمہ کے باہر سے آنے والے والوں کے لیے جو شہر مکہ میں داخل ہونے کا ارادہ رکھتے ہوں خواہ کسی بھی ضرورت کے لیے داخل ہونے کا ارادہ ہو، حج کے علاوہ ضرورت سے داخل ہونا چاہتا ہے تو ان کے لیے ان مواقیت مذکورہ سے بغیر احرام باندھے آگے بڑھنا اور احرام باندھنے میں تاخیر کرنا حرام ہے کیونکہ احرام باندھنے کا حکم خانہ کعبہ کی تعظیم و تکریم کے لیے ہے، لہٰذا جو بھی مکہ داخل ہوگا اس پر تعظیم کعبہ لازم ہوگی، خواہ کسی بھی مقصد کے پیش نظر مکہ میں داخل ہو رہا ہو۔ (البتہ فتح مکہ کے روز رسول اکرم ﷺ کا بغیر احرام کے داخل ہونا یہ آپ علیہ السلام کے ساتھ مخصوص تھا جس کی تصریح احادیث صحیحہ صریحہ میں موجود ہے۔

غیر مکہ میں داخل ہونے کے لیے احرام باندھنا لازم نہیں

ہاں اگر مکہ مکرمہ کے باہر سے آنے والا شخص مکہ معظمہ کے علاوہ حل میں داخل ہونے کا ارادہ رکھتا ہو جو میقات کے اندر ہیں، جیسے خلیص، جدہ وغیرہ تو اس کے لیے مواقیت سے بغیر احرام باندھے گذرنا جائز ہے۔ اور جب وہ وہاں پہنچ گیا تو وہاں کے باشندوں کے ساتھ مل گیا اور وہاں کے باشندوں کے لیے بلا احرام مکہ میں داخل ہونا جائز ہے، لہٰذا اس کے واسطے بھی بلا احرام مکہ میں داخل ہونا جائز ہے اور یہ اس شخص کے واسطے حیلہ ہے جو بغیر احرام باندھے مکہ مکرمہ میں داخلہ کا ارادہ رکھتا ہو، البتہ جو شخص مامور بالحج ہو یعنی حج اس پر فرض ہو وہ اس طرح کا حیلہ کرے تو یہ اس کے لیے جائز نہیں ہے، کیونکہ اس سے مخالفت لازم آتی ہے۔

میقات سے پہلے احرام باندھ لینے کا شرعی حکم

جن مواقیت کا اوپر تذکرہ ہوا ہے ان مواقیت سے پہلے اگر کوئی شخص احرام باندھنا چاہے تو باندھ سکتا ہے یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو اپنے آپ پر کامل اعتماد ہو کہ ممنوعات حج سے بچارہے گا تو اس کے واسطے اشہر حج میں میقات کے آنے سے پہلے احرام باندھ لینا حرام نہیں ہے بلکہ افضل ہے۔ (کیوں کہ اس کے اندر خانۂ کعبہ کی تعظیم زیادہ ہوتی ہے اور زیادہ مشقت اٹھانی پڑتی ہے اس لیے ثواب بھی زیادہ ہوگا البتہ شوال سے پہلے احرام باندھنا مکروہ ہے اگر چہ اپنے نفس پر اعتماد ہی کیوں نہ ہو)۔

اندرونِ مواقیت میں رہنے والوں کا حکم

اور وہ لوگ جو اندرون مواقیت رہتے ہیں خواہ وہ عین میقات میں ہوں یا اس سے ہٹ کر علیحدہ حرم کی طرف ہوں ان کے واسطے احرام کے بغیر مکہ مکرمہ میں داخلہ حلال اور جائز ہے بشرطیکہ انھوں نے حج یا عمرہ کا ارادہ نہ کیا ہو، اس لیے کہ ایسے لوگوں کی بکثرت آمد و رفت ہوتی رہتی ہے احرام باندھ کر داخل ہونے میں حرج ہے، جیسے کہ ان لوگوں کے واسطے مکہ میں بغیر احرام کے داخلہ حلال ہے جو لکڑیوں کے واسطے مکہ سے باہر نکلے ہوں اور آفاقی مواقیت سے آگے نہ بڑھے ہوں، لیکن اگر کی مواقیت سے آگے بڑھ جائے گا تو وہ بھی آفاقی ہی کے حکم میں ہوگا اور احرام کے ساتھ داخل ہونا پڑے گا۔

اور جو لوگ میقات کے اندر رہتے ہیں اگر وہ حج یا عمرہ کے ارادہ سے چلیں گے تو اس وقت ان کے لیے بغیر احرام کے داخلہ جائز نہ ہوگا اور ایسے لوگوں کا میقات حل ہے۔ (اور حل وہ جگہ ہے جو مواقیت اور حرم کے درمیان میں ہے)۔

حرم والے کا میقات

اور جو لوگ حرم کے اندر ہی رہنے والے ہیں ان کے لیے حج کا میقات حرم شریف ہے، خواہ وہ اپنے گھروں سے احرام باندھیں اور حرم کے باشندے اگر عمرہ کرنا چاہیں تو عمرہ کے واسطے ان کا میقات حل ہے تا کہ ایک گونہ سفر پایا جائے۔ خلاصہ یہ

الگا کہ اہل حرم کے لیے حج کا میقات حرم شریف ہے اور عمرہ کا میقات حل ہے۔

عمرہ کا احرام مقام تنعیم سے باندھنا افضل ہے

اہل حرم کے لیے عمرہ کے واسطے مقامِ تنعیم سے احرام باندھنا افضل ہے۔ (اور مقامِ تنعیم مکہ مکرمہ سے تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے اور یہاں سے احرام باندھنا افضل اس لیے ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا کہ عمرہ کے واسطے مقامِ تنعیم سے احرام باندھیں۔ آج کل وہاں ایک عالی شان خوبصورت حسین مسجد بنی ہوئی ہے جس کو ''مسجد عائشہ'' کہتے ہیں)۔ (شامی: ۳/۴۸۵)

ابن الملقن نے حدودِ حرم کو نظم کے اندر بیان کیا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے:

''حرم کی حد مدینہ منورہ کی جانب سے تین میل ہے اور عراق وطائف کی طرف سے سات میل ہے۔ اور جدہ کی طرف سے دس میل ہے۔ جعرانہ کی طرف سے نو میل ہے۔ (اور یمن کی طرف سے سات میل ہے یہ اس کی حد پوری ہوگئی، پس میں اپنے رب سبحانہ وتعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں اس کے فضل واحسان پر'')۔

(فَصْلٌ) فِي الْإِحْرَامِ وَصِفَةِ الْمُفْرِدِ بِالْحَجِّ

یہ فصل احرام باندھنے اور مفرد بالحج کی صفات کے بیان میں ہے

ترجمہ وتشریح: اس فصل میں حضرت مصنف علیہ الرحمہ احرام اور مفرد بالحج کے متعلق احکام ومسائل بیان کریں گے، یعنی حالتِ احرام میں محرم کے لیے کیا کیا چیزیں ممنوع ہیں اور کیا کیا چیزیں حلال ہیں ان کا بیان ہوگا، نیز ساتھ ساتھ یہ بھی بیان ہوگا کہ مفرد بالحج یعنی جو صرف حج کا احرام باندھے وہ اپنے حج کو کس طرح ادا کرے گا؟ اس کی کیفیت کیا ہوگی؟ گویا اس فصل میں حج کی کیفیت اور طریقے کا بیان ہوگا۔

(وَمَنْ شَاءَ الْإِحْرَامَ) وَهُوَ شَرْطُ صِحَّةِ النُّسُكِ كَتَكْبِيرَةِ الِافْتِتَاحِ، فَالصَّلَاةُ وَالْحَجُّ لَهُمَا تَحْرِيمٌ وَتَحْلِيلٌ، بِخِلَافِ الصَّوْمِ وَالزَّكَاةِ، ثُمَّ الْحَجُّ أَقْوَى مِنْ وَجْهَيْنِ الْأَوَّلُ أَنَّهُ يُقْضَى مُطْلَقًا وَلَوْ مَظْنُونًا بِخِلَافِ الصَّلَاةِ وَالثَّانِي أَنَّهُ إِذَا أَتَمَّ الْإِحْرَامَ بِحَجٍّ أَوْ عُمْرَةٍ لَا يَخْرُجُ عَنْهُ إِلَّا بِعَمَلِ مَا أَحْرَمَ بِهِ وَإِنْ أَفْسَدَهُ إِلَّا فِي الْفَوَاتِ فَبِعَمَلِ الْعُمْرَةِ وَإِلَّا الْإِحْصَارِ فَبِذَبْحِ الْهَدْيِ (تَوَضَّأَ وَغُسْلُهُ أَحَبُّ وَهُوَ لِلنَّظَافَةِ) لَا لِلطَّهَارَةِ (فَيُحَبُّ) بِحَاءٍ مُهْمَلَةٍ (فِي حَقِّ حَائِضٍ وَنُفَسَاءَ) وَصَبِيٍّ (وَالتَّيَمُّمُ لَهُ عِنْدَ الْعَجْزِ) عَنِ الْمَاءِ (لَيْسَ بِمَشْرُوعٍ) لِأَنَّهُ مُلَوِّثٌ بِخِلَافِ جُمُعَةٍ وَعِيدٍ ذَكَرَهُ الزَّيْلَعِيُّ وَغَيْرُهُ لَكِنْ سَوَّى فِي الْكَافِي بَيْنَهُمَا وَبَيْنَ الْإِحْرَامِ وَرَجَّحَهُ فِي النَّهْرِ وَشَرَطَ لِنَيْلِ

السُّنَّةِ أَنْ يُحْرِمَ وَهُوَ عَلَى طَهَارَتِهِ (وَكَذَا يُسْتَحَبُّ) لِمُرِيدِ الْإِحْرَامِ إِزَالَةُ ظُفْرِهِ وَشَارِبِهِ وَعَانَتِهِ وَحَلْقُ رَأْسِهِ إِنْ اعْتَادَهُ وَإِلَّا فَيُسَرِّحُهُ وَ (جِمَاعُ زَوْجَتِهِ أَوْ جَارِيَتِهِ لَوْ مَعَهُ وَلَا مَانِعَ مِنْهُ) كَحَيْضٍ (وَلُبْسِ إِزَارٍ) مِنْ السُّرَّةِ إِلَى الرُّكْبَةِ (وَرِدَاءٍ) عَلَى ظَهْرِهِ، وَيُسَنُّ أَنْ يُدْخِلَهُ تَحْتَ يَمِينِهِ وَيُلْقِيَهُ عَلَى كَتِفِهِ الْأَيْسَرِ، فَإِنْ زَرَّهُ أَوْ خَلَّلَهُ أَوْ عَقَدَهُ أَسَاءَ وَلَا دَمَ عَلَيْهِ (جَدِيدَيْنِ أَوْ غَسِيلَيْنِ طَاهِرَيْنِ) أَبْيَضَيْنِ كَكَفَنِ الْكِفَايَةِ، وَهَذَا بَيَانُ السُّنَّةِ وَإِلَّا فَسَتْرُ الْعَوْرَةِ كَافٍ (وَطَيَّبَ بَدَنَهُ) إِنْ كَانَ عِنْدَهُ لَا ثَوْبَهُ بِمَا تَبْقَى عَيْنُهُ هُوَ الْأَصَحُّ (وَصَلَّى نَدْبًا) بَعْدَ ذَلِكَ (شَفْعًا) يَعْنِي رَكْعَتَيْنِ فِي غَيْرِ وَقْتٍ مَكْرُوهٍ وَتُجْزِيهِ الْمَكْتُوبَةُ.

حج وعمرہ کی صحت کے لیے احرام باندھنا شرط ہے

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جو شخص حج یا عمرہ کا احرام باندھنا چاہے تو اس کو چاہئے کہ احرام باندھے سے پہلے وضو کرے اور مستحب یہ ہے کہ غسل کرے۔ اور اس کا یہ غسل کرنا نظافت وصفائی کے لیے ہوگا، پاکی حاصل کرنے کے لیے نہیں ہوگا۔ اور یہ احرام حج وعمرہ کے درست ہونے کے لیے اسی طرح شرط ہے جس طرح تکبیر تحریمہ نماز کے لیے شرط ہے، پس نماز اور حج دونوں کے لیے تحریم وتحلیل ہے مثلاً نماز کی تحریم تکبیر تحریمہ ہے اور اس کی تحلیل السلام علیکم کے ذریعہ نماز سے نکلنا ہے اور حج کی تحریم احرام باندھنا ہے اور اس کی تحلیل سر منڈوانا ہے، اس کے برخلاف روزہ اور زکوۃ کے لیے تحریم وتحلیل نہیں ہے۔

حج کی اہمیت

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ حج نماز سے دو وجہ سے قوی تر ہے، پہلی وجہ یہ ہے کہ حج کا قضاء کرنا بہر صورت لازم ہے اگر چہ وہ مظنون ہی کیوں نہ ہو، اس کے برخلاف یہ صورت نماز میں نہیں ہے۔ (یعنی کسی کو یہ خیال ہوا کہ مجھ پر حج فرض ہے چنانچہ اس نے احرام باندھ لیا پھر معلوم ہوا کہ حج فرض نہیں ہوا تھا تو بھی اس حج کو ادا کرنا لازم ہوگا اور اگر چھوڑ دے گا تو اس کی قضاء لازم ہوگی، اس کے برخلاف اگر نماز فرض ہونے کا گمان ہوا اور تکبیر تحریمہ کہہ کے نماز شروع کر دیا پھر معلوم ہوا کہ نماز فرض نہیں تھی پھر اس نے اس کو چھوڑ دیا تو اس کی قضاء لازم نہیں ہے)۔ (شامی: ۳/۴۸۶)

دوسری وجہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص حج یا عمرہ کے لیے احرام پورا کرے گا تو وہ اس وقت تک احرام سے نہیں نکل سکتا ہے جب تک کہ وہ عمل نہ کرلے جس کی وجہ سے احرام باندھا ہے، گو اس کو فاسد ہی کیوں نہ کر ڈالے، ہاں حج کے فوت ہونے سے وہ عمرہ کے احرام سے باہر نکل آئے گا، اور اگر محرم بالحج حج سے کسی وجہ سے روک دیا گیا تو ہدی کا جانور ذبح کر کے احرام سے نکل جائے گا۔ خلاصہ یہ ہے کہ جب حج کا احرام باندھ لیگا تو جب تک حج ادا نہ ہو جائے احرام کھولنا جائز نہیں ہے۔

آدابِ احرام

احرام کے آداب یہ ہیں کہ احرام باندھنے سے پہلے احرام باندھنے والا وضو کرے اور احرام باندھنے سے پہلے غسل کرنا زیادہ پسندیدہ ہے اور یہ غسل نظافت وصفائی کے لیے ہوگا، ناپاکی سے پاکی حاصل کرنے کے لیے نہیں، اسی وجہ سے حیض ونفاس والی عورت اور نابالغ بچہ کے لیے بھی احرام باندھنے سے پہلے بوقت احرام غسل کرنا مستحب ہے۔ اور یہ غسل چونکہ نظافت کے لیے ہوتا ہے اس لیے پانی کے استعمال پر قدرت نہ ہونے کی صورت میں بوقت احرام تیمم کرنا جائز نہیں ہے اس لیے کہ تیمم سے گردآلودگی ہوتی ہے صفائی نہیں ہوتی ہے، البتہ اگر جمعہ اور عیدین کے وقت پانی نہ مل سکے تو تیمم کرنا مشروع ہے، اس کو علامہ زیلعی وغیرہ نے ذکر کیا ہے، لیکن کافی نامی کتاب میں جمعہ وعیدین اور احرام کے لیے تیمم کو عدم مشروعیت میں برابر قرار دیا ہے۔ اور النہر الفائق میں اسی روایت کو راجح قرار دیا ہے اور اس کی دلیل یہ پیش کی ہے کہ مٹی کو صفائی میں اثر نہیں ہے کیوں کہ اس سے جسم صفائی کے بجائے گردآلود ہوتا ہے۔

اور سنت کا ثواب پانے کے لیے شرط یہ ہے کہ طہارت کی حالت میں غسل کے بعد احرام باندھے، چنانچہ اگر کسی شخص نے غسل کے بعد احرام باندھا لیکن وہ باوضو نہیں تھا بلکہ بعد میں وضو کیا تو سنت کا ثواب حاصل نہ ہوگا۔

احرام باندھنے سے پہلے ناخن وغیرہ تراشنا

اسی طرح احرام باندھنے والے کے لیے یہ بھی مستحب ہے کہ احرام باندھنے سے پہلے اپنے ناخن تراشے، مونچھ کتروائے، زیرناف کے بالوں کو صاف کرے اور اس کو سر منڈوانے کی عادت ہو تو سر منڈوائے اور اگر سر منڈوانے کی عادت نہ ہو تو بالوں میں کنگھی کرے۔ (نہانے کے وقت صفائی کے لیے صابن وغیرہ استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے بلکہ مطلوب ہے)۔

اگر مانع شرعی نہ ہو تو احرام باندھنے سے پہلے بیوی سے جماع کرنا مستحب ہے

اسی طرح یہ بھی مستحب ہے کہ اگر بیوی ہو اور کوئی شرعی مانع نہ ہو، یعنی بیوی حیض ونفاس سے نہ ہو تو اس کے واسطے احرام باندھنے سے پہلے وطی کر لینا مستحب ہے۔ اور اگر بیوی نہ ہو بلکہ شرعی باندی ہو تو اس کے ساتھ جماع کرلے۔ (مگر آج کل ہمارے زمانے میں کہیں بھی شرعی باندی نہیں پائی جاتی ہے)۔

غسل کے بعد تہبند اور چادر باندھنا

اور مستحب ہے کہ غسل کے بعد تہبند باندھے جو ناف سے لے کر گھٹنے تک ہو اور چادر اپنی پیٹھ پر ڈالے اور چادر ڈالنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ چادر کو پیٹھ پر ڈال کر اس کے دائیں کنارے کو دائیں بغل سے نکال کر اپنے بائیں مونڈھے پر ڈالے، لیکن چادر میں بٹن لگانا یا اس کو کانٹے سے اٹکانا یا اس کا گرہ لگانا برا ہے، لیکن اس میں کوئی دم واجب نہیں ہے، مستحب یہ ہے کہ

لنگی اور چادر دونوں نئے ہوں یا دونوں دھلے ہوئے اور پاک ہوں، سفید ہوں، جیسے کہ وہ کفن جو بقدر ضرورت ہوتا ہے اور یہ لنگی اور چادر کا بیان بطور سنت ہے ورنہ تو صرف ستر چھپا ہوا ہونا کافی ہے۔

خوشبو لگانا

غسل کرنے کے بعد اور کپڑے بدلنے کے بعد اگر خوشبو ہو تو اس کو اپنے بدن پر ملے اور اگر اس کے پاس خوشبو نہ ہو تو مانگ کر لگانے کی ضرورت نہیں ہے اور اپنے کپڑے پر ایسی خوشبو نہ لگائے جس کا نشان باقی رہ جائے اور نشان نظر آئے، اس بارے میں صحیح قول یہی ہے کہ ایسی خوشبو نہ لگائے اور جب خوشبو وغیرہ احرام باندھنے والا لگا چکے تو اس کے بعد بطور نفل دو رکعت نماز ادا کرے اور ایسے وقت میں ادا کرے جو مکروہ وقت نہ ہو اور اگر وہ وقت کوئی فرض نماز کا ہو اور فرض نماز ادا کرلی تو یہی نماز کافی ہو جائے گی الگ سے نفل ادا کرنا مستحب نہیں ہے۔ (لیکن فرض کے علاوہ مستقل طور پر احرام کے واسطے نفل ادا کرنا افضل ہے اور بقول شامی فرض نماز اس کی طرف سے کافی نہ ہوگی)۔ (شامی: ۴۸۹/۳)

(وَقَالَ الْمُفْرِدُ بِالْحَجِّ) بِلِسَانِهِ مُطَابِقًا لِجَنَانِهِ (اللَّهُمَّ إِنِّي أُرِيدُ الْحَجَّ فَيَسِّرْهُ لِي) لِمَشَقَّتِهِ وَطُولِ مُدَّتِهِ (وَتَقَبَّلْهُ مِنِّي) لِقَوْلِ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ -{رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا}- وَكَذَا الْمُعْتَمِرُ وَالْقَارِنُ بِخِلَافِ الصَّلَاةِ لِأَنَّ مُدَّتَهَا يَسِيرَةٌ كَذَا فِي الْهِدَايَةِ، وَقِيلَ كَذَلِكَ فِي الصَّلَاةِ وَعَمَّمَهُ الزَّيْلَعِيُّ فِي كُلِّ عِبَادَةٍ وَمَا فِي الْهِدَايَةِ أَوْلَى (ثُمَّ لَبَّى دُبُرَ صَلَاتِهِ نَاوِيًا بِهَا) بِالتَّلْبِيَةِ (الْحَجَّ) بَيَانٌ لِلْأَكْمَلِ وَإِلَّا فَيَصِحُّ الْحَجُّ بِمُطْلَقِ النِّيَّةِ وَلَوْ بِقَلْبِهِ، لَكِنْ بِشَرْطِ مُقَارَنَتِهَا بِذِكْرٍ يُقْصَدُ بِهِ التَّعْظِيمُ كَتَسْبِيحٍ وَتَهْلِيلٍ وَلَوْ بِالْفَارِسِيَّةِ وَإِنْ أَحْسَنَ الْعَرَبِيَّةَ وَالتَّلْبِيَةُ عَلَى الْمَذْهَبِ (وَهِيَ: لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ إِنَّ الْحَمْدَ) بِكَسْرِ الْهَمْزَةِ وَتُفْتَحُ (وَالنِّعْمَةَ لَكَ) بِالْفَتْحِ أَوْ مُبْتَدَأٌ وَخَبَرٌ (وَالْمُلْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ، وَزِدْ) نَدْبًا (فِيهَا) أَيْ عَلَيْهَا لَا فِي خِلَالِهَا (وَلَا تَنْقُصْ) مِنْهَا فَإِنَّهُ مَكْرُوهٌ أَيْ تَحْرِيمًا لِقَوْلِهِمْ إِنَّهَا مَرَّةٌ شَرْطٌ وَالزِّيَادَةُ سُنَّةٌ وَيَكُونُ مُسِيئًا بِتَرْكِهَا وَبِتَرْكِ رَفْعِ الصَّوْتِ بِهَا

احرام کی نیت کرنا

جب نہا دھو کر احرام باندھنے والا شخص بطور نفل دو رکعت نماز ادا کر چکے تو اگر صرف حج کا ارادہ ہے تو اپنی زبان سے یہ دعاء پڑھے گا اور دل سے بھی اس کی نیت کرے گا، دعاء یہ ہے: "اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أُرِيدُ الْحَجَّ فَيَسِّرْهُ لِي وَتَقَبَّلْهُ مِنِّي"۔

"اے میرے اللہ! میں حج کا ارادہ کر رہا ہوں تو میرے واسطے اس کے افعال کی ادائیگی آسان فرمادے اور میری طرف سے تو اس حج کو قبول فرمالے"۔

اور حج میں آسانی کی دعاء اس لیے کی جاتی ہے کہ حج میں بڑی مشقت اُٹھانی پڑتی ہے اور ایک لمبی مدت اس میں خرچ ہوتی ہے۔ اور حج کے قبول کرنے کی درخواست حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی پیروی میں کی جاتی ہے، ان دونوں پیغمبروں نے قبول ہونے کی دعاء فرمائی تھی کہ ہمارے پروردگار! ہماری طرف سے ہمارے حج کو قبول فرما! یقیناً تو سننے والا اور جاننے والا ہے۔ اسی طرح عمرہ کرنے والا اور حج قران کرنے والا آسانی کی دعاء مانگے گا، اس کے برخلاف نماز میں آسانی کی دعاء اس لیے نہیں مانگی جاتی ہے کہ اس میں وقت کم لگتا ہے اور مشقت بھی کوئی خاص نہیں ہوتی ہے، جیسا کہ ہدایہ میں ہے۔ اور بعض فقہائے کرام نے فرمایا کہ نماز میں آسانی کی دعاء کی جائے گی۔ اور علامہ زیلعیؒ نے اس کو ہر عبادت کے لیے عام کیا ہے، یعنی تمام عبادات کے لیے آسانی کی دعاء کی جائے گی اور جو مسئلہ ہدایہ میں درج ہے وہ اولیٰ اور بہتر ہے۔

تلبیہ کہنا

جب احرام کے لیے دو رکعت پڑھ چکے اور دعاء بھی پڑھ لے تو اس کے بعد حج کی نیت سے تلبیہ کہے اور حج کے شروع کرنے کا کامل و مکمل طریقہ یہی ہے ورنہ تو صرف دل میں نیت کر لینے سے بھی حج ادا ہو جائے گا، لیکن شرط یہ ہے کہ اس کی نیت ایسے ذکر کے ساتھ متصل ہو جس کا مقصد تعظیم و تکریم ہو، جیسے تسبیح و تہلیل، اگرچہ یہ فارسی زبان میں ہو، گو وہ عربی زبان پر اچھی قدرت رکھتا ہو اور عربی زبان عمدہ طرح سے جانتا ہو پھر بھی فارسی زبان میں تلبیہ کہنا جائز ہے۔

تلبیہ کے الفاظ

صحیح مذہب کے مطابق تلبیہ کے الفاظ یہ ہیں: لَبَّیکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیکَ، لَاشَرِیکَ لَکَ لَبَّیکَ اِنَّ الحَمدَ وَالنِّعمَةَ لَکَ وَالمُلکَ لَاشَرِیکَ لَکَ، اے میرے پروردگار! تیری خدمت میں میں حاضر ہوں، اے کریم مولیٰ! تیرے حکم کی تعمیل میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں، یقیناً ساری تعریفیں اور ساری نعمتیں تیرے ہی واسطے ہیں اور بادشاہت تیرے ہی واسطے ہے، تیرا کوئی شریک نہیں ہے۔ (تلبیہ کے یہ الفاظ صحاحِ ستہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہیں، رسولِ اکرم ﷺ احرام باندھتے وقت مذکورہ الفاظ سے تلبیہ کہتے تھے)۔

اور مستحب یہ ہے کہ اس تلبیہ کے اخیر میں کچھ الفاظ بڑھائے البتہ درمیان میں یا تلبیہ کے الفاظ میں کچھ اضافہ نہ کرے۔ اور تلبیہ کے کچھ الفاظ احادیث شریفہ میں منقول ہیں ان میں کچھ کمی نہ کرے کیوں کہ اس کے اندر کچھ کمی مکروہ تحریمی ہے، اس لیے کہ حضرات فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ اس تلبیہ کو ایک بار کہنا شرط ہے اور ایک مرتبہ سے زیادہ کہنا سنت ہے اور احرام باندھنے والے کا تلبیہ کو چھوڑ دینا یا اس میں آواز کے بلند کرنے کو ترک کرنا برا ہے۔ (بلند آواز سے تلبیہ کہنا سنت ہے جیسا کہ النہر الفائق میں محیط سے نقل کیا ہے، لیکن البحر الرائق اور فتح القدیر میں ہے کہ بلند آواز سے تلبیہ کہنا مستحب ہے)۔

(وَإِذَا لَبَّى نَاوِيًا) نُسُكًا (أَوْ سَاقَ الْهَدْيَ أَوْ قَلَّدَ) أَيْ رَبَطَ قِلَادَةً عَلَى عُنُقِ (بَدَنَةِ نَفْلٍ أَوْ جَزَاءِ صَيْدٍ) قَتَلَهُ فِي الْحَرَمِ أَوْ فِي إِحْرَامٍ سَابِقٍ (وَنَحْوِهِ) كَجِنَايَةٍ وَنَذْرٍ وَمُتْعَةٍ وَقِرَانٍ (وَتَوَجَّهَ مَعَهَا) وَالْحَالُ أَنَّهُ (يُرِيدُ الْحَجَّ) وَهَلِ الْعُمْرَةُ كَذَلِكَ يَنْبَغِي؟ نَعَمْ (أَوْ بَعَثَهَا ثُمَّ تَوَجَّهَ وَلَحِقَهَا) قَبْلَ الْمِيقَاتِ، فَلَوْ بَعْدَهُ لَزِمَهُ الْإِحْرَامُ بِالتَّلْبِيَةِ مِنَ الْمِيقَاتِ (أَوْ بَعَثَهَا لِمُتْعَةٍ) أَوْ لِقِرَانٍ وَكَانَ التَّقْلِيدُ وَالتَّوَجُّهُ (فِي أَشْهُرِهِ) وَإِلَّا لَمْ يَصِرْ مُحْرِمًا حَتَّى يَلْحَقَهَا (وَتَوَجَّهَ بِنِيَّةِ الْإِحْرَامِ وَإِنْ لَمْ يَلْحَقْهَا) اسْتِحْسَانًا (فَقَدْ أَحْرَمَ) لِأَنَّ الْإِجَابَةَ كَمَا تَكُونُ بِكُلِّ ذِكْرٍ تَعْظِيمِيٍّ تَكُونُ بِكُلِّ فِعْلٍ مُخْتَصٍّ بِالْإِحْرَامِ، ثُمَّ صِحَّةُ الْإِحْرَامِ لَا تَتَوَقَّفُ عَلَى نِيَّةِ نُسُكٍ لِأَنَّهُ لَوْ أَبْهَمَ الْإِحْرَامَ حَتَّى طَافَ شَوْطًا وَاحِدًا صُرِفَ لِلْعُمْرَةِ وَلَوْ أَطْلَقَ نِيَّةَ الْحَجِّ صُرِفَ لِلْفَرْضِ وَلَوْ عَيَّنَ نَفْلًا فَنَفْلٌ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ حَجَّ الْفَرْضَ شُرُنْبُلَالِيَّةٌ عَنِ الْفَتْحِ (وَلَوْ أَشْعَرَ) بِجَرْحِ سَنَامِهَا الْأَيْسَرِ (أَوْ جَلَّلَهَا) بِوَضْعِ الْجُلِّ (أَوْ بَعَثَهَا لَا لِمُتْعَةٍ) وَقِرَانٍ (وَلَمْ يَلْحَقْهَا) كَمَا مَرَّ (أَوْ قَلَّدَ شَاةً لَا) يَكُونُ مُحْرِمًا لِعَدَمِ اخْتِصَاصِهِ بِالنُّسُكِ.

آدمی محرم کن صورتوں میں ہو جاتا ہے؟

اور جب کسی نے حج کی نیت سے لبیک کہا، یا قربانی کا جانور ہانک لے چلا، یا حج نفل میں اونٹ کی گردن میں پٹہ ڈال دیا، یا اس شکار کے بدلے والے اونٹ کی گردن میں پٹہ ڈالا جس کو حرم کے اندر یا احرام سابق میں قتل کیا تھا، اور اسی طرح کسی جنایت، یا نذر یا حج تمتع یا قران والے اونٹ کی گردن میں پٹہ ڈالا اور خود اس اونٹ کو لے چلا، جب کہ وہ حج کا ارادہ کرنے والا ہو، سوال یہ ہے کہ عمرہ کی نیت کرنے والے کا بھی یہی حکم ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جی ہاں عمرہ کا ارادہ کرنے والے کا بھی یہی حکم ہے، یا اونٹ اور گائے کی گردن میں پٹہ ڈال کر پہلے روانہ کیا پھر خود چلا اور میقات سے پہلے پہلے اس سے جا کر مل گیا (لیکن اگر میقات کے بعد ملا تو اس صورت میں اس پر لازم ہوگا کہ میقات سے تلبیہ کہہ کر احرام باندھے اور اس صورت میں اونٹ کی گردن میں پٹہ ڈال کر بھیجنا تلبیہ کے قائم مقام نہیں ہوگا) یا اس نے اونٹ اور گائے حج تمتع یا حج قران کے واسطے بھیجا اور اس کا پٹہ ڈالنا اور چلنا حج کے مہینوں میں ہوا اور اگر یہ دونوں کام حج کے مہینوں میں نہیں ہوا تو وہ اس وقت تک محرم نہیں ہوگا جب تک کہ وہ اس کے ساتھ جا کر شامل نہ ہو جائے۔ اور اگر کسی نے اونٹ کو حرم شریف کے لیے روانہ کیا اور حج کی نیت سے خود روانہ ہوا تو اگر چہ اس سے میقات سے پہلے نہیں ملا تو بھی استحساناً وہ محرم ہو جائے گا، اس لیے کہ جس طرح ہر تعظیمی ذکر سے حج کی قبولیت ہوتی ہے اسی طرح ہر اس فعل سے بھی حج کی قبولیت ہو جائے گی جو فعل احرام کے ساتھ مخصوص ہو اور مذکورہ تمام افعال احرام کے ساتھ مخصوص ہیں اس لیے وہ شخص ذکر کردہ تمام صورتوں میں محرم ہو جائے گا۔

صحت احرام کی شرط

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ احرام کی صحت حج یا عمرہ کی نیت پر موقوف نہیں ہے، اس لیے کہ اگر کسی شخص نے احرام کو مبہم رکھا حج یا عمرہ کا خیال دل میں نہیں لایا یہاں تک کہ بیت اللہ شریف کا ایک چکر لگالیا تو اس کا مبہم احرام وہ عمرہ کا احرام بن جائے گا اور اس طواف سے عمرہ ادا کرسکتا ہے۔ اور اگر کسی نے مطلق حج کی نیت کی، حج فرض یا حج نفل کی تعیین نہیں کی تو اس صورت میں وہ اس نیت سے فرض حج ادا کرسکتا ہے۔ اور اگر نفل حج ادا کرنا چاہے تو حج نفل بھی ادا کرسکتا ہے، اگرچہ اس نے اب تک فرض حج ادا نہ کیا ہو، جیسا کہ شرنبلالیہ میں فتح القدیر سے نقل کیا ہے۔

ہدی کے جانور کا اشعار کرنا

اگر کسی نے ہدی کے جانور یعنی اونٹ کی بائیں کوہان میں معمولی زخم لگایا تاکہ یہ معلوم ہوجائے کہ یہ ہدی کا جانور ہے یا اسکی پیٹھ پر جھول ڈال دی یا اس اونٹ کو حج تمتع یا قران کی نیت کے بغیر بھیجا اور وہ اس کو پا نہیں سکا جیسا کہ گذرا، یا بکری کی گردن میں پٹہ ڈالا تو مذکورہ چیزوں سے وہ محرم نہیں ہوگا اس لیے کہ مذکورہ افعال حج یا عمرہ ہی کے لیے مخصوص نہیں ہیں۔

(وَبَعْدَهُ) أَيِ الْإِحْرَامِ بِلَا مُهْلَةٍ (يَتَّقِي الرَّفَثَ) أَيِ الْجِمَاعَ أَوْ ذِكْرَهُ بِحَضْرَةِ النِّسَاءِ (وَالْفُسُوقَ) أَيِ الْخُرُوجَ عَنْ طَاعَةِ اللّٰهِ (وَالْجِدَالَ) فَإِنَّهُ مِنَ الْمُحْرِمِ أَشْنَعُ (وَقَتْلَ صَيْدِ الْبَرِّ) لَا الْبَحْرِ (وَالْإِشَارَةَ إِلَيْهِ) فِي الْحَاضِرِ (وَالدَّلَالَةَ عَلَيْهِ فِي الْغَائِبِ) وَمَحَلُّ تَحْرِيمِهِمَا إِذَا لَمْ يَعْلَمِ الْمُحْرِمُ، أَمَّا إِذَا عَلِمَ فَلَا فِي الْأَصَحِّ (وَالتَّطَيُّبَ) وَإِنْ لَمْ يَقْصِدْهُ وَكُرِهَ شَمُّهُ (وَقَلْمَ الظُّفْرِ وَسَتْرَ الْوَجْهِ) كُلِّهِ أَوْ بَعْضِهِ كَفَمِهِ وَذَقَنِهِ، نَعَمْ فِي الْخَانِيَّةِ لَا بَأْسَ بِوَضْعِ يَدِهِ عَلَى أَنْفِهِ (وَالرَّأْسِ) بِخِلَافِ الْمَيِّتِ وَبَقِيَّةِ الْبَدَنِ، وَلَوْ حَمَلَ عَلَى رَأْسِهِ ثِيَابًا كَانَ تَغْطِيَةً لَا حَمْلُ عِدْلٍ وَطَبَقٍ مَا لَمْ يَمْتَدَّ يَوْمًا وَلَيْلَةً فَتَلْزَمُهُ صَدَقَةٌ، وَقَالُوا لَوْ دَخَلَ تَحْتَ سِتْرِ الْكَعْبَةِ فَأَصَابَ رَأْسَهُ أَوْ وَجْهَهُ كُرِهَ وَإِلَّا فَلَا بَأْسَ بِهِ (وَغَسْلَ رَأْسِهِ وَلِحْيَتِهِ بِخِطْمِيٍّ) لِأَنَّهُ طِيبٌ أَوْ يَقْتُلُ الْهَوَامَّ، بِخِلَافِ صَابُونٍ وَدَلُوكٍ وَأُشْنَانٍ اتِّفَاقًا زَادَ فِي الْجَوْهَرَةِ وَسِدْرٍ وَهُوَ مُشْكِلٌ (وَقَصَّهَا) أَيِ اللِّحْيَةِ (وَحَلْقَ رَأْسِهِ وَ) إِزَالَةَ (شَعْرِ بَدَنِهِ) إِلَّا الشَّعْرَ النَّابِتَ فِي الْعَيْنِ فَلَا شَيْءَ فِيهِ عِنْدَنَا (وَلُبْسَ قَمِيصٍ وَسَرَاوِيلَ) أَيْ كُلِّ مَعْمُولٍ عَلَى قَدْرِ بَدَنٍ أَوْ بَعْضِهِ كَزَرَدِيَّةٍ وَبُرْنُسٍ (وَقَبَاءٍ) وَلَوْ لَمْ يُدْخِلْ يَدَيْهِ فِي كُمَّيْهِ جَازَ عِنْدَنَا إِلَّا أَنْ يُزَرِّرَهُ أَوْ يُخَلِّلَهُ وَيَجُوزُ أَنْ يَرْتَدِيَ بِقَمِيصٍ وَجُبَّةٍ وَيَلْتَحِفَ بِهِ فِي نَوْمٍ أَوْ غَيْرِهِ اتِّفَاقًا (وَعِمَامَةٍ) وَقَلَنْسُوَةٍ (وَخُفَّيْنِ إِلَّا أَنْ لَا يَجِدَ نَعْلَيْنِ فَيَقْطَعَهُمَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ) عِنْدَ مَعْقِدِ

الشِّرَاكِ فَيَجُوزُ لُبْسُ الزَّرْمُوزَةِ لَا الْجَوْرَبَيْنِ (وَثَوْبٍ صُبِغَ بِمَا لَهُ طِيبٌ) كَوَرْسٍ وَهُوَ الْكُرْكُمُ وَعُصْفُرٍ وَهُوَ زَهْرُ الْقُرْطُمِ (إِلَّا بَعْدَ زَوَالِهِ) بِحَيْثُ لَا يَفُوحُ فِي الْأَصَحِّ .

وہ افعال جن سے محرم احرام کے بعد اجتناب کرے گا

احرام باندھنے کے بعد بلا کسی تاخیر کے محرم کو چاہئے کہ جماع اور عورتوں کی موجودگی میں جماع کے متعلق گفتگو کرنا چھوڑ دے اور جو کام احکامِ الٰہی کے خلاف ہوں جس کو فسوق کہا جاتا ہے ان سے اجتناب کرے اور لڑائی جھگڑے سے بچے، اس لیے کہ محرم کے واسطے یہ باتیں بہت ہی زیادہ بری ہیں (اگر رفقاء سفر سے کوئی ناگواری والی بات پیش آئے تو اس کو خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کرے، چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

{فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ}

"جس نے اشہرِ حج میں حج کو اپنے اوپر لازم کرلیا اس کو چاہئے کہ جماع، فسوق اور لڑائی جھگڑے سے بچے")۔

محرم کے لیے شکار کرنا جائز نہیں

اور محرم حالت احرام میں خشکی کے شکار کرنے سے باز رہے البتہ اس کے لیے دریائی شکار کرنے کی ممانعت نہیں ہے، اسی طرح محرم اس شکار کی طرف اشارہ بھی نہ کرے جو موجود ہو اور جو شکار سامنے موجود نہ ہو بلکہ غائب ہو اس کی طرف کسی کی راہنمائی بھی نہ کرے۔ اور شکار کی طرف اشارہ کرنا یا اس کی طرف راہنمائی کرنا اس وقت حرام ہے جب کہ دوسرا محرم شکار کے جانور کو نہیں جانتا ہو، اور اگر وہ پہلے سے خود ہی جانتا ہو پھر محرم نے اس کو بتادیا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اس بارے میں صحیح قول یہی ہے۔

محرم کے لیے خوشبو وغیرہ لگانے کا حکم

اور محرم حالت احرام میں خوشبو لگانے سے بھی پرہیز کرے اور نہ بدن میں خوشبو لگائے اور نہ ہی کپڑوں میں خوشبو لگائے اور یہ خوشبو لگانا بغیر ارادہ ہی کے کیوں نہ ہو پھر بھی محرم کے لیے ممنوع ہے اور محرم کے لیے حالت احرام میں خوشبو کا سونگھنا مکروہ ہے (اسی طرح حالت احرام میں پھول کا سونگھنا، میوے کا سونگھنا یہ سب مکروہ ہیں اور محرم کے لیے بطور دواء بھی خوشبو کا استعمال کرنا درست نہیں ہے)۔

محرم کے لیے ناخن تراشنے اور چہرہ چھپانے کا شرعی حکم

محرم حالت احرام میں نہ ناخن تراشے اور نہ چہرہ چھپائے نہ کل چہرہ کو چھپائے اور نہ بعض چہرہ کو چھپائے۔ اور محرم نہ اپنا منہ اور ٹھوڑی کو کپڑے سے چھپائے، ہاں فتاویٰ خانیہ میں لکھا ہے کہ محرم کے لیے ناک پر ہاتھ رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اسی طرح محرم حالت احرام میں سر بھی نہ چھپائے، بخلاف میت کے (یعنی اگر میت حالت احرام میں مرجائے تو اس کا سر اور چہرہ

چھپانا جائز ہے اس لیے کہ موت کی وجہ سے اس کا احرام باطل ہوگیا) اور بدن کے باقی حصہ کے۔

اگر محرم حالت احرام میں اپنے سر پر کپڑا اٹھائے گا تو اس سے سر ڈھکنا لازم آئے گا، البتہ اگر محرم گٹھری یا طباق اٹھائے گا تو سر کا ڈھکنے والا نہ ہوگا، جب تک کہ پورا ایک دن اور رات مکمل سر پر نہ اُٹھائے رکھے اور اگر ایک دن اور ایک رات مکمل اپنے سر پر بوجھ کو اُٹھائے رکھا تو اس پر صدقہ لازم ہوگا۔

حضرات فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ اگر محرم کعبہ کے غلاف کے نیچے داخل ہوا اور کعبہ کا غلاف اس کے سر یا چہرہ سے لگ گیا تو یہ مکروہ ہے۔ اور اگر غلاف کعبہ محرم کے سر یا چہرے سے نہیں لگا تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ نیز محرم حالت احرام میں اپنے سر اور داڑھی کے بالوں کو خطمی سے نہ دھوئے اس لیے کہ خطمی ایک طرح سے خوشبو ہے اور خوشبو محرم کے لیے ممنوع ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ خطمی کیڑوں کو مارتی ہے، اسی وجہ سے اس کے استعمال سے دم لازم ہوتا ہے اس کے برخلاف اگر محرم حالت احرام میں صابن، مسور کا آٹا اور اشنان کی گھاس استعمال کرے تو اس صورت میں بالاتفاق کچھ لازم نہیں آتا ہے۔ اور جوہرہ میں اس کا بھی اضافہ ہے کہ بیری کے پتوں کے استعمال سے بھی کچھ لازم نہیں آتا ہے، مگر اس کے اندر کچھ اشکال ہے کیوں کہ جس طرح خطمی کے استعمال سے کیڑے مرتے ہیں، اسی طرح بیری کے پتے کے استعمال سے بھی کیڑے مرتے ہیں لہٰذا اس میں دم لازم ہونا چاہیے۔

محرم بحالت احرام بالوں کو نہ کاٹے

محرم بحالت احرام نہ تو داڑھی کے بال کتروائے گا اور نہ ہی اپنا سر منڈوائے گا اور نہ ہی اپنے بدن کے اور حصوں کے بال کاٹے گا، البتہ جو بال آنکھوں کے اندر ہوتا ہے اس کے کاٹ دینے میں ہمارے نزدیک کوئی حرج نہیں ہے۔ (اسی طرح محرم حالت احرام میں کسی حلال شخص کے سر کے بال بھی نہیں کاٹ سکتا ہے، جیسا کہ شرح اللباب میں ہے)۔

محرم کے لیے سلے ہوئے کپڑے استعمال کرنا جائز نہیں

محرم بحالت احرام قمیص، کرتا، پائجامہ اور ہر اس کپڑے کے استعمال سے اجتناب کرے گا جو انسان کے پورے قد یا بعض حصۂ جسم کے مطابق بنایا جاتا ہے اور وہ بدن پر رک جاتا ہے جیسے لوہے کی زرہ اور لمبی ٹوپی اور محرم حالت احرام میں قباء کے استعمال کرنے سے بھی بچے گا، البتہ اگر قبا اس طرح پہنا کہ دونوں ہاتھوں کو ان کی آستین میں نہیں ڈالا تو ہمارے علماء کے نزدیک جائز ہے، مگر بٹن لگانا یا گھنڈی لگانا پن اور کانٹے کے ذریعہ روکنا جائز نہیں ہے لہٰذا اگر کسی نے گھنڈی لگائی یا بٹن لگایا یا کانٹے کے ذریعہ روکا تو اس صورت میں دم لازم ہوگا۔

البتہ قمیص اور جبہ کو بطور چادر استعمال کرنا جائز ہے اور سوتے وقت اس کو لحاف کی طرح اس کو اوپر سے لپیٹ لینے میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے اور اس پر اجماع ہے، البتہ اس میں شرط یہ ہے کہ سر اور چہرہ کھلا رہے اس کو نہ چھپائے اور محرم حالت

احرام میں پگڑی، ٹوپی اور موزوں کے استعمال سے بھی بچے گا، ہاں اگر کسی کے پاس چپل نہ ہو اور موزے ہی کو دونوں ٹخنوں کے نیچے سے کاٹ ڈالے اور چپل بنا کر پہن لے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے (اگر محرم نے موزے کو کاٹے بغیر ایک دن کامل پہن لیا تو دم لازم ہوگا اور اگر ایک دن سے کم پہنا تو صدقہ لازم ہوگا)۔

محرم کے لیے خوشبو سے معطر کپڑے کا استعمال کرنا

اسی طرح محرم بحالت احرام ہر ایسے کپڑے کے استعمال سے اجتناب کرے گا جو کسی خوشبودار چیز سے رنگا گیا ہو، جیسے ورس اور کسم کے پھول (ورس ایک گھاس ہے جو یمن کے اندر پیدا ہوتی ہے) ہاں اگر اس کا رنگ اس طرح ختم ہو جائے کہ خوشبو تک باقی نہ رہے تو اصح قول کے مطابق اس کا پہننا جائز ہوگا (اور محرم کے واسطے مذکورہ تمام افعال ممنوع ہیں، یہ ایک حدیث شریف سے لیے گئے ہیں، رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: لا يلبس المحرم القميص ولا العمامة ولا البرنس ولا السراويل، ولا ثوب ورس، ولا زعفران ولا الخفين إلا أن لا يجد نعلين فليقطعهما حتى يكونا أسفل من الكعبين۔

(لَا) يَتَّقِي (الِاسْتِحْمَامَ) لِحَدِيثِ الْبَيْهَقِيِّ «أَنَّهُ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - دَخَلَ الْحَمَّامَ فِي الْجُحْفَةِ» (وَالِاسْتِظْلَالَ بِبَيْتٍ وَمَحْمِلٍ لَمْ يُصِبْ رَأْسَهُ أَوْ وَجْهَهُ فَلَوْ أَصَابَ أَحَدَهُمَا كُرِهَ) كَمَا مَرَّ (وَشَدَّ هِمْيَانٍ) بِكَسْرِ الْهَاءِ (فِي وَسَطِهِ وَمِنْطَقَةٍ وَسَيْفٍ وَسِلَاحٍ وَتَخَتُّمٍ) زَيْلَعِيٌّ لِعَدَمِ التَّغْطِيَةِ وَاللُّبْسِ (وَاكْتِحَالٍ بِغَيْرِ مُطَيِّبٍ) فَلَوْ اكْتَحَلَ بِمُطَيِّبٍ مَرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ فَعَلَيْهِ صَدَقَةٌ وَلَوْ كَثِيرًا فَعَلَيْهِ دَمٌ سِرَاجِيَّةٌ (وَ) لَا يَتَّقِي (خِتَانًا وَفَصْدًا وَحِجَامَةً وَقَلْعَ ضِرْسِهِ وَجَبْرَ كَسْرٍ وَحَكَّ رَأْسِهِ وَبَدَنِهِ) لَكِنْ بِرِفْقٍ إنْ خَافَ سُقُوطَ شَعْرِهِ أَوْ قَمْلِهِ فَإِنَّ فِي الْوَاحِدَةِ يَتَصَدَّقُ بِشَيْءٍ وَ فِي الثَّلَاثِ كَفٌّ مِنْ طَعَامٍ خَزَّرُ الْأَحْكَامِ (وَأَكْثَرَ) الْمُحْرِمُ (التَّلْبِيَةَ) نَدْبًا (مَتَى صَلَّى) وَلَوْ نَفْلًا (أَوْ عَلَا شَرَفًا أَوْ هَبَطَ وَادِيًا أَوْ لَقِيَ رَكْبًا) جَمْعُ رَاكِبٍ أَوْ جَمْعًا مُشَاةً وَكَذَا لَوْ لَقِيَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا (أَوْ أَسْحَرَ) دَخَلَ فِي السَّحَرِ إذْ التَّلْبِيَةُ فِي الْإِحْرَامِ كَالتَّكْبِيرِ فِي الصَّلَاةِ (رَافِعًا) اسْتِنَانًا (صَوْتَهُ بِهَا بِلَا جَهْدٍ) كَمَا يَفْعَلُهُ الْعَوَامُّ (وَإِذَا دَخَلَ مَكَّةَ بَدَأَ بِالْمَسْجِدِ) الْحَرَامِ بَعْدَمَا يَأْمَنُ عَلَى أَمْتِعَتِهِ دَاخِلًا مِنْ بَابِ السَّلَامِ نَهَارًا نَدْبًا مُلَبِّيًا مُتَوَاضِعًا خَاشِعًا مُلَاحِظًا جَلَالَةَ الْبُقْعَةِ وَيُسَنُّ الْغُسْلُ لِدُخُولِهَا وَهُوَ لِلنَّظَافَةِ فَيَجِبُ لِحَائِضٍ وَنُفَسَاءَ (وَحِينَ شَاهَدَ الْبَيْتَ كَبَّرَ) ثَلَاثًا وَمَعْنَاهُ اللَّهُ أَكْبَرُ مِنْ الْكَعْبَةِ (وَهَلَّلَ) لِئَلَّا يَقَعَ نَوْعُ شِرْكٍ

محرم بحالت احرام غسل کر سکتا ہے

اب یہاں سے حضرت مصنف علیہ الرحمہ ان چیزوں کو بیان کر رہے ہیں جو محرم کے لیے بحالت احرام حلال ہیں چنانچہ

فرماتے ہیں کہ محرم کو بحالت احرام غسل کرنے کی اجازت ہے اس لیے کہ بیہقی شریف میں ایک حدیث ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ احرام کی حالت میں مقام جحفہ میں غسل خانے کے اندر داخل ہوئے اور غسل فرمایا۔ (اس حدیث کے متعلق محدثین نے کلام کیا ہے، چنانچہ علامہ نوویؒ نے اس کو ''ضعیف جداً'' کہا ہے اور حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث باتفاق محدثین موضوع ہے اس لیے کہ رسولِ اکرم ﷺ کے عہد مبارک میں ان حمام نہ تھے آپ کی وفات کے بعد اس کا رواج ہوا)۔ (شامی: ۳/۵۰۰)

محرم کے لیے سایہ حاصل کرنے کا حکم

محرم حالت احرام میں کسی گھر یا کجاوہ کا سایہ حاصل کرسکتا ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ کجاوہ کی چھت یا اس کا پردہ محرم کے سر اور چہرہ کو نہ لگے اس لیے کہ اگر سر یا چہرے کو لگے گا تو یہ مکروہ ہے، جیسا کہ اس سے پہلے گذر چکا ہے کہ محرم کے لیے سر اور چہرہ ڈھانکنا ممنوع ہے۔

اسی طرح محرم کے لیے کمر میں روپے پیسے کی تھیلی باندھنا جائز ہے، اسی طرح محرم کمر میں کمر بند، تلوار اور دیگر ہتھیار بھی باندھ سکتا ہے اور حالت احرام میں وہ انگوٹھی بھی پہن سکتا ہے جیسا کہ زیلعی میں ہے، شارح فرماتے ہیں کہ لفظ ''ہمیان'' ہاء کے زیر کے ساتھ ہے، اور گھر یا کجاوہ سے سایہ حاصل کرنے کی اجازت اس لیے ہے کہ یہ سر چھپانے کے حکم میں نہیں ہے اور نہ تھیلی کا کمر سے باندھنا لباس کے حکم میں ہے۔

محرم کے لیے سرمہ وغیرہ لگانے کی اجازت

اسی طرح محرم حالت احرام میں غیر خوشبودار سرمہ بھی لگا سکتا ہے اور اگر خوشبودار سرمہ دو مرتبہ یا ایک مرتبہ لگائے تو اس پر صدقہ لازم ہوگا اور اگر دو مرتبہ سے زیادہ لگائے گا تو اس صورت میں دم لازم ہوگا جیسا کہ فتاویٰ سراجیہ میں ہے۔ اور محرم کے لیے ختنہ کرنے، فصد لگانے، پچھنا لگانے، ڈاڑھ اکھاڑنے، ٹوٹی ہوئی ہڈی باندھنے اور سر بدن کھجانے میں پرہیز نہیں ہے، لیکن سر اور بدن کو اس طرح نرمی سے کھجائے کہ بال اور جوئیں گرنے کا خوف نہ رہے اگر کھجانے میں ایک بال بھی گر جائے تو اس پر معمولی صدقہ لازم ہے اور اگر کھجانے میں تین جوئیں گر جائیں تو اس صورت میں مٹھی بھر گیہوں صدقہ کرے گا، جیسا کہ غرر الاذکار نامی کتاب میں ہے۔

تلبیہ کا اہتمام کرنا

اور مستحب یہ ہے کہ محرم کثرت سے تلبیہ پڑھے جب بھی نماز پڑھے اگرچہ نفل نماز ہی کیوں نہ ہو تلبیہ کہے، اسی طرح محرم جب کسی اونچی جگہ پر چڑھے، یا کسی وادی میں اُترے، یا کسی سوار سے ملاقات کرے، یا کسی پیدل چلنے والے سے ملاقات کرے، یا جب اپنے قافلہ والوں سے ملاقات کرے تو تلبیہ کہے، اسی طرح جب محرم صبح کرے تو بھی تلبیہ کہے، مذکورہ اوقات میں تلبیہ کہنا اس وجہ سے مستحب ہے کہ حج میں تلبیہ کہنا ایسا ہی ہے جیسے نماز میں ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل

ہونے کے لیے تکبیر یعنی اللہ اکبر کہنا ہے اور تلبیہ میں آواز کو بلند کرنا مسنون ہے مگر خوب زور سے چیخے اور چلائے نہیں جیسا کہ عوام الناس کرتے ہیں۔

مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کے آداب

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جب محرم مکہ معظمہ میں داخل ہونے لگے تو اپنے ساز و سامان کو حفاظت سے رکھ کر سب سے پہلے مسجد حرام میں جائے اور مستحب یہ ہے کہ مسجد حرام میں دن میں داخل ہو اور باب السلام سے داخل ہو، اس طرح کہ زبان پر تلبیہ کے الفاظ ہوں اور جسم سے نہایت خشوع و خضوع ظاہر ہو رہا ہو اور اس مقام مقدس کا جاہ و جلال نظروں کے سامنے ہو۔ اور مسنون تو یہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کے لیے غسل کرے اور یہ غسل صفائی و ستھرائی کے لیے ہوتا ہے، چنانچہ حیض و نفاس والی عورت کے لئے غسل کرنا پسندیدہ ہے تاکہ وہ پاک وصاف ہو کر مکہ میں داخل ہو۔ (فتاویٰ خانیہ میں ہے کہ خانۂ کعبہ میں دن میں باب معلی سے داخل ہو تاکہ داخل ہونے میں بیت اللہ شریف کا دروازہ سامنے پڑے اور اس طرح سے داخل ہونا از راہِ تعظیم ہے۔

جب بیت اللہ پر نگاہ پڑے تو کیا پڑھے؟

جب مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کے بعد محرم کی نظر بیت اللہ شریف پر پڑے تو اس کو چاہئے کہ تین مرتبہ اللہ اکبر کہے اور اس وقت اس کی معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات خانۂ کعبہ سے بھی بزرگ تر ہے اللہ تعالیٰ کی ذات سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں ہے، پھر اس کے بعد لا الہ الا اللہ کہے تاکہ اس عبادت میں ذرہ برابر شرک کا شائبہ بھی نہ ہو سکے۔ (کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کی بھی عبادت جائز نہیں ہے حتی کہ کعبہ کی بھی عبادت جائز نہیں ہے)۔

(ثُمَّ) ابْتَدَأَ بِالطَّوَافِ لِأَنَّهُ تَحِيَّةُ الْبَيْتِ مَا لَمْ يَخَفْ فَوْتَ الْمَكْتُوبَةِ أَوْ جَمَاعَتِهَا أَوْ الْوِتْرِ أَوْ سُنَّةٍ رَاتِبَةٍ فَاسْتَقْبَلَ (الْحَجَرَ مُكَبِّرًا مُهَلِّلًا رَافِعًا يَدَيْهِ) كَالصَّلَاةِ (وَاسْتَلَمَهُ) بِكَفَّيْهِ وَقَبَّلَهُ بِلَا صَوْتٍ، وَهَلْ يَسْجُدُ عَلَيْهِ؟ قِيلَ نَعَمْ (بِلَا إِيذَاءٍ) لِأَنَّهُ سُنَّةٌ وَتَرْكُ الْإِيذَاءِ وَاجِبٌ، فَإِنْ لَمْ يَقْدِرْ يَضَعُهُمَا ثُمَّ يُقَبِّلُهُمَا أَوْ إِحْدَاهُمَا (وَإِلَّا) يُمْكِنْهُ ذَلِكَ (يَمَسُّ) بِالْحَجَرِ (شَيْئًا فِي يَدِهِ) وَلَوْ عَصًا (ثُمَّ قَبَّلَهُ) أَيْ الشَّيْءَ (وَإِنْ عَجَزَ عَنْهُمَا) أَيْ الِاسْتِلَامِ وَالْإِمْسَاسِ (اسْتَقْبَلَهُ) مُشِيرًا إِلَيْهِ بِبَاطِنِ كَفَّيْهِ كَأَنَّهُ وَاضِعُهُمَا عَلَيْهِ (وَكَبَّرَ وَهَلَّلَ وَحَمِدَ اللَّهَ تَعَالَى وَصَلَّى عَلَى النَّبِيِّ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -) ثُمَّ يُقَبِّلُ كَفَّيْهِ وَ فِي بَقِيَّةِ الرَّفْعِ فِي الْحَجِّ يَجْعَلُ كَفَّيْهِ لِلسَّمَاءِ إِلَّا عِنْدَ الْجَمْرَتَيْنِ فَلِلْكَعْبَةِ (وَطَافَ بِالْبَيْتِ طَوَافَ الْقُدُومِ وَيُسَنُّ) هَذَا الطَّوَافُ (لِلْآفَاقِيِّ) لِأَنَّهُ الْقَادِمُ (وَأَخَذَ) الطَّائِفُ (عَنْ

يَمِينِهِ مِمَّا يَلِي الْبَابَ) فَتَصِيرُ الْكَعْبَةُ عَنْ يَسَارِهِ لِأَنَّ الطَّائِفَ كَالْمُؤْتَمِّ بِهَا وَالْوَاحِدُ يَقِفُ عَنْ يَمِينِ الْإِمَامِ، وَلَوْ عَكَسَ أَعَادَ مَادَامَ بِمَكَّةَ فَلَوْ رَجَعَ فَعَلَيْهِ دَمٌ وَكَذَا لَوْ ابْتَدَأَ مِنْ غَيْرِ الْحَجَرِ كَمَا مَرَّ قَالُوا وَيَمُرُّ بِجَمِيعِ بَدَنِهِ عَلَى جَمِيعِ الْحَجَرِ (جَاعِلًا) قَبْلَ شُرُوعِهِ (رِدَاءَهُ تَحْتَ إِبْطِهِ الْيُمْنَى مُلْقِيًا طَرَفَهُ عَلَى كَتِفِهِ الْأَيْسَرِ) اسْتِنَانًا (وَرَاءَ الْحَطِيمِ) وُجُوبًا لِأَنَّ مِنْهُ سِتَّةَ أَذْرُعٍ مِنَ الْبَيْتِ فَلَوْ طَافَ مِنَ الْفُرْجَةِ لَمْ يَجُزْ كَاسْتِقْبَالِهِ احْتِيَاطًا وَبِهِ قَبْرُ إِسْمَاعِيلَ وَهَاجَرَ (سَبْعَةَ أَشْوَاطٍ) فَقَطْ (فَلَوْ طَافَ ثَامِنًا مَعَ عِلْمِهِ بِهِ) فَالصَّحِيحُ أَنَّهُ (يَلْزَمُهُ إِتْمَامُ الْأُسْبُوعِ لِلشُّرُوعِ) أَيْ لِأَنَّهُ شَرَعَ فِيهِ مُلْتَزِمًا بِخِلَافِ مَا لَوْ ظَنَّ أَنَّهُ سَابِعٌ لِشُرُوعِهِ مُسْقِطًا لَا مُلْتَزِمًا بِخِلَافِ الْحَجِّ.

بیت اللہ پہنچتے ہی سب سے پہلے طواف کرنا

بیت اللہ پہنچنے کے بعد سب سے پہلے بیت اللہ شریف کا طواف کرے، اس لیے کہ یہ طواف درحقیقت بیت اللہ کو سلام کرنا ہے، لیکن یہ طواف اس وقت کرے جب اس کو فرض نماز یا اس کی جماعت یا وتر یا سنت مؤکدہ کے چھوٹنے کا خوف نہ ہو، اگر ان میں سے کسی کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو پہلے ان کو ادا کرے گا پھر اس کے بعد طواف کرے گا، پھر اس کے بعد تکبیر کہتے ہوئے اور لا الہ الا اللہ پڑھتے ہوئے اور دونوں ہاتھوں کو اُٹھاتے ہوئے حجر اسود کے پاس جائے اور اپنی دونوں ہتھیلیوں کو اس پر رکھے اور اس کا بوسہ لے اور بغیر آواز کے بوسہ لے، یعنی لبوں کے لگانے میں آواز نہ نکالے (اور دونوں ہاتھوں کو نماز کی طرح اُٹھاتے ہوئے جائے)۔

ایک سوال اور اس کا جواب

یہاں ایک سوال یہ ہے کہ حجر اسود کے سامنے سجدہ کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ تو اس بارے میں دو قول ہیں: ایک قول کے مطابق جائز کہا گیا ہے، شرح اللباب میں اس پر جزم کیا ہے اور اس میں لکھا ہے کہ حجر اسود کے پاس سجدہ کرنا مستحب ہے۔ اور اس بارے میں دوسرا قول امام مالک سے نقل کیا گیا ہے کہ بدعت ہے اور ایسا کرنا جائز نہیں ہے، لیکن قولِ اول زیادہ صحیح ہے۔ (شامی: ۳/۵۰۵)

حجر اسود کا بوسہ لینے کا طریقہ

جب محرم حجر اسود کا بوسہ لینے چلے تو اس بات کا پورا پورا خیال رہے کہ وہاں تک پہنچنے میں کسی کو تکلیف نہ پہنچائے جیسا کہ وہاں کثرتِ ازدحام کی وجہ سے عام طور پر دھکا مکا ہوتا ہے اور لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے، شریعت میں اس کی اجازت قطعاً نہیں ہے، اس لیے کہ حجر اسود کا بوسہ دینا محض ایک سنت ہے اور تکلیف دینے سے بچنا واجب ہے، لہٰذا سنت کی ادائیگی کے لیے واجب کو چھوڑنا جائز نہیں ہے۔

اگر کوئی شخص حجر اسود تک پہنچ کر بوسہ لینے پر قادر نہ ہو تو اس کو چاہیے کہ اپنے دونوں ہاتھوں کو اس پر رکھے اور ان کو چوم لے، یا ایک ہی ہاتھ اس پر رکھ کر چوم لے، اور بہت زیادہ ہجوم کی وجہ سے ہاتھ لگانا ناممکن ہو تو ایسی صورت میں اپنے ہاتھ میں کوئی شئی لے مثلاً عصاء وغیرہ اور اس کو حجر اسود سے لگائے پھر اس شئی کو چوم لے، اور اگر حجر اسود کا بوسہ لینا یا کسی چیز سے مس کر کے اس کا چومنا ممکن نہ ہو تو ایسا کرے کہ محرم حجر اسود کے سامنے کھڑا ہو جائے اور اپنے دونوں ہاتھوں کے اندرونی حصہ سے حجر اسود کی طرف اشارہ کرے اور یہ تصور کرے کہ میں نے دونوں ہاتھوں کو حجر اسود پر رکھ لیا ہے، اس کے بعد اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ کہے اور اللہ تعالیٰ کی تعریف کرے اور رسول اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھے، پھر اس کے بعد اپنے دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں کو چوم لے اور حجر اسود کے علاوہ حج کے دوسرے مواقع پر دونوں ہاتھوں کو آسمان کی طرف اُٹھاتے ہوئے ہتھیلیوں کے اندروالے حصہ کو آسمان کی طرف کرے، البتہ جمرتین کے پاس ایسا نہ کرے بلکہ کعبہ شریف کی طرف کرے۔

طوافِ قدوم کرنا

جب محرم حجر اسود کا بوسہ دے کر فارغ ہو جائے تو خانہ کعبہ کا طواف کرے اور اس طواف کو طوافِ قدوم کہتے ہیں اور طوافِ قدوم کرنا مکہ مکرمہ کے باہر سے آنے والوں کی لیے مسنون ہے (لہٰذا یہ طوافِ قدوم اہل مکہ اور اہل مواقیت کی لیے مسنون نہیں ہوگا، ہاں اگر کوئی مکہ مکرمہ سے باہر نکلا پھر احرام کی حالت میں مکہ میں داخل ہوا تو اس کی لیے طوافِ قدوم مسنون ہوگا)۔

طواف کی ابتداء کس طرف سے کرے؟

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ طواف کرنے والا طواف کی ابتداء اپنی داہنی طرف سے کرے گا جدھر بیت اللہ کا دروازہ ہے تو اس صورت میں کعبہ طواف کرنے والے کے بائیں طرف پڑے گا اور داہنی طرف سے طواف کرنے کی ابتداء اس لیے ہے کہ طواف کرنے والا مقتدی کی جگہ ہے اور کعبہ مکرمہ امام کی جگہ ہے اور جب مقتدی تنہا ہو تو اس کے واسطے حکم یہ ہے کہ امام کی داہنی جانب کھڑا ہو۔

اور اگر کسی نے اس کا الٹا بائیں طرف سے طواف شروع کیا تو جب تک وہ مکہ مکرمہ میں رہے گا اس کو دوبارہ طواف کرنا ہوگا اور اگر دوبارہ طواف کئے بغیر مکہ مکرمہ سے واپس ہو چکا ہے تو اس پر دم لازم ہوگا، یعنی اس پر ایک جانور کی قربانی لازم ہوگی، اسی طرح اگر کوئی شخص حجر اسود کے خلاف جانب سے طواف کرے گا تو اس پر بھی دم واجب ہوگا، جیسا کہ اس سے پہلے گذر چکا ہے کہ طواف کا حجر اسود سے شروع کرنا واجب ہے۔ اور حضرات فقہائے امت نے لکھا ہے کہ طواف کرتے وقت اپنے پورے بدن کو پورے حجر اسود کے سامنے کر کے چلنا چاہیے (یعنی رکن یمانی سے حجر اسود کے مقابل ہو کر طواف کرے، اس طرح کرنے سے پورا بدن پورے حجر اسود کے سامنے ہوگا)۔

طواف سے پہلے چادر رکھنے کا طریقہ

اور طواف شروع کرنے والا طواف شروع کرنے سے پہلے اپنی چادر اپنی داہنی بغل کے نیچے سے نکال کر بائیں مونڈھے پر ڈالے جو مسنون طریقہ ہے اور حطیم سمیت بیت اللہ شریف کا طواف کرے اور حطیم کو طواف کے اندر شامل کرنا واجب ہے، اس لیے کہ بیت اللہ شریف کی چھ ہاتھ زمین حطیم کے اندر داخل ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص طواف اس درمیانی خلاء سے کرے گا جو حطیم اور بیت اللہ کے درمیان واقع ہے تو اس کا طواف جائز نہ ہوگا، جیسے کہ اگر نمازی نماز میں صرف حطیم کا استقبال کرے تو اس کی نماز نہ ہوگی احتیاط کا تقاضہ یہی ہے (اس لیے کہ نماز میں استقبال کعبہ کی فرضیت بنص قرآنی ثابت ہے اور حطیم کا داخل کعبہ ہونا خبر واحد سے ثابت ہے اس لیے نماز نہ ہوگی، لہٰذا احتیاط اسی میں ہے کہ حطیم کو طواف کے حق میں داخل کعبہ ماننے اور نماز کے حق میں خارج کعبہ قرار دیں) اور اسی حطیم میں حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت ہاجرہ علیہا السلام کی قبر مبارک ہے۔

طواف میں شوط کی تعداد

طواف میں بیت اللہ کی چاروں طرف سات مرتبہ چکر لگائے اس سے زیادہ نہیں، چنانچہ اگر کوئی شخص جان بوجھ کر آٹھواں چکر شروع کردے گا تو صحیح مذہب کے مطابق اس پر سات چکر پورے کرنے لازم ہوں گے، اس لیے کہ شروع کرنے کے بعد اتمام لازم ہے، اس کے برخلاف اگر کوئی شخص اس خیال سے آٹھواں چکر شروع کردے کہ یہ ساتواں چکر ہے تو اس صورت میں اتمام لازم نہ ہوگا، اس لیے کہ اس نے واجب کو ساقط کرنے کے لیے شروع کیا تھا نہ کہ از سر نو طواف کو لازم کرنے کے لیے، اس کے برخلاف حج ہے اور دوسری عبادتیں ہیں اگر کسی نے ساقط کرنے کے لیے شروع کیا تو اس کو پورا کرنا لازم ہو جائے گا۔

وَاعْلَمْ أَنَّ مَكَانَ الطَّوَافِ دَاخِلَ الْمَسْجِدِ وَلَوْ وَرَاءَ زَمْزَمَ لَا خَارِجَهُ لِصَيْرُورَتِهِ طَائِفًا بِالْمَسْجِدِ لَا بِالْبَيْتِ وَلَوْ خَرَجَ مِنْهُ أَوْ مِنَ السَّعْيِ إِلَى جِنَازَةٍ أَوْ مَكْتُوبَةٍ أَوْ تَجْدِيدِ وُضُوءٍ ثُمَّ عَادَ بَنَى وَجَازَ فِيهِمَا أَكْلٌ وَبَيْعٌ وَإِفْتَاءٌ وَقِرَاءَةٌ لَكِنَّ الذِّكْرَ أَفْضَلُ مِنْهَا وَ فِي مَنْسَكِ النَّوَوِيِّ الذِّكْرُ الْمَأْثُورُ أَفْضَلُ وَأَمَّا غَيْرُ الْمَأْثُورِ فَالْقِرَاءَةُ أَفْضَلُ فَلْيُرَاجَعْ (وَرَمَلَ) أَيْ مَشَيَ بِسُرْعَةٍ مَعَ تَقَارُبِ الْخُطَى وَهَزِّ كَتِفَيْهِ (فِي الثَّلَاثِ الْأُوَلِ) اسْتِنَانًا (فَقَطْ) فَلَوْ تَرَكَهُ أَوْ نَسِيَهُ وَلَوْ فِي الثَّلَاثَةِ لَمْ يَرْمُلْ فِي الْبَاقِي، وَلَوْ زَحَمَهُ النَّاسُ وَقَفَ حَتَّى يَجِدَ فُرْجَةً فَيَرْمُلُ بِخِلَافِ الْإِسْتِلَامِ لِأَنَّ لَهُ بَدَلًا (مِنَ الْحَجَرِ إِلَى الْحَجَرِ) فِي كُلِّ شَوْطٍ (وَكُلَّمَا مَرَّ بِالْحَجَرِ فَعَلَ مَا ذُكِرَ) مِنَ الْإِسْتِلَامِ (وَاسْتَلَمَ الرُّكْنَ) الْيَمَانِيَّ (وَهُوَ مَنْدُوبٌ) لَكِنْ بِلَا تَقْبِيلٍ. وَقَالَ مُحَمَّدٌ: هُوَ سُنَّةٌ وَيُقَبِّلُهُ وَالدَّلَائِلُ تُؤَيِّدُهُ وَيُكْرَهُ اسْتِلَامُ غَيْرِهِمَا (وَخَتَمَ الطَّوَافَ بِاسْتِلَامِ الْحَجَرِ اسْتِنَانًا ثُمَّ صَلَّى شَفْعًا) فِي وَقْتٍ مُبَاحٍ

(يَجِبُ) بِالْجِيمِ عَلَى الصَّحِيحِ (بَعْدَ كُلِّ أُسْبُوعٍ عِنْدَ الْمَقَامِ) حِجَارَةٌ ظَهَرَ فِيهَا أَثَرُ قَدَمَيْ الْخَلِيلِ (أَوْ غَيْرِهِ مِنَ الْمَسْجِدِ) وَهَلْ يَتَعَيَّنُ الْمَسْجِدُ؟ قَوْلَانِ.

طواف کی جگہ

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ یہ بات جان لو کہ طواف کی جگہ مسجد حرام کا اندرونی حصہ ہے اور مسجد حرام کا پورا حصہ طواف کی جگہ ہے اگر چہ زم زم کو بھی طواف میں داخل کرلے اور مسجد حرام کا باہری حصہ طواف کی جگہ نہیں ہے اس لیے کہ اگر کوئی شخص مسجد حرام کے باہر طواف کرے گا تو وہ مسجد حرام کا طواف کرنے والا قرار پائے گا، بیت اللہ کا طواف کرنے والا نہیں ہوگا (یوں تو پوری مسجد حرام میں طواف جائز ہے لیکن بیت اللہ شریف کے چاروں طرف چند ستون ہیں ان کے اندر طواف کیا جاتا ہے، اصطلاح میں اس حصہ کو مطاف یعنی طواف کی جگہ کہتے ہیں)۔

طواف کے دوران کسی کام میں مشغول ہو جائے تو کیا حکم ہے؟

اگر کوئی شخص طواف کر رہا تھا اور سات چکر مکمل نہ ہوئے تھے کہ وہاں سے نکل کر کسی جنازہ کی نماز میں، یا فرض نماز یا تجدید وضو کے لیے باہر نکلا تو اس صورت میں وہ بقیہ طواف پر بنا کرے گا اور جہاں سے طواف چھوڑا تھا وہیں سے طواف شروع کرے گا، اسی طرح اگر یہی صورت سعی بین الصفا والمروہ میں پیش آئی کہ سعی مکمل کرنے سے پہلے ہی چھوڑ دیا تو دوبارہ وہیں سے شروع کرے گا جہاں سے چھوڑا تھا۔

طواف کے دوران کھانا، فتویٰ اور بیع ...م

حضرت شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ طواف کی حالت میں اور سعی کی حالت میں کھانا، فتویٰ دینا، خرید وفروخت کرنا، تلاوت کرنا یہ سب امور جائز ہیں، لیکن افضل یہ ہے کہ طواف کرتے وقت ذکر الٰہی میں مشغول رہے، کیوں کہ اس حالت میں اللہ کا ذکر کرنا قرآن کریم کی تلاوت سے افضل ہے۔ اور امام نوویؒ نے اپنی کتاب منسک میں لکھا ہے کہ جو ذکر رسول اللہ ﷺ سے منقول ہے وہ افضل ہے، البتہ ان دعاؤں سے جو آں حضرت ﷺ سے منقول نہیں ہیں ان کے پڑھنے سے بہتر قرآن کریم کی تلاوت کرنا ہے (ہدایہ کی شرح فتح القدیر میں علامہ ابن الہمام نے لکھا ہے کہ طواف کی حالت میں صرف ذکر اللہ ہی حدیث شریف میں ہے، رسول اکرم ﷺ سے کوئی ایسی حدیث مروی نہیں ہے جس سے بحالت طواف قرأت قرآن کرنا افضل معلوم ہوتا ہے اور طواف کی حالت میں سلف صالحین سے ذکر ہی کرنا منقول ہے اور اسی پر اجماع بھی ہے اس لیے یہی افضل ہے)۔ (شامی: ۳/۵۱۰)

طواف کی حالت میں رمل کرنا

طوف کے پہلے تین چکر میں رمل کرے گا۔ اور رمل کہتے ہیں اکڑ کر چلنے کو، مطلب یہ ہے کہ تیزی سے قدم اُٹھائے گا اور

قریب قریب قدم رکھے گا اور چلتے ہوئے دونوں مونڈھوں کو ہلائے گا۔ اور پہلے تین چکر میں اس طرح چلنا سنت ہے۔ اگر کوئی شخص پہلے تین چکر میں رمل کرنا بھول گیا، یا جان بوجھ کر رمل کرنا چھوڑ دیا تو بقیہ چکروں میں رمل نہیں کرے گا اور اگر طواف میں لوگوں کی بھیڑ ہو اور رمل کرنے کا موقع نہ ملے تو کچھ دیر کے لیے بھیڑ کی وجہ سے ٹھہرے گا نہیں، اس لیے کہ استیلام کا بدل استقبال موجود ہے اور رمل کا بدل موجود نہیں ہے اس لیے توقف کرے گا۔

طواف میں رمل کرنے کا سبب

طواف کرتے ہوئے اکڑ کر چلنے کا سبب حدیث شریف میں یہ آیا ہے کہ جب رسول اکرم ﷺ اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ساتھ عمرہ کرنے کی غرض سے مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ تشریف لائے تو مشرکین مکہ حضرات صحابہ کرامؓ کو دیکھ کر کہنے لگے کہ ان لوگوں کو مدینہ کی آب وہوا نے توڑ ڈالا ہے اور کمزور کر دیا ہے، جب رسول اکرم ﷺ کو یہ اطلاع ہوئی تو آپ نے مسلمانوں سے فرمایا کہ طواف میں بہادروں کی طرح سینہ نکال کر چلیں تا کہ مشرکین مکہ پر رعب طاری ہو اور ان کی غلط فہمی دور ہو اور ان کے ذہن ودماغ سے یہ نکل جائے کہ مدینہ کی آب وہوا نے ان کو کمزور کر دیا ہے، پھر جب ۸ھ میں مکہ فتح ہوا اور آپ ہجرت کے دسویں سال حجۃ الوداع کے لیے تشریف لائے تو اس موقع پر بھی آپ نے طواف میں رمل فرمایا پھر آپ کے بعد یہ عمل صحابہ وتابعین سے آج تک مسلسل جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا۔ (کشف الاسرار: ۲/ ۲۹۰)

رمل کہاں سے کہاں تک کیا جائے؟

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ رمل کرنا حجر اسود سے شروع کرے گا اور حجر اسود ہی پر آ کر ختم کرے گا، تینوں چکروں میں اسی طرح کرے گا، جب حجر اسود کے پاس سے گذرے گا تو اس کا استلام کرے گا، جس کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے اور رکن یمانی کا بھی استلام کرے گا اور یہ مستحب ہے، لیکن رکن یمانی کا استلام بغیر بوسہ دیئے کرے گا۔ اور اس بارے میں دلائل حضرت امام محمدؒ کی تائید میں ہیں، رکن یمانی اور حجر اسود کے علاوہ کسی اور چیز کا استلام مکروہ ہے (اس لیے کہ کسی اور کا استلام حدیث شریف سے ثابت نہیں ہے)۔

اور طواف کو حجر اسود کے استلام پر ختم کرنا سنت ہے، پھر جب طواف سے فارغ ہوجائے تو اگر مباح وقت ہو، کوئی مکروہ وقت نہ ہو تو دو رکعت نماز ادا کرے اور یہ نماز پڑھنا ہر سات چکر پورے کرنے کے بعد واجب ہے۔ اور یہ نماز مقام ابراہیم میں ادا کی جائے گی اور مقام ابراہیم درحقیقت ایک پتھر ہے جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشانات ہیں (جب حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت ہاجرہ اور اسماعیلؑ کو دیکھنے کے لیے تشریف لائے تھے تو سواری سے اُترتے چڑھتے اسی پتھر پر قدم مبارک رکھا کرتے تھے جس کے نشانات آج تک موجود ہیں)۔ اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ

السلام نے دنیاوالوں کو حج بیت اللہ کی عام دعوت دی تھی تو آپ کے قدم مبارک اس وقت اس پتھر پر تھے)۔(شامی:۳/۵۱۳)

طواف کے بعد دو رکعت نماز مقام ابراہیم کے علاوہ مسجد حرام میں کہیں بھی ادا کی جاسکتی ہے، بشرطیکہ اس کو مقام ابراہیم میں جگہ میسر نہ آئی ہو۔ اب سوال یہ ہے کہ طواف کے بعد جو دو رکعت پڑھی جاتی ہے اس کے لیے مسجد حرام ہی متعین ہے، یا کسی اور مسجد میں پڑھنا بھی جائز ہے؟ تو اس بارے میں دو قول ہیں: طحطاوی نے کہا کہ اس بارے میں معتمد قول یہ ہے کہ مسجد حرام کی تعیین اس کی فضیلت کی وجہ سے ہے، مسجد حرام ہی میں پڑھنا لازم نہیں ہے۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص طواف کے بعد کی دو رکعت نماز حرم شریف کے باہر پڑھے یا وطن لوٹ کر پڑھے تو جائز تو ہے لیکن بلا عذر ایسا کرنا مکروہ ہے۔(شامی:۳/۵۱۳)

مسئلہ: سب سے زیادہ افضل یہ ہے کہ طواف کے بعد کی دو رکعت مقام ابراہیم میں ادا کرے اس کے بعد افضل یہ ہے کہ کعبہ کے اندر ادا کرے اس کے بعد کا درجہ یہ ہے کہ حجر اسود میں میزاب کے نیچے ادا کرے، پھر اس کے بعد کا درجہ یہ ہے کہ جو اس سے قریب جگہ ہے وہاں ادا کرے پھر اس کے بعد کا درجہ یہ ہے کہ جو جگہ بیت اللہ کے قریب ہے وہاں ادا کرے اس کے بعد کا درجہ یہ ہے کہ مسجد میں ادا کرے اس کے بعد کا درجہ یہ ہے کہ حرم شریف میں ادا کرے پھر حرم سے باہر کسی دوسری جگہ ادا کرنے میں کوئی فضیلت نہیں ہے۔(شامی:۳/۵۱۳)

(ثُمَّ) الْتَزَمَ الْمُلْتَزَمَ وَشَرِبَ مِنْ مَاءِ زَمْزَمَ وَ (عَادَ) إِنْ أَرَادَ السَّعْيَ (وَاسْتَلَمَ الْحَجَرَ وَكَبَّرَ وَهَلَّلَ وَخَرَجَ) مِنْ بَابِ الصَّفَا نَدْبًا (فَصَعِدَ الصَّفَا) بِحَيْثُ يَرَى الْكَعْبَةَ مِنَ الْبَابِ (وَاسْتَقْبَلَ الْبَيْتَ وَكَبَّرَ وَهَلَّلَ وَصَلَّى عَلَى النَّبِيِّ -صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-) بِصَوْتٍ مُرْتَفِعٍ خَافِيَةٌ (وَرَفَعَ يَدَيْهِ) نَحْوَ السَّمَاءِ (وَدَعَا) لِخَتْمِهِ الْعِبَادَةَ (بِمَا شَاءَ) لِأَنَّ مُحَمَّدًا لَمْ يُعَيِّنْ شَيْئًا لِأَنَّهُ يَذْهَبُ بِرِقَّةِ الْقَلْبِ وَإِنْ تَبَرَّكَ بِالْمَأْثُورِ فَحَسَنٌ (ثُمَّ مَشَى نَحْوَ الْمَرْوَةِ سَاعِيًا بَيْنَ الْمِيلَيْنِ الْأَخْضَرَيْنِ) الْمُتَّخَذَيْنِ فِي جِدَارِ الْمَسْجِدِ (وَصَعِدَ عَلَيْهَا وَفَعَلَ مَا فَعَلَهُ عَلَى الصَّفَا يَفْعَلُ هٰكَذَا سَبْعًا يَبْدَأُ بِالصَّفَا وَيَخْتِمُ) الشَّوْطَ السَّابِعَ (بِالْمَرْوَةِ) فَلَوْ بَدَأَ بِالْمَرْوَةِ لَمْ يَعْتَدَّ بِالْأَوَّلِ هُوَ الْأَصَحُّ وَنُدِبَ خَتْمُهُ بِرَكْعَتَيْنِ فِي الْمَسْجِدِ كَخَتْمِ الطَّوَافِ (ثُمَّ سَكَنَ بِمَكَّةَ مُحْرِمًا) بِالْحَجِّ وَلَا يَجُوزُ فَسْخُ الْحَجِّ بِالْعُمْرَةِ عِنْدَنَا (وَطَافَ بِالْبَيْتِ نَفْلًا مَاشِيًا) بِلَا رَمَلٍ وَسَعْيٍ وَهُوَ أَفْضَلُ مِنَ الصَّلَاةِ نَافِلَةً لِلْآفَاقِيِّ وَقَلْبُهُ لِلْمَكِّيِّ وَ فِي الْبَحْرِ: يَنْبَغِي تَقْيِيدُهُ بِزَمَنِ الْمَوْسِمِ وَإِلَّا فَالطَّوَافُ أَفْضَلُ مِنَ الصَّلَاةِ مُطْلَقًا

ملتزم شریف سے چمٹنا

طواف کے بعد دوگانہ ادا کرنے کے بعد ملتزم شریف سے چمٹ جائے (اس طرح کہ اپنا پیٹ اور دایاں رخسار اس سے

لگادے اور دونوں ہاتھوں کو سر کے اوپر کھڑا کر کے دیوار سے ملا دے) اور اس کے بعد زمزم کا پانی پیے (اور زمزم کا پانی پیتے وقت یہ دعاء پڑھے: اَللّٰھُمَّ! إنِي أسألکَ رِزْقًا وَاسِعًا وعِلْمًا نَافِعًا وَ شِفَاءً مِنْ کُلِّ دَاءٍ اے اللہ! میں آپ سے رزق کی کشادگی، نفع بخش علم اور ہر قسم کی بیماری سے شفاء کا سوال کرتا ہوں) اور اگر سعی کا ارادہ ہو تو صفا مروہ کی طرف آئے اور اگر ارادہ نہ ہو تو آنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اور حجر اسود کا استیلام کرے، اللہ اکبر کہے اور کلمہ توحید لا الٰہ الا اللہ پڑھے۔ اور مستحب یہ ہے کہ باب الصفا کی طرف ہو کر نکلے (اور بایاں قدم آگے رکھے اور یہ دعاء پڑھے: بسم اللّٰہ وَ السَّلامُ علی رسُولِ اللّٰہ ﷺ، اَللّٰھُمَّ! اغفِرْ لِي ذُنوبي وافتَحْ لِي أبوابَ رَحمَتِک، وأدخِلنِي فِیھَا، وأعِذنِي مِن الشَّیطان۔

صفا اور مروہ کی سعی

اس کے بعد صفا پہاڑی پر چڑھے اور اس قدر اونچائی پر چڑھے کہ کعبۃ اللہ نظر آ جائے اور بیت اللہ شریف سامنے ہو اور اللہ اکبر کہے کلمہ توحید لا الٰہ الا اللہ پڑھے اور رسولِ اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی پر بلند آواز سے درود شریف پڑھے، جیسا کہ فتاویٰ تتارخانیہ میں ہے، اس کے بعد اپنے دونوں ہاتھوں کو آسمان کی طرف اُٹھائے اور اللہ تعالیٰ سے جو دعاء چاہے مانگے، کیوں کہ یہ عبادت حج کی آخری گھڑی ہے اور تمام تر عبادات کا وقت ہے، حضرت امام محمدؒ نے مناسک حج میں کوئی دعاء متعین نہیں فرمائی ہے اس لیے کہ مخصوص دعاء سے رقت قلب کی کیفیت پیدا نہیں ہوتی ہے، ایسے وقت میں تو وہی دعاء بہتر ہے جو بے ساختہ زبان و دل سے نکل جائے اور اگر دعائے ماثورہ سے برکت حاصل کرنا چاہے تو یہ بہتر ہے۔

پھر صفا پہاڑی سے اُتر کر مروہ کی طرف چلے اور ان دونوں سبز میناروں کے درمیان دوڑ کر چلے جو مسجد حرام کی پشت کی دیوار میں تراشے ہوئے ہیں اور مروہ پہاڑی پر چڑھ جائے اور اس پر وہ تمام عمل کرے جو اس نے صفا پہاڑی پر کیا تھا اور اسی طرح وہ سات مرتبہ کرے، صفا پہاڑی سے سعی کرنا شروع کرے اور مروہ پر ختم کرے، صفا سے مروہ تک آنا ایک چکر ہوتا ہے اور پھر مروہ سے صفا پر آنا دوسرا چکر شمار ہوتا ہے اس طرح سات چکر پورا کرے گا، اگر کسی نے سعی کی ابتداء مروہ پہاڑی سے شروع کی ہے تو صحیح قول کے مطابق پہلا چکر شمار نہ ہوگا۔

سعی بین الصفا والمروہ کے بعد دو رکعت ادا کرنا

اس کے بعد مستحب یہ ہے کہ سعی کے اختتام پر مسجد حرام میں دو رکعت نماز ادا کرے جیسے کہ طواف کے ختم پر دو رکعت نماز ادا کرتے ہیں (تا کہ سعی کا اختتام بھی طواف کے اختتام کی طرح ہو، مسند احمد اور ابن ماجہ میں ہے رسول اللہ ﷺ جب سعی بین الصفا والمروہ سے فارغ ہوئے تو رکن یمانی کے پاس آئے اور مطاف کے کنارے دو رکعت نماز ادا فرمائی)۔ (شامی: ۳/۴۱۵)

مکہ مکرمہ میں قیام کرنا

سعی بین الصفا والمروہ سے فارغ ہونے کے بعد حج کے احرام کے ساتھ مکہ مکرمہ میں قیام پذیر ہو جائے، کیوں کہ عمرہ کر کے حج کا احرام فسخ کرنا احناف کے نزدیک جائز نہیں ہے (اور حجۃ الوداع کے موقع پر عمرہ کے بعد جو حج کے احرام کا فسخ کرنا آیا ہے وہ اس وقت کے لیے مخصوص تھا کیوں کہ مسلم شریف کی حدیث میں صراحت ہے کہ عمرہ کر کے حج کے احرام کو توڑ دینا یہ حضرات صحابہ کرام کے لیے مخصوص تھا، یا دہ حکم بعد میں منسوخ ہو گیا تھا)۔ (شامی: ۳/۵۱۶)

مکہ مکرمہ میں قیام کے دوران کثرتِ طواف

مکہ مکرّمہ میں قیام کے دوران زیادہ سے زیادہ نفلی طواف پیدل کرے، اس طواف میں نہ رمل کرے نہ سعی اور مکہ مکرمہ کے باہر سے آنے والوں کے لیے نفل نماز پڑھنے سے بہتر طواف کرنا ہے اور اہل مکہ کے لیے طواف کرنے سے بہتر نفل نماز ادا کرنا ہے۔ اور کنز الدقائق کی شرح البحر الرائق میں ہے کہ مکہ والوں کے لیے جہاں نفل نماز پڑھنے کو طواف کرنے سے افضل کہا گیا ہے وہاں مناسب یہ ہے کہ اس کو حج کے موسم کے ساتھ مقید کیا جائے، یعنی زمانۂ حج میں طواف نفلی سے نفل نماز بہتر ہے اور موسم حج کے علاوہ دنوں میں طواف کرنا مطلقاً نماز ادا کرنے سے بہتر ہے۔

(وَخَطَبَ الْإِمَامُ) أُولَى خُطَبِ الْحَجِّ الثَّلَاثِ (سَابِعَ ذِي الْحِجَّةِ بَعْدَ الزَّوَالِ وَ) بَعْدَ (صَلَاةِ الظُّهْرِ) وَكُرِهَ قَبْلَهُ (وَعَلَّمَ فِيهَا الْمَنَاسِكَ فَإِذَا صَلَّى بِمَكَّةَ الْفَجْرَ) يَوْمَ التَّرْوِيَةِ (ثَامِنَ الشَّهْرِ خَرَجَ إِلَى مِنًى) قَرْيَةٍ مِنَ الْحَرَمِ عَلَى فَرْسَخٍ مِنْ مَكَّةَ (وَمَكَثَ بِهَا إِلَى فَجْرِ عَرَفَةَ ثُمَّ) بَعْدَ طُلُوعِ الشَّمْسِ (رَاحَ إِلَى عَرَفَاتٍ) عَلَى طَرِيقِ ضَبٍّ (وَ) عَرَفَاتٌ (كُلُّهَا مَوْقِفٌ إِلَّا بَطْنَ عُرَنَةَ) بِفَتْحِ الرَّاءِ وَضَمِّهَا وَادٍ مِنَ الْحَرَمِ غَرْبِيُّ مَسْجِدِ عَرَفَةَ (فَبَعْدَ الزَّوَالِ قَبْلَ) صَلَاةِ (الظُّهْرِ خَطَبَ الْإِمَامُ) فِي الْمَسْجِدِ (خُطْبَتَيْنِ كَالْجُمُعَةِ وَعَلَّمَ فِيهَا الْمَنَاسِكَ وَ) بَعْدَ الْخُطْبَةِ (صَلَّى بِهِمُ الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ بِأَذَانٍ وَإِقَامَتَيْنِ) وَقِرَاءَةٍ سِرِّيَّةٍ، وَلَمْ يُصَلِّ بَيْنَهُمَا شَيْئًا عَلَى الْمَذْهَبِ وَلَا بَعْدَ أَدَاءِ الْعَصْرِ فِي وَقْتِ الظُّهْرِ. (وَشُرِطَ) لِصِحَّةِ هَذَا الْجَمْعِ الْإِمَامُ الْأَعْظَمُ أَوْ نَائِبُهُ وَإِلَّا صَلَّوْا وُحْدَانًا (وَالْإِحْرَامُ) بِالْحَجِّ (فِيهِمَا) أَيِ الصَّلَاتَيْنِ (فَلَا تَجُوزُ الْعَصْرُ لِلْمُنْفَرِدِ فِي إِحْدَاهُمَا) فَلَوْ صَلَّى وَحْدَهُ لَمْ يُصَلِّ الْعَصْرَ مَعَ الْإِمَامِ (وَلَا) يَجُوزُ الْعَصْرُ (لِمَنْ صَلَّى الظُّهْرَ بِجَمَاعَةٍ) قَبْلَ إِحْرَامِ الْحَجِّ (ثُمَّ أَحْرَمَ إِلَّا فِي وَقْتِهِ) وَقَالَا لَا يُشْتَرَطُ لِصِحَّةِ الْعَصْرِ الْإِحْرَامُ وَبِهِ قَالَتِ الثَّلَاثَةُ، وَهُوَ الْأَظْهَرُ شُرُنْبُلَالِيَّةٌ عَنِ الْبُرْهَانِ

ایام حج کے خطبات

اور حج کے تین خطبوں میں پہلا خطبہ ساتویں ذی الحجہ کو زوال کے بعد ظہر کی نماز ادا کرنے کے بعد دے گا اور زوال سے پہلے خطبہ دینا مکروہ ہے اور اس خطبہ میں امام حج کے ان احکام ومسائل کو بیان کرے گا جن کی ضرورت حاجیوں کو اس دن پڑے گی اور یہ بیان کرے گا کہ احرام کس طرح باندھا جاتا ہے اور منیٰ کس طرح جایا جاتا ہے اور منیٰ میں رات کیسے گذاری جاتی ہے اور وہاں سے کوچ کرنا وہاں نماز پڑھنا وہاں وقوف کرنا وغیرہ وغیرہ احکام بیان کرے)۔

حج کے اندر تین خطبے ہیں: پہلا خطبہ ساتویں ذی الحجہ کو مکہ مکرمہ میں بعد نماز ظہر دیا جائے گا۔ دوسرا خطبہ نویں ذی الحجہ کو دیا جائے گا۔ اور تیسرا خطبہ گیارہویں ذی الحجہ کو منیٰ کے میدان میں دیا جائے گا اور یہ تیسرا خطبہ بھی نماز ظہر کے بعد دیا جائے گا، البتہ جو خطبہ نویں ذی الحجہ کو میدانِ عرفات میں ہوگا وہ خطبہ زوال کے بعد مگر نماز ظہر سے پہلے ہوگا، ان تمام خطبوں میں پہلے تکبیر، پھر تلبیہ پھر تحمید واجب ہے)۔

منیٰ کی جانب روانگی

یوم الترویہ یعنی آٹھویں ذی الحجہ کو مکہ مکرمہ میں نماز فجر ادا کر چکے تو اس کے بعد منیٰ کی جانب کوچ کرے (منیٰ مکہ مکرمہ سے چند میل کی دوری پر حرم شریف کا ایک گاؤں ہے) منیٰ پہنچنے کے بعد وہاں نویں ذی الحجہ کی فجر تک قیام کرے گا، اس کے بعد جب نویں ذی الحجہ کا آفتاب طلوع ہو چکے تو منیٰ سے عرفات کی جانب روانہ ہو جائے اور ضب کے راستے ہو کر وہاں تک پہنچے (چلتے ہوئے راستہ میں تلبیہ، کلمۂ توحید زبان پر جاری ہونا چاہئے اور جب عرفات قریب آئے اور جبل رحمت نظر آنے لگے تو سبحان اللہ، الحمد للہ، لا الٰہ الا اللہ پڑھے اور لبیک کہتا عرفات میں داخل ہو۔

سارا عرفات ٹھہرنے کی جگہ ہے

عرفات سارا کا سارا ٹھہرنے کی جگہ ہے علاوہ بطن عرنہ کے، بطن عرنہ میں ٹھہرنا جائز نہیں ہے۔ شارح فرماتے ہیں کہ لفظ "عرنۃ" راء کے زبر اور عین کے پیش کے ساتھ آیا ہے، بطن عرنہ حدودِ حرم میں ایک وادی کا نام ہے جو مسجد عرفہ کے مغربی جانب واقع ہے۔

جب آفتاب ڈھل چکے تو نماز ظہر سے پہلے امام مسجد میں دو خطبے دے گا، جس طرح کہ جمعہ کے دن نماز جمعہ کے لیے امام دو خطبہ دیتا ہے اور درمیان میں بیٹھتا ہے اسی طرح اس خطبہ میں بھی دو خطبوں کے درمیان امام کچھ دیر بیٹھے گا اور جس طرح جمعہ کے خطبہ سے پہلے مؤذن امام کے سامنے اذان دیتا ہے اس میں بھی اذان دے گا)۔ (شامی: ۳/۵۱۸)

جمع بین الصلوٰتین کا حکم

اس خطبہ میں امام لوگوں کو حج کے احکام، اس کے ضروری مسائل سے آگاہ کرے گا، خطبہ سے فارغ ہونے کے بعد امام

تمام لوگوں کو پہلے ظہر کی نماز پڑھائے گا، پھر اسی ظہر ہی کے ساتھ امام عصر کی نماز بھی پڑھائے گا، اس میں صرف ایک اذان ہوگی البتہ دونوں نمازوں کے لیے الگ الگ تکبیریں ہوں گی اور ان دونوں نمازوں میں امام آہستہ قرأت کرے گا۔ اور صحیح مذہب کی روایت کے مطابق ان دونوں فرض نمازوں کے درمیان کوئی اور نماز نہیں پڑھی جائے گی اور نہ عصر کی نماز ادا کرنے کے بعد کوئی نماز ادا کی جائے گی، حتی کہ سنت مؤکدہ بھی نہیں پڑھی جائے گی (میدانِ عرفات میں نمازِ عصر کو ظہر ہی کے وقت پڑھنا مطلوب ہے اس جمع کو شریعت کی اصطلاح میں جمع تقدیم کہتے ہیں)۔

جمع بین الصلوتین کی صحت کی شرطیں

جمع بین الصلوتین کے صحیح ہونے کے لیے حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک دو شرطیں ہیں ایک شرط یہ ہے کہ بادشاہ موجود ہو یا پھر اس کا نائب موجود ہو، اگر وہاں بادشاہ یا اس کا نائب موجود نہیں ہے تو لوگ علیحدہ علیحدہ نماز ادا کریں گے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ دونوں نمازوں کے وقت لوگ احرام حج میں ہوں (لہٰذا کوئی شخص عمرہ کے احرام میں ہو یا ایک نماز میں احرامِ عمرہ میں ہو اور دوسری نماز میں احرامِ حج میں ہو، یا سرے سے احرام ہی میں نہ ہو تو اس وقت جمع بین الصلوتین جائز نہ ہوگی)۔

چند جزئی مسائل کا بیان

لہٰذا اگر کسی شخص نے میدانِ عرفات میں ظہر یا عصر کی نماز تنہا پڑھی ہے تو اس کے لیے عصر کی نماز ظہر کے وقت میں ادا کرنا جائز نہیں ہے، اسی طرح جس شخص نے ظہر کی نماز تنہا پڑھی ہے وہ عصر کی نماز امام کے ساتھ ظہر کے وقت میں ادا نہیں کر سکتا ہے اس کو چاہئے کہ عصر کی نماز عصر کے وقت میں ادا کرے۔ اور جس شخص نے حج کے احرام سے پہلے ظہر کی نماز امام کے ساتھ باجماعت پڑھی پھر اس کے بعد احرام باندھا تو اس کے لیے عصر کی نماز ظہر کے وقت میں امام کے ساتھ پڑھنا جائز نہیں ہے بلکہ اس کو عصر کی نماز عصر ہی کے وقت میں ادا کرنا ہوگا اور اس بارے میں حضرات صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ جمع بین الصلوتین کے لیے صرف ایک ہی شرط ہے وہ شرط حج کا احرام ہونا ہے، امام کا ہونا یا اس کا نائب ہونا ان کے نزدیک شرط نہیں ہے، اس بارے میں ائمہ ثلاثہ کا بھی یہی مذہب ہے اور یہی مذہب اظہر ہے جیسا کہ شرنبلالیہ نے برہان سے نقل کیا ہے (لیکن فتویٰ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے قول پر ہے)۔

(ثُمَّ ذَهَبَ إِلَى الْمَوْقِفِ بِغُسْلٍ سُنَّ) (وَوَقَفَ الْإِمَامُ عَلَى نَاقَتِهِ بِقُرْبِ جَبَلِ الرَّحْمَةِ) عِنْدَ الصَّخَرَاتِ الْكِبَارِ (مُسْتَقْبِلًا) الْقِبْلَةَ (وَالْقِيَامُ وَالنِّيَّةُ فِيهِ) أَيِ الْوُقُوفِ (لَيْسَتْ بِشَرْطٍ وَلَا وَاجِبٍ فَلَوْ كَانَ جَالِسًا جَازَ حَجُّهُ وَ) ذَلِكَ لِأَنَّ (الشَّرْطَ الْكَيْنُونَةُ فِيهِ) فَصَحَّ وُقُوفُ مُجْتَازٍ وَهَارِبٍ وَطَالِبِ غَرِيمٍ وَنَائِمٍ وَمَجْنُونٍ وَسَكْرَانَ (وَدَعَا جَهْرًا) بِجَهْدٍ (وَعَلَّمَ الْمَنَاسِكَ وَوَقَفَ النَّاسُ خَلْفَهُ بِقُرْبِهِ مُسْتَقْبِلِينَ الْقِبْلَةَ سَامِعِينَ لِقَوْلِهِ) خَاشِعِينَ بَاكِينَ وَهُوَ مِنْ مَوَاضِعِ الْإِجَابَةِ وَهِيَ بِمَكَّةَ

خَمْسَةَ عَشَرَ نَظَمَهَا صَاحِبُ النَّهْرِ فَقَالَ:

دُعَاءُ الْبَرَايَا يُسْتَجَابُ بِكَعْبَةٍ وَمُلْتَزَمٍ وَالْمَوْقِفَيْنِ كَذَا الْحَجَرِ

طَوَافٍ وَسَعْيٍ مَرْوَتَيْنِ وَزَمْزَمٍ مَقَامٍ وَمِيزَابٍ جِمَارُكَ تُعْتَبَرْ

زَادَ فِي اللُّبَابِ: وَعِنْدَ رُؤْيَةِ الْكَعْبَةِ وَعِنْدَ السِّدْرَةِ وَالرُّكْنِ الْيَمَانِيِّ، وَ فِي الْحَجَرِ وَ فِي مِنًى فِي نِصْفِ لَيْلَةِ الْبَدْرِ (وَإِذَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ أَتَى) عَلَى طَرِيقِ الْمَأْزِمَيْنِ (مُزْدَلِفَةَ) وَحَدُّهَا مِنْ مَأْزِمَيْ عَرَفَةَ إِلَى مَأْزِمَيْ مُحَسِّرٍ (وَيُسْتَحَبُّ أَنْ يَأْتِيَهَا مَاشِيًا وَأَنْ يُكَبِّرَ وَيُهَلِّلَ وَيَحْمَدَ وَيُلَبِّيَ سَاعَةً فَسَاعَةً وَ) الْمُزْدَلِفَةُ (كُلُّهَا مَوْقِفٌ إِلَّا وَادِيَ مُحَسِّرٍ) هُوَ وَادٍ بَيْنَ مِنًى وَمُزْدَلِفَةَ، فَلَوْ وَقَفَ بِهِ أَوْ بِبَطْنِ عُرَنَةَ لَمْ يَجُزْ عَلَى الْمَشْهُورِ

وقوفِ عرفہ

پھر ظہر اور عصر کی نماز سے فارغ ہو کر مسنون یہ ہے کہ غسل کرے اس کے بعد موقف چلا جائے اور امام اپنی سواری پر بیٹھ کر جبل رحمت کے قریب بڑے بڑے کالے چٹانوں کے پاس قبلہ کی جانب رُخ کرے اور یہاں وقوف کے واسطے قیام اور نیت کرنا نہ تو شرط ہے اور نہ واجب، چنانچہ اگر وہ موقف میں بیٹھا رہے گا تو بھی اس کا حج درست ہو جائے گا۔ اور یہ اس لیے کہ شرط وہاں موجود رہنا ہے خواہ جس طرح بھی ہو، لہٰذا عرفات کی میدان میں راہ چلنے والے کا ٹھہر جانا، بھاگتے ہوئے کا ٹھہر جانا، مدیون کی تلاش میں نکلے ہوئے شخص کا وقوف کر لینا، اسی طرح سوتے ہوئے پاگل اور مست شخص کا وہاں پہنچ جانا وقوف کے صحیح ہونے کے لیے کافی ہے (الغرض جس حالت میں بھی عرفات پہنچ گیا اس کا وقوف صحیح ہو جائے گا اور حج جائز ہوگا، خواہ وہ سونے کی حالت، یا جنابت کی حالت میں ہو، یا زبردستی کسی نے پہنچا دیا یا اس کو یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ عرفات ہے اور وہاں پہنچ گیا، مذکورہ تمام صورتوں میں وقوف صحیح ہو جائے گا اور حج بھی صحیح ہو جائے گا)۔ (شامی: ۳/۵۲۲)

میدانِ عرفات میں دعا کرنا

میدانِ عرفات میں بلند آواز سے خوب محنت و مشقت کے ساتھ دعاء کرے (لیکن دعاء میں خوب نہ چلائے کہ خود تھک جائے، یہاں بلند آواز سے جو دعاء کرنے کے لیے کہا گیا ہے وہ تلبیہ کے متعلق ہے ورنہ تو دعا آہستہ آواز سے ہی کرنا افضل ہے اور مسنون طریقہ بھی یہی ہے)۔ (شامی: ۳/۵۲۳)

اور امام اپنی سواری پر بیٹھ کر لوگوں کو حج کے احکام بتائے اور لوگ امام کے پیچھے امام کے قریب ہی رہیں اور لوگ اس طرح رہیں کہ ان سب کا چہرہ قبلہ کی جانب رہے اور امام جو کچھ بھی حج کے احکام اور مسائل بیان کر رہا ہو ان کو خوب غور سے

خشوع وخضوع کے ساتھ سن رہے ہوں اور رو رہے ہوں۔ اور میدانِ عرفات ان جگہوں میں سے ایک ہے جہاں دعاء قبول ہوتی ہے اور مکہ مکرمہ میں جن جگہوں پر دعائیں قبول ہوتی ہیں وہ پندرہ جگہیں ہیں جن کو صاحب نہر الفائق نے نظم میں منتقل کر دیا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔

دعا کی قبولیت کی جگہیں

مخلوق کی دعاء ان جگہوں میں قبول ہوتی ہے: (۱) بیت اللہ کے اندر (۲) ملتزم میں (۳) عرفات کے موقف میں (۴) موقف مزدلفہ میں (۵) اسی طرح حجر اسود کے پاس بھی دعاء قبول ہوتی ہے (۶) طواف کرتے وقت (۷) سعی کرتے وقت (۸) صفا پر (۹) مروہ پر (۱۰) زمزم کے پاس (۱۱) مقامِ ابراہیم کے پیچھے (۱۲) میزاب رحمت کے پاس (۱۳) جمرۂ اولیٰ (۱۴) جمرۂ وسطیٰ (۱۵) جمرۂ عقبیٰ کے پاس۔

طرابلسی نے دعاء قبول ہونے کے چھ مزید مقامات کا ذکر کیا ہے: (۱) کعبہ پر نظر پڑتے وقت (۲) بیری کے درخت کے پاس (اس کو لباب نے ذکر نہیں کیا ہے بلکہ شرنبلالیہ نے ذکر کیا ہے اور یہ درخت میدانِ عرفات میں تھا جو اس وقت غیر مشہور و معروف ہے) (۳) رکن یمانی کے پاس (۴) حجر اسود کے پاس (۵) حطیم میں (۶) میدانِ منیٰ میں چودھویں رات کے نصف میں۔

نوٹ: مذکورہ نظم میں صرف مقامات مستجابات کا ذکر ہے، لیکن اس کا ذکر نہیں ہے کہ دعاء کی قبولیت کے اوقات کیا ہیں۔ بعض حضرات نے قبولیت کے اوقات کو بھی بیان کیا ہے اور وہ اس طرح ہے کہ بیت اللہ کے اندر عصر کے وقت دو ستونوں کے آگے، ملتزم میں آدھی رات کو، عرفات میں آفتاب غروب ہونے کے وقت، مقامِ ابراہیم اور میزاب میں سحر کے وقت اور جمرات میں طلوعِ آفتاب کے وقت، طواف میں ہر وقت، اور سعی بین الصفا والمروۃ میں عصر کے وقت، زمزم کے پاس سورج غروب ہونے کے وقت، مذکورہ جگہوں میں تو ہر وقت دعاء کے اندر مشغول رہے کوئی وقت ہاتھ سے خالی نہ جانے دے۔

عرفہ کے دن کی افضل ترین دعا

رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ بہترین دعاء یومِ عرفہ کی دعاء ہے اور جو دعاء میں نے اور مجھ سے پہلے تمام رسولوں اور نبیوں نے کی ہے وہ یہ ہے: لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وحدَهٗ لَا شریکَ لَهٗ، لَهُ المُلکُ، ولَهُ الحمدُ، وهُو علٰی کلِّ شیءٍ قدیرٌ۔ اس کے اندر بظاہر حمد وثناء ہے دعاء نہیں ہے مگر حقیقت میں کریم کی تعریف کرنی ہی دعاء ہے، اس لیے کہ کریم اس کی تمام ضروریات کو جانتا ہے۔ (شامی: ۳/ ۵۲۳)

مزدلفہ کے لیے روانگی

عرفات میں قیام کرتے ہوئے جب نویں ذی الحجہ کا سورج غروب ہو جائے تو وہاں سے مأزمین کے راستے سے مزدلفہ

کے لیے روانہ ہو جائے اور اس کی حد مأزمین عرفات سے مأزمین سے محسّر تک ہے (مأزمین در حقیقت مزدلفہ اور عرفات کے درمیان ایک تنگ راستہ ہے اور دوسرا تنگ راستہ منیٰ اور مکہ کے درمیان ہے اور مأزمین یہ لفظ تثنیہ کا صیغہ ہے اور بعض نے کہا کہ مأزمین عرفات اور مزدلفہ کے درمیان دو پہاڑ ہیں)۔ (شامی: ۳/۵۲۴)

مستحب یہ ہے کہ عرفات سے مزدلفہ پیدل چل کر آئے اور راستے میں ہر تھوڑے وقفے میں اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ، الحمد للہ اور لَبَّیْکَ اللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ کا پرکشش نعرہ لگاتے ہوئے جائے۔ اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ راستہ میں استغفار بھی کرتے جائے جیسا کہ قرآن مجید میں آیا ہے ﴿ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللهَ إِنَّ اللهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ یعنی پھر تم لوگ وہاں سے کوچ کرو جہاں سے لوگ کوچ کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو، یقیناً اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔

اور وادی محسّر کے علاوہ مزدلفہ سارا کا سارا ٹھہرنے کی جگہ ہے جہاں چاہے قیام کرے اور وادی محسّر منیٰ اور مزدلفہ کے درمیان ایک وادی کا نام ہے، یہاں قیام کرنا جائز نہیں ہے، چنانچہ اگر کسی نے وادی محسّر یا بطن عرنہ میں قیام کیا تو مشہور قول کے مطابق وقوف جائز نہ ہوگا اور حج بھی درست نہ ہوگا، اس لیے کہ وقوف مزدلفہ واجب ہے اور وقوف عرفات رکن حج ہے۔

(وَنَزَلَ عِنْدَ جَبَلِ قُزَحَ) بِضَمٍّ فَفَتْحٍ لَا يَنْصَرِفُ لِلْعَلَمِيَّةِ وَالْعَدْلِ مِنْ قَازِحٍ بِمَعْنَى مُرْتَفِعٍ، وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ الْمَشْعَرُ الْحَرَامُ وَعَلَيْهِ مِيقَدَةٌ قِيلَ كَانُونُ آدَمَ (وَصَلَّى الْعِشَاءَيْنِ بِأَذَانٍ وَإِقَامَةٍ) لِأَنَّ الْعِشَاءَ فِي وَقْتِهَا لَمْ تَحْتَجْ لِلْإِعْلَامِ كَمَا لَا احْتِيَاجَ هُنَا لِلْإِمَامِ (وَلَوْ صَلَّى الْمَغْرِبَ) وَالْعِشَاءَ (فِي الطَّرِيقِ أَوْ فِي (عَرَفَاتٍ أَعَادَهُ) لِلْحَدِيثِ «الصَّلَاةُ أَمَامَكَ» فَتَوَقَّتَتَا بِالزَّمَانِ وَالْمَكَانِ وَالْوَقْتِ فَالزَّمَانُ لَيْلَةُ النَّحْرِ وَالْمَكَانُ مُزْدَلِفَةُ وَالْوَقْتُ وَقْتُ الْعِشَاءِ، حَتَّى لَوْ وَصَلَ إِلَى مُزْدَلِفَةَ قَبْلَ الْعِشَاءِ لَمْ يُصَلِّ الْمَغْرِبَ حَتَّى يَدْخُلَ وَقْتُ الْعِشَاءِ فَتَصْلُحُ لُغْزًا مِنْ وُجُوهٍ (مَا لَمْ يَطْلُعِ الْفَجْرُ) فَيَعُودُ إِلَى الْجَوَازِ وَهَذَا إِذَا لَمْ يَخَفْ طُلُوعَ الْفَجْرِ فِي الطَّرِيقِ فَإِنْ خَافَهُ صَلَّاهُمَا (وَلَوْ صَلَّى الْعِشَاءَ قَبْلَ الْمَغْرِبِ بِمُزْدَلِفَةَ صَلَّى الْمَغْرِبَ ثُمَّ أَعَادَ الْعِشَاءَ، فَإِنْ لَمْ يُعِدْهَا حَتَّى طَهُرَ الْفَجْرُ عَادَ الْعِشَاءُ إِلَى الْجَوَازِ) وَيَنْوِي الْمَغْرِبَ أَدَاءً وَيَتْرُكُ سُنَّتَهَا وَيُحْيِيهَا فَإِنَّهَا أَشْرَفُ مِنْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ كَمَا أَفْتَى بِهِ صَاحِبُ النَّهْرِ وَغَيْرُهُ، وَجَزَمَ شَارِحُ الْبُخَارِيِّ سِيَّمَا الْقَسْطَلَانِيُّ بِأَنَّ عَشْرَ ذِي الْحِجَّةِ أَفْضَلُ مِنَ الْعَشْرِ الْأَخِيرِ مِنْ رَمَضَانَ.

مزدلفہ میں قیام کرنا

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ مزدلفہ میں قزح نامی پہاڑ پر اترے۔ لفظ ''قزح'' علمیت اور عدل کی وجہ سے غیر منصرف ہے اور قاف کے ضمہ کے ساتھ اور فتحہ کے ساتھ مروی ہے۔ اور قزح قازح سے بنا ہے جس کے معنی بلندی کے ہیں۔

اور صحیح قول کے مطابق المشعر الحرام یہی قزح پہاڑی ہے اس پہاڑی پر آگ جلنے کی ایک جگہ ہے۔ بعض اہل علم نے فرمایا کہ یہ حضرت آدم علیہ السلام کی بھٹی ہے (میقدہ کے متعلق علامہ شامی فرماتے ہیں کہ یہ گول پتھر کا ایک ستون ہے جس کی گولائی بیس گز ہے اور اس کی لمبائی بارہ گز ہے اور اس میں پچیس سیڑھیاں ہیں اور یہ ایک اونچی لکڑی پر ہے، ہارون رشید کے دورِ خلافت میں اس پر مزدلفہ کی رات میں شمع روشن کیا جاتا تھا، اس سے قبل لکڑیاں جلائی جاتی تھیں)۔ (شامی: ۳/۵۲۵)

جمع تاخیر کا شرعی حکم

مزدلفہ پہنچنے کے بعد وہاں مغرب اور عشاء کی نماز ایک ساتھ عشاء کے وقت میں ایک اذان اور ایک ہی اقامت سے ادا کی جائے گی، اس لیے کہ عشاء کی نماز اپنے وقت میں ادا ہو رہی ہے، لہٰذا یہاں اطلاع اور لوگوں کو خبردار کرنے کی ضرورت نہیں ہے جیسا کہ یہاں جمع بین الصلوٰتین کے صحیح ہونے کے لیے امام کا ہونا بھی شرط نہیں ہے، اس جمع صلوٰۃ کو جمع تاخیر کہتے ہیں اس لیے کہ مغرب کی نماز مؤخر کر کے عشاء کے وقت میں پڑھی جاتی ہے۔

مزدلفہ کے راستے میں نماز پڑھنے کا حکم

اگر کوئی شخص مغرب اور عشاء کی نماز مزدلفہ کے راستہ میں یا میدانِ عرفات میں ادا کرے گا تو وہ نماز دوبارہ پڑھی جائے گی اس لیے کہ حدیث شریف میں ہے رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: الصَّلٰوۃُ اَمَامَکَ کہ نماز تیرے آگے ہے۔ (بخاری اور مسلم شریف میں ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ جب عرفات سے روانہ ہوئے تو راستے میں ایک جگہ اُترے اور استنجاء کیا اور نامکمل وضو فرمایا۔ راویِ حدیث حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! نماز ادا فرمالیجیے! تو رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: نماز تیرے آگے ہے، پھر آپ سوار ہوئے اور مزدلفہ تشریف لائے اور یہاں پہنچ کر آپ نے کامل وضو فرمایا، پھر مغرب اور عشاء کی نماز پڑھی۔ اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ مغرب وعشاء کی نماز نہ عرفات میں درست ہے نہ مزدلفہ کے راستے میں درست ہے؛ بلکہ مزدلفہ پہنچ کر مغرب اور عشاء ایک ساتھ ادا کی جائیگی)۔

مغرب اور عشاء کی نماز مزدلفہ میں ادا کرنا

مذکورہ حدیث شریف کے پیشِ نظر مغرب اور عشاء کی نماز زمان، مکان اور وقت کے ساتھ معین ہوگی، لہٰذا اس نماز کا زمانہ دسویں ذی الحجہ کی رات ہے اور اس کی جگہ مزدلفہ ہے اور وقت میں جس میں نماز ادا ہوگی عشاء کا وقت ہے (وہاں پہنچنے کے بعد دونوں وقتوں کی نماز بالترتیب ادا کی جائیگی، پہلے مغرب کی نماز ادا کی جائیگی اسکے بعد عشاء اپنے وقت میں ادا کی جائیگی)۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص عشاء کے وقت سے پہلے مزدلفہ پہنچ جائے تو وہ وہاں مغرب کی نماز اس وقت تک نہیں پڑھے گا جب تک کہ عشاء کا وقت داخل نہ ہو جائے، یہ مسئلہ بچند وجوہ چیستاں کے قابل ہے، جواب دینے میں تھوڑا دماغ لگانا

ہوگا۔(علامہ شامی نے اس چیستاں کو طحطاوی کے حوالہ سے نقل کیا ہے)۔

سوال: وہ کون سی فرض نماز ہے جس میں نہ اذان ہے نہ اقامت؟

جواب: وہ مزدلفہ میں عشاء کی نماز ہے جب کہ عشاء اور مغرب کے درمیان فاصلہ نہ ہو۔

سوال: وہ کون سی نماز ہے جو غیر وقت میں پڑھی جائے اور قضاء بھی نہ ہو؟

جواب: وہ مزدلفہ میں مغرب کی نماز ہے، عشاء کے وقت میں ادا کی جاتی ہے لیکن قضا نہیں کہلاتی ہے بلکہ ادا ہی ہوتی ہے۔

سوال: وہ کون سی نماز ہے جو اپنے وقت میں پڑھنے کے باوجود واجب الاعادہ ہوتی ہے؟

جواب: وہ مغرب اور عشاء کی نماز جو مزدلفہ کے راستے میں یا عرفات میں پڑھی جائے۔

سوال: وہ کون سی نماز عشاء ہے جس کو صاحب ترتیب مغرب سے پہلے بھی پڑھ لے گا تو بھی درست ہو جائیگی؟

جواب: وہ مزدلفہ کی وہ عشاء کی نماز ہے جو اپنے اخیر وقت میں پڑھی گئی پھر صبح صادق ہوگئی۔

سوال: وہ کون سی نماز ہے جس کو ایک خاص جگہ پڑھنا واجب ہے؟

جواب: وہ مزدلفہ کی مغرب اور عشاء کی نماز ہے جس کو مزدلفہ ہی میں پڑھنا واجب ہے۔

مغرب اور عشاء کی نماز راستے میں کب جائز ہے؟

میدانِ عرفات سے مزدلفہ چلتے ہوئے راستے میں مغرب وعشاء اس وقت تک پڑھنے کی اجازت نہیں ہے جب تک راستہ میں صبح صادق کے طلوع ہو جانے کا خوف نہ ہو، اگر راستہ میں صبح صادق طلوع ہو جانے کا خطرہ ہو تو راستہ میں ہی مغرب وعشاء پڑھ لینا جائز ہوگا۔ اور ان دونوں نمازوں کے راستہ میں پڑھنے پر اعادہ کا حکم اس وقت ہے جب کہ صبح صادق کے طلوع ہونے کا خوف نہ ہو پھر بھی راستہ میں نماز پڑھ لے، اگر طلوع صبح صادق کا اندیشہ ہو تو راستہ ہی میں پڑھ لے، اعادہ کا حکم نہیں ہے۔

مزدلفہ میں نمازوں کے ادا کرنے میں ترتیب

مزدلفہ پہنچنے کے بعد پہلے مغرب کی نماز ادا کرے گا اس کے بعد عشاء کی نماز ادا کرے گا، اگر کسی شخص نے مزدلفہ پہنچ کر مغرب سے پہلے عشاء کی نماز پڑھ لی تو اس صورت میں وہ شخص پہلے مغرب کی نماز ادا کرے گا اس کے بعد عشاء کی نماز دوبارہ پڑھے، لیکن اگر کسی نے عشاء کی نماز دوبارہ نہیں پڑھی یہاں تک کہ فجر ظاہر ہوگئی تو اس صورت میں مغرب سے پہلے پڑھی ہوئی عشاء کی نماز جائز ہو جائے گی اور مزدلفہ میں مغرب کی نماز ادا کرتے ہوئے ادا ہی کی نیت کرے گا۔ اور اصح قول کے مطابق مغرب کی سنتوں کو چھوڑ دے گا اور مزدلفہ پہنچ کر راتوں کو جاگ کر عبادت میں مشغول رہے، کیونکہ مزدلفہ کی رات شب قدر سے بھی زیادہ افضل ہے جیسا کہ صاحب النہر الفائق وغیرہ نے اس پر فتویٰ دیا ہے (اور کسی نے ان سے معلوم کیا کہ لیلۃ النحر لیلۃ

الجمعہ سے زیادہ افضل ہے کہ نہیں؟ وہ کہتے ہیں کہ میرا رجحان یہی تھا کہ لیلۃ النحر لیلۃ الجمعہ سے بھی زیادہ افضل ہے، پھر میں نے جوہرۃ نیرہ میں دیکھا کہ لیلۃ النحر سارے سالوں کی راتوں سے افضل ہے۔ (شامی: ۳/۵۲۸)

شارح بخاری علامہ قسطلانی یقین کے ساتھ فرماتے ہیں کہ بلاشبہ عشرۂ ذی الحجہ رمضان المبارک کے اخیر عشرہ سے افضل ہے (لیکن جمہور علماء کے نزدیک رمضان المبارک کا اخیر عشرہ افضل ہے عشرۂ ذی الحجہ کے مقابلہ میں اور ابن القیم نے اسی کو صواب قرار دیا ہے)۔ (شامی: ۳/۵۲۸)

(وَصَلَّى الْفَجْرَ بِغَلَسٍ) لِأَجْلِ الْوُقُوفِ (ثُمَّ وَقَفَ) بِمُزْدَلِفَةِ، وَوَقْتُهُ مِنْ طُلُوعِ الْفَجْرِ إِلَى طُلُوعِ الشَّمْسِ، وَلَوْ مَارًّا كَمَا فِي عَرَفَةَ، لَكِنْ لَوْ تَرَكَهُ بِعُذْرٍ كَزَحْمَةٍ بِمُزْدَلِفَةَ لَا شَيْءَ عَلَيْهِ (وَكَبَّرَ وَهَلَّلَ وَلَبَّى وَصَلَّى) عَلَى الْمُصْطَفَى (وَدَعَا، وَإِذَا أَسْفَرَ) جِدًّا (أَتَى مِنًى) مُهَلِّلًا مُصَلِّيًا، فَإِذَا بَلَغَ بَطْنَ مُحَسِّرٍ أَسْرَعَ قَدْرَ رَمْيَةِ حَجَرٍ لِأَنَّهُ مَوْقِفُ النَّصَارَى (وَرَمَى جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ مِنْ بَطْنِ الْوَادِي) وَيُكْرَهُ تَنْزِيهًا مِنْ فَوْقُ (سَبْعًا حَذْفًا) بِمُعْجَمَتَيْنِ أَيْ بِرُءُوسِ الْأَصَابِعِ وَيَكُونُ بَيْنَهُمَا خَمْسَةُ أَذْرُعٍ، وَلَوْ وَقَعَتْ عَلَى ظَهْرِ رَجُلٍ أَوْ جَمَلٍ إِنْ وَقَعَتْ بِنَفْسِهَا بِقُرْبِ الْجَمْرَةِ جَازَ وَإِلَّا لَا، وَثَلَاثَةُ أَذْرُعٍ بَعِيدٌ وَمَا دُونَهُ قَرِيبٌ جَوْهَرَةٌ (وَكَبَّرَ بِكُلِّ حَصَاةٍ) أَيْ مَعَ كُلِّ مِنْهَا.

قیام مزدلفہ میں فجر کی نماز

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ مزدلفہ میں وقوف کی وجہ سے فجر کی نماز صبح ہوتے ہی اوّلِ وقت میں پڑھ لے، پھر اس کے بعد مزدلفہ میں فجر کے طلوع ہونے سے لے کر سورج کے طلوع ہونے تک قیام کرے خواہ بطور گذرنے کے ہی کیوں نہ ہو جیسا کہ عرفات میں حکم ہے لیکن اگر کوئی شخص کسی عذر کی وجہ سے، مثال کے طور پر بھیڑ بھاڑ کی وجہ سے مزدلفہ میں قیام نہ کر سکے تو اس پر دم واجب نہیں ہے۔ اور مزدلفہ میں اللہ اکبر، لا الٰہ الا اللہ اور تلبیہ کثرت سے زبان پر جاری رکھے اور رسولِ اکرم ﷺ پر درود شریف بھی بھیجتا رہے اور اپنے واسطے دعاء بھی کرتا رہے اور دعاء میں اپنے دونوں ہاتھوں کو آسمان کی جانب اُٹھائے (یہاں دعاء کرنے میں سہل انگاری اور غفلت سے ہرگز کام نہ لے کیوں کہ اس طرح کا موقع بار بار نہیں ملتا ہے)۔

مزدلفہ سے منیٰ کے لیے روانگی

جب صبح خوب روشن ہو جائے تو لا الٰہ الا اللہ اور درود شریف پڑھتا ہوا مزدلفہ سے منیٰ کے لیے روانہ ہو جائے جب راستے میں بطن محسر پہنچے تو پتھر پھینکنے کے بقدر خوب تیز رفتاری سے چلے، کیوں کہ یہ جگہ نصاریٰ کے ٹھہرنے کی جگہ ہے (اسی جگہ اصحاب الفیل ہلاک ہوئے و برباد ہوئے تھے اور ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوا تھا، اس لیے ایسی مغضوب و معتوب جگہ سے

جلد بھاگنے کی کوشش کرنی چاہئے)۔

تینوں جمرات پر کنکریاں مارنا

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جب حاجی منیٰ پہنچ جائے تو وہاں جمرۂ عقبہ کو سات کنکریاں انگلیوں کے سرے سے مارے اور نالے کے اوپر سے جمرۂ عقبہ کی رمی کرنا مکروہ تنزیہی ہے، کیوں کہ یہ خلاف سنت ہے، لیکن اس کے باوجود رمی ہوجائے گی۔ اور جمرات پر کنکریاں اتنی دور سے مارے کہ مارنے والے اور جمرہ کے درمیان صرف پانچ ہاتھ کا فاصلہ ہو (اور کنکریاں مارتے وقت منیٰ کو اپنی داہنی جانب اور کعبہ کو اپنی بائیں جانب کر کے کنکری مارے) بعض اہل علم نے فرمایا کہ کنکری مارنے والے اور جمرہ کے درمیان اس قدر فاصلہ ضروری ہے اس لیے کہ اس سے کم فاصلہ ہوگا تو کنکری رکھنا لازم آئے گا حالانکہ کنکری مارنے کا حکم ہے۔

ایک آدمی نے کنکری ماری اور وہ کنکری کسی آدمی یا کسی اونٹ کی پیٹھ پر گری پھر وہ کنکری وہاں سے خود بخود جمرہ کے پاس گر جائے تو جائز ہے رمی ہوجائے گی اور اگر اس کے قریب نہیں گری تو جائز نہیں ہے، یعنی یہ کنکری مارنا حساب میں شمار نہ ہوگا اس کی جگہ دوسری کنکری مارنی ہوگی۔ اور کنکری کا جمرہ سے تین ہاتھ کے فاصلہ پر گرنا بعید ہے اور اس سے کم پر گرنا قریب کے حکم میں ہے، جیسا کہ جوہرہ میں ہے اور ہر کنکری مارتے ہوئے اللہ اکبر کہنا چاہئے (ظاہر الروایہ یہی ہے، لیکن حسن بن زیاد سے مروی ہے کہ کنکری مارتے ہوئے اللّٰہ أکبر رغمًا للشیطٰن و حزبہ بھی کہے۔ اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ یہ دعاء پڑھے:

اَللّٰھُمَّ اجعل حجّي مَبرورًا، وسَعیي مَشکورًا، وذنبي مَغفورًا۔ (شامی: ۳/۵۳۱)

کنکریاں مارنا ابراہیم خلیل اللہ کی یادگار ہے

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام حج کرنے آئے تو شیطان جمرۃ العقبہ کے پاس آکر کھڑا ہوا، ابراہیم علیہ السلام نے اسے سات کنکریاں ماریں یہاں تک کہ وہ شیطان زمین کے اندر دھنس گیا، پھر جمرۂ وسطیٰ کے پاس شیطان آکر کھڑا ہوگیا وہاں بھی ابراہیم علیہ السلارم نے سات کنکریاں ماریں، پھر جمرۂ اولیٰ کے پاس شیطان ظاہر ہوا وہاں بھی سات کنکریان ماریں، یہ کنکریاں مارنا حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کی یادگار ہے۔

اور اس بارے میں دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے لخت جگر حضرت اسماعیل علیہ السلام کو قربانی کے واسطے لے جارہے تھے تو شیطان تین جگہ آکر بہکانا چاہا اور وہاں آپ نے کنکریاں مار کر شیطان کو بھگایا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو قربان گاہ لے گئے، یہ اسی واقعہ کی یادگار ہے۔

(وَقَطَعَ التَّلْبِيَةَ بِأَوَّلِهَا فَلَوْ رَمَى بِأَكْثَرَ مِنْهَا) أَيْ السَّبْعِ (جَازَ لَا لَوْ رَمَى بِالْأَقَلِّ) فَالتَّقْيِيدُ بِالسَّبْعِ

لِمَنْعِ النَّقْصِ لَا لِلزِّيَادَةِ (وَجَازَ الرَّمْيُ بِكُلِّ مَا كَانَ مِنْ جِنْسِ الْأَرْضِ كَالْحَجَرِ وَالْمَدَرِ) وَالطِّينِ وَالْمَغْرَةِ (وَ) كُلِّ مَا (يَجُوزُ التَّيَمُّمُ بِهِ وَلَوْ كَفًّا مِنْ تُرَابٍ) فَيَقُومُ مَقَامَ حَصَاةٍ وَاحِدَةٍ (لَا) يَجُوزُ (بِخَشَبٍ وَعَنْبَرٍ وَلُؤْلُؤٍ) كِبَارٍ (وَجَوَاهِرَ) لِأَنَّهُ إِعْزَازٌ لَا إِهَانَةٌ وَقِيلَ يَجُوزُ (وَذَهَبٍ وَفِضَّةٍ) لِأَنَّهُ يُسَمَّى نِثَارًا لَا رَمْيًا (وَبَعْرٍ) لِأَنَّهُ لَيْسَ مِنْ جِنْسِ الْأَرْضِ وَمَا فِي فُرُوقِ الْأَشْبَاهِ مِنْ جَوَازِهِ بِالْبَعْرِ خِلَافُ الْمَذْهَبِ-(وَيُكْرَهُ) أَخْذُهَا (مِنْ عِنْدِ الْجَمْرَةِ) لِأَنَّهَا مَرْدُودَةٌ لِحَدِيثِ «مَنْ قُبِلَتْ حَجَّتُهُ رُفِعَتْ جَمْرَتُهُ» (وَ) يُكْرَهُ (أَنْ يَلْتَقِطَ حَجَرًا وَاحِدًا فَيُكَسِّرَهُ سَبْعِينَ حَجَرًا صَغِيرًا) وَأَنْ يَرْمِيَ بِمُتَنَجِّسَةٍ بِيَقِينٍ وَوَقْتُهُ مِنَ الْفَجْرِ إِلَى الْفَجْرِ وَيُسَنُّ مِنْ طُلُوعِ ذُكَاءٍ لِزَوَالِهَا وَيُبَاحُ لِغُرُوبِهَا وَيُكْرَهُ لِلْفَجْرِ

تلبیہ کہنا کب بند کرے گا؟

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ پہلی کنکری مارتے ہی تلبیہ کہنا بند کردے گا (کیوں کہ بخاری ومسلم کی حدیث میں ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ برابر تکبیر اور تلبیہ کہتے رہے یہاں تک کہ جمرۃ العقبہ کی رمی کی، یعنی جمرۃ العقبہ کی رمی کرتے ہی آپ نے تکبیر بند کردی اور اس حکم کے اندر مفرد، متمتع اور قارن سب داخل ہیں)۔

اگر کوئی شخص رمی کرتے ہوئے سات کنکریوں سے زیادہ مارے تو بھی اس کی لیے جائز ہے، البتہ سات کنکریوں سے کم مارنا جائز نہیں ہے، پس سات کنکریوں کی قید لگانا کمی کو روکنے کی لیے زیادتی کو روکنے کی لیے نہیں ہے (اگر کسی نے سات کنکری سے کم کنکری ماری تو اس پر دم لازم ہو جائے گا جس طرح کہ اگر کوئی شخص بالکل رمی کو ترک کردے تو اس پر دم واجب ہوتا ہے)۔

کن کن چیزوں سے رمی کرنا جائز ہے؟

رمی کرنا ہر اس چیز سے جائز ہے جو زمین کی جنس سے ہو، جیسے پتھر، ڈھیلا، مٹی اور گیرو وغیرہ اور ہر اس چیز سے بھی رمی کرنا جائز ہے جس سے تیمم کرنا جائز ہے، اگرچہ ایک مٹھی مٹی ہی کیوں نہ ہو، یہ ایک مٹھی مٹی ایک کنکری کے قائم مقام ہوگی اور جمرات کی رمی لکڑی سے، عنبر سے، بڑے بڑے موتی سے اور جواہرات سے کرنا جائز نہیں ہے، ان چیزوں سے رمی کرنا جائز نہیں ہے اس لیے کہ رمی کرنے کا مقصد شیطان کو ذلیل کرنا ہے نہ کہ اس کی تعظیم اور ان چیزوں سے مارنے میں تذلیل وتوہین کے بجائے اس کی تعظیم واحترام ہے، لیکن ایک کمزور اور ضعیف قول کے مطابق جواہرات سے رمی کرنا جائز ہے، اسی طرح سونے چاندی سے رمی کرنا بھی جائز نہیں ہے اس لیے کہ سونے چاندی کے پھینکنے کو رمی نہیں کہا جاتا ہے؛ بلکہ نثار (نچھاور کرنا) کہا جاتا ہے اور مینگنی سے بھی رمی کرنا جائز نہیں ہے اس لیے کہ مینگنی زمین کی جنس سے ہے ہی نہیں اور جہاں مینگنی سے رمی کرنے کو جائز لکھا ہے وہ مذہب احناف کے خلاف ہے۔

رمی کرنے کی لیے کنکریاں کہاں سے لینا چاہئے؟

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ کنکریوں کو جمرہ کے پاس اُٹھانا مکروہ تنزیہی ہے اس لیے کہ جمرات کے پاس جو کنکریاں پڑی رہتی ہیں وہ سب مردود ہیں مقبول نہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ جس کا حج مقبول ہوتا ہے اس کی کنکریاں اُٹھالی جاتی ہیں اور اگر یہ بات نہ ہوتی تو تم وہاں پہاڑ کی طرح کنکریاں جمع دیکھتے، اس لیے بہتر یہ ہے کہ کنکریاں مزدلفہ سے لائے یا اس پہاڑ سے لائے جو مزدلفہ اور منیٰ کے درمیان ہے لیکن یہ سنت نہیں ہے۔

حج مقبول کی ایک نشانی

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے معلوم کیا کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے زمانہ سے لے کر آج تک برابر کنکریاں ماری جارہی ہیں تو اس کا تقاضہ تو یہ تھا کہ کنکریوں کے بڑے اونچے پہاڑ ہوجاتے، آخر اس طرح کا ڈھیر وہاں کیوں نہیں ہوتا ہے؟ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ کیا تمہیں یہ معلوم نہیں ہے کہ جس شخص کا حج مقبول ہوجاتا ہے اس کی کنکریاں وہاں سے اُٹھالی جاتی ہیں اور جس کا حج مقبول نہیں ہوتا ہے اس کی کنکری پڑی رہتی ہے۔ راویٔ حدیث کا بیان ہے کہ جب میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ سنا تو میں نے جمرات پر کنکریاں مارنے سے پہلے اپنی کنکریوں پر نشانات بنالیے پھر میں نے ان نشان زدہ کنکریوں سے جمرات کو مارا، حج کے بعد میں نے اپنی کنکریوں کو تلاش کیا لیکن نہیں ملیں)۔ (شامی: ۳/ ۵۳۴)

پتھر کو ریزہ ریزہ کرکے رمی کرنے کا حکم

اور یہ مکروہ ہے کہ حاجی ایک پتھر اُٹھا کر اس کو توڑے اور چھوٹے چھوٹے ستر ٹکڑے کرے اور ان سے رمی کرے، اسی طرح جن کنکریوں سے متعلق یقین کے ساتھ یہ معلوم ہو کہ یہ نجس ہیں ان سے رمی کرنا بھی مکروہ ہے۔ (لیکن اگر نجس ہونا معلوم نہیں ہے تو پھر مکروہ نہیں ہے، لیکن مستحب یہ ہے کہ اس کو دھولے تاکہ ان کنکریوں کا پاک ہونا یقینی ہوجائے)۔

رمی کرنے کا وقتِ مشروع

شارح فرماتے ہیں کہ جمرۃ العقبہ کی رمی کرنے کا مشروع وقت دسویں ذی الحجہ کی فجر سے لے کر گیارہویں ذی الحجہ کی فجر تک ہے اور اس کا مسنون وقت طلوعِ آفتاب سے لے کر زوال تک ہے اور اس کا مباح وقت آفتاب کے غروب ہونے تک ہے اور اس کے بعد غروبِ آفتاب کے بعد سے فجر تک مکروہ وقت ہے (اسی طرح دسویں ذی الحجہ کو طلوعِ آفتاب سے پہلے رمی کرنا مکروہ ہے اور یہ کراہت اس وقت ہے جب کوئی عذر نہ ہو اور اگر کوئی عذر ہو تو یہ کراہت بھی نہیں ہے)۔

(ثُمَّ بَعْدَ الرَّمْيِ (ذَبَحَ إِنْ شَاءَ) لِأَنَّهُ مُفْرِدٌ (ثُمَّ قَصَّرَ) بِأَنْ يَأْخُذَ مِنْ كُلِّ شَعْرِهِ قَدْرَ الْأَنْمُلَةِ وُجُوبًا وَتَقْصِيرُ الْكُلِّ مَنْدُوبٌ وَالرُّبُعُ وَاجِبٌ وَيَجِبُ إِجْرَاءُ الْمُوسَى عَلَى الْأَقْرَعِ وَذِي قُرُوحٍ إِنْ أَمْكَنَ وَإِلَّا سَقَطَ، وَمَتَى تَعَذَّرَ أَحَدُهُمَا لِعَارِضٍ تَعَيَّنَ الْآخَرُ فَلَوْ لَبَّدَهُ بِصَمْغٍ بِحَيْثُ تَعَذَّرَ التَّقْصِيرُ تَعَيَّنَ الْحَلْقُ بَحْرٌ (وَحَلْقُهُ) لِكُلِّ (أَفْضَلُ) وَلَوْ أَزَالَهُ بِنَحْوِ نُورَةٍ جَازَ (وَحَلَّ لَهُ كُلُّ شَيْءٍ إِلَّا النِّسَاءَ) قِيلَ وَالطِّيبَ وَالصَّيْدَ (ثُمَّ طَافَ لِلزِّيَارَةِ يَوْمًا مِنْ أَيَّامِ النَّحْرِ) الثَّلَاثَةِ بَيَانٌ لِوَقْتِهِ الْوَاجِبِ (سَبْعَةً) بَيَانٌ لِلْأَكْمَلِ وَإِلَّا فَالرُّكْنُ أَرْبَعَةٌ (بِلَا رَمَلٍ وَ) لَا (سَعْيٍ إِنْ كَانَ سَعَى قَبْلُ) هَذَا الطَّوَافِ (وَإِلَّا فَعَلَهُمَا) لِأَنَّ تَكْرَارَهُمَا لَمْ يُشْرَعْ (وَ) طَوَافُ الزِّيَارَةِ (أَوَّلُ وَقْتِهِ بَعْدَ طُلُوعِ الْفَجْرِ يَوْمَ النَّحْرِ وَهُوَ فِيهِ) أَيْ الطَّوَافِ فِي يَوْمِ النَّحْرِ الْأَوَّلِ (أَفْضَلُ وَيَمْتَدُّ) وَقْتُهُ إِلَى آخِرِ الْعُمُرِ (وَحَلَّ لَهُ النِّسَاءُ) بِالْحَلْقِ السَّابِقِ، حَتَّى لَوْ طَافَ قَبْلَ الْحَلْقِ لَمْ يَحِلَّ لَهُ شَيْءٌ، فَلَوْ قَلَّمَ ظُفْرَهُ مَثَلًا كَانَ جِنَايَةً لِأَنَّهُ لَا يَخْرُجُ مِنَ الْإِحْرَامِ إِلَّا بِالْحَلْقِ (فَإِنْ أَخَّرَهُ عَنْهَا) أَيْ أَيَّامِ النَّحْرِ وَلَيَالِيهَا مِنْهَا (كُرِهَ) تَحْرِيمًا (وَوَجَبَ دَمٌ) لِتَرْكِ الْوَاجِبِ، وَهَذَا عِنْدَ الْإِمْكَانِ، فَلَوْ طَهُرَتِ الْحَائِضُ إِنْ قَدْرَ أَرْبَعَةِ أَشْوَاطٍ وَلَمْ تَفْعَلْ لَزِمَ دَمٌ وَإِلَّا لَا

قربانی کرنا

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جمرۂ عقبہ کی رمی کرنے کے بعد اگر مفرد چاہے تو قربانی کرے، صرف حج کا احرام باندھنے والے پر قربانی کرنے کا اختیار ہے واجب نہیں ہے (البتہ قربانی کرنا مفرد کے لیے افضل ہے، متمتع اور قارن کے واسطے قربانی کرنا واجب ہے، رہی نفس قربانی تو یہ مسافر پر واجب ہی نہیں ہے)۔

قربانی کے بعد حلق کرانا

قربانی کرنے کے بعد سر کے بال کتروائے اس طرح کہ ہر بال سے انگلی کے پور کے برابر کاٹے اور اس قدر کاٹنا تو واجب ہے اور پورے بال کو کتروانا مستحب ہے اور ربع سر کے بال کتروانا واجب ہے اور جس کے سر پر بال نہ ہوں اس کے سر پر صرف استرہ پھیرنا واجب ہے۔ اور اگر سر میں زخم وغیرہ ہو اور استرہ پھیرنا ممکن نہ ہو تو اس صورت میں استرہ پھیرنا ساقط ہو جائے گا اور اگر استرہ پھیرنا ممکن ہو تو استرہ پھیرا جائے گا۔

اور جب حلق اور قصر میں سے کوئی ایک متعذر ہو جائے تو اس صورت میں دوسرا خود بخود متعین ہو جاتا ہے، اگر قصر کرانا دشوار ہو تو حلق متعین ہو جاتا ہے اور اگر حلق کرانا دشوار ہو تو قصر متعین ہو جاتا ہے، لہٰذا اگر کسی نے اپنے بالوں کو گوند سے اس طرح چپکا لیا

کہ ان کا قصر کرانا ممکن نہ ہو تو اس صورت میں حلق کرانا متعین ہو جائے گا، جیسا کہ کنز الدقائق کی شرح البحر الرائق میں ہے۔ اور حلق کرانا یعنی پورے سر کے بال کو منڈوا دینا افضل ہے اور اگر کوئی شخص چونا یا کوئی کیمیکل لگا کر سر کے بال جڑ سے اکھاڑ دے تو یہ بھی جائز ہے (اور حج میں حلق کرانا مردوں کے لیے افضل ہے اور عورتوں کے لیے حلق کرنا جائز نہیں ہے جیسا کہ مردوں کے لیے داڑھی منڈانا جائز نہیں ہے۔ اور عورتوں کے حلق کرنے میں مثلہ ہونا لازم آتا ہے اس لیے ممنوع ہے)۔ (شامی: ۳/۵۳۵)

جب سر کے بال منڈوانے یا کتروانے سے فارغ ہو جائے تو اللہ اکبر کہے اور جو بھی دعائیں اس سلسلے کی یاد ہوں ان کو پڑھ لے۔ اور مستحب یہ ہے کہ بالوں کو کسی محفوظ جگہ میں دفن کر دے اور حلق کرانے میں اس کا خیال رکھے کہ دائیں طرف سے حلق کرنا شروع کرے پھر بائیں طرف کا حلق کرائے)۔

ممنوع اشیاء کا حلال ہونا

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جب حاجی قربانی کے بعد حلق کرا چکے تو اس کے بعد عورتوں کے علاوہ وہ تمام چیزیں حلال ہو گئیں جو احرام کی وجہ سے حرام تھیں۔ اور اس بارے میں ایک کمزور قول یہ ہے کہ حلق کے بعد حاجی کے لیے عورتوں کی طرح خوشبو اور شکار بھی حلال نہ ہوگا۔ (رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم نے رمی، حلق اور قربانی کر لیا تو اب تمہارے لیے ساری چیزیں حلال ہو گئیں سوائے عورت کے وہ اس کے بعد بھی حلال نہ ہو گی)۔

طواف زیارت

پھر ایام النحر کے تین دنوں میں سے کسی بھی دن چاہے طواف زیارت کرے، یہ طواف کے واجب وقت کا بیان ہے اور طواف زیارت میں بھی دوسرے طوافوں کی طرح سات چکر لگانا ہے اور سات چکر لگانا یہ کامل طواف کہلاتا ہے، ورنہ تو رکن طواف تو چار چکر سے ادا ہو جاتا ہے کیوں کہ چار چکر اکثر حصہ ہے (یہ طواف حج کے ارکان میں سے ہے اس طواف کو طواف النحر، طواف الرکن اور طواف افاضہ بھی کہتے ہیں)۔

اگر حاجی اس طواف سے پہلے سعی کر چکا ہے تو طواف زیارت میں نہ رمل کرے گا اور نہ ہی سعی کرے گا، بلکہ بغیر رمل اور بغیر سعی کے یہ طواف ادا کرے گا، کیوں کہ تکرار جائز نہیں ہے اور اگر پہلے سعی نہیں کی ہے تو طواف زیارت میں بھی رمل اور سعی کرے گا۔

طوافِ زیارت کا ابتدائی وقت

طواف زیارت کا ابتدائی وقت دسویں ذی الحجہ کی فجر طلوع ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے اور قربانی کے تین دنوں میں سے پہلے دن یعنی دسویں ذی الحجہ کو طواف زیارت کرنا افضل ہے۔ (اس لیے کہ مسلم شریف میں روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے دسویں ذی الحجہ کو طواف زیارت کیا اور اس کے بعد منیٰ کے لیے روانہ ہو گئے)

اورطواف زیارت کا آخری وقت آخر عمر تک ممتد ہے یعنی پوری زندگی میں جب بھی طواف کرے گا فرض ادا ہو جائے گا۔

عورتوں کا حلال ہونا

اب جب کہ حاجی طوافِ زیارت کر کے فارغ ہو چکا ہے تو عورتیں بھی حلال ہو گئیں، اس حلق کی وجہ سے جو پہلے کر چکا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ حلال ہونے کا اصل سبب حلق یا قصر ہے لیکن عورت طوافِ زیارت کے بعد حلال ہوتی ہے، چنانچہ اگر کوئی شخص بال نہ کٹائے اور طوافِ زیارت کر لے تو اس کے لیے کوئی بھی شئ حلال نہ ہوگی حتی کہ اگر وہ ناخن بھی کاٹے گا تو بھی گناہ گار ہوگا، اس لیے کہ محرم حلق یا قصر کے بغیر احرام سے نہیں نکلتا ہے۔

طوافِ زیارت ایام النحر میں ادا نہ کیا گیا؟

اگر کسی نے طوافِ زیارت ایام نحر یعنی قربانی کے دن ورات کے گذرنے کے بعد کیا یعنی طوافِ زیارت کو وقت سے مؤخر کر دیا تو اس کا یہ فعل مکروہ تحریمی ہوگا اور ترکِ واجب کی وجہ سے اس پر دم لازم آئے گا، لیکن دم کا وجوب اس پر اس وقت ہوگا جب کہ ایام نحر میں طوافِ زیارت کرنا ممکن رہا ہو اس کے بعد بھی طواف نہ کیا ہو، لہٰذا اگر کسی عورت کو اس وقت حیض آ گیا تھا اور وہ بارہویں ذی الحجہ کو حیض سے اس وقت پاک ہوئی کہ غروبِ آفتاب سے پہلے پہلے غسل کر کے چار چکر لگا سکتی تھی اس کے باوجود اس نے یہ چار چکر نہیں لگائے تو اس پر دم لازم آئے گا اور اگر پاک ہونے کے بعد چار چکر لگانے کی مقدار بھی وقت باقی نہیں رہا تھا، یا وہ پاک ہی نہیں ہوئی تھی تو اس پر دم لازم نہیں ہوگا۔

(ثُمَّ أَتَى مِنًى) فَيَبِيتُ بِهَا لِلرَّمْيِ (وَبَعْدَ الزَّوَالِ ثَانِي النَّحْرِ رَمَى الْجِمَارَ الثَّلَاثَ يَبْدَأُ) اسْتِنَانًا (بِمَا يَلِي مَسْجِدَ الْخَيْفِ ثُمَّ بِمَا يَلِيهِ) الْوُسْطَى (ثُمَّ بِالْعَقَبَةِ سَبْعًا سَبْعًا وَوَقَفَ) حَامِدًا مُهَلِّلًا مُكَبِّرًا مُصَلِّيًا قَدْرَ قِرَاءَةِ الْبَقَرَةِ (بَعْدَ تَمَامِ كُلِّ رَمْيٍ بَعْدَهُ رَمْيٌ فَقَطْ) فَلَا يَقِفُ بَعْدَ الثَّالِثَةِ وَ (لَا بَعْدَ رَمْيِ يَوْمِ النَّحْرِ) لِأَنَّهُ لَيْسَ بَعْدَهُ رَمْيٌ (وَدَعَا) لِنَفْسِهِ وَغَيْرِهِ رَافِعًا كَفَّيْهِ نَحْوَ السَّمَاءِ أَوْ الْقِبْلَةِ (ثُمَّ) رَمَى (غَدًا كَذَلِكَ ثُمَّ بَعْدَهُ كَذَلِكَ إنْ مَكَثَ وَهُوَ أَحَبُّ وَإِنْ قَدَّمَ الرَّمْيَ فِيهِ) أَيْ فِي الْيَوْمِ الرَّابِعِ (عَلَى الزَّوَالِ جَازَ) فَإِنَّ وَقْتَ الرَّمْيِ فِيهِ مِنْ الْفَجْرِ لِلْغُرُوبِ، وَأَمَّا فِي الثَّانِي وَالثَّالِثِ فَمِنْ الزَّوَالِ لِطُلُوعِ ذُكَاءٍ (وَلَهُ النَّفْرُ) مِنْ مِنًى (قَبْلَ طُلُوعِ فَجْرِ الرَّابِعِ لَا بَعْدَهُ) لِدُخُولِ وَقْتِ الرَّمْيِ (وَجَازَ الرَّمْيُ) كُلُّهُ (رَاكِبًا، وَ) لَكِنَّهُ (فِي الْأَوَّلَيْنِ) أَيْ الْأُولَى وَالْوُسْطَى (مَاشِيًا أَفْضَلُ) لِأَنَّهُ لَا يَقِفُ (إلَّا فِي الْأَخِيرَةِ) أَيْ الْعَقَبَةِ لِأَنَّهُ يَنْصَرِفُ وَالرَّاكِبُ أَقْدَرُ عَلَيْهِ، وَأَطْلَقَ أَفْضَلِيَّةَ الْمَشْيِ فِي الظَّهِيرِيَّةِ، وَرَجَّحَهُ الْكَمَالُ وَغَيْرُهُ

طوافِ زیارت کے بعد منیٰ جانا

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ طوافِ زیارت سے فارغ ہونے کے بعد حاجی منیٰ آئے گا اور رمی جمار کے واسطے منیٰ ہی کے اندر رات گذارے گا۔ (منیٰ کے علاوہ کسی دوسری جگہ رات گذارنا مکروہ ہے، لیکن اس پر کچھ واجب نہیں ہے) اور ایام النحر کے دوسرے دن یعنی گیارہویں ذی الحجہ کو زوال کے بعد تینوں جمرات کی رمی کرے گا اور مسنون یہ ہے کہ رمی کی ابتداء اس جمرہ سے کرے جو مسجد خیف سے متصل ہے اس کو جمرۂ اولیٰ کہتے ہیں، پھر اس جمرہ کی رمی کرے جو جمرۂ اولیٰ کے قریب ہے جس کو جمرۂ وسطیٰ کہتے ہیں، اس کے بعد پھر جمرۂ عقبہ کی رمی کرے، ان تینوں جمرات پر سات سات کنکریاں مارے گا۔

جمرۂ اولیٰ اور جمرۂ وسطیٰ کی رمی کرنے کے بعد حاجی تھوڑی دیر کے لیے وہاں ٹھہرا رہے اور اللہ تعالیٰ کی حمد، لا الٰہ الا اللہ، اللہ اکبر اور رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی پر درود شریف بھیجتا رہے اور اتنی دیر ٹھہرے جتنی دیر میں پوری سورۂ بقرہ آدمی پڑھ سکتا ہو۔ اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ بیس آیت پڑھنے کی مقدار ٹھہرا رہے۔ اور جمرۂ عقبہ پر رمی کے بعد نہیں ٹھہرنا چاہئے اس لیے کہ اس کے بعد کوئی رمی نہیں ہے اور نہ ہی یوم النحر کی رمی کے بعد ٹھہرنا چاہئے اس لیے کہ اس کے بعد بھی کوئی رمی نہیں ہے اور اپنے لیے اور اپنے دوستوں کے لیے دونوں ہاتھوں کو آسمان کی طرف اُٹھا کر اللہ تعالیٰ سے دعاء کرے جس طرح کہ نماز کے بعد دعاء کرتے ہیں، یا دعاء کرتے وقت دونوں ہاتھوں کو قبلہ کی طرف کرے (شرح اللباب نامی کتاب میں ہے کہ دونوں ہاتھوں کو مونڈھوں تک اُٹھائے اور اپنی دونوں ہتھیلی کے اندرونی حصہ کو قبلہ کی جانب کرے یہی ظاہر الروایہ ہے، لیکن اس بارے میں حضرت امام ابو یوسفؒ سے یہ روایت ہے کہ ہتھیلیاں آسمان کی طرف کرے، قاضی خاں وغیرہ نے اسی کو اختیار کیا ہے لیکن قولِ اوّل ظاہر ہے)۔ (شامی: ۳/۵۴۱)

دوسرے دن جمرات کی رمی کرنا

پھر دوسرے دن بھی پہلے کی طرح تینوں جمرات کی رمی کرے اور تمام امور کی اسی طرح رعایت کرے جس طرح پہلے دن رعایت کی تھی، پھر اسی طرح بارہویں تاریخ کو تینوں جمرات کی رمی کرے، پھر تیرہویں تاریخ کو جب منیٰ میں ٹھہرا رہے تو رمی کرے اور تیرہویں ذی الحجہ کو منیٰ ہی میں رہنا مستحب ہے۔ اور اگر تیرہویں ذی الحجہ کو زوال سے پہلے رمی کرلے تو یہ بھی جائز ہے، اس لیے کہ تیرہویں ذی الحجہ کو رمی کا وقت فجر سے لے کر آفتاب کے غروب ہونے تک ہے البتہ گیارہویں اور بارہویں تاریخ کو رمی کا وقت زوال سے لے کر تیرہویں تاریخ کے آفتاب کے طلوع ہونے تک ہے (لیکن زوال سے غروب آفتاب تک رمی کرنے کا مسنون وقت ہے اور فجر تک مکروہ وقت ہے)۔

اور حاجی کے لیے تیرہویں تاریخ کو فجر طلوع ہونے سے پہلے منیٰ سے روانہ ہوجانا جائز ہے، فجر کے طلوع ہوجانے کے

بعد روانگی جائز نہیں ہے اس لیے کہ اس کے بعد رمی کا وقت داخل ہو جاتا ہے اور رمی کا وقت آجانے کے بعد رمی کئے بغیر وہاں سے جانا جائز نہیں ہے۔

سواری پر سوار ہو کر رمی کرنے کا حکم

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ تمام جمرات کی رمی سوار ہو کر کرنا بھی جائز ہے لیکن جمرۂ اولی اور جمرۂ وسطی کی رمی پیدل کرنا افضل ہے، کیوں کہ ان دونوں کی رمی کے بعد ٹھہرنا ہوتا ہے البتہ جمرۂ اخیرہ میں ٹھہرنا نہیں ہوتا ہے، لہٰذا جمرۂ اخیرہ یعنی جمرہ عقبہ کی رمی سوار ہو کر کرنا بھی افضل ہوگا، اس لیے کہ اس رمی کے بعد واپس ہونا ہوتا ہے اور اگر سوار ہوگا تو واپسی پر زیادہ قدرت ہوگی۔ اور فتاویٰ ظہیریہ میں مطلقاً تینوں جمرات کی پیدل رمی کرنا افضل کہا گیا ہے۔ اور علامہ کمال وغیرہ نے اسی کو راجح قرار دیا ہے۔ (کیوں کہ پیدل رمی کرنا تواضع اور خشوع کے قریب تر ہے نیز چوں کہ اکثر حجاج پیدل ہی رمی کرتے ہیں، اگر کچھ لوگ سواری پر ہوں گے تو ان پیدل چلنے والوں کو شدید تکلیف کا سامنا کرنا پڑے گا، رہا رسولِ اکرم ﷺ کا سوار ہو کر رمی کرنا تو یہ بطور تعلیم اور جواز کو بتانے کے لیے تھا، سوار ہو کر رمی کرنے میں ہر شخص کو دیکھنے میں سہولت رہی ہوگی)۔ (شامی: ۳/ ۵۴۳)

(وَلَوْ قَدَّمَ ثَقَلَهُ) بِفَتْحَتَيْنِ مَتَاعَهُ وَخَدَمَهُ (إِلَى مَكَّةَ وَأَقَامَ بِمِنًى) أَوْ ذَهَبَ لِعَرَفَةَ (كُرِهَ) إِنْ لَمْ يَأْمَنْ لَا إِنْ أَمِنَ؛ وَكَذَا يُكْرَهُ لِلْمُصَلِّي جَعْلُ نَحْوِ نَعْلِهِ خَلْفَهُ لِشَغْلِ قَلْبِهِ. (وَإِذَا نَفَرَ) الْحَاجُّ (إِلَى مَكَّةَ نَزَلَ) اسْتِنَانًا وَلَوْ سَاعَةً (بِالْمُحَصَّبِ) بِضَمٍّ فَفَتْحَتَيْنِ: الْأَبْطَحُ، وَلَيْسَتِ الْمَقْبَرَةُ مِنْهُ (ثُمَّ) إِذَا أَرَادَ السَّفَرَ (طَافَ لِلصَّدْرِ) أَيِ الْوَدَاعِ (سَبْعَةَ أَشْوَاطٍ بِلَا رَمَلٍ وَسَعْيٍ، وَهُوَ وَاجِبٌ إِلَّا عَلَى أَهْلِ مَكَّةَ) وَمَنْ فِي حُكْمِهِمْ فَلَا يَجِبُ بَلْ يُنْدَبُ كَمَنْ مَكَثَ بَعْدَهُ؛ ثُمَّ النِّيَّةُ لِلطَّوَافِ شَرْطٌ، فَلَوْ طَافَ هَارِبًا أَوْ طَالِبًا لَمْ يَجُزْ لَكِنْ يَكْفِي أَصْلُهَا، فَلَوْ طَافَ بَعْدَ إِرَادَةِ السَّفَرِ وَنَوَى التَّطَوُّعَ أَجْزَأَهُ عَنِ الصَّدْرِ كَمَا لَوْ طَافَ بِنِيَّةِ التَّطَوُّعِ فِي أَيَّامِ النَّحْرِ وَقَعَ عَنِ الْفَرْضِ (ثُمَّ) بَعْدَ رَكْعَتَيْهِ (شَرِبَ مِنْ مَاءِ زَمْزَمَ وَقَبَّلَ الْعَتَبَةَ) تَعْظِيمًا لِلْكَعْبَةِ (وَوَضَعَ صَدْرَهُ وَوَجْهَهُ عَلَى الْمُلْتَزَمِ وَتَشَبَّثَ بِالْأَسْتَارِ سَاعَةً) كَالْمُسْتَشْفِعِ بِهَا، وَلَوْ لَمْ يَنَلْهَا يَضَعُ يَدَيْهِ عَلَى رَأْسِهِ مَبْسُوطَتَيْنِ عَلَى الْجِدَارِ قَائِمَتَيْنِ وَالتَّصَقَ بِالْجِدَارِ (وَدَعَا مُجْتَهِدًا وَيَبْكِي) أَوْ يَتَبَاكَى (وَيَرْجِعُ قَهْقَرَى) أَيْ إِلَى خَلْفِ (حَتَّى يَخْرُجَ مِنَ الْمَسْجِدِ) وَبَصَرُهُ مُلَاحِظٌ لِلْبَيْتِ

سامان و خادم وغیرہ کو پہلے مکہ بھیج دینا

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی حاجی نے اپنے سامان اور خادم کو پہلے مکہ مکرمہ بھیج دیا اور خود منیٰ میں رک لیا یا

مکہ مکرمہ میں سامان چھوڑ کر عرفات چلا گیا اور سامان کی طرف سے دل میں اطمینان نہ ہو بلکہ دل میں وسوسہ پیدا ہوتا ہو تو اس صورت میں سامان کو پہلے مکہ مکرمہ بھیجنا یا مکہ میں سامان چھوڑ کر عرفات چلا جانا مکروہ ہے اور اگر سامان کی طرف سے بے فکری ہو تو اس طرح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اسی طرح نماز پڑھنے والے کو اگر اپنے سامان مثلاً جوتے وغیرہ کے متعلق خطرہ لاحق ہو تو اس کو پیچھے رکھنا مکروہ ہے اس لیے کہ اس صورت میں دل سامان پر لگا رہے گا اور نماز میں یکسوئی حاصل نہ ہوگی جو مطلوب شرع ہے۔

محصب میں قیام کرنا

جب حاجی مکہ مکرمہ سے منیٰ کے لیے روانہ ہو تو تھوڑی دیر کے لیے محصب میں اترے یہ مسنون ہے اور وہاں ٹھہرے (لفظ محصب میم کے ضمہ اور حاء اور صاد کے فتحہ کے ساتھ ہے اور صاد مشدد ہے، یہ منیٰ اور مکہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے جہاں پتھر بہت ہیں، اس جگہ کو الابطح، بطحاء اور حصباء بھی کہتے ہیں۔ اور مکہ مکرمہ کا قبرستان جس کا نام حجون ہے محصب میں داخل نہیں ہے۔ اور محصب میں اتنی دیر قیام کرے کہ ظہر، عصر، مغرب اور عشاء وہیں پڑھے اور ایک نیند سو کر مکہ کے لیے کوچ کرے، اس لیے کہ حدیث شریف میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ظہر، عصر، مغرب اور عشاء محصب ہی میں ادا فرمائی ہے اور وہاں ایک نیند سو کر مکہ کے لیے روانہ ہوئے تھے)۔ (شامی: ۳/ ۵۴۴)

اور شرح نقایہ جو ملا علی قاری کی کتاب ہے اس میں ہے کہ محصب میں ٹھہرنا سنت کفایہ ہے اس لیے کہ وہ جگہ تمام حجاج کرام کے ٹھہرنے کے لیے کافی نہیں ہے۔ (شامی: ۳/ ۵۴۴)

طوافِ صدر کا حکم

جب حجاج کرام مکہ مکرمہ سے سفر کا ارادہ کریں تو طوافِ صدر جس کو طوافِ وداع بھی کہتے ہیں کریں، یہ کعبہ شریف سے رخصت ہوتے وقت کا طواف ہے، اس طواف میں بھی بغیر رمل و سعی کے سات چکر ہوں گے اور یہ طواف غیر مکی کے لیے واجب ہے البتہ جو مکی ہیں یا مکی کے حکم میں ہیں ان پر یہ طواف واجب نہیں ہے بلکہ صرف مستحب ہے، رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص بغیر طواف کیے ہوئے بیت اللہ شریف سے روانہ نہ ہو)۔

طواف میں نیت کا حکم

شارح فرماتے ہیں کہ طواف کے لیے نیت شرط ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص طواف کی نیت کے بغیر بیت اللہ شریف کے ارد گرد بھاگے، یا کسی کو پکڑنے کے لیے بیت اللہ کا چکر لگائے تو یہ طواف شرعی اعتبار سے جائز نہ ہوگا، لیکن طواف میں اصل طواف کی نیت کافی ہے تعیین ضروری نہیں ہے، لہٰذا اگر کسی شخص نے سفر کے ارادہ کے بعد طواف کیا اور نیت نفلی طواف کی کی تو اس سے بھی طواف صدر ادا ہو جائے گا جیسا کہ اگر کوئی شخص ایام نحر میں نفل کی نیت سے بیت اللہ کا طواف کرے تو طواف فرض ادا ہو جائے گا۔

طوافِ وداع کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا

طوافِ وداع کے بعد دو رکعت نماز ادا کرے گا اس کے بعد زمزم کا پانی پیئے گا۔ (اور مستحب یہ ہے کہ زمزم کا پانی قبلہ رو ہو کر گریہ وزاری کرتے ہوئے پیئے اور متعدد سانسوں میں پیئے اور بیت اللہ کی طرف نظر کرے، زمزم کو اپنے چہرے اور سر پر اور جسم پر ملے، اس پانی کی بہت زیادہ فضیلت ہے، رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ زمزم کا پانی آدمی جس نیت سے پیئے گا اللہ تعالیٰ اس کو پورا فرمائے گا، اگر تو نے شفاء کی نیت سے پیا تو اللہ تعالیٰ شفاء عطا فرمائے گا اور اگر آسودگی کے لیے پیا تو آسودگی حاصل ہوگی اور اگر پیاس کے لیے پیا تو پیاس جاتی رہے گی، یہ پانی حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لیے نکالا تھا، اور زمزم پیتے ہوئے یہ دعاء پڑھے: اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسأَلُكَ عِلْمًا نَافِعًا وَرِزْقًا وَاسِعًا وَشِفَاءً مِن كُلِّ دَاءٍ)۔

آستانۂ کعبہ کا بوسہ دینا

بیت اللہ شریف کی تعظیم کو ظاہر کرنے کے لیے بیت اللہ کے آستانہ کو بوسہ دے اور اپنا سینہ اور چہرہ ملتزم شریف پر رکھے اور کچھ دیر کے لیے کعبہ کے غلاف سے چمٹ جائے جس طرح کہ ایک شفاعت کی درخواست کرنے والا کرتا ہے گویا کہ وہ کعبہ سے شفاعت کی درخواست کر رہا ہے۔ اور اگر غلاف کعبہ کو نہ پکڑ سکے اور اس کو نہ پائے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اس کی دیوار پر پھیلا کر رکھے اور اس کی دیوار سے چپک جائے اور رو رو کر یا رونے جیسی شکل بنا کر اللہ تعالیٰ سے خوب دعاء کرے، پھر اُلٹے پاؤں پیچھے کی طرف لوٹے یہاں تک کہ مسجد سے نکل جائے اور اس کی نگاہ بیت اللہ شریف پر جمی رہے (الٹے پاؤں لوٹنے کے متعلق امام نوویؒ نے مناسک میں لکھا ہے کہ یہ طریقہ مکروہ ہے اس لیے کہ اس سلسلہ میں کوئی سنت مروی نہیں ہے اور نہ ہی کوئی اثر منقول ہے، البتہ اصحابِ مذہب سے منقول ہے لہٰذا اگر خانۂ کعبہ کی تعظیم کے لیے اس طرح کیا جائے تو گنجائش ہے)۔

(وَسَقَطَ طَوَافُ الْقُدُومِ عَمَّنْ وَقَفَ بِعَرَفَةَ سَاعَةً قَبْلَ دُخُولِ مَكَّةَ وَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ بِتَرْكِهِ) لِأَنَّهُ سُنَّةٌ وَأَسَاءَ (وَمَنْ وَقَفَ بِعَرَفَةَ سَاعَةً) عُرْفِيَّةً وَهُوَ الْيَسِيرُ مِنَ الزَّمَانِ، وَهُوَ الْمَحْمَلُ عِنْدَ إِطْلَاقِ الْفُقَهَاءِ (مِنْ زَوَالِ يَوْمِهَا) أَيْ عَرَفَةَ (إِلَى طُلُوعِ فَجْرِ يَوْمِ النَّحْرِ، أَوْ اجْتَازَ) مُسْرِعًا أَوْ (نَائِمًا أَوْ مُغْمًى عَلَيْهِ. وَ) كَذَا لَوْ (أَهَلَّ عَنْهُ رَفِيقُهُ) وَكَذَا غَيْرُ رَفِيقِهِ فَتْحٌ (بِهِ) أَيْ بِالْحَجِّ مَعَ إِحْرَامِهِ عَنْ نَفْسِهِ، فَإِذَا انْتَبَهَ أَوْ أَفَاقَ وَأَتَى بِأَفْعَالِ الْحَجِّ جَازَ؛ وَلَوْ بَقِيَ الْإِغْمَاءُ بَعْدَ إِحْرَامِهِ طِيفَ بِهِ الْمَنَاسِكَ، وَإِنْ أَحْرَمُوا عَنْهُ اُكْتُفِيَ بِمُبَاشَرَتِهِمْ، وَلَمْ أَرَ مَا لَوْ جُنَّ فَأَحْرَمُوا عَنْهُ وَطَافُوا بِهِ الْمَنَاسِكَ، وَكَلَامُ الْفَتْحِ يُفِيدُ الْجَوَازَ (أَوْ جَهِلَ أَنَّهَا عَرَفَةُ صَحَّ حَجُّهُ) لِأَنَّ الشَّرْطَ الْكَيْنُونَةُ لَا النِّيَّةُ. (وَمَنْ لَمْ يَقِفْ فِيهَا فَاتَ حَجُّهُ) لِحَدِيثِ «الْحَجُّ عَرَفَةُ» (فَطَافَ وَسَعَى وَتَحَلَّلَ) أَيْ

بِأَفْعَالِ الْعُمْرَةِ (وَقَضَى) وَلَوْ حَجَّةً نَذْرًا أَوْ تَطَوُّعًا (مِنْ قَابِلٍ) وَلَا دَمَ عَلَيْهِ

عرفہ میں قیام کرنے والوں کے ذمہ سے طوافِ قدوم کا ساقط ہونا

جس شخص نے مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے پہلے عرفات میں تھوڑی دیر کے لیے قیام کیا اس سے طواف قدوم ساقط ہوجاتا ہے اور اس طواف کے چھوڑنے کی وجہ سے اس پر کوئی شئی واجب نہیں ہوتی ہے، اس لیے کہ طواف قدوم سنت ہے اور ترک سنت بُرا فعل ہے لیکن اس سے کوئی شئی واجب نہیں ہوتی ہے۔ اور جو شخص عرفہ کے دن زوال سے لے کر یوم النحر کی فجر طلوع ہونے تک کے اوقات میں تھوڑی دیر ٹھہرا یا وہاں سے تیزی کے ساتھ گذر گیا یا سونے یا بے ہوشی کی حالت میں گذرا یا اس کی طرف سے اس کے رفیق سفر نے یا کسی دوسرے شخص نے حج کا نام لے کر لبیک کہا، یہ اس صورت میں ہے کہ حج کا احرام باندھا ہی تھا کہ بغیر لبیک کہے بیہوش ہوگیا اور کسی دوسرے نے اس کی طرف سے لبیک کہا، پس جب سونے والا بیدار ہوا یا بیہوش شخص ہوش میں آیا اس کے بعد حج کے بقیہ افعال ادا کر لیے تو جائز ہوجائے گا۔

اور اگر بے ہوشی باقی رہی اور حج کے ایام گذر گئے تو اس صورت میں یہ دیکھا جائے گا کہ یہ بے ہوشی احرام کے بعد ہوئی ہے یا احرام باندھنے سے پہلے؟ اگر احرام باندھنے کے بعد بے ہوشی ہوئی ہے تو اس بے ہوش شخص کو حج کے مقامات میں گھمانا چاہیے، جیسے عرفات، مزدلفہ، منیٰ اور مکہ مکرمہ، کیوں کہ وہ حج کی نیت کر چکا ہے اور اگر وہ احرام کے وقت ہی میں بے ہوش تھا اور اس کے دوستوں نے اس کی طرف سے احرام باندھا ہے تو اس صورت میں ساتھی کا افعالِ حج ان کی طرف سے ادا کرنا کافی ہوگا، اس کو ہر جگہ لے جانا ضروری نہیں ہے۔

احرام باندھنے سے پہلے کوئی شخص پاگل ہوجائے تو کیا حکم ہے؟

اگر کوئی شخص احرام باندھنے سے پہلے پاگل ہوجائے اور اس کے ساتھی اس کی طرف سے احرام باندھیں اور اس کو حج کے مقامات میں گھمائے تو کیا حکم ہے، حج ادا ہوگا یا نہیں؟ شارح فرماتے ہیں کہ اس کا حکم صراحتاً میں نے کہیں نہیں دیکھا ہے لیکن فتح القدیر کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا حج ادا ہوجائے گا، اس لیے کہ اس باب میں بے ہوش اور مجنون دونوں برابر ہیں۔

لاعلمی میں عرفات میں ٹھہرنے کا حکم

ایک شخص عرفات کے میدان میں ٹھہرا لیکن اس کو یہ معلوم نہیں ہے کہ یہ عرفات کا میدان ہے تو اس صورت میں بھی اس کا حج درست ہوجائے گا، اس لیے کہ عرفات میں ٹھہرنا شرط ہے علم ہونا اور نیت شرط نہیں ہے البتہ جس شخص نے عرفات میں وقوف نہیں کیا تو اس کا حج ادا نہیں ہوا بلکہ حج فوت ہوگیا کیوں کہ حدیث شریف میں صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ حج وقوف عرفہ کا نام ہے جب وقوف عرفہ نہ کرنے کی وجہ سے حج فوت ہوگیا تو اس کو چاہیے کہ وہ طواف کرے، سعی کرے اور عمرہ کے افعال ادا

کر کے احرام کھول کر حلال ہو جائے اور آئندہ سال اس حج کی قضاء کرے خواہ وہ حج نذر ہو یا حج نفل ہو اور حج کے فوت ہونے کی وجہ سے اس پر کوئی دم واجب نہیں ہے۔

(وَالْمَرْأَةُ) فِيمَا مَرَّ (كَالرَّجُلِ) لِعُمُومِ الْخِطَابِ مَا لَمْ يَقُمْ دَلِيلُ الْخُصُوصِ (لَكِنَّهَا تَكْشِفُ وَجْهَهَا لَا رَأْسَهَا، وَلَوْ سَدَلَتْ شَيْئًا عَلَيْهِ وَجَافَتْهُ عَنْهُ جَازَ) بَلْ يُنْدَبُ (وَلَا تُلَبِّي جَهْرًا) بَلْ تُسْمِعُ نَفْسَهَا دَفْعًا لِلْفِتْنَةِ، وَمَا قِيلَ إِنَّ صَوْتَهَا عَوْرَةٌ ضَعِيفٌ (وَلَا تَرْمُلُ) وَلَا تَضْطَبِعُ (وَلَا تَسْعَى بَيْنَ الْمِيلَيْنِ وَلَا تَحْلِقُ بَلْ تُقَصِّرُ) مِنْ رُبُعِ شَعْرِهَا كَمَا مَرَّ (وَتَلْبَسُ الْمَخِيطَ) وَالْخُفَّيْنِ وَالْحُلِيَّ (وَلَا تَقْرَبُ الْحَجَرَ فِي الزِّحَامِ) لِمَنْعِهَا مِنْ مُمَاسَّةِ الرِّجَالِ (وَالْخُنْثَى الْمُشْكِلُ كَالْمَرْأَةِ فِيمَا ذُكِرَ) احْتِيَاطًا (وَحَيْضُهَا لَا يَمْنَعُ) نُسُكًا (إِلَّا الطَّوَافَ) وَلَا شَيْءَ عَلَيْهَا بِتَأْخِيرِهِ إِذَا لَمْ تَطْهُرْ إِلَّا بَعْدَ أَيَّامِ النَّحْرِ، فَلَوْ طَهُرَتْ فِيهَا بِقَدْرِ أَكْثَرِ الطَّوَافِ لَزِمَهَا الدَّمُ بِتَأْخِيرِهِ (تُبَابٌ) (وَهُوَ بَعْدَ حُصُولِ رُكْنَيْهِ يُسْقِطُ طَوَافَ الصَّدْرِ) وَمِثْلُهُ النِّفَاسُ (وَالْبُدْنُ) جَمْعُ بَدَنَةٍ (مِنْ إِبِلٍ وَبَقَرٍ، وَالْهَدْيُ مِنْهُمَا وَمِنَ الْغَنَمِ) كَمَا سَيَجِيءُ.

حج میں عورتوں کے لیے احکام ومسائل

مذکورہ حج کے احکام میں عورت کے لیے وہی حکم ہے جو مرد کے لیے ہے اس لیے کہ شریعت اسلامیہ کا خطاب عام ہے جو مرد وعورت دونوں کو شامل ہے جب تک کہ خصوصیت کی کوئی دلیل ثابت نہ ہو (جیسے اقامت، جمعہ اور جہاد میں عورت شامل نہیں ہے)۔ البتہ بعض مسائل میں عورتوں کے لیے الگ حکم ہے، مثلاً احرام کے بعد وہ اپنا چہرہ کھلا رکھیں گی، لیکن سر نہیں کھولیں گی، اور اگر عورت چہرے پر کوئی شئی ڈال لے جو چہرہ سے الگ رہے تو یہ جائز ہے بلکہ ایسا کرنا مستحب ہے اور عورت تلبیہ زور سے نہ پڑھے گی بلکہ اتنی زور سے پڑھے گی کہ خود سنے، زور سے پڑھنے میں فتنہ کا اندیشہ ہے۔ اور یہ بات جو کہی گئی ہے کہ عورتوں کی آواز بھی عورت ہے یہ قول ضعیف ہے۔

عورتوں کے لیے رمل کا حکم نہیں

طواف کرتے ہوئے عورتیں رمل نہیں کریں گی، یعنی عورتیں سینہ نکال کر اکڑ اکڑ کر نہیں چلیں گی اور نہ چادر کو بغل کے نیچے سے نکال کر کندھے پر ڈالیں گی اور نہ ہی وہ میلین اخضرین کے درمیان سعی کریں گی، نہ بال منڈوائیں گی بلکہ قصر کروائیں گی یعنی عورتیں اپنے بال کے اوپر سے چوتھائی حصہ چھوٹا کروالیں گی، جیسا کہ اس سے پہلے بھی تفصیل کے ساتھ گذر چکا ہے۔

عورتیں سلا ہوا کپڑا حالت احرام میں استعمال کر سکتی ہیں

عورت حالت احرام میں سلا ہوا کپڑا، موزے اور زیورات پہن سکتی ہے اس کے لیے جائز ہے، صرف شرط یہ ہے کہ اس

حالت میں جو کپڑا پہنے ہو وہ زعفران وغیرہ سے رنگا ہوا نہ ہو اور عورت حالت احرام میں ریشمی کپڑا بھی استعمال کر سکتی ہے اور عورت کو چاہئے کہ وہ ایام حج میں حجر اسود کے قریب بھیڑ بھاڑ میں نہ جائے اس لیے کہ عورتوں کے لیے مردوں سے بدن ملانا شرعی اعتبار سے ممنوع ہے۔

خنثیٰ مشکل کا حکم

اور خنثیٰ مشکل جس کے متعلق مرد ہونا یا عورت ہونا یقین کے ساتھ معلوم نہ ہو وہ ان تمام مسائل میں جو ذکر کیے گئے ہیں عورت کے حکم میں ہے اور احتیاط کا تقاضہ بھی یہی ہے۔ (اور عورت بھیڑ بھاڑ کے وقت نہ تو صفا پہاڑی پر چڑھے گی اور نہ ہی بھیڑ کے وقت مقام ابراہیم میں نماز ادا کرے گی۔

اگر عورت حائضہ ہو جائے تو کیا حکم ہے؟

اگر عورت کو حج کے ایام میں حیض آجائے تو گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے، حائضہ عورت حالت حیض ہی میں حج کے تمام افعال ادا کرے گی اس لیے کہ حیض حج کے کسی کام کے لیے مانع نہیں ہے البتہ حائضہ عورت طواف نہیں کر سکتی ہے، اس لیے کہ طواف کعبہ شریف کا ہوتا ہے جو مسجد حرام میں ہے اور حائضہ عورت کے لیے مسجد جانا جائز نہیں ہے اور اس طواف میں تاخیر کی وجہ سے عورت پر کوئی دم وغیرہ واجب نہیں ہے بشرطیکہ عورت ایام نحر کے گذر جانے کے بعد پاک ہوئی ہو اور اگر عورت ایام نحر ہی میں اتنے پہلے پاک ہو چکی تھی کہ غسل کے بعد طواف کا اکثر چکر لگا سکتی تھی اور طواف کا چکر نہیں لگائی تو اس صورت میں تاخیر کی وجہ سے عورت پر دم واجب ہوگا جیسا کہ لباب المناسک میں ہے۔

اگر عورت کو حیض دو رکن کے ادا کرنے کے بعد آیا، یعنی وقوف عرفہ اور طواف زیارت کے بعد حیض آیا تو اس صورت میں طواف صدر ساقط ہو جائے گا اور عورت کے نفاس کا بھی وہی حکم ہے جو حیض کا ہے۔

بدنہ کا مصداق

لفظ بدن، بدنۃ کی جمع ہے، لغت و شریعت میں اس کا اطلاق اونٹ اور گائے پر ہوتا ہے، البتہ حضرت امام شافعیؒ بدنہ کے اندر گائے کو شامل نہیں کرتے ہیں، وہ لفظ ''بدنہ'' کا اطلاق صرف اونٹ پر کرتے ہیں اور ''ہدی'' یعنی جو جانور حرم شریف میں جا کر ذبح ہوتا ہے اس کا اطلاق اونٹ گائے اور بکری پر بھی ہوتا ہے جیسا کہ اس کی تفصیل باب الہدی میں عنقریب آنے والی ہے، فانتظروا إني معكم من المنتظرين۔

☆☆☆

بَابُ الْقِرَانِ

یہ باب حج قران کے احکام ومسائل کے بیان میں ہے

وَهُوَ أَفْضَلُ لِحَدِيثِ «أَتَانِي اللَّيْلَةَ آتٍ مِنْ رَبِّي وَأَنَا بِالْعَقِيقِ فَقَالَ: يَا آلَ مُحَمَّدٍ أَهِلُّوا بِحَجَّةٍ وَعُمْرَةٍ مَعًا» وَلِأَنَّهُ أَشَقُّ وَالصَّوَابُ أَنَّهُ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – أَحْرَمَ بِالْحَجِّ ثُمَّ أَدْخَلَ عَلَيْهِ الْعُمْرَةَ لِبَيَانِ الْجَوَازِ فَصَارَ قَارِنًا (ثُمَّ التَّمَتُّعُ ثُمَّ الْإِفْرَادُ وَالْقِرَانُ) لُغَةً الْجَمْعُ بَيْنَ شَيْئَيْنِ وَشَرْعًا (أَنْ يُهِلَّ) أَيْ يَرْفَعَ صَوْتَهُ بِالتَّلْبِيَةِ (بِحَجَّةٍ وَعُمْرَةٍ مَعًا) حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا بِأَنْ يُحْرِمَ بِالْعُمْرَةِ أَوَّلًا ثُمَّ بِالْحَجِّ قَبْلَ أَنْ يَطُوفَ لَهَا أَرْبَعَةَ أَشْوَاطٍ، أَوْ عَكْسُهُ بِأَنْ يُدْخِلَ إِحْرَامَ الْعُمْرَةِ عَلَى الْحَجِّ قَبْلَ أَنْ يَطُوفَ لِلْقُدُومِ وَإِنْ أَسَاءَ، أَوْ بَعْدَهُ وَإِنْ لَزِمَهُ دَمٌ (مِنَ الْمِيقَاتِ) إِذِ الْقَارِنُ لَا يَكُونُ إِلَّا آفَاقِيًّا (أَوْ قَبْلَهُ فِي أَشْهُرِ الْحَجِّ أَوْ قَبْلَهَا وَيَقُولَ) إِمَّا بِالنَّصْبِ وَالْمُرَادُ بِهِ النِّيَّةُ، أَوْ مُسْتَأْنَفٍ وَالْمُرَادُ بِهِ بَيَانُ السُّنَّةِ، إِذِ النِّيَّةُ بِقَلْبِهِ تَكْفِي كَالصَّلَاةِ مُجْتَبَى (بَعْدَ الصَّلَاةِ: اللَّهُمَّ إِنِّي أُرِيدُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ فَيَسِّرْهُمَا لِي وَتَقَبَّلْهُمَا مِنِّي) وَيُسْتَحَبُّ تَقَدُّمُ الْعُمْرَةِ فِي الذِّكْرِ لِتَقَدُّمِهَا فِي الْفِعْلِ (وَطَافَ لِلْعُمْرَةِ) أَوَّلًا وُجُوبًا، حَتَّى لَوْ نَوَاهُ لِلْحَجِّ لَا يَقَعُ إِلَّا لَهَا (سَبْعَةَ أَشْوَاطٍ، يَرْمُلُ فِي الثَّلَاثَةِ الْأُوَلِ، وَيَسْعَى بِلَا حَلْقٍ) فَلَوْ حَلَقَ لَا يَحِلُّ مِنْ عُمْرَتِهِ وَلَزِمَهُ دَمَانِ .

ترجمہ وتشریح: یہاں پہلے یہ بات معلوم ہونی چاہئے کہ حج کی ادائیگی کی تین قسمیں ہیں: (۱) حج قران (۲) حج تمتع (۳) حج افراد۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ، حضرت امام محمدؒ اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک حج قران، حج تمتع اور حج افراد سے افضل ہے، اس حدیث شریف کی وجہ سے جس میں رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ''میں مقام عقیق میں تھا کہ میرے پاس میرے رب کی طرف سے ایک آنے والا شخص رات کے وقت آیا اور اس نے آکر کہا کہ اے آلِ محمد ﷺ! تم حج اور عمرہ دونوں کا ایک ساتھ ہی احرام باندھو''۔ اس سے معلوم ہوا کہ حج قران ہی افضل ہے، کیوں کہ حج قران میں حج اور عمرہ دونوں کی نیت میقات سے ساتھ ساتھ ہوتی ہے۔ اور حج قران کے افضل ہونے کی دوسری عقلی دلیل یہ ہے کہ اس کے اندر محنت ومشقت زیادہ اُٹھانی پڑتی ہے اور اس باب میں قولِ صواب یہ ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے پہلے حج کا احرام باندھا پھر عمرہ کو حج میں داخل فرمالیا تاکہ لوگوں کو یہ معلوم ہوجائے کہ اس طرح کرنا بھی درست ہے چنانچہ یہی قران بن گیا، حج قران کے بعد حج تمتع کا درجہ ہے اس کے بعد حج افراد کا درجہ ہے یعنی سب سے ادنیٰ درجہ کا حج، حج افراد ہے۔

حج قران کرنے کا طریقہ

لفظ "قران" لغت میں دو چیزوں کے آپس میں ملانے کے ہیں اور شریعت اسلامیہ کی اصطلاح میں قران یہ ہے کہ احرام باندھنے والا حج اور عمرہ دونوں کے لیے ایک ساتھ بلند آواز سے تلبیہ کہے اور یہ ساتھ ساتھ کہنا حقیقت کے اعتبار سے ایک ساتھ ہو، یعنی یوں کہے: اَللّٰهُمَّ! لبیک بحجۃ و عمرۃ۔ یا حج اور عمرہ کا احرام وتلبیہ حکماً ساتھ ساتھ کہے، بایں طور کہ پہلے عمرہ کا احرام باندھے، پھر اسی وقت عمرہ کے چار چکر لگانے سے پہلے حج کا احرام باندھے، یا اس کا الٹا کرے، بایں طور کہ پہلے حج کا احرام باندھے اور طواف قدوم سے پہلے عمرہ کا احرام باندھ لے اگر چہ یہ طریقہ برا ہے اس لیے کہ حج کا احرام عمرہ کے احرام سے پہلے باندھ لیا اور اگر طواف قدوم کے بعد عمرہ کا احرام باندھے گا تو اس پر دم واجب ہوگا۔

حج قران کا احرام باندھنے کی متعدد شکلیں

قارن حج اور عمرہ دونوں کا احرام میقات سے ایک ساتھ باندھے گا اس لیے کہ قارن یعنی حج قران کرنے والا صرف آفاقی ہوتا ہے مکی قارن نہیں ہوتا ہے۔ دوسری شکل یہ ہے کہ حج کے مہینوں میں دونوں کا احرام میقات سے پہلے باندھ لے۔ تیسری شکل یہ ہے کہ حج وعمرہ دونوں کا احرام حج کے مہینوں سے پہلے باندھ لے (احرام کا یہ طریقہ مکروہ ہے)۔

قران کرنے والا احرام کے بعد دو رکعت نفل ادا کرنے کے بعد یہ دعاء پڑھے:

اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أُرِيدُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ فَيَسِّرْهُمَا لِي وَتَقَبَّلْهُمَا مِنِّي۔

"اے میرے پروردگار! میں حج اور عمرہ دونوں ادا کرنے کا ارادہ کر رہا ہوں لہٰذا تو ان دونوں کو میرے لیے آسان فرما اور میری طرف سے ان دونوں کو قبول فرما"۔

اور مستحب یہ ہے کہ دعاء میں پہلے عمرہ کا لفظ لائے، اس لیے کہ یہاں عمل کے اعتبار سے عمرہ کے افعال پہلے ادا کئے جائیں گے تو جس ترتیب سے یہ دونوں ادا ہوتے ہیں اسی ترتیب سے دعاء میں آنے چاہئیں چنانچہ بعض کتابوں میں عمرہ کا لفظ پہلے آیا ہے اور یہاں مصنفؒ نے حج کے لفظ کو مقدم اور عمرہ کے لفظ کو مؤخر اس لیے کیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہاں عمرہ حج کے تابع ہے، یہی وجہ ہے کہ سعی کرنے کے بعد صرف حلق کرا لینے سے احرام سے حلال نہیں ہوگا۔ (شامی: ۳/۵۵۶)

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ لفظ یقول یا تو نصب کے ساتھ ہے اور اُن یھلّ پر عطف ہے، اس صورت میں لفظ یقول سے نیت مراد ہوگی، یا پھر لفظ یقول سے الگ جملہ شروع ہو رہا ہے، تو اس صورت میں قران کرنے کا سنت طریقہ بیان ہوگا، اس لیے کہ حج وعمرہ کے صحیح ہونے کے لیے محض دل کی نیت کافی ہے زبان سے نیت کرنی ضروری نہیں ہے، جس طرح کہ نماز محض دل کی نیت سے ادا ہو جاتی ہے زبان سے نیت کے الفاظ ادا کرنے ضروری نہیں ہیں، جیسا کہ مجتبیٰ نامی کتاب میں ہے۔

پہلے عمرہ ادا کرنا

جب محرم مکہ مکرمہ پہنچ جائے تو حج قران کرنے والا شخص پہلے عمرہ کا طواف کرے گا اور عمرہ کا یہ طواف قارن کے لیے واجب ہے یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص حج کی نیت سے طواف کرے گا تو بھی عمرہ ہی کا طواف قرار پائے گا اور اس کی نیت لغو ہوگی، عمرہ کے طواف میں بھی سات چکر ہوں گے، پہلے تین چکر میں رمل کرے گا یعنی اکڑ اکڑ کر سینہ نکال کر چلے گا، اس کے بعد صفا اور مروہ کی سعی کرے گا لیکن ابھی حلق یعنی سر نہیں منڈائے گا، اگر قارن عمرہ کرنے کے بعد حلق کرالے گا تو اس پر دو دم لازم ہوں گے اور عمرہ کے احرام سے وہ حلال نہیں ہوگا اور دو دم واجب اس لیے ہیں تا کہ احرام کی بے ادبی کی کچھ تلافی ہو سکے۔

(ثُمَّ يَحُجُّ كَمَا مَرَّ) فَيَطُوفُ لِلْقُدُومِ وَيَسْعَى بَعْدَهُ إِنْ شَاءَ. (فَإِنْ أَتَى بِطَوَافَيْنِ) مُتَوَالِيَيْنِ (ثُمَّ سَعْيَيْنِ لَهُمَا جَازَ وَأَسَاءَ) وَلَا دَمَ عَلَيْهِ (وَذَبَحَ لِلْقِرَانِ) وَهُوَ دَمُ شُكْرٍ فَيَأْكُلُ مِنْهُ (بَعْدَ رَمْيِ يَوْمِ النَّحْرِ) لِوُجُوبِ التَّرْتِيبِ (وَإِنْ عَجَزَ صَامَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ) وَلَوْ مُتَفَرِّقَةً (آخِرُهَا يَوْمَ عَرَفَةَ) نَدْبًا رَجَاءَ الْقُدْرَةِ عَلَى الْأَصْلِ، فَبَعْدَهُ لَا يُجْزِيهِ، فَقَوْلُ الْمِنَحِ كَالْبَحْرِ بَيَانٌ لِلْأَفْضَلِ فِيهِ كَلَامٌ (وَسَبْعَةً بَعْدَ) تَمَامِ أَيَّامِ (حَجِّهِ) فَرْضًا أَوْ وَاجِبًا، وَهُوَ بِمَعْنَى أَيَّامِ التَّشْرِيقِ (أَيْنَ شَاءَ) لَكِنْ أَيَّامُ التَّشْرِيقِ لَا تُجْزِيهِ - ﴿وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ﴾ - أَيْ فَرَغْتُمْ مِنْ أَفْعَالِ الْحَجِّ، فَعَمَّ مَنْ وَطَنُهُ مِنًى أَوْ اتَّخَذَهَا مَوْطِنًا (فَإِنْ فَاتَتْ الثَّلَاثَةُ تَعَيَّنَ الدَّمُ) فَلَوْ لَمْ يَقْدِرْ تَحَلَّلَ وَعَلَيْهِ دَمَانِ، وَلَوْ قَدَرَ عَلَيْهِ فِي أَيَّامِ النَّحْرِ قَبْلَ الْحَلْقِ بَطَلَ صَوْمُهُ (فَإِنْ وَقَفَ) الْقَارِنُ بِعَرَفَةَ (قَبْلَ) أَكْثَرِ طَوَافِ (الْعُمْرَةِ بَطَلَتْ) عُمْرَتُهُ، فَلَوْ أَتَى بِأَرْبَعَةِ أَشْوَاطٍ وَلَوْ بِقَصْدِ الْقُدُومِ أَوْ التَّطَوُّعِ لَمْ تَبْطُلْ، وَيُتِمُّهَا يَوْمَ النَّحْرِ وَالْأَصْلُ أَنَّ الْمَأْتِيَّ بِهِ مِنْ جِنْسِ مَا هُوَ مُتَلَبِّسٌ بِهِ فِي وَقْتٍ يَصْلُحُ لَهُ يَنْصَرِفُ لِلْمُتَلَبَّسِ بِهِ (وَقُضِيَتْ) بِشُرُوعِهِ فِيهَا (وَوَجَبَ دَمُ الرَّفْضِ) لِلْعُمْرَةِ، وَسَقَطَ دَمُ الْقِرَانِ لِأَنَّهُ لَمْ يُوَفَّقْ لِلنُّسُكَيْنِ.

قارن عمرہ کے بعد حج ادا کرے گا

قارن عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد حج ادا کرے گا جس کا تفصیلی طریقہ ماقبل میں گذر چکا ہے، حج کے افعال ادا کرتے ہوئے پہلے طواف قدوم کرے گا اس کے بعد اگر چاہے تو صفا و مروہ پہاڑی کے درمیان سعی کرے گا ورنہ تو طواف افاضہ کے بعد سعی بین الصفا والمروہ کرے گا۔

اگر کسی نے حج و عمرہ دونوں کا طواف لگا تار کر لیا پھر اس کے بعد لگا تار دو سعی کر لیا تو ایسا کرنا جائز تو ہے لیکن اچھا نہیں ہے بلکہ برا ہے کیوں کہ عمرہ کی سعی سے پہلے طواف قدوم کر کے برا کیا ہے، لیکن اس تقدیم و تاخیر کی وجہ سے اس پر کوئی دم واجب

نہیں ہے کہ کوئی جانور ذبح کرے۔

قارن کے واسطے قربانی کرنا

قارن جب عمرہ اور حج دونوں کے احکام وافعال کو ادا کر کے بخیر وعافیت فارغ ہو چکے تو دسویں ذی الحجہ کو جمرۂ عقبیٰ کی رمی کرنے کے بعد قران کے واسطے ایک بکری یا گائے ذبح کرے گا اور یہ قربانی بطور شکرانہ ہوگی، یعنی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے واسطے کہ اس نے ایک احرام سے دو عبادتیں ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائی، چونکہ یہ قربانی بطور شکریہ ہے اس لیے قارن اس کا گوشت کھائے گا، مصنف نے رمی کے بعد قربانی کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ رمی کرنے سے پہلے قربانی کا جانور ذبح کرنا جائز نہیں ہے کیوں کہ ان کے درمیان ترتیب واجب ہے اس کے خلاف کرنا جائز نہیں ہے۔

اگر قارن کے پاس قربانی کے واسطے جانور نہ ہو تو کیا حکم ہے؟

اگر قارن کسی مجبوری کی وجہ سے قربانی نہیں کر سکتا ہے، مثال کے طور پر روپے کی کمی یا محتاجگی ہے تو وہ احرام کے بعد تین دن روزہ رکھے گا، اگرچہ تین دن الگ الگ طور پر روزے رکھے مسلسل نہ رکھے، لیکن تیسرا روزہ یوم عرفہ میں رکھنا مستحب ہے اور یہ اس وجہ سے ہے کہ شاید وہ قربانی پر قادر ہو جائے اور اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے کوئی انتظام فرما دے۔ اور اگر روزے کو یوم نحر سے مؤخر کر دیا تو یہ جائز نہ ہوگا اور قربانی ہی متعین ہو جائے گی، اور اس بارے میں منح الغفار کا قول البحر الرائق کی طرح افضلیت کو بیان کرنے کے واسطے ہے لیکن اس کے اندر کلام ہے۔

بقیہ سات روزے کب رکھے جائیں؟

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ بقیہ سات روزے ایام حج کے مکمل ہو جانے کے بعد رکھے، اس طرح کل دس روزے ہو جائیں گے اور یہ روزے دونوں صورتوں میں رکھنے ہوں گے حج فرض ہو یا واجب اور ایام تشریق کے گذر جانے کے بعد حج مکمل ہو جاتا ہے اور یہ بعد والے سات روزے حاجی جہاں چاہے رکھے چاہے منیٰ میں رکھے، چاہے مکہ میں رکھے اور اگر چاہے تو اپنے وطن میں لوٹ کر رکھے، لیکن ایام تشریق کا روزہ کافی نہ ہوگا، اس لیے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا پاک ارشاد ہے: {وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ} یعنی سات روزے تم افعال حج سے فارغ ہونے کے بعد رکھو، گویا رَجَعْتُمْ کا معنی فَرَغْتُمْ مِنْ أَفْعَالِ الْحَجِّ کے ہیں، لہٰذا فراغت کا لفظ عام ہے اس شخص کو بھی شامل ہے جس کا وطن منیٰ ہے یا جس نے حج کے بعد منیٰ ہی کو وطن بنا لیا ہے۔ اور حضرت امام شافعیؒ یہاں رَجَعْتُمْ کو حقیقی معنی پر محمول کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ سات روزے مکہ میں رکھنا جائز نہیں ہے؛ بلکہ گھر پہنچ کر ہی رکھنے ہوں گے۔

اگر روزے نہ رکھ سکے تو کیا حکم ہے؟

اگر کوئی شخص کسی مجبوری کی وجہ سے قربانی نہیں کر سکا تو اس پر ایام حج میں تین روزے واجب ہوئے تھے لیکن اگر وہ

ایامِ حج میں تین روزے نہیں رکھ سکا اور وہ دن فوت ہو گیا تو اس پر دم متعین ہو گیا، پس اگر وہ روزے کے فوت ہونے کے بعد قربانی پر قادر نہ ہو تو اس کو چاہیے کہ احرام کھول دے اور حلال ہو جائے اور اب اس پر دو دم واجب ہے، ایک قران کا دم اور دوسرے احرام کھولنے کا۔ اور اگر قران کرنے والا قربانی کے دنوں میں سر منڈانے سے پہلے قربانی پر قادر ہو جائے تو اس صورت میں اس نے جو دو یا تین روزے قربانی کے عوض میں رکھے تھے وہ سب باطل ہو جائیں گے اور اس پر قربانی کرنا لازم ہو گی۔

قیامِ عرفہ سے عمرہ کا طواف کرنے کا حکم

اگر قارن نے عمرہ کے اکثر چکر لگانے سے پہلے عرفات میں قیام کر لیا تو اس صورت میں اس کا عمرہ باطل ہو جائے گا۔ (کیوں کہ اس کے بعد عمرہ ادا کرنا مشکل ہے کیوں کہ افعالِ حج کے شروع کرنے کے بعد عمرہ جائز نہیں ہے) لیکن اگر قارن نے عرفات میں قیام کرنے سے پہلے بیت اللہ شریف کا چار چکر لگا لیا تو اگر اس نے یہ چکر طوافِ قدوم یا طوافِ نفل کی نیت سے لگایا ہو تو اس صورت میں قارن کا عمرہ باطل نہیں ہوگا اور وہ قارن عمرہ کو یوم نحر میں پورا کرے گا۔ اور اس باب میں اصول وضابطہ یہ ہے کہ جو جو چیز ایسی ہم جنس ادا کی جائے جس میں مکلف مشغول ہو اور وہ چیز اس کے لائق ہو سکتی ہے تو اس چیز کو اس کی طرف پھیری جا سکتی ہے جس میں وہ مشغول ہے۔

اور جو عمرہ باطل ہو چکا ہے وہ شروع کر دینے کی وجہ سے اس کا اتمام لازم ہو چکا تھا اس لیے بعد میں اس کی قضاء کرے گا اور عمرہ کے چھوڑنے کی وجہ سے اس پر دم لازم ہوگا اور قران کا دم ساقط ہو جائے گا اس لیے کہ قارن یہاں دو عبادتوں کے جمع کرنے پر قادر نہیں ہے عمرہ کے باطل ہونے کی وجہ سے، اس لیے اب یہ شخص قارن بھی باقی نہیں رہے گا۔

بَابُ التَّمَتُّعِ

یہ باب حج تمتع کے احکام ومسائل کے بیان میں ہے

(هُوَ) لُغَةً مِنَ الْمَتَاعِ وَالْمُتْعَةِ وَشَرْعًا (أَنْ يَفْعَلَ الْعُمْرَةَ أَوْ أَكْثَرَ أَشْوَاطِهَا فِي أَشْهُرِ الْحَجِّ) فَلَوْ طَافَ الْأَقَلَّ فِي رَمَضَانَ مَثَلًا ثُمَّ طَافَ الْبَاقِيَ فِي شَوَّالٍ ثُمَّ حَجَّ مِنْ عَامِهِ كَانَ مُتَمَتِّعًا فَتْحٌ قَالَ الْمُصَنِّفُ: فَلْتُغَيَّرْ النُّسَخُ إلَى هَذَا التَّعْرِيفِ (وَيَطُوفَ وَيَسْعَى) كَمَا مَرَّ (وَيَحْلِقَ أَوْ يُقَصِّرَ) إنْ شَاءَ (وَيَقْطَعَ التَّلْبِيَةَ فِي أَوَّلِ طَوَافِهِ) لِلْعُمْرَةِ وَأَقَامَ بِمَكَّةَ حَلَالًا (ثُمَّ يُحْرِمُ لِلْحَجِّ) فِي سَفَرٍ وَاحِدٍ حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا بِأَنْ يُلِمَّ بِأَهْلِهِ إلْمَامًا غَيْرَ صَحِيحٍ (يَوْمَ التَّرْوِيَةِ وَقَبْلَهُ أَفْضَلُ، وَيَحُجُّ كَالْمُفْرِدِ) لَكِنَّهُ يَرْمُلُ فِي طَوَافِ الزِّيَارَةِ وَيَسْعَى بَعْدَهُ إنْ لَمْ يَكُنْ قَدَّمَهُمَا بَعْدَ الْإِحْرَامِ (وَذَبَحَ) كَالْقَارِنِ (وَلَمْ تَنُبْ الْأُضْحِيَّةُ عَنْهُ، فَإِنْ عَجَزَ) عَنْ دَمٍ (صَارَ كَالْقِرَانِ، وَجَازَ صَوْمُ الثَّلَاثَةِ بَعْدَ إحْرَامِهَا)

أَيْ الْعُمْرَةِ لَكِنْ فِي أَشْهُرِ الْحَجِّ (لَا قَبْلَهُ) أَيْ الْإِحْرَامِ (وَتَأْخِيرُهُ أَفْضَلُ) رَجَاءَ وُجُودِ الْهَدْيِ كَمَا مَرَّ (وَإِنْ أَرَادَ الْمُتَمَتِّعُ السَّوْقَ) لِلْهَدْيِ (وَهُوَ أَفْضَلُ) أَحْرَمَ ثُمَّ (سَاقَ هَدْيَهُ) مَعَهُ (وَهُوَ أَوْلَى مِنْ قَوْدِهِ إِلَّا إِذَا كَانَتْ لَا تَنْسَاقُ) فَيَقُودُهَا (وَقَلَّدَ بَدَنَتَهُ وَهُوَ أَوْلَى مِنْ التَّجْلِيلِ وَكُرِهَ الْإِشْعَارُ، وَهُوَ شَقُّ سَنَامِهَا مِنْ الْأَيْسَرِ) أَوْ الْأَيْمَنِ لِأَنَّ كُلَّ أَحَدٍ لَا يُحْسِنُهُ، فَأَمَّا مَنْ أَحْسَنَهُ بِأَنْ قَطَعَ الْجِلْدَ فَقَطْ فَلَا بَأْسَ بِهِ (وَاعْتَمَرَ، وَلَا يَتَحَلَّلُ مِنْهَا) حَتَّى يَنْحَرَ (ثُمَّ أَحْرَمَ لِلْحَجِّ كَمَا مَرَّ) فِيمَنْ لَمْ يَسُقْ (وَحَلَقَ يَوْمَ النَّحْرِ وَ) إِذَا حَلَقَ (حَلَّ مِنْ إِحْرَامَيْهِ) عَلَى الظَّاهِرِ

ترجمہ وتشریح: یہاں سے حضرت مصنف علیہ الرحمہ حج کی دوسری قسم حج تمتع کو بیان کرنے جارہے ہیں، فرماتے ہیں کہ لفظ "تمتع" لغت میں متاع یا متعة سے مشتق ہے جس کے معنی نفع حاصل کرنے یا نفع پہنچانے کے ہیں۔ اور شریعت کی اصطلاح میں حج تمتع یہ ہے کہ حج کو جانے والا شخص پہلے عمرہ یا اس کے طواف کا اکثر چکر حج کے مہینوں میں ادا کرے، لہٰذا اگر کسی شخص نے رمضان المبارک میں عمرہ کے طواف کا تین چکر یا اس سے کم چکر لگائے پھر بقیہ چکر شوال کے مہینے میں لگائے پھر اس نے اس سال حج ادا کیا تو وہ شخص حج تمتع کرنے والا ہوگا، جیسا کہ فتح القدیر میں ہے (اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی نے عمرہ کا اکثر چکر اشہر حج سے پہلے ادا کرلیا اور بقیہ چکر اشہر حج میں لگایا تو حج تمتع کرنے والا نہ ہوگا)۔

حضرت مصنف علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ مناسب ہے کہ متن کے نسخوں کی تعریف اس تعریف کے مطابق کرلی جائے۔ اور نسخ سے مراد وہ عبارت ہے جو صرف متن میں موجود ہے اور وہ یہ ہے **هو أن يحرمَ مِن الميقاتِ في أشهرِ الحجِ ويطوف إلخ**۔ اس عبارت میں جو یہ قید لگائی گئی ہے کہ "احرام میقات سے باندھے"، یہ قید صحیح نہیں ہے، اگر میقات سے پہلے احرام باندھ لیا تب بھی درست ہے اور اسی طرح اگر میقات سے مؤخر احرام باندھا تب بھی درست ہے، اگرچہ اس صورت میں دم لازم ہوگا، بشرطیکہ میقات لوٹ کر احرام نہ باندھا ہو، اسی طرح مذکورہ عبارت میں اشہر حج کی جو قید ہے یہ بھی درست نہیں ہے اگر اشہر حج سے پہلے احرام باندھا تب بھی بلا کراہت درست ہے، اس طرح مذکورہ عبارت میں طواف مطلق ذکر کیا گیا ہے، اس کا تقاضہ یہ ہے کہ طواف کے ساتوں چکر اشہر حج میں ہوں، حالاں کہ یہ بات نہیں ہے بلکہ اشہر حج میں اکثر چکر کا پایا جانا کافی ہے، اس لیے مصنفؒ نے عبارت کو بدل کر یہ لکھا کہ **أن يفعلَ العُمرةَ أو أكثرَ أشواطِها في أشهرِ الحجِ إلخ**۔ (شامی: ۳/۵۶۲)

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ عمرہ میں طواف کرے گا اور سعی کرے گا، جیسا کہ تفصیل کے ساتھ پہلے گذرا ہے اور سر کا بال منڈائے گا اور اگر چاہے تو بال چھوٹا کروالے، حلق یا قصر تمتع میں شرط نہیں ہے، بلکہ اس کی مرضی پر ہے، بال کٹانے یا منڈانے کے بعد وہ احرام سے نکل آئے گا۔

حج تمتع میں تلبیہ کب بند کرے گا؟

حج تمتع کرنے والا عمرہ کے پہلے طواف ہی میں تلبیہ کہنا بند کردے گا اور مکہ مکرمہ میں حلال بن کر قیام کرے گا۔ (اگر دل چاہے تو مدینہ منورہ میں جاکر قیام کرے)، پھر جب حج کے ایام آجائیں گے تو وہ اسی سفر میں حج میں آکر حج کا احرام باندھے گا، خواہ حقیقتاً ہو یا حکماً، بایں طور کہ عمرہ کرنے کے بعد وطن واپس آجائے، پھر ایامِ حج میں آکر حج کا احرام باندھے مگر اس طرح کہ حج کے واسطے مکہ جانے کا ارادہ دل میں موجود ہو، دل سے ارادہ ختم نہ ہونے پائے۔

حج کا احرام کب باندھے؟

فرماتے ہیں کہ حج تمتع کرنے والا حج کا احرام آٹھویں ذی الحجہ کو مکۃ المکرمہ سے باندھے گا اور آٹھویں ذی الحجہ سے پہلے احرام باندھنا افضل ہے، پھر وہ حج کے ارکان وافعال اسی طرح ادا کرے گا جس طرح صرف حج ادا کرنے والا کرتا ہے، لیکن حج تمتع کرنے والا شخص طواف زیارت میں رمل کرے گا اور طواف زیارت کے بعد صفا و مروہ کے درمیان سعی کرے گا، بشرطیکہ حج کے احرام کے بعد پہلے سعی اور طواف نہ کر چکا ہو۔ اور حج تمتع کرنے والا شخص قربانی اسی طرح کرے گا جس طرح قارن کرتا ہے، لیکن اس کی یہ قربانی عید الاضحیٰ کی طرف سے قربانی نہیں سمجھی جائے گی، اس لیے کہ مسافر شخص پر قربانی واجب نہیں ہے اور حج تمتع کرنے والے پر حج والی قربانی واجب ہے۔ اور قربانی اس وقت واجب ہوتی ہے جب قربانی کی نیت سے جانور خریدا ہے، یا مقیم مالدار ہے اور یہاں نہ اقامت پائی گئی اور نہ قربانی کے جانور کا خریدنا، اس لیے اس پر قربانی واجب ہی نہیں ہوگی۔

حج تمتع کرنے والا قربانی پر قادر نہ ہو تو کیا حکم ہے؟

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اگر حج تمتع کرنے والا شخص حج والی قربانی کرنے سے مجبور ہو اور قربانی نہ کر سکے تو اس کو بھی ایامِ حج میں تین روزے قارن کی طرح رکھنے ہوں گے۔ اور سات روزے ایامِ حج کے بعد، جس کی تفصیل "باب القِران" کے تحت گذر چکی ہے۔ عمرہ کے احرام کے بعد تین روزے حج کے مہینے میں رکھنے درست ہیں، لیکن عمرہ کے احرام سے پہلے روزہ رکھنا جائز نہیں ہے۔ اور افضل یہ ہے کہ عرفہ کے دن تک انتظار کرے اس اُمید پر کہ ہوسکتا ہے کہ قربانی کے واسطے جانور کا انتظام ہو جائے، جیسا کہ "باب القِران" میں یہ مسئلہ گذر چکا ہے۔

متمتع کا اپنے ساتھ قربانی کا جانور ساتھ لے جانا

اگر حج تمتع کرنے والا شخص یہ چاہے کہ وہ قربانی کے لیے اپنا جانور ساتھ لے جائے جو اس کے لیے افضل ہے تو وہ سب سے پہلے احرام باندھے، پھر اس کے بعد اپنے قربانی کا جانور ساتھ لے چلے اور قربانی کے جانور کو ہانک کر لے جانا آگے سے کھینچ کر لے

جانے سے بہتر ہے، ہاں اگر پیچھے سے ہانک کر لے جانے سے جانور نہ چلتا ہو، دشواری ہو تو آگے سے کھینچ کر بھی لے جا سکتا ہے۔

اور حج تمتع کرنے والا جو جانور اپنے ساتھ لے جا رہا ہے اس کے گلے میں پٹہ ڈال دے، اور گلے میں پٹہ ڈالنا جھول ڈالنے سے بہتر ہے۔ اور یہ پٹہ ڈالنا اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ یہ حاجی کا جانور ہے جس کو قربانی کرنے کے لیے حرم شریف لے جا رہا ہے۔

اِشعار کرنے کا شرعی حکم

اِشعار کرنا مکروہ ہے۔ اور ''اِشعار'' اونٹ کے بائیں یا دائیں کوہان پر زخم لگانے اور چیرنے کو کہتے ہیں۔ اور اس طرح کرنا مکروہ ہے، اس لیے کہ اس طرح کرنا ہر شخص کو اچھا اور عمدہ طریقہ سے نہیں آتا ہے بلکہ بہت سے اناڑی آدمی تو گوشت تک چیر ڈالتے ہیں جس سے جانور کو تکلیف ہوتی ہے، ہاں اگر کوئی شخص عمدہ طریقہ سے اشعار کرنا جانتا ہو، بایں طور کہ جانور کا صرف چمڑا کاٹے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اور حج تمتع کرنے والا شخص عمرہ کرنے کے بعد حلال نہ ہو، جب تک کہ قربانی نہ کرلے، قربانی کے بعد حلال ہو جائے، پھر آٹھویں ذی الحجہ کو حج کا احرام باندھے، جس کی تفصیل اس شخص کی بحث میں آچکی ہے جو قربانی کا جانور ساتھ نہ لے جائے، حج کے بعد پھر دسویں ذی الحجہ کو حلق کرائے گا اور حلق کرانے کے بعد وہ حج اور عمرہ دونوں کے احرام سے حلال ہو جائے گا، ظاہر قول یہی ہے۔

(وَالْمَكِّيُّ وَمَنْ فِي حُكْمِهِ يُفْرِدُ فَقَطْ) وَلَوْ قَرَنَ أَوْ تَمَتَّعَ جَازَ وَأَسَاءَ، وَعَلَيْهِ دَمُ جَبْرٍ، وَلَا يُجْزِئُهُ الصَّوْمُ لَوْ مُعْسِرًا (وَمَنْ اعْتَمَرَ بِلَا سَوْقٍ) هَدْيٍ (ثُمَّ) بَعْدَ عُمْرَتِهِ (عَادَ إلَى بَلَدِهِ) وَحَلَقَ (فَقَدْ أَلَمَّ) إلْمَامًا صَحِيحًا فَبَطَلَ تَمَتُّعُهُ (وَمَعَ سَوْقِهِ تَمَتُّعٌ) كَالْقَارِنِ (وَإِنْ طَافَ لَهَا أَقَلَّ مِنْ أَرْبَعَةٍ قَبْلَ أَشْهُرِ الْحَجِّ وَأَتَمَّهَا فِيهَا وَحَجَّ فَقَدْ تَمَتَّعَ، وَلَوْ طَافَ أَرْبَعَةً قَبْلَهَا لَا) اعْتِبَارًا لِلْأَكْثَرِ (كُوفِيٌّ) أَيْ آفَاقِيٌّ (حَلَّ مِنْ عُمْرَتِهِ فِيهَا) أَيْ الْأَشْهُرِ (وَسَكَنَ بِمَكَّةَ) أَيْ دَاخِلَ الْمَوَاقِيتِ (أَوْ بَصْرَةَ) أَيْ غَيْرِ بَلَدِهِ (وَحَجَّ) مِنْ عَامِهِ (مُتَمَتِّعٌ) لِبَقَاءِ سَفَرِهِ (وَلَوْ أَفْسَدَهَا وَرَجَعَ مِنْ الْبَصْرَةِ) إلَى مَكَّةَ (وَقَضَاهَا وَحَجَّ لَا) يَكُونُ مُتَمَتِّعًا لِأَنَّهُ كَالْمَكِّيِّ (إلَّا إذَا أَلَمَّ بِأَهْلِهِ ثُمَّ) رَجَعَ وَ (أَتَى بِهِمَا) لِأَنَّهُ سَفَرٌ آخَرُ وَلَا يَضُرُّ كَوْنُ الْعُمْرَةِ قَضَاءً عَمَّا أَفْسَدَهُ (وَأَيُّ) النُّسُكَيْنِ (أَفْسَدَهُ) الْمُتَمَتِّعُ (أَتَمَّهُ بِلَا دَمٍ) لِلتَّمَتُّعِ بَلْ لِلْفَسَادِ

مکی کے لیے قران اور تمتع نہیں ہے

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ باشندگانِ مکہ اور جو اس کے حکم میں ہیں، یعنی جو مواقیت کے اندر رہتے ہوں وہ صرف حج کریں گے، حج قران اور حج تمتع مکہ والوں اور جو مواقیت کے اندر رہتے ہیں ان کے واسطے نہیں ہے۔ (قرآنِ پاک

میں ارشادِ ربانی ہے {ذٰلِكَ لِمَنۡ لَّمۡ يَكُنۡ اَهۡلُهٗ حَاضِرِى الۡمَسۡجِدِ الۡحَـرَامِ} ''حج تمتع وقران ان لوگوں کے واسطے ہے جن کے اہل وعیال مسجد حرام میں نہ ہوں''۔ اگر مکہ والے یا جو مواقیت کے اندر رہتے ہیں حج تمتع یا قران کرلیں تو وہ حج تو جائز ہوجائے گا لیکن اس طرح کرنا برا ہے)۔ اور اس کی وجہ سے اس پر دَم واجب ہے اور اگر وہ تنگ دست ہو تو اس کے لیے صرف روزہ رکھنا کافی نہ ہوگا۔

حج تمتع کا بطلان

جس حج تمتع کرنے والے نے اپنے ساتھ ہدی کا جانور لے جائے بغیر عمرہ کیا، پھر عمرہ کرنے کے بعد اپنے ملک واپس آگیا اور حلق کرالیا تو اس صورت میں اس کا حج تمتع باطل ہوجائے گا۔ اور اگر حج تمتع کرنے والا شخص ہدی کا جانور ساتھ لے گیا اور عمرہ کرکے اپنے شہر واپس آگیا تو اس صورت میں وہ متمتع باقی رہے گا اور اس کو حج تمتع کرنے کا اختیار ہوگا۔

اور اگر حج تمتع کرنے والا شخص عمرہ کے واسطے چار چکر سے کم اشہر حج سے پہلے لگالیا، باقی چار چکر یا زیادہ اشہر حج میں ادا کیا پھر اس کے بعد حج ادا کیا تو وہ شخص حج تمتع کرنے والا کہلائے گا، کیونکہ اکثر طواف حج کے مہینوں میں ہوا ہے۔ اور اگر کسی نے اکثر چکر اشہر حج سے پہلے ادا کیا اور کم چکر اشہر حج میں لگایا پھر حج ادا کیا تو حج تمتع کرنے والا نہیں ہوگا، اس لیے کہ اکثر کا اعتبار ہوتا ہے۔

آفاقی عمرہ کرکے احرام کھول دے تو کیا حکم ہے؟

کوفہ کے رہنے والے، یعنی آفاقی جو مواقیت حج کے باہر رہنے والے ہوں انہوں نے حج کے مہینوں میں عمرہ ادا کرکے احرام کھول دیا اور مکۃ المکرمہ میں سکونت پذیر ہو ہوگئے، یعنی داخلِ میقات قیام کیا، یا بصرہ میں یعنی اپنے شہر کے علاوہ کسی دوسرے شہر میں رہے، پھر اسی سال انھوں نے حج کیا تو سفر کے باقی رہنے کی وجہ سے وہ حج تمتع کرنے والا ہوگا۔

اگر متمتع نے حج کے مہینہ میں عمرہ کو فاسد کردیا پھر بصرہ سے مکہ کی طرف لوٹ آیا اور عمرہ کی قضاء کی اور حج ادا کیا تو اس صورت میں وہ حج تمتع کرنے والا نہیں ہوگا، اس لیے کہ وہ شخص عمرہ فاسد کرنے کے بعد مکی کی طرح ہوگیا، اور یہ بات بتائی جاچکی ہے کہ مکی حج تمتع نہیں کرسکتا ہے، لیکن جب وہ عمرہ فاسد کرکے اپنے گھر چلا آیا پھر وہاں سے احرام باندھ کر مکہ واپس آیا اور عمرہ اور حج کا فریضہ ادا کیا، تو اس صورت میں وہ متمتع ہی رہے گا، اس لیے کہ یہ دوسرا سفر ہوا اور اس صورت میں آفاقی کا عمرہ ہوگا اور فاسدہ کردہ عمرہ کی قضاء کرنا کوئی نقصان دہ نہیں ہے۔ اور تمتع کرنے والا عمرہ اور فریضۂ حج میں سے جس کو بھی فاسد کرے گا تو اس کو تمتع بغیر دم ادا کئے پورا کرے گا اور تمتع کا دم اس پر واجب نہیں ہے، کیوں کہ دونوں سفر واحد کے اندر ادا ہوئے ہیں، البتہ عمرہ کے فاسد کرنے کی وجہ سے دم واجب ہوگا اور اس کو ''دمِ جنایت'' کہتے ہیں اور جس دم کی نفی کی گئی ہے وہ ''دمِ شکر'' ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

بَابُ الْجِنَايَاتِ

یہ باب حج کی جنایات کے احکام ومسائل کے بیان میں ہے

الْجِنَايَةُ: هُنَا مَا تَكُونُ حُرْمَتُهُ بِسَبَبِ الْإِحْرَامِ أَوْ الْحَرَمِ، وَقَدْ يَجِبُ بِهَا دَمَانِ أَوْ دَمٌ أَوْ صَوْمٌ أَوْ صَدَقَةٌ فَفَصَّلَهَا بِقَوْلِهِ (الْوَاجِبُ دَمٌ عَلَى مُحْرِمٍ بَالِغٍ) فَلَا شَيْءَ عَلَى الصَّبِيِّ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ (وَلَوْ نَاسِيًا) أَوْ جَاهِلًا أَوْ مُكْرَهًا،فَيَجِبُ عَلَى نَائِمٍ غَطَّى رَأْسَهُ (إِنْ طَيَّبَ عُضْوًا) كَامِلًا وَلَوْ فَمَهُ بِأَكْلِ طِيبٍ كَثِيرٍ أَوْ مَا يَبْلُغُ عُضْوًا لَوْ جُمِعَ، وَالْبَدَنُ كُلُّهُ كَعُضْوٍ وَاحِدٍ إِنْ اتَّحَدَ الْمَجْلِسُ وَإِلَّا فَلِكُلِّ طِيبٍ كَفَّارَةٌ، وَلَوْ ذَبَحَ وَلَمْ يُزِلْهُ لَزِمَهُ دَمٌ آخَرُ لِتَرْكِهِ، وَأَمَّا الثَّوْبُ الْمُطَيَّبُ أَكْثَرُهُ فَيُشْتَرَطُ لِلُزُومِ الدَّمِ دَوَامُ لُبْسِهِ يَوْمًا (أَوْ خَضَبَ رَأْسَهُ بِحِنَّاءٍ) رَقِيقٍ، أَمَّا الْمُتَلَبِّدُ فَفِيهِ دَمَانِ (أَوْ ادَّهَنَ بِزَيْتٍ أَوْ حَلٍّ) بِفَتْحِ الْمُهْمَلَةِ الشَّيْرَجُ (وَلَوْ) كَانَا (خَالِصَيْنِ) لِأَنَّهُمَا أَصْلُ الطِّيبِ، بِخِلَافِ بَقِيَّةِ الْأَدْهَانِ

ترجمہ وتشریح: جب حضرت مصنف علیہ الرحمہ احرام باندھنے والوں کے اقسام اور اُن کے احکام ومسائل کے بیان سے فارغ ہوگئے تو اب اس باب میں ان عوارض کا ذکر کررہے ہیں جو محرم کو پیش آتے ہیں اور اُن کی وجہ سے دم واجب ہوتا ہے۔ اور اس باب میں جنایات کو اس لیے مقدم کیا کہ ادائے قاصر افضل ہے عدم سے۔

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ: ''جنایت'' کتاب الحج میں اس فعل کو کہتے ہیں جس کی حرمت احرام باندھنے یا حرم میں داخل ہونے کی وجہ سے ثابت ہو، اور اس جنایت کی وجہ سے کبھی ایک دم واجب ہوتا ہے، کبھی دودم واجب ہوتے ہیں اور کبھی روزہ واجب ہوتا ہے، کبھی صدقہ، ان تمام اُمور کی تفصیل آگے آرہی ہے، چنانچہ حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ دم والی قربانی اس محرم پر واجب ہوتی ہے جو بالغ ہو، خواہ جنایت بھول کر کی ہو، خواہ عدمِ علم کی وجہ سے کی ہو، یا دوسروں کے دباؤ کی وجہ سے کی ہو، جس میں اس کے اختیار کا دخل نہ ہو، لہٰذا اس سونے والے پر دم واجب ہے جس کے سر کو کسی دوسرے نے ڈھانپ دیا ہو، یہاں بالغ کی قید سے معلوم ہوا کہ نابالغ محرم پر دم واجب نہیں ہے۔

مسئلہ: اگر کسی نے جان بوجھ کر جنایت کی ہو، یا غلطی سے، یا یاد ہونے کی حالت میں، یا بھولنے کی حالت میں علم کے باوجود، یا جہالت کی وجہ سے، یا خوشی بخوشی یا زور زبردستی، سونے کی حالت میں یا جاگنے کی حالت میں، نشے کی حالت میں خود کیا ہو یا کسی دوسرے کے حکم سے کیا ہو، مذکورہ تمام صورتوں میں دم واجب ہے۔ (شامی: ۳/۵۷۲)

کفارہ کا وجوب کب؟

اگر محرم نے اپنے ایک عضوِ کامل پر خوشبو ملی، یا اس کا منھ بہت ساری خوشبودار چیز کے کھانے کی وجہ سے خوشبودار ہوگیا ہو،

یا بدن پر متفرق جگہ تھوڑی تھوڑی خوشبو لگائی کہ اگر اس کو جمع کیا جائے تو ایک عضو کامل کی مقدار کو پہنچ جائے تو کفارہ واجب ہے۔ اور اگر مجلس متحد ہو تو سارا بدن ایک عضو کے برابر قرار پائے گا، اور ایک کفارہ ادا کرنا ہوگا۔ اور اگر مجلس متحد نہ ہو بلکہ الگ الگ مجلس ہو تو اس صورت میں ہر بار خوشبو کا الگ الگ کفارہ ادا کرنا ہوگا۔ اگر خوشبو بدن میں لگانے کے بعد جانور ذبح کیا اور بدن سے خوشبو کو دور نہیں کیا تو اس پر دوسرا جانور ذبح کرنا لازم ہوگا، اس لیے کہ خوشبو جسم پر باقی ہے اور بہر حال وہ کپڑا جس کا اکثر حصہ خوشبو سے معطر ہو، تو اس وقت وجوبِ دم کے لیے شرط یہ ہے کہ محرم اس کپڑے کو پورے ایک دن پہنے رہے۔

مہندی کے خضاب کا حکم شرعی

یا محرم نے اپنے سر میں پتلی مہندی کا خضاب لگایا تو اس پر بھی دم واجب ہوگا۔ اور اگر محرم نے گاڑھی مہندی سر پر جمالیا تو اس پر دو دم واجب ہوں گے، ایک خوشبو لگانے کی وجہ سے دم ہوگا، دوسرے سر ڈھانکنے کی وجہ سے، مگر وجوبِ دم کے لیے شرط یہ ہے کہ ایک دن یا ایک رات سر میں مہندی لگی رہے، یا کسی محرم نے اپنے جسم میں روغنِ زیتون، تل کا تیل ملا، تو اس پر بھی دم واجب ہے، اگر چہ دونوں خالص ہوں اس لیے کہ دونوں تیل کی اصل خوشبو ہے، بخلاف دوسرے تیلوں کے، ان کے استعمال کرنے سے دم واجب نہیں ہے۔ حل روغن تیل کو کہتے ہیں۔

(فَلَوْ أَكَلَهُ) أَوْ اسْتَعَطَهُ (أَوْ دَاوَى بِهِ) جِرَاحَةً أَوْ (شُقُوقَ رِجْلَيْهِ أَوْ أَقْطَرَ فِي أُذُنَيْهِ لَا يَجِبُ دَمٌ وَلَا صَدَقَةٌ) اتِّفَاقًا (بِخِلَافِ الْمِسْكِ وَالْعَنْبَرِ وَالْغَالِيَةِ وَالْكَافُورِ وَنَحْوِهَا) مِمَّا هُوَ طِيبٌ بِنَفْسِهِ (فَإِنَّهُ يَلْزَمُهُ الْجَزَاءُ بِالِاسْتِعْمَالِ) وَلَوْ (عَلَى وَجْهِ التَّدَاوِي) وَلَوْ جَعَلَهُ فِي طَعَامٍ قَدْ طُبِخَ فَلَا شَيْءَ فِيهِ وَإِنْ لَمْ يُطْبَخْ وَكَانَ مَغْلُوبًا كُرِهَ أَكْلُهُ كَشَمِّ طِيبٍ وَتُفَّاحٍ (أَوْ لَبِسَ مَخِيطًا) لُبْسًا مُعْتَادًا، وَلَوْ اتَّزَرَهُ أَوْ وَضَعَهُ عَلَى كَتِفَيْهِ لَا شَيْءَ عَلَيْهِ (أَوْ سَتَرَ رَأْسَهُ) بِمُعْتَادٍ إمَّا بِحَمْلِ إجَّانَةٍ أَوْ عِدْلٍ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ (يَوْمًا كَامِلًا) أَوْ لَيْلَةً كَامِلَةً، وَفِي الْأَقَلِّ صَدَقَةٌ (وَالزَّائِدُ) عَلَى الْيَوْمِ (كَالْيَوْمِ) وَإِنْ نَزَعَهُ لَيْلًا وَأَعَادَهُ نَهَارًا وَلَوْ جَمِيعَ مَا يَلْبَسُ (مَا لَمْ يَعْزِمْ عَلَى التَّرْكِ) لِلُبْسِهِ (عِنْدَ النَّزْعِ، فَإِنْ عَزَمَ عَلَيْهِ) أَيْ التَّرْكِ (ثُمَّ لَبِسَ تَعَدَّدَ الْجَزَاءُ كَفَّرَ لِلْأَوَّلِ أَوْ لَا، وَكَذَا) يَتَعَدَّدُ دَمًا لِلُبْسِهِ (ثُمَّ دَامَ عَلَى الْجَزَاءِ لَوْ لَبِسَ يَوْمًا فَأَرَاقَ لُبْسَهُ يَوْمًا آخَرَ فَعَلَيْهِ الْجَزَاءُ) أَيْضًا لِأَنَّهُ مَحْظُورٌ فَكَانَ لِدَوَامِهِ حُكْمُ الِابْتِدَاءِ، وَدَوَامُ اللُّبْسِ بَعْدَمَا أَحْرَمَ وَهُوَ لَابِسُهُ كَإِنْشَائِهِ بَعْدَهُ وَلَوْ مُكْرَهًا أَوْ نَائِمًا، وَلَوْ تَعَدَّدَ سَبَبُ اللُّبْسِ تَعَدَّدَ الْجَزَاءُ، وَلَوْ اضْطُرَّ إلَى قَمِيصٍ فَلَبِسَ قَمِيصَيْنِ أَوْ إلَى قَلَنْسُوَةٍ فَلَبِسَهَا مَعَ عِمَامَتِهِ لَزِمَهُ دَمٌ وَإِثْمٌ؛ وَلَوْ تَيَقَّنَ زَوَالَ الضَّرُورَةِ فَاسْتَمَرَّ كَفَّرَ أُخْرَى وَتَغْطِيَةُ رُبُعِ

الرَّأْسِ أَوْ الْوَجْهِ كَالْكُلِّ وَلَا بَأْسَ بِتَغْطِيَةِ أُذُنَيْهِ وَقَفَاهُ وَوَضْعِ يَدَيْهِ عَلَى أَنْفِهِ بِلَا ثَوْبٍ

حالتِ اِحرام میں محرم کے لیے روغن کا استعمال کرنا

اگر محرم نے روغن زیتون یا میٹھا تیل کھایا، یا اس کو ناک میں ڈالا، یا اس کے ذریعہ کسی زخم کا علاج کیا، یا دونوں پاؤں کے پھٹن میں لگایا، یا اپنے دونوں کانوں میں اس کو ٹپکایا، تو اس صورت میں محرم پر بالاتفاق نہ کوئی دم واجب ہوگا اور نہ ہی کوئی صدقہ واجب ہوگا۔ اس کے برخلاف مشک، عنبر، غالیہ، کافور اور اس طرح کی دوسری چیزوں کے جو بطور خوشبو ہیں ان کے استعمال سے جزاء لازم ہوگی، اگر چہ انھیں بطور دواء استعمال کیا گیا ہو۔ اور اگر مشک وغیرہ کو کسی کھانے میں ڈال کر پکایا گیا تو اس صورت میں محرم کے کھانے اور پکانے میں کوئی چیز واجب نہیں ہے، خواہ کھانے کے اندر خوشبو باقی رہے یا باقی نہ رہے۔ اور اگر خوشبو ڈال کر پکایا نہیں گیا بلکہ کھانا پکا کر خوشبو کو اوپر سے ڈالا گیا اور خوشبو کھانے سے کم ہے تو اس کا کھانا مکروہ ہے، جس طرح کسی خوشبو اور سیب کا سونگھنا مکروہ ہے۔

محرم نے سلا ہوا کپڑا استعمال کر لیا تو کیا حکم ہے؟

اگر محرم نے سلا کپڑا اس طرح استعمال کیا جس طرح استعمال ہوتا ہے تو اس پر دم واجب ہوگا، لیکن اگر کسی نے سلے ہوئے کپڑے کو خلافِ عادت استعمال کیا، مثال کے طور پر کوئی شخص قمیص یا کرتا کو بطور تہبند باندھ لے، یا پائجامہ کو مونڈھے پر ڈال لے تو اس صورت میں نہ اس پر دم واجب ہوگا نہ صدقہ۔

اسی طرح اگر محرم نے اپنا سر اس کپڑے سے چھپایا جس سے عام طور پر چھپایا جاتا ہے جیسے ٹوپی اور پگڑی وغیرہ تو اس میں کوئی دم واجب نہیں ہے، لیکن اگر سر کو تغار سے چھپایا، یا گٹھری سے ڈھکا تو اس پر نہ صدقہ واجب ہوگا، نہ دم، اور جس صورت میں وجوبِ دم کا حکم ہے، اس صورت میں شرط یہ ہے کہ پورے دن یا پوری رات استعمال کرے، اس سے کم گھنٹہ یا ایک دو گھنٹہ استعمال کرنے سے دم واجب نہیں ہوتا ہے۔ اور ایک دن سے زیادہ استعمال کرنا ایک ہی دن کے حکم میں ہے، یعنی جس طرح ایک دن کامل استعمال کرنے سے ایک دم واجب ہوتا ہے اسی طرح دو یا اس سے زیادہ دن استعمال کرنے سے بھی ایک ہی دم واجب ہوگا، اگر چہ رات میں اس کو اُتار ہی کیوں نہ دیتا ہو اور دن میں پہن لیتا ہو، اگر چہ پورا جسم زیب تن کر لیا ہو، جیسے کرتا، پائجامہ اور ٹوپی پہن لی تو ان سب صورتوں میں صرف ایک دم واجب ہوگا۔

ایک دم سے زائد دم کا وجوب

حضرت مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ ایک دن سے زیادہ استعمال کرنا ایک دن کے حکم میں اس وقت شمار ہوگا جب اس نے لباس اُتارنے کے وقت اس کے ترک کر دینے کا عزم نہ کیا ہو، چنانچہ اگر اس نے اُتارتے وقت ترک کر دینے کا پختہ عزم کر لیا

ہو پھر اس کے بعد اس نے دوبارہ سلا ہوا کپڑا استعمال کیا تو اس صورت میں متعدد جزاء واجب ہوں گی، یعنی اس کو متعدد دم دینے ہوں گے، یعنی جتنی مرتبہ عزم مصمم کے بعد پہنا ہوگا اتنا دم واجب ہوگا، خواہ پہلی جنایت کا کفارہ ادا کر چکا ہو یا نہیں کیا ہو۔

اسی طرح اس صورت میں بھی متعدد دم دینے ہوں گے جب اس نے سلا ہوا کپڑا ایک دن پہنا اور اس کے بدلے میں دم دیا، دم دینے کے بعد دوبارہ ایک بار پھر سلا ہوا کپڑا پہن لیا تو اب اس پر دوسرا دم دینا ہوگا، کیونکہ احرام کی حالت میں سلا ہوا کپڑا استعمال کرنا منع ہے، لہٰذا دم دینے کے بعد دوبارہ پہننے کا حکم از سر نو ہوگا اور پھر دم دینا ہوگا۔

اور اس کپڑے کو جس کو بوقت احرام پہنا تھا باقی رکھنا اس کو از سر نو پہننا ہے خواہ اس طرح اس کے اختیار کے بغیر ہوا ہو، یا بحالت نیند اس طرح کیا گیا ہو۔

تعددِ سبب تعددِ دم کے وجوب کا سبب ہے

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اگر لباس استعمال کرنے کے سبب متعدد ہوں تو اس کی جزاء بھی متعدد ہوگی۔ مثال کے طور پر محرم کو بحالت احرام بخار آیا اور اس نے دو قمیص پہن لی، یا صرف ٹوپی اوڑھنے کی ضرورت تھی اس نے ٹوپی کے ساتھ پگڑی بھی باندھ لی، تو اس صورت میں اس پر ایک دم واجب ہوگا، اس وجہ سے کہ سبب ایک ہی ہے لیکن گناہ گار ہوگا، کہ اس نے ضرورت سے زیادہ کپڑا استعمال کیا ہے۔

یا کسی کو بخار آیا اس نے ایک قمیص پہن لی، پھر وہ تندرست ہوگیا اس کے بعد اس کو دوسری بیماری لاحق ہوئی تو اس نے دوسری قمیص پہن لی تو اب اس صورت میں اس پر دو کفارے لازم ہوں گے۔

ضرورت ختم ہونے کے بعد بھی لباس پہنے رہنا

اگر محرم کو یہ یقین ہوگیا کہ اب لباس کی ضرورت باقی نہیں رہی لیکن اس کے باوجود وہ پہنے ہوئے رہا، خواہ ایک دن کامل پہنا یا دوسرے دن بھی پہنا تو اس صورت میں وہ دوسرا کفارہ ادا کرے گا، البتہ اگر حاجت کے پورا ہونے میں شبہ ہو تو پھر ایک ہی کفارہ واجب ہوگا۔

چوتھائی سر یا چوتھائی چہرے کا ڈھکنا پورے سر اور پورے چہرے کے ڈھکنے کے حکم میں ہے، حضرت امام ابوحنیفہؒ سے مشہور روایت یہی منقول ہے اور یہی قول صحیح ہے، جیسا کہ بہت سے علماء نے کہا ہے۔

اور دونوں کانوں کو ڈھکنا اور گدی کو ڈھکنا اور ناک پر کپڑا رکھے بغیر ہاتھ رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، یعنی اس صورت میں دم وغیرہ کچھ واجب نہیں ہوگا۔

(أَوْ حَلَقَ) أَيْ أَزَالَ (رُبْعَ رَأْسِهِ) أَوْ رُبْعَ لِحْيَتِهِ (أَوْ) حَلَقَ (مَحَاجِمَهُ) يَعْنِي وَاحْتَجَمَ وَإِلَّا فَصَدَقَةٌ

كَمَا فِي الْبَحْرِ عَنِ الْفَتْحِ (أَوْ) حَلَقَ (إِحْدَى إِبْطَيْهِ أَوْ عَانَتَهُ أَوْ رَقَبَتَهُ) كُلَّهَا (أَوْ قَصَّ أَظْفَارَ يَدَيْهِ أَوْ رِجْلَيْهِ) أَوِ الْكُلَّ (فِي مَجْلِسٍ وَاحِدٍ) فَلَوْ تَعَدَّدَ الْمَجْلِسُ تَعَدَّدَ الدَّمُ إِلَّا إِذَا اتَّحَدَ الْمَحَلُّ كَحَلْقِ إِبْطَيْهِ فِي مَجْلِسَيْنِ أَوْ رَأْسِهِ فِي أَرْبَعَةٍ (أَوْ يَدٍ أَوْ رِجْلٍ) إِذِ الرُّبْعُ كَالْكُلِّ (أَوْ طَافَ لِلْقُدُومِ) لِوُجُوبِهِ بِالشُّرُوعِ (أَوْ لِلصَّدْرِ جُنُبًا) أَوْ حَائِضًا (أَوْ لِلْفَرْضِ مُحْدِثًا وَلَوْ جُنُبًا فَبَدَنَةٌ إِنْ) لَمْ يُعِدْهُ وَالْأَصَحُّ وُجُوبُهَا فِي الْجَنَابَةِ وَنَدْبُهَا فِي الْحَدَثِ، وَأَنَّ الْمُعْتَبَرَ الْأَوَّلُ وَالثَّانِي جَابِرٌ لَهُ، فَلَا تَجِبُ إِعَادَةُ السَّعْيِ جَوْهَرَةٌ وَفِي الْفَتْحِ: لَوْ طَافَ لِلْعُمْرَةِ جُنُبًا أَوْ مُحْدِثًا فَعَلَيْهِ دَمٌ، وَكَذَا لَوْ تَرَكَ مِنْ طَوَافِهَا شَوْطًا لِأَنَّهُ لَا مَدْخَلَ لِلصَّدَقَةِ فِي الْعُمْرَةِ (أَوْ أَفَاضَ مِنْ عَرَفَةَ) وَلَوْ بِنَدِّ بَعِيرِهِ (قَبْلَ الْإِمَامِ) وَالْغُرُوبِ، وَيَسْقُطُ الدَّمُ بِالْعَوْدِ وَلَوْ بَعْدَهُ فِي الْأَصَحِّ غَايَةٌ (أَوْ تَرَكَ أَقَلَّ سَبْعِ الْفَرْضِ) يَعْنِي وَلَمْ يَطُفْ غَيْرَهُ، حَتَّى لَوْ طَافَ لِلصَّدْرِ انْتَقَلَ إِلَى الْفَرْضِ مَا يُكْمِلُهُ، ثُمَّ إِنْ بَقِيَ أَقَلُّ الصَّدْرِ فَصَدَقَةٌ وَإِلَّا فَدَمٌ

دم اور صدقہ کب واجب ہوتا ہے؟

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اگر محرم نے حالتِ احرام میں اپنے سر یا اپنی داڑھی کا چوتھائی حصہ مونڈے یا اپنے سر کے پیچھے اس جگہ کو مونڈے جہاں پچھنے لگاتے ہیں تو اس پر دم واجب ہوگا۔ اور اگر دونوں فعل جمع نہیں کیا بلکہ صرف مونڈا اور پچھنا نہ لگایا، یا صرف پچھنا لگایا مونڈا نہیں تو اس صورت میں صدقہ واجب ہوگا، دم نہیں، جیسا کہ صاحب البحر الرائق نے فتح القدیر کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

اور اگر کسی محرم نے اپنی ایک بغل کا بال پورا مونڈا، یا اپنے زیر ناف کے بال مونڈے، یا پوری گردن کے بال مونڈے یا دونوں ہاتھوں کے ناخن کاٹے، یا دونوں پاؤں کے ناخن کاٹے، یا دونوں پیروں اور دونوں ہاتھوں کے ناخن کاٹے اور سارا کام ایک مجلس میں کیا تو اس صورت میں صرف ایک دم واجب ہوگا، پس اگر مجلس متعدد ہوگئی تو دم بھی متعدد واجب ہوں گے۔ مثال کے طور پر محرم نے ایک مجلس میں ایک ہاتھ کے ناخن کاٹے اور دوسری مجلس میں دوسرے ہاتھ کے ناخن کاٹے اور تیسری مجلس میں ایک پاؤں کے ناخن کاٹے اور چوتھی مجلس میں دوسرے پاؤں کے ناخن کاٹے تو اس صورت میں چار دم واجب ہوں گے اور چار بکریاں ذبح کرنی پڑے گی، لیکن اگر محل ایک ہو تو مجلس کے بدلنے کا اثر نہیں ہوگا، بلکہ ایک ہی دم دینا کافی ہوجائے گا، مثال کے طور پر محرم نے اپنی ایک بغل کو دو مجلسوں میں مونڈا، یا اپنے سر کے بال چار مجلسوں میں مونڈا تو اس صورت میں ایک ہی دم واجب ہوگا، اس لیے کہ محلِ جنایت ایک ہی ہے۔

ایک چوتھائی میں وجوبِ دم کا حکم

یا محرم نے ایک ہاتھ کے ناخن کاٹے، یا ایک پیر کے ناخن کاٹے تو ایک ہی دَم لازم ہوگا، اس لیے کہ چوتھائی کل کے درجہ میں ہوتا ہے، کل میں دو ہاتھ اور دو پاؤں ہوئے، اور دونوں پاؤں مل کر چار ہوئے، ان چاروں میں صرف ایک دَم واجب تھا، لہٰذا ایک ہاتھ اور ایک پاؤں کے ناخن کاٹنے سے بھی ایک ہی دَم واجب ہوگا، اس لیے کہ ایک ہاتھ بھی کل ایک چوتھائی ہے، جیسا کہ اہل علم پر پوشیدہ نہیں ہے۔

حالتِ جنابت یا بے وضو طواف کرنے کا حکم

اگر محرم نے طوافِ قدوم - جو شروع کرنے کے بعد واجب ہو جاتا ہے - کو یا طوافِ صدر کو حالتِ جنابت یا بحالتِ حیض عورت نے طواف کیا، تو اس صورت میں دَم واجب ہوگا، یا طوافِ زیارت - جو حج میں فرض ہے - اس کو بے وضو کیا تو اس میں بھی دَم واجب ہوگا۔ اور اگر کسی نے طوافِ زیارت کو حالتِ جنابت میں ادا کیا تو اس پر بدنہ واجب ہوگا، یعنی دَم میں اونٹ یا گائے ذبح کرنا واجب ہوگا، بشرطیکہ اس کو دوبارہ نہ کیا ہو، لیکن اگر اس نے اس طواف کو دوبارہ پاکی کی حالت اور وضو میں کیا تو اب اس پر کچھ بھی واجب نہیں ہے، نہ ذبح کرنا واجب ہے اور نہ صدقہ کرنا، اور اس باب میں زیادہ صحیح قول یہی ہے کہ جو طواف حالتِ جنابت میں کیا گیا اس کا لوٹانا واجب ہے اور جو طواف بے وضو ہونے کی حالت میں کیا گیا اس کا اعادہ کرنا مستحب ہے۔ اور اعادہ کی صورت میں معتبر پہلا طواف ہے اور دوسرا طواف پہلے طواف کے نقصان کے تلافی کے طور پر ہے، لہٰذا جب طوافِ اوّل صحیح ہوا تو سعی بین الصفا والمروہ کا لوٹانا طوافِ ثانی میں واجب نہیں ہوگا، جیسا کہ الجوہرۃ النیرۃ میں ہے۔

عمرہ کی جنایت کا حکم

ہدایہ کی شرح فتح القدیر میں ہے کہ اگر عمرہ کرنے والے نے عمرہ کا طواف جنابت کی حالت میں، یا حالت حدث میں کیا تو اس صورت میں اس پر شرعی اعتبار سے ایک دَم لازم ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص عمرہ کا طواف کرتے ہوئے کوئی ایک چکر چھوڑ دے تب بھی دَم لازم ہوگا، اس لیے کہ عمرہ کی جنایت میں صدقہ کا دخل نہیں ہے۔

میدانِ عرفات سے امام سے پہلے روانہ ہونے کا حکم

یا محرم میدانِ عرفات سے امام کے آنے سے پہلے چلا آیا، یا سورج کے غروب ہونے سے پہلے، اگرچہ میدانِ عرفات سے آنا اونٹ کے بھاگ جانے ہی کی وجہ سے کیوں نہ ہو، تو بھی شرعی اعتبار سے دَم لازم ہوگا، لیکن اگر وہ دوبارہ عرفات لوٹ کر چلا گیا، اگرچہ غروبِ آفتاب کے بعد واپس آیا ہو، صحیح قول کے مطابق اس سے دَم ساقط ہو جائے گا۔

طوافِ فرض میں شوط چھوڑنے کی وجہ سے وجوبِ دم کا حکم

یا کسی نے طوافِ فرض کے سات چکروں میں سے کم تر کو چھوڑ دیا جیسے کسی نے طوافِ زیارت کے تین چکر چھوڑ دیا، یا اس سے کم چھوڑ دیا اور اس کے علاوہ اُس نے اور کوئی طواف نہیں کیا ہے تو اس صورت میں اس پر دم واجب ہوگا، یہاں تک کہ اگر کسی نے طوافِ صدر کیا ہے اور سات چکر لگایا ہے تو اس طوافِ صدر کے اس قدر چکر کو طوافِ زیارت کی طرف منتقل کر دیں گے جتنے میں طوافِ زیارت پورے ہو جائیں، پھر اس کے بعد اس کے ذمہ طوافِ صدر کے کم سے کم چکر رہے تو صدقہ واجب ہوگا اور اگر زیادہ چکر باقی رہا تو دَم لازم ہوگا۔ مثال کے طور پر طوافِ زیارت کے تین چکر باقی تھے اور طوافِ صدر کے پورے سات چکر کر چکا تھا تو اس صورت میں طوافِ صدر کے تین چکر طوافِ زیارت کی جانب منتقل ہو جائیں گے، تاکہ اس کی تکمیل ہو جائے، اب اس کے صرف چار چکر باقی رہ گئے اور تین چکر کی کمی رہی ہے اور یہ تین اقل طواف ہے تو اس پر صدقہ واجب ہوگا اور اگر اس کے برعکس ہوگا تو دَم لازم ہوگا۔

(وَبِتَرْكِ أَكْثَرِهِ بَقِيَ مُحْرِمًا) أَبَدًا فِي حَقِّ النِّسَاءِ (حَتَّى يَطُوفَ) فَكُلَّمَا جَامَعَ لَزِمَهُ دَمٌ إِذَا تَعَدَّدَ الْمَجْلِسُ إِلَّا أَنْ يَقْصِدَ الرَّفْضَ فَتُحَ (أَوْ تَرَكَ (طَوَافَ الصَّدْرِ أَوْ أَرْبَعَةً مِنْهُ) وَلَا يَتَحَقَّقُ التَّرْكُ إِلَّا بِالْخُرُوجِ مِنْ مَكَّةَ (أَوْ تَرَكَ (السَّعْيَ) أَوْ أَكْثَرَهُ أَوْ رَكِبَ فِيهِ بِلَا عُذْرٍ (أَوْ الْوُقُوفَ بِجَمْعٍ) يَعْنِي مُزْدَلِفَةَ أَوْ الرَّمْيَ كُلَّهُ، أَوْ فِي يَوْمٍ وَاحِدٍ، أَوْ الرَّمْيَ الْأَوَّلَ، وَأَكْثَرَهُ: أَيْ أَكْثَرَ رَمْيِ يَوْمٍ (أَوْ حَلَقَ فِي حِلٍّ بِحَجٍّ) فِي أَيَّامِ النَّحْرِ، فَلَوْ بَعْدَهَا فَدَمَانِ (أَوْ عُمْرَةٍ) لِاخْتِصَاصِ الْحَلْقِ بِالْحَرَمِ (لَا) دَمَ (فِي مُعْتَمِرٍ) خَرَجَ (ثُمَّ رَجَعَ مِنْ حِلٍّ) إِلَى الْحَرَمِ (ثُمَّ قَصَّرَ) وَكَذَا الْحَاجُّ إِنْ رَجَعَ فِي أَيَّامِ النَّحْرِ وَإِلَّا فَدَمٌ لِلتَّأْخِيرِ (أَوْ قَبَّلَ) عَطْفٌ عَلَى حَلَقَ (أَوْ لَمَسَ بِشَهْوَةٍ أَنْزَلَ أَوْ لَا) فِي الْأَصَحِّ أَوْ اسْتَمْنَى بِكَفِّهِ أَوْ جَامَعَ بَهِيمَةً وَأَنْزَلَ (أَوْ أَخَّرَ) الْحَاجُّ (الْحَلْقَ أَوْ طَوَافَ الْفَرْضِ عَنْ أَيَّامِ النَّحْرِ) لِتَوَقُّتِهِمَا بِهَا

طوافِ زیارت میں شوط چھوڑنے کی وجہ سے وجوبِ دَم کا حکم

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ طوافِ زیارت میں اکثر شوط (چکر) چھوڑنے کی وجہ سے عورتوں کے حق میں اس وقت تک حالتِ احرام ہی میں رہے گا جب تک کہ اس کو ادا نہ کرلے، لہٰذا وہ جتنی مرتبہ جماع کرے گا اتنا ہی دَم لازم ہوگا بشرطیکہ جماع کی مجلس متعدد ہوں، ہاں اگر دوسرے جماع سے اس کا ارادہ حج چھوڑنے کا ہو تو اس پر ایک ہی دَم لازم ہوگا، جیسا کہ فتح القدیر میں ہے۔

یا محرم نے طواف صدر ہی کو چھوڑ دیا، یا طواف صدر کے چار شوط (چکر) کو چھوڑ دیا اور یہ چھوڑنا اس وقت ثابت ہوگا جب وہ مکہ مکرمہ سے نکل جائے، اس لیے کہ اس طواف کا کوئی وقت شریعت کی جانب سے مقرر نہیں ہے، اسی طرح اگر محرم نے سعی کو بالکلیہ چھوڑ دیا یا اس کے اکثر پھیرے کو چھوڑ دیا، یا بلا کسی عذر شرعی کے سواری پر سوار ہو کر سعی کرے تو ان تمام صورتوں میں اس پر دَم لازم ہوگا۔

وقوفِ مزدلفہ کے ترک سے وجوبِ دَم کا حکم

یا حاجی نے وقوف مزدلفہ چھوڑ دیا، یا تمام جمرات کی رمی کو چھوڑ دیا، یا ایک دن کی رمی کو یا پہلے دن کی رمی کو چھوڑ دیا، یا ایک دن کے اکثر رمی کو چھوڑ دیا، تو ان تمام صورتوں میں ایک دَم لازم ہوگا۔ اکثر رمی چھوڑنے کا مطلب یہ ہے کہ حاجی چار کنکری یا اس سے زائد کو چھوڑ دے قربانی کے دن، تو اس پر دَم واجب ہوگا۔

حاجی کے لیے حل کے اندر حلق کرانے کی وجہ سے دَم

یا حج کے احرام باندھنے والے نے قربانی کے دن حل میں جا کر سر منڈوایا تو اس صورت میں ایک دَم واجب ہوگا، لیکن اگر اس نے قربانی کے دنوں کے بعد حلق کروایا تو دو دم واجب ہوگا، یا عمرہ کے احرام باندھنے والے نے حل میں جا کر حلق کروایا تو اس پر بھی ایک دَم واجب ہوگا، اس لیے کہ حلق کروانا حرم کے اندر مخصوص ہے، اور اس عمرہ کرنے والے پر دَم واجب نہیں ہے جو حدودِ حرم سے باہر ہو گیا ہو، پھر حل سے لوٹ کر حرم آیا ہو اور بال کٹوایا ہو، اسی طرح اس حاجی کا بھی یہی حکم ہے جو ایام نحر ہی میں حرم کے اندر واپس آ گیا ہو، یعنی اس حاجی پر دَم واجب نہیں ہے، لیکن اگر وہ ایام نحر کے گذرنے کے بعد حرم آیا اور بال کٹوایا تو اس پر دَم واجب ہے اور یہ دم تاخیر کرنے کی وجہ سے واجب ہے۔

بوسہ لینے اور شہوت کے ساتھ چھونے کی وجہ سے وجوبِ دَم کا حکم

یا محرم نے حالتِ احرام میں عورت کا بوسہ لے لیا، یا شہوت کے ساتھ چھو لیا تو اصح قول کے مطابق اس پر دَم واجب ہے، خواہ انزال ہوا ہو یا نہ ہو، بہر دو صورت دَم واجب ہے۔ اسی طرح اگر محرم نے ہاتھ سے رگڑ کر عضو تناسل سے منی خارج کیا، یا کسی چوپایہ سے جماع کیا اور انزال ہو گیا تو دَم واجب ہو جائے گا اور اگر چوپائے سے وطی کرنے میں انزال نہ ہوا ہو تو اس صورت میں دَم واجب نہیں ہوگا۔

یا حاجی نے ایام نحر کے بعد حلق کروایا، یا ایام نحر کے بعد طواف زیارت کیا تو ان صورتوں میں بھی دَم واجب ہوگا، کیونکہ ان دونوں کا وقت ایام نحر کے ساتھ مخصوص اور متعین ہے، لہٰذا تاخیر کی وجہ سے دَم واجب ہوگا۔ (اور یہاں "حاجی" کی قید اس لیے لگائی گئی ہے کہ عمرہ کرنے والے کا حلق کرانا وقت کے ساتھ مقید نہیں ہوتا ہے، اسی طرح عمرہ کرنے والے کا طواف بھی وقت کے ساتھ مقید نہیں ہوتا ہے، لہٰذا اس کے تاخیر کی وجہ سے کوئی بھی چیز واجب نہ ہوگی۔ (شامی: ۳/ ۵۸۷)

(أَوْ قَدَّمَ نُسُكًا عَلَى آخَرَ) فَيَجِبُ فِي يَوْمِ النَّحْرِ أَرْبَعَةُ أَشْيَاءَ: الرَّمْيُ، ثُمَّ الذَّبْحُ لِغَيْرِ الْمُفْرِدِ، ثُمَّ الْحَلْقُ ثُمَّ الطَّوَافُ، لَكِنْ لَا شَيْءَ عَلَى مَنْ طَافَ قَبْلَ الرَّمْيِ وَالْحَلْقِ؛ نَعَمْ يُكْرَهُ لُبَابٌ وَقَدْ تَقَدَّمَ، كَمَا لَا شَيْءَ عَلَى الْمُفْرِدِ إِلَّا إِذَا حَلَقَ قَبْلَ الرَّمْيِ لِأَنَّ ذَبْحَهُ لَا يَجِبُ (وَيَجِبُ دَمَانِ عَلَى قَارِنٍ حَلَقَ قَبْلَ ذَبْحِهِ) دَمٌ لِلتَّأْخِيرِ، وَدَمٌ لِلْقِرَانِ عَلَى الْمَذْهَبِ كَمَا حَرَّرَهُ الْمُصَنِّفُ قَالَ: وَبِهِ انْدَفَعَ مَا تَوَهَّمَهُ بَعْضُهُمْ مِنْ جَعْلِ الدَّمَيْنِ لِلْجِنَايَةِ (وَإِنْ طَيَّبَ) جَوَابُهُ قَوْلُهُ الْآتِي تَصَدَّقَ (أَقَلَّ مِنْ عُضْوٍ وَسَتَرَ رَأْسَهُ أَوْ لَبِسَ أَقَلَّ مِنْ يَوْمٍ) فِي الْخِزَانَةِ فِي السَّاعَةِ نِصْفُ صَاعٍ، وَفِيمَا دُونَهَا قَبْضَةٌ، وَظَاهِرُهُ أَنَّ السَّاعَةَ فَلَكِيَّةٌ (أَوْ حَلَقَ) شَارِبَهُ أَوْ (أَقَلَّ مِنْ رُبْعِ رَأْسِهِ) أَوْ لِحْيَتِهِ أَوْ بَعْضَ رَقَبَتِهِ (أَوْ قَصَّ أَقَلَّ مِنْ خَمْسَةِ أَظَافِيرِهِ أَوْ خَمْسَةٍ) إِلَى سِتَّةَ عَشَرَ (مُتَفَرِّقَةٍ) مِنْ كُلِّ عُضْوٍ أَرْبَعَةً، وَقَدْ اسْتَقَرَّ أَنَّ لِكُلِّ ظُفْرٍ نِصْفَ صَاعٍ إِلَّا أَنْ يَبْلُغَ دَمًا فَيُنْقِصُ مَا شَاءَ

افعالِ حج میں تقدیم وتاخیر کی وجہ سے وجوبِ دَم کا حکم

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ یا حاجی نے افعالِ حج کو ایک دوسرے پر مقدم و مؤخر کر دیا، مثال کے طور پر قربانی کے دن حاجی پر چار افعال واجب ہیں، اور اُن میں ترتیب فرض ہے: (۱) جمرۂ عقبہ کی رمی (۲) قربانی کرنا، بشرطیکہ وہ قارن یا متمتع ہو (۳) اس کے بعد سر مونڈوانا۔ (۴) پھر اس کے بعد طوافِ زیارت نہ کرنا۔ ان افعال میں تقدیم وتاخیر کرنے کی وجہ سے حضرت امامِ اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک دَم واجب ہوتا ہے، لیکن اس شخص پر دم واجب نہیں ہے جو رمی اور حلق سے پہلے طواف کرلے، لیکن اس طرح کرنا مکروہ ضرور ہے، جیسا کہ شرح اللباب میں ہے، جیسا کہ گذر چکا ہے، جس طرح کہ مفرد بالحج پر کوئی شئی واجب نہیں ہوتی ہے، ہاں اگر مفرد بالحج رمی کرنے سے پہلے حلق کروالے تو اس صورت میں دَم واجب ہوگا، اس لیے کہ اس پر قربانی واجب نہیں ہے، یہاں تک حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے صرف ان صورتوں کو بیان کیا جن میں صرف ایک دم واجب ہوتا ہے۔ اب آگے ان صورتوں کو بیان کر رہے ہیں جن میں دو دَم واجب ہوتے ہیں۔

قارن قربانی سے پہلے حلق کرالے تو کیا حکم ہے؟

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس قارن پر دو دم واجب ہیں جس نے قربانی کرنے سے پہلے سر کے بال مونڈوالیا ہے، ایک دَم تو جنایت تاخیر کا اور دوسرا دَم قِران کا، اس بارے میں صحیح مذہب یہی ہے، جیسا کہ مصنف علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ اسی کے ذریعہ وہ اشکال بھی دور ہوگیا جو بعض اہل علم کو اس سے پیدا ہوا تھا کہ جنایت کے واسطے دو دَم کس طرح واجب کر دیا گیا ہے؟ تو یہاں سمجھ میں آگیا ہے کہ ایک دَم، دمِ تاخیر ہے اور دوسرا دم قران کا ہے جس کو ''دمِ شکر'' بھی کہتے ہیں،

لہٰذا اس مسئلہ کو خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے اور محفوظ کر لینا چاہئے۔

حالتِ احرام میں خوشبو لگانا

اگر کسی محرم نے حالتِ احرام میں ایک عضوِ کامل سے کم میں خوشبو لگائی، یا اپنے سر کو چھپالیا، یا سلا ہوا کپڑا ایک دن سے کم استعمال کیا، تو اس صورت میں اس کو نصف صاع کے بقدر صدقہ دینا ہوگا۔ اور خزانۃ الفتاویٰ میں ہے کہ اگر ایک گھنٹہ سلا ہوا کپڑا پہنا تو نصف صاع صدقہ دینا ہوگا۔ اور اگر ایک گھنٹہ سے کم پہنا تو صرف ایک مٹھی صدقہ کرنا ہوگا۔ اور ظاہر یہ ہے کہ یہاں ساعت سے مراد ساعتِ فلکیہ ہے۔

حالتِ احرام میں مونچھ، یا سر، یا داڑھی مونڈانا

یا محرم نے حالتِ احرام میں اپنی مونچھ مونڈوائی، یا چوتھائی سر سے کم سر کے بال منڈوائے یا داڑھی مونڈوائی، یا اپنی گردن کے بعض حصہ کے بال کو مونڈوایا، یا اپنے پانچ ناخنوں سے کم کاٹے، یا پانچ ناخن سے لے کر سولہ ناخن تک متفرق طور پر ہر عضو سے چار چار کٹوائے۔ اور یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ ہر ناخن کے بدلہ میں نصف صاع صدقہ دینا ہے، اس حساب سے سولہ ناخن کے آٹھ صاع صدقہ دینے ہوں گے، ہاں اگر صدقہ کی قیمت ایک دَم کے برابر پہنچ جائے تو جس قدر چاہے کم کرلے اس کو اختیار ہے۔

مسئلہ: جس نے حالتِ احرام میں سولہ ناخن کاٹے اور ہر عضو سے چار چار ناخن کاٹے تو اس صورت میں ہر ناخن کے بدلہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلانا واجب ہے، ہاں اگر اس کی قیمت ایک دَم کے برابر پہنچ جائے تو جس قدر چاہے کم کرلے۔
(شامی: ۵۸۹/۳)

(أَوْ طَافَ لِلْقُدُومِ أَوْ لِلصَّدْرِ مُحْدِثًا وَتَرَكَ ثَلَاثَةً مِنْ سَبْعِ الصَّدْرِ) وَيَجِبُ لِكُلِّ شَوْطٍ مِنْهُ وَمِنْ السَّعْيِ نِصْفُ صَاعٍ (أَوْ إِحْدَى الْجِمَارِ الثَّلَاثِ) وَيَجِبُ لِكُلِّ حَصَاةٍ صَدَقَةٌ إِلَّا أَنْ يَبْلُغَ دَمًا فَكَمَا مَرَّ وَأَفَادَ الْحَدَّادِيُّ أَنَّهُ يُنْقِصُ نِصْفَ صَاعٍ (أَوْ حَلَقَ رَأْسَ) مُحْرِمٍ أَوْ حَلَالٍ (غَيْرَهُ) أَوْ رَقَبَتَهُ أَوْ قَلَّمَ ظُفْرَهُ، بِخِلَافِ مَا لَوْ طَيَّبَ عُضْوَ غَيْرِهِ أَوْ أَلْبَسَهُ مَخِيطًا فَإِنَّهُ لَا شَيْءَ عَلَيْهِ إِجْمَاعًا ظَهِيرِيَّةٌ (تَصَدَّقَ بِنِصْفِ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ) كَالْفِطْرَةِ (وَإِنْ طَيَّبَ أَوْ حَلَقَ) أَوْ لَبِسَ (بِعُذْرٍ) خُيِّرَ إِنْ شَاءَ (ذَبَحَ) فِي الْحَرَمِ (أَوْ تَصَدَّقَ بِثَلَاثَةِ أَصْوُعِ طَعَامٍ عَلَى سِتَّةِ مَسَاكِينَ) أَيْنَ شَاءَ (أَوْ صَامَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ) وَلَوْ مُتَفَرِّقَةً (وَوَطْؤُهُ فِي إِحْدَى السَّبِيلَيْنِ) مِنْ آدَمِيٍّ (وَلَوْ نَاسِيًا) أَوْ مُكْرَهًا أَوْ نَائِمَةً أَوْ صَبِيًّا أَوْ مَجْنُونًا ذَكَرَهُ الْحَدَّادِيُّ، لَكِنْ لَا دَمَ وَلَا قَضَاءَ عَلَيْهِ (قَبْلَ وُقُوفِ فَرْضٍ يُفْسِدُ

حَجُّهُ) وَكَذَا لَوِ اسْتَدْخَلَتْ ذَكَرَ حِمَارٍ أَوْ ذَكَرًا مَقْطُوعًا فَسَدَ حَجُّهَا إِجْمَاعًا (وَيَمْضِي) وُجُوبًا فِي فَاسِدِهِ كَجَائِزِهِ (وَيَذْبَحُ وَيَقْضِي) وَلَوْ نَفْلًا، وَلَوْ أَفْسَدَ الْقَضَاءَ هَلْ يَجِبُ قَضَاؤُهُ؟ لَمْ أَرَهُ، وَالَّذِي يَظْهَرُ أَنَّ الْمُرَادَ بِالْقَضَاءِ الْإِعَادَةُ (وَلَمْ يَتَفَرَّقَا) وُجُوبًا بَلْ نَدْبًا إِنْ خَافَ الْوِقَاعَ

طوافِ قدوم یا طوافِ صدر کو بے وضو کرنا

یا محرم نے طوافِ قدوم، یا طوافِ صدر کو بغیر وضو کے ادا کیا، یا طوافِ صدر کے سات چکروں میں سے تین چکر کو چھوڑ دیا، یا جمرات ثلاثہ میں سے کسی جمرہ کی رمی چھوڑ دی، تو اس کو نصف صاع صدقہ دینا ہوگا، اس لیے کہ طواف کے ہر چکر کے بدلہ میں اور سعی کے ہر پھیرے کے بدلہ میں نیز ہر کنکری کے ترک سے نصف صاع صدقہ واجب ہے، مگر جب وہ ایک بکری کی قیمت کے برابر پہنچ جائے تو جس قدر چاہے اس میں سے کم کرے، جیسا کہ اس سے پہلے بھی گذرا ہے، اور حدادی نے کہا کہ نصف صاع کم کرے۔

محرم کا دوسرے کا بال مونڈنا

یا محرم حالتِ احرام میں کسی غیر کے سر کا بال مونڈے، خواہ وہ محرم ہو یا غیر محرم ہو، یا کسی غیر کی گردن کا بال مونڈے یا اس کے ناخن کاٹے، تو ان صورتوں میں نصف صاع گیہوں کا صدقہ کرنا ہوگا۔ اس کے برخلاف اگر محرم نے کسی غیر کے عضو میں خوشبو لگادی، یا اس کو سلا ہوا کپڑا پہنادیا تو بالاتفاق اس پر کچھ بھی واجب نہیں ہے، جیسا کہ فتاویٰ ظہیریہ میں ہے۔ اور یہ گندم کا نصف صاع صدقہ فطر کی طرح نکالا جائے گا۔

(یہاں تصدق بنصف صاع من برّ کا پورا جملہ إن طیب الخ کا جواب ہے)۔

صدقہ، روزہ اور دَم میں اختیار

اگر محرم نے حالتِ احرام میں خوشبو لگائی، یا بال مونڈا، یا سلا ہوا کپڑا کسی عذر کی وجہ سے پہنا تو اس کو اختیار دیا جائے گا، اگر چاہے تو وہ حرم میں ایک بکری ذبح کرے، یا تین صاع گیہوں چھ مسکینوں کے درمیان تقسیم کردے، جہاں بھی چاہے، یا حرم یا غیر حرم میں متفرق طور پر تین روزے رکھے۔ (حالتِ احرام کے تمام محظورات اگر کسی عذر کی وجہ سے ہوں تو اس میں اختیار ہے جیسا کہ محیط میں ہے۔ اور اگر حج کے واجبات میں سے کوئی واجب عذر کی وجہ سے چھوٹ جائے تو کچھ بھی واجب نہیں ہے، جیسا کہ باب کے شروع میں شرح اللباب کے حوالہ سے گذرا ہے۔ اور اعذار کے متعلق طحطاوی کا بیان ہے کہ ہلاکت کا خوف ہو، جیسے کہ سخت سردی ہو، یا کوئی ایسی بیماری ہو، یا جنگ کی وجہ سے ہتھیار لگانا پڑے، لیکن جتنی ضرورت ہے اتنی ہی استعمال کرسکتا ہے، مثلاً ٹوپی سے کام چل جائے تو عمامہ نہیں باندھ سکتا۔ (شامی: ۳/۵۹۱)

سبیلین میں سے کسی میں بھی جماع کرنے سے حج فاسد ہو جاتا ہے

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اگر محرم نے وقوف عرفہ سے پہلے پہلے کسی آدمی کے دونوں راستوں میں سے کسی بھی راستہ میں وطی کرلیا، خواہ یہ وطی کرنا بھول کر ہو، یا زبردستی ہو، یا سونے کی حالت میں ہو، یا کسی جاگتی ہوئی عورت سے کیا، خواہ محرم بچہ ہو یا پاگل بہر صورت اس کا حج فاسد ہو جائے گا۔ اور شیخ حدادیؒ نے ذکر کیا ہے کہ نابالغ اور پاگل محرم کے جماع کرنے کی وجہ سے نہ دَم واجب ہوگا اور نہ ہی حج کی قضاء۔ (شامی میں ہے کہ آدمی کے ساتھ وطی کرنے سے بہر صورت حج فاسد ہو جائے گا، خواہ اس وطی سے انزال ہوا ہو، خواہ نہ ہوا ہو، اور جانور کے ساتھ وطی کرنے سے حج فاسد نہیں ہوگا، اسی طرح مرد اور صغیرہ جو غیر مشتہاۃ ہو اس کے ساتھ وطی کرنے سے حج فاسد نہ ہوگا، جیسا کہ رملی نے بیان کیا ہے)۔ (شامی: ۳/ ۵۹۲)

محرمہ نے اپنی شرمگاہ میں کسی جانور کا عضو تناسل داخل کیا تو کیا حکم ہے؟

اسی طرح اگر کسی محرمہ عورت نے حالتِ احرام میں کسی جانور کا عضو تناسل اپنی شرمگاہ میں داخل کرلیا، مثلاً گدھے کی شرمگاہ کو اپنی شرمگاہ میں داخل کرلیا، یا کٹے ہوئے عضو تناسل کو داخل کرلیا تو اس صورت میں بالاتفاق اس عورت کا حج فاسد ہو جائے گا، لیکن اس پر واجب ہے کہ وہ اپنے اس فاسد شدہ حج کو اسی طرح ادا کرے جس طرح جائز حج کو پورا کیا جاتا ہے۔ (اور یہ سمجھ کر کہ اب تو حج فاسد ہو گیا ہے افعالِ حج کی ادائیگی کو ترک نہ کرے، بلکہ جس قدر بھی افعالِ حج باقی رہ گئے ہوں پورا کرے)۔ پھر قربانی کرے اور آئندہ سال اس حج کی قضاء کرے، اگرچہ یہ فاسد ہونے والا حج، حج نفل ہی کیوں نہ ہو۔ (دارقطنی میں ایک روایت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ جماع سے حج باطل ہو جاتا ہے۔ سائل نے سوال کیا کہ جب حج باطل ہو جاتا ہے تو پھر افعالِ حج ترک کردیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نہیں، بلکہ لوگوں کے ساتھ جائے اور جو افعال لوگ ادا کرتے ہیں وہ بھی ادا کرے اور آئندہ سال اس کی قضاء کرے اور ساتھ میں قربانی کا جانور لائے)۔

ایک سوال اور اس کا جواب

ایک شخص آئندہ سال اس فاسد شدہ حج کی قضاء کے لیے نکلا اور اس نے اس کو بھی فاسد کردیا، تو کیا اس کی قضاء شرعی اعتبار سے واجب ہے یا نہیں؟ اس بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

اس سوال کا جواب دیتے ہوئے شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ یہ مسئلہ میں نے کہیں نہیں دیکھا ہے اور یہاں قضاء سے مراد ظاہراً حج کا اعادہ ہے۔ (لہٰذا پوری عمر جب چاہے اس حج کو لوٹا لے)۔

میاں بیوی جن کا حج فاسد ہو گیا ہو ان کا حکم

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جن میاں اور بیوی کا حج فاسد ہو گیا تھا جب آئندہ سال وہ دونوں اس کی قضاء

کے لیے آئیں تو ان کے لیے یہ واجب نہیں ہے کہ میاں اور بیوی دونوں الگ الگ رہیں، ہاں الگ الگ رہنا صرف مستحب ہے بشرطیکہ جماع کر بیٹھنے کا خطرہ ہو۔

(وَ) وَطْؤُهُ (بَعْدَ وُقُوفِهِ لَمْ يَفْسُدْ حَجُّهُ، وَتَجِبُ بَدَنَةٌ، وَبَعْدَ الْحَلْقِ) قَبْلَ الطَّوَافِ (شَاةٌ) لِخِفَّةِ الْجِنَايَةِ (وَ) وَطْؤُهُ (فِي عُمْرَتِهِ قَبْلَ طَوَافِهِ أَرْبَعَةً مُفْسِدٌ لَهَا فَمَضَى وَذَبَحَ وَقَضَى) وُجُوبًا (وَ) وَطْؤُهُ (بَعْدَ أَرْبَعَةٍ ذَبَحَ وَلَمْ يَفْسُدْ) خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ (فَإِنْ قَتَلَ مُحْرِمٌ صَيْدًا) أَيْ حَيَوَانًا بَرِّيًّا مُتَوَحِّشًا بِأَصْلِ خِلْقَتِهِ (أَوْ دَلَّ عَلَيْهِ قَاتِلَهُ) مُصَدِّقًا لَهُ غَيْرَ عَالِمٍ وَاتَّصَلَ الْقَتْلُ بِالدَّلَالَةِ أَوْ الْإِشَارَةِ وَالدَّالُّ وَالْمُشِيرُ بَاقٍ عَلَى إِحْرَامِهِ وَأَخَذَهُ قَبْلَ أَنْ يَنْفَلِتَ عَنْ مَكَانِهِ (بَدْءًا أَوْ عَوْدًا سَهْوًا أَوْ عَمْدًا) مُبَاحًا أَوْ مَمْلُوكًا (فَعَلَيْهِ جَزَاؤُهُ وَلَوْ سَبُعًا غَيْرَ صَائِلٍ) أَوْ مُسْتَأْنَسًا (أَوْ حَمَامًا) وَلَوْ (مُسَرْوَلًا) بِفَتْحِ الْوَاوِ: مَا فِي رِجْلَيْهِ رِيشٌ كَالسَّرَاوِيلِ (أَوْ هُوَ مُضْطَرٌّ إِلَى أَكْلِهِ) كَمَا يَلْزَمُهُ الْقِصَاصُ لَوْ قَتَلَ إِنْسَانًا وَأَكَلَ لَحْمَهُ، وَيُقَدِّمُ الْمَيْتَةَ عَلَى الصَّيْدِ وَالصَّيْدَ عَلَى مَالِ الْغَيْرِ وَلَحْمِ الْإِنْسَانِ، قِيلَ وَالْخِنْزِيرِ، وَلَوِ الْمَيِّتُ نَبِيًّا لَمْ يَحِلَّ بِحَالٍ كَمَا لَا يَأْكُلُ طَعَامَ مُضْطَرٍّ آخَرَ وَفِي الْبَزَّازِيَّةِ: الصَّيْدُ الْمَذْبُوحُ أَوْلَى اتِّفَاقًا أَشْبَاهٌ، وَيَغْرَمُ أَيْضًا مَا أَكَلَهُ لَوْ بَعْدَ الْجَزَاءِ (وَ) الْجَزَاءُ (هُوَ مَا قَوَّمَهُ عَدْلَانِ) وَقِيلَ الْوَاحِدُ وَلَوِ الْقَاتِلَ يَكْفِي (فِي مَقْتَلِهِ أَوْ فِي أَقْرَبِ مَكَانٍ مِنْهُ) إِنْ لَمْ يَكُنْ فِي مَقْتَلِهِ قِيمَةٌ، فَأَوْ لِلتَّوْزِيعِ لَا لِلتَّخْيِيرِ

قیامِ عرفہ کے بعد جماع کرنے کا حکم

اگر محرم نے میدانِ عرفات میں قیام کرنے کے بعد جماع کیا تو اس کا حج فاسد نہ ہوگا۔ (اس لیے کہ حدیث شریف میں ہے کہ جو عرفہ میں وقوف کر لیا اس کا حج پورا ہو گیا)، البتہ اس پر جماع کرنے کی سزا میں ایک بدنہ یعنی اونٹ کی قربانی واجب ہے۔ اور اگر محرم نے حلق کروانے کے بعد اور طوافِ زیارت کرنے سے پہلے جماع کیا تو اس پر ایک بکری کی قربانی لازم ہوگی، کیونکہ اس صورت میں جرم ہلکا ہے، اس لیے کہ حلق کرنے کی وجہ سے تمام محظورات احرام حلال ہو جاتے ہیں سوائے عورت کے، اس سے معلوم ہوا کہ حلق کرنے کے بعد وطی کرنا ہلکا جرم ہے، اس لیے صرف ایک بکری کا ذبح کرنا لازم ہوگا۔

جماع کی وجہ سے عمرہ کا فاسد ہونا

اگر عمرہ کا احرام باندھنے والے شخص نے اپنے عمرہ کے طواف کے چار چکر لگانے سے پہلے جماع کر لیا تو اس سے اس کا عمرہ فاسد ہو جائے گا، لیکن عمرہ کے فاسد ہو جانے کے بعد بھی وہ عمرہ کے افعال ادا کرے گا اور قربانی کرے گا، پھر اس عمرہ کی

قضاء بھی کرے گا، اور جس محرم نے اپنے عمرہ کے طواف کے چار چکر لگانے کے بعد وطی کیا تو اس کا عمرہ فاسد نہ ہوگا، لیکن اس پر ایک بکری ذبح کرنا لازم ہوگا، لیکن اس بارے میں حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ چار چکر لگانے کے بعد بھی وطی کرنے سے عمرہ فاسد ہو جاتا ہے۔

حالتِ احرام میں شکار کرنے کی سزا

اگر محرم حالت احرام میں کسی شکار کو مار ڈالے گا تو اس پر اس کی جزاء واجب ہے۔ شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ لفظ ''صید'' خشکی کے جانور کو کہتے ہیں، جو اپنی اصلی پیدائش کے اعتبار سے وحشی ہوں۔ (اور خشکی کا جانور وہ ہوتا ہے جس کا توالد وتناسل اور نشو ونما خشکی میں ہو، اگر چہ وہ پانی میں رہتا ہو، جیسے پرندہ وغیرہ۔ اور دریائی جانور وہ ہے جس کا توالد وتناسل سب پانی میں ہو اگر چہ وہ خشکی میں رہتا ہو۔ بحری جانور کے شکار کرنے پر جزاء نہیں ہے اور خشکی کے جانور میں وحشی سے مراد وہ جانور ہے جس کو پکڑنا چاہے تو بھاگ کھڑا ہو، خواہ پاؤں سے چل کر بھاگے یا پروں سے اُڑ کر بھاگے، لہٰذا پالتو ہرن ''صید'' میں داخل ہے، گائے، اونٹ، بھینس ''صید'' کے اندر داخل نہیں ہیں، اس لیے کہ اصل خلقت کے اعتبار سے وحشی نہیں ہیں۔ اور اس کے اندر ماکول اللحم اور غیر ماکول اللحم دونوں داخل ہیں)۔

حالتِ احرام میں شکار کرنا یا اس کی طرف رہنمائی کرنا

حالت احرام میں شکار کرنا، یا خود شکار نہ کرے بلکہ شکار کرنے والے کو بتائے کہ شکار فلاں جگہ ہے یہ بھی حرام ہے اور اس کی بھی جزاء واجب ہے، لیکن شکار کی طرف راہنمائی کرنے کی پانچ شرطیں ہیں: (۱) شکار کرنے والا بتانے والے کی تصدیق کرے۔ (۲) شکار کرنے والا شکار کے متعلق پہلے سے جانتا ہو تو محرم کے بتانے سے اس پر جزا واجب نہ ہوگی۔ (۳) شکار کا قتل محرم کے بتانے کے بعد فوراً ہوا ہو۔ (۴) چوتھی شرط یہ ہے کہ بتانے والا اور اشارہ کرنے والا محرم شکار کرنے تک احرام کی حالت میں باقی رہے۔ (۵) پانچویں شرط یہ ہے کہ شکاری شکار کو اپنی جگہ سے بھاگنے سے پہلے پکڑ لے یا مار ڈالے، تو جزا لازم ہوگی۔ دلالت اور اشارہ میں فرق یہ ہے کہ دلالت آگے سے ہوتا ہے اور اشارہ پیچھے سے ہوتا ہے۔

شکار کی جزاء

محرم کے لیے حالت احرام میں شکار کو قتل کرنا یا دلالت کرنا یا شکار کی طرف اشارہ کرنا پہلے حج میں ہوا ہو، یا دوسرے حج میں ہوا ہو (یا شکار کو قتل کرنا، یا اشارہ کرنا پہلی بار واقع ہوا ہو یا دوبارہ) بھول کر ہوا ہو، یا جان بوجھ کر، شکار کا جانور مباح ہر کسی کا مملوک ہو، بہر حال اس کی جزا اس پر واجب ہوگی، اگر چہ وہ جانور جس کا شکار کیا گیا ہے وہ درندہ جانور ہو، جس نے حملہ نہیں کیا، یا مانوس شکار ہو، جیسے پالتو ہرن، یا شکار کبوتر ہو، اگر چہ وہ ایسا کبوتر ہو جس کے پاؤں میں بال ہوتے ہیں۔ مسرولٌ واذ

کے زبر۔ کے ساتھ ہے اس کبوتر کو کہتے ہیں جس کے پاؤں میں پائجامہ کی طرح پر ہوں۔

مجبور محرم کھانے کے لیے شکار کرلے تو کیا حکم ہے؟

اگر محرم بھوک کی شدت کی وجہ سے مجبور ہو کر کھانے کے لیے شکار کرے تو بھی اس پر جزا واجب ہے، جیسا کہ اس محرم پر قصاص لازم ہے جو کسی انسان کو قتل کرے اور حالت اضطرار میں اس کا گوشت کھائے۔ اور حالت اضطرار میں کھانے کی ترتیب یہ ہوگی کہ پہلے مردار کا گوشت کھائے، اگر یہ نہ ملے تو شکار کا گوشت کھائے اور اگر یہ نہ ملے تو غیر کا مال کھائے، یہ بھی نہ ملے تو انسان کا گوشت کھائے۔ اور ایک ضعیف قول یہ ہے کہ اضطرار کی حالت میں سور کا گوشت مقدم ہے دوسری چیزوں کے گوشت پر۔ اور اگر میت کسی نبی کی ہو تو کسی بھی حال میں اس کا کھانا جائز نہیں ہے، جس طرح کہ ایک مضطر کو دوسرے مضطر کا کھانا کھانا جائز نہیں ہے۔ اور فتاویٰ بزازیہ میں لکھا ہے کہ ذبح کئے ہوئے شکار کا کھانا بہر صورت مردار کھانے سے بہتر ہے اور یہ متفق علیہ مسئلہ ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مردار میں حرمت ذاتی اور لعینہ ہے اور شکار میں حرمت عارضی اور لغیرہ ہے اور محرم جو بھی کھائے گا اس کا تاوان ادا کرے گا، اگرچہ جزا واجب ہونے کے بعد کھایا ہو۔

شکار کی جزاء میں کیا چیز واجب ہوگی؟

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ شکار کی جزا وہ ہوگی جو دو عادل مسلمان مقرر کردیں۔ اور اس میں اس جگہ کا اعتبار ہے جہاں شکار مارا گیا ہے، یا اس سے قریب تر جگہ کا اعتبار کر کے قیمت لگا کر جزا واجب کریں گے، جب کہ قتل کی جگہ میں اس کی قیمت ظاہر نہ ہو سکے، جیسے کہ وہ جگہ جنگل ہو یا وہاں خرید و فروخت نہ ہوتی ہو، تو اب اس سے قریب تر جگہ یا بازار کا اعتبار کیا جائے گا۔ اور اس بارے میں ایک ضعیف قول یہ بھی ہے کہ ایک عادل مسلمان کا قیمت مقرر کردینا کافی ہوگا، اگرچہ وہ شکار کرنے والا ہی کیوں نہ ہو۔ (اور ایک عادل مسلمان کا قیمت ٹھہرانا اس لیے ضعیف ہے کہ یہ نص قرآنی کے خلاف ہے۔ قرآن پاک میں صراحت ہے کہ دو عادل شخص شکار کی قیمت متعین کریں، چنانچہ ارشاد ربانی ہے: {لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ وَمَنْ قَتَلَهُ مِنْكُمْ مُتَعَمِّدًا فَجَزَاءٌ مِثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِنْكُمْ هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ أَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسَاكِينَ} ۔(المائدۃ:۹۵)

اے لوگو! جب تم احرام کی حالت میں ہو تو شکار کو قتل مت کرو اور تم میں سے جس شخص نے شکار کو جان بوجھ کر قتل کیا تو اس کا بدلہ مقتول جانور کے مثل ہے، جس کا فیصلہ تم میں سے ہی دو عادل آدمی کریں گے اور کعبہ میں ذبح کریں، یا کفارہ چند مسکینوں کا کھانا کھلانا ہے۔

(وَ) الْجَزَاءُ فِي (سَبُعٍ) أَيْ حَيَوَانٍ لَا يُؤْكَلُ وَلَوْ خِنْزِيرًا أَوْ فِيلًا (لَا يُزَادُ عَلَى) قِيمَةِ (شَاةٍ وَإِنْ

كَانَ) السَّبُعُ (أَكْبَرَ مِنْهَا) لِأَنَّ الْفَسَادَ فِي غَيْرِ الْمَأْكُولِ لَيْسَ إِلَّا بِإِرَاقَةِ الدَّمِ، فَلَا يَجِبُ فِيهِ إِلَّا دَمٌ، وَكَذَا لَوْ قَتَلَ مُعَلَّمًا ضَمِنَهُ لِحَقِّ اللّٰهِ غَيْرَ مُعَلَّمٍ وَلِمَالِكِهِ مُعَلَّمًا (ثُمَّ لَهُ) أَيْ لِلْقَاتِلِ (أَنْ يَشْتَرِيَ بِهِ هَدَايَا وَيَذْبَحَهُ بِمَكَّةَ أَوْ طَعَامًا وَيَتَصَدَّقَ) أَيْنَ شَاءَ (عَلَى كُلِّ مِسْكِينٍ) وَلَوْ ذِمِّيًّا (نِصْفَ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ أَوْ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ أَوْ شَعِيرٍ) كَالْفِطْرَةِ (لَا) يُجْزِئُهُ (أَقَلُّ) أَوْ أَكْثَرُ (مِنْهُ) بَلْ يَكُونُ تَطَوُّعًا (أَوْ صَامَ عَنْ طَعَامِ كُلِّ مِسْكِينٍ يَوْمًا وَإِنْ فَضَلَ عَنْ طَعَامِ مِسْكِينٍ) أَوْ كَانَ الْوَاجِبُ ابْتِدَاءً أَقَلَّ مِنْهُ (تَصَدَّقَ بِهِ أَوْ صَامَ يَوْمًا) بَدَلَهُ

حالت احرام میں غیر ماکول اللحم جانور کے شکار کرنے کا حکم

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ وہ جانور جس کا گوشت شرعی اعتبار سے کھانا جائز نہیں ہے، خواہ وہ درندہ ہو یا کوئی دوسرا جانور، جیسے خنزیر اور ہاتھی وغیرہ، اگر کوئی شخص حالت احرام میں ان جانوروں میں سے کسی کا شکار کرے تو اس کی جزاء بکری کی قیمت سے زیادہ نہیں لگائی جائے گی، اگرچہ وہ جانور جسم وجثہ میں بکری سے بڑا ہی کیوں نہ ہو، اس لیے کہ غیر ماکول اللحم جانور کے شکار میں خون بہانے کے علاوہ کوئی دوسرا فساد نہیں ہے، اس لیے اس میں صرف دَم واجب ہے اور وہ بکری سے ادا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر محرم نے حالت احرام میں کسی سدھائے ہوئے درندہ کو قتل کیا تو وہ اس کا ضامن ہوگا اور حق اللہ یہ ہے کہ غیر معلم کی جزا دے اور اس کے مالک کو تعلیم یافتہ کی قیمت ادا کرے۔

قربانی، صدقہ اور روزہ میں اختیار

جب مقتول شکار کی قیمت دو عادل مسلمان طے کر دیں گے تو اب قاتل کو اختیار ہے کہ اس کی قیمت سے قربانی کا جانور خرید لے اور اس کو مکہ لے جا کر ذبح کرے، یا اس کی قیمت سے غلہ خرید کرلے اور جہاں چاہے مسکینوں میں صدقہ کر دے، ہر مسکین کو نصف صاع گیہوں یا ایک صاع کھجور، یا جو دے، جس طرح کہ صدقۃ الفطر ادا کرتے ہیں اور یہ صدقہ ذمی محتاج کو بھی دینا جائز ہے۔ (لیکن مفتی بہ قول یہ ہے کہ صدقات واجبہ ذمی کو دینا جائز نہیں ہے، بلکہ صرف مسلمان محتاج کو دینا جائز ہے)۔

اور شکار کے قتل کرنے کی وجہ سے جو صدقہ ادا کرے گا وہ متعینہ مقدار سے نہ کم دے نہ زیادہ، البتہ جو زیادہ صدقہ دے گا وہ نفل صدقہ میں شمار ہوگا، یا ہر مسکین کے صدقہ کے عوض ایک ایک دن روزہ رکھے۔ (خلاصہ یہ ہے کہ شکار کرنے والے محرم کو ان تین چیزوں میں سے کسی ایک کے اختیار کا حق ہے: (۱) شکار مقتول کی قیمت لگائے اور اس کی بکری خرید کر مکہ میں لے جا کر ذبح کرے۔ (۲) اس کی قیمت سے گیہوں خریدے اور ہر ہر مسکین کو پونے تین سیر گیہوں تقسیم کر دے۔ (۳) یا جتنے مسکین پر نصف صاع کے حساب سے یہ غلہ تقسیم ہوتا ہے اتنے روزے رکھے)۔

اور اگر ایک مسکین کے کھانے سے غلہ زیادہ ہو جائے، یا ابتداء میں واجب ہی اس سے کم ہوا ہے۔ (جیسے کوئی شخص گوریا چڑیا کو مار دے تو ایک چوتھائی صاع آئے گا، یعنی جتنا ہو مسکین کو دیدے، یا اس کے بدلے ایک دن کا روزہ رکھے)۔

(وَلَا يَجُوزُ أَنْ يُفَرِّقَ نِصْفَ صَاعٍ عَلَى مَسَاكِينَ) قَالَ الْمُصَنِّفُ تَبَعًا لِلْبَحْرِ: هٰكَذَا ذَكَرُوهُ هُنَا وَقَدَّمَ فِي الْفِطْرَةِ الْجَوَازُ فَيَنْبَغِي كَذٰلِكَ هُنَا، وَتَكْفِي الْإِبَاحَةُ هُنَا كَدَفْعِ الْقِيمَةِ (وَلَا) أَنْ (يَدْفَعَ) كُلَّ الطَّعَامِ (إِلَى مِسْكِينٍ وَاحِدٍ هُنَا) بِخِلَافِ الْفِطْرَةِ لِأَنَّ الْعَدَدَ مَنْصُوصٌ عَلَيْهِ (كَمَا لَا يَجُوزُ دَفْعُهُ) أَيِ الْجَزَاءِ (إِلَى) مَنْ لَا تُقْبَلُ شَهَادَتُهُ لَهُ (كَأَصْلِهِ وَإِنْ عَلَا، وَفَرْعِهِ وَإِنْ سَفَلَ، وَزَوْجَتِهِ وَزَوْجِهَا، وَ) هٰذَا (هُوَ الْحُكْمُ فِي كُلِّ صَدَقَةٍ وَاجِبَةٍ) كَمَا مَرَّ فِي الْمَصْرِفِ (وَوَجَبَ بِجُرْحِهِ وَنَتْفِ شَعْرِهِ وَقَطْعِ عُضْوِهِ مَا نَقَصَ) إِنْ لَمْ يَقْصِدِ الْإِصْلَاحَ، فَإِنْ قَصَدَهُ كَتَخْلِيصِ حَمَامَةٍ مِنْ سِنَّوْرٍ أَوْ شَبَكَةٍ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ، وَإِنْ مَاتَتْ (وَ) وَجَبَ (بِنَتْفِ رِيشِهِ وَقَطْعِ قَوَائِمِهِ) حَتَّى خَرَجَ عَنْ حَيِّزِ الْاِمْتِنَاعِ (وَكَسْرِ بَيْضِهِ) غَيْرِ الْمَذِرِ (وَخُرُوجِ فَرْخٍ مَيِّتٍ بِهِ) أَيْ بِالْكَسْرِ (وَذَبْحِ حَلَالٍ صَيْدَ الْحَرَمِ وَحَلْبِهِ) لَبَنَهُ (وَقَطْعِ حَشِيشِهِ وَشَجَرِهِ) حَالَ كَوْنِهِ (غَيْرَ مَمْلُوكٍ) يَعْنِي الثَّابِتَ بِنَفْسِهِ سَوَاءٌ كَانَ مَمْلُوكًا أَوْ لَا، حَتَّى قَالُوا لَوْ نَبَتَ فِي مِلْكِهِ أُمُّ غَيْلَانٍ فَقَطَعَهَا إِنْسَانٌ فَعَلَيْهِ قِيمَةٌ لِمَالِكِهَا وَأُخْرَى لِحَقِّ الشَّرْعِ بِنَاءً عَلَى قَوْلِهِمَا الْمُفْتَى بِهِ مَنْ تَمَلُّكُ أَرْضِ الْحَرَمِ .

نصف صاع غلہ کو چند مسکینوں میں تقسیم کرنے کا حکم

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ نصف صاع غلہ کو چند مسکینوں پر تقسیم کرنا جائز نہیں ہے۔ حضرت مصنفؒ نے اس کو صاحب البحر الرائق کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ذکر کیا ہے۔ اسی طرح حضرات فقہائے کرامؒ نے یہاں بیان کیا ہے اور صدقۂ فطر کے باب میں اس کا جائز ہونا پہلے گذر چکا ہے، اس لیے مناسب تھا کہ یہاں بھی اسی طرح بیان کرتے، یعنی نصف صاع غلہ کو چند مسکینوں میں تقسیم کرنا جائز ہے۔ اور یہاں کھانا کا مباح کر دینا بھی اسی طرح کافی ہے جس طرح قیمت کا دینا کافی ہے۔ (مطلب یہ ہے کہ کھانا کھلانے کی دو شکلیں ہیں، ایک تو یہ ہے کہ مساکین کو کھانے کا مالک بنا دے اور جو چاہیں اس میں تصرف کریں، دوسرے یہ کہ کھانا پکا کر دونوں وقت پیٹ بھر کر کھلا دے، یا نصف نصف صاع گیہوں کی قیمت ہر مسکین کو دیدے۔ اور یہاں تمام کے تمام کو ایک ہی مسکین کو دینا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ قرآن کریم میں جہاں شکار کی جزا کا ذکر آیا ہے وہاں مساکین کا لفظ صراحت کے ساتھ آیا ہے، البتہ صدقۂ فطر میں اس طرح کرنا جائز ہے۔

تاوان کی رقم کسی کو دینا

شکار کرنے کی وجہ سے محرم پر جو جزا واجب ہوئی ہے اس کا ان لوگوں کو دینا جائز نہیں ہے جن کی گواہی اس کے حق میں قبول

نہیں کی جاتی ہے، جیسے کہ محرم کے اصل: ماں، باپ، دادا وغیرہ اوپر تک۔ اور اُس کے فروع: جیسے لڑکا، لڑکی، پوتا، پوتی، نواسہ، نواسی وغیرہ نیچے تک۔ اور اصول وفروع خواہ قریب کے ہوں خواہ بعید کے ان کو جزا دینا درست نہیں ہے، اسی طرح محرم شوہر اپنی بیوی کو یا محرم عورت اپنے شوہر کو شکار کرنے کی وجہ سے جو جزا واجب ہوتی ہے دینا جائز نہیں ہے۔ اور تمام صدقاتِ واجبہ کا حکم یہی ہے، یعنی اصول وفروع اور بیوی کو دینا جائز نہیں ہے، جیسا کہ یہ مسئلہ کتاب الزکوۃ میں باب المصرف کے تحت گذر چکا ہے۔

شکار کو زخمی کر دینے کا تاوان

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ شکار کو زخمی کرنے، اس کے بال نوچنے اور اس کے کسی عضو کے کاٹنے سے جو نقصان ہوا ہے اس کے برابر محرم پر جزا واجب ہوتی ہے، بشرطیکہ یہ اصلاح اور فائدے کی غرض سے نہ کیا گیا ہو، لیکن اگر مقصد شکار کی اصلاح کرنا ہو تو جزا واجب نہ ہوگی، مثال کے طور پر کسی کبوتر کو بلی نے پکڑ لیا، محرم اس کو بلی سے چھڑانے لگا اور اس میں اس کے بال اُکھڑ گئے یا بلی جال میں پھنس گئی تھی اور اس سے نکالنے میں بال نُچ گئے تو محرم پر کوئی جزا نہ ہوگی، اگرچہ وہ جانور اس صورت میں مر ہی کیوں نہ جائے۔ (بقدرِ نقصان جزا واجب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی وجہ سے قیمت میں جتنی کمی آئے گی اتنا محرم پر دینا واجب ہوگا)۔

پاؤں کاٹنے اور پر نوچنے کی جزا

اگر کوئی محرم حالتِ احرام میں کسی شکار کے تمام بال نوچ دے، یا اس کے سارے پاؤں کاٹ ڈالے، یہاں تک کہ وہ شکار اپنی حفاظت کے قابل نہیں رہا، تو اس صورت میں کل جانور کی قیمت صدقہ کرنی ہوگی، اس لیے کہ پرندہ پر کے بغیر اُڑ نہیں سکتا ہے اور جانور پاؤں کے بغیر بھاگ نہیں سکتا ہے، اس لیے کل جانور کی قیمت صدقہ کرنی ہوگی۔

انڈے توڑ ڈالنے کی جزا

اگر محرم حالتِ احرام میں شکار کے انڈے توڑ ڈالے تو اگر انڈے خراب نہیں ہوئے تھے تو انڈے کی پوری قیمت ذمہ میں واجب ہوگی، اور اگر انڈے توڑنے کی وجہ سے زندہ بچہ نکلا تو اس صورت میں زندہ بچہ کی قیمت ادا کرنی ہوگی۔ (اور اگر محرم حالتِ احرام میں خراب انڈے توڑ دے تو اس میں کچھ بھی واجب نہیں ہے)۔

غیر محرم نے حرم کے جانور کا شکار کر لیا تو کیا حکم ہے؟

اور اگر غیر محرم نے حرم شریف کے جانور کو ذبح کر دیا تو اس پر اس کی قیمت واجب ہوگی کہ وہ شخص اتنے کا صدقہ کرے، یا اتنی قیمت کا کوئی جانور خرید کر ذبح کرے، البتہ غیر محرم کو صدقہ کے بدلے میں روزہ رکھنا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص حرم شریف کی گھاس یا درخت کاٹے تو اس صورت میں بھی اس کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہے، مگر وجوبِ صدقہ کے لیے شرط

یہ ہے کہ وہ درخت اس کی ملکیت میں نہ ہو بلکہ خودرَو ہو؛ اگر ملکیت کا درخت ہے تو اس کے کاٹنے سے صدقہ واجب نہیں ہے۔
حضراتِ فقہائے کرامؒ نے یہ فرمایا ہے کہ اگر کسی کی مملوکہ زمین میں ببول کا درخت خود بخود اُگ آیا ہو اور اس کو کوئی کاٹ ڈالے تو کاٹنے والے پر دو قیمتیں واجب ہوں گی، ایک اس کے مالک کے لیے اور دوسرے شریعت کے حق کے واسطے، اور اس مسئلہ کی بنیاد حضراتِ صاحبینؒ کے اس مفتی بہ قول ہے جس میں انھوں نے فرمایا کہ حرم شریف کی زمین مملوک ہے۔ اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک حرم شریف کی زمین وقف کے حکم میں ہے، مملوک نہیں ہے۔ (شامی: ۳/۶۰۴)

(وَلَا مُنْبَتٍ) أَيْ لَيْسَ مِنْ جِنْسِ مَا يُنْبِتُهُ النَّاسُ فَلَوْ مِنْ جِنْسِهِ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ كَمَقْلُوعٍ وَوَرَقٍ لَمْ يَضُرَّ بِالشَّجَرِ، وَلِذَا حَلَّ قَطْعُ الشَّجَرِ الْمُثْمِرِ لِأَنَّ إِثْمَارَهُ أُقِيمَ مَقَامَ الْإِنْبَاتِ (قِيمَتُهُ) فِي كُلِّ مَا ذُكِرَ (إِلَّا مَا جَفَّ) أَوْ انْكَسَرَ لِعَدَمِ النَّمَاءِ، أَوْ ذَهَبَ بِحَفْرِ كَانُونٍ أَوْ ضَرْبِ فُسْطَاطٍ لِعَدَمِ إِمْكَانِ الِاحْتِرَازِ عَنْهُ لِأَنَّهُ تَبَعٌ (وَالْعِبْرَةُ لِلْأَصْلِ لَا لِغُصْنِهِ وَبَعْضِهِ) أَيْ الْأَصْلِ (كَهُوَ) تَرْجِيحًا لِلْحُرْمَةِ

کس طرح کے درخت کے کاٹنے سے صدقہ واجب ہوتا ہے؟

حرم شریف کے درخت کے کاٹنے سے اس کی قیمت کے واجب ہونے کے لیے دوسری شرط یہ ہے کہ لگانے کا درخت نہ ہو، یعنی وہ درخت اس قسم سے نہ ہو جس کو لوگ عام طور پر عادتاً لگاتے ہوں، اگر اس جنس کا درخت ہوگا کہ وہ خودرَو ہو لیکن لوگ لگاتے اور بوتے ہوں تو اس کے کاٹنے سے شرعاً کوئی چیز واجب نہیں ہے، البتہ اگر یہ کسی کی مملوکہ زمین میں ہو تو اس کے کاٹنے سے مالک کو اس کی قیمت دینی ہوگی۔

کٹے ہوئے درخت اور پتے کا شرعی حکم

جس طرح کہ حرم شریف کے کٹے ہوئے درخت اور پتوں میں کوئی مواخذہ نہیں ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ پتوں کے توڑنے سے درخت کا نقصان نہ ہوتا ہو، اسی وجہ سے پھل دار درخت کا کاٹنا درست اور جائز ہے، اس لیے کہ اس کا پھل والا ہونا بونے اور لگانے کے قائم مقام ہے۔ اسی طرح حرم شریف کی جو گھاس یا درخت خشک ہوگیا یا ٹوٹ گیا ہے، اس کے کاٹنے میں کوئی جزا شرعی اعتبار سے واجب نہیں ہے، اس لیے کہ اس میں اب بڑھنے کی صلاحیت باقی نہیں رہی ہے، اور جس میں بڑھنے کی صلاحیت باقی نہ رہی ہو وہ ایندھن کے حکم میں ہوجاتا ہے۔

اسی طرح کنواں کھودنے یا خیمہ گاڑنے میں جو گھاس یا درخت ضائع ہوگیا، اس میں بھی جزا واجب نہیں ہے، اس لیے کہ اس سے بچنا ناممکن ہے اور اس وقت ضائع ہونا تبعاً ہے اصلاً نہیں ہے، پھر اعتبار درخت میں اس کی جڑ کا ہوتا ہے نہ کہ شاخوں کا، چنانچہ اگر کوئی درخت ایسا ہو کہ اس کی جڑ حرم شریف میں ہو اور اس کی شاخیں حِل میں ہوں تو اس کو حرم کا درخت کہا جائے گا اور اس کے کاٹنے

سے قیمت صدقہ کرنا واجب ہوگی، لیکن اگر جڑیں حل میں ہوں اور شاخیں حرم میں ہوں تو حل کا درخت کہلائے گا اور اس کے کاٹنے سے جزا واجب نہ ہوگی۔ اور حرم شریف میں جڑ کے بعض حصہ کا ہونا کل حصہ کے ہونے کے حکم میں ہے حرمت کو ترجیح دیتے ہوئے۔

درخت کے حرم میں ہونے کی تین شکلیں

علامہ شامی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ حرم میں درخت ہونے کی تین شکلیں ہیں:

(۱) درخت کی جڑیں حرم شریف میں ہوں اور شاخیں حل میں ہوں تو اس صورت میں شاخوں کے کاٹنے والے پر اس کی قیمت واجب ہوگی اور اس کا صدقہ کرنا پڑے گا۔

(۲) درخت کی جڑیں حرم شریف کے باہر حل میں ہوں اور شاخیں حدود حرم میں ہوں، تو اس صورت میں شاخوں کے کاٹنے والے پر کچھ بھی واجب نہیں ہے۔

(۳) درخت کی کچھ جڑیں حدود حرم میں ہوں اور کچھ جڑیں حل میں ہوں تو اس صورت میں شاخ کاٹنے سے ضامن ہوگا، خواہ حل کی جانب جو شاخیں تھیں اُن کو کاٹا، یا حرم کے اندر جو شاخیں تھیں اُن کو کاٹا، دونوں صورتوں میں ضامن ہوگا۔ (شامی: ۳/۶۰۴)

(وَالْعِبْرَةُ لِمَكَانِ الطَّائِرِ، فَإِنْ كَانَ) عَلَى غُصْنٍ بِحَيْثُ (لَوْ وَقَعَ) الصَّيْدُ (وَقَعَ فِي الْحَرَمِ فَهُوَ صَيْدُ الْحَرَمِ وَإِلَّا لَا، وَلَوْ كَانَ قَوَائِمُ الصَّيْدِ) الْقَائِمِ (فِي الْحَرَمِ وَرَأْسُهُ فِي الْحِلِّ فَالْعِبْرَةُ لِقَوَائِمِهِ) وَبَعْضُهَا كَكُلِّهَا (لَا لِرَأْسِهِ) وَهَذَا فِي الْقَائِمِ، وَلَوْ كَانَ نَائِمًا فَالْعِبْرَةُ لِرَأْسِهِ لِسُقُوطِ اعْتِبَارِ قَوَائِمِهِ حِينَئِذٍ، فَاجْتَمَعَ الْمُبِيحُ وَالْمُحَرِّمُ وَالْعِبْرَةُ لِحَالَةِ الرَّمْيِ إِلَّا إِذَا رَمَاهُ مِنَ الْحِلِّ وَمَرَّ السَّهْمُ فِي الْحَرَمِ يَجِبُ الْجَزَاءُ اسْتِحْسَانًا بَدَائِعُ (وَلَوْ شَوَى بَيْضًا أَوْ جَرَادًا) أَوْ حَلَبَ لَبَنَ صَيْدٍ (فَضَمِنَهُ لَمْ يَحْرُمْ أَكْلُهُ) وَجَازَ بَيْعُهُ وَيُكْرَهُ، وَيَجْعَلُ ثَمَنَهُ فِي الْفِدَاءِ إِنْ شَاءَ لِعَدَمِ الذَّكَاةِ، بِخِلَافِ ذَبْحِ الْمُحْرِمِ أَوْ صَيْدِ الْحَرَمِ، فَإِنَّهُ مَيْتَةٌ (وَلَا يَرْعَى حَشِيشَهُ) بِدَابَّةٍ (وَلَا يَقْطَعُ) بِمِنْجَلٍ (إِلَّا الْإِذْخِرَ، وَلَا بَأْسَ بِأَخْذِ كَمَاءَتِهِ) لِأَنَّهَا كَالْجَافِّ (وَبِقَتْلِ قَمْلَةٍ) مِنْ بَدَنِهِ أَوْ إِلْقَائِهَا أَوْ إِلْقَاءِ ثَوْبِهِ فِي الشَّمْسِ لِتَمُوتَ (تَصَدَّقَ بِمَا شَاءَ كَجَرَادَةٍ، وَيَجِبُ الْجَزَاءُ فِيهَا) أَيْ الْقَمْلَةِ (بِالدَّلَالَةِ كَمَا فِي الصَّيْدِ، وَ) يَجِبُ (فِي الْكَثِيرِ مِنْهُ نِصْفُ صَاعٍ، وَ) الْكَثِيرُ (هُوَ الزَّائِدُ عَلَى ثَلَاثَةٍ) وَالْجَرَادُ كَالْقَمْلِ بَحْرٌ.

پرندوں میں اُڑنے کی جگہ کا اعتبار

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ پرندوں میں اس جگہ کا اعتبار ہے جہاں سے وہ اُڑا ہے، چنانچہ اگر کوئی پرندہ کسی ایسی شاخ پر بیٹھا ہو کہ اگر اس کا شکار کیا جائے تو وہ حرم شریف میں گرے تو وہ حرم کا شکار مانا جائے گا اور اس پر شکار کرنے کی وجہ

سے جزا واجب ہوگی۔ اور اگر پرندہ ایسی شاخ پر بیٹھا ہو کہ اگر اس کا شکار کیا جائے تو حرم میں نہ گرے تو وہ حرم کا شکار نہ ہوگا اور جزا واجب نہیں ہوگی۔

کھڑے شکار کا اعتبار

اگر کوئی شکار کھڑا ہو تو اس کے پاؤں کا اعتبار ہے سر کا نہیں، مثال کے طور پر جانور کے پاؤں حرم شریف کے اندر ہوں اور اس کا سر حِل میں ہو تو وہ حرم کا شکار مانا جائے گا۔ اور شکار کے بعض پاؤں کا حرم میں ہونا کل کے ہونے کے حکم میں ہے، مثلاً ایک پاؤں حرم میں ہو اور دوسرا حِل میں ہو تو بھی وہ شکار حرم ہی کا شمار ہوگا، شکار کے سر کا اعتبار نہیں ہوتا ہے، چنانچہ اگر پاؤں حِل میں ہو اور سر حرم میں ہو تو حِل ہی کا شکار شمار ہوگا، حرم کا شکار نہیں مانا جائے گا، یہ کھڑے جانور کا حکم بیان کیا گیا ہے۔

سوئے اور لیٹے جانور کا اعتبار

لیکن اگر جانور سویا ہوا ہو، یا لیٹا ہو تو سر کا اعتبار ہوگا پاؤں کا نہیں، اس لیے کہ اس وقت پاؤں کا اعتبار ساقط ہو جاتا ہے۔ اب یہاں دو امر جمع ہو گئے ہیں: ایک اباحت کا، دوسرا تحریم کا، لہٰذا حرمت کا پہلو غالب ہوگا، اس لیے کہ محرِّم اور مبیح میں تعارض کے وقت محرم راجح ہوتا ہے، لہٰذا جو جانور اس طرح لیٹا یا سویا ہوا ہو کہ سر حِل میں ہو اور پاؤں حرم میں تو وہ حرم کا شمار ہوگا۔

شکار کرنے والے کا اعتبار

شکار کرتے وقت شکاری کی حالت کا اعتبار ہوگا، شکار کو تیر لگتے وقت کی شکاری کی حالت کا اعتبار نہ ہوگا۔ یعنی اگر مجوسی نے تیر چلایا پھر شکار کو تیر لگنے سے پہلے وہ مسلمان ہو گیا تو اس شکار کو نہیں کھایا جائے گا، لیکن اگر شکار کرنے والے نے اس طرح تیر چلایا کہ تیر حرم سے ہو کر گذرا اور جا کر شکار کو لگا تو بطور استحسان اس پر جزا واجب ہوگی، جیسا کہ بدائع الصنائع میں ہے۔ (اگر شکاری نے حِل سے شکار پر تیر چلایا اور شکار بھاگ کر حرم میں چلا گیا اور وہاں جا کر اس کو تیر لگا تو ضمان واجب ہوگا۔ اور اگر شکاری نے حِل ہی سے تیر چلایا اور حِل ہی میں اس کو تیر لگا، پھر حرم میں داخل ہوا اور وہاں جا کر شکار مر گیا تو اس صورت میں کوئی جزا واجب نہیں ہے، لیکن اس کا کھانا جائز نہیں ہے۔ اور اگر تیر چلانے والا اور شکار دونوں حِل میں ہوں لیکن ان دونوں کے درمیان حرم شریف فاصل ہو اور تیر حرم سے گذر کر جائے اور شکار کو لگے تو اس صورت میں تیر چلانے والے پر کچھ بھی واجب نہیں ہے)۔ (شامی: ۳/ ۶۰۵)

حرم شریف کا انڈا، ٹڈی اور ذبح کا حکم شرعی

اگر کسی شخص نے حرم شریف کا انڈا، یا اس کی ٹڈی پکائی، یا حرم شریف کے شکار کا دودھ دوہا، پھر اس کی قیمت کا ضمان ادا کر دیا تو اب اس کا کھانا حرام نہیں ہے اور اس کا بیچنا جائز ہے، مگر مکروہ ہے۔ اور اگر چاہے تو وہ اس کی قیمت فدیہ میں دیتے اور

انڈے، ٹڈی کا کھانا اور اس کا بیچنا اس وجہ سے جائز ہے کہ ان کو ذبح کرنا شرط نہیں ہے، بخلاف محرم کے ذبح کرنے کے اور حرم شریف کے شکار کو شکار کرنے کے، وہ محرم کے لیے کھانا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ وہ اس کے لیے مردار کے حکم میں ہے۔ (یعنی اگر محرم نے شکار کو ذبح کیا، خواہ حرم میں کیا ہو یا حل میں، یا غیر محرم نے حرم میں شکار ذبح کیا تو وہ اس کے حق میں مردار کے حکم میں ہو گیا، لہٰذا اس کا استعمال کرنا اور فروخت کرنا جائز نہیں ہے)۔

حرم شریف کی گھاس کا حکم

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ حرم شریف کی گھاس کو نہ جانور سے چرائی جائے، نہ ہی درانتی سے کاٹی جائے، البتہ إذخر نامی گھاس کو جانور سے چرانا اور کاٹنا جائز ہے۔ (''إذخر'' نامی گھاس کاٹنے کی اجازت حدیث شریف سے ثابت ہے) حرم شریف کی کماۃ لینے میں کوئی حرج نہیں ہے، اس لیے کہ وہ ایک خشک چیز ہے، گھاس نہیں ہے۔

جوں مارنے کی جزا

اپنے جسم کے جوں مارنے، یا اس کو پکڑ کر پھینک دینے سے، یا کپڑے کو دھوپ میں ڈال دینے سے کہ جوں مر جائے، جس قدر چاہے وہ صدقہ کرے، جس طرح ٹڈی کے ماردینے سے صدقہ واجب ہوتا ہے، یعنی کسی فقیر کو ایک مٹھی اناج دیدے یا چند کھجور صدقہ کر دے، اگر ایک جوں مار دیا تو کسی مسکین کو روٹی کا ایک ٹکڑا صدقہ کر دے اور اگر دو یا تین جوں مار دیا تو ایک مٹھی اناج صدقہ کر دے اور اگر اس سے زائد جوں مارا تو نصف صاع گیہوں کسی مسکین کو دیدے)۔ (شامی: ۳/۶۰۷)

جوں کی طرف اشارہ کرنے کا شرعی حکم

مسئلہ یہ ہے کہ جوں مارنے والے کو جوں بتانا بھی موجب جزا ہے، یعنی بتانے کی وجہ سے بھی جزا واجب ہوگی، جس طرح شکار میں راہنمائی کرنے سے بھی جزا واجب ہوتی ہے۔ (لہٰذا اگر محرم نے اپنے بدن کی جوں کسی کو دکھائی، یا اشارہ کیا اور دوسرے نے اس کو مار ڈالا تو محرم پر جزا واجب ہوگی)۔

اور زیادہ جوں مارنے میں نصف صاع گیہوں صدقہ کرنا واجب ہوتا ہے۔ اور زیادہ اس کو کہیں گے جو تین سے زائد ہو، اور ٹڈی قلیل وکثیر جوں کے حکم میں ہے۔ (اور فتاویٰ قاضی خاں میں ہے کہ دس یا دس سے زیادہ پر کثیر کا اطلاق ہوتا ہے اور اس سے کم پر قلیل کا اطلاق ہوتا ہے)۔

(وَلَا شَيْءَ بِقَتْلِ غُرَابٍ) إِلَّا الْعَقْعَقَ عَلَى الظَّاهِرِ ظَهِيرِيَّةٌ، وَتَعْمِيمُ الْبَحْرِ رَدَّهُ فِي النَّهْرِ (وَحِدَأَةٍ) بِكَسْرٍ فَفَتْحَتَيْنِ وَجَوَّزَ الْبُرْجَنْدِيُّ فَتْحَ الْحَاءِ (وَذِئْبٍ وَعَقْرَبٍ وَحَيَّةٍ وَفَأْرَةٍ) بِالْهَمْزَةِ وَجَوَّزَ الْبُرْجَنْدِيُّ التَّسْهِيلَ (وَكَلْبٍ عَقُورٍ) أَيْ وَحْشِيٍّ، أَمَّا غَيْرُهُ فَلَيْسَ بِصَيْدٍ أَصْلًا (وَبَعُوضٍ وَنَمْلٍ)

لَكِنْ لَا يَحِلُّ قَتْلُ مَا لَا يُؤْذِي، وَلِذَا قَالُوا لَمْ يَحِلَّ قَتْلُ الْكَلْبِ الْأَهْلِيِّ إِذَا لَمْ يُؤْذِ وَالْأَمْرُ بِقَتْلِ الْكِلَابِ مَنْسُوخٌ كَمَا فِي الْفَتْحِ: أَيْ إِذَا لَمْ تَضُرَّ (وَبُرْغُوثٍ وَقُرَادٍ وَسُلَحْفَاةٍ) بِضَمٍّ فَفَتْحٍ فَسُكُونٍ (وَفَرَاشٍ) وَذِبَابٍ وَوَزَغٍ وَزُنْبُورٍ وَقُنْفُذٍ وَصَرْصَرٍ وَصَيَّاحِ لَيْلٍ وَابْنِ عِرْسٍ وَأُمِّ حُبَيْنٍ وَأُمِّ أَرْبَعَةٍ وَأَرْبَعِينَ، وَكَذَا جَمِيعُ هَوَامِّ الْأَرْضِ لِأَنَّهَا لَيْسَتْ بِصُيُودٍ وَلَا مُتَوَلِّدَةٍ مِنَ الْبَدَنِ (وَسَبُعٍ) أَيْ حَيَوَانٍ (صَائِلٍ) لَا يُمْكِنُ دَفْعُهُ إِلَّا بِالْقَتْلِ، فَلَوْ أَمْكَنَ بِغَيْرِهِ فَقَتَلَهُ لَزِمَهُ الْجَزَاءُ كَمَا تَلْزَمُهُ قِيمَتُهُ لَوْ مَمْلُوكًا (وَلَهُ ذَبْحُ شَاةٍ وَلَوْ أَبُوهَا ظَبْيًا) لِأَنَّ الْأُمَّ هِيَ الْأَصْلُ (وَبَقَرٍ وَبَعِيرٍ وَدَجَاجٍ وَبَطٍّ أَهْلِيٍّ وَأَكْلُ مَا صَادَهُ حَلَالٌ) وَلَوْ لِمُحْرِمٍ (وَذَبَحَهُ) فِي الْحِلِّ (بِلَا دَلَالَةِ مُحْرِمٍ وَ) لَا (أَمْرِهِ بِهِ) وَلَا إِعَانَتِهِ عَلَيْهِ، فَلَوْ وُجِدَ أَحَدُهُمَا حَلَّ لِلْحَلَالِ لَا لِلْمُحْرِمِ عَلَى الْمُخْتَارِ (وَتَجِبُ قِيمَتُهُ بِذَبْحِ حَلَالٍ صَيْدَ الْحَرَمِ وَتَصَدَّقَ بِهَا، وَلَا يُجْزِئُهُ الصَّوْمُ) لِأَنَّهَا غَرَامَةٌ لَا كَفَّارَةٌ حَتَّى لَوْ كَانَ الذَّابِحُ مُحْرِمًا أَجْزَأَهُ الصَّوْمُ؛ وَقَيَّدَ بِالذَّبْحِ لِأَنَّهُ لَا شَيْءَ فِي دَلَالَتِهِ إِلَّا الْإِثْمُ.

حالت احرام میں کوے کو قتل کرنے کا حکم

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ محرم اور غیر محرم دونوں پر کوّے کے قتل کرنے سے کچھ بھی واجب نہیں ہوتا ہے، سوائے "عقعق" نامی کوے کے، ظاہر الروایۃ یہی ہے، جیسا کہ فتاویٰ ظہیریہ میں ہے۔ اور النہر الفائق میں البحر الرائق کی تعمیم کو رد کر دیا ہے۔ (البحر الرائق میں یہ عموم ہے کہ تینوں قسم کے کوؤں کو مارنا درست ہے، تو اس کے اندر عقعق بھی شامل ہو گیا ہے جو موذی ہے اور جانوروں کے پاخانہ کی جگہ کو کھودتا ہے۔ النہر الفائق میں بدائع کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضرت امام ابو یوسفؒ سے صراحت کے ساتھ منقول ہے کہ حدیث شریف میں اس کوے کو مارنے کا حکم آیا ہے، جو نجاست کھاتا ہے یا نجاست اور دانا دونوں کھاتا ہے اور یہی موذی کوا ہے۔

چیل، بچھو اور کٹکھنے کتے کو مارنے کا حکم

فرماتے ہیں کہ چیل کے مارنے میں محرم پر کچھ بھی واجب نہیں ہوتا ہے۔ لفظ "حداۃ" حاء کے زیر کے ساتھ ہے۔ اور شیخ برجندی نے حاء کے زبر کو بھی جائز قرار دیا ہے۔ اسی طرح بھیڑیئے، سانپ، بچھو، چوہے، کاٹ کھانے والے کتے یعنی وحشی کتے، ان سب کے قتل کرنے میں کوئی جزا واجب نہیں ہے۔ اور جو کتا وحشی نہ ہو بلکہ گھریلو ہو وہ کتا شکار میں داخل نہیں ہے۔ شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ لفظ فارۃ (چوہا) ہمزہ کے ساتھ آیا ہے۔ اور شیخ برجندی نے تسہیل بھی جائز قرار دیا ہے۔ (مسلم شریف کی حدیث ہے، رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: پانچ جانور ایسے ہیں جن کو حرم و حل دونوں میں مارنا جائز ہے:

(۱) کوا (۲) چیل (۳) بچھو (۴) چوہا (۵) کٹکھنا کتا۔ دوسری روایت میں بچھو کے بجائے سانپ کا ذکر آیا ہے۔ اور عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ان کے مارنے میں کچھ گناہ نہیں ہے)۔

مچھر، چیونٹی اور کتے کے قتل کرنے کا حکم شرعی

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اسی طرح مچھر، چیونٹی کے قتل کرنے میں کوئی چیز واجب نہیں ہے۔ (خواہ یہ دونوں بڑے قسم کے ہوں یا چھوٹے قسم کے ہوں) سب کو مارنا جائز ہے، لیکن اگر تکلیف نہ پہنچائے تو ان کو مارنا جائز نہیں ہے۔ اسی وجہ سے حضرات فقہائے کرامؒ نے فرمایا کہ گھریلو کتے جب کہ وہ موذی نہ ہوں تو ان کا قتل کرنا جائز نہیں ہے۔ اور جن روایتوں میں کتوں کے قتل کرنے کا حکم آیا ہے وہ منسوخ ہیں، جیسا کہ فتح القدیر میں ہے مگر یہ اس صورت میں ہے جب کہ نقصان نہ دیتے ہوں۔

مسئلہ: ملتقط نامی کتاب میں لکھا ہے کہ جب کسی بستی میں کتے زیادہ ہوجائیں اور وہاں کے باشندوں کو ضرر پہنچاتے ہوں تو ان کو قتل کردینا جائز ہے۔ اور اگر لوگ قتل نہ کریں تو معاملہ قاضی کے پاس لے جایا جائے گا، پھر قاضی ان کتوں کو قتل کرنے کا حکم صادر فرمائے گا۔ (شامی: ۶۰۸/۸۳)

حشرات الارض کا حکم

اسی طرح محرم اگر حالت احرام میں پسو، چیچڑی، کچھوا، پتنگا، مکھی، گرگٹ، بھڑ، سیپی، صوصر، جھینگر، نیولا، ام حبین، کنکھجورا مار ڈالے، یا دوسرے تمام حشرات الارض میں سے کوئی کیڑا مار ڈالے تو کوئی چیز واجب نہیں ہوتی ہے، کیونکہ یہ سب چیزیں شکار میں داخل نہیں ہیں اور نہ ہی یہ سب انسان کے بدن سے پیدا ہوتی ہیں۔

حملہ آور جانور کے قتل کردینے کا حکم

اور اگر محرم نے ایسے حملہ آور درندہ کو قتل کردیا جس کا دفع کرنا بغیر قتل کے ممکن نہ ہو، تو اس پر کوئی جزا واجب نہیں ہے، لیکن اگر بغیر قتل کے اس کا دفع کرنا ممکن ہو، اس کے باوجود محرم نے اس کو مار ڈالا تو جزا لازم ہوگی، جیسے کہ اگر کسی نے کسی کی ملکیت والے جانور کو مار ڈالا تو اس کی قیمت دینی پڑے گی۔

اور محرم کے لیے جائز ہے کہ وہ بکری کو ذبح کرے، اگرچہ اس کا باپ ہرن کیوں نہ ہو، اس لیے کہ اس کے اندر اصل ماں کی حیثیت ہے، باپ اصل نہیں ہوتا ہے۔ اور محرم کے لیے گائے، اونٹ، مرغی اور پالتو بطخ کا ذبح کرنا بھی جائز ہے، کیونکہ خلقت کے اعتبار سے یہ جانور وحشی نہیں ہیں، بلکہ مانوس ہوتے ہیں، البتہ جنگلی بطخ جو جنگلوں میں اڑتی پھرتی ہے اس کے ذبح کرنے سے محرم پر قیمت واجب ہوگی۔

غیر محرم کا شکار کردہ جانور محرم کے لیے حلال ہے

جس جانور کو غیر محرم نے شکار کیا ہے اور اس کو حل میں لے جا کر ذبح کیا ہے محرم کے لیے اس کا کھانا جائز ہے، اگر چہ وہ محرم کے واسطے ہی کیوں نہ شکار کیا ہو، مگر شرط یہ ہے کہ محرم نے اس بارے میں کوئی راہنمائی نہ کی ہو، نہ حکم دیا ہو، نہ اس میں مدد کی ہو، اگر ان میں سے کوئی بھی بات محرم کی طرف سے پائی گئی ہوگی تو پھر محرم کے لیے اس کا کھانا حلال نہ ہوگا، البتہ اس کو غیر محرم کھا سکتا ہے، اس بارے میں مختار مذہب یہی ہے۔ (اور حضرت امام شافعیؒ وامام مالکؒ کے نزدیک جو شکار غیر محرم نے محرم کے لیے کیا ہے محرم اس کو کھا نہیں سکتا ہے)۔

غیر محرم پر صدقہ کرنے کا حکم

اگر غیر محرم نے حرم شریف کے شکار کو ذبح کر دیا تو اس پر اس کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہے، یا اس کی قیمت کا جانور خرید کر مکہ میں ذبح کرے اور اس کے عوض میں روزہ رکھنا کافی نہ ہوگا، اس لیے کہ غیر محرم پر یہ جزا بطور جرمانہ ہے بطور کفارہ نہیں ہے، البتہ اگر اس جانور کا ذبح کرنے والا محرم ہوگا تو اس کے لیے اس کے عوض میں روزہ رکھنا کافی ہوگا۔ اور حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے ذبح کی قید اس لیے لگائی ہے کہ اگر غیر محرم صرف راہنمائی کرے گا تو اس پر کوئی جزا واجب نہیں ہے، البتہ راہنمائی کرنے کی وجہ سے گناہ گار ہوگا۔

(وَمَنْ دَخَلَ الْحَرَمَ) وَلَوْ حَلَالًا (أَوْ أَحْرَمَ) وَلَوْ فِي الْحِلِّ (وَفِي يَدِهِ حَقِيقَةً) يَعْنِي الْجَارِحَةَ (صَيْدٌ وَجَبَ إرْسَالُهُ) أَيْ إطَارَتُهُ أَوْ إرْسَالُهُ لِلْحِلِّ وَدِيعَةً قُهُسْتَانِيٌّ (عَلَى وَجْهٍ غَيْرِ مُضَيِّعٍ لَهُ) لِأَنَّ تَسْيِيبَ الدَّابَّةِ حَرَامٌ وَفِي كَرَاهَةِ جَامِعِ الْفَتَاوَى: شَرَى عَصَافِيرَ مِنْ الصَّيَّادِ وَأَعْتَقَهَا جَازَ إنْ قَالَ مَنْ أَخَذَهَا فَهِيَ لَهُ وَلَا تَخْرُجُ عَنْ مِلْكِهِ بِإِعْتَاقِهِ، وَقِيلَ لَا لِأَنَّهُ تَضْيِيعٌ لِلْمَالِ. اهـ. قُلْت: وَحِينَئِذٍ فَتَقْيِيدُ الْإِطَارَةِ بِالْإِبَاحَةِ فَتَأَمَّلْ اهـ وَفِي كَرَاهَةِ مُخْتَارَاتِ النَّوَازِلِ: سَيَّبَ دَابَّتَهُ فَأَخَذَهَا آخَرُ وَأَصْلَحَهَا فَلَا سَبِيلَ لِلْمَالِكِ عَلَيْهَا إنْ قَالَ فِي تَسْيِيبِهَا هِيَ لِمَنْ أَخَذَهَا وَإِنْ قَالَ لَا حَاجَةَ لِي بِهَا فَلَهُ أَخْذُهَا، وَالْقَوْلُ لَهُ بِيَمِينِهِ. اهـ. (لَا) يَجِبُ (إنْ كَانَ) الصَّيْدُ (فِي بَيْتِهِ) لِجَرَيَانِ الْعَادَةِ الْفَاشِيَةِ بِذَلِكَ، وَهِيَ مِنْ إحْدَى الْحُجَجِ (أَوْ قَفَصِهِ) وَلَوْ الْقَفَصُ فِي يَدِهِ بِدَلِيلِ أَخْذِ الْمُحْدِثِ الْمُصْحَفَ بِغِلَافِهِ.

حرم میں داخلہ کے وقت شکار کو آزاد کرنا

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جو شخص حرم شریف کے اندر داخل ہو گیا گو وہ حلال ہو محرم نہ ہو، یا اس نے احرام

باندھا ہوا گرچہ حل میں باندھا ہوا ور حقیقتاً اس کے ہاتھ میں شکار ہو تو اس پر واجب ہے کہ اس کو چھوڑ دے یا اُس کو اُڑا دے، یا بطور امانت حل بھیج دے، اس طرح بھیجے کہ وہ ضائع نہ ہونے پائے جیسا کہ قہستانی میں ہے، اس لیے کہ جانور کو حل میں اس طرح چھوڑنا کہ وہ ضائع ہو جائے حرام ہے۔

خریدے ہوئے شکار کا شرعی حکم

جامع الفتاویٰ کے باب الکراہیۃ میں ہے کہ ایک شخص نے شکاری سے گوریا خریدا اور اس کو آزاد کر دیا تو یہ آزاد کرنا اس کے لیے جائز ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ آزاد کرتے وقت یوں کہے کہ جو اس کو پکڑ لے گا وہ اسی کا ہوگا، لیکن آزاد کرنے کی وجہ سے وہ پرندہ اس کی ملکیت سے نہیں نکلتا ہے، خواہ اس نے وہ جملہ آزاد کرتے وقت کہا ہو یا نہ کہا ہو۔ اور بعض اہلِ علم نے فرمایا کہ اس کا چھوڑنا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ یہ تو مال کا ضائع کرنا ہوا اور مال ضائع کرنا ناجائز ہے، اس لیے چھوڑنا بھی ناجائز ہے۔ شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اباحت کے ساتھ مقید کرنا اُڑانے سے پہلے ہونا چاہئے، یعنی اُڑانے سے پہلے یہ کہے جو اسکو پکڑے گا وہ اس کا مالک ہو جائے گا، لہٰذا اس مسئلہ پر خوب غور و فکر کر لیا جائے۔

اور مختارات النوازل کی کتاب الکراہیۃ میں لکھا ہے کہ ایک آدمی نے چوپایہ کو چھوڑ دیا، اس کو کسی دوسرے شخص نے پکڑ لیا اور اس کی اصلاح کی (یعنی اس میں ایسی زیادتی کر دی کہ اب رجوع ممکن نہ ہو) تو اس کے بعد اس جانور کے مالک کا اس پر کوئی اختیار نہ چلے گا، بشرطیکہ وہ چھوڑتے وقت یہ کہا ہو کہ اس کو جو پکڑے گا اسی کا ہے، اور اگر چھوڑتے وقت اس طرح کہا کہ مجھ کو اس کی ضرورت نہیں ہے تو مالک اوّل کے لیے اس کا لینا جائز ہے۔ اور اگر اس باب میں اختلاف ہو جائے تو مالک ہی کا قول یمین کے ساتھ معتبر ہوگا۔

اگر شکار محرم کے گھر میں ہو تو کیا حکم ہے؟

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اگر شکار محرم کے گھر میں ہو تو اس کا چھوڑنا واجب نہیں ہے، اس لیے کہ شکار کو گھر میں رکھنے کا رواج ہے اور رواج و عادت یہ خود ایک دلیل ہے۔ (حضراتِ صحابہ کرامؓ احرام باندھتے تھے اور ان کے گھروں میں شکار اور پالتو جانور ہوتے تھے لیکن صحابہ کرامؓ سے ان کا چھوڑنا ثابت نہیں ہے، گویا یہ اجماع فعلی ہے اور اجماع خود حجت شرعی ہے۔ (یعنی قرونِ ثلاثہ یعنی حضراتِ صحابہؓ، تابعین، و تبع تابعین کے زمانے کا رواج و عادت حجتِ شرعی ہے)۔

شکاری جانور کا پنجرے میں ہونے کا حکم

جو شکاری جانور پنجرے میں بند ہو اس کا چھوڑنا شرعی اعتبار سے واجب نہیں ہے، اگرچہ پنجرا محرم کے ہاتھ میں کیوں نہ ہو، جس طرح کہ بے وضو آدمی کے لیے قرآن پاک کا ہاتھ میں لینا جائز نہیں ہے، لیکن اگر اس میں جزدان ہو تو ہاتھ میں لینے میں کوئی حرج نہیں

ہے، اسی طرح محرم کے لیے شکار کو ہاتھ میں لینا جائز نہیں ہے۔ لیکن اگر پنجرے میں شکار ہو تو اس کا ہاتھ میں لینا جائز ہے۔

(وَلَا يَخْرُجُ) الصَّيْدُ (عَنْ مِلْكِهِ بِهَذَا الْإِرْسَالِ فَلَهُ إِمْسَاكُهُ فِي الْحِلِّ وَ) لَهُ (أَخْذُهُ مِنْ إِنْسَانٍ أَخَذَهُ مِنْهُ) لِأَنَّهُ لَمْ يَخْرُجْ عَنْ مِلْكِهِ لِأَنَّهُ مَلَكَهُ وَهُوَ حَلَالٌ، بِخِلَافِ مَا لَوْ أَخَذَهُ وَهُوَ مُحْرِمٌ لِمَا يَأْتِي لِأَنَّهُ لَمْ يُرْسِلْهُ عَنْ اخْتِيَارٍ (فَلَوْ) كَانَ (جَارِحًا) كَبَازٍ (فَقَتَلَ حَمَامَ الْحَرَمِ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ) لِفِعْلِهِ مَا وَجَبَ عَلَيْهِ (فَلَوْ بَاعَهُ رَدَّ الْمَبِيعَ إِنْ بَقِيَ وَإِلَّا فَعَلَيْهِ الْجَزَاءُ) لِأَنَّ حُرْمَةَ الْحَرَمِ وَالْإِحْرَامِ تَمْنَعُ بَيْعَ الصَّيْدِ (وَلَوْ أَخَذَ حَلَالٌ صَيْدًا فَأَحْرَمَ ضَمِنَ مُرْسِلَهُ) مِنْ يَدِهِ الْحُكْمِيَّةِ اتِّفَاقًا، وَمِنَ الْحَقِيقِيَّةِ عِنْدَهُ خِلَافًا لَهُمَا، وَقَوْلُهُمَا اسْتِحْسَانٌ كَمَا فِي الْبُرْهَانِ (وَلَوْ أَخَذَهُ مُحْرِمٌ لَا) يَضْمَنُ مُرْسِلُهُ اتِّفَاقًا لِأَنَّ الْمُحْرِمَ لَمْ يَمْلِكْهُ، وَحِينَئِذٍ فَلَا يَأْخُذُهُ مِمَّنْ أَخَذَهُ (وَالصَّيْدُ لَا يَمْلِكُهُ الْمُحْرِمُ بِسَبَبٍ اخْتِيَارِيٍّ) كَشِرَاءٍ وَهِبَةٍ (بَلْ) بِسَبَبٍ (جَبْرِيٍّ) وَالسَّبَبُ الْجَبْرِيُّ فِي إِحْدَى عَشْرَ مَسْأَلَةً مَبْسُوطَةً فِي الْأَشْبَاهِ فَلِذَا قَالَ تَبَعًا لِلْبَحْرِ عَنْ الْمُحِيطِ (كَالْإِرْثِ) وَجَعَلَهُ فِي الْأَشْبَاهِ بِالِاتِّفَاقِ، لَكِنْ فِي النَّهْرِ عَنْ السِّرَاجِ أَنَّهُ لَا يَمْلِكُهُ بِالْمِيرَاثِ وَهُوَ الظَّاهِرُ (فَإِنْ قَتَلَهُ مُحْرِمٌ آخَرُ) بَالِغٌ مُسْلِمٌ (ضَمِنَا) جَزَاءَيْنِ الْآخِذُ بِالْأَخْذِ وَالْقَاتِلُ بِالْقَتْلِ (وَرَجَعَ آخِذُهُ عَلَى قَاتِلِهِ) لِأَنَّهُ قَرَّرَ عَلَيْهِ مَا كَانَ بِمَعْرِضِ السُّقُوطِ وَهَذَا (إِنْ كَفَّرَ بِمَالٍ وَإِنْ) كَفَّرَ (بِصَوْمٍ فَلَا) عَلَى مَا اخْتَارَهُ الْكَمَالُ لِأَنَّهُ لَمْ يَغْرَمْ شَيْئًا (وَلَوْ كَانَ الْقَاتِلُ) بَهِيمَةً لَمْ يَرْجِعْ عَلَى رَبِّهَا وَلَوْ (صَبِيًّا أَوْ نَصْرَانِيًّا فَلَا جَزَاءَ عَلَيْهِ) لِلَّهِ تَعَالَى (وَ) لَكِنْ (رَجَعَ الْآخِذُ عَلَيْهِ بِالْقِيمَةِ) لِأَنَّهُ يَلْزَمُهُ حُقُوقُ الْعِبَادِ دُونَ حُقُوقِ اللَّهِ تَعَالَى

محرم نے جس جانور کو چھوڑ دیا ہے اس کا حکم

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ محرم نے جس شکار کو چھوڑ دیا ہے وہ شکار محض اس چھوڑنے کی وجہ سے ملکیت سے نہیں نکلے گا، لہٰذا احرام سے نکلنے کے بعد اس کے لیے یہ بات جائز ہے کہ اس کو حل میں جا کر پکڑ لے اور اس آدمی سے اس کو واپس لے لے جس نے اس کو پکڑ رکھا ہے، اس لیے کہ یہ شکار اس کی ملکیت سے خارج نہیں ہوا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اب محرم اس وقت مالک بن رہا ہے جب وہ حلال ہے، حالت احرام سے نکل چکا ہے، بخلاف اس صورت کے کہ محرم نے اس کو حالت احرام میں لیا ہے، جیسا کہ آنے والا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ محرم نے اس کو اختیار سے نہیں چھوڑا ہے بلکہ احرام کی مجبوری کی وجہ سے چھوڑا ہے، یا حرم میں داخل ہونے کی وجہ سے اس کو چھوڑنا پڑا ہے۔

جس شکار کو محرم نے چھوڑا ہے وہ حرم کے شکار کو زخمی کر دے تو کیا حکم ہے

محرم نے جس شکار کو چھوڑا ہے وہ پھاڑنے والا جانور تھا، جیسے: باز، اس نے حرم شریف کے کبوتروں کو مار ڈالا، تو اس

صورت میں چھوڑنے والے پر کچھ بھی جزاء واجب نہیں ہے، اس لیے کہ محرم نے وہی کام کیا جو اس پر واجب تھا، لہٰذا اگر وہ کسی پرندہ کو زخمی کردے تو اس میں چھوڑنے والے محرم کی کیا غلطی ہے؟

اگر محرم نے شکار کو فروخت کیا تو کیا حکم ہے؟

اگر محرم نے شکار کو حالتِ احرام میں فروخت کردیا ہو اور شکار باقی ہو تو اس بیع کو رد کرنا چاہیے، کیونکہ یہ بیع فاسد ہے۔ اور اگر وہ شکار مرچکا ہے، یا جس نے خریدا تھا وہ نہیں مل سکا تو اس صورت میں بیچنے والے پر جزا واجب ہے، اس لیے کہ حرم شریف کی حرمت اور احرام کا احترام شکار کے بیچنے سے مانع ہے، البتہ بائع اور مشتری دونوں حرم شریف کے اندر ہوں اور شکار حل میں ہو تو اس کا بیچنا حضرات شیخینؒ کے نزدیک جائز ہے۔

دوسرے کے شکار کو چھوڑنے کا حکم

اگر کسی حلال شخص نے حرم شریف کا شکار پکڑا اور پھر اس نے احرام باندھ لیا تو اس شکار کا چھوڑنے والا ضمان ادا کرے گا، یعنی اگر کوئی شخص اس کے گھر سے لے جا کر پنجرے سے چھوڑ دیا تو بالاتفاق اس کو تاوان ادا کرنا ہوگا، یہ اس کے حکمی ہاتھ ہیں۔ اور اگر کوئی شخص اس کے حقیقی ہاتھ سے لے کر چھوڑ دے تو حضرات امام اعظمؒ کے نزدیک اس پر ضمان لازم ہوگا۔ صاحبینؒ کے نزدیک لازم نہیں ہوگا اور استحسان کی دلیل سے حضرات صاحبینؒ کا قول ثابت ہے، جیسا کہ برہان نامی کتاب میں ہے۔ (اور استحسان یہ ہے کہ چھوڑنے والے نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر عمل کیا، تو اس صورت میں اصولِ شرع کے مطابق ضمان نہیں آتا ہے، جس طرح کہ اگر کوئی شخص خلافِ شرع باجوں کو توڑ ڈالے تو اس پر تاوان نہیں آتا ہے۔ اور البحر الرائق میں ہے کہ فتویٰ حضرات صاحبینؒ کے قول ہے، اس لیے کہ آلاتِ لہو ولعب کے توڑ ڈالنے پر عدمِ ضمان کے متعلق ان ہی کے قول پر فتویٰ ہے)۔ (شامی: ۳/۶۱۵)

حرم شریف کے شکار کا حکم

اگر محرم نے حالتِ احرام میں حرم شریف کا شکار پکڑا تو اس کے چھوڑ دینے والے پر بالاتفاق ضمان لازم نہیں ہوگا، اس لیے کہ محرم اس کو پکڑ لینے سے اس کا مالک نہیں بن گیا ہے۔ اور اس صورت میں جس نے اس کو پکڑا ہے اس سے واپس وہ نہیں لے سکتا ہے۔ اور محرم سببِ اختیاری کی وجہ سے شکار کا مالک نہیں بنتا ہے جیسے کہ خرید اور ہبہ ہے، بلکہ جبری سبب سے مالک ہوتا ہے۔ اور جبری سبب گیارہ مسئلوں میں ہے جس کی پوری تفصیل الاشباہ والنظائر میں ہے، چنانچہ حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے صاحب البحر الرائق کے حوالہ سے جو انھوں نے محیطؔ سے نقل کیا ہے، سبب جبری کی مثال یہ دی ہے جیسے وراثت، یعنی محرم وراثتاً شکار کا مالک ہوجاتا ہے اور الاشباہ والنظائر میں اس کو اتفاقی قول قرار دیا ہے، لیکن النہر الفائق میں السراج الوہاج کے حوالہ سے منقول ہے کہ محرم وراثتاً بھی شکار کا مالک نہیں ہوتا ہے اور یہی قول ظاہر ہے۔ (اس واسطے کہ شکار محرم کے لیے قطعاً حرام ہے،

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرمایا: {وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا} "اور جب تک تم حالت احرام میں رہو گے تمہارے لیے خشکی کے شکار کو حرام قرار دیا گیا ہے"۔

اگر کسی دوسرے محرم نے شکار کو مار دیا تو کیا حکم ہے؟

ایک محرم نے کسی شکار کو حالت احرام میں پکڑا اور اس کو کسی دوسرے بالغ مسلمان محرم نے مار ڈالا تو اس صورت میں ان دونوں محرموں پر دو جزا واجب ہوں گے، پکڑنے والا محرم پکڑنے کا ضمان دے گا اور مارنے والا محرم مارنے کا ضمان دے گا، البتہ پکڑنے والا محرم اس محرم سے جس نے شکار کو مار ڈالا تھا اپنے تاوان کی رقم کو واپس لے گا، اس لیے کہ پکڑنے والے محرم پر قتل کرنے والے محرم کی وجہ سے ضمان واجب ہوا ہے، ورنہ تو ضمان اس سے ساقط ہو جانے والا تھا، کیونکہ اگر وہ قتل نہ کرتا تو پکڑنے والے کو اس کو چھوڑنا ہی تھا اور چھوڑنے سے جزا ساقط ہو جاتی ہے، لیکن چوں کہ دوسرے محرم اس کو مار ڈالا ہے اس لیے اس کی وجہ سے اس پر بھی جزا واجب ہو گئی۔

اور پکڑنے والا محرم، قتل کرنے والے محرم سے ضمان اس شرط کے ساتھ لے گا جب پکڑنے والے نے مال کے ذریعہ سے کفارہ ادا کیا ہو۔ اور اگر کفارہ مال کے بجائے روزہ رکھ کر ادا کیا ہو تو پھر اس صورت میں اس سے کچھ بھی نہیں لے سکتا ہے، کمال نے اسی کو پسند کیا ہے، اس لیے کہ اس پکڑنے والے محرم نے کچھ بھی تاوان نہیں دیا ہے جس کو وہ واپس لے۔

تاوان نہ لینے کی شکل

اور اگر اس شکار کو مار ڈالنے والا کوئی چوپایہ ہو، تو پکڑنے والا محرم اپنا تاوان اس چوپایہ کے مالک سے واپس نہیں لے سکتا ہے۔ اور اگر اس شکار کا قتل کرنے والا نابالغ لڑکا ہو، یا نصرانی کافر، تو اس صورت میں اس پر اللہ تعالیٰ کے لیے جزا واجب نہیں ہے، لیکن شکار پکڑنے والا محرم اس کافر سے اس کی قیمت واپس لے گا، اس لیے کہ کافر پر حقوق العباد لازم ہے، البتہ اللہ تعالیٰ کے حقوق لازم نہیں۔ (اگر اس شکار کو کسی بالغ مسلمان نے مار ڈالا تو اس سے پکڑنے والا محرم اس کی قیمت واپس لے گا۔ اور معراج الدرایہ میں ہے کہ نابالغ، کافر اور مجنون کے قتل کرنے میں کچھ بھی واجب نہیں ہے)۔ (شامی: ۳/۶۱۷)

(وَكُلُّ مَا عَلَى الْمُفْرِدِ بِهِ دَمٌ بِسَبَبِ جِنَايَتِهِ عَلَى إِحْرَامِهِ) يَعْنِي بِفِعْلِ شَيْءٍ مِنْ مَحْظُورَاتِهِ لَا مُطْلَقًا، إِذْ لَوْ تَرَكَ وَاجِبًا مِنْ وَاجِبَاتِ الْحَجِّ أَوْ قَطَعَ نَبَاتَ الْحَرَمِ لَمْ يَتَعَدَّدِ الْجَزَاءُ لِأَنَّهُ لَيْسَ جِنَايَةً عَلَى الْإِحْرَامِ (فَعَلَى الْقَارِنِ) وَمِثْلُهُ مُتَمَتِّعٌ سَاقَ الْهَدْيَ (دَمَانِ، وَكَذَا الْحُكْمُ فِي الصَّدَقَةِ) فَتُثَنَّى أَيْضًا لِجِنَايَتِهِ عَلَى إِحْرَامَيْهِ (إِلَّا بِمُجَاوَزَةِ الْمِيقَاتِ غَيْرَ مُحْرِمٍ) اسْتِثْنَاءٌ مُنْقَطِعٌ (فَعَلَيْهِ دَمٌ وَاحِدٌ) لِأَنَّهُ حِينَئِذٍ لَيْسَ بِقَارِنٍ (وَلَوْ قَتَلَ مُحْرِمَانِ صَيْدًا تَعَدَّدَ الْجَزَاءُ) لِتَعَدُّدِ الْفِعْلِ (وَلَوْ

حَلَالَانِ) صَيْدَ الْحَرَمِ (لَا) لِاتِّحَادِ الْمَحَلِّ (وَبَطَلَ بَيْعُ مُحْرِمٍ صَيْدًا) وَكَذَا كُلُّ تَصَرُّفٍ (وَشِرَاؤُهُ) إِنِ اصْطَادَهُ وَهُوَ مُحْرِمٌ وَإِلَّا فَالْبَيْعُ فَاسِدٌ (فَلَوْ قَبَضَ) الْمُشْتَرِي (فَعَطِبَ فِي يَدِهِ فَعَلَيْهِ وَعَلَى الْبَائِعِ الْجَزَاءُ) وَفِي الْفَاسِدِ يَضْمَنُ قِيمَتَهُ أَيْضًا كَمَا مَرَّ (وَلَدَتْ ظَبْيَةٌ) بَعْدَمَا (أُخْرِجَتْ مِنَ الْحَرَمِ وَمَاتَا غَرِمَهُمَا وَإِنْ أَدَّى جَزَاءَهَا) أَيِ الْأُمِّ (ثُمَّ وَلَدَتْ لَمْ يَجْزِهِ) أَيِ الْوَلَدَ لِعَدَمِ سِرَايَةِ الْأَمْنِ حِينَئِذٍ وَهَلْ يَجِبُ رَدُّهَا بَعْدَ أَدَاءِ الْجَزَاءِ الظَّاهِرُ: نَعَمْ

جن صورتوں میں مفرد بالحج پر ایک دم واجب ہے قارن پر دو دم واجب ہونگے

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جس جنایت کے ارتکاب پر مفرد یعنی صرف حج کے احرام باندھنے والے پر ایک دم واجب ہوتا ہے، یعنی مفرد بالحج نے حالتِ احرام میں وہ کام کیا جو ممنوع تھے، اگر یہی کام کسی قارن نے حالتِ احرام میں کیا تو اس پر دو دَم واجب ہوں گے، ایک دم حج کا، اور دوسرا دَم عمرہ کا، اس لیے کہ قارن دو عبادتوں کا احرام ایک ساتھ باندھتا ہے، ایک حج کا، دوسرے عمرہ کا۔ اور جنایت سے وہ اُمور مراد ہیں جن کا کرنا حالتِ احرام میں ممنوع ہیں، مطلقاً جنایت مراد نہیں ہے، اس لیے کہ اگر مفرد بالحج حج کے واجبات میں سے کسی واجب کو چھوڑ دے گا، یا حرم شریف کی گھاس کاٹے گا تو اس پر صرف ایک دَم واجب ہوگا۔ اور اگر قارن واجباتِ حج میں سے کسی واجب کو ترک کرے گا تو اس پر بھی ایک ہی دَم واجب ہوگا، متعدد دَم واجب نہ ہوں گے، کیونکہ یہ ایسی جنایت ہے جو احرام کے خلاف نہیں ہے۔ اور جزا کے واجب ہونے میں قارن ہی کی طرح اس متمتع کا حکم ہے جو قربانی کا جانور ساتھ لے گیا ہو۔ (یعنی اگر حج تمتع کرنے والے شخص نے حالتِ احرام میں وہ کام کیا جو ممنوع ہے تو اس پر بھی دو دَم واجب ہوں گے، ایک دَم عمرہ کا اور دوسرا دَم حج کا۔

قارن اور متمتع پر صدقہ

حضرت مصنفؒ فرماتے ہیں کہ قارن اور متمتع کے لیے صدقہ کے واجب ہونے میں بھی یہی حکم ہے، یعنی اس پر دوگنا صدقہ واجب ہوگا، جب وہ احرام کے خلاف کوئی جنایت کرے گا، لیکن اگر قارن یا متمتع میقات سے احرام باندھے بغیر آگے بڑھا تو اس پر ایک ہی دَم لازم ہوگا، اس لیے کہ وہ قارن کے حکم میں نہیں رہا ہے، اس لیے کہ اس نے ابھی احرام باندھا ہی نہیں ہے۔ شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ إِلَّا بِمُجَاوَزَة الخ یہ جملہ مستثنیٰ منقطع ہے، یعنی اس کا صدر کلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اگر دو محرم مل کر ایک شکار کریں تو کیا حکم ہے؟

اگر دو محرموں نے مل کر کسی ایک شکار کو قتل کیا تو تعددِ فعل کی وجہ سے سزا متعدد ہوگی اور دو جزا واجب ہوگی۔ اور اگر دو حلال شخص نے مل کر حرم شریف کے شکار کو قتل کیا تو متعدد جزا واجب نہ ہوگی، اس لیے کہ فعل ایک ہے، یعنی شکار ایک ہے، لہٰذا

جزا بھی ایک ہی واجب ہوگی۔

محرم کا شکار کو فروخت کرنا

محرم کے لیے کسی کا شکار خریدنا اور بیچنا دونوں باطل ہیں، اسی طرح محرم کے لیے دوسرے تمام تصرفات بھی باطل ہیں، جیسے ہبہ اور وصیت وغیرہ۔ اور محرم کے لیے شکار کا خریدنا اور بیچنا اس وقت باطل ہے جب حالت احرام میں اس کو پکڑا ہو اور اگر حالت احرام میں نہیں پکڑا ہے تو محرم کے لیے اس کی بیع فاسد ہے، چنانچہ اگر مشتری نے شکار پر قبضہ کر لیا پھر وہ شکار اس کے قبضہ میں ہلاک ہو گیا، تو بائع اور مشتری دونوں پر جزا واجب ہوگی، بشرطیکہ دونوں محرم ہوں اور اگر ان میں سے ایک محرم ہے تو صرف محرم پر جزا واجب ہوگی۔

اور بیع فاسد میں مشتری جزاء کے ساتھ ساتھ اس کی قیمت کا بھی ضامن ہوگا، جیسا کہ پہلے بھی گذرا ہے کہ اس پر جزا بھی واجب ہوگی اور بائع کو اس کی قیمت بھی ادا کرے گا، اس لیے کہ بائع اس شکار کا مالک تھا اور بیع باطل میں یہ حکم نہیں ہوتا ہے، اس لیے کہ بیع باطل میں بائع شیٔ مبیع کا مالک ہی نہیں ہوتا ہے۔

ہرنی اور اس کے بچے کی ہلاکت کی جزا

ہرنی کو کسی نے حرم شریف سے باہر نکال دیا اس کے بعد باہر آ کر ہرنی نے بچہ جنم دیا، پھر بچہ اور ہرنی دونوں ہی مر گئے تو اس صورت میں حرم شریف سے نکالنے والا ان دونوں ہی کا ضمان ادا کرے گا، اس لیے کہ حرم کا شکار حرم سے نکالنے کے بعد بھی امن کا مستحق ہوتا ہے، لہٰذا حرم سے باہر کرنے والے پر شرعی اعتبار سے واجب تھا کہ اس کو حرم کے اندر پہنچا دے، لیکن اس نے ایسا نہیں کیا لہٰذا دونوں کی جان کا تاوان برابر دینا ہوگا۔

اور اگر ہرنی کو حرم سے نکالنے کے بعد اس نے اس کی جزا ادا کر دی، پھر اس ہرنی نے بچہ دیا تو اب اس صورت میں بچہ کی جزا واجب نہ ہوگی، کیونکہ جزا ادا کرنے کے وقت بچہ امن کا مستحق نہیں تھا۔ اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہرنی کو حرم شریف سے نکالنے کے بعد جزا نکال دینے کے بعد اس ہرنی کو حرم میں پہنچا دینا اب بھی واجب ہے؟ اس کا جواب ظاہر بھی ہے کہ جی ہاں جزا ادا کرنے کے بعد بھی اس کو حرم پہنچا دینا واجب ہے۔

(آفَاقِيٌّ) مُسْلِمٌ بَالِغٌ (يُرِيدُ الْحَجَّ) وَلَوْ نَفْلًا (أَوِ الْعُمْرَةَ) فَلَوْ لَمْ يُرِدْ وَاحِدًا مِنْهُمَا لَا يَجِبُ عَلَيْهِ دَمٌ بِمُجَاوَزَةِ الْمِيقَاتِ، وَإِنْ وَجَبَ حَجٌّ أَوْ عُمْرَةٌ إِنْ أَرَادَ دُخُولَ مَكَّةَ أَوِ الْحَرَمِ عَلَى مَا سَيَأْتِي فِي الْمَتْنِ قَرِيبًا (وَجَاوَزَ وَقْتَهُ) ظَاهِرُ مَا فِي النَّهْرِ عَنِ الْبَدَائِعِ اعْتِبَارُ الْإِرَادَةِ عِنْدَ الْمُجَاوَزَةِ (ثُمَّ أَحْرَمَ لَزِمَهُ دَمٌ، كَمَا إِذَا لَمْ يُحْرِمْ، فَإِنْ عَادَ) إِلَى مِيقَاتٍ مَا (ثُمَّ أَحْرَمَ أَوْ) عَادَ إِلَيْهِ حَالَ كَوْنِهِ (مُحْرِمًا

لَمْ يَشْرَعْ فِي نُسُكٍ) صِفَةٌ: مُحْرِمًا كَطَوَافٍ وَلَوْ شَوْطًا، وَإِنَّمَا قَالَ (وَلَبَّى) لِأَنَّ الشَّرْطَ عِنْدَ الْإِمَامِ تَجْدِيدُ التَّلْبِيَةِ عِنْدَ الْمِيقَاتِ بَعْدَ الْعَوْدِ إِلَيْهِ خِلَافًا لَهُمَا (سَقَطَ دَمُهُ) وَالْأَفْضَلُ عَوْدُهُ إِلَّا إِذَا خَافَ فَوْتَ الْحَجِّ (وَإِلَّا) أَيْ وَإِنْ لَمْ يَعُدْ أَوْ عَادَ بَعْدَ شُرُوعِهِ (لَا) يَسْقُطُ الدَّمُ (كَمَكِّيٍّ يُرِيدُ الْحَجَّ وَمُتَمَتِّعٍ فَرَغَ مِنْ عُمْرَتِهِ) وَصَارَ مَكِّيًّا (وَخَرَجَا مِنَ الْحَرَمِ وَأَحْرَمَا بِالْحَجِّ) مِنَ الْحِلِّ، فَإِنَّ عَلَيْهِمَا دَمًا لِمُجَاوَزَةِ مِيقَاتِ الْمَكِّيِّ بِلَا إِحْرَامٍ، وَكَذَا لَوْ أَحْرَمَا بِعُمْرَةٍ مِنَ الْحَرَمِ وَبِالْعَوْدِ كَمَا مَرَّ يَسْقُطُ الدَّمُ (دَخَلَ كُوفِيٌّ) أَيْ آفَاقِيٌّ (الْبُسْتَانَ) أَيْ مَكَانًا مِنَ الْحِلِّ دَاخِلَ الْمِيقَاتِ (لِحَاجَةٍ) قَصَدَهَا وَلَوْ عِنْدَ الْمُجَاوَزَةِ عَلَى مَا مَرَّ، وَنِيَّةُ مُدَّةِ الْإِقَامَةِ لَيْسَتْ بِشَرْطٍ عَلَى الْمَذْهَبِ (لَهُ دُخُولُ مَكَّةَ غَيْرَ مُحْرِمٍ وَوَقْتُهُ الْبُسْتَانُ وَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ) لِأَنَّهُ الْتَحَقَ بِأَهْلِهِ كَمَا مَرَّ، وَهَذِهِ حِيلَةٌ لِآفَاقِيٍّ يُرِيدُ دُخُولَ مَكَّةَ بِلَا إِحْرَامٍ

میقات سے بغیر احرام کے آگے بڑھنے کا شرعی حکم

اگر کسی آفاقی، مسلمان، بالغ نے حج فرض یا حج نفل کی ادائیگی کا ارادہ کیا، یا عمرہ کا ارادہ کیا اور بغیر احرام باندھے میقات سے آگے بڑھ گیا اور میقات سے آگے جا کر احرام باندھا تو اس پر دم لازم ہوگا، اس لیے کہ وہ بغیر احرام کے آگے بڑھ گیا اور بعد میں احرام باندھا، جیسا کہ احرام بالکلیہ طور پر نہ باندھنے کی صورت میں دم لازم آتا ہے۔ اور اگر اس نے دخول مکہ سے حج یا عمرہ کا ارادہ نہیں کیا اور بغیر احرام باندھے میقات سے آگے بڑھ گیا تو اس پر دم لازم نہیں ہے، اگرچہ اس پر مکہ یا حرم میں داخل ہونے کی وجہ سے حج یا عمرہ واجب ہو۔ اور بدائع الصنائع سے النہر الفائق میں جو کچھ منقول ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ میقات سے آگے تجاوز کرتے وقت کے ارادہ کا اعتبار ہے، میقات سے آگے بڑھ جانے کے بعد ارادہ کا اعتبار نہیں ہے۔

میقات سے بغیر احرام آگے بڑھنے کے بعد میقات واپس آنا

وہ شخص جو میقات سے احرام باندھے بغیر آگے بڑھ گیا تھا اگر وہ پھر کسی میقات کی طرف لوٹ آئے اور پھر احرام باندھے یا اس طرح محرم بن کر میقات سے آئے کہ اس نے افعالِ حج میں سے کوئی فعل نہیں کیا تھا جیسا کہ طواف بیت اللہ کا ایک چکر بھی نہیں لگایا تھا اور واپسی میں میقات پر تلبیہ کہا، تو اس صورت میں اس سے دم ساقط ہو جائے گا، اس لیے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک واپسی پر میقات کے پاس تجدید تلبیہ شرط ہے، البتہ حضرات صاحبینؒ کے نزدیک شرط نہیں ہے۔ اور جو شخص احرام باندھے بغیر میقات سے آگے بڑھ گیا اس کے لیے افضل یہ ہے کہ وہ میقات لوٹ آئے اور احرام باندھے، ہاں اگر حج فوت ہونے کا خطرہ ہو تو اس وقت میقات کی طرف لوٹ کر آنا افضل نہیں ہے۔ اور اگر وہ میقات کی طرف لوٹ کر نہیں آیا یا

میقات کی طرف لوٹ کر آیا مگر حج کے افعال شروع کرنے کے بعد آیا تو اس صورت میں اس سے دَم ساقط نہیں ہوگا۔

مکی کے لیے حل سے احرام باندھنے کا حکم

اور وہ شخص جو مکہ کا باشندہ ہو اور حج کا ارادہ رکھتا ہو، یا حج تمتع کرنے والا شخص اپنے عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد مکی ہو گیا ہو، دونوں حرم شریف سے نکلے اور حل سے احرام باندھا تو اس صورت میں ان دونوں پر دَم واجب ہے، کیونکہ وہ دونوں مکہ والوں کے میقات سے بغیر احرام کے آگے بڑھ گئے، اس لیے کہ مکہ والوں کا میقات حرم شریف ہے نہ کہ حل، اسی طرح اگر ان دونوں نے عمرہ کا احرام حرم سے باندھا تو ان پر بھی دَم واجب ہے اس وجہ سے کہ عمرہ کا میقات حل ہے، لیکن اگر وہ دونوں میقات سے بلا احرام آگے بڑھنے کے بعد میقات کی جانب لوٹ آئے تو دَم ساقط ہو جائے گا۔

آفاقی کا میقات میں بغیر احرام کے آنا

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی آفاقی یعنی باہری شخص میقات کے اندر حل میں کسی ضرورت سے بالقصد آیا اور میقات سے آگے بڑھتے وقت اس ضرورت کا ارادہ کیا ہو تو اس آفاقی کے لیے بلا احرام مکہ میں داخل ہونا درست ہے۔ اور مذہب کی روایت کے مطابق مدت اقامت کی نیت بھی شرط نہیں ہے۔

(''بستان بنی عامر'' ایک بستی کا نام ہے، جو میقات کے اندر ہے اور حرم کے باہر ہے، اس کا نام اس وقت نخلہ محمود ہے، یہاں سے مکہ مکرمہ چوبیس میل کی دوری پر واقع ہے)۔ (شامی: ۳/ ۶۲۳)

اور اس آفاقی کا میقات جو بستان میں کسی ضرورت سے گیا تھا بستان ہی ہے۔ اور بستان میں آنے والوں کے لیے کوئی شئی لازم نہیں ہے، اس لیے کہ آفاقی شخص جب بستان میں آیا تو ان ہی لوگوں کے ساتھ شامل ہو گیا جو وہاں رہتے ہیں، جیسا کہ اس سے پہلے یہ بات گذر چکی ہے، لہٰذا جس طرح بستان میں رہنے والوں کے لیے بلا احرام مکہ میں داخل ہونا جائز ہے، اسی طرح اس کے لیے بھی جائز ہے۔ اور جو آفاقی بلا احرام مکہ میں داخل ہونا چاہتا ہے اس کے لیے یہ ایک حیلہ ہے۔

(وَ) يَجِبُ (عَلَى مَنْ دَخَلَ مَكَّةَ بِلَا إِحْرَامٍ) لِكُلِّ مَرَّةٍ (حَجَّةٌ أَوْ عُمْرَةٌ) فَلَوْ عَادَ فَأَحْرَمَ بِنُسُكٍ أَجْزَأَهُ عَنْ آخِرِ دُخُولِهِ، وَتَمَامُهُ فِي الْفَتْحِ (وَصَحَّ مِنْهُ) أَيْ أَجْزَأَهُ عَمَّا لَزِمَهُ بِالدُّخُولِ (لَوْ أَحْرَمَ عَمَّا عَلَيْهِ) مِنْ حَجَّةِ الْإِسْلَامِ أَوْ نَذْرٍ أَوْ عُمْرَةٍ مَنْذُورَةٍ لَكِنْ (فِي عَامِهِ ذَلِكَ) لِتَدَارُكِهِ الْمَتْرُوكَ فِي وَقْتِهِ (لَا بَعْدَهُ) لِصَيْرُورَتِهِ دَيْنًا بِتَحْوِيلِ السَّنَةِ (جَاوَزَ الْمِيقَاتَ) بِلَا إِحْرَامٍ (فَأَحْرَمَ بِعُمْرَةٍ ثُمَّ أَفْسَدَهَا مَضَى وَقَضَى وَلَا دَمَ عَلَيْهِ) لِتَرْكِ الْوَقْتِ لِجَبْرِهِ بِالْإِحْرَامِ مِنْهُ فِي الْقَضَاءِ (مَكِّيٌّ) وَمَنْ بِحُكْمِهِ (طَافَ لِعُمْرَتِهِ وَلَوْ شَوْطًا) أَيْ أَقَلَّ أَشْوَاطِهَا (فَأَحْرَمَ بِالْحَجِّ رَفَضَهُ) وُجُوبًا بِالْحَلْقِ لِنَهْيِ

الْمَكِّيِّ عَنِ الْجَمْعِ بَيْنَهُمَا (وَعَلَيْهِ دَمٌ) لِأَجْلِ (الرَّفْضِ وَحَجٌّ وَعُمْرَةٌ) لِأَنَّهُ كَفَائِتِ الْحَجِّ، حَتَّى لَوْ حَجَّ فِي سَنَتِهِ سَقَطَتِ الْعُمْرَةُ، وَلَوْ رَفَضَهَا قَضَاهَا فَقَطْ (فَلَوْ أَتَمَّهَا صَحَّ) وَأَسَاءَ (وَذَبَحَ) وَهُوَ دَمُ جَبْرٍ، وَفِي الْآفَاقِيِّ دَمُ شُكْرٍ

بغیر احرام مکہ میں داخل ہونے سے حج وعمرہ کا وجوب

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جو شخص مکۃ المکرمہ میں بغیر احرام کے داخل ہوگا، ہر ہر بار اس پر ایک حج اور ایک عمرہ واجب ہوگا (خواہ مکہ میں بلا احرام داخل ہونے والا تجارت کی نیت سے، یا حج کی نیت سے، یا اس کے علاوہ کسی اور نیت سے داخل ہوا ہو) اس لیے کہ اس مقام کی تعظیم وتکریم کا یہی تقاضہ ہے، لیکن اگر بغیر احرام کے مکۃ المکرمہ میں داخل ہونے کے بعد پھر میقات واپس آجائے اور وہاں احرام باندھے تو اس کے آخری مرتبہ کے داخل ہونے کے اعتبار سے کافی ہوجائے گا، اور اس کی پوری تفصیل فتح القدیر میں ہے۔ (مثال کے طور پر بلا احرام مکہ میں دو مرتبہ داخل ہوا تھا تو اس احرام سے دوسری بار داخل ہونے کی وجہ سے جو حج یا عمرہ واجب ہوا تھا وہ ادا ہوجائے گا، پہلی مرتبہ داخلہ کی وجہ سے جو حج اور عمرہ واجب ہوا تھا وہ اس کے ذمہ میں باقی رہ جائے گا اور وہ بلا تعیین نیت کے اس کے ذمہ سے ساقط نہ ہوگا۔ (شامی: ۳/۶۲۶)

مکہ مکرمہ میں بلا احرام داخلہ کی وجہ سے جو حج یا عمرہ لازم ہوا تھا اس کی طرف سے کسی بھی واجب عبادت کا احرام کافی ہوجائے گا، اگر اس نے اس واجب عبادت کا احرام باندھ لیا ہے، خواہ وہ واجب عبادت حج فرض ہو، یا نذر کا حج ہو، یا نذر کا عمرہ ہو، لیکن یہ اس وقت ہے جب کہ اسی سال حج یا عمرہ کرے، اس لیے کہ اس کے وقت میں جو باقی رہ گیا تھا اس کی تلافی ہوجائے گی، لیکن دوسرے سال کی طرف سے کافی نہ ہوگا، کیونکہ سال کی تحویل کی وجہ سے اس کے ذمہ دَین ہوگیا ہے۔

میقاتِ شرعی سے آگے بڑھ کر عمرہ کا احرام باندھنا

ایک آدمی بغیر احرام باندھے شرعی میقات سے آگے بڑھ گیا، پھر اس کے بعد عمرہ کا احرام باندھا، پھر اس نے عمرہ کو فاسد کردیا تو اب اس کو چاہئے کہ عمرہ کے افعال کو ادا کرتا رہے، پھر اس کی قضاء بھی کرے، لیکن میقات پر احرام نہ باندھنے کی وجہ سے اس پر شریعت کی جانب سے کوئی دَم لازم نہ ہوگا، اس لیے کہ جب متروکہ عمرہ کی قضاء کرے گا اور اس کا احرام میقات سے باندھے گا تو اس کی تلافی ہوجائے گی۔

مکی شخص عمرہ کے طواف کرنے کے بعد حج کا احرام باندھے تو کیا حکم ہے؟

وہ شخص جو مکی ہے یا مکی تو نہیں ہے لیکن مکی کے حکم میں ہے اس نے اپنے عمرہ کے لیے ایک چکر سے لے کر تین چکر تک طواف کیا، پھر اس نے حج کا احرام باندھ لیا، تو اس پر واجب ہے کہ حلق کرا کے حج کو چھوڑ دے، اس لیے کہ مکہ والوں اور جو مکہ

کے حدود میں رہتے ہیں ان کے لیے حج اور عمرہ دونوں کو جمع کرنا ممنوع ہے، اور اس حج کے ترک کی وجہ سے اس پر دم لازم ہوگا اور بعد میں اس پر حج اور عمرہ دونوں ہی واجب ہوں گے، اس لیے کہ اب یہ شخص اس کے حکم میں ہوگیا جس کا حج فوت ہوگیا تھا، حتی کہ اگر یہ شخص اسی سال حج کرے گا تو عمرہ ساقط ہوجائے گا اور اگر اس نے صرف عمرہ کو فوت کیا ہے تو صرف عمرہ کی قضاء کرے گا، حج کی قضاء نہیں کرے گا۔

اگر مکی نے حج اور عمرہ دونوں ادا کرلیا تو یہ دونوں ہی صحیح ہوجائیں گے، اس لیے کہ جس کا اس نے التزام کیا تھا اسے پورا کردیا، لیکن مکی کے لیے دونوں کو جمع کرنا برا ہے، یعنی اس نے فعل ممنوع کا ارتکاب کیا ہے، اسی وجہ سے اب اس پر قربانی کرنی بھی لازم ہوگی اس کو تلافی کی قربانی کہی جائے گی، اس قربانی کا گوشت خود نہیں کھا سکتا ہے۔ اور آفاقی شخص حج اور عمرہ کے بعد جو قربانی کرتا ہے وہ شکرانہ کی قربانی ہوتی ہے، یعنی اللہ تعالی نے دو عبادتوں کو جمع کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے اس کے تشکر وامتنان کے واسطے قربانی کی جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کا گوشت کھانا اس کے لیے جائز ہے۔

(وَمَنْ أَحْرَمَ بِحَجٍّ) وَحَجَّ (ثُمَّ أَحْرَمَ يَوْمَ النَّحْرِ بِآخَرَ، فَإِنْ) كَانَ قَدْ (حَلَقَ لِلْأَوَّلِ) لَزِمَهُ الْآخَرُ فِي الْعَامِ الْقَابِلِ (بِلَا دَمٍ) لِانْتِهَاءِ الْأَوَّلِ (وَإِلَّا) يَحْلِقْ لِلْأَوَّلِ (فَمَعَ دَمٍ قَصَّرَ) عَبَّرَ بِهِ لِيَعُمَّ الْمَرْأَةَ (أَوْ لَا) لِجِنَايَتِهِ عَلَى إِحْرَامِهِ بِالتَّقْصِيرِ أَوْ التَّأْخِيرِ (وَمَنْ أَتَى بِعُمْرَةٍ إِلَّا الْحَلْقَ فَأَحْرَمَ بِأُخْرَى ذَبَحَ) الْأَصْلُ أَنَّ الْجَمْعَ بَيْنَ إِحْرَامَيْنِ لِعُمْرَتَيْنِ مَكْرُوهٌ تَحْرِيمًا فَيَلْزَمُ الدَّمُ لَا لِحَجَّتَيْنِ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ فَلَا يَلْزَمُ (آفَاقِيٌّ أَحْرَمَ بِحَجٍّ ثُمَّ) أَحْرَمَ (بِعُمْرَةٍ لَزِمَاهُ) وَصَارَ قَارِنًا مُسِيئًا (وَ) لِذَا (بَطَلَتْ) عُمْرَتُهُ (بِالْوُقُوفِ قَبْلَ أَفْعَالِهَا) لِأَنَّهَا لَمْ تُشْرَعْ مُرَتَّبَةً عَلَى الْحَجِّ (لَا بِالتَّوَجُّهِ) إِلَى عَرَفَةَ (فَإِنْ طَافَ لَهُ) طَوَافَ الْقُدُومِ (ثُمَّ أَحْرَمَ بِهَا فَمَضَى عَلَيْهِمَا ذَبَحَ) وَهُوَ دَمُ جَبْرٍ (وَنُدِبَ رَفْضُهَا) لِتَأَكُّدِهِ بِطَوَافِهِ (فَإِنْ رَفَضَ قَضَى) لِصِحَّةِ الشُّرُوعِ فِيهِمَا (وَأَرَاقَ دَمًا) لِرَفْضِهَا (حَجَّ فَأَهَلَّ بِعُمْرَةٍ يَوْمَ النَّحْرِ أَوْ فِي ثَلَاثَةِ) أَيَّامِ (بَعْدَهُ لَزِمَتْهُ) بِالشُّرُوعِ، لَكِنْ مَعَ كَرَاهَةِ التَّحْرِيمِ (وَرُفِضَتْ) وُجُوبًا تَخَلُّصًا مِنَ الْإِثْمِ (وَقُضِيَتْ مَعَ دَمٍ) لِلرَّفْضِ (وَإِنْ مَضَى) عَلَيْهَا (صَحَّ وَعَلَيْهِ دَمٌ) لِارْتِكَابِ الْكَرَاهَةِ فَهُوَ دَمُ جَبْرٍ (فَائِتُ الْحَجِّ إِذَا أَحْرَمَ بِهِ أَوْ بِهَا وَجَبَ الرَّفْضُ) لِأَنَّ الْجَمْعَ بَيْنَ إِحْرَامَيْنِ لِحَجَّتَيْنِ أَوْ لِعُمْرَتَيْنِ غَيْرُ مَشْرُوعٍ (وَ) لَمَّا فَاتَهُ الْحَجُّ بَقِيَ فِي إِحْرَامِهِ فَيَلْزَمُهُ أَنْ (يَتَحَلَّلَ) عَنْ إِحْرَامِ الْحَجِّ (بِأَفْعَالِ الْعُمْرَةِ ثُمَّ) بَعْدَهُ (يَقْضِي) مَا أَحْرَمَ بِهِ لِصِحَّةِ الشُّرُوعِ (وَيَذْبَحُ) لِلتَّحَلُّلِ قَبْلَ أَوَانِهِ بِالرَّفْضِ

ایک حج کے بعد یوم النحر میں دوسرے حج کا احرام باندھنے کا حکم

ایک آدمی نے حج ادا کرنے کے واسطے احرام باندھا اور حج ادا بھی کرلیا، پھر یوم النحر ہی میں دوسرے حج کا احرام باندھا،

تو اب اگر وہ حج اوّل سے فراغت کے لیے حلق کرا چکا تھا تو اس پر آئندہ سال دوسرا حج لازم ہوگا اور اس پر کوئی دَم لازم نہ ہوگا، اس لیے کہ پہلا حج مکمل ہو چکا تھا، یہاں ایک ساتھ دو احرام جمع نہیں ہوئے ہیں کہ دَم واجب ہوتے۔ اور اگر اس نے پہلے حج سے فراغت کے بعد حلق نہیں کرایا تھا تو اس پر سالِ آئندہ دوسرا حج لازم ہوگا، مگر ساتھ ساتھ دَم بھی واجب ہوگا اور یہ دم یا تو تقصیر کی وجہ سے واجب ہوگا یا تاخیر کی وجہ سے، اگر حلق کرالیا تو دَمِ تقصیر واجب ہے اور اگر نہیں کرایا تو دمِ تاخیر واجب ہے۔ اور دَم قصر مصنفؒ نے اس لیے فرمایا تا کہ اس کے اندر عورت بھی شامل ہو جائے۔

عمرہ کے بعد دوسرے عمرہ کا احرام باندھنا

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے عمرہ کے افعال ادا کرلیا، لیکن ابھی حلق نہیں کرایا کہ پھر اس نے دوسرے عمرہ کا احرام باندھ لیا تو اس صورت میں وہ دَم ادا کرے گا، اس لیے کہ شریعت کا اصول یہ ہے کہ دو عمروں کے احرام کو جمع کرنا مکروہ تحریمی ہے، لہٰذا دَم اس پر لازم ہوگا، ہاں ظاہر الروایہ کے مطابق دو حج کے احرام کو جمع کرنا مکروہ تحریمی نہیں ہے، اس لیے دَم لازم نہیں ہوگا۔

آفاقی نے حج کا احرام باندھا پھر عمرہ کا احرام باندھا تو کیا حکم ہے؟

ایک آدمی جو میقات سے باہر رہتا ہے اس نے حج کا احرام باندھا، پھر اس نے عمرہ کا احرام باندھ لیا تو اس پر حج اور عمرہ دونوں کی ادائیگی لازم ہو جائے گی اور یہ شخص شریعت کی نظر میں برے طریقے سے ''قران'' کرنے والا کہلائے گا۔ اور چوں کہ اس نے قاعدہ کے مطابق احرام نہیں باندھا ہے اس لیے ان کا عمرہ بھی باطل ہو جائے گا، کیوں کہ اس نے عمرہ کے افعال ادا کرنے سے پہلے وقوفِ عرفات کیا ہے، اور اس طرح عمرہ کے افعال حج پر مرتب ہو کر مشروع نہیں ہوئے ہیں۔ اور صرف عرفات کی طرف جانے سے عمرہ باطل نہیں ہوگا، یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص عرفات کی طرف جائے اور وقوفِ عرفہ کئے بغیر واپس آجائے تو اس کا عمرہ باطل نہ ہوگا بلکہ وہ عمرہ کر کے حج ادا کر سکتا ہے۔

احرامِ حج کے بعد طوافِ قدوم کرلیا تو کیا حکم ہے؟

اور اگر اس نے حج کا احرام باندھنے کے بعد طوافِ قدوم کرلیا، پھر اس نے عمرہ کا احرام باندھا اور حج اور عمرہ دونوں ادا کئے تو اس صورت میں اس پر تلافی نقصان کے طور پر ایک جانور ذبح کرنا لازم ہوگا، کیوں کہ اس نے حج کا طوافِ قدوم کرلیا، تو اب حج اس کے ذمہ بالکل مؤکد ہو گیا۔ اور اگر اس نے عمرہ ترک کر دیا تو حج کی ادائیگی کے بعد اس کی قضاء کرنی ہوگی، اس لیے کہ عمرہ کا شروع کرنا اس میں صحیح تھا اور عمرہ چھوڑنے کی وجہ سے دَم ادا کرے گا۔

حج سے فراغت کے بعد یوم النحر میں عمرہ کا احرام باندھنا

ایک آدمی نے حج ادا کیا اس کے بعد یوم النحر میں عمرہ کا احرام باندھا، یا اس کے بعد تین دنوں میں سے کسی دن عمرہ کا احرام باندھا، تو اس صورت میں اس پر عمرہ ادا کرنا لازم ہو جائے گا، کیوں کہ اس نے احرام باندھ کر عمرہ شروع کر دیا تھا اور شروع کرنے کے بعد لازم ہو جاتا ہے، مگر یہ کراہت تحریمی کے ساتھ ادا ہوگا کیوں کہ ابھی وہ حج سے فارغ نہیں ہوا تھا، یہی وجہ ہے کہ گناہ سے بچنے کے لیے اس پر عمرہ کا ترک کر دینا واجب ہے اور عمرہ چھوڑنے کی وجہ سے اس کی قضاء کرے اور لازمی طور پر دَم ادا کرے، کیوں کہ اس نے عمرہ کو ترک کر دیا تھا۔ اور اگر اس نے عمرہ ترک نہیں کیا بلکہ عمرہ ادا کر لیا تو یہ ادا کرنا بھی صحیح ہو جائے گا، لیکن مکروہ تحریمی کا ارتکاب ہوا ہے اس لیے لازمی طور پر دم دے گا تاکہ نقصان کی تلافی ہو جائے۔

حج فوت ہونے والے کا حج اور عمرہ کا احرام

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ وہ شخص جس کا حج فوت ہو چکا ہے وہ جب اسی سال دوسرے حج یا عمرہ کا احرام باندھے گا تو اس پر دوسرے احرام کا ترک کر دینا واجب ہے، اس لیے کہ دو حج یا دو عمروں کے احرام کو جمع کرنا شریعت میں مشروع نہیں ہے۔ اور جب کسی کا حج فوت ہو جاتا ہے تو اس کا احرام باقی رہتا ہے۔ اب اس پر واجب ہے کہ وہ عمرہ کے افعال ادا کر کے حج کے احرام سے حلال ہو جائے، اس کے بعد اس کی قضاء کرے جس کا احرام باندھا تھا، اس لیے کہ اس کا ابتداءً شروع کرنا صحیح تھا، اور وقت سے پہلے احرام ختم کرنے کی وجہ سے وہ بکری بھی ذبح کرے گا۔ (اس پر یہ واجب تھا کہ وہ دوسرے حج کے افعال کو ادا کرتا، یا عمرہ کے بعد احرامِ ثانی سے باہر آ جاتا، کیوں کہ دو احراموں کو جمع کرنا درست نہیں ہے، اس لیے دوسرے احرام کو ترک کر دینا ضروری ہے، اسی وجہ سے اس پر دم بھی لازم ہے)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

بَابُ الْإِحْصَارِ

یہ باب احصار کے احکام ومسائل کے بیان میں ہے

هُوَ لُغَةً: الْمَنْعُ. وَشَرْعًا: مَنْعٌ عَنْ رُكْنٍ (إِذَا أُحْصِرَ بِعَدُوٍّ أَوْ مَرَضٍ) أَوْ مَوْتِ مَحْرَمٍ أَوْ هَلَاكِ نَفَقَةٍ حَلَّ لَهُ التَّحَلُّلُ فَحِينَئِذٍ (بَعَثَ الْمُفْرِدُ دَمًا) أَوْ قِيمَتَهُ فَإِنْ لَمْ يَجِدْ بَقِيَ مُحْرِمًا حِينَ يَجِدُ أَوْ يَتَحَلَّلُ بِطَوَافٍ وَعَنِ الثَّانِي أَنَّهُ يُقَوِّمُ الدَّمَ بِالطَّعَامِ وَيَتَصَدَّقُ بِهِ فَإِنْ لَمْ يَجِدْ صَامَ عَنْ كُلِّ نِصْفِ صَاعٍ يَوْمًا (وَالْقَارِنُ دَمَيْنِ) فَلَوْ بَعَثَ وَاحِدًا لَمْ يَتَحَلَّلْ عَنْهُ (وَعُيِّنَ يَوْمُ الذَّبْحِ) لِيَعْلَمَ مَتَى يَتَحَلَّلُ وَيَذْبَحُهُ (فِي الْحَرَمِ وَلَوْ قَبْلَ يَوْمِ النَّحْرِ) خِلَافًا لَهُمَا (وَلَوْ لَمْ يَفْعَلْ وَرَجَعَ إِلَى أَهْلِهِ بِغَيْرِ تَحَلُّلٍ وَصَبَرَ) مُحْرِمًا (حَتَّى زَالَ الْخَوْفُ جَازَ فَإِنْ أَدْرَكَ الْحَجَّ فِيهَا) وَنِعْمَتْ (وَإِلَّا تَحَلَّلَ

بِالْعُمْرَةِ) لِأَنَّ التَّحَلُّلَ بِالذَّبْحِ إِنَّمَا هُوَ لِلضَّرُورَةِ حَتَّى لَا يَمْتَدَّ إِحْرَامُهُ فَيَشُقَّ عَلَيْهِ زَيْلَعِيٌّ (وَبِذَبْحِهِ يَحِلُّ) وَلَوْ (بِلَا حَلْقٍ وَتَقْصِيرٍ) هَذَا فَائِدَةُ التَّعْيِينِ، فَلَوْ ظَنَّ ذَبْحَهُ فَفَعَلَ كَالْحَلَالِ فَظَهَرَ أَنَّهُ لَمْ يَذْبَحْ أَوْ ذَبَحَ فِي حِلٍّ لَزِمَهُ جَزَاءُ مَا جَنَى

احصار کے لغوی وشرعی معنی

مصنفؒ فرماتے ہیں کہ "احصار" کے معنی لغت میں: "منع اور روکنے" کے آتے ہیں۔ اور شریعت کی اصطلاح میں: کسی رُکن کی ادائیگی سے رُک جانے کا نام "احصار" ہے، خواہ وہ حج کا رکن ہو، یا عمرہ کا رکن ہو، جب محرم کسی شرعی عذر کی وجہ سے رک جائے، جیسے دشمن کی وجہ سے، یا بیماری کی وجہ سے، یا عورت حج کے ارکان ادا کرنے سے رک جائے محرم کے مرنے کی وجہ سے، یا نفقہ کے ہلاک ہونے کی وجہ سے، تو مذکورہ تمام صورتوں میں اس کے لیے احرام کھول کر حلال ہو جانا جائز ہے۔

احصار کی صورتیں

مسلک حنفی کے مطابق احصار کی کئی صورتیں ہیں جو اس چیز کی ادائیگی سے جس کا احرام باندھا ہے حقیقتاً یا شرعاً مانع ہو جاتی ہیں، ان صورتوں کی تفصیل ذرج ذیل ہے:

(۱) کسی دشمن کا خوف ہو۔ دشمن سے مراد عام ہے، خواہ کوئی آدمی ہو یا درندہ، مثلاً یہ معلوم ہو کہ راستہ میں کوئی دشمن بیٹھا ہے جو حجاج کرام کو ستاتا ہے، یا لوٹ لیتا ہے، یا مارتا ہے آگے جانے نہیں دیتا ہے، یا ایسی ہی کوئی جگہ جہاں شیر وغیرہ کی موجودگی کا علم ہو۔

(۲) بیماری۔ احرام باندھنے کے بعد ایسا بیمار ہو جائے کہ اس کی وجہ سے آگے نہ جا سکتا ہو، یا آگے جا تو سکتا ہے لیکن مرض بڑھنے کا خوف ہو۔

(۳) عورت کا محرم نہ رہے، احرام باندھنے کے بعد عورت کا محرم یا خاوند مر جائے، یا کہیں چلا جائے یا آگے جانے سے انکار کر دے۔

(۴) نفقہ کم ہو جائے، مثلاً احرام باندھنے کے بعد مال واسباب چوری ہو جائے، یا پہلے ہی سے نفقہ کم لے کر چلا ہو اور اب آگے کی ضروریات کے لیے روپیہ پیسہ نہ رہے۔

(۵) عورت کے لیے عدت۔ احرام باندھنے کے بعد عورت کا شوہر مر جائے، یا طلاق دیدے، جس کی وجہ سے وہ پابند عدت ہو جائے تو یہ احصار ہو جائے گا، ہاں اگر وہ عورت اس وقت مقیم ہے اور اس کی جائے قیام سے مکہ بقدر مسافت سفر شرعی نہیں ہے تو عورت محصر نہیں ہوگی۔

(۶) راستہ بھول جائے اور کوئی راہ بتانے والا نہ مل سکے۔

(۷) عورت کو اس کا شوہر منع کردے، بشرطیکہ اس نے حج کا احرام اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر باندھا ہو، حج فرض سے روکنے کا، اور حج نفل میں اجازت دینے کے بعد روکنے کا اختیار شوہر کو نہیں ہے۔

(۸) لونڈی یا غلام کو اس کا مالک منع کردے۔ (شامی: ۴/۴)

احصار کی یہ تمام صورتیں مسلکِ احناف کے مطابق ہیں، بقیہ تینوں ائمہ کرامؒ کے یہاں احصار کی صرف ایک ہی صورت، یعنی دشمن کا خوف ہے، چنانچہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بقیہ صورتوں میں احصار کا ثبوت نہیں ہوگا، بلکہ احرام کی حالت برقرار رہتی ہے۔ (مظاہر حق جدید: ۳/۳۸۴)

محصَر کا حکم شرعی

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جو محرم احصار کی مذکورہ بالا صورتوں میں سے کسی صورت کے پیش آجانے کی وجہ سے سفر حج نہ کرسکے تو اسے چاہئے کہ اگر وہ مفرد ہو تو ایک ہدی کا جانور (بکری یا بھیڑ) یا اس کی قیمت حرم شریف بھیجے، اور اگر وہ بکری یا اس کی قیمت نہ پاسکے تو وہ اس وقت تک حالتِ احرام میں رہے گا جب تک کہ ان دونوں میں سے کوئی چیز نہ پالے، یا وہ عمرہ کا طواف اور سعی بین الصفا والمروہ کرکے احرام ختم کرکے حلال نہ ہوجائے اور اس بارے میں حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اس جانور کی کھانے سے قیمت لگائے اور اس کو صدقہ کردے اور ہر مسکین کو نصف صاع گندم دے، اور اگر اناج بھی نہ مل سکے تو ایسی صورت میں ہر ہر نصف صاع کے عوض میں ایک ایک دن روزہ رکھے۔ (حضرت امام ابو یوسفؒ کے اس قول کو فتح القدیر میں رد کیا گیا ہے، اس لیے کہ یہ قول نص کے مخالف ہے)۔ (شامی: ۴/۵)

اگر محصر قارن ہو تو کیا حکم ہے؟

اور اگر اس نے حج قران کا احرام باندھ رکھا تھا اور کسی عذر شرعی کی وجہ سے سفر حج پہ جانا نہ ہوسکا تو اسے چاہئے کہ دو ہدی کے جانور حرم شریف کسی کے ذریعہ بھیج دے، ایک ہدی تو حج کے لیے اور دوسرا عمرہ کے احرام کے لئے، چناں چہ اگر حج قران کی نیت کرنے والا شخص دو جانور کے بجائے ایک ہی جانور بھیجا تو وہ اس وقت تک احرام سے نہیں نکل سکے گا جب تک دو ہدی نہ بھیجے گا، اس لیے کہ قارن کو یہ حکم ہے کہ دونوں احراموں سے ایک ساتھ باہر نکلے۔ اور جس جانور کو یا اس کی قیمت کو حرم شریف بھیج رہا ہے وہاں لے جانے کے بعد اس کی طرف سے وہ ذبح کرے گا اور ہدی بھیجنے والا آدمی جس کے ذریعہ سے بھیج رہا ہے کہ وہ کس دن اور کس وقت حرم میں ذبح کرے گا وہ معلوم کرلے، تاکہ اسی کے مطابق یہ یہاں احرام کھولے، اس لیے کہ ذبح سے پہلے یہ حلال نہیں ہوسکتا ہے۔

اگر ہدی کا جانور یوم النحر سے پہلے ذبح کردیا تو کیا حکم ہے؟

محرم جس جانور کو بھیجے گا وہ حرم میں جا کر ذبح ہوگا، خواہ یوم النحر سے پہلے کیوں نہ ذبح کردیا جائے، لیکن حضرات صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ یوم النحر یعنی دسویں ذی الحجہ سے پہلے ذبح کرنا جائز نہیں ہے اور اگر یوم النحر سے پہلے ذبح کردیا گیا تو محصر بالحج

کی طرف سے کافی نہ ہوگا، البتہ اگر احصار عمرہ کا ہے تو یوم النحر سے پہلے بھی ذبح کرنا درست ہے۔ (لیکن فتویٰ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے قول پر ہے)۔

محرم محصر قربانی کا جانور نہ بھیج سکا تو کیا حکم ہے؟

جو شخص کسی شرعی عذر کی وجہ سے سفر حج میں نہیں جاسکا اور وہ محصر ہوگیا، اس نے قربانی کا جانور یا اس کی قیمت حرم شریف نہیں بھیج سکا اور بغیر حلال ہوئے اپنے گھر لوٹ آیا، یا جہاں عذر پیش آیا تھا وہیں حالت احرام ہی میں رُکا رہا، یہاں تک کہ وہ عذر یعنی خوف دشمن ختم ہوگیا، تو اگر عذر کے ختم ہونے کے بعد حج کو پالے تو اس کے لیے حج کرنا جائز ہے، اور اگر حج کا مہینہ ختم ہو چکا ہے تو صرف عمرہ کر کے احرام کھولدے اور حلال ہو جائے، اس لیے کہ جانور کے ذبح کے بعد حلال ہونا ضرورت کے پیش نظر تھا کہ کہیں احرام کی مدت دراز نہ ہو جائے اور وہ دُشواری میں مبتلا نہ ہو جائے اور یہاں یہ بات نہیں ہے، اس لیے عمرہ کر کے حلال ہو جانا جائز ہے جیسا کہ زیلعی میں ہے۔

ہدی کے ذبح ہونے کی صورت میں محصر کا حکم

جب محرم محصر کی طرف سے ہدی کا جانور حرم شریف میں ذبح کر دیا گیا تو اب وہ احرام سے خارج ہو جائے گا، خواہ سر کے بال کا حلق کروائے یا نہ کروائے، یا بال کٹوائے یا نہ کٹوائے، اور یہ تعیین کا فائدہ ہے، اگر محصر نے یہ خیال کیا کہ جانور حرم میں ذبح ہوگیا ہوگا اور اس نے وہ کام شروع کر دیا جو غیر محرم کرتا ہے بعد میں معلوم ہوا کہ ابھی جانور ذبح نہیں ہوا ہے، یا حرم شریف کے بجائے حِل میں جانور ذبح کیا گیا، تو اس صورت میں اس کو اپنی جنایت کی جزا دینی لازم ہوگی۔ (حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک حلق یا قصر میں سے کوئی ایک واجب ہے، حلق یا قصر میں سے کچھ بھی نہیں کیا تو دم لازم ہے)۔

(وَ يَجِبُ (عَلَيْهِ إنْ حَلَّ مِنْ حَجِّهِ) وَلَوْ نَفْلًا (حَجَّةٌ) بِالشُّرُوعِ (وَعُمْرَةٌ) لِلتَّحَلُّلِ إنْ لَمْ يَحُجَّ مِنْ عَامِهِ(وَعَلَى الْمُعْتَمِرِ عُمْرَةٌ، و) عَلَى (الْقَارِنِ حَجَّةٌ وَعُمْرَتَانِ) إحْدَاهُمَا لِلتَّحَلُّلِ (فَإِنْ بَعَثَ ثُمَّ زَالَ الْإِحْصَارُ وَقَدَرَ عَلَى) إدْرَاكِ (الْهَدْيِ وَالْحَجِّ) مِمَّا (تَوَجَّهَ) وُجُوبًا (وَإِلَّا) يَقْدِرْ عَلَيْهِمَا (لَا يَلْزَمُهُ) التَّوَجُّهُ وَهِيَ رُبَاعِيَّةٌ (وَلَا إحْصَارَ بَعْدَ مَا وَقَفَ بِعَرَفَةَ) لِلْأَمْنِ (مِنْ الْفَوَاتِ) وَالْمَمْنُوعُ لَوْ (بِمَكَّةَ عَنْ الرُّكْنَيْنِ مُحْصَرٌ) عَلَى الْأَصَحِّ (وَالْقَادِرُ عَلَى أَحَدِهِمَا لَا) أَمَّا عَلَى الْوُقُوفِ فَلِتَمَامِ حَجِّهِ بِهِ، وَأَمَّا عَلَى الطَّوَافِ فَلِتَحَلُّلِهِ بِهِ كَمَا مَرَّ.

محرم محصر حج کی قضا کرے

حضرت مصنفؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے حج کا احرام اسی طرح کھولا ہے اور حلال ہوا ہے تو اس پر واجب ہے کہ دوسرا

حج قضا کے طور پر کرے، اگر چہ وہ حج نفل ہی کیوں نہ ہو اس لیے کہ وہ شروع کر چکا تھا اور شروع کرنے کے بعد ادا کرنا واجب ہے۔ اور حلال ہونے کی وجہ سے عمرہ واجب ہے، بشرطیکہ اس نے اس سال حج ادا نہ کیا ہو اور اگر زوالِ عذر کے بعد اس نے اسی سال حج کرلیا ہے تو آئندہ سال صرف حج کی قضاء لازم ہوگی، عمرہ واجب نہ ہوگا، اور اگر عمرہ کا احرام باندھنے والا شخص عمرہ نہیں کرسکا تو اس پر صرف عمرہ واجب ہے، اور اگر حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھنے والا شخص سفرِ حج پہ نہیں جاسکا یعنی قارن نہیں جاسکا تو اس پر ایک حج اور دو عمرہ واجب ہے، ایک عمرہ حلال ہونے کے لیے اور دوسرا عمرہ قران کا۔

ہدی کا جانور روانہ کرنے کے بعد عذر ختم ہو جائے تو کیا حکم ہے؟

باب کے شروع میں ثبوتِ احصار کے لیے جو اعذارِ شرعیہ ذکر کئے گئے ہیں ان اعذار میں سے کسی عذر کی وجہ سے محرم سفرِ حج پہ نہیں جاسکتا تھا، چناں چہ اس نے ہدی کا جانور کسی کے ذریعہ حرم شریف بھیج دیا تھا پھر بعد میں وہ عذر ختم ہو گیا جس کی جہ سے نہیں جاسکتا تھا اور اب یہ شخص اس بات پر قادر ہے کہ وہاں پہنچ کر ہدی کا جانور اور حج کو پالے تو اس پر واجب ہے فوراً حج کے لیے روانہ ہو جائے۔ اور ایسے وقت میں اس کے لیے جانور بھیج کر احرام سے باہر آنا جائز نہیں ہے، کیوں کہ جانور کا بھیجنا تو حج کا بدل تھا اور جب وہ بطورِ خود اصل کے حصول پر قادر ہو گیا تو بدل کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

اور اگر عذر ایسے وقت میں ختم ہوا کہ وہ حج اور جانور کو ایک ساتھ پانے پر قادر نہیں ہے، تو پھر اس پر واجب نہیں ہے کہ حج کے لیے روانہ ہو اور یہ مسئلہ رباعی ہے، یعنی اس مسئلہ کی چار صورتیں ہو سکتی ہیں:

صورتِ اولیٰ: پہلی صورت یہ ہے کہ جانور اور حج دونوں کو ساتھ ساتھ پاسکتا ہو

صورتِ ثانیہ: دوسری صورت یہ ہے کہ جانور اور حج دونوں کو ساتھ ساتھ نہ پاسکتا ہو

صورتِ ثالثہ: تیسری صورت یہ ہے کہ جانور کو تو پاسکتا ہے لیکن حج کو نہ پاسکتا ہو

صورتِ رابعہ: چوتھی صورت یہ ہے کہ صرف حج کو پاسکتا ہو، جانور نہ پاسکتا ہو۔

مذکورہ چاروں صورتوں میں سے صرف پہلی صورت میں حج کے لیے جانا لازم ہے، باقی تین صورتوں میں جانا لازم نہیں ہے، لیکن اگر حلال ہونے کے ارادہ سے جائے اور عمرہ ادا کرے تو جائز اور درست ہے۔ (شامی: ۴/۷)

وقوفِ عرفہ کے بعد احصار کا ثبوت نہیں ہوتا

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ وقوفِ عرفہ کے بعد احصار کا ثبوت نہیں ہوتا ہے، اس لیے کہ وقوفِ عرفہ کے بعد حج کے فوت ہونے سے امن ہو جاتا ہے، اسی طرح وقوفِ عرفہ کے بعد حج کے رکاوٹ سے امن ہو جاتا ہے۔ وقوفِ عرفات کے بعد کوئی رکاوٹ پیش آجائے تو اس سے صرف واجبات ترک ہوں گے اور دَم لازم ہوگا، حج فوت نہیں ہوگا۔ اور جو شخص مکہ مکرمہ

یعنی وقوفِ عرفات اور طوافِ زیارت سے روک دیا جائے تو اصح قول کے مطابق وہ محصر ہوگا، اگر چہ وہ مکہ مکرمہ ہی میں کیوں نہ ہو، البتہ جو شخص ان دونوں میں سے کسی ایک پر قادر ہو وہ محصر نہیں ہوگا، اس لیے جو شخص وقوفِ عرفہ کر چکا ہے اس کا حج تام ہو جاتا ہے اور جو طوافِ زیارت پر قادر ہو وہ اس وجہ سے محصر نہیں ہوگا کہ طواف کرنے کی وجہ سے وہ احرام سے نکل کر حلال ہو گیا، جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے کہ حلال ہونے میں اصل طواف ہے اور جانور کا ذبح کرنا اس کا عوض ہے اصل کی موجودگی میں بدل کی ضرورت نہیں ہے۔

بَابُ الْحَجِّ عَنِ الْغَيْرِ

حج بدل کے احکام و مسائل کا بیان

الْأَصْلُ أَنَّ كُلَّ مَنْ أَتَى بِعِبَادَةٍ مَا، لَهُ جَعْلُ ثَوَابِهَا لِغَيْرِهِ وَإِنْ نَوَاهَا عِنْدَ الْفِعْلِ لِنَفْسِهِ لِظَاهِرِ الْأَدِلَّةِ. وَأَمَّا قَوْلُهُ تَعَالَى - ﴿وَأَنْ لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى﴾ - أَيْ إِلَّا إِذَا وَهَبَهُ لَهُ كَمَا حَقَّقَهُ الْكَمَالُ، أَوْ اللَّامُ بِمَعْنَى عَلَى كَمَا فِي - ﴿وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ﴾ - وَلَقَدْ أَفْصَحَ الزَّاهِدِيُّ عَنْ اعْتِزَالِهِ هُنَا وَاللَّهُ الْمُوَفِّقُ. (الْعِبَادَةُ الْمَالِيَّةُ) كَزَكَاةٍ وَكَفَّارَةٍ (تَقْبَلُ النِّيَابَةَ) عَنْ الْمُكَلَّفِ (مُطْلَقًا) عِنْدَ الْقُدْرَةِ وَالْعَجْزِ وَلَوْ النَّائِبُ ذِمِّيًّا، لِأَنَّ الْعِبْرَةَ لِنِيَّةِ الْمُوَكِّلِ وَلَوْ عِنْدَ دَفْعِ الْوَكِيلِ (وَالْبَدَنِيَّةُ) كَصَلَاةٍ وَصَوْمٍ (لَا) تَقْبَلُهَا (مُطْلَقًا، وَالْمُرَكَّبَةُ مِنْهُمَا) كَحَجِّ الْفَرْضِ (تَقْبَلُ النِّيَابَةَ عِنْدَ الْعَجْزِ فَقَطْ) لَكِنْ (بِشَرْطِ دَوَامِ الْعَجْزِ إِلَى الْمَوْتِ) لِأَنَّهُ فَرْضُ الْعُمْرِ حَتَّى تَلْزَمَ الْإِعَادَةُ بِزَوَالِ الْعُذْرِ (وَ) بِشَرْطِ (نِيَّةِ الْحَجِّ عَنْهُ) أَيْ عَنْ الْآمِرِ فَيَقُولُ: أَحْرَمْتُ عَنْ فُلَانٍ وَلَبَّيْتُ عَنْ فُلَانٍ، وَلَوْ نَسِيَ اسْمَهُ فَنَوَى عَنْ الْآمِرِ صَحَّ، وَتَكْفِي نِيَّةُ الْقَلْبِ (هَذَا) أَيْ اشْتِرَاطُ دَوَامِ الْعَجْزِ إِلَى الْمَوْتِ (إِذَا كَانَ الْعَجْزُ كَالْحَبْسِ وَ (الْمَرَضُ يُرْجَى زَوَالُهُ) أَيْ يُمْكِنُ (وَإِنْ لَمْ يَكُنْ كَذَلِكَ كَالْعَمَى وَالزَّمَانَةِ سَقَطَ الْفَرْضُ) بِحَجِّ الْغَيْرِ (عَنْهُ) فَلَا إِعَادَةَ مُطْلَقًا سَوَاءٌ (اسْتَمَرَّ بِهِ ذَلِكَ الْعُذْرُ أَمْ لَا) وَلَوْ أَحَجَّ عَنْهُ وَهُوَ صَحِيحٌ ثُمَّ عَجَزَ وَاسْتَمَرَّ لَمْ يُجْزِهِ لِفَقْدِ شَرْطِهِ .

حج بدل میں دوسرے کو کب بھیجنا جائز ہے؟

حضرت مصنف علیہ الرحمہ اس باب کے اندر یہ بیان کریں گے کہ جن پر حج فرض ہے اگر وہ کسی عذر کی وجہ سے خود حج کے لیے سفر نہیں کر سکتے ہیں، بلکہ اپنی طرف سے حج کے لیے کسی دوسرے کو بھیجنا چاہتے ہیں تو اس کے لیے کیا مسائل اور کیا احکام ہیں؟ اور حج بدل میں کب بھیجنا جائز ہے اور کب ناجائز ہے؟ ان تمام باتوں کی تفصیل اس باب کے اندر بیان کی جائیگی۔

چناں چہ حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اصل یہ ہے کہ جو شخص خود مالی عبادت کو بجالائے اور اس کا ثواب کسی دوسرے کو پہنچائے اگر چہ عبادت کرتے وقت اپنے لیے نیت کی ہو، تو وہ ایسا کرسکتا ہے اور یہ اصل قرآن وسنت سے ثابت ہے۔ (علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ نماز، روزہ، صدقہ، قرأت قرآن، ذکرواذکار، طواف، حج، عمرہ اور ان کے علاوہ دیگر عبادات کا ثواب بھی دوسروں کو پہنچانا جائز ہے۔ اور فتاویٰ تاتر خانیہ میں محیط سے منقول ہے کہ افضل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص نفلی صدقہ کرے تو تمام مومنین اور مومنات کو ثواب پہنچانے کی نیت کرے، اس لیے کہ ہر ایک کو ثواب برابر برابر بغیر کسی کمی کے پہنچ جائے گا)۔ (شامی: ۴/۱۰)

ایصالِ ثواب کا مسئلہ

اہل السنۃ والجماعۃ کا مسلک یہ ہے کہ اعمالِ صالحہ کا ثواب مردوں کو ملتا ہے، چناں چہ قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ کا پاک ارشاد ہے: {وَ قُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا} "اے میرے پروردگار! میرے والدین پر رحم وکرم فرمایئے! جس طرح کہ انھوں نے بچپن میں میری پرورش کی ہے"۔ اس سے معلوم ہوا کہ اولاد کی دعاء والدین کے حق میں مفید ہے اور ایک انسان کا عمل دوسرے انسان کے لیے نفع بخش ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اولاد کو حکم دیا کہ وہ اپنے والدین کے حق میں دعاء کیا کریں۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے دو مینڈھوں کی قربانی فرمائی، ایک اپنی طرف سے اور ایک اپنی امت کی طرف سے۔ اس حدیث شریف سے بھی معلوم ہوا کہ عبادت مالی میں نیابت درست ہے، نیز ایک دوسری حدیث میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی قبرستان سے گذرے اور گیارہ مرتبہ "قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ" پڑھ کر اس کا ثواب مردوں کو پہنچا دے تو اس کو بھی اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا کہ مُردوں کو ملے گا۔

ایک مرتبہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! ہم خیرات وصدقات کرتے ہیں، اپنے مُردوں کی طرف سے حج کرتے ہیں، ان کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں، کیا یہ سب ان کو پہنچتا ہے؟ رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہاں، انھیں پہنچتا ہے اور وہ اس سے خوش ہوتے ہیں۔ ایک دفعہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنے مرنے والوں کے لیے سورۂ یٰسین پڑھا کرو۔ مذکورہ بالا تمام روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اعمالِ صالحہ کا ثواب مُردوں کو ملتا ہے۔ (شامی: ۴/۱۱)

ایک اشکال اور اس کا جواب

اب یہاں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں ارشاد فرمایا کہ: {وَ اَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى} کہ انسان کو خود اپنا کیا ہوا کام آتا ہے، دوسروں کے اعمال کوئی کام نہیں آتے ہیں؟ حالاں کہ مذکورہ بالا احادیث شریفہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے کے اعمالِ صالحہ کا ثواب مردوں کو ملتا ہے، تو اب ان دونوں کے درمیان تعارض ہوگیا؟ تو اس کا کیا جواب ہے؟

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ انسان کو غیر کا عمل اس وقت تک مفید ثابت نہیں ہوسکتا ہے جب تک کہ وہ اس کی لیے نہ بخشے،

جیسا کہ صاحب فتح القدیر علامہ کمال نے اس کو ثابت کیا ہے۔ دوسرا جواب یہ بھی ہے کہ اس آیت میں لام "علیٰ" کے معنی میں ہے اور مطلب یہ ہے کہ انسان کو اپنے عمل کے علاوہ کسی دوسرے کا عمل مضر نہیں ہے، تو یہاں مضرت کی نفی ہوگی، منفعت کی نہیں۔ اور لام کبھی کبھی "علیٰ" کے معنی میں آتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول لَهُمُ اللَّعْنَةُ میں ہے، أي: عَلَيْهِمُ اللَّعْنَةُ یعنی ان پر لعنت ہو۔ (حضرت امام مالکؒ، اور امام شافعیؒ بھی اس بات کے قائل ہیں کہ مالی عبادات اور حج کا ثواب دوسرے کو پہنچتا ہے)۔

ایصالِ ثواب کے بارے میں معتزلہ کا مذہب

اور علامہ زاہدیؒ نے اس کی صراحت کی ہے کہ معتزلہ ایصالِ ثواب کے قائل نہیں ہیں اور ان کا استدلال مذکورہ بالا آیت کریمہ سے ہے۔ معتزلہ جو اپنے آپ کو کسی زمانے میں اصحاب العدل والتوحید کہتے تھے، ان کا کہنا ہے کہ ایک آدمی کے اعمالِ صالحہ کا ثواب دوسرے کو نہیں پہنچتا ہے، لیکن ان کا یہ عقیدہ جمہور اہل السنۃ والجماعۃ کے عقیدے کے خلاف ہے۔ اور معتزلہ نے جس آیت کو بطور استدلال پیش کیا ہے اس کا ایک جواب یہ بھی ہے کہ آیت کریمہ میں انسان سے مراد کافر ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ کافروں کو صرف اپنا ہی عمل کام آئے گا، دوسرے کا ایمان انہیں کوئی کام نہ آئے گا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ {وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى} منسوخ ہے اور ناسخ {وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ} ہے، تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ آیت حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام کی قوم کے لیے خاص ہے، اس لیے کہ ان کے صحف میں جو مکتوب تھا اس کا بیان ہے، اس کے علاوہ بھی اور جوابات ہیں۔ (تفصیل کیلئے: شامی: ۴/ ۱۲)

عباداتِ مالیہ میں نیابت کا حکم

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ عباداتِ مالیہ میں، جیسے: زکوٰۃ، کفارہ، صدقۂ فطر اور عشر وغیرہ میں مکلف کی طرف سے مطلقاً نیابت درست ہے، خواہ وہ مکلف بذاتِ خود ادا کرنے پر قدرت رکھتا ہو، خواہ بذاتِ خود ادا کرنے سے عاجز ہو، اور اگرچہ نائب ذمی کافر ہی کیوں نہ ہو، بہرصورت اگر کوئی دوسرا شخص بطور نیابت مکلف کی طرف سے ادا کرے تو جائز ہے، اس لیے کہ اس کے اندر بنیادی چیز موکل کی نیت کا اعتبار ہے، خواہ اس نے وکیل کی جانب سپرد کرتے وقت نیت کی ہو یا جس وقت نائب محتاج وفقیر کو مال دے رہا ہے، اس وقت نیت کی ہو یا اس کے درمیان میں نیت کرے، بہرصورت نیابت درست ہے۔

عباداتِ بدنیہ میں نیابت کا حکم

عبادت کی دوسری قسم عبادتِ بدنیہ ہے، جیسے نماز، روزہ، اس میں مطلقاً نیابت جائز نہیں ہے، یعنی نہ قدرت کے وقت نیابت جائز ہے اور نہ عاجز ہونے کے وقت، یعنی اگر مکلف کی طرف سے کوئی دوسرا آدمی نماز پڑھ دے یا اس کی جانب سے روزہ رکھ دے تو یہ مکلف کی جانب سے ادا نہ ہوگا، اس لیے کہ عبادتِ بدنیہ کا اصلی مقصد یہ ہے کہ افعالِ مخصوصہ کے ذریعہ روح

و بدن دونوں مشقت برداشت کریں، تاکہ اس سے قلب وروح کا تزکیہ ہو اور اس سے اللہ تعالیٰ کی قربت حاصل ہو اور یہ چیز نائب کے ادا کرنے سے حاصل نہیں ہوسکتی ہے، جب تک کہ آدمی خود اس کو ادا نہ کرے۔ (اور حدیث شریف میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ کوئی آدمی کسی کی طرف سے نہ روزہ رکھے، نہ کسی کی طرف سے نماز پڑھے، اس کا مطلب یہی ہے کہ دوسرے کے ادا کرنے کی وجہ سے مکلف کے ذمہ سے فریضہ نماز وروزہ ساقط نہ ہوگا، بلکہ اس کے ذمہ فریضہ باقی رہے گا، البتہ نماز، روزہ کے ذریعہ ایصالِ ثواب کیا جاسکتا ہے، اور نفلی عبادتِ بدنیہ میں اس طرح کرنا جائز ہے، اسی لیے اولاد کو حکم ہے کہ والدین کے لیے نفلی روزہ رکھے اور نفلی نماز پڑھے)۔

جو عبادت مال و بدن دونوں سے مرکب ہو اس میں نیابت کا حکم

اور جو عبادت مال اور بدن دونوں سے مرکب ہوتی ہے، جیسے: حج فرض، یہ نیابت اس وقت قبول کرتی ہے جب مکلف خود ادا کرنے سے عاجز ہو۔ اور یہ عاجزی اور عدم قدرت موت تک دائمی رہے، موت تک عجز ختم ہونے والا نہ ہو۔ اور اگر یہ مجبوری موت تک دائمی نہ ہو تو اس صورت میں نیابت جائز نہیں ہے، اس لیے کہ حج پوری عمر میں صرف ایک مرتبہ فرض ہے، یہاں تک کہ اگر مجبوری اور عذر ختم ہو جائے تو نائب سے کرانے کے باوجود اس کو دوبارہ کرنا لازم ہوگا، کیوں کہ اس کی مجبوری موت تک دائمی نہیں ہے۔

حج میں نیابت کی شرائط

حج فرض میں نیابت جائز ہے مگر اس کے لیے چند شرائط ہیں: (۱) جس پر حج فرض ہوا ہے وہ کسی ایسی بیماری میں مبتلا ہو جو بیماری موت تک باقی رہنے والی ہو اور خود حج کرنے کے لیے نہ جاسکتا ہو۔ (۲) جو شخص نائب بن کر حج کر رہا ہے اس پر لازم ہے کہ وہ اپنی طرف سے نہیں بلکہ اپنے نائب بنانے والے کی طرف سے حج کرے، یعنی آمر کی طرف سے حج ادا کرنے کی نیت کرے گا، چنانچہ احرام باندھتے وقت نائب یہ کہے گا کہ میں نے فلاں شخص کی طرف سے احرام باندھا اور فلاں شخص کی طرف سے لبیک کہا۔ اور اگر نائب آمر کا نام بھول جائے تو نائب یہ نیت کرے کہ میں آمر کی طرف سے احرام باندھ رہا ہوں اور اسی کی طرف سے تلبیہ کہہ رہا ہوں، یہ درست ہے اور نیت زبان سے کرنا لازم نہیں ہے، بلکہ دل سے نیت کر لینا کافی ہے۔

دائمی مجبوری کب معتبر ہے؟

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ موت تک عاجزی اور مجبوری کا دائمی ہونا اس وقت شرط ہے جب کہ مجبوری یا بیماری کے ختم ہونے کا امکان ہو، جیسے قید ہونا، یا بیمار ہونا، یہ ایک ایسی عاجزی ہے جس کا زوال پذیر ہونا ممکن ہے۔ اور اگر ایسی مجبوری میں گرفتار ہو کہ جس کا ختم ہونا ممکن نہ ہو اور وہ مجبوری زائل ہونے کی توقع نہ ہو جیسے اندھا ہونا، لولا ہونا، تو اگر کوئی دوسرا

شخص اس کی طرف سے حج کرے تو حج ادا ہو جائے گا اور اس کے ذمہ سے فرض ساقط ہو جائے گا، لہٰذا اگر بعد میں کسی وجہ سے عذر زائل ہو گیا ہے تو اس پر دوبارہ کرنا لازم نہیں ہے، خواہ یہ مجبوری برابر باقی رہے یا نہ رہے۔

تندرست آدمی کا حج بدل کرانا

ایک تندرست آدمی نے اپنی طرف سے دوسرے سے حج کرایا، پھر وہ تندرست آدمی واقعی طور پر مجبور ہو گیا اور اس کی مجبوری دائمی ہو گئی تو اس صورت میں پہلا حج جو اس نے نائب کے توسط سے کرایا ہے جائز نہیں ہوگا، اس لیے کہ جس وقت اپنی طرف سے نائب بنا کر حج کرایا تھا اس وقت وہ معذور و مجبور نہیں تھا اور اس میں حج بدل کرانے کی شرائط نہیں پائی گئی تھیں۔ (الغرض حج فرض آمر کی طرف سے ادا نہیں ہوگا، البتہ زیادہ سے زیادہ نفل حج کا ثواب مل جائے گا۔ (شامی: ۴/۱۵)

سلاطین اور وزراء کا اپنی طرف سے دوسروں کو حج کے لیے بھیجنا

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ اس سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ سلاطین اور وزراء حضرات اپنی طرف سے جو دوسروں کو حج کے لیے بھیجتے ہیں اور انہیں کوئی عذر دائمی نہیں ہوتا ہے صرف امور سلطنت میں مشغول ہونے کی وجہ سے حج بدل میں بھیجتے ہیں، ظاہر ہے کہ ان کی طرف سے حج فرض ادا نہ ہوگا، ہاں نفل حج ہو جائے گا۔ (شامی: ۴/۱۶)

(وَبِشَرْطِ الْأَمْرِ بِهِ) أَيْ بِالْحَجِّ عَنْهُ (فَلَا يَجُوزُ حَجُّ الْغَيْرِ بِغَيْرِ إِذْنِهِ إِلَّا إِذَا حَجَّ) أَوْ أَحَجَّ (الْوَارِثُ عَنْ مُوَرِّثِهِ) لِوُجُودِ الْأَمْرِ دَلَالَةً وَبَقِيَ مِنَ الشَّرَائِطِ النَّفَقَةُ مِنْ مَالِ الْآمِرِ كُلُّهَا أَوْ أَكْثَرُهَا وَحَجُّ الْمَأْمُورِ بِنَفْسِهِ وَتَعْيِينُهُ إِنْ عَيَّنَهُ، فَلَوْ قَالَ: يَحُجُّ عَنِّي فُلَانٌ لَا غَيْرُهُ لَمْ يَجُزْ حَجُّ غَيْرِهِ، وَلَوْ لَمْ يَقُلْ لَا غَيْرُهُ جَازَ، وَأَوْصَلَهَا فِي اللُّبَابِ إِلَى عِشْرِينَ شَرْطًا مِنْهَا عَدَمُ اشْتِرَاطِ الْأُجْرَةِ، فَلَوْ اسْتَأْجَرَ رَجُلًا، بِأَنْ قَالَ اسْتَأْجَرْتُك عَلَى أَنْ تَحُجَّ عَنِّي بِكَذَا لَمْ يَجُزْ حَجُّهُ، وَإِنَّمَا يَقُولُ أَمَرْتُك أَنْ تَحُجَّ عَنِّي بِلَا ذِكْرِ إِجَارَةٍ. وَلَوْ أَنْفَقَ مِنْ مَالِ نَفْسِهِ أَوْ خَلَطَ النَّفَقَةَ بِمَالِهِ وَحَجَّ وَأَنْفَقَ كُلَّهُ أَوْ أَكْثَرَهُ جَازَ وَبَرِئَ مِنَ الضَّمَانِ (وَشَرْطُ الْعَجْزِ) الْمَذْكُورِ (لِلْحَجِّ الْفَرْضِ لَا النَّفْلِ) لِاتِّسَاعِ بَابِهِ. (وَيَقَعُ الْحَجُّ) الْمَفْرُوضُ (عَنِ الْآمِرِ عَلَى الظَّاهِرِ) مِنَ الْمَذْهَبِ، وَقِيلَ عَنِ الْمَأْمُورِ نَفْلًا، وَلِلْآمِرِ ثَوَابُ النَّفَقَةِ كَالنَّفْلِ

نیابت کی صحت کے لیے تیسری شرط حج بدل کا حکم دینا ہے

حج بدل میں نیابت کے صحیح ہونے کے لیے تیسری شرط یہ ہے کہ اپنی طرف سے حج کرانے والا شخص نائب کو اپنی جانب سے حج بدل کرنے کا حکم دے، لہٰذا اگر کوئی شخص کسی کی طرف سے اس کی اجازت کے بغیر حج کرے تو یہ حج جائز نہ ہوگا، البتہ

اس وقت حج جائز ہوگا جب وارث خود حج کرے، یا اپنے مورث کی طرف سے کسی دوسرے کو حج کرائے، اس لیے کہ اس صورت میں مورث کی طرف سے دلالۃً حکم پایا جائے گا، اس لیے کہ وارث مورث کے مال میں تصرف کرنے کا نائب ہے تو گویا مورث نے وارث سے یہ کہا کہ میرے ذمہ جو حج فرض باقی ہے اس کو ادا کردے۔

حج بدل کے اخراجات آمر کے مال سے ہوں گے

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ متن میں شرائط میں سے ایک شرط یہ باقی رہ گئی ہے کہ حج بدل میں حج کے کل اخراجات اس شخص کے مال سے ادا کئے جائیں گے جس کی طرف سے حج کرایا جارہا ہے۔ اور اگر حج بدل میں حج کے کل اخراجات دینے پر قادر نہ ہو تو اکثر اخراجات اس کے مال سے ادا کئے جائیں، لہٰذا اگر کوئی شخص اپنے مال سے کسی کی طرف سے بطور احسان حج کردے تو اس کی طرف سے حج ادا نہ ہوگا)۔ (شامی: ۴/۱۶)

حج بدل کرنے والے کا تعین

اور حج بدل کرنے والے کا بطور خود متعین ہونا مشروط ہے، اگر حج کا حکم دینے والے نے اس کو متعین کردیا ہو، اور حج کا حکم دینے والے نے اس طرح کہا کہ فلاں شخص مثلاً حماد میری طرف سے حج کرے اس کے علاوہ کوئی دوسرا شخص نہ کرے، تو اس صورت میں دوسرے کا اس کی طرف سے حج کرنا جائز نہ ہوگا۔ اور اگر اس نے لا غیرہ یعنی یہ نہیں کہا کہ غیر حج نہ کرے تو اگر دوسرے نے حج کردیا تو جائز ہوگا۔

حج بدل کے لیے شرائط

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ "لباب المناسک" نامی کتاب میں حج میں نیابت کے صحیح ہونے کے لیے شرائط کی تعداد بیس تک پہنچادی ہیں، ان میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ جس کو حج بدل میں بھیج رہا ہے وہ اُجرت کی شرط نہ لگائے، چناں چہ اگر کسی نے کسی آدمی کو کرایہ پر لیا کہ تم میری طرف سے اتنے روپیہ میں حج کردینا تو یہ حج جائز نہ ہوگا، آمر اس سے اس طرح کہے کہ میں تجھ کو حکم دیتا ہوں کہ تم میری طرف سے حج ادا کردو اور اُجرت وغیرہ کا کوئی ذکر نہ کرے۔

بقیہ شرائط

حج بدل کے صحیح ہونے کے لیے بقیہ شرائط یہ ہیں: (۱) جو شخص حج کرائے اس پر شرعی اعتبار سے حج فرض ہو، لہٰذا اگر کسی فقیر نے اپنی طرف سے کسی کو نائب بنایا اور حج کا حکم دیا تو حج فرض ادا نہ ہوگا، واجب ہونے کے بعد دوبارہ حج کرنا پڑے گا۔ (۲) آمر کے ساتھ عذر حج کرانے سے پہلے پایا جائے، چناں چہ اگر تندرست ہونے کی حالت میں حج کرایا پھر عاجز ہوگیا تو حج جائز نہ ہوگا۔ (۳) نائب آمر کے حکم کی مخالفت نہ کرے، اگر آمر حج افراد یا تمتع یا قران جس کا حکم دے اسی کا احرام باندھے اگر نائب نے آمر کے

حکم کی مخالفت کی تو آمر کی جانب سے فرض حج ادا نہ ہوگا۔ (۴) نائب صرف ایک حج کا احرام باندھے، چنانچہ اگر نائب نے ایک احرام آمر کی طرف سے باندھا اور دوسرا احرام اپنے نفس کی طرف سے باندھا تو جائز نہ ہوگا۔ (۵) نائب اس کا حج فاسد نہ کرے، اگر نائب نے حج کو فاسد کر دیا تو آمر کی طرف سے حج ادا نہ ہوگا، اس کے علاوہ بھی شرائط ہیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے: شامی: ۴/۱۷)

اگر حج بدل کرنے والا شخص اپنے مال سے کچھ خرچ کر دے یا اپنا کچھ مال آمر کے مال میں ملا دے اور پھر نائب ان تمام مال کو خرچ کر دے، یا آمر کے مال کے اکثر حصہ کو خرچ کر دے تو یہ جائز ہے اور حج بدل کرنے والا شخص ضمان سے بری ہوگا۔

حج نفل میں نیابت بہر صورت جائز ہے

حضرت مصنفؒ فرماتے ہیں کہ حج بدل کے صحیح ہونے کی لیے جو عجز دائمی کی شرط بیان کی گئی ہے یہ شرط حج فرض کے واسطے ہے نفلی حج میں حج بدل کرانے کے لیے مذکورہ شرط نہیں ہے، بلکہ تندرست و صحت مند شخص بھی اپنی جانب سے حج بدل میں کسی کو بھی بھیج سکتا ہے، اس لیے کہ اس میں وسعت ہے، باب نفل میں ایسی چیزوں کی گنجائش ہوتی ہے جو باب فرض میں نہیں ہوتی ہے۔ (صاحب فتح القدیر لکھتے ہیں کہ حج نفل میں نائب بنانے کے لیے عجز شرط نہیں ہے، اس لیے کہ مشقت بدنی اور مشقت مالی میں سے کوئی بھی مشقت اس پر واجب نہیں ہے تو جب ان کو ترک کرنے کی اجازت ہے تو اس کے لیے یہ جائز ہے تقرب الٰہی کے لیے مال کی مشقت کو برداشت کرے، لہٰذا تندرستی کی حالت میں نیابت جائز ہے)۔ (شامی: ۴/۲۰)

حج بدل سے آمر کے فریضۂ حج کی ادائیگی

ظاہر مذہب کے مطابق حج بدل کے ذریعہ آمر کی طرف سے فرض حج ادا ہو جاتا ہے اور اس کے ذمہ سے حج فرض ساقط ہو جاتا ہے۔ اور اس بارے میں ایک ضعیف قول یہ ہے کہ یہ حج بدل مامور کی طرف سے حج نفل ہوتا ہے اور آمر کو نفقہ اور اخراجات کا ثواب مل جاتا ہے، جس طرح کہ نفل حج میں ہوا کرتا ہے کہ اس میں آمر کو صرف نفقہ اور اخراجات کا ثواب ملتا ہے، عامۃ المتاخرین علماء کا یہی مسلک ہے اور حضرت امام محمدؒ کا یہی مسلک ہے، لیکن اس پر اتفاق ہے کہ آمر کے ذمہ سے فرض ساقط ہو جاتا ہے اور مامور سے ساقط نہیں ہوتا ہے۔

حج بدل کے جواز کا ثبوت حدیث رسول ﷺ سے

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: إِنَّ اِمْرَأَةً مِنْ خَثْعَمَ قَالَتْ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّ فَرِيْضَةَ اللّٰهِ عَلٰى عِبَادِهٖ فِي الْحَجِّ أَدْرَكَتْ أَبِيْ شَيْخًا كَبِيْرًا لَا يَثْبُتُ عَلَى الرَّاحِلَةِ، أَفَأَحُجُّ عَنْهُ؟ قَالَ: نَعَمْ، وَذٰلِكَ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ۔ (متفق علیہ، مشکوۃ/۲۲۱)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ قبیلۂ خثعم کی ایک عورت نے عرض کیا کہ: یارسول اللہ ﷺ! اللہ تعالیٰ کا ایک فریضہ جو اس کے بندوں پر حج کی شکل میں فرض ہے میرے باپ کو اس حال میں پایا کہ وہ بالکل بوڑھا ہو چکا ہے، سواری پر جم

کر بیٹھ بھی نہیں سکتا ہے، تو کیا میں اس کی طرف سے فریضۂ حج ادا کردوں؟ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں اس کی طرف سے تم حج ادا کردو۔ اور یہ واقعہ حجۃ الوداع کے موقع کا ہے۔ (اس کے علاوہ بھی احادیث، حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں)۔

(لَكِنَّهُ يُشْتَرَطُ) لِصِحَّةِ النِّيَابَةِ (أَهْلِيَّةُ الْمَأْمُورِ لِصِحَّةِ الْأَفْعَالِ) ثُمَّ فَرَّعَ عَلَيْهِ بِقَوْلِهِ (فَجَازَ حَجُّ الصَّرُورَةِ) بِمُهْمَلَةٍ: مَنْ لَمْ يَحُجَّ (وَالْمَرْأَةِ) وَلَوْ أَمَةً (وَالْعَبْدِ وَغَيْرِهِ) كَالْمُرَاهِقِ وَغَيْرُهُمْ أَوْلَى لِعَدَمِ الْخِلَافِ (وَلَوْ أَمَرَ ذِمِّيًّا) أَوْ مَجْنُونًا (لَا) يَصِحُّ (وَإِذَا مَرِضَ الْمَأْمُورُ) بِالْحَجِّ (فِي الطَّرِيقِ لَيْسَ لَهُ دَفْعُ الْمَالِ إِلَى غَيْرِهِ لِيَحُجَّ) ذَلِكَ الْغَيْرُ (عَنِ الْمَيِّتِ إِلَّا إِذَا) أُذِنَ لَهُ بِذَلِكَ، بِأَنْ (قِيلَ لَهُ وَقْتَ الدَّفْعِ اصْنَعْ مَا شِئْتَ فَيَجُوزُ لَهُ) ذَلِكَ (مَرِضَ أَوْ لَا) لِأَنَّهُ صَارَ وَكِيلًا مُطْلَقًا (خَرَجَ) الْمُكَلَّفُ (إِلَى الْحَجِّ وَمَاتَ فِي الطَّرِيقِ وَأَوْصَى بِالْحَجِّ عَنْهُ) إِنَّمَا تَجِبُ الْوَصِيَّةُ بِهِ إِذَا أَخَّرَهُ بَعْدَ وُجُوبِهِ، أَمَّا لَوْ حَجَّ مِنْ عَامِهِ فَلَا (فَإِنْ فَسَّرَ الْمَالَ) أَوِ الْمَكَانَ. (فَالْأَمْرُ عَلَيْهِ) أَيْ عَلَى مَا فَسَّرَهُ (وَإِلَّا فَيُحَجُّ) عَنْهُ (مِنْ بَلَدِهِ) قِيَاسًا لَا اسْتِحْسَانًا فَلْيُحْفَظْ. فَلَوْ أَحَجَّ الْوَصِيُّ عَنْهُ مِنْ غَيْرِهِ لَمْ يَصِحَّ (إِنْ وَفَى بِهِ) أَيْ بِالْحَجِّ مِنْ بَلَدِهِ (ثُلُثُهُ) وَإِنْ لَمْ يَفِ فَمِنْ حَيْثُ يَبْلُغُ اسْتِحْسَانًا، وَلِوَصِيِّ الْمَيِّتِ وَوَارِثِهِ أَنْ يَسْتَرِدَّ الْمَالَ مِنَ الْمَأْمُورِ مَا لَمْ يُحْرِمْ، ثُمَّ إِنْ رَدَّهُ لِخِيَانَةٍ مِنْهُ فَنَفَقَةُ الرُّجُوعِ فِي مَالِهِ وَإِلَّا فَفِي مَالِ الْمَيِّتِ

حج بدل کرنے والے کا اہل ہونا

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی کی طرف سے حج بدل میں جائے، اس کے لیے ضروری شرط یہ ہے کہ وہ اس کا اہل ہو، یعنی عاقل و بالغ اور مسلمان ہو، تا کہ اس کے افعالِ حج درست ہوں، چناں چہ جو شخص عاقل و بالغ اور احکامِ شرع کا مکلف ہو اس کو حج بدل میں بھیجا جا سکتا ہے، اگر چہ اس نے اپنا حج نہ کیا ہو۔ اور حج بدل میں عورت خواہ باندی ہی کیوں نہ ہو جا سکتی ہے، اسی طرح غلام وغیرہ بھی جا سکتا ہے، جس طرح کہ وہ نابالغ جو قریب البلوغ ہو اس کا بھی حج بدل میں جانا جائز ہے۔ اور ان کے علاوہ دوسرے کو حج بدل میں بھیجنا زیادہ بہتر ہے، اختلاف نہ ہونے کی وجہ سے۔ (یعنی اس میں حضرت امام شافعیؒ کا اختلاف باقی نہیں رہے گا، اس کے نزدیک ان کا حج بدل میں بھیجنا درست نہیں ہے، لیکن علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ عورت کو حج بدل میں بھیجنا مکروہ تنزیہی ہے اس لیے کہ عورت کا حج مردوں کے مقابلہ میں ناقص رہتا ہے کیوں کہ عورت نہ تو رمل کرے گی اور نہ ہی بطن وادی میں سعی کرے گی، نہ ہی تلبیہ کی آواز بلند کرے گی اور نہ ہی حلق کرائے گی۔ اسی طرح غلام فرض حج ادا کرنے کا اہل نہیں ہے، اس لیے ان حضرات کو حج بدل میں بھیجنا مکروہ ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ افضل یہ ہے کہ حج بدل میں

ایسا آدمی بھیجا جائے تو عاقل وبالغ اور افعالِ حج اور مسائلِ حج سے واقف ہو اور حج کا طریقہ جانتا ہو، اور اپنی طرف سے حج فرض ادا کر چکا ہو)۔ (شامی: ۴/۲۱)

ذمی اور پاگل کو حج بدل میں بھیجنے کا شرعی حکم

اگر کسی شخص نے کسی ذمی یا پاگل شخص کو حج بدل کا حکم دیا تو حج درست نہ ہوگا، اس لیے کہ ان کے اندر اہلیت نہیں پائی جاتی ہے، حالاں کہ حج بدل کے لیے ایسے آدمی کو بھیجنا چاہئے جو حج کا اہل اور لائق ہو۔ اور جب حج بدل کرنے والا شخص راستہ میں بیمار ہو جائے اور حج بدل میں نہ جا سکے تو اس کے لیے از خود دوسرے کو مال دینا تا کہ وہ اس کے آمر کی طرف سے حج کرے جائز نہیں ہے یا وہ غیر میت کی جانب سے حج کر دے البتہ اگر حج بدل کرانے والے نے اجازت دیدی اور حج بدل کرنے والے کو مال دیتے وقت یوں کہہ دیا کہ تم جس طرح چاہو کرو، اس صورت میں اس مامور بالحج کے لیے غیر سے حج کرانا درست ہے خواہ وہ مامور بالحج بیمار ہو یا بیمار نہ ہو، اس لیے کہ مطلق اجازت کی وجہ سے وہ آمر کا مطلق وکیل ہو گیا ہے لہٰذا اب وہ جس طرح چاہے حج بدل کر سکتا ہے یا دوسرے سے کروا سکتا ہے۔

درمیان راہ مرنے والے کی حج کی وصیت

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ایک عاقل وبالغ مسلمان شخص حج کے لیے روانہ ہوا اور مکہ جاتے ہوئے راستہ ہی میں انتقال کر گیا اور مرتے وقت اس نے یہ وصیت کر دی کہ میری طرف سے حج کروا دینا، شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ مرنے والے پر اس وقت حج کی وصیت کرنا واجب ہے جب کہ حج کے واجب ہونے کے بعد حج کی ادائیگی میں تاخیر ہوا اور اگر جس سال حج اس پر فرض ہوا ہے اسی سال حج کی ادائیگی کے لیے روانہ ہوا ہے تو اس پر حج کی وصیت کرنا واجب نہیں ہے۔

وصیت کرنیوالے کی وصیت پر عمل کرنا واجب ہے

اگر مرنے والے نے وصیت میں اس کی صراحت کر دی ہے کہ اتنے مال سے، یا فلاں جگہ سے حج کیا جائے تو اسی وصیت کے مطابق عمل کرنا ہوگا اور اگر اس نے اس طرح متعین کر کے وصیت نہیں کی ہے تو اس کی طرف سے اس کے شہر سے حج بدل کیا جائے گا، قیاس کا یہی تقاضہ ہے گو استحسان کا تقاضہ یہ نہیں ہے۔ (اور یہاں قیاس ہی مقدم ہے جو حضرت امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے، قیاس یہ چاہتا ہے کہ جب حج کو جانے والا شخص راستہ میں انتقال کر گیا اور مکہ مکرمہ تک نہیں پہنچ سکا تو اس کا یہ سفر حج کے حق میں کالعدم قرار دیا جائے گا گو اس کو اس کا ثواب ضرور ملے گا، اس لیے کہ وہ حج کی نیت سے روانہ ہوا تھا لہٰذا اب اس کی طرف سے حج اس کے وطن سے از سر نو ہونا چاہئے اور استحسان یہ چاہتا ہے کہ جہاں اس کی موت ہوئی ہے وہاں سے سفر شروع ہونا چاہئے اس لیے کہ وہ اتنا راستہ خود طے کر چکا ہے اس کو بیکار اور ضائع ہوتے نہیں دینا چاہئے، لہٰذا اس مسئلہ کو خوب اچھی طرح

محفوظ کرلینا چاہیے۔

لہٰذا اگر وصی میت کی طرف سے اس کے شہر کے علاوہ دوسری جگہ سے حج کرادے تو یہ صحیح نہیں ہے، میت کے شہر سے حج بدل کیا جائے، اگر میت کا ثلث مال اس کے لیے کافی ہوجاتا ہے اور اگر تہائی مال اس کے لیے کافی نہ ہوتا ہو تو جہاں سے پہنچ سکے وہاں سے حج کیا جائے استحسان کا تقاضہ یہی ہے۔

مال کی واپسی

میت کے وصی اور اس کے وارث کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اس آدمی سے مال واپس لے لے جس کو حج بدل کے لیے مال دیا تھا مگر یہ واپسی اسی وقت تک ممکن ہے جب تک کہ حج بدل میں جانے والا شخص احرام نہ باندھا ہو، جب حج بدل کرنے والا شخص احرام باندھ چکا تو پھر مال واپس لینا کسی کے لیے بھی جائز نہ ہوگا۔ اور اگر حج بدل کرنے والے کی خیانت کی وجہ سے مال واپس لیا ہے تو لوٹنے کا خرچ اسی کے مال سے ہوگا۔ اور اگر خیانت کے علاوہ کسی دوسری وجہ سے مال واپس لیا ہے تو وہاں سے لوٹنے کا خرچ میت کے مال سے ہوگا، حج بدل پر جانے والے کے مال سے نہیں ہوگا۔

(أَوْصَى بِحَجٍّ فَتَطَوَّعَ عَنْهُ رَجُلٌ لَمْ يُجْزِهِ) وَإِنْ أَمَرَهُ الْمَيِّتُ، لِأَنَّهُ لَمْ يَحْصُلْ مَقْصُودُهُ وَهُوَ ثَوَابُ الْإِنْفَاقِ، لَكِنْ لَوْ حَجَّ عَنْهُ ابْنُهُ لِيَرْجِعَ فِي التَّرِكَةِ جَازَ إِنْ لَمْ يَقُلْ مِنْ مَالِي، وَكَذَا لَوْ أَحَجَّ لَا لِيَرْجِعَ كَالدَّيْنِ إِذَا قَضَاهُ مِنْ مَالِ نَفْسِهِ (وَمَنْ حَجَّ عَنْ) كُلٍّ مِنْ (آمِرَيْهِ وَقَعَ عَنْهُ وَضَمِنَ مَالَهُمَا) لِأَنَّهُ خَالَفَهُمَا (وَلَا يَقْدِرُ عَلَى جَعْلِهِ عَنْ أَحَدِهِمَا) لِعَدَمِ الْأَوْلَوِيَّةِ، وَيَنْبَغِي صِحَّةُ التَّعْيِينِ لَوْ أَطْلَقَ الْإِحْرَامَ. وَلَوْ أَبْهَمَهُ، فَإِنْ عَيَّنَ أَحَدَهُمَا قَبْلَ الطَّوَافِ وَالْوُقُوفِ جَازَ، بِخِلَافِ مَا لَوْ أَهَلَّ بِحَجٍّ عَنْ أَبَوَيْهِ أَوْ غَيْرِهِمَا مِنَ الْأَجَانِبِ حَالَ كَوْنِهِ (مُتَبَرِّعًا فَعَيَّنَ بَعْدَ ذَلِكَ جَازَ) لِأَنَّهُ مُتَبَرِّعٌ بِالثَّوَابِ فَلَهُ جَعْلُهُ لِأَحَدِهِمَا أَوْ لَهُمَا، وَفِي الْحَدِيثِ «مَنْ حَجَّ عَنْ أَبَوَيْهِ فَقَدْ قَضَى عَنْهُ حَجَّتَهُ، وَكَانَ لَهُ فَضْلُ عَشْرِ حِجَجٍ، وَبُعِثَ مِنَ الْأَبْرَارِ» .

اپنی طرف سے حج بدل کرنا

ایک شخص نے مرتے وقت یہ وصیت کی کہ میری طرف سے حج بدل کرادیا جائے چنانچہ کسی دوسرے شخص نے بطور احسان اپنے اخراجات سے اس کی طرف سے حج بدل کردیا، میت کے مال سے نہیں کیا تو میت کے ذمہ سے اس کا فرض ساقط نہیں ہوگا اگرچہ میت نے اس کو حج بدل کرنے کا حکم ہی کیوں نہ دیا ہو، اس لیے کہ اس طرح سے اس کا مقصد حاصل نہیں ہوا ہے کیوں کہ مقصد مال خرچ کرکے ثواب حاصل کرنا تھا اور وہ یہاں حاصل نہیں ہوا اس لیے اس کی طرف سے حج ادا نہ ہوگا۔

والد کی طرف سے حج بدل کرنا

لیکن اگر بیٹے نے باپ کی وصیت پر عمل کرتے ہوئے باپ کی طرف سے اپنے مال سے حج بدل کرلیا، یا حج بدل کرادیا اور یہ ارادہ کیا کہ میت کے ترکہ سے وہ اخراجات کے روپے لے لے گا تو یہ حج بدل جائز ہوگا اور میت کا فرض ادا ہو جائے گا بشرطیکہ باپ نے یہ نہ کہا ہو کہ میرے مال سے حج کرنا، اسی طرح اگر میت نے یہ وصیت کی کہ اس کی طرف سے حج بدل کرادیا جائے، چنانچہ وارث نے اپنے مال سے کسی کو حج بدل کرادیا تو میت کی جانب سے حج ادا ہو جائے گا گو اس نے یہ ارادہ نہیں کیا کہ میت کے ترکہ سے خرچ واپس لے گا، جس طرح کہ میت کے ذمہ قرض ہو اور کوئی اس کی طرف سے ادا کردے تو ادا ہو جائے گا۔

ایک ہی سال میں دو شخصوں کی طرف سے حج بدل کرنا

اگر کسی شخص نے ایک ہی سال میں دو شخصوں کی طرف سے حج بدل کیا تو اس صورت میں یہ حج کرنے والے کی جانب سے حج نفل ادا ہوگا اور جن دو آدمیوں سے حج بدل کے لیے مال لیا ہے انہیں مال واپس کرے گا، کیوں کہ اس نے ان کی مخالفت کی ہے اس لیے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک کا مقصد بلا شرکت غیر حج بدل کرانا تھا اور یہاں حج بدل کرنے والا اس بات پر قادر نہیں ہے کہ ان دونوں حجوں کو کسی ایک طرف سے قرار دے اس لیے کہ عدم اولویت کی وجہ سے کسی کو بھی ترجیح نہیں دے سکتا ہے، ہاں اگر اس نے احرام باندھتے وقت کسی کا بھی نام نہیں لیا ہے بلکہ احرام کو مطلق رکھا ہے تو اس کی لیے مناسب ہے کہ ان دونوں میں سے کسی کے لیے متعین کردے، لیکن اگر اس نے کسی کا مبہم ذکر کیا ہے کہ ایک حکم دینے والے کی طرف سے لبیک کہتا ہوں، پھر طواف اور وقوف عرفہ سے پہلے پہلے کسی کو متعین کردیا تو اس کا اس طرح متعین کرنا جائز ہے۔

والدین کی طرف سے بطور احسان حج بدل کرنا

مذکورہ بالا مسئلہ کے خلاف یہ مسئلہ ہے کہ ایک آدمی نے بطور احسان بغیر وصیت کے والدین کی طرف سے حج بدل کیا، یا ان کے علاوہ کسی دوسرے اجنبی شخص کی طرف سے حج بدل کیا اور اپنے مال سے کیا، پھر اس کے بعد اس نے ایک کو متعین کرلیا تو یہ جائز ہے، اس لیے کہ یہ شخص بلا عوض مال دوسرے شخص کو ثواب پہنچانے والا ہے، لہٰذا اس کو حق پہنچتا ہے کہ جس کو پسند کرے بخش دے، ایک کو بخشے یا دونوں کو، کیوں کہ حدیث شریف میں آیا ہے رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: جس شخص نے اپنے والدین کی جانب سے حج کیا تو اس نے اپنی طرف سے اپنا حج ادا کیا اور اس کو دس حج کا ثواب ملے گا اور قیامت کے روز یہ شخص نیک لوگوں کے ساتھ اُٹھایا جائے گا۔

(وَدَمُ الْإِحْصَارِ) لَا غَيْرَ (عَلَى الْآمِرِ فِي مَالِهِ وَلَوْ مَيِّتًا) قِيلَ مِنَ الثُّلُثِ، وَقِيلَ مِنَ الْكُلِّ. ثُمَّ إِنْ فَاتَهُ لِتَقْصِيرٍ مِنْهُ ضَمِنَ، وَإِنْ بِآفَةٍ سَمَاوِيَّةٍ لَا. (وَدَمُ الْقِرَانِ) وَالتَّمَتُّعِ (وَالْجِنَايَةِ عَلَى الْحَاجِّ) إِنْ

أَذِنَ لَهُ الْآمِرُ بِالْقِرَانِ وَالتَّمَتُّعِ وَإِلَّا فَيَصِيرُ مُخَالِفًا فَيَضْمَنُ (وَضَمِنَ النَّفَقَةَ إِنْ جَامَعَ قَبْلَ وُقُوفِهِ) فَيُعِيدُ بِمَالِ نَفْسِهِ (وَإِنْ بَعْدَهُ فَلَا) لِحُصُولِ الْمَقْصُودِ (وَإِنْ مَاتَ) الْمَأْمُورُ (أَوْ سُرِقَتْ نَفَقَتُهُ فِي الطَّرِيقِ) قَبْلَ وُقُوفِهِ (حَجَّ مِنْ مَنْزِلِ آمِرِهِ بِثُلُثِ مَا بَقِيَ) مِنْ مَالِهِ، فَإِنْ لَمْ يَفِ فَمِنْ حَيْثُ يَبْلُغُ فَإِنْ مَاتَ أَوْ سُرِقَتْ ثَانِيًا حَجَّ مِنْ ثُلُثِ الْبَاقِي بَعْدَهَا، هَكَذَا مَرَّةً بَعْدَ أُخْرَى إِلَى أَنْ لَا يَبْقَى مِنْ ثُلُثِهِ مَا يَبْلُغُ الْحَجَّ، فَتَبْطُلُ الْوَصِيَّةُ قُلْتُ: وَظَاهِرُهُ أَنَّهُ لَا رُجُوعَ فِي تَرِكَةِ الْمَأْمُورِ، فَلْيُرَاجَعْ (لَا مِنْ حَيْثُ مَاتَ) خِلَافًا لَهُمَا، وَقَوْلُهُمَا اسْتِحْسَانٌ.

دم کے اخراجات کس کے ذمہ؟

حج بدل کرنے والا شخص دم احصار اس شخص کے مال سے ادا کرے گا جس نے حج بدل کا اس کو حکم دیا ہے اگرچہ آمر حکم دینے والا شخص مر چکا ہے۔ اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ دم احصار میت کے تہائی مال سے ادا کرے گا۔ اور بعضوں نے کہا کہ کل مال سے ادا کرے گا۔ اور اگر حج بدل کرنے والے پر دم احصار کے علاوہ کوئی دوسرا دم لازم ہو جائے تو حج بدل کرنے والا اپنے مال سے ادا کرے گا، حج بدل کروانے والے پر اس کا خرچ لازم نہیں ہے، پھر اگر حج فوت ہو گیا اور حج بدل کرنے والے کی کاہلی اور سستی کی وجہ سے فوت ہوا تو وہ مال کا ضامن ہوگا اور اگر کسی آسمانی آفت کی وجہ سے فوت ہوا ہے تو ضامن نہ ہوگا۔

دم قران و دم تمتع کے اخراجات کس پر واجب ہیں؟

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ دم قران، دم تمتع اور دم جنایت کا خرچ حج بدل کرنے والے پر ہوگا جس کی طرف سے حج بدل کر رہا ہے اس پر خرچ کا دینا واجب نہ ہوگا، البتہ اگر آمر نے حج قران یا حج تمتع کا حکم دیا ہو تو اس صورت میں دم قران اور دم تمتع اسی پر واجب ہوگا۔ اور اگر اس نے حج قران کی اجازت نہیں دی تھی تو پھر اس نے حج بدل میں قران کر کے اس کے حکم کی مخالفت کی ہے اس لیے وہ خود ہی ضامن ہوگا۔

حج بدل کرنیوالے نے حج کو فاسد کر دیا تو کیا حکم ہے؟

اگر حج بدل کرنے والا شخص وقوف عرفہ سے پہلے پہلے جماع کر لیا اور حج کو فاسد کر دیا تو آئندہ سال اپنے مال سے اس کی طرف سے حج بدل کرنا لازم ہوگا اور اگر اس نے وقوف عرفہ کے بعد جماع کیا تو آئندہ سال اس کی طرف سے حج کرنا لازم نہ ہوگا، اس لیے کہ اس صورت میں حج فاسد نہیں ہوا ہے اور حج ادا ہو گیا اور جو مقصود تھا وہ حاصل ہو گیا ہے، البتہ اس صورت میں دم دینا لازم ہوگا وہ حج بدل کرنے والا شخص اپنے مال سے دے گا۔

حج بدل کرنیوالے کی موت یا مال کی چوری کا حکم

جو شخص حج بدل کرنے جارہا تھا اگر اس کا انتقال راستہ میں ہوجائے، یا اس کا مال راستہ میں چوری ہوجائے اور یہ وقوف عرفات سے پہلے ہوا، تو پھر ایسی صورت میں آمر کے مابقیہ تہائی مال سے اس کے وطن سے حج کیا جائے گا، اور اگر تہائی مال اتنا نہ ہو جو گھر سے لے کر وہاں تک کافی ہوسکے تو پھر وطن کے علاوہ جہاں سے وہاں تک پہنچنا ممکن ہو وہاں سے حج بدل کیا جائے گا، پھر اگر دوسری مرتبہ حج بدل کرنے والا شخص راستہ میں مرجائے یا اس کا مال چوری ہوجائے تو پھر آمر کے باقی مال کے تہائی سے حج کیا جائے گا۔ اسی طرح اگر تیسری یا چوتھی مرتبہ پیش آیا تو اسی طرح حج کروایا جائے گا، یہاں تک کہ مال متروکہ کے تہائی سے اتنا مال باقی رہ جائے کہ اس سے حج نہ کیا جاسکے تو اس وقت وصیت باطل ہوجائے گی۔

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ متن کے ظاہر سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جو شخص حج بدل نہیں کرسکا اس کے ترکہ سے وصول نہیں کیا جائے گا۔

اگر حج بدل کو جانے والا شخص راستہ میں مرجائے تو اس صورت میں جس کی طرف سے حج بدل کو جارہا ہے اس کے وطن سے دوبارہ حج کیا جائے گا، جہاں مرا ہے اس جگہ سے نہیں کیا جائے گا، حضرات صاحبین کا قول اس کے برخلاف ہے وہ فرماتے ہیں کہ جس جگہ حج بدل کرنے والے کا انتقال ہوا ہے دوبارہ وہیں سے حج کیا جائے گا، حضرات صاحبینؒ کا قول استحسان پر مبنی ہے لیکن اس بارے میں فتویٰ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے قول پر ہے۔

[فُرُوعٌ] يَصِيرُ مُخَالِفًا بِالْقِرَانِ أَوْ التَّمَتُّعِ كَمَا مَرَّ لَا بِالتَّأْخِيرِ عَنْ السَّنَةِ الْأُولَى وَإِنْ عُيِّنَتْ لِأَنَّهُ لِلِاسْتِعْجَالِ لَا لِلتَّقْيِيدِ وَالْأَفْضَلُ أَنْ يَعُودَ إلَيْهِ وَعَلَيْهِ رَدُّ مَا فَضَلَ مِنْ النَّفَقَةِ، وَإِنْ شَرَطَهُ لَهُ فَالشَّرْطُ بَاطِلٌ إلَّا أَنْ يُوَكِّلَهُ بِهِبَةِ الْفَضْلِ مِنْ نَفْسِهِ أَوْ يُوصِي الْمَيِّتُ بِهِ لِمُعَيَّنٍ، وَلِوَارِثِهِ أَنْ يَسْتَرِدَّ الْمَالَ مِنْ الْمَأْمُورِ مَا لَمْ يُحْرِمْ وَكَذَا إنْ أَحْرَمَ وَقَدْ دَفَعَ إلَيْهِ لِيَحُجَّ عَنْهُ وَصِيُّهُ فَأَحْرَمَ ثُمَّ مَاتَ الْآمِرُ. وَلِلْوَصِيِّ أَنْ يَحُجَّ بِنَفْسِهِ إلَّا أَنْ يَأْمُرَهُ بِالدَّفْعِ أَوْ يَكُونَ وَارِثًا وَلَمْ تُجِزْ الْبَقِيَّةُ. وَلَوْ قَالَ: مُنِعْتُ وَكَذَّبُوهُ لَمْ يُصَدَّقْ إلَّا أَنْ يَكُونَ أَمْرًا ظَاهِرًا، وَلَوْ قَالَ حَجَجْتُ وَكَذَّبُوهُ صُدِّقَ بِيَمِينِهِ إلَّا إذَا كَانَ مَدْيُونَ الْمَيِّتِ وَقَدْ أُمِرَ بِالْإِنْفَاقِ، وَلَا تُقْبَلُ بَيِّنَتُهُمْ أَنَّهُ كَانَ يَوْمَ النَّحْرِ بِالْبَلَدِ إلَّا إذَا بَرْهَنُوا عَلَى إقْرَارِهِ أَنَّهُ لَمْ يَحُجَّ.

حج بدل میں اصل افراد ہے

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اگر حج بدل کرنے والا شخص حج افراد کے بجائے حج قران یا حج تمتع کرے گا تو وہ جس کی

طرف سے حج بدل کر رہا ہے اس کے حکم کی مخالفت کرنے والا ہوگا، جیسا کہ یہ مسئلہ پہلے بھی گذرا ہے، البتہ اگر حج بدل کرنے والے شخص نے سالِ اوّل کے بجائے دوسرے سال یا تیسرے سال آمر کی طرف سے حج بدل کیا تو اس تاخیر کرنے کی وجہ سے مخالفت کرنے والا نہیں شمار کیا جائے گا، اگرچہ آمر نے سالِ اوّل کو متعین کیوں نہ کر دیا ہو، اس لیے کہ آمر کی طرف سے یہ تعیین جلدی کرنے کے لیے ہوتی ہے مقید کرنا اس کا مقصد نہیں ہوتا ہے، اس لیے کہ حج فرض کے ادا ہونے میں سب سال برابر ہیں، لہٰذا جس سال بھی حج بدل کرے گا آمر کی طرف سے فرض حج ادا ہو جائے گا، لیکن سالِ اوّل ہی میں حج بدل کر لینا افضل ہے اس لیے کہ پتہ نہیں کہ مال کم پڑ جائے یا کوئی ایسی بات پیش آ جائے کہ حج میں خلل واقع ہو جائے۔

حج بدل کرنیوالا حج کر کے آمر کے پاس آئے

شارح فرماتے ہیں کہ افضل یہ ہے کہ حج بدل کرنے والا شخص حج سے فارغ ہو کر آمر کے وطن واپس آئے، مکہ یا کسی دوسری جگہ قیام نہ کرے۔ (لیکن علامہ شامی فرماتے ہیں کہ حج سے فارغ ہونے کے بعد اپنے گھر والوں کے پاس آئے اس کے بعد کہیں جائے) اور حج سے فارغ ہونے کے بعد جو مال بچ جائے وہ آمر یا اس کے وارث کو واپس کر دے۔ اور اگر حج بدل کرنے والے نے بچے ہوئے مال کو اپنے لیے شرط کر لیا تو یہ شرط باطل ہے اور حج کے اخراجات سے فاضل مال کو واپس کرنا پڑے گا، البتہ اگر آمر نے بچا شدہ زائد مال کے لیے اس کو ہبہ کا وکیل بنا دیا، یا زائد مال کی کسی کے لیے یا خود اسی کے لیے وصیت کر دی تو اس صورت میں واپس کرنا اس کے ذمہ میں نہیں ہے، یا وارث اپنی خوشی سے بچا ہوا مال حج بدل کرنے والے ہی کو دیدے تو بھی واپس کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

مامور بالحج سے حج بدل کرنے سے پہلے مال کی واپسی

میت کے وارث کے لیے یہ جائز ہے کہ جب تک حج بدل کرنے والا شخص احرام نہیں باندھا ہے اس سے وہ مال واپس لے لے جو اس کو حج بدل کے لیے دیا ہے اور اسی طرح سے احرام باندھنے کے بعد بھی وارث اس سے مال واپس لے سکتا ہے جب کہ وارث نے میت کی طرف سے حج بدل کے لیے میت کی وصیت کے بغیر مال دیا تھا اور یہ کہا تھا کہ تم فلاں کی طرف سے حج ادا کرو پھر جس نے یہ مال دیا تھا انتقال کر گیا تو اس کے وارث احرام کے بعد مال واپس لے سکتے ہیں۔

وصی کے لیے بذاتِ خود حج بدل میں جانا

شارح فرماتے ہیں کہ وصی خود بھی حج بدل میں جا سکتا ہے البتہ جب آمر نے اس طرح کہا کہ یہ مال تم حج بدل کے لیے کسی کو دیدینا اور حج بدل کرا دینا، تو اس صورت میں وصی خود حج بدل میں نہیں جا سکتا ہے، یا خود وصی ہی وارث ہو اور میت کے دوسرے وارثان بھی ہوں اور دوسرے وارثان اس کے حج بدل میں جانے کے لیے پسند نہ کریں تو اس صورت میں بھی حج بدل

میں اس کو جانا جائز نہیں ہے۔

مامور کسی عذر کی وجہ سے حج بدل میں نہ جاسکا

جس شخص کو حج بدل کے لیے مامور بنایا تھا اس نے کہا کہ میں فلاں عذر کی وجہ سے حج میں نہیں جاسکا اور وارثوں نے اس کی تکذیب کی تو اس صورت میں حج بدل کرنے والے کے قول کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔ اور اگر اس نے کچھ مال خرچ کر دیا تو اس کا ضامن ہوگا، البتہ اگر کوئی ایسا واضح اور ظاہر معاملہ اس کی شہادت میں ہو (مثال کے طور پر حکومت کی جانب سے یہ اعلان ہو گیا کہ جہاز نہیں جائے گا) تو اس صورت میں حج بدل کرنے والے کی بات مانی جائے گی۔

اور اگر حج بدل کرنے والے نے یہ کہا کہ میں حج بدل کر کے آگیا ہوں اور میت کے وارثین اس کی تکذیب کریں اور یوں کہیں کہ تو غلط کہتا ہے تو نے حج بدل نہیں کیا ہے تو اس صورت میں حج بدل کرنے والے کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی، البتہ اگر حج بدل کرنے والا شخص میت کا قرض دار ہو اور اس کو قرض میں خرچ کرنے کے لیے کہا گیا ہو تو اس صورت میں اس کی تصدیق نہیں ہوگی۔ اور اگر میت کے وارثین اس بات پر شہادت پیش کر ... حج بدل کرنے والا شخص دسویں ذی الحجہ یعنی قربانی کے دن فلاں شہر میں تھا تو ان کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی، کیوں کہ ... ہادت قبول نہیں کی جاتی ہے، ہاں اگر وارثین اس بات کی شہادت پیش کریں کہ حج بدل کرنے والا خود ہی اقرار کر رہا تھا کہ اس نے حج بدل نہیں کیا ہے تو یہ گواہی و شہادت قبول کی جائے گی کیوں کہ یہ اثبات کی گواہی ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

بَابُ الْهَدْيِ

یہ باب ہدی کے متعلق احکام و مسائل کے بیان میں ہے

(هُوَ) فِي اللُّغَةِ وَالشَّرْعِ (مَا يُهْدَى إِلَى الْحَرَمِ) مِنَ النَّعَمِ (لِيُتَقَرَّبَ بِهِ) فِيهِ (أَدْنَاهُ شَاةٌ، وَهُوَ إِبِلٌ) ابْنُ خَمْسِ سِنِينَ (وَبَقَرٌ) ابْنُ سَنَتَيْنِ (وَغَنَمٌ) ابْنُ سَنَةٍ (وَلَا يَجِبُ تَعْرِيفُهُ) بَلْ يُنْدَبُ فِي دَمِ الشُّكْرِ (وَلَا يَجُوزُ فِي الْهَدَايَا إِلَّا مَا جَازَ فِي الضَّحَايَا) كَمَا سَيَجِيءُ، فَصَحَّ اشْتِرَاكُ سِتَّةٍ فِي بَدَنَةٍ شُرِيَتْ لِقُرْبَةٍ، وَإِنِ اخْتَلَفَتْ أَجْنَاسُهَا. (وَتَجُوزُ الشَّاةُ) فِي الْحَجِّ فِي كُلِّ شَيْءٍ (إِلَّا فِي طَوَافِ الرُّكْنِ جُنُبًا) أَوْ حَائِضًا (وَوَطْءٍ بَعْدَ الْوُقُوفِ) قَبْلَ الْحَلْقِ كَمَا مَرَّ (وَيَجُوزُ أَكْلُهُ) بَلْ يُنْدَبُ كَالْأُضْحِيَّةِ (مِنْ هَدْيِ التَّطَوُّعِ) إِذَا بَلَغَ الْحَرَمَ (وَالْمُتْعَةِ وَالْقِرَانِ فَقَطْ) وَلَوْ أَكَلَ مِنْ غَيْرِهَا ضَمِنَ مَا أَكَلَ (وَيَتَعَيَّنُ يَوْمُ النَّحْرِ) أَيْ وَقْتُهُ وَهُوَ الْأَيَّامُ الثَّلَاثَةُ (لِذَبْحِ الْمُتْعَةِ وَالْقِرَانِ) فَقَطْ، فَلَمْ يُجْزِ قَبْلَهُ بَلْ بَعْدَهُ وَعَلَيْهِ دَمٌ (وَ) يَتَعَيَّنُ (الْحَرَمُ) لَا مِنًى (لِلْكُلِّ لَا لِلْفَقِيرِ) لَكِنَّهُ أَفْضَلُ (وَيَتَصَدَّقُ بِجِلَالِهِ وَخِطَامِهِ)

أَيْ زِمَامِهِ (وَلَمْ يُعْطِ أَجْرَ الْجَزَّارِ) أَيْ الذَّابِحِ (مِنْهُ) فَإِنْ أَعْطَاهُ ضَمِنَهُ، أَمَّا لَوْ تَصَدَّقَ عَلَيْهِ جَازَ (وَلَا يَرْكَبُهُ) مُطْلَقًا (بِلَا ضَرُورَةٍ) فَإِنْ اُضْطُرَّ إِلَى الرُّكُوبِ ضَمِنَ مَا نَقَصَ بِرُكُوبِهِ وَحَمْلِ مَتَاعِهِ وَتَصَدَّقَ بِهِ عَلَى الْفُقَرَاءِ شُرُنْبُلَالِيَّةٌ. فَإِنْ أَطْعَمَ مِنْهُ غَنِيًّا ضَمِنَ قِيمَتَهُ مَبْسُوطٌ.

ہدی کے لغوی وشرعی معنیٰ

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ لغت اور شریعت کی اصطلاح میں ''ہدی'' اس حلال جانور کو کہتے ہیں جو حجاج کرام حرم شریف میں لے جا کر ذبح کرتے ہیں تا کہ اس سے اللہ تعالیٰ کا تقرب اور اس کی رضامندی حاصل کرے۔اور ہدی کا سب سے معمولی جانور بکری اور بھیڑ ہے اور ہدی کا سب سے اعلیٰ درجہ پانچ سالہ اونٹ اور اوسط درجہ دو سالہ گائے اور ادنیٰ درجہ ایک سالہ بھیڑ اور بکری ہے۔

کن جانوروں کو بطور ہدی حرم بھیجنا جائز ہے؟

ہدی کے جانور کا (گردن میں ہار ڈال کر یا کوہان چیر کر) عرفات لے جانا اور اس کو مشہور کرنا واجب نہیں ہے بلکہ دم شکر میں مشہور کرنا اور اس کو عرفات میں لے جانا مستحب ہے جو صرف حج قران، یا حج تمتع یا حج نفل میں ہوتا ہے، جنایات میں جو دم واجب ہوتا ہے اس کا اخفاء اور چھپا کر دینا ہی افضل ہے جس طرح کہ قضاء نماز چھپ کر پڑھنا افضل ہے۔

اور ہدی میں اسی قسم کے جانوروں کو ذبح کرنا جائز ہے اور ان کے لیے وہی شرائط ہیں جو قربانی کے جانوروں کے لیے ہیں جن کی تفصیل آئندہ آنے والی ہے، لہٰذا ہدی کا جانور اونٹ، گائے یا بھینس جو قربت اور ثواب کی نیت سے خریدے جائیں اس میں اس شخص کے لیے مزید چھ آدمیوں کا شریک کر لینا جائز ہے، اگرچہ ثواب کی جنسیں مختلف ہوں (مثلاً کوئی شخص قران کے لیے کرے، کوئی تمتع کے لئے، کوئی احصار کے لیے اور کوئی شکار کی جزاء کی ادائیگی کے لیے کرے، اس لیے کہ حصول ثواب میں سب متحد ہیں اور اگر سارے شرکت کرنے والے لوگ ایک ہی قسم کے ہوں تو یہ زیادہ بہتر ہے)۔

اور حج کی ہر قسم میں بھیڑ اور بکری کو ذبح کرنا جائز ہے، البتہ اگر کسی نے طواف زیارت حالت جنابت یا حالت حیض میں کر لیا یا نفاس کی حالت میں کر لیا، اسی طرح وقوف عرفات کے بعد حلق کرانے سے پہلے وطی کر لیا تو ان تمام صورتوں میں بھیڑ بکری کو ذبح کرنا کافی نہ ہوگا؛ بلکہ مذکورہ تمام صورتوں میں اونٹ یا گائے کو ذبح کرنا واجب ہے جیسا کہ باب الجنایات میں یہ بات تفصیل سے گذر چکی ہے۔

ہدی کے جانور کے گوشت کا حکم

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ نفلی ہدی جانور کا گوشت کھانا جب وہ حرم پہنچ جائے اسی طرح مستحب ہے جیسے

قربانی کا گوشت کھانا مستحب ہے، اسی طرح حج قران اور حج تمتع کی وجہ سے جو جانور ذبح کرے گا اس کا گوشت کھانا بھی جائز ہے۔ اور اگر ان تین قسم کے ذبیحہ کے علاوہ کسی دوسرے ذبیحہ کا گوشت کھالیا تو اس صورت میں جتنا گوشت کھائے گا اس کی قیمت کا ضامن ہوگا۔ (نفلی ذبیحہ کا گوشت کھانا اسی وقت درست ہے جب وہ حرم شریف پہنچ کر ذبح ہوا ہو، اگر حرم پہنچنے سے پہلے ذبح کیا گیا ہوگا تو اس کا گوشت کھانا جائز نہ ہوگا، اس لیے کہ وہ صدقہ کے حکم میں ہوگا ہدی نہیں ہوگا۔

دم تمتع اور دم قران یوم النحر کے ساتھ متعین ہے

تمتع اور قران کے ہدی کے جانور کو قربانی کے تین دنوں میں ذبح کرنا متعین ہے، ایام النحر کے جو تین دن ہیں ان سے پہلے ذبح کرنا جائز نہیں ہے، ہاں بارہویں ذی الحجہ کو ذبح کیا جا سکتا ہے لیکن اس صورت میں تاخیر کرنے کی وجہ سے بطور جنایت دم دینا لازم ہوگا۔ (اور ان دو قسم کے ہدی کے سوا دوسرے ہدی کے جانور کا ایام النحر میں ذبح کرنا مخصوص اور متعین نہیں ہے، جیسے دم احصار، دم جنایت اور دم نذر وغیرہ، یہ ایام النحر سے پہلے بھی ذبح کئے جا سکتے ہیں)۔

ہدی کے جانور کے گوشت کا شرعی حکم

ہدی کے تمام قسم کے جانور کے ذبح کے لیے حرم شریف متعین ہے، حرم شریف میں جہاں جی چاہے ذبح کرے، منیٰ ہی کے اندر ذبح کرنا کوئی ضروری نہیں ہے۔ اور ہدی کے جانوروں کے گوشت کے صدقہ کے لیے یہ لازم نہیں ہے کہ صرف حرم شریف ہی کے غریبوں اور محتاجوں پر تقسیم کیا جائے بلکہ حرم کے محتاجوں کے علاوہ دوسرے محتاجوں کو بھی دینا جائز ہے، البتہ حرم شریف کے فقراء کو دینا افضل ہے۔ اور ہدی کے جانور کی جھول اور اس کی نکیل وغیرہ بھی صدقہ کردے اور ہدی کے جانور کے گوشت میں سے قصاب کو بطور اجرت کچھ نہ دیا جائے اور اگر کسی نے قصاب کو بطور اُجرت ہدی کے گوشت دیدیا تو اس صورت میں لازمی طور پر ضمان دینا ہوگا، البتہ اگر قصاب مستحق صدقہ ہو اور اس کو بطور صدقہ دیدیا جائے تو جائز ہے۔

ہدی کے جانور پر سوار ہونے کا حکم

بلاضرورت مطلقاً ہدی کے جانور پر سواری نہیں کی جائے گی (خواہ اس کے لیے اس کا گوشت کھانا جائز ہو یا نہ ہو) اگر کسی مجبوری کی وجہ سے ہدی کے جانور پر سوار ہونا ہی پڑے تو اس صورت میں سواری کرنے کی وجہ سے جو نقصان ہوگا اس کا وہ ضامن ہوگا، اسی طرح اگر ہدی کے جانور پر سامان وغیرہ لادنے کی ضرورت پیش آجائے اور مجبوراً لادنا ہی پڑے تو اس سامان کے لادنے کی وجہ سے جو نقصان ہوگا اس کا تاوان دینا ہوگا اور اس تاوان والی رقم کو فقراء پر صدقہ کردے جیسا کہ شرنبلالیہ میں ہے، چنانچہ اگر اس تاوان میں کسی مالدار کو کھلا دیا تو اس صورت میں وہ اس کی قیمت کا ضامن ہوگا جیسا کہ مبسوط میں ہے، اس لیے کہ مالدار شخص پر صدقہ کرنا جائز نہیں ہے۔

وَلَا يَحْلِبُهُ (وَيَنْضَحُ ضَرْعَهَا بِالْمَاءِ الْبَارِدِ) لَوِ الْمَذْبَحُ قَرِيبًا وَإِلَّا حَلَبَهُ وَتَصَدَّقَ بِهِ (أَوْ يُقِيمُ بَدَلَ هَدْيٍ وَجَبَ أَوْ عَطِبَ أَوْ تَعَيَّبَ بِمَا يَمْنَعُ) الْأُضْحِيَّةَ (وَصَنَعَ بِالْمَعِيبِ مَا شَاءَ، وَلَوْ) كَانَ الْمَعِيبُ (تَطَوُّعًا نَحَرَهُ وَصَبَغَ قِلَادَتَهُ) بِدَمِهِ (وَضَرَبَ بِهِ صَفْحَةَ سَنَامِهِ) لِيُعْلَمَ أَنَّهُ هَدْيٌ لِلْفُقَرَاءِ وَلَا يَطْعَمُ (وَلَا يُطْعِمُ مِنْهُ غَنِيًّا) لِعَدَمِ بُلُوغِهِ مَحِلَّهُ (وَيُقَلِّدُ) نَدْبًا بَدَنَةَ (التَّطَوُّعِ) وَمِنْهُ النَّذْرُ (وَالْمُتْعَةِ وَالْقِرَانِ فَقَطْ) لِأَنَّ الْإِشْتِهَارَ بِالْعِبَادَةِ أَلْيَقُ وَالسَّتْرَ بِغَيْرِهِمَا أَحَقُّ. (شَهِدُوا) بَعْدَ الْوُقُوفِ (بِوُقُوفِهِمْ بَعْدَ وَقْتِهِ لَا تُقْبَلُ) شَهَادَتُهُمْ وَالْوُقُوفُ صَحِيحٌ اسْتِحْسَانًا حَتَّى الشُّهُودُ لِلْحَرَجِ الشَّدِيدِ (وَقَبْلَهُ) أَيْ قَبْلَ وَقْتِهِ (قُبِلَتْ إِنْ أَمْكَنَ التَّدَارُكُ) لَيْلًا مَعَ أَكْثَرِهِمْ وَإِلَّا لَا (رَمَى فِي الْيَوْمِ الثَّانِي) أَوِ الثَّالِثِ أَوِ الرَّابِعِ (الْوُسْطَى وَالثَّالِثَةَ وَلَمْ يَرْمِ الْأُولَى، فَعِنْدَ الْقَضَاءِ إِنْ رَمَى الْكُلَّ) بِالتَّرْتِيبِ (حَسَنٌ، وَإِنْ قَضَى الْأُولَى جَازَ) لِسُنِّيَّةِ التَّرْتِيبِ.

ہدی کے جانور کے دودھ کا حکم

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اگر ذبح کرنے کی جگہ قریب ہو تو اس صورت میں ہدی کے جانور کا دودھ نہیں دوہے گا بلکہ اس کے تھن پر ٹھنڈا پانی مارے گا تا کہ تھن سے دودھ ٹپکنا بند ہو جائے اور اگر ذبح کرنے کی جگہ دور ہو تو اس صورت میں دودھ دوہ کر صدقہ کر دے گا تا کہ جانور دودھ کے تناؤ کی وجہ سے تکلیف میں مبتلا نہ ہو۔

اگر ہدی کا جانور ہلاک ہو جائے تو کیا حکم ہے؟

جب واجب ہدی ہلاک ہو جائے تو اس کی جگہ دوسری ہدی دے، یا ہدی کو ایسا عیب لگ جائے جو قربانی کے لیے مانع ہو جیسے کہ جانور لنگڑا ہو گیا یا اندھا ہو گیا تو اس صورت میں اس کی جگہ میں دوسری ہدی دینا ہو گا۔ اور عیب دار ہدی کو جو چاہے کر سکتا ہے چاہے اسے فروخت کر دے چاہے ذبح کر کے کھا جائے۔ اور اگر عیب دار ہونے والا ہدی نفلی ہو، یا نفلی ہدی قریب الہلاک ہو تو اس کو ذبح کر دے اور اس کا قلادہ اس کے خون میں رنگین کر کے اس کے کوہان کو ایک جانب مارے اور یہ اس بات کی علامت ہو گی کہ ہدی کا ذبیحہ ہے جو غریب اور محتاجوں کے لیے ہے۔ اور اس کا گوشت مالدار نہیں کھائے گا اس لیے کہ وہ ہدی ابھی حرم شریف نہیں پہنچی تھی، اس لیے کہ حرم سے پہلے جو ہدی کا جانور ذبح ہو اس کا گوشت مالداروں کے لیے کھانا جائز نہیں ہے۔

حدیث شریف میں ہے، حضرت ناجیہ خزاعی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہدی کے جانوروں میں سے جو جانور کسی وجہ سے قریب المرگ ہو جائے تو میں اس کو کیا کروں؟ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: اس جانور کو ذبح کر ڈالو، پھر اس کی جوتی کو جو اس کے گلے میں بطور ہار پڑی ہو اس کو خون میں رنگین کر دو اور اس کے ذریعہ اس کی گردن میں

نشان لگادو، اس کے بعد اس جانور کو لوگوں کے درمیان چھوڑ دو۔ (مشکوٰۃ:۱/ ۲۳۲)

ہدی کی شہرت کب کی جائے؟

نفلی ہدی، نذر والی ہدی، نیز حج تمتع اور حج قران کی ہدی میں خواہ وہ صرف اونٹ ہو یا گائے مستحب یہ ہے کہ اس کی گردن میں قلادہ ڈالا جائے تا کہ اس سے اس کی خوش شہرت ہو جائے کہ یہ عبادت اور ثواب کے لیے جارہے ہیں۔ اور شہرت عبادت کے زیادہ لائق و مناسب ہے، البتہ عبادت کے علاوہ جنایت کی ہدی میں قلادہ ڈال کی اس کی تشہیر نہیں کی جائے گی، کیوں کہ اس کو پوشیدہ رکھنا زیادہ مناسب ہے۔

وقوفِ عرفات کے بعد کی گواہی

کچھ لوگوں نے وقوفِ عرفات کے بعد اس بات کی گواہی دی کہ حاجیوں کا وقوف اپنے وقت پر نہیں ہوا ہے بلکہ وقت گذر جانے کے بعد ہوا ہے تو ان کی یہ گواہی قبول نہیں کی جائے گی اور استحساناً وقوفِ عرفات کو صحیح سمجھا جائے گا کیوں کہ گواہی قبول کر لینے کی صورت میں بہت بڑا حرج واقع ہوگا اور عام طور پر لوگوں کو اشتباہ بھی ہوگا اور یہ وقت جھگڑے کا نہیں ہوتا ہے کیوں کہ وقوفِ عرفہ کے بعد حج مکمل ہو جاتا ہے اس لیے یہ گواہی وقت کے بعد بھی ہے۔

وقوفِ عرفات سے پہلے کی شہادت

البتہ اگر وقوفِ عرفات سے پہلے گواہی دیں کہ حاجیوں نے نویں ذی الحجہ کے بجائے آٹھویں ذی الحجہ کو وقوفِ عرفات کیا ہے تو ان کی یہ گواہی قبول کی جائے گی، بشرطیکہ وقوفِ عرفات کا تدارک رات میں اکثر لوگوں کے ساتھ ممکن ہو۔ اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو پھر ایسی صورت میں ان کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ (اس کی صورت یہ ہے کہ آٹھویں ذی الحجہ کو گواہی دی گئی کہ آج آٹھ ذی الحجہ نہیں ہے بلکہ نویں ذی الحجہ عرفات کا دن ہے تو اگر امام تمام لوگوں کے ساتھ یا اکثر لوگوں کے ساتھ وقوفِ عرفہ کر سکتا ہے تو گواہی مان لی جائے گی، اس لیے کہ ابھی وقوفِ عرفات ممکن ہے اور اگر وقوفِ عرفہ پر قدرت نہ ہو تو پھر گواہی قبول نہیں کی جائے گی)۔

جمرات کی رمی

ایک شخص نے گیارہویں ذی الحجہ یا بارہویں ذی الحجہ یا تیرہویں ذی الحجہ کو جمرۂ ثانیہ اور ثالثہ کی رمی کی اور جمرۂ اولیٰ کی رمی نہیں کی پس اگر اس نے قضاء کے وقت جمراتِ ثلاثہ کی رمی ترتیب کے ساتھ کی ہے تو بہت ہی اچھی بات ہے اور اگر اس نے صرف جمرۂ اولیٰ کی رمی کی اور جمرۂ ثانیہ و ثالثہ کی رمی نہیں کی تو یہ بھی جائز ہے اس لیے کہ رمی جمرات کی ترتیب سنت ہے واجب نہیں ہے۔

(نَذَرَ) الْمُكَلَّفُ (حَجًّا مَاشِيًا مَشَى) مِنْ مَنْزِلِهِ وُجُوبًا فِي الْأَصَحِّ (حَتَّى يَطُوفَ الْفَرْضَ) لِانْتِهَاءِ الْأَرْكَانِ، وَلَوْ رَكِبَ فِي كُلِّهِ أَوْ أَكْثَرِهِ لَزِمَهُ دَمٌ، وَفِي أَقَلِّهِ بِحِسَابِهِ؛ وَلَوْ نَذَرَ الْمَشْيَ إِلَى الْمَسْجِدِ

الْحَرَامِ أَوْ مَسْجِدِ الْمَدِينَةِ أَوْ غَيْرِهِمَا لَا شَيْءَ عَلَيْهِ (اشْتَرَى مُحْرِمَةً) وَلَوْ (بِالْإِذْنِ لَهُ أَنْ يُحَلِّلَهَا) بِلَا كَرَاهَةٍ لِعَدَمِ خُلْفِ وَعْدِهِ (بِقَصِّ شَعْرِهَا أَوْ بِقَلْمِ ظُفْرِهَا) أَوْ بِمَسِّ طِيبٍ (ثُمَّ يُجَامِعُ، وَهُوَ أَوْلَى مِنَ التَّحْلِيلِ بِجِمَاعٍ) وَكَذَا لَوْ نَكَحَ حُرَّةً مُحْرِمَةً بِنَفْلٍ بِخِلَافِ الْفَرْضِ إِنْ لَهَا مَحْرَمٌ وَإِلَّا فَهِيَ مُحْصَرَةٌ فَلَا تَتَحَلَّلُ إِلَّا بِالْهَدْيِ. وَلَوْ أَذِنَ لِامْرَأَتِهِ بِنَفْلٍ لَيْسَ لَهُ الرُّجُوعُ لِمِلْكِهَا مَنَافِعَهَا وَكَذَا الْمُكَاتَبَةُ، بِخِلَافِ الْأَمَةِ إِلَّا إِذَا أَذِنَ لِأَمَتِهِ فَلَيْسَ لِزَوْجِهَا مَنْعُهَا.

پیدل حج کرنے کی منت

اگر کسی عاقل بالغ شخص نے پیدل حج کرنے کی منت مانی تو اصح قول کے مطابق اس پر واجب ہے کہ اپنے گھر سے پیدل چلے اور اسی وقت تک پیدل ہی چلتا رہے جب تک طوافِ زیارت کر کے فارغ نہ ہو جائے، اس لیے کہ طوافِ زیارت کرنے کے بعد حج کے تمام ارکان ختم ہو جاتے ہیں۔ اگر پیدل حج کرنے کی نذر ماننے والا شخص پورے راستہ میں یا اکثر راستہ میں سوار ہو کر سفر کرے تو اس پر دم لازم ہوگا اور اگر تھوڑے ہی راستہ میں سوار ہو کر سفر کیا ہے تو اسی حساب سے قیمت کا اندازہ کر کے صدقہ کرے گا۔

مسجد نبوی یا مسجد حرام تک پیدل چلنے کی نذر

اگر کسی نے مسجد حرام یا مسجد نبوی یا ان دونوں کے علاوہ کسی اور مسجد تک پیدل چلنے کی نذر مانی تو اس پر کچھ لازم نہیں ہوگا، کسی آدمی نے ایک ایسی باندی خریدی جو حالت احرام میں تھی اگرچہ اس باندی نے اپنے بائع کی اجازت سے احرام باندھا تھا تو اس کے لیے بلا کسی کراہت جائز ہے کہ اس کو احرام سے خارج کر دے، کیوں کہ خریدار کی طرف سے وعدہ خلافی نہیں ہے اس لیے کہ اس نے فروخت کرنے والے کی اجازت سے احرام باندھا تھا اور احرام سے خارج کرنے کی شکل یہ ہے کہ اس کا تھوڑا بال کٹوا دے، یا ناخن کٹوا دے، یا اس کو خوشبو لگا دے اور جب وہ باندی احرام سے نکل کر حلال ہو جائے تو اس سے جماع کرے۔ اور یہ اس سے بہتر ہے کہ جماع کر کے اس کو احرام سے باہر لائے، کیوں کہ جماع کر کے حلال کرنا احترام حج کے خلاف ہے۔

محرمہ عورت سے نکاح کرنے کا حکم

اسی طرح اگر کسی شخص نے کسی ایسی آزاد عورت سے نکاح کیا جو حج نفل کا احرام باندھے ہوئے تھی تو شوہر کے لیے جائز ہے کہ اس کا احرام تڑوا دے اور حلال کر دے، برخلاف ایسی عورت کے جو حج فرض کے لیے احرام باندھے ہوئے ہو، اس سے نکاح کرنے کے بعد اس کو حلال نہیں کر سکتا ہے بشرطیکہ اس عورت کے ساتھ حج کرنے کے لیے کوئی محرم بھی ہو اور اس کا شوہر اس کو حج میں جانے سے منع نہیں کر سکتا ہے اور اگر اس عورت کے ساتھ کوئی محرم نہ ہو تو وہ محصرہ کے حکم میں ہے لہٰذا یہ اس

وقت تک حلال نہیں ہوسکتی ہے جب تک کہ وہ ہدی کے جانور کو حرم شریف نہ بھیجے، جب وہ محصرہ عورت ہدی کا جانور حرم بھیج دے گی اور جانور وہاں ذبح ہوجائے گا تو وہ حلال ہوجائے گی اور شوہر پر واجب نہیں ہے کہ اس کے ساتھ سفر میں جائے۔

بیوی کو نفل حج کی اجازت دینے کے بعد روک دینا

اگر شوہر نے بیوی کو نفل حج کرنے کی اجازت دیدی ہے تو اب وہ اپنی بات سے رجوع نہیں کرسکتا ہے اور اس کے لیے پھرنا جائز ہے اس لیے کہ آزاد عورت اپنے منافع کا خود مالک ہوتی ہے، اسی طرح مکاتبہ باندی کا حکم ہے، یعنی حج کی اجازت دینے کے بعد آقا اجازت واپس نہیں لے سکتا ہے البتہ اگر کوئی خالص باندی ہو اور وہ مالک کی اجازت سے حج کے لیے جارہی ہے تو مالک اجازت دینے کے بعد بھی اپنی اجازت سے رجوع کرسکتا ہے اور اسے روک سکتا ہے، اس لیے کہ باندی کے منافع اس کے مالک کے ہیں، ہاں اگر باندی کے آقا نے حج کی اجازت دیدی ہے تو باندی کا شوہر اس کو حج سے منع نہیں کرسکتا ہے۔

[فُرُوعٌ] حَجُّ الْغَنِيِّ أَفْضَلُ مِنْ حَجِّ الْفَقِيرِ. حَجُّ الْفَرْضِ أَوْلَى مِنْ طَاعَةِ الْوَالِدَيْنِ، بِخِلَافِ النَّفْلِ. بِنَاءُ الرِّبَاطِ أَفْضَلُ مِنْ حَجِّ النَّفْلِ. وَاخْتُلِفَ فِي الصَّدَقَةِ وَرَجَّحَ فِي الْبَزَّازِيَّةِ أَفْضَلِيَّةَ الْحَجِّ لِمَشَقَّتِهِ فِي الْمَالِ وَالْبَدَنِ جَمِيعًا، قَالَ: وَبِهِ أَفْتَى أَبُو حَنِيفَةَ حِينَ حَجَّ وَعَرَفَ الْمَشَقَّةَ. لِوَقْفَةِ الْجُمُعَةِ مَزِيَّةُ سَبْعِينَ حَجَّةً. وَيُغْفَرُ فِيهَا لِكُلِّ فَرْدٍ بِلَا وَاسِطَةٍ. ضَاقَ وَقْتُ الْعِشَاءِ وَالْوُقُوفِ يَدَعُ الصَّلَاةَ وَيَذْهَبُ لِعَرَفَةَ لِلْحَرَجِ. هَلْ الْحَجُّ يُكَفِّرُ الْكَبَائِرَ؟ قِيلَ نَعَمْ كَحَرْبِيٍّ أَسْلَمَ، وَقِيلَ غَيْرُ الْمُتَعَلِّقَةِ بِالْآدَمِيِّ كَذِمِّيٍّ أَسْلَمَ. وَقَالَ عِيَاضٌ: أَجْمَعَ أَهْلُ السُّنَّةِ أَنَّ الْكَبَائِرَ لَا يُكَفِّرُهَا إلَّا التَّوْبَةُ، وَلَا قَائِلَ بِسُقُوطِ الدَّيْنِ وَلَوْ حَقًّا لِلَّهِ تَعَالَى كَدَيْنِ صَلَاةٍ وَزَكَاةٍ، نَعَمْ إثْمُ الْمَطْلِ وَتَأْخِيرِ الصَّلَاةِ وَنَحْوِهَا يَسْقُطُ، وَهَذَا مَعْنَى التَّكْفِيرِ عَلَى الْقَوْلِ بِهِ، وَحَدِيثُ ابْنِ مَاجَهْ «أَنَّهُ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - أُسْتُجِيبَ لَهُ حَتَّى فِي الدِّمَاءِ وَالْمَظَالِمِ» ضَعِيفٌ.

شارح کی طرف سے اضافہ شدہ مسائل کا بیان

مسئلہ: مال دار شخص کا حج کرنا محتاج وفقیر کے حج کرنے سے افضل ہے، اس لیے کہ فقیر ومحتاج پر حج فرض نہیں ہے اس کے لیے مکہ تک سفر حج کرنا صرف نفل ہے، البتہ مکہ مکرمہ پہنچ جانے کے بعد اس پر بھی حج فرض ہوجائے گا، اس کے برخلاف مالدار شخص پر حج کرنا گھر ہی سے فرض ہوتا ہے اور فرض کی فضیلت نفل سے زیادہ ہے، البتہ اگر دونوں کا حج نفلی ہو تو کسی کی فضیلت نہیں ہے۔ (شامی: ۴/۴۶)

اطاعت والدین کے لیے فرض حج چھوڑنا جائز نہیں

مسئلہ: حج فرض ادا کرنا والدین کی خدمت اور فرماں برداری سے بہتر ہے، یعنی والدین کی خدمت واطاعت کی وجہ

سے فرض حج نہیں چھوڑا جاسکتا ہے، ہاں نفل حج کرنے سے بہتر والدین کی اطاعت اور فرماں برداری ہے، خاص طور پر جب ماں باپ خدمت کے محتاج اور ضرورت مند ہوں۔

سرائے اور مسافر خانہ کی تعمیر حج نفل سے بہتر ہے

مسئلہ: نفل حج سے افضل رباط یعنی سرائے اور مسافر خانہ کی تعمیر کرنا ہے، اس لیے کہ اس کا فائدہ عام ہے ہر خاص وعام اس سے مستفید ہوں گے، اس کے برخلاف نفل حج کا فائدہ صرف ایک ہی شخص کے ساتھ مخصوص ہے۔

نفل حج افضل ہے یا صدقہ؟

نفل حج کرنا بہتر ہے یا اس مال کا صدقہ کرنا بہتر ہے؟ اس بارے میں حضرات علمائے کرام کا اختلاف ہے، چنانچہ فتاویٰ بزازیہ میں نفل حج کے افضل ہونے کو ترجیح دی ہے اور اس کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ حج میں مالی اور بدنی دونوں طرح کی مشقت اور پریشانی جھیلنی پڑتی ہے۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ نے جب خود حج فرمایا اور اس میں مشقت وکلفت کا تجربہ ہوا تو انھوں نے حج نفل کے بہتر ہونے کے متعلق فتویٰ دیا ہے صدقہ کرنے کے مقابلہ میں۔

فتاویٰ بزازیہ میں امام صاحب کے قول کی تفصیل

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے قول کی تفصیل فتاویٰ بزازیہ کے حوالہ سے علامہ شامیؒ نے یہ نقل فرمائی ہے کہ امام صاحب کے نزدیک نفلی حج سے بہتر صدقہ کرنا ہے، لیکن جب امام صاحب نے خود حج کیا اور انھیں سفر حج کی مشقت و پریشانی کا تجربہ ہوا تو اس وقت امام صاحب نے یہ فتویٰ دیا کہ نفلی حج صدقہ کرنے سے افضل ہے۔ اور امام صاحب کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص نفلی حج کرے اور ہزار درہم خرچ کرے تو اگر اس ہزار میں سے محتاجوں پر خرچ کرے گا تو وہ مجموعی طور پر افضل ہوگا، یہ مطلب نہیں ہے کہ بغیر خیرات کے حج کرنا ہزار درہم فی سبیل اللہ خرچ کرنے سے بہتر ہے، اس لیے کہ حج میں مال اور بدن دونوں کو مشقت ہوتی ہے لہٰذا حج خیرات سے افضل ہوگا۔ (شامی: ۴/۱۴۶)

جمعہ کے دن وقوفِ عرفہ کی فضیلت

مسئلہ: اگر جمعہ کے دن وقوف عرفہ ہوجائے تو اس حج کو دوسرے ستر حجوں پر فضیلت حاصل ہے اور اس میں ہر شخص کی بلاواسطہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے مغفرت ہوتی ہے اور اگر جمعہ کے دن عرفہ نہیں ہوتا ہے تو عوام مومنین کی مغفرت اللہ تعالیٰ اپنے صالحین مومنین کے واسطہ سے مغفرت کرتے ہیں۔

جب عشاء اور وقوفِ عرفہ کا وقت تنگ ہوجائے تو کیا حکم ہے؟

مسئلہ: اگر عشاء کی نماز کا وقت اور وقوف عرفات کا وقت تنگ ہوجائے تو ایسی صورت میں کیا حکم ہے آیا وہ شخص عشاء کی

نماز پڑھے گا یا وقوف عرفہ کے لیے جائے گا اور وقوف عرفہ کرے گا؟

جواب: اگر اس طرح کی صورت پیش آجائے تو اس وقت حکم یہ ہے کہ محرم عشاء کی نماز چھوڑ دے گا اور وقوف عرفات کے لیے جائے گا، اس لیے کہ وقوف عرفات چھوڑ کر عشاء کی نماز پڑھنے میں اس کا حج اس سال فوت ہوجاتا ہے اور آئندہ سال کرنا لازم ہوتا ہے اور یہ معلوم نہیں کہ آئندہ سال سفر کے اخراجات باقی رہیں یا نہ رہیں اور زندگی ساتھ دے یا نہ دے اس لیے عشاء چھوڑ کر وقوف عرفات کرے گا اور عشاء کو بعد میں قضاء کرلے گا۔

حج سے گناہِ کبیرہ معاف ہوتا ہے یا نہیں؟

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حج سے گناہِ کبیرہ معاف ہوتے ہیں یا نہیں؟ اور حج اس کے لیے کفارہ بن جاتا ہے یا نہیں؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ بعض اہل علم نے فرمایا کہ حج گناہِ کبیرہ کو مٹا ڈالتا ہے، جس طرح کہ کافر حربی کے اسلام قبول کرنے سے اس کا گناہ مٹ جاتا ہے (اس کی دلیل مسلم شریف کی روایت ہے، رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: الإسلامُ يَهدِمُ مَا كانَ قَبلَه، والهجرةُ تهدِمُ ما كانَ قَبلَها، والحجُّ يَهدِمُ ما كانَ قبلَه، اسلام پچھلے گناہوں کو مٹا ڈالتا ہے، اسی طرح ہجرت ماقبل کے گناہ کو ختم کر ڈالتی ہے اور حج بھی ماقبل کے سارے گناہوں کو مٹا ڈالتا ہے۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ حج گناہِ کبیرہ کے لیے کفارہ بن جاتا ہے)۔

بعض اہل علم نے فرمایا کہ حج ان گناہِ کبیرہ کو مٹاتا ہے جو حقوق العباد سے متعلق نہ ہوں، یعنی حج سے صرف حقوق اللہ سے متعلق کبیرہ گناہ معاف ہوتے ہیں، حقوق العباد سے متعلق کبیرہ گناہ معاف نہیں ہوتے ہیں جیسے کہ اگر ذمی کافر مسلمان ہوجاتا ہے تو اس سے نماز، روزہ اور زکوٰۃ کے چھوڑنے کا مواخذہ نہیں ہوتا ہے لیکن اگر وہ قتل کرتا ہے، غصب کرتا ہے تو اس کا مواخذہ ہوتا ہے۔

قاضی عیاض مالکیؒ کا فتویٰ

قاضی عیاض مالکیؒ فرماتے ہیں کہ اہل السنۃ والجماعۃ کا اس امر پر اجماع ہوچکا ہے کہ گناہِ کبیرہ جن کا تعلق حقوق اللہ سے ہے اس کو توبہ کے علاوہ کوئی اور شئی نہیں مٹاتی ہے (جیسے زنا، شراب نوشی، جوا بازی اور شرک باللہ وغیرہ توبہ کے بغیر معاف نہیں ہوتے ہیں) اور جو دَین کسی کے ذمہ میں واجب الادا ہو اگرچہ وہ اللہ تعالیٰ ہی کا حق ہو اس کے ساقط ہونے کا کوئی بھی قائل نہیں ہے، جیسے کہ نماز اور زکوٰۃ کسی کے ذمہ میں باقی ہو تو حج کرلینے سے معاف نہیں ہوں گے بلکہ یہ گناہ صرف توبہ سے معاف ہوں گے، البتہ یہ بات ضرور ہے کہ قرض کی ادائیگی میں ٹال مٹول کرنے کا گناہ، نماز کی ادائیگی میں تاخیر کرنے کا گناہ، دیر سے زکوٰۃ دینے کا گناہ وغیرہ حج کرنے سے ساقط ہوجاتا ہے اور حج کے سیئات کے واسطے کفارہ ہونے کا یہی مطلب ہے، اس قول کی بنیاد پر جو حج کو علی الفور واجب کہتے ہیں۔ (اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر کسی کے ذمہ کسی کا قرض ہو یا اس کے ذمہ نماز، روزہ، زکوٰۃ

باقی ہو توحج کرنے سے ساقط ہو جاتا ہے صحیح نہیں ہے بلکہ صرف تاخیر کا گناہ ختم ہوتا ہے)۔

ابن ماجہ کی ایک حدیث پر اشکال اور اس کا جواب

سوال یہ ہے کہ ابھی ماقبل میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حج سے صرف تاخیر کے گناہ معاف ہوتے ہیں، حقوق العباد یا وہ نماز، روزہ یا زکوۃ جو ذمہ میں باقی ہیں وہ حج سے ساقط نہیں ہوتے حالاں کہ ابن ماجہ شریف میں حدیث ہے:

عَن عبّاس بن مرداس رضِي اللهُ عنهُ أنَّ رسُولَ اللهِ ﷺ دَعَا لأُمّتِه عَشِيّةَ عرفةَ بالمغفِرةِ فأجِيبَ أنّي قد غفرتُ لَهُم مَا خلا الظالِم، فإنّي آخذُ للمَظلُوم مِنهُ، قال: أي رَبِّ! إن شِئتَ أعطيتَ المَظلومَ مِن الجنّةِ وغفرتَ للظالِم فَلَم يُجب عَشِيّتَه، فلمّا أصبحَ بالمُزدلفةِ أعادَ الدُّعاءَ فأجِيبَ إلى مَا سأل، قَالَ: فَضحِكَ رسُولُ اللهِ ﷺ أو قال: تَبسّم فقَالَ لَهُ أبُوبكرٍ رضی اللہ عنہ وعُمر رضی اللہ عنہ: بأبِي وأُمّي إنَّ هذهِ لَساعةٌ مَا كُنتَ تضحَكُ فِيها، فَمَا الّذي أضحكَكَ، أضحكَ اللهُ سِنّكَ۔ قَالَ: إنَّ عدُوَّ اللهِ إبلِيس لَمّا عَلِم أنَّ اللهَ عزّ وجلّ قَد استجابَ دُعائي وغفرَ لأُمّتي أخذَ التُّرابَ فَجعلَ يحثُو على رأسِه ويدعُو بالوَيلِ والثبُور، فأضحكنِي مَا رَأيتُ مِن جزعِه۔ (مشکوۃ/۲۲۹)

حضرت عباس بن مرداس ؓ کہتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ نے عرفہ کی شام کو اپنی امت کی بخشش کے لیے دعاء مانگی جو شرفِ قبولیت سے ہم کنار ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے آپ کی امت کو بخش دیا علاوہ حقوق العباد کے، میں ظالم سے مظلوم کا حق ضرور لوں گا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے پروردگار! اگر تو چاہے تو مظلوم کو اس کے اس حق کے بدلہ میں کہ جو ظالم نے لیا ہے جنت کی نعمتیں عطا فرما دے اور ظالم کو بھی بخش دے، عرفہ کی شام کو یہ دعاء قبول نہیں کی گئی، پس جب مزدلفہ میں صبح ہوئی تو رسولِ کریم ﷺ نے پھر وہی دعاء کی، تو آپ کی دعاء قبول کر لی گئی اور آپ نے جو مانگا وہ عطا کر دی گئی۔ راویٔ حدیث کا بیان ہے کہ آپ اس کے بعد ہنسے، یا آپ نے تبسم فرمایا، یہ دیکھ کر حضرت ابوبکر ؓ اور حضرت عمر ؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ آپ پر قربان! یہ تو ایسا وقت ہے جس میں آپ ہنستے نہیں تھے، پھر کس چیز نے آپ کو ہنسایا؟ اللہ تعالیٰ ہمیشہ آپ کو ہنستا ہی رکھے۔ رسولِ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ خدا کے دشمن شیطان مردود کو جب یہ معلوم ہوا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے میری دعاء قبول فرمالی ہے اور میری امت کو بخش دیا ہے تو اس نے مٹی لی اور اپنے سر پر ڈالنے لگا اور واویلا کرنے اور چیخنے چلانے لگا، چنانچہ اس کی بدحواسی اور اضطراب نے مجھے ہنسنے پر مجبور کر دیا۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ حج کی برکت سے ہر طرح کے گناہ معاف کر دیتا ہے حتی کہ خوں ریزی اور مظالم بھی، پھر یہ کہنا کس طرح درست ہے کہ حج سے حقوق العباد معاف نہیں ہوتے ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ علمائے حدیث کا یہ کہنا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے، اس کی سند میں کنانہ اور اس کا بیٹا عبداللہ ہے جو

ساقط الاحتجاج اور منکر الحدیث ہے، لہٰذا اس سے حقوق العباد کی معافی پر استدلال کرنا درست نہیں ہے۔ (لیکن صحیح بات اس بارے میں یہ ہے کہ بندوں کے متعلق کبائر اور مظالم کی معافی اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے اس کی معافی کا وعدہ نہیں ہے، ان کے علاوہ گناہ معاف ہوجاتے ہیں بشرطیکہ حج مقبول بھی ہو)۔

يَنْدُبُ دُخُولُ الْبَيْتِ إذَا لَمْ يَشْتَمِلْ عَلَى إيذَاءِ نَفْسِهِ أَوْ غَيْرِهِ، وَمَا يَقُولُهُ الْعَوَامُ مِنَ الْعُرْوَةِ الْوُثْقَى وَالْمِسْمَارِ الَّذِي فِي وَسَطِهِ أَنَّهُ سُرَّةُ الدُّنْيَا لَا أَصْلَ لَهُ.وَلَا يَجُوزُ شِرَاءُ الْكِسْوَةِ مِنْ بَنِي شَيْبَةَ بَلْ مِنَ الْإِمَامِ أَوْ نَائِبِهِ. وَلَهُ لُبْسُهَا وَلَوْ جُنُبًا أَوْ حَائِضًا. لَا يُقْتَلُ فِي الْحَرَمِ إلَّا إذَا قَتَلَ فِيهِ، وَلَوْ قَتَلَ فِي الْبَيْتِ لَا يُقْتَلُ فِيهِ. يُكْرَهُ الِاسْتِنْجَاءُ بِمَاءِ زَمْزَمَ لَا الِاغْتِسَالُ. لَا حَرَمَ لِلْمَدِينَةِ عِنْدَنَا وَمَكَّةُ أَفْضَلُ مِنْهَا عَلَى الرَّاجِحِ إلَّا مَا ضَمَّ أَعْضَاءَهُ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - فَإِنَّهُ أَفْضَلُ مُطْلَقًا حَتَّى مِنَ الْكَعْبَةِ وَالْعَرْشِ وَالْكُرْسِيِّ. وَزِيَارَةُ قَبْرِهِ مَنْدُوبَةٌ، بَلْ قِيلَ وَاجِبَةٌ لِمَنْ لَهُ سَعَةٌ. وَيَبْدَأُ بِالْحَجِّ لَوْ فَرْضًا، وَيُخَيَّرُ لَوْ نَفْلًا مَا لَمْ يَمُرَّ بِهِ فَيَبْدَأُ بِزِيَارَتِهِ لَا مَحَالَةَ وَلْيَنْوِ مَعَهُ زِيَارَةَ مَسْجِدِهِ، فَقَدْ أَخْبَرَ «أَنَّ صَلَاةً فِيهِ خَيْرٌ مِنْ أَلْفٍ فِي غَيْرِهِ إلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ» وَكَذَا بَقِيَّةُ الْقُرَبِ؛وَلَا تُكْرَهُ الْمُجَاوَرَةُ بِالْمَدِينَةِ وَكَذَا بِمَكَّةَ لِمَنْ يَثِقُ بِنَفْسِهِ.

بیت اللہ کے اندر داخل ہونے کا حکم

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ بیت اللہ کے اندر داخل ہونا مستحب ہے بشرطیکہ داخل ہونے کی وجہ سے نہ خود کو تکلیف ہو اور نہ کسی دوسرے کو تکلیف پہنچے (اس لیے کہ وہاں ہجوم بہت زیادہ ہوتا ہے اس لیے داخل ہونے کے لیے بڑے احتیاط کی ضرورت پڑتی ہے، جو شخص اندر چلا جائے اس کے لیے مستحب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے نماز پڑھنے کی جگہ نماز پڑھے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جب بیت اللہ کے اندر داخل ہوئے تھے تو کعبہ کے دروازہ کو پشت کی طرف کر کے سیدھے چلے جاتے تھے یہاں تک کہ سامنے کی دیوار سے صرف تین ہاتھ کا فاصلہ باقی رہتا تھا پھر وہاں نماز پڑھتے تھے، بیت اللہ کے اندر نہایت ادب واحترام کے ساتھ رہنا چاہیے اور جس جگہ رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی ہے اس پر رخسار ہونا چاہیے، پھر حق سبحانہ وتعالیٰ سے مغفرت طلب کرنی چاہیے اور اللہ تعالیٰ کی خوب تعریف کرنی چاہیے، پھر چاروں کونوں میں جا کر تسبیح تہلیل اور لا الٰہ الا اللہ پڑھے اور جو چاہے دعاء کرے اور وہاں ادب واحترام کا ہر طرح خیال ملحوظ رکھے)۔ (شامی:۴/۵۰)

ایک غلط فہمی کا ازالہ

اور عوام الناس کے درمیان جو یہ بات مشہور ہے کہ حلقہ عروۃ الوثقیٰ اور جو کیل اس کے درمیان میں ہے وہ دنیا کی ناف ہے

اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے بلکہ یہ ایک بے اصل بات ہے۔

مسئلہ: جو لوگ بیت اللہ میں داخل ہوں یا مقامِ ابراہیم کی زیارت کرنا چاہیں ان سے کرایہ لینا حرام ہے اس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے۔(شامی:۴/۵۰)

غلافِ کعبہ کی خریداری

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ غلافِ کعبہ کو بنی شیبہ سے خریدنا جائز نہیں ہے، البتہ بادشاہ یا اس کے نائب سے غلافِ کعبہ خریدنا درست ہے۔(غلافِ کعبہ ہر سال بدلا جاتا ہے چنانچہ پرانا غلاف امیر المؤمنین کے تصرف میں چلا جاتا ہے اگر بادشاہ وقت تصرف کا حق بنی شیبہ کو دیدے تو اس سے بھی خریدنا درست ہوگا۔ازرقی نے نقل کیا ہے کہ خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہر سال کعبہ کے غلاف کو بدلا کرتے تھے اور پرانا غلاف حاجیوں میں تقسیم فرمادیتے تھے اور آج کل بھی سعودی حکومت ہر سال غلافِ کعبہ بدلتی ہے، پرانا غلاف لوگوں میں تقسیم کرتی ہے)۔

غلافِ کعبہ کا استعمال

اور جو لوگ کعبہ شریف کے غلاف کو باقاعدہ خریدیں ان کے لیے اس کا استعمال جائز ہے، خواہ مرد جنابت کی حالت میں ہو یا عورت حیض ونفاس کی حالت میں ہو۔(بعض علماء نے فرمایا کہ غلافِ کعبہ کا استعمال کرنا اس وقت جائز ہے جب کہ اس میں کوئی قرآنی آیت یا کلمہ وغیرہ لکھا ہوا نہ ہو، اگر لکھا ہو تو پھر اس کا استعمال کرنا جائز نہیں)۔(شامی:۴/۵۱)

حرم میں قاتل کو قتل کرنے کی ممانعت

حرم شریف میں کسی قاتل کو قتل نہیں کیا جائیگا البتہ اگر کسی نے حرم ہی میں کسی کو قتل کردیا ہو تو اس صورت میں اس سے حرم کے اندر ہی بدلہ لیا جائے گا، لیکن اگر کسی نے کسی کا قتل بیت اللہ کے اندر کیا ہے تو اس سے بیت اللہ کے اندر قصاص نہیں لیا جائے گا۔ (اگر کسی شخص نے کسی کا قتل حرم سے باہر کیا ہے اور حرم میں جاکر پناہ لے لیا ہے تو اس سے حرم کے اندر قصاص نہیں لیا جائے گا بلکہ اس کو حرم سے باہر نکلنے پر مجبور کیا جائے گا اور جب وہ حرم سے باہر نکل جائے تو پھر اس سے حرم کے باہر قصاص لیا جائے گا، احناف علماء کا یہی مسلک ہے، حضرت امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک حرم میں قصاص لینا درست ہے)۔(شامی:۴/۵۱)

آبِ زمزم اور حرم شریف کی مٹی کا استعمال

زمزم کے پانی سے استنجاء کرنا مکروہ ہے البتہ زمزم کے پانی سے غسل کرنا اور وضو کرنا جائز ہے، اسی طرح زمزم کے پانی سے بدن یا کپڑے سے نجاست حقیقیہ دور کرنا بھی مکروہ ہے اور بعض علماء نے مکروہ تحریمی قرار دیا ہے۔(حرم شریف کی کنکریاں، وہاں کی مٹی اور بیت اللہ کی مٹی کو تبرک کی نیت سے حل میں لانا جائز ہے بشرطیکہ تھوڑی سی ہو اور اس سے عمارت میں

کوئی نقصان نہ پہنچتا ہو جیسا کہ فتاویٰ ظہیریہ میں ہے، لیکن ابن وہبان نے بیت اللہ کی مٹی کو لے جانے سے منع فرمایا ہے اور اسی کو صواب قرار دیا ہے اس لیے کہ جہلاء اور عوام کا عقیدہ بگڑ جائے گا اور کثرت کے ساتھ لے جانے لگیں گے جس سے عمارت کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ (شامی: ۴/ ۵۲)

مدینہ مکہ کی طرح حرم نہیں ہے

احناف علماء کے نزدیک مدینہ میں حرم نہیں ہے یعنی جس طرح مکہ میں حرم ہے اور اسکے مخصوص احکام ہیں اس طرح کا حرم مدینہ منورہ میں نہیں ہے۔ (لیکن ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مدینہ منورہ میں بھی اسی طرح حرم ہے جس طرح مکہ مکرمہ میں حرم ہے)۔

مکہ افضل ہے یا مدینہ منورہ؟

راجح قول کے مطابق مکہ مکرمہ مدینہ منورہ سے افضل ہے، البتہ زمین کا وہ حصہ جس سے رسول اکرم ﷺ کا جسد اطہر متصل ہے وہ مطلقاً تمام دنیا سے افضل ہے حتی کہ کعبہ، عرش اور کرسی سے بھی افضل ہے۔ (قاضی عیاض مالکی نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ زمین کے جس حصے سے جسد رسول ﷺ متصل ہے وہ حصہ کعبہ سے بھی افضل ہے۔ اور ابن عقیل حنبلی سے منقول ہے کہ وہ حصہ عرش سے بھی افضل ہے)۔ (شامی: ۴/ ۵۳)

اور حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ العرف الشذی علی ہامش الترمذی میں لکھتے ہیں کہ: وقال أنس بنُ مالک: إنَّ الأرضَ المُلاصِق لِجسدِ النّبي ﷺ المُبارک أعلی وأفضل مِن کُلِّ شيءٍ حتّی العَرش والکُرسي أیضًا، ثمَّ بعدَه بیتُ اللّٰه، ثُمّ بعدَه المَسجد النبوي، ثمَّ بعده المسجد الحرام، ثمَّ بقعة المَدِینة أفضل مِن بقعة مکّة، -إلی- ولکنَّ الجمهور علی أنَّ المسجد الحرام أفضل من المسجد النبوي ثُمّ الفضل للمَسجدِ النَّبوي۔ (العرف الشذی: ۱/ ۸۲)

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ زمین کا وہ حصہ جس سے نبی کریم ﷺ کا جسد اطہر متصل ہے ہر چیز سے اعلیٰ اور افضل ہے حتی کہ عرش وکرسی سے بھی افضل واعلیٰ ہے، پھر اس کے بعد بیت اللہ افضل ہے، پھر مسجد نبوی، پھر مسجد حرام، پھر مدینہ منورہ کی زمین، پھر مکہ مکرمہ کی زمین افضل ہے، لیکن حضرات جمہور یہ فرماتے ہیں کہ مسجد حرام مسجد نبوی سے افضل ہے، مسجد حرام کے بعد مسجد نبوی کی فضیلت ہے۔

روضۂ رسول ﷺ کی زیارت

اللہ کے رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے روضۂ پاک کی زیارت کرنا مستحب ہے۔ (اور اس پر تمام امت مسلمہ کا اجماع ہے، جیسا کہ شرح اللباب میں ہے) بلکہ بعض علماء نے فرمایا کہ جس کو وہاں تک پہنچنے کی گنجائش ہو اس کے لیے روضۂ رسول کی زیارت کرنا واجب ہے، اگر کسی پر حج فرض ہے تو پہلے حج کرنا چاہئے اس کے بعد مدینہ منورہ جانا چاہئے اور روضۂ رسول ﷺ

کی زیارت کرنی چاہئے، لیکن اگر کسی نے اس کے برعکس کر دیا تب بھی جائز ہے اور اگر نفل حج ہے تو اس صورت میں اس کو اختیار ہے چاہے پہلے روضۂ پاک کی زیارت کا شرف حاصل کرے چاہے پہلے حج کرے، لیکن نفل میں بھی یہ اختیار اس صورت میں ہے جب وہ مدینہ منورہ سے ہو کر نہ گذرے، جو شخص حج کے لیے مدینہ منورہ ہو کر آئے گا اس کے لیے پہلے روضۂ رسول ﷺ کی زیارت واجب ہے خواہ حج فرض ہو یا نفلی۔

مسجد نبوی ﷺ کی زیارت

روضۂ رسول ﷺ کی زیارت کے ساتھ ساتھ چاہئے کہ مسجد رسول ﷺ کی بھی زیارت کی نیت کرے، رسول اکرم سرور دو عالم ﷺ کا پاک ارشاد ہے کہ بلاشبہ مسجد نبوی میں ایک نماز پڑھنے کا ثواب ہزاروں نمازوں کے برابر ہے سوائے مسجد حرام کے، اس لیے کہ مسجد حرام میں نماز پڑھنے کا ثواب مسجد نبوی سے بھی بڑھا ہوا ہے، اسی طرح دیگر عبادتیں جو مسجد نبوی میں ادا کی جائیں ان کا ثواب دوسری مسجدوں کے مقابلہ میں بڑھا ہوا ہے سوائے مسجد حرام کے۔ (ابن ہمام نے فتح القدیر میں لکھا ہے کہ مدینہ منورہ کے سفر میں صرف روضۂ رسول ﷺ کی زیارت کی نیت ہونی چاہئے، رسول اللہ ﷺ کی عظمت وجلال اور مقام ومرتبہ کا یہی تقاضہ ہے)۔ (شامی: ۴/ ۵۴)

مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ میں سکونت اختیار کرنے کا حکم شرعی

جس شخص کو اپنے نفس پر یہ اعتماد کامل ہو کہ وہ حرمین محترمین کا پورا پورا ادب واحترام ملحوظ رکھے گا اس کے لیے مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ میں سکونت اختیار کرنا مکروہ نہیں ہے۔ مکہ مکرمہ میں مستقل قیام پذیر ہونے کے متعلق اختلاف ہے چنانچہ بعض علمائے شوافع نے رقم کیا ہے کہ مکہ معظمہ کا قیام مستحب ہے، لیکن جب اُمور ممنوعہ کے ارتکاب کا ظن غالب ہو اور ادب واحترام کا خیال ملحوظ نہ رہے تو اس صورت میں سکونت اختیار کرنا مستحب نہیں ہے، حضرات صاحبین کا یہی مذہب ہے اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور حضرت امام مالکؒ کے نزدیک مکہ مکرمہ یا مدینہ منورہ کا مستقل قیام مکروہ ہے، ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ انسان کی عادت شریفہ یہ ہے کہ انسان معیشت میں تنگی کے وقت افسردہ خاطر ہو جاتا ہے مستقل وہاں قیام کی وجہ سے دل میں وہ عظمت وشوکت اور ادب واحترام باقی نہیں رہے گا جو مطلوب ہے، پھر انسان کوئی معصوم بھی نہیں ہے اگر کوئی گناہ ہو جائے گا تو وہ بڑھ بھی جائے گا اور گناہ کے اندر شدت آجائے گی۔

حج کے احکام ومسائل اور ادائیگی کا خلاصہ

اگرچہ کتاب الحج کے ترجمہ وتشریح میں حج کے جملہ احکام ومسائل آچکے ہیں لیکن اب یہاں ان کا اجمالی ذکر اور ادائیگی حج کا مختصر طریقہ بیان کیا جا رہا ہے تاکہ حج کا خاکہ ذہن نشین ہو جائے:

حج میں چار چیز فرض ہے

(۱) احرام باندھنا۔ (۲) نویں ذی الحجہ کو وقوف عرفات۔ (۳) طواف زیارت۔ (۴) ان فرائض کے درمیان ترتیب کا لحاظ یعنی احرام کو وقوف عرفات پر اور وقوف عرفات کو طواف زیارت پر مقدم کرنا، ان کی خلاف ورزی کرنے کی صورت میں دم لازم ہوتا ہے۔

واجبات حج یہ ہیں

(۱) وقوف مزدلفہ۔ (۲) صفا و مروہ کے درمیان سعی۔ (۳) آفاقی کے لیے طواف قدوم۔ (۴) حلق یا تقصیر (۵) احرام میقات سے باندھنا۔ (۶) غروب آفتاب تک وقوف عرفات۔ (۷) طواف حجر اسود سے شروع کرنا، بعض اہل علم نے اس کو سنت قرار دیا ہے۔ (۸) طواف کی ابتداء دائیں طرف سے کرنا۔ (۹) طواف پیدل کرنا بشرطیکہ کوئی عذر لاحق نہ ہو۔ (۱۰) طواف طہارت کی حالت میں کرنا۔ (۱۱) طواف میں ستر ڈھانکنا۔ (۱۲) سعی کی ابتداء صفا سے کرنا۔ (۱۳) سعی پیدل کرنا بشرطیکہ کوئی عذر نہ ہو۔ (۱۴) قارن اور متمتع کا بکری یا اس کے مانند جانور ذبح کرنا۔ (۱۵) ہر سات شوط یعنی ایک طواف کے بعد دو رکعت نفل پڑھنا۔ (۱۶) رمی، حلق اور قربانی میں ترتیب کا لحاظ رکھنا، بایں طور کہ پہلے رمی کی جائے پھر قربانی پھر حلق اور پھر طواف زیارت کیا جائے۔ (۱۷) طواف زیارت ایام نحر میں کرنا۔ (۱۸) طواف اس طرح کرنا کہ حطیم طواف کے اندر آجائے۔ (۱۹) سعی طواف کے بعد کرنا۔ (۲۰) حلق حرم اور ایام نحر میں کرنا۔ (۲۱) وقوف عرفہ کے بعد ممنوعات احرام مثلاً جماع وغیرہ سے اجتناب کرنا۔ (۲۲) وہ تمام چیزیں واجبات حج میں شامل ہیں جن کے کرنے سے دم لازم آتا ہے، ان چیزوں کے علاوہ بقیہ سب کے سب حج کے مستحبات اور آداب ہیں۔

ادائیگیِ حج کا طریقہ

جس خوش نصیب کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے حج کی سعادت عظمیٰ کی توفیق بخشے اور وہ حج کا ارادہ کرے تو اسے چاہئے کہ پہلے وہ اپنی نیت کو درست کرے کہ اس کے پیش نظر محض اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور ادائیگی فرض ہو، کوئی دنیاوی غرض یا نام و نمود کا کوئی ہلکا سا تصور بھی نہ ہو ورنہ سب محنت اکارت ہو جائے گی، پھر اپنے ماں باپ سے اجازت لے کر اعزہ و احباب سے رخصت ہو کر سب سے معافی تلافی کر کے اپنے وطن سے کم از کم ایسے وقت میں روانہ ہو کہ مکہ مکرمہ میں ساتویں ذی الحجہ سے پہلے پہنچ جائے اور ساتویں تاریخ کا خطبہ سن سکے، جب میقات پر پہنچے (ہندوستانیوں کی میقات یلملم ہے) تو احرام باندھے، اگر مفرد ہو تو صرف حج کا، قارن ہو تو حج و عمرہ دونوں کا اور متمتع ہو تو صرف عمرہ کا احرام باندھے، مستحب یہ ہے کہ احرام باندھنے سے پہلے ہاتھ پاؤں کے ناخن کٹوائے، زیر ناف اور بغل کے بال صاف کرلے، حجامت بنوائے، اگر سر منڈوانے کی عادت ہو تو سر منڈائے ورنہ بال درست کرائے اور اس میں کنگھی کرے، اگر بیوی ہمراہ ہو تو صحبت کرے پھر وضو کرے یا نہائے، لیکن نہانا

افضل ہے، اس کے بعد احرام کا لباس پہنے یعنی ایک لنگی باندھے اور ایک چادر اس طرح اوڑھے کہ سر کھلا رہے یہ دونوں کپڑے نئے ہوں تو افضل ہے ورنہ صاف دھلے ہوئے ہونے چاہئے، اگر کسی کے پاس دو کپڑے میسر نہ ہوں تو ایک ایسا کپڑا لپیٹ لینا جائز ہے جس سے ستر پوشی ہو جائے، پھر خوشبو لگائے اس کے بعد نیت کرے، اگر قران کا ارادہ ہو تو اس طرح کہے: اَللّٰھُمَّ! اِنِّي اُرِیْدُ الحجَّ و العُمرۃَ فَیَسِّر ھُمالِي وَتَقَبَّلْھُما مِنِّي۔ اگر تمتع کا ارادہ ہو تو یوں کہے: اَللّٰھُمَّ! اِنِّي اُرِیْدُ العُمرۃَ فَیَسِّرھَا لِي وَتَقَبَّلْھَا مِنِّي۔ اور اگر افراد کا ارادہ رکھتا ہو تو اس طرح کہے: اَللّٰھُمَّ! اِنِّي اُرِیْدُ الحجَّ فَیَسِّرہُ لِي وَتَقَبَّلْہُ مِنِّي۔ اگر نیت کے مذکورہ بالا الفاظ زبان سے ادا نہ کئے جائیں بلکہ دل ہی میں نیت کرلی جائے تو بھی جائز ہے، نیت کے بعد لبیک کہے حج یا عمرہ کی نیت کے ساتھ، لبیک کہتے ہی محرم ہو جائے گا، لبیک کے الفاظ یہ ہیں: لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ، لَبَّیْکَ لاَشَرِیکَ لَکَ لَبَّیْکَ اِنَّ الحَمدَ وَالنِّعمَۃَ لَکَ وَ المُلکَ لاَشَرِیکَ لَکَ۔ ان الفاظ میں کمی نہ کی جائے ہاں زیادتی جائز ہے، چنانچہ یہ الفاظ بھی منقول ہیں جن کے اضافہ میں کوئی حرج نہیں ہے: لَبَّیْکَ وَ سَعدَیْکَ وَ الخَیرُ بِیَدَیْکَ لَبَّیْکَ وَ الرَّغْبَاءُ اِلَیکَ وَ العَمَلُ لَبَّیْکَ اِلٰہَ الخَلقِ لَبَّیْکَ۔ بعد ازاں اکثر اوقات بآواز بلند لبیک کہتا رہے، خصوصاً نماز کے بعد خواہ فرض ہو خواہ نفل نماز، صبح کے وقت باہم ملاقات کے وقت، بلندی پر چڑھتے یا نشیب میں اترتے وقت غرضیکہ یہ سفر حج چونکہ نماز کے حکم میں ہے کہ جس طرح نماز میں ہر حالت کی تبدیلی پر تکبیر کہی جاتی ہے اسی طرح اس سفر میں ہر حالت کی تبدیلی کے وقت لبیک کہنا چاہئے، احرام باندھ لینے کے بعد ان تمام چیزوں سے اجتناب کرنا ضروری ہے جو حالت احرام میں ممنوع ہے مثلاً سلے ہوئے کپڑے جیسے کرتا، انگرکھا، پاجامہ، فرغل، جبہ، قبا، بارانی، موزہ، دستانہ اور ٹوپی وغیرہ نہ پہنے جائیں جو کپڑے رنگ دار خوشبو جیسے زعفران وغیرہ میں رنگے ہوئے ہوں وہ بھی استعمال نہ کئے جائیں، ہاں دھلنے کے بعد کہ جس سے خوشبو نہ آتی ہو استعمال کرنا جائز ہے، سر اور منھ کو کسی چیز سے نہ ڈھانکا جائے، جوئیں نہ ماری جائیں، بیوی سے نہ تو صحبت کی جائے اور نہ ان چیزوں کا ارتکاب کیا جائے جو جماع کا باعث بنتی ہیں، مثلاً بوسہ لینا، شہوت کے ساتھ عورت کو ہاتھ لگانا یا اس کے سامنے فحش باتیں یا جماع کا ذکر کرنا وغیرہ وغیرہ، فسق و فجور سے پرہیز کیا جائے، کسی کے ساتھ جنگ و جدل سے گریز کیا جائے صحرائی وحشی جانوروں کا شکار نہ کیا جائے، حتی کہ کوئی محرم نہ تو شکار کی طرف اشارہ کرے اور نہ شکار میں کسی طرح کی اعانت کرے، ہاں دریائی جانوروں مثلاً مچھلی کا شکار درست ہے، خوشبو کا استعمال نہ کیا جائے، ناخن نہ کٹوائے جائیں، سر داڑھی بلکہ تمام بدن کے بال نہ کتروائے جائیں نہ منڈوائے جائیں اور نہ اکھاڑے جائیں، سر و داڑھی کے بالوں کو خطمی سے نہ دھویا جائے، البتہ محرم نہا سکتا ہے حمام میں داخل ہو سکتا ہے، گھر اور کجاوہ کے سایہ میں بیٹھ سکتا ہے، ہمیانی (یعنی روپیہ رکھنے والی تھیلی) کمر میں باندھ سکتا ہے اور اپنے دشمن سے دفاعی لڑائی لڑ سکتا ہے۔ احرام کی حالت میں جن جانوروں کو مارنا جائز ہے اور جن کے مارنے کی وجہ سے بطور جزاء نہ تو

دم لازم ہوتا ہے نہ صدقہ وہ یہ ہیں: کوا، چیل، سانپ، بچھو، چوہا، چھچھڑی، کچھوا، بھیڑیا، گیدڑ، مکھی، چیونٹی، گرگٹ، بھڑ، پسو، مچھر، حملہ آور درندہ اور موذی جانور، جب مکہ مکرمہ قریب آجائے تو غسل کرے کہ یہ مستحب ہے پھر دن میں کسی وقت باب المعلیٰ سے مکہ میں داخل ہو اور اپنی قیام گاہ پر سامان وغیرہ رکھ کر سب سے پہلے مسجد حرام کی زیارت کرے، مستحب یہ ہے کہ مسجد حرام میں لبیک کہتا ہوا اور باب السلام سے داخل ہو اور اس وقت نہایت خشوع وخضوع کی حالت اپنے اوپر طاری کرلے اور اس مقدس مقام کی عظمت وجلالت کا تصور دل میں رکھے اور کعبہ کے جمال دلربا پر نظر پڑتے ہی جو کچھ دل چاہے اپنے پروردگار سے طلب کرے پھر تکبیر وتہلیل کرتا ہوا حمد وصلوٰۃ پڑھتا ہوا حجر اسود کے سامنے آئے اور اس کو بوسہ دے اور بوسہ کے وقت اپنے دونوں ہاتھوں کو اس طرح اُٹھائے جس طرح تکبیر تحریمہ کے وقت اُٹھاتے ہیں، اگر ازدحام کی وجہ سے بوسہ نہ دے سکے تو دونوں ہتھیلیوں سے حجر اسود کی طرف اشارہ کرکے ہتھیلیوں کو چوم لے، حجر اسود کے استلام کے بعد حجر اسود کے پاس ہی سے اپنی داہنی جانب سے طواف قدوم شروع کرے، طواف میں سات شوط (چکر) کرے اور ہر شوط کو حجر اسود ہی پر ختم کرے اور ہر شوط کو ختم کرنے کے بعد مذکورہ بالا طریقہ سے حجر اسود کا استلام اور تکبیر وتہلیل کرے، طواف میں حطیم کو بھی شامل کرے، طواف میں اضطباع کرے اور پہلے تین شوطوں میں رمل کرے، نیز ہر شوط میں رکن یمانی کا بھی استلام کرے، مگر اس کے استلام میں اس کو چومنا نہیں چاہئے، طواف ختم کرنے کے بعد دو رکعت نماز طواف مقامِ ابراہیم کے قریب پڑھے، یہ نماز حنفیہ کے نزدیک واجب ہے، اگر ازدحام وغیرہ کی وجہ سے اس نماز کو مقام ابراہیم کے قریب پڑھنا ممکن نہ ہو تو پھر مسجد حرام میں جہاں جی چاہے پڑھ لے، اس نماز کی پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ ''قل یاایہا الکافرون'' اور دوسری رکعت میں ''قل ھو اللہ أحد'' کی قرأت کرے اور دعاء میں جو چاہے اللہ سے مانگے، اس کے بعد چاہِ زمزم پر آئے اور زمزم کا پانی پیٹ بھر کر پئے، پھر مقامِ ملتزم میں آئے اور حجر اسود کا استلام کرے اور حمد وصلوٰۃ پڑھے اور تکبیر وتہلیل کرے اور اس کے بعد صفا ومروہ کے درمیان سعی کرے (مفرد کے لیے تو بہتر یہی ہے کہ وہ طواف زیارت کے بعد سعی کرے لیکن اگر طواف قدوم ہی کے بعد کرے تو کوئی حرج نہیں ہے) سعی کا طریقہ یہ ہے کہ مسجد حرام سے باہر نکل کر صفا کی طرف آئے اور جب صفا پر چڑھے تو بیت اللہ کی طرف منھ کرکے کھڑا ہو اور تکبیر وتہلیل کرے، درود پڑھے اور ہاتھ اُٹھا کر اپنے مقاصد کے لیے دعاء مانگے پھر صفا سے مروہ کی طرف اپنی چال کے ساتھ چلے مگر جب وادی بطن پہنچے تو میلین اخضرین کے درمیان تیز تیز چلے اور پھر جب مروہ پر چڑھے تو وہ ہی کچھ یعنی تکبیر وتہلیل وغیرہ کرے جو صفا پر کیا تھا، اسی طرح صفا ومروہ کے درمیان سات شوط کرے، ہر شوط کی ابتدا صفا سے ہو اور انتہا مروہ پر اور ہر شوط میں میلین اخضرین کے درمیان تیز تیز چلے، یہ بات ذہن میں رہے کہ سعی سے پہلے طواف کرنا ضروری ہے اگر کسی نے طواف سے پہلے سعی کرلی تو اس کے لیے ضروری ہوگا کہ وہ طواف کے بعد دوبارہ سعی کرے، یہ بھی معلوم رہنا چاہئے

کہ اس سعی، وقوف عرفات وقوف مزدلفہ اور رمی جمار کے لیے طہارت (پاکی) شرط نہیں ہے، لیکن اولیٰ ضرور ہے جب کہ طواف کے لیے شرط ہے، نیز طواف وسعی کے وقت بات وچیت کرنا مکروہ ہے، جب سعی سے فارغ ہوجائے تو مسجد حرام میں جا کر دو رکعت نماز پڑھے جو بہتر ہے واجب نہیں ہے، بعد ازیں مکہ میں ٹھہرا رہے اور اس دوران نفل طواف جس قدر ہوسکے کرتا رہے مگر نفل طواف کے درمیان رمل اور اس کے بعد سعی نہ کرے، پھر ساتویں ذی الحجہ کو مسجد حرام میں خطبہ سنے، اس خطبہ میں جو ظہر کی نماز کے بعد ہوتا ہے امام حج کے احکام ومسائل بیان کرتا ہے، پھر اگر احرام کھول چکا ہو تو آٹھ ذی الحجہ کو حج کا احرام باندھ کر طلوع آفتاب کے بعد منیٰ روانہ ہوجائے، اور فجر کی نماز اوّل وقت اندھیرے میں پڑھ کر طلوع آفتاب کے بعد عرفات جائے، اگر کوئی آٹھویں تاریخ کو منیٰ میں نہ جائے بلکہ نویں کو عرفات پہنچ جائے تو بھی جائز ہے، مگر یہ خلاف سنت ہوگا، عرفات میں بطن عُرنہ کے علاوہ جس جگہ چاہے اُترے لیکن جبل عرفات کے نزدیک اُترنا افضل ہے پھر اسی دن زوال آفتاب کے بعد غسل کرے (جو سنت ہے) اور عرفات میں وقوف کرے جو فرض ہے جس کے بغیر حج ہی نہیں ہوتا اور امام جو خطبہ دے اسے سنے امام کے ساتھ بشرط احرام ظہر وعصر کی نماز ایک وقت میں پڑھے اور جبل رحمت کے پاس کھڑا ہو کر نہایت خشوع وخضوع اور تذلل واخلاص کے ساتھ تکبیر وتہلیل کرے، تسبیح پڑھے اللہ کی ثناء کرے، آنحضرت ﷺ پر درود بھیجے اور اپنے اور اپنے تمام اعزہ واحباب کے لیے استغفار کرے اور تمام مقاصد دینی ودنیوی کے لیے دعاء مانگے، پھر غروب آفتاب کے بعد امام کے ہمراہ مزدلفہ کی طرف روانہ ہوجائے اور راستہ میں استغفار، لبیک، حمد وصلوٰۃ اور اذکار میں مشغول رہے، مزدلفہ پہنچ کر امام کے ہمراہ مغرب وعشاء کی نماز ایک ساتھ پڑھے اور رات میں وہیں رہے، کیونکہ رات رہنا واجب ہے، نیز اس پوری رات میں نماز، تلاوت قرآن اور ذکر دعاء میں مشغول رہنا مستحب ہے، جب صبح ہوجائے تو (یعنی دسویں ذی الحجہ کو) فجر کی نماز اوّل وقت اندھیرے میں پڑھے اور وہاں وقوف کرے مزدلفہ میں سوائے بطن محسّر کے جہاں چاہے وقوف کرسکتا ہے، اس وقوف کی حالت میں نہایت الحاح وزاری کے ساتھ اپنے دینی ودنیاوی مقاصد کے لیے خداوند عالم سے دعاء مانگے، آفتاب نکلنے سے کچھ پہلے وقوف ختم کردیا جائے، پھر جب روشنی خوب پھیل جائے تو آفتاب نکلنے سے پہلے منیٰ واپس پہنچ کر جمرۃ العقبہ پر سات کنکریاں مارے اور پہلی کنکری مارتے ہی تلبیہ موقوف کردے اس کے بعد قربانی کرے، پھر سر منڈوائے یا بال کتروائے، اس کے بعد وہ تمام چیزیں جو حالت احرام میں ممنوع تھیں سوائے رفث یعنی جماع کے جائز ہوجائیں گی، پھر اسی دن مکہ آجائے اور طواف زیارت کرے، اس طواف کے بعد سعی نہ کرے، ہاں اگر پہلے سعی نہ کرچکا ہو تو پھر اس طواف کے بعد سعی کرے، اس کے بعد رفث یعنی جماع بھی جائز ہوجائے گا، طواف زیارت سے فارغ ہو کر پھر منیٰ واپس آجائے اور رات میں وہیں قیام کرے، گیارھویں تاریخ کو تینوں جمرات کی رمی کرے، بایں طور کہ پہلے تو اس جمرہ پر سات کنکریاں مارے جو مسجد خیف کے

قریب ہے اور جس کو جمرۂ اولیٰ کہتے ہیں اس کے بعد اس جمرہ پر جو اس کے قریب ہے اور جس کو جمرۂ وسطیٰ کہتے ہیں، سات کنکریاں مارے اور پھر سوار ہو کر یا پیادہ پا ہی جمرۂ عقبہ پر سات کنکریاں مارے اور ہر کنکری مارتے وقت تکبیر کہتا رہے، اسی طرح بارہویں تاریخ کو تینوں جمرات پر کنکریاں مارے اور تیرہویں تاریخ کو اگر منیٰ میں قیام رہے تو اس دن پھر تینوں جمرات کی رمی کرے، یہ اس پر واجب ہوگی اور اگر بارہویں تاریخ ہی کو منیٰ سے رخصت ہوگیا تو اس پر پھر تیرہویں تاریخ کو رمی واجب نہیں ہوگی، گیارہویں، بارہویں اور تیرہویں تاریخوں میں رمی کا وقت زوالِ آفتاب کے بعد ہے لیکن تیرہویں تاریخ کو اگر طلوعِ فجر کے بعد زوالِ آفتاب سے پہلے بھی رمی کرے تو جائز ہے مگر مسنون زوالِ آفتاب کے بعد ہی ہے جب کہ گیارہویں اور بارہویں تاریخوں میں زوالِ آفتاب سے پہلے رمی جائز نہیں ہے، آخری دن رمی سے فارغ ہو کر مکہ روانہ ہوجائے اور راستہ میں تھوڑی دیر کے لیے محصب میں اُترے، پھر جب مکہ مکرمہ سے وطن کے لیے روانہ ہونے لگے تو طوافِ وداع کرے، اس طواف میں بھی رمل اور اس کے بعد سعی نہ کرے طواف کے بعد دو رکعت پڑھ کر زمزم کا پانی گھونٹ گھونٹ کر کے پئے اور ہر مرتبہ کعبہ مکرمہ کی طرف دیکھ کر حسرت سے آہ سرد بھرے، نیز اس مبارک پانی کو منھ، سر اور بدن پر ملے، پھر خانہ کعبہ کی طرف آئے اگر ممکن ہو تو بیت اللہ کے اندر داخل ہو اگر اندر نہ جاسکے تو اس کی مقدس چوکھٹ کو بوسہ دے اور اپنا سینہ اور منھ ملتزم پر رکھ دے اور کعبہ مکرمہ کے پردوں کو پکڑ کر دعا کرے اور روئے اور اس وقت بھی تکبیر و تہلیل، حمد و ثنا اور دعاء استغفار میں مشغول رہے اور اللہ تعالیٰ سے اپنے مقاصد کی تکمیل طلب کرے، اس کے بعد پچھلے پیروں یعنی مکہ مکرمہ کی طرف پشت نہ کر کے مسجد حرام سے باہر نکل آئے، اب حج کے تمام افعال ختم ہوگئے۔

عمرہ کے احکام

عمرہ واجب نہیں ہے بلکہ عمر بھر میں ایک مرتبہ سنتِ مؤکدہ ہے، عمرہ کے لیے کسی خاص زمانہ کی شرط نہیں ہے جیسا کہ حج کے لیے ہے بلکہ جس وقت چاہے کرسکتا ہے اسی طرح ایک سال میں کئی مرتبہ بھی عمرہ کرسکتا ہے البتہ غیر قارن کو ایامِ حج میں عمرہ کرنا مکروہ ہے، ایامِ حج کا اطلاق یومِ عرفہ، یومِ نحر اور ایامِ تشریق پر ہوتا ہے، عمرہ کا رکن طواف ہے اور اس میں دو چیزیں واجب ہیں ایک تو صفا و مروہ کے درمیان سعی اور دوسرے سر منڈوانا یا بال کتروانا۔ اور جو شرائط اور سنن و آداب حج کے ہیں وہی عمرہ کے بھی ہیں۔

جنایات کے احکام

حج کے بیان میں "جنایت" اس حرام فعل کو کہتے ہیں جس کی حرمت احرام یا حرم کے سبب سے ہو اور جس کے مرتکب پر کوئی چیز مثلاً قربانی یا صدقہ بطور جزا (یعنی بطور کفارہ) واجب ہوتی ہو چنانچہ کچھ اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ اگر محرم اپنے کسی ایک پورے عضو پر خوشبو لگائے یا کوئی خوشبودار چیز کھا کر منھ کو خوشبودار کرے، بشرطیکہ وہ خوشبو خالص ہو اور اس میں کسی دوسری

چیز کی آمیزش نہ ہو یا رقیق مہندی کا استعمال کرے خواہ سر میں لگائے، یا داڑھی یا ہاتھ پیر وغیرہ میں یا روغن زیتون لگائے، یا پورے ایک دن سلے ہوئے کپڑے رواج وعادت کے موافق استعمال کرے یا پورا دن اپنا سر ڈھانکے رکھے، یا سر یا داڑھی چوتھائی یا اس سے زیادہ منڈوائے، یا پوری ایک بغل کے بال یا زیر ناف بال یا گردن کے بالوں کو دور کرے یا دونوں ہاتھوں یا دونوں پیروں یا ایک ہاتھ اور ایک پیر کے ناخن ترشوائے یا طواف قدوم یا طواف صدر حالت جنابت میں کرے یا طواف زیارت (یعنی طواف فرض) بے وضو کرے، یا عرفات سے امام سے پہلے واپس آجائے یا سعی چھوڑ دے، یا وقوف مزدلفہ چھوڑ دے یا تمام دنوں کی رمی یا ایک دن کی یا پہلے دن کی رمی نہ کرے، یا حلق وتقصیر یا طواف زیارت ایام نحر گذر جانے کے بعد کرے یا افعال حج کی واجب ترتیب کو بدل دے مثلاً قربانی کرنے سے پہلے سر منڈوالے تو ان تمام صورتوں میں اس پر بطور جزاء ایک قربانی واجب ہوگی، اور اگر محرم علیہد کرے یعنی اپنے سر کے بال گوند وغیرہ لگا کر جمالے یا قارن ہونے کی صورت میں قربانی سے پہلے حلق یا تقصیر کرائے تو اس پر دو قربانی واجب ہوں گی اور اگر محرم ایک عضو سے کم میں خوشبو استعمال کرے یا ایک دن سے کم اپنا سر ڈھانکے یا سلا ہوا کپڑا پہنے یا سر داڑھی چوتھائی حصہ سے کم منڈوائے یا پانچ ناخن سے کم ترشوائے یا پانچ ناخن مختلف مجلسوں میں ترشوائے، یا طواف صدر یا طواف قدوم بے وضو کرے، یا یوم نحر کے بعد تینوں جمرات میں سے کسی ایک جمرہ کی رمی ترک کردے تو ان سب صورتوں میں اس پر صدقہ واجب ہوگا جس کی مقدار نصف صاع گیہوں ہے، اگر محرم کسی عذر یا بیماری کی وجہ سے خوشبو استعمال کرے یا سر منڈوائے یا سلا ہوا کپڑا پہنے تو ان صورتوں میں اسے اختیار ہوگا کہ چاہے تو ایک بکری ذبح کرے چاہے چھ مسکینوں کو ایک ایک مقدار صدقہ فطر دے دے اور چاہے تین روزے مسلسل یا غیر مسلسل رکھ لے، خوشبو یا خوشبودار پھول یا خوشبودار میوہ سونگھنے سے محرم پر کچھ واجب نہیں ہوتا تاہم یہ مکروہ ہے، اگر کوئی محرم جوں مارے تو بطور صدقہ تھوڑی سی کھانے کی چیز مثلاً ایک مٹھی آٹا دے دے، بشرطیکہ اس نے وہ جوں اپنے بدن سے یا سر سے یا کپڑے سے نکال کر ماری ہو اور اگر زمین سے پکڑ کر مارے تو کچھ بھی واجب نہیں ہوتا اور اگر اس نے اپنے کپڑے دھوپ میں اس نیت سے ڈال دیئے کہ اس میں موجود جوئیں مر جائیں اور پھر بہت ساری جوئیں مر جائیں تو اس پر نصف صاع گیہوں کا صدقہ واجب ہوگا، ہاں اگر کپڑے کو خشک کرنے کی نیت سے دھوپ میں ڈالے اور جوئیں مارنا اس کا مقصد نہ ہو اور پھر اس صورت میں جوئیں مر جائیں تو اس پر کچھ واجب نہیں ہوگا، اگر محرم شکار مارے یا کسی کو شکار کی راہ بتائے یا شکار کی طرف کسی کو متوجہ کرے تو اس پر بطور جزاء اس شکار کی وہ قیمت واجب ہوگی جو دو عادل شخص تجویز کریں اور وہ قیمت اس مقام کے اعتبار سے ہوگی جہاں شکار مارا گیا ہو یا اس کے قریب تر مقام کے اعتبار سے ہو اس بارے میں محرم کو اختیار ہوگا کہ چاہے تو وہ اس قیمت سے قربانی کا کوئی جانور خرید کر ذبح ہونے کے لیے حرم بھیج دے، اس قیمت سے گیہوں وغیرہ خرید کر ہر فقیر کو صدقہ فطر کی ایک ایک مقدار

تقسیم کردے اور چاہے ہر فقیر کی مقدار صدقہ کے عوض ایک ایک روزہ رکھ لے۔

آخر میں یہ بات بھی بتادینا ضروری ہے کہ ان تمام جنایات کے ارتکاب میں قصد اور اضطرار علم اور لاعلمی، رغبت اور جبر سب برابر ہے، یعنی محرم ممنوعات احرام میں سے جو بھی فعل کرے گا اس پر جزاء بہر صورت واجب ہوگی خواہ اس سے اس فعل کا ارتکاب قصداً ہوا ہو یا بلا قصد، اس کے علم کے باوجود ہوا ہو یا اس کی لاعلمی کی وجہ سے اور اس نے وہ فعل اپنی نوعیت سے کیا ہو یا کسی دوسرے کی زبردستی کی وجہ سے۔

زیارتِ قبور کے لیے سفر کی شرعی حیثیت

صحیحین میں ایک حدیث شریف آئی ہے، رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ: الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَ مَسْجِدِي هٰذَا وَ مَسْجِدِ الْأَقْصٰى۔ باقاعدہ سفر نہ کیا جائے مگر تین مسجدوں کے لئے: ۱- مسجدِ حرام۔ ۲- مسجدِ نبوی۔ ۳- مسجدِ اقصیٰ، یعنی ان تینوں مسجدوں کے لیے باقاعدہ سفر کرنا اور وہاں جا کر نماز پڑھنا جائز ہے۔ حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ ان تین مسجدوں کے علاوہ دنیا کی تمام مساجد فضیلت کے اعتبار سے برابر ہیں، لہٰذا حصولِ ثواب اور فضیلت کے لیے ان مساجد کے سوا کسی اور مسجد میں نماز پڑھنے کی غرض سے رختِ سفر باندھنا لاحاصل اور بے فائدہ ہے۔

اس حدیث شریف کی بناء پر بعض حضرات جو شرذمۃ قلیلۃ اور ضفادع الحوض کی طرح ہیں، نے زیارتِ قبور کے لیے سفر کرنے کو ناجائز اور حرام قرار دیا ہے، اس مسلک کو سب سے پہلے قاضی عیاض مالکیؒ نے اختیار کیا ہے، پھر ان کے بعد شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ نے اس میں نہایت تشدد اور غلو اختیار کیا ہے اور اس کی خاطر بہت سی مصیبتیں بھی اٹھائی ہیں، یہاں تک کہ انھوں نے روضۂ رسول ﷺ تک کی زیارت کے لیے بھی سفر کو ناجائز قرار دیا ہے اور فرمایا کہ اگر مسجدِ نبوی میں نماز پڑھنے کی نیت سے سفر کیا جائے اور ضمناً روضۂ رسول ﷺ کی زیارت بھی کر لی جائے تو اس کی اجازت ہے لیکن بطورِ خاص روضۂ رسول ﷺ کی زیارت ہی کی نیت سے سفر کرنا جائز نہیں۔

لیکن جمہور علمائے امت نے علامہ ابن تیمیہؒ کے اس مسلک کو قبول نہیں کیا ہے اور اس کی تردید کی ہے بلکہ علامہ تقی الدین سبکیؒ نے تو "شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام" کے نام سے ان کی تردید میں ایک مفصل کتاب لکھی ہے جو اپنے موضوع پر نہایت جامع کتاب ہے۔

علامہ ابن تیمیہؒ کا استدلال

اس باب میں علامہ ابن تیمیہ کا استدلال اوپر ذکر کردہ حدیث پاک ہے، موصوف فرماتے ہیں کہ حدیث باب میں استثناء مفرغ ہے اور یہاں مستثنیٰ منہ محذوف ہے اور اصل عبارت اس طرح ہے: لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَى شَيْءٍ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ، لہٰذا حصولِ برکت اور حصولِ ثواب کے واسطے سفر کرنا ان تین مساجد کے علاوہ دیگر جگہوں کی طرف ناجائز ہے اور

زیارت قبر کے لیے سفر کرنا بھی ممنوع ہوگا خواہ روضۂ رسول ہی کیوں نہ ہو۔

جمہور علماء کی طرف سے جواب

جمہور علمائے کرام کی طرف سے اس حدیث پاک کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ اس حدیث میں بلاشبہ استثناء مفرغ ہے اور مستثنیٰ منہ محذوف ہے، لیکن تقدیر عبارت اس طرح نہیں ہے جس طرح آپ نے نکالا ہے کیوں کہ آپ نے جو تقدیری عبارت نکالی ہے اس سے تو سفر جہاد، سفر طلب علم، سفر تجارت اور کسی عالم دین کی زیارت کے لیے سفر کرنا بھی ممنوع قرار پائے گا جب کہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے، لہٰذا تقدیر عبارت دراصل یوں ہے: لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَى مَسْجِدٍ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ، اس کی تائید مسند احمد کی حدیث شریف سے بھی ہوتی ہے، مسند احمد میں الفاظ حدیث اس طرح ہیں: عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: لَا يَنْبَغِي لِلْمَطِيِّ أَنْ يُشَدَّ رِحَالُهُ إِلَى مَسْجِدٍ يَبْتَغِي فِيهِ الصَّلٰوةَ، غَيْرِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَالْمَسْجِدِ الْأَقْصَىٰ، وَمَسْجِدِي هٰذَا۔ (مسند احمد)

اس حدیث کی سند میں شہر بن حوشب ہیں جو متکلم فیہ راوی ہیں، لیکن یہ حدیث حسن کے درجہ کی ہے، جیسا کہ علامہ ہیثمی نے مجمع الزوائد میں کہا ہے، شہر بن حوشب کے متعلق علامہ عینی نے عمدۃ القاری شرح بخاری اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے: وشهر بن حوشب وثقه جماعة من الأئمة۔ (عمدۃ القاری: ۳/ ۶۸۲ و ۶۸۳)

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں: وشهر حسن الحديث، وإن كان فيه الضعف۔ (فتح الباری: ۳/ ۵۳)

اب مسند احمد کی روایت کو سامنے رکھتے ہوئے اس حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ ان تین مساجد کے علاوہ کسی اور مسجد کی طرف یہ سمجھ کر سفر کرنا کہ اس میں نماز پڑھنے کا زیادہ ثواب ہے درست نہیں ہے۔ اور حدیث شریف کے پیش نظر اس معنیٰ کو مراد لینا زیادہ مناسب ہے، جمہور علمائے کرام نے یہی معنیٰ سمجھا ہے اور یہی معنیٰ مراد لیا ہے، اس حدیث کا زیارت قبور، طلب علم، سفر جہاد اور سفر تجارت سے کوئی تعلق نہیں ہے، یہ غیر مقلدین جو ضفادع الحوض کے مانند اور شرذمۃ قلیلۃ ہیں ان کا خود ساختہ اور اختراعی معنیٰ ہے کہ اس حدیث سے زیارت قبور کی ممانعت سمجھ میں آرہی ہے، اس حدیث سے قبروں کی زیارت کی ممانعت پر استدلال کرنا "مارے گھٹنا پھوٹے سر" کے مصداق ہے۔

زیارتِ قبر رسول ﷺ کے متعلق احادیث کا درجہ

جہاں تک روضۂ رسول ﷺ کی زیارت کے متعلق فضائل و مناقب پر مشتمل احادیث کا تعلق ہے تو اس بارے میں جتنی بھی احادیث مروی ہیں، مثلاً: مَنْ زَارَ قَبْرِي وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِي۔ یا مَنْ حَجَّ وَلَمْ يَزُرْنِي فَقَدْ جَفَانِي۔ وغیرہ ان میں سے اکثر احادیث ضعیف ہیں، لیکن امت کا تعامل متواتر ان احادیث کے مضمون کی تائید کرتا ہے اور امت کا تعامل متواتر مستقل

دلیل ہے اور پوری امت کے متعلق یہ کہنا کہ وہ مسجد نبوی کی زیارت کا قصد کرتے تھے نہ کہ روضۂ اقدس کی، تاویل بارد کے سوا کچھ نہیں، کیوں کہ ایسا کون ہوگا جو حرم شریف کی ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے ثواب کو چھوڑ کر پچاس ہزار نمازوں کے ثواب کی طرف آئے، واقعہ یہ ہے کہ زائرین مدینہ کا اصل مقصد روضۂ رسول ﷺ کی زیارت رہا ہے، چنانچہ علامہ ابن الہمام نے فتح القدیر میں اسی قول کو راجح اور مختار قرار دیا ہے کہ زائرین مدینہ روضۂ رسول ﷺ کی زیارت کا قصد کریں اور یہی علمائے اہل السنۃ والجماعۃ علماء دیو بند کا مسلک بھی ہے جیسا کہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ نے "المهند علی المفند" میں لکھا ہے۔ (درس ترمذی: ۲/ ۱۱۲، تا ۱۱۴)

روضۂ اقدس کی زیارت کے احکام وآداب

جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ روضۂ اقدس کی زیارت کے لیے سفر کرنا باعث ثواب اور حصول شفاعت کا ذریعہ ہے تو اس کے آداب واحکام کو سپرد قلم کیا جاتا ہے۔

جو کوئی حج کرنے جائے اس کو چاہئے کہ اگر حج فرض ہو تو پہلے اپنے حج سے فارغ ہو جائے پھر روضۂ اطہر کی زیارت کے لیے مدینہ جائے۔ اور اگر حج نفل ہو تو اختیار ہے کہ چاہے تو پہلے زیارت کرلے اور اس کے بعد حج کرے، چاہے پہلے حج کرلے بعد میں زیارت کرے، بشرطیکہ حج کے لیے مکہ جانے والا راستہ مدینہ کی طرف سے نہ ہو، جب زیارت کے لیے چلے تو یہ نیت کرے کہ میں آنحضرت ﷺ کی قبر مبارک اور آپ ﷺ کی مسجد انور کی زیارت کے لیے سفر کرتا ہوں، راستہ میں جتنی مسجدیں ملیں سب میں نماز پڑھے، راستہ میں درود پڑھتا رہے، جب مدینہ منورہ کے قریب پہنچے تو اس شہر مقدس کی عظمت کو دل میں جاگزیں کرے، جب مدینہ منورہ بالکل سامنے آجائے تو بہ خیال ادب اور بمقتضائے شوق اپنی سواری سے اُتر پڑے اور اگر ممکن ہو تو وہاں سے مسجد شریف تک پا پیادہ جائے، حدود شہر میں داخل ہونے سے پہلے اگر ممکن ہو تو غسل کرلے ورنہ وضو کرکے عمدہ اور خاص طور پر سفید کپڑے پہن لے اور خوشبو لگائے، شہر کے اندر پہنچ کر سب سے پہلے مسجد نبوی ﷺ میں جائے، مسجد نبوی ﷺ میں داخلہ سے پہلے غسل کرلے تو بہتر ہے ورنہ وضو کرے اور خوشبو لگائے، مسجد نبوی میں پہنچ کر تحیۃ المسجد اور نماز شکر پڑھے، اس کے بعد اس تصور ویقین کے ساتھ بصد ادب واحترام قبر اقدس کی زیارت کی طرف متوجہ ہو کہ میں اس باعظمت درگاہ میں حاضر ہو رہا ہوں جس کے سامنے تمام دنیا کے پر جلال بادشاہوں کی بھی کوئی وقعت نہیں، پھر مرقد اطہر کے پاس آکر نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ نماز کی طرح داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھ کر اس طرح کھڑا ہو کہ حضرت سید البشر ﷺ کی طرف منھ ہو اور قبلہ کی طرف پیٹھ اور اس بات کا یقین کرے کہ آنحضرت ﷺ میری حاضری سے واقف ہیں، میرے سلام کا جواب دیتے ہیں اور میری دعاء پر آمین کہتے ہیں اور پھر انتہائی شوق وذوق کے ساتھ معتدل آواز میں صلوٰۃ وسلام پیش کرے اور عرض ومعروض کرے، جب اپنی

عرض و نیاز سے فارغ ہو جائے تو اپنے اعزہ و احباب میں سے جس نے عرضِ سلام کی درخواست کی ہو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اس کی طرف سے اس طرح عرض کر دے کہ: "یارسول اللہ ﷺ! فلاں ابن فلاں نے آپ کو سلام عرض کیا ہے، آپ اس کے لیے پروردگار سے شفاعت کریں"۔ اس کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ اور پھر حضرت عمر فاروقؓ کے سر مبارک کے سامنے کھڑا ہو اور ان کی خدمت میں سلام عرض کرے اور جو خواہش رکھتا ہو آپ کے طفیل میں حق تعالیٰ سے مانگے، وہاں سے ہٹ کر حضرت ابولبابہؓ کے ستون کے پاس جس قدر ممکن ہو نوافل پڑھے اور توبہ و استغفار کرے، اس کے بعد آثار نبویہ ﷺ کی زیارت کرے جو معلمین بتا دیتے ہیں اور جنت البقیع جائے وہاں صحابۂ کرام اور اہل بیت کے مزارات مقدسہ کی زیارت کرے، پھر شہدائے اُحد خصوصاً سید الشہداء حضرت امیر حمزہؓ کی قبر کی زیارت کرے اور ان تمام مشاہد و مزارات پر فاتحہ پڑھے اور شنبہ کے دن یا جس دن ممکن ہو مسجد قبا کی زیارت کرے اور دو رکعت نماز بہ نیت تحیۃ المسجد پڑھے۔

مدینہ منورہ اور روضۂ اطہر کی زیارت کے آداب یہ ہیں کہ جتنے دنوں مدینہ منورہ میں قیام ہو سکے اس کو غنیمت سمجھے، حتی الامکان اپنا اکثر اوقات مسجد نبوی شریف میں صرف کر کے وہاں اعتکاف کرے اور ہر قسم کی عبادت یعنی نماز، روزہ، تلاوت، درود اور صدقہ خیرات کر کے اپنے اوقات کو آباد رکھے، جب تک مسجد میں رہے حجرۂ شریفہ کی طرف نہایت شوق کی نگاہوں سے نظر کرتا رہے اور اگر مسجد سے باہر ہو تو بنظر احترام و تعظیم اور انتہائی خشوع و خضوع کے ساتھ قبر شریف کو دیکھتا رہے، کیونکہ روضۂ حبیب کبریا پر نظر ڈالنا استحباباً حکم نظر کرنے کعبہ شریف کا ہے، نیز شہر سے باہر قبۂ شریفہ پر نظر کرنے سے اہل شوق کو جو نورانیت اور سرور و ذوق حاصل ہوتا ہے اس کا ادراک اسی حالت پر موقوف ہے جس کو الفاظ کے ذریعہ ظاہر نہیں کیا جا سکتا:

ع: ذوق ایں می نشناسی بخدا تا نچشی

مسجد نبوی میں جس قدر بھی شب بیداری کی سعادت حاصل ہو سکے خواہ ایک ہی شب کے لیے ہو اسے ہاتھ سے نہ جانے دے کیونکہ یہ شب قدر و منزلت کے اعتبار سے شب قدر سے کم نہیں ہے؛ بلکہ اس سے بھی زیادہ ہے، اس لیے اس ایک رات کو اپنی تمام عمر کا ماحصل اور خلاصہ سمجھ کر عبادت میں کاٹ دے، بہتر یہ ہے کہ اس رات میں اور کوئی عبادت نہ کرے بلکہ صرف درود شریف پڑھتا رہے اور اگر نیند آنے لگے تو حبیب کبریاء کی حضوری اور آپ ﷺ کے جمال باکمال کا تصور اس کے دل و دماغ کو کیف حضوری کا سرور بخشے گا تو کہاں نیند رہے گی اور کہاں غفلت۔ ع: قرار چیست صبوری کدام و خواب کجا۔

مسجد نبوی میں جب تک رہے اپنے دل، اپنی زبان اور تمام اعضاء کو برے کلمات و خیالات اور ہر خلاف اولیٰ فعل سے محفوظ رکھے اور محبوب دو عالم کی حضوری کے تصور کے سوا اور کسی طرف متوجہ نہ ہو، اگر کوئی اس کی مشغولیت میں مخل ہو تو اس سے کنارہ کشی اختیار کرے، ہاں کسی سے نہایت ضروری گفتگو کرنی ہو تو مختصر کر کے اسی جناب مقدس کی طرف متوجہ ہو جائے، مسجد شریف کے آداب کا بطور خاص خیال رکھے، تھوک وغیرہ وہاں نہ گرنے دے، پھر جب اپنے مکان پہنچ جائے تو مکان کے اندر

جانے سے پہلے اگر وقت مکروہ نہ ہو تو مسجد میں جا کر دو رکعت نماز پڑھے، دعاء مانگے اور وطن بخیر و عافیت جانے پر باری تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور یہ کہے: الحمدُ لِلّٰہِ الَّذِی بِنعمتِہٖ وجلالِہٖ تَتِمُّ الصَّالحاتُ. گھر کی طرف بڑھتے ہوئے راستے میں جو شخص سامنے آئے اس سے مصافحہ کرے، اگر گلے ملے تو بھی جائز ہے بشرطیکہ امرد نہ ہو، جب گھر میں داخل ہو تو دو رکعت نماز پڑھے اور حق تعالیٰ کے حضور نذرانہ حمد و ثناء پیش کرے اور اداء شکر کرتا ہوا دعاء مانگے، پھر گھر والوں کی خیریت معلوم کرکے اور ان سے مل ملا کر مسجد میں یا گھر کے قریب کسی اور جگہ پر آکر بیٹھ جائے تاکہ لوگ ملنے کو آئیں، پھر جو کوئی بھی ملنے آئے اس سے تواضع اور خوشی کے ساتھ ملے اور دعاء کرے، خصوصاً شہر و آبادی میں داخل ہونے سے پہلے دعاء کرنا بہت اچھا ہے، کیونکہ مسافر کی دعا اور وہ بھی شہر میں داخل ہونے سے پہلے حاجی کی دعاء قبول ہوتی ہے، استقبال کرنے والوں کی طرف سے کوئی خلاف شرع چیز مثلاً باجا، گاجا دیکھے تو اسے منع کردے اور تمام افعالِ حج کی روح اور آداب کا خلاصہ اور افضل اوضاع یہ ہے کہ اس مبارک سفر سے واپس آنے کے بعد تجدید توبہ کو مقصود بنائے، تقویٰ کو لازم کرلے اور ظاہری و باطنی نیکیوں کے حصول کی کوشش میں لگ جائے، کیونکہ علماء نے لکھا ہے کہ حج مبرور کی فضیلت یہ ہے کہ جس حالت کے ساتھ گیا تھا اس سے بہتر حالت کے ساتھ واپس آئے اور اس (بہتر حالت) کی نشان ہی یہ ہے کہ اتباع سید کونین ﷺ پر حریص ہو اور دل دنیا اور اہل دنیا کی محبت سے تو سرد ہو اور آخرت و اہل آخرت کی محبت میں سرگرم ہو۔

كِتَابُ النِّكَاحِ

نکاح کا بیان

لَيْسَ لَنَا عِبَادَةٌ شُرِعَتْ مِنْ عَهْدِ آدَمَ إِلَى الْآنَ ثُمَّ تَسْتَمِرُّ فِي الْجَنَّةِ إِلَّا النِّكَاحَ وَالْإِيمَانَ. (هُوَ) عِنْدَ الْفُقَهَاءِ (عَقْدٌ يُفِيدُ مِلْكَ الْمُتْعَةِ) أَيْ حِلَّ اسْتِمْتَاعِ الرَّجُلِ - مِنْ امْرَأَةٍ لَمْ يَمْنَعْ مِنْ نِكَاحِهَا مَانِعٌ شَرْعِيٌّ فَخَرَجَ الذَّكَرُ وَالْخُنْثَى الْمُشْكِلُ وَالْوَثَنِيَّةُ لِجَوَازِ ذُكُورَتِهِ وَالْمَحَارِمُ وَالْجِنِّيَّةُ وَإِنْسَانُ الْمَاءِ لِاخْتِلَافِ الْجِنْسِ وَأَجَازَ الْحَسَنُ نِكَاحَ الْجِنِّيَّةِ بِشُهُودٍ قُنْيَةٌ (قَصْدًا) خَرَجَ مَا يُفِيدُ الْحِلَّ ضِمْنًا، كَشِرَاءِ أَمَةٍ لِلتَّسَرِّي (وَ) عِنْدَ أَهْلِ الْأُصُولِ وَاللُّغَةِ (هُوَ حَقِيقَةٌ فِي الْوَطْءِ مَجَازٌ فِي الْعَقْدِ) فَحَيْثُ جَاءَ فِي الْكِتَابِ أَوْ السُّنَّةِ مُجَرَّدًا عَنْ الْقَرَائِنِ يُرَادُ بِهِ الْوَطْءُ كَمَا فِي - ﴿وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ﴾(النساء: ۲۲) - فَتَحْرُمُ مَزْنِيَّةُ الْأَبِ عَلَى الِابْنِ بِخِلَافِ - ﴿حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ﴾ - لِإِسْنَادِهِ إِلَيْهَا وَالْمُتَصَوَّرُ مِنْهَا الْعَقْدُ لَا الْوَطْءُ إِلَّا مَجَازًا.

ترجمہ وتشریح: حضرت مصنف علیہ الرحمہ یہاں سے نکاح کے احکام و مسائل بیان کر رہے ہیں۔ نکاح کی اسلام میں بڑی اہمیت ہے، اس کی سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ از آدم علیہ السلام تا ایں دم جو عبادت ہم مسلمانوں کے لیے جائز رہی

ہے اور جس کا ہمیں حکم دیا گیا ہے اور جو یہاں کے بعد جنت میں بھی دائمی طور پر باقی رہے گی وہ نکاح اور ایمان کے سوا کوئی دوسری عبادت نہیں ہے۔

حج کے بعد فقہائے کرام نکاح کی بحث اس لیے شروع کرتے ہیں کہ جس طرح حج میں مال مطلوب ہوتا ہے اور خرچ ہوتا ہے اسی طرح نکاح میں بھی مال خرچ ہوتا ہے، یعنی فی الجملہ دونوں کا تعلق کم وبیش مال سے ہے۔

نکاح کی شرعی تعریف

فقہاء کے نزدیک ''نکاح'' ایک ایسے معاملہ کا نام ہے جس کے ذریعہ مرد کے لیے بالقصد ایسی عورت سے لذت حاصل کرنا اور فائدہ اُٹھانا حلال قرار پاتا ہے جس سے نکاح کرنے میں کوئی شرعی رُکاوٹ نہیں ہوتی ہے، جیسے: کفر وشرک اور ذی رحم محرم ہونا، یا غیر جنس کا ہونا، وغیرہ۔

عورت سے فائدہ اُٹھانے کی قید لگانے سے اس تعریف سے مرد اور خنثیٰ مشکل خارج ہو گئے۔ خنثیٰ مشکل اس کو کہتے جس کا مرد یا عورت ہونا کچھ ثابت نہ ہو، نہ مرد کے حکم میں ہو نہ عورت کے حکم میں۔ اور مانع شرعی کی قید سے مشرکہ، بت پرست اور محارم عورتیں نکل گئیں، یعنی وہ عورتیں جن سے نکاح حرام کیا گیا ہے۔ اور جنی عورت اور دریائی انسان بھی نکل گیا کیونکہ اس کی جنس دوسری ہے۔ حسن بصریؒ نے جنیہ سے گواہوں کی موجودگی میں نکاح کو جائز کہا ہے، کمافی القنیہ۔

اور بالقصد فائدہ اُٹھانے کی قید سے ایسا فائدہ نکل گیا جو ضمناً حلال ہوتا ہے، جیسے: کوئی شخص کسی باندی کو حرم بنانے کے واسطے خریدے، تو اگر چہ وہ وطی کے لیے خریدی گئی ہے مگر مقصدِ اصلی اس خریدار سے اس کا مالک بننا ہے، اس سے جماع ضمناً ثابت ہوتا ہے، لہٰذا اس کا نام نکاح نہیں ہوگا۔

لفظ ''نکاح'' کی تحقیق

لفظ ''نکاح'' علمائے اصول اور علمائے لغت کے نزدیک حقیقت میں وطی کے لیے وضع ہوا ہے اور عقد پر اس کا اطلاق مجازاً ہوتا ہے، لہٰذا کتاب وسنت میں جہاں بھی ''نکاح'' کا لفظ آئے اور قرائن سے خالی ہو اس سے وطی اور جماع مراد ہوگا، جیسے آیت {وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ} یعنی تم ان عورتوں سے جماع نہ کرو جن سے تمہارے باپ دادا نے جماع کیا ہے۔ یہ جماع حلال کو بھی شامل ہے اور حرام کو بھی، لہٰذا جس عورت سے باپ نے زنا کیا وہ عورت بیٹے پر حرام ہوگئی۔ اس کے خلاف یہ دوسری آیت {حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ} ہے کہ اس میں نکاح سے جماع مراد نہیں ہے۔ اس وجہ سے کہ نکاح کی نسبت اس میں عورت کی طرف ہے، عورت سے جماع کیا جاتا ہے اور کرنے والا مرد ہوتا ہے، جبکہ عورت مفعول ہوتی ہے، لہٰذا یہاں نکاح سے عقد مراد ہوگا، جماع مجازاً مراد لیا جائے گا۔

یعنی جس عورت کو شوہر تین طلاق دیدے وہ پہلے شوہر کے لیے اُس وقت تک حلال نہیں ہوسکتی ہے جب تک وہ غیر مرد سے نکاح نہ کرلے اور پھر وہ غیر مرد شوہر ہونے کے بعد اس سے جماع کرکے طلاق نہ دیدے، دوسرے شوہر کے جماع کی شرط حدیث عُسیلہ سے سمجھی گئی ہے، جس میں اس بات کی صراحت ہے کہ وہ عورت اس مرد سے اور یہ مرد اُس عورت سے جب تک ہمبستر ہوکر وطی نہ کرے، پہلے شوہر سے دوبارہ نکاح نہیں ہوسکتا ہے۔

عُسیلہ کا واقعہ

حدیث عُسیلہ کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت رفاعہؓ نے اپنی بیوی کو طلاقِ مغلظہ دیدی تھی اس عورت نے دوسرے مرد سے نکاح کرلیا اور پھر حضور ﷺ کی خدمت میں آکر شکایت کی کہ میرا دوسرا شوہر نامرد ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم پھر پہلے شوہر رفاعہ کے پاس جانا چاہتی ہو؟ اس نے عرض کیا: جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک تم اس کا اور وہ تمہارا مزہ نہ چکھ لے، یعنی باہم صحبت وہمبستری نہ ہوجائے۔

(وَيَكُونُ وَاجِبًا عِنْدَ التَّوَقَانِ) فَإِنْ تَيَقَّنَ الزِّنَا إِلَّا بِهِ فُرِضَ نِهَايَةٌ وَهَذَا إِنْ مَلَكَ الْمَهْرَ وَالنَّفَقَةَ، وَإِلَّا فَلَا إِثْمَ بِتَرْكِهِ بَدَائِعُ (وَ) يَكُونُ (سُنَّةً) مُؤَكَّدَةً فِي الْأَصَحِّ فَيَأْثَمُ بِتَرْكِهِ وَيُثَابُ إِنْ نَوَى تَحْصِينًا وَوَلَدًا (حَالَ الِاعْتِدَالِ) أَيْ الْقُدْرَةِ عَلَى وَطْءٍ وَمَهْرٍ وَنَفَقَةٍ وَرَجَّحَ فِي النَّهْرِ وُجُوبَهُ لِلْمُوَاظَبَةِ عَلَيْهِ وَالْإِنْكَارِ عَلَى مَنْ رَغِبَ عَنْهُ (، وَمَكْرُوهًا لِخَوْفِ الْجَوْرِ) فَإِنْ تَيَقَّنَهُ حَرُمَ ذَلِكَ وَيُنْدَبُ إِعْلَانُهُ وَتَقْدِيمُ خُطْبَةٍ وَكَوْنُهُ فِي مَسْجِدٍ يَوْمَ جُمُعَةٍ بِعَاقِدٍ رَشِيدٍ وَشُهُودٍ عُدُولٍ، وَالِاسْتِدَانَةُ لَهُ وَالنَّظَرُ إِلَيْهَا قَبْلَهُ، وَكَوْنُهَا دُونَهُ سِنًّا وَحَسَبًا وَعِزًّا، وَمَالًا وَفَوْقَهُ خُلُقًا وَأَدَبًا وَوَرَعًا وَجَمَالًا وَهَلْ يُكْرَهُ الزِّفَافُ الْمُخْتَارُ لَا إِذَا لَمْ يَشْتَمِلْ عَلَى مَفْسَدَةٍ دِينِيَّةٍ.

نکاح کب واجب ہوتا ہے، کب سنت اور کب فرض؟

نکاح کبھی واجب ہوتا ہے، کبھی سنت اور کبھی فرض بھی ہوجاتا ہے۔ نکاح اس وقت واجب ہوتا ہے جب شہوت کا غلبہ ہو اور اگر یہ یقین ہوجائے کہ نکاح نہ ہونے کی صورت میں زنا میں ملوث ہوجائے گا تو اس وقت نکاح کرنا فرض ہے، کذا فی النہایہ۔ اور یہ وجوب وفرضیت اس وقت ہے جب مرد بیوی کے مہر اور نان ونفقہ پر قادر ہو، اگر مرد مہر اور نان ونفقہ پر قادر نہ ہو تو نکاح کے چھوڑ دینے پر گنہگار نہیں ہوگا، کذا فی البدائع۔ مذہب اصح یہ ہے کہ اعتدال کی حالت میں نکاح سنتِ مؤکدہ ہے اگر کوئی نکاح سے گریز کرے گا تو وہ گناہگار ہوگا۔ اور اگر نکاح سے پاک دامنی یا اولاد کی نیت ہوگی تو وہ مستحق ثواب ہوگا۔ اعتدال کی حالت کا مطلب یہ ہے کہ وہ جماع پر اور مہر ونفقہ کے ادا کرنے پر قادر ہو۔ اور نہر میں لکھا ہے کہ حالتِ اعتدال میں

نکاح واجب ہے اس لیے کہ حضورﷺ سے نکاح پر مواظبت ثابت ہے اور نکاح سے انکار کو سنت سے انحراف کہا گیا ہے۔ (اگر کوئی مہر اور نان ونفقہ پر قادر نہ ہو یا بیوی پر ظلم وزیادتی اور ترک فرائض وسنن کا خطرہ محسوس کرتا ہو تو وہ اعتدال میں نہیں کہا جائے گا اور اس کے لیے نکاح سنت مؤکدہ قرار نہیں پائے گا)۔

نکاح حرام، مکروہ اور مباح

اگر کسی مرد کے بارے میں یہ خوف ہو کہ وہ بیوی پر ظلم وزیادتی کرے گا تو اس کے لیے نکاح مکروہ ہے۔ اور اگر اس کو اس بات کا یقین ہو کہ وہ بیوی کے ساتھ ظلم وزیادتی کے ساتھ پیش آئے گا تو اس وقت اس کے لیے نکاح حرام ہوگا۔ ایک قسم نکاح کی مباح ہے اور یہ اس وقت ہے جب حقوق کی ادائیگی میں اندیشہ ہو۔

نکاح کی تشہیر اور اس کا اعلان

نکاح کرنے کے بعد اس کا اعلان کرنا اور شہرت دینا، اسی طرح نکاح سے پہلے خطبہ پڑھنا مستحب ہے۔ ترمذی شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا: نکاح مسجدوں میں کرو، جہاں بلا روک ٹوک ہر مسلمان پہنچ سکتا ہے۔ اور دُف بجا کر اعلان کرو، نکاح چھپانے کی چیز نہیں ہے۔ اور مستحب یہ ہے کہ نکاح جمعہ کے دن مسجد کے اندر کیا جائے۔ نکاح کرنے والا سمجھ دار ہو اور گواہ متقی و پرہیز گار ہوں تاکہ نکاح کی کوئی ضروری شرط فوت نہ ہونے پائے۔ اور نکاح کے لیے بوقت ضرورت قرض لینا مستحب ہے۔ اور یہ بھی مستحب ہے کہ نکاح سے پہلے ہونے والی بیوی کو شوہر دیکھ لے؛ تاکہ رشتہ پائیدار ہو، مگر یہ دیکھنا اس وقت ہے جب دوسری طرف سے نکاح کرنے کی آمادگی پائی جائے۔

یہ بھی مستحب ہے کہ عورت شوہر سے عمر میں چھوٹی ہو اور عزت وحسب ونسب اور مالداری میں کمتر ہو۔ حسب آبائی خاندان کی فضیلت کو کہتے ہیں۔ مگر عورت کا مرد سے اخلاق، ادب، پرہیز گاری اور خوبصورتی میں بڑھ کر ہونا بہتر ہے۔ (ایسی عورت سے نکاح نہ کرے جو بدصورتی، بدخلقی یا کسی عیب کی وجہ سے پسند نہ ہو، اسی طرح بدچلن، بدنام اور بداطوار عورت سے بھی بچنا ضروری ہے۔ باپ کا بھی فرض ہے کہ وہ اپنی جوان بیٹی کو کسی بڈھے مرد سے نہ باندھ دے اور نہ ایسے بدشکل سے جو عورت کو پسند نہ ہو)۔ دلہن کی رخصتی کے لیے عورتوں کا اجتماع مکروہ نہیں ہے بشرطیکہ اس میں دینی اعتبار سے کوئی خرابی نہ پائی جائے، مثلاً عورتوں سے بے پردگی، مرد وعورتوں کا باہم اختلاط وغیرہ۔

(وَيَنْعَقِدُ) مُتَلَبِّسًا (بِإِيجَابٍ) مِنْ أَحَدِهِمَا (وَقَبُولٍ) مِنَ الْآخَرِ (وُضِعَا لِلْمُضِيِّ) لِأَنَّ الْمَاضِيَ أَدَلُّ عَلَى التَّحْقِيقِ (كَزَوَّجْتُ) نَفْسِي أَوْ بِنْتِي أَوْ مُوَكِّلَتِي مِنْكَ (وَ) يَقُولُ الْآخَرُ (تَزَوَّجْت، وَ) يَنْعَقِدُ أَيْضًا (بِمَا) أَيْ بِلَفْظَيْنِ (وُضِعَ أَحَدُهُمَا لَهُ) لِلْمُضِيِّ (وَالْآخَرُ لِلِاسْتِقْبَالِ) أَوْ لِلْحَالِ، فَالْأَوَّلُ

الْأَمْرُ (كَزَوِّجْنِي) أَوْ زَوِّجِينِي نَفْسَكِ أَوْ كُونِي امْرَأَتِي فَإِنَّهُ لَيْسَ بِإِيجَابٍ بَلْ هُوَ تَوْكِيلٌ ضِمْنِيٌّ (فَإِذَا قَالَ) فِي الْمَجْلِسِ (زَوَّجْتُ) أَوْ قَبِلْتُ أَوْ بِالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ بَزَّازِيَّةٌ قَامَ مَقَامَ الطَّرَفَيْنِ وَقِيلَ هُوَ إِيجَابٌ وَرَجَّحَهُ فِي الْبَحْرِ وَالثَّانِي الْمُضَارِعُ الْمَبْدُوءُ بِهَمْزَةٍ أَوْ نُونٍ أَوْ تَاءٍ كَتُزَوِّجِينِي نَفْسَكِ إِذَا لَمْ يَنْوِ الِاسْتِقْبَالَ، وَكَذَا أَنَا مُتَزَوِّجُكِ أَوْ جِئْتُكِ خَاطِبًا لِعَدَمِ جَرَيَانِ الْمُسَاوَمَةِ فِي النِّكَاحِ

نکاح کا انعقاد

نکاح میاں بیوی میں سے ایک کے ایجاب اور دوسرے کے قبول سے منعقد ہوتا ہے۔ اس میں یہ ضروری ہے کہ ایجاب وقبول کے دونوں صیغے ماضی کے ہوں، کیونکہ ماضی کا صیغہ کام کے فی الحال واقع ہونے پر دلالت کرتا ہے، جیسے ایک کہے: "میں نے اپنی ذات کا یا اپنی بیٹی کا یا اپنی مؤکلہ کا تجھ سے نکاح کر دیا"۔ اس جملہ کو اصطلاح میں ایجاب کہتے ہیں اور دوسرا اس کے جواب میں کہے: "میں نے قبول کیا"۔

اور نکاح ان دو لفظوں کے ساتھ بھی منعقد ہو جاتا ہے کہ ایک اُن میں ماضی کا صیغہ ہو اور دوسرا مستقبل یا حال کا صیغہ ہو۔ استقبال سے مراد یہاں امر کا صیغہ ہے، جیسے مرد اپنے ولی سے کہے یا عورت کے وکیل سے کہے: تو میرا نکاح کر دے، یا عورت سے کہے کہ تو میرا نکاح اپنے ساتھ کر لے، یا یہ کہے کہ تو میری بیوی ہو جا، یہ صیغہ امر دراصل خود ایجاب نہیں ہے بلکہ ضمناً دوسرے کو اپنے نکاح کے لیے اپنا وکیل بنانا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ تو میری طرف سے وکیل بن کر میرا نکاح کر دے پھر جب دوسرے نے اسی مجلس میں اس کے جواب میں کہا کہ میں نے نکاح کر دیا، یا میں نے قبول کیا یا مان لیا تو عاقدین کے ایجاب وقبول کے حکم میں ہو گیا اور نکاح صحیح ہو گیا۔

اور بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ امر کا یہ صیغہ ایجاب ہے توکیل (یعنی وکیل بنانا) نہیں ہے۔ اور اس دوسرے قول کو صاحب بحر نے ترجیح دیا ہے۔ اور فعل مضارع کا دوسرا لفظ جو واحد متکلم کا صیغہ ہو یا جمع متکلم کا یا واحد مؤنث حاضر کا، جیسے میں تجھ سے شادی کر رہا ہوں، یا ہم تجھ سے شادی کر رہے ہیں، تو اس سے بھی نکاح منعقد ہو جائے گا، جب کہ وہ مضارع عربی کے صیغہ سے مستقبل کے معنی کا ارادہ نہ کرے، کیونکہ اگر مستقبل کا معنی مراد لے گا تو اس سے نکاح کا انعقاد نہیں ہوگا بلکہ نکاح کا وعدہ ہوگا۔ اسی طرح نکاح اسم فاعل کے صیغہ سے بھی منعقد ہو جاتا ہے، جب کہ اس سے حال کا معنی مراد ہو، جیسے کوئی کہے: میں تمہارے ساتھ نکاح کرنے والا ہوں۔ یا اس طرح کہے کہ: میں تیرے پاس منگنی کرنے والا ہو کر آیا ہوں۔ ان الفاظ سے اس وجہ سے نکاح منعقد ہوگا کہ نکاح کے باب میں بھاؤ تاؤ کرنا مروج نہیں ہے کہ کوئی اس سے دوسرا معنی مراد لے سکے؛ البتہ خرید وفروخت میں یہ بات ہوتی ہے، لہٰذا وہاں بیع کا معاملہ اس وقت تک طے نہیں ہوگا جب تک دوسرا یہ نہ کہہ دے کہ میں نے خریدا۔

أَوْ هَلْ أَعْطَيْتَنِيهَا إِنَّ الْمَجْلِسَ لِلنِّكَاحِ، وَإِنْ لِلْوَعْدِ فَوَعْدٌ؛ وَلَوْ قَالَ لَهَا يَا عَرُوسِي فَقَالَتْ لَبَّيْكَ انْعَقَدَ عَلَى الْمَذْهَبِ (فَلَا يَنْعَقِدُ) بِقَبُولٍ بِالْفِعْلِ كَقَبْضِ مَهْرٍ وَلَا بِتَعَاطٍ وَلَا بِكِتَابَةِ حَاضِرٍ بَلْ غَائِبٍ بِشَرْطِ إِعْلَامِ الشُّهُودِ بِمَا فِي الْكِتَابِ مَا لَمْ يَكُنْ بِلَفْظِ الْأَمْرِ فَيَتَوَلَّى الطَّرَفَيْنِ فَتْحٌ وَلَا (بِالْإِقْرَارِ عَلَى الْمُخْتَارِ) خُلَاصَةٌ كَقَوْلِهِ: هِيَ امْرَأَتِي لِأَنَّ الْإِقْرَارَ إِظْهَارٌ لِمَا هُوَ ثَابِتٌ، وَلَيْسَ بِإِنْشَاءٍ (وَقِيلَ إِنْ) كَانَ (بِمَحْضَرٍ مِنَ الشُّهُودِ صَحَّ) كَمَا يَصِحُّ بِلَفْظِ الْجَعْلِ (وَجَعَلَ) الْإِقْرَارَ (إِنْشَاءً، وَهُوَ الْأَصَحُّ) ذَخِيرَةٌ (وَلَا يَنْعَقِدُ بِتَزَوَّجْتُ نِصْفَكِ عَلَى الْأَصَحِّ) احْتِيَاطًا خَانِيَّةٌ بَلْ لَا بُدَّ أَنْ يُضِيفَهُ إِلَى كُلِّهَا أَوْ مَا يُعَبَّرُ بِهِ عَنِ الْكُلِّ، وَمِنْهُ الظَّهْرُ وَالْبَطْنُ عَلَى الْأَشْبَهِ ذَخِيرَةٌ وَرَجَّحُوا فِي الطَّلَاقِ خِلَافَهُ فَيَحْتَاجُ لِلْفَرْقِ. (وَإِذَا وَصَلَ الْإِيجَابَ بِالتَّسْمِيَةِ) لِلْمَهْرِ (كَانَ مِنْ تَمَامِهِ) أَيِ الْإِيجَابِ (فَلَوْ قَبِلَ الْآخَرُ قَبْلَهُ لَمْ يَصِحَّ) لِتَوَقُّفِ أَوَّلِ الْكَلَامِ عَلَى آخِرِهِ لَوْ فِيهِ مَا يُغَيِّرُ أَوَّلَهُ. وَمِنْ شَرَائِطِ الْإِيجَابِ وَالْقَبُولِ: اتِّحَادُ الْمَجْلِسِ لَوْ حَاضِرَيْنِ، وَإِنْ طَالَ كَمُخَيَّرَةٍ، وَأَنْ لَا يُخَالِفَ الْإِيجَابُ الْقَبُولَ كَقَبِلْتُ النِّكَاحَ لَا الْمَهْرَ نَعَمْ يَصِحُّ الْحَطُّ كَزِيَادَةٍ قَبِلَتْهَا فِي الْمَجْلِسِ،

مجلسِ نکاح

نکاح اس طرح بھی منعقد ہوجاتا ہے کہ نکاح کی مجلس منعقد کر کے عورت کے باپ یا ولی سے مرد کہے کہ کیا تو نے مجھے وہ عورت دے دی؟ اور اس کے جواب میں اس کا باپ یا ولی کہے: میں نے دیدی۔ اگر یہ مجلس نکاح کی مجلس ہے تو نکاح ہوجائے گا اور اگر یہ وعدہ کی مجلس ہے تو اس کلام سے نکاح کا صرف وعدہ ہوگا، نکاح منعقد نہیں ہوگا۔ اگر کسی مرد نے عورت سے کہا: اے میری بیوی۔ اور اس عورت نے جواب میں لبیک کہہ دیا تو اس سے بھی نکاح منعقد ہوگیا، مذہب مختار یہی ہے۔

نکاح میں ایجاب وقبول دونوں کے متعلق معلوم ہوا کہ ان دونوں کا لفظی ہونا شرط ہے، لہٰذا فعلی قبول سے نکاح منعقد نہیں ہوگا۔ جیسے مرد نے عورت سے کہا کہ میں نے تجھ سے شادی کی۔ اور عورت جواب میں: ''میں نے قبول کیا'' کہنے کے بجائے صرف مہر پر عملاً قبضہ کرلے تو اس سے نکاح منعقد نہیں ہوگا۔ اسی طرح لین دین سے بھی نہیں ہوتا ہے، مثلاً کسی شخص نے اپنی بیٹی ایک شخص کے حوالہ کی اور اس نے گواہوں کے سامنے صرف مہر سپرد کردیا زبان سے کچھ نہیں بولا تو بھی نکاح منعقد نہیں ہوگا۔

نکاح بذریعۂ کتابت

اسی طرح کسی موجود شخص کے تحریر لکھنے سے بھی نکاح منعقد نہیں ہوتا، البتہ جو شخص غائب ہو اور اس نے گواہوں کو خط کے مضمون سے آگاہ کردیا ہو، خط پڑھ کر یا زبانی طور سے تو اس سے نکاح منعقد ہوجائے گا۔ غائب شخص کے خط کے مضمون کو

گواہوں کو بتلانا اس وقت ضروری ہے جب خط میں امر کا صیغہ استعمال نہ کیا گیا ہو، بلکہ ماضی کے صیغہ کے ساتھ لکھا ہو کہ میں نے تجھ سے نکاح کیا۔ اور اگر صیغہ امر کا ہو جیسے: تو میرا نکاح اپنی ذات سے کر دے۔ تو اس صورت میں عورت مرد کی وکیل ہوگی اور اپنی طرف سے اصیل، دونوں طرف سے اس کو تصرف کا حق حاصل ہوگا۔ اس کے جواب میں عورت کہے: میں نے اپنا نکاح اس کے ساتھ کر دیا۔ تو یہ جملہ ایجاب وقبول دونوں کے قائم مقام ہو جائے گا اور خط کا مضمون گواہوں کو سنانا ضروری نہیں ہوگا؛ البتہ صرف قبول والا جملہ سنانا ضروری ہوگا۔

صرف اقرار سے نکاح

مذہب مختار کے مطابق صرف اقرار سے نکاح منعقد نہیں ہوتا ہے، کذا فی الخلاصہ، جیسے مرد کا کہنا یہ میری بیوی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اقرار ثابت شدہ چیز کے اظہار کا نام ہے، اقرار انشاء نہیں ہے حالاں کہ نکاح میں انشاء کا ہونا ضروری ہے۔

اور بعض فقہاء کہتے ہیں کہ اگر گواہوں کے سامنے اقرار پایا گیا ہو تو نکاح منعقد ہو جائے گا۔ اور اقرار کو انشاء سمجھا جائے گا، جس طرح لفظ ''جعل'' سے نکاح صحیح ہو جاتا ہے۔ (فتح القدیر سے نقل کیا گیا ہے کہ اگر گواہوں کے سامنے شوہر نے نکاح کا اقرار کر لیا حالاں کہ نکاح گواہوں کے بغیر ہوا تھا تو اس میں اختلاف ہے، صحیح تر یہ ہے کہ اگر میاں بیوی نے مہر کا نام لیا ہے تو نکاح جدید منعقد ہوگا اور اگر دونوں نے نکاح ہوئے بغیر ہی نکاح کا اقرار کیا ہے تو نکاح نہیں ہوگا، البتہ اس صورت میں اس وقت نکاح منعقد ہوگا جب گواہوں نے یہ کہا ہو کہ ہم نے اس اقرار کو نکاح بنا لیا ہے، پھر دونوں نے قبول کیا تو یہاں لفظ ''جعل'' (یعنی بنالیا) سے نکاح صحیح ہو گیا، کیونکہ اقرار کو انشاء بنا لیا گیا، زیادہ صحیح یہی ہے، کذا فی الذخیرہ۔

اور اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں نے تیرے نصف سے نکاح کیا تو اس سے نکاح منعقد نہیں ہوگا، احتیاط کا بھی تقاضا یہی ہے اور یہی اصح بھی ہے، کذا فی الخانیۃ، اس لیے کہ حلت وحرمت ایک جگہ جمع ہو جائے تو احتیاطاً حرمت کو مقدم کیا جائے گا۔

نکاح کی نسبت کل کی طرف

نکاح کے درست ہونے کے واسطے ضروری ہے کہ نکاح کو کل ہی کی طرف منسوب کرے، یا اس اس عضو کی طرف جو کل بدن کی جگہ بولا جاتا ہے، جیسے پیٹھ، پیٹ، اشبہ مذہب یہی ہے۔ اور فقہاء نے باب طلاق میں اس کے برعکس کو ترجیح دی ہے، یعنی اگر کوئی یہ کہے کہ میں نے اپنی بیوی کی پیٹھ یا پیٹ کو طلاق دی تو مذہب اصح میں طلاق واقع نہیں ہوگی، لہٰذا اس کی ضرورت ہوئی کہ فرق کو ظاہر کیا جائے کہ نکاح ان اعضاء کے ساتھ ہو جاتا ہے اور طلاق نہیں ہوتی۔

پورے ایجاب کا قبول

اگر کسی شخص نے ایجاب میں مہر کا ذکر شامل کر دیا تو اس پورے ایجاب کو قبول کرنے سے نکاح ہوگا۔ اس صورت میں اگر

کوئی شخص مہر کا ذکر کرنے سے پہلے قبول کا جملہ ادا کرے گا تو نکاح درست نہیں ہوگا، اس وجہ سے کہ اوّل کلام اپنے اخیر پر موقوف ہوتا ہے، مثلاً عورت نے مرد سے کہا: ''میں نے تیرے ساتھ ہزار درہم پر نکاح کیا'' اور مرد نے مہر کے ذکر سے پہلے قبول کرلیا تو نکاح صحیح نہیں ہوگا۔

اگر ہونے والے میاں بیوی دونوں مجلس میں حاضر ہوں تو اس وقت ایجاب وقبول کی شرطوں میں سے ایک شرط یہ ہے کہ مجلس متحد ہو، گو مجلس لمبی ہو، ایسی صورت میں اگر عورت نے ایجاب کیا اور مرد نے دوسری مجلس میں قبول کیا تو نکاح درست نہیں ہوگا کیونکہ اس صورت میں مجلس ایک باقی نہیں رہی بلکہ دو ہوگئی، جس طرح اس عورت کا اختیار مجلس تکلم تک محدود ہوتا ہے جس کو شوہر نے طلاق کا اختیار دیا ہو کہ تو چاہے تو اپنی ذات کو اختیار کرلے، مجلس ختم ہونے کے بعد اختیار جاتا رہے گا۔

قبول کا ایجاب کے مطابق ہونا

ایجاب وقبول کی شرطوں میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ قبول ایجاب کے مخالف نہ ہو، جیسے مرد کہے کہ میں نے تیرے ساتھ ہزار روپیہ مہر پر نکاح کیا۔ یہ ایجاب ہوا۔ عورت اس کے جواب میں کہے کہ میں نے نکاح قبول کیا، مہر قبول نہیں کیا۔ یہ قبول ہے۔ تو اس صورت میں ایجاب وقبول میں یکسانیت نہیں رہی، کیونکہ مہر متعین اور مہر مثل ایک دوسرے کے مغائر ہیں، الہٰذا نکاح نہیں ہوگا۔

البتہ عورت کی طرف سے متعین مہر میں کمی درست ہے، جیسے میں نے ہزار روپیہ مہر کے بدلے نکاح کیا، عورت اس کے جواب میں کہے کہ میں نے پانچ سو روپے کے بدلے نکاح قبول کیا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہزار روپیہ پر قبول کرکے پانچ سو اپنی طرف سے اس نے کم کردیا۔ اس کمی کے متعلق مرد کا یہ کہنا شرط نہیں ہے کہ میں نے اس کمی کو قبول کیا، کیونکہ یہ عورت کی طرف سے ساقط کرنا ہے مہر میں یہ کمی اسی طرح درست ہے جس طرح مہر میں اضافہ درست ہے، جس کو عورت نے اسی مجلس میں قبول کرلیا ہو، جیسے کسی عورت نے کہا کہ میں نے ہزار روپیہ مہر پر تم سے نکاح کیا، مرد نے اسکے جواب میں کہا کہ میں نے دو ہزار روپیہ مہر پر نکاح قبول کیا تو یہ صحیح ہے، مگر شرط یہ ہے کہ عورت نے اس دو ہزار کو اسی مجلس میں قبول کرلیا ہو۔

وَأَنْ لَا يَكُونَ مُضَافًا وَلَا مُعَلَّقًا كَمَا سَيَجِيءُ، وَلَا الْمَنْكُوحَةُ مَجْهُولَةً، وَلَا يُشْتَرَطُ الْعِلْمُ بِمَعْنَى الْإِيجَابِ وَالْقَبُولِ فِيمَا يَسْتَوِي فِيهِ الْجِدُّ وَالْهَزْلُ إِذْ لَمْ يَحْتَجْ لِنِيَّةٍ بِهِ يُفْتَى. (وَإِنَّمَا يَصِحُّ بِلَفْظِ تَزْوِيجٍ وَنِكَاحٍ) لِأَنَّهُمَا صَرِيحٌ (وَمَا) عَدَاهُمَا كِنَايَةٌ هُوَ كُلُّ لَفْظٍ (وُضِعَ لِتَمْلِيكِ عَيْنٍ) كَامِلَةٍ فَلَا يَصِحُّ بِالشَّرِكَةِ (وَفِي الْحَالِ) خَرَجَ الْوَصِيَّةُ غَيْرُ الْمُقَيَّدَةِ بِالْحَالِ (كَهِبَةٍ وَتَمْلِيكٍ وَصَدَقَةٍ وَعَطِيَّةٍ وَقَرْضٍ وَسَلَمٍ وَاسْتِئْجَارٍ) وَصُلْحٍ وَصَرْفٍ وَكُلِّ مَا تُمْلَكُ بِهِ الرِّقَابُ بِشَرْطِ نِيَّةٍ أَوْ قَرِينَةٍ وَفَهْمِ الشُّهُودِ الْمَقْصُودَ (لَا) يَصِحُّ (بِلَفْظِ إِجَارَةٍ) بِرَاءٍ أَوْ بِزَايٍ (وَإِعَارَةٍ وَوَصِيَّةٍ) وَرَهْنٍ وَوَدِيعَةٍ وَنَحْوِهَا

مِمَّا لَا يُفِيدُ الْمِلْكَ، لٰكِنْ تَثْبُتُ بِهِ الشُّبْهَةُ فَلَا يُحَدُّ وَلَهَا الْأَقَلُّ مِنَ الْمُسَمّٰى، وَمَهْرِ الْمِثْلِ، وَكَذَا تَثْبُتُ بِكُلِّ لَفْظٍ لَا يَنْعَقِدُ بِهِ النِّكَاحُ فَلْيُحْفَظْ. (وَأَلْفَاظٍ مُصَحَّفَةٍ كَتَجَوَّزْتُ) لِصُدُورِهِ لَا عَنْ قَصْدٍ صَحِيحٍ بَلْ عَنْ تَحْرِيفٍ وَتَصْحِيفٍ، فَلَمْ تَكُنْ حَقِيقَةً وَلَا مَجَازًا لِعَدَمِ الْعَلَاقَةِ بَلْ غَلَطًا فَلَا اعْتِبَارَ بِهِ أَصْلًا تَلْوِيحٌ، نَعَمْ لَوِ اتَّفَقَ قَوْمٌ عَلَى النُّطْقِ بِهٰذِهِ الْغَلْطَةِ وَصَدَرَتْ عَنْ قَصْدٍ كَانَ ذٰلِكَ وَضْعًا جَدِيدًا فَيَصِحُّ، بِهِ أَفْتَى أَبُو السُّعُودِ. وَأَمَّا الطَّلَاقُ فَيَقَعُ بِهَا قَضَاءً كَمَا فِي أَوَائِلِ الْأَشْبَاهِ

نکاحِ معلق اور منسوب بہ مستقبل

ایجاب وقبول کی شرطوں میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ نکاح کی نسبت زمانہ مستقبل کی طرف نہ ہو اور نہ نکاح کسی شرط پر معلق ہو۔ مستقبل کی مثال جیسے کوئی کہے کہ میں کل تیرے ساتھ نکاح کروں گا، یا کل قبول کروں گا۔ اور معلق کی مثال جیسے کوئی کہے کہ: میں نے تیرے ساتھ نکاح کیا اگر میرا باپ راضی ہوگا، اس سے نکاح منعقد نہیں ہوتا ہے۔

ایجاب وقبول کی شرائط میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ منکوحہ نامعلوم نہ ہو، جیسے ایک شخص کی دو لڑکیاں ہیں اور اس نے ان میں سے ایک کا نکاح بغیر نام لیے کردیا تو نکاح صحیح نہیں ہوگا، اس لیے کہ اس میں جہالت پائی جاتی ہے اور لڑکی جس سے شادی ہو رہی ہے وہ متعین و مشخص نہیں ہے۔

ایجاب وقبول کے معنی جاننا

ایجاب وقبول کے معنی کا جاننا اُن عقود میں شرط نہیں جس میں قصد کرنا اور نہ کرنا برابر ہو۔ اس وجہ سے کہ ایسے عقد میں نیت کی ضرورت نہیں ہوتی ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ (اس باب میں فقہاء کا باہم اختلاف ہے، بعضوں کا کہنا ہے کہ عاقدین کے لیے ایجاب وقبول کے معنی کا جاننا ضروری ہے۔ اور بعضوں نے کہا کہ دیانۃً تو ضروری ہے، قضاءً ضروری نہیں، کذا فی الخانیہ۔ اور بعضوں نے کہا کہ جو عقد ایسا ہو جس میں ارادہ کرنا اور نہ کرنا دونوں یکساں ہوں جیسے طلاق، نکاح، عتاق تو اس میں علم ضروری نہیں ہے۔ شارح نے اسی قول کو پسند کیا ہے اور اسی کو ترجیح دی ہے، البتہ بیع بغیر علم درست نہیں۔

لفظ تزویج و نکاح

لفظ "تزویج" اور لفظ "نکاح" سے انعقادِ نکاح درست ہے، کیونکہ یہ دونوں الفاظ اسی معنی کے لیے بنائے گئے ہیں۔ اور یہ اس معنی میں صریح ہے، البتہ ان دو لفظوں کے سوا جو الفاظ ہیں وہ نکاح کے لیے کنایہ کی حیثیت رکھتے ہیں اور نکاح کے باب میں کنایہ ہر وہ لفظ ہے جو فی الحال ذات کی تملیک کامل کے لیے بنایا گیا ہو، لہٰذا "شرکت" کے لفظ کے ساتھ نکاح درست نہیں ہوگا، کیونکہ اس میں تملیک کامل نہیں پائی جاتی ہے اور نہ یہ اس کے لیے بنایا گیا ہے۔

فی الحال کی قید سے وہ وصیت نکل گئی جس میں بالفعل کی قید نہ ہو، جیسے کسی نے کہا کہ: میں نے اپنی لونڈی کی قربت ہزار دراہم کے بدلے اپنی موت کے بعد تم کو دی۔ اور دوسرے شخص نے قبول کیا تو اس سے نکاح صحیح نہیں ہوگا، کیونکہ فی الحال تملیک نہیں پائی گئی۔

لفظ ہبہ وغیرہ سے نکاح کا حکم

لفظ اجارہ یا اجازہ سے نکاح درست نہیں ہوتا ہے، اس وجہ سے کہ اس میں دائمی تملیک کا معنی نہیں پایا جاتا ہے، بلکہ منفعت کی تملیک موقت ہوتی ہے حالاں کہ نکاح میں دوام کی شرط ضروری طور پر ہے، اسی طرح نکاح لفظ اعارہ، وصیت، رہن، ودیعت اور اُن جیسے دوسرے ایسے الفاظ سے درست نہیں ہوتا ہے جو ملکیت کے لیے مفید نہیں ہیں، البتہ ان الفاظ سے نکاح کا شبہ ثابت ہوتا ہے، لہٰذا جن لوگوں نے ان الفاظ کے ساتھ نکاح کیا ہے ان پر حد جاری نہیں کی جائے گی۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ شبہ آنے سے حد ٹل جاتی ہے اور اس صورت میں عورت کو مہر متعین اور مہر مثل میں سے ایک ملے گا جو کم ہوگا۔ ایسے ہی اُن تمام الفاظ سے نکاح کا شبہ ثابت ہوتا ہے جن سے نکاح منعقد نہیں ہوتا، اسے یاد رکھنا چاہئے۔

تصحیف شدہ الفاظ سے نکاح

اُن الفاظ سے بھی نکاح منعقد نہیں ہوتا ہے جن میں تصحیف ہوئی ہو، جیسے لفظ تجوزت جوتزوجت کی جگہ کہا گیا ہو اور ان الفاظ سے نکاح اس لیے منعقد نہیں ہوتا ہے کہ یہ الفاظ صحیح ارادہ سے نہیں ادا ہوتے ہیں؛ بلکہ تبدیل اور تغییر کے طور پر ہے، لہٰذا یہ نہ حقیقت ہوتے ہیں اور نہ مجاز۔ ان کا اصل لفظ سے کوئی علاقہ نہیں ہوتا، بلکہ یہ الفاظ غلط ہوتے ہیں اور ان کا بالکل اعتبار نہیں ہوتا، تصحیف سے یہاں مطلقاً غلطی اور خطا مراد ہے۔

مروّج غلط الفاظ سے نکاح

البتہ اگر کوئی قوم یا علاقہ ایسے غلط الفاظ بولنے پر اتفاق کرلے اور وہاں بالقصد ایسے ہی الفاظ بولے جاتے ہوں تو یہ بولنا وضع جدید شمار ہوگا اور اس وقت ان غلط الفاظ سے نکاح منعقد ہوجائے گا۔ شیخ الاسلام مفتی ابوالسعود کا اسی پر فتویٰ ہے، باقی غلط اور تصحیف شدہ الفاظ سے طلاق کا مسئلہ اگر ان کے ساتھ طلاق دی جائے گی تو قضاءً طلاق واقع ہوجائے گی، گو دیانۃً نہیں ہوگی، چنانچہ اشباہ کے اوائل میں اسکی صراحت موجود ہے، جیسے کوئی طلاق کو تلاق یا طلاک کہے تو اس سے طلاق واقع ہوگی۔

(وَلَا بِتَعَاطٍ) احْتِرَامًا لِلْفُرُوجِ. (وَشَرْطُ سَمَاعُ كُلٍّ مِنَ الْعَاقِدَيْنِ لَفْظَ الْآخَرِ) لِيَتَحَقَّقَ رِضَاهُمَا. (وَ) شُرِطَ (حُضُورُ) شَاهِدَيْنِ (حُرَّيْنِ) أَوْ حُرٍّ وَحُرَّتَيْنِ (مُكَلَّفَيْنِ سَامِعَيْنِ قَوْلَهُمَا مَعًا) عَلَى الْأَصَحِّ (فَاهِمَيْنِ) أَنَّهُ نِكَاحٌ عَلَى الْمَذْهَبِ بَحْرٌ (مُسْلِمَيْنِ لِنِكَاحِ مُسْلِمَةٍ وَلَوْ فَاسِقَيْنِ أَوْ مَحْدُودَيْنِ فِي

قَذْفٍ أَوْ أَعْمَيَيْنِ أَوْ ابْنَيِ الزَّوْجَيْنِ أَوْ ابْنَيْ أَحَدِهِمَا، وَإِنْ لَمْ يَثْبُتْ النِّكَاحُ بِهِمَا) بِالِابْنَيْنِ (إِنْ ادَّعَى الْقَرِيبُ، كَمَا صَحَّ نِكَاحُ مُسْلِمٍ ذِمِّيَّةً عِنْدَ ذِمِّيَّيْنِ) وَلَوْ مُخَالِفَيْنِ لِدِينِهَا (وَإِنْ لَمْ يَثْبُتْ) النِّكَاحُ (بِهِمَا مَعَ إِنْكَارِهِ)

بغیر بولے ہوئے عمل سے نکاح

''تعاطی'' سے بھی نکاح منعقد نہیں ہوتا ہے، کیونکہ فروج کا احترام کیا جانا ضروری ہے۔ ''تعاطی'' کا مفہوم یہ ہے کہ منھ سے کچھ نہ کہے صرف عمل سے رضا کا اظہار کرے، جیسے مرد عورت کے سامنے مہر کے روپے رکھ دے اور عورت اس کے ساتھ ہو لے۔ نکاح کے درست ہونے کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ عاقدین میں سے ہر ایک دوسرے کے الفاظ سنے، تا کہ اس سے دونوں کی رضامندی کا تحقق ہو سکے۔

گواہوں کا ہونا

صحت نکاح کے لیے دو گواہوں کا موجود ہونا بھی شرط ہے۔ حدیث نبوی ہے: لَا نِكَاحَ إِلَّا بِشُهُودٍ۔ یعنی نکاح بغیر گواہوں کے نہیں ہوتا۔ اور اعلان کی ادنیٰ صورت یہ ہے کہ دو گواہ عاقدین کے ایجاب وقبول کے الفاظ سنیں پھر یہ کہ دونوں گواہ آزاد ہوں، دونوں مرد ہوں یا ایک آزاد مرد ہو اور دو آزاد عورتیں صرف غلاموں اور فقط عورتوں کی گواہی سے نکاح منعقد نہیں ہوتا ہے۔

گواہوں کے لیے شرائط

نکاح کے دونوں گواہوں کا عاقل، بالغ ہونا بھی ضروری ہے، لہٰذا نابالغوں اور پاگلوں کی گواہی سے نکاح منعقد نہیں ہوگا۔ ان دونوں گواہوں کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ یہ دونوں عاقدین کے الفاظ ساتھ ساتھ سنیں، اصح مذہب یہی ہے، لہٰذا اگر کوئی ایک گواہ کو ایک مجلس میں سنائے اور دوسرے گواہ کو دوسری مجلس میں تو نکاح نہیں ہوگا۔ اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سونے والوں کی موجودگی یا بہروں کی موجودگی سے نکاح نہیں ہوگا، اس لیے کہ یہ سن نہیں پاتے ہیں۔

یہ بھی شرط ہے کہ دونوں گواہ سمجھ رہے ہوں کہ یہ نکاح ہو رہا ہے، لہٰذا اگر ہندوستانی گواہوں کے سامنے جو عربی بالکل نہ سمجھتے ہوں ایجاب وقبول عربی زبان میں ہو اور وہ یہ نہیں جانتے ہوں کہ ان جملوں سے نکاح ہو رہا ہے تو نکاح درست نہیں ہوگا، لیکن اگر وہ سمجھتے ہوں کہ ان الفاظ سے نکاح ہو رہا ہے گو معنی نہ جانتے ہوں تو نکاح ہو جائے گا۔

فاسق وغیرہ کی گواہی کا حکم

مسلمان کے نکاح میں یہ بھی شرط ہے کہ دونوں گواہ مسلمان ہوں، خواہ فاسق ہی کیوں نہ ہوں، یا ان پر حد قذف ہی کیوں نہ جاری ہو چکی ہو، یا دونوں اندھے ہی کیوں نہ ہوں، نکاح ہو جائے گا، چنانچہ وہ دونوں گواہ بیوی یا شوہر کے لڑکے بھی ہوں گے تو

بھی ان کی موجودگی اور گواہی میں نکاح ہو جائے گا، یعنی عورت کا لڑکا دوسرے شوہر سے ہو، اسی طرح مرد کا بیٹا دوسری بیوی سے ہو، یا میاں بیوی میں سے کسی ایک ہی کے دو لڑکے گواہ ہوں تو بھی نکاح ہو جائے گا، گو بوقت مخاصمت دونوں بیٹوں کی گواہی سے بیٹوں والوں کے حق میں نکاح ثابت نہ ہو سکے گا اگر مدعی بیٹوں والا بنا ہے، یعنی اگر صرف میاں کے دو بیٹوں کی گواہی سے نکاح ہوا ہے یا بیوی کے دو بیٹوں کی گواہی سے نکاح ہوا ہے تو ان کی گواہی سے نکاح ہو جائے گا، مثلاً عورت کے دو بیٹوں کی گواہی سے نکاح ہوا تھا اور بعد میں مرد نکاح سے منکر ہو گیا اور عورت نے نکاح کا دعویٰ کیا تو اب قاضی کے سامنے اس کے ان بیٹوں کی گواہی سے نکاح ثابت نہیں ہو سکے گا۔ اور اگر مرد مدعی ہوا ہے اور عورت منکر اور عورت کے لڑکوں نے گواہی دی تو اس صورت میں مرد کا دعویٰ ثابت ہو جائے گا۔ مختصر یہ کہ فرع کی گواہی سے اصل کا نفع ثابت نہیں ہوا کرتا ہے، البتہ ضرر ثابت ہو جاتا ہے۔

جس طرح مسلمان مرد کا نکاح ذمیہ عورت سے دو ذمیوں کی گواہی سے منعقد ہو جاتا ہے، گرچہ وہ دونوں ذمی گواہ ذمیہ عورت کے دین کے خلاف دین رکھتے ہوں، مگر ذمیوں کی گواہی سے مسلمان پر نکاح کا دعویٰ ثابت نہیں ہو سکے گا، یعنی اگر مسلمان مرد ذمیہ سے نکاح کا انکار کر دے اور گواہی میں یہی دو ذمی پیش ہوں اور وہ نکاح ہونے کی گواہی دیں تو ان کی گواہی سے ذمیہ کا دعویٰ نکاح ثابت نہیں ہوگا، اس لیے کہ مسلمان کے ضرر کے سلسلہ میں کافر کی گواہی معتبر نہیں ہے۔

وَالْأَصْلُ عِنْدَنَا أَنَّ كُلَّ مَنْ مَلَكَ قَبُولَ النِّكَاحِ بِوِلَايَةِ نَفْسِهِ انْعَقَدَ بِحَضْرَتِهِ . (أَمَرَ) الْأَبُ (رَجُلًا أَنْ يُزَوِّجَ صَغِيرَتَهُ فَزَوَّجَهَا عِنْدَ رَجُلٍ أَوْ امْرَأَتَيْنِ، وَ) الْحَالُ أَنَّ (الْأَبَ حَاضِرٌ صَحَّ) لِأَنَّهُ يُجْعَلُ عَاقِدًا حُكْمًا (وَإِلَّا لَا) .(وَلَوْ زَوَّجَ بِنْتَهُ الْبَالِغَةَ) الْعَاقِلَةَ (بِمَحْضَرِ شَاهِدٍ وَاحِدٍ جَازَ إِنْ) كَانَتْ ابْنَتُهُ (حَاضِرَةً) لِأَنَّهَا تُجْعَلُ عَاقِدَةً (، وَإِلَّا لَا) الْأَصْلُ أَنَّ الْآمِرَ مَتَى حَضَرَ جُعِلَ مُبَاشِرًا، ثُمَّ إِنَّمَا تُقْبَلُ شَهَادَةُ الْمَأْمُورِ إِذَا لَمْ يَذْكُرْ أَنَّهُ عَقَدَهُ لِئَلَّا يَشْهَدَ عَلَى فِعْلِ نَفْسِهِ؛ وَلَوْ زَوَّجَ الْمَوْلَى عَبْدَهُ الْبَالِغَ بِحَضْرَتِهِ وَوَاحِدٍ لَمْ يَجُزْ عَلَى الظَّاهِرِ. وَلَوْ أَذِنَ لَهُ فَعَقَدَ بِحَضْرَةِ الْمَوْلَى وَرَجُلٍ صَحَّ، وَالْفَرْقُ لَا يَخْفَى.

گواہوں کے سلسلہ میں قاعدہ کلیہ

احناف کے نزدیک گواہی کے درست ہونے میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جو شخص اپنی ولایت اور ذات سے نکاح قبول کرنے کا مالک ہوتا ہے اس کی موجودگی سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے، مثلاً فاسق اور ذمی کو بطور خود قبولِ نکاح کا اختیار حاصل ہے تو ان کا گواہ ہونا بھی درست ہوگا۔ بخلاف نابالغ، غلام اور پاگل کے کہ ان کو اپنی ذات کا اختیار بھی نہیں ہوتا لہٰذا ان کی گواہی بھی درست نہیں ہوگی۔

مجلسِ نکاح میں باپ کی موجودگی

ایک باپ نے کسی کو حکم دیا کہ وہ اُس کی نابالغہ لڑکی کی شادی کر دے، چنانچہ اس مرد نے بحیثیت وکیل ایک مرد یا دو

عورتوں کی موجودگی میں ایسی مجلس میں نابالغہ کا نکاح کردیا جہاں باپ (حکم دینے والا) بھی موجود تھا تو یہ نکاح صحیح ہوگا۔ اس وجہ سے کہ اس صورت میں حکماً باپ کو عاقد قرار دیا جائے گا، یعنی جب مجلس نکاح میں نابالغہ کا باپ موجود ہے تو اس صورت میں مرد وکیل کی وکالت کی ضرورت باقی نہیں رہی، لہٰذا باپ عاقد قرار پائے گا اور یہ وکیل اور ایک مرد یا دو عورتیں جو مجلس میں موجود ہیں یہ گواہ قرار پائیں گے، اس طرح گواہوں کا نصاب پورا ہو جائے گا اور نکاح بلا تردد درست قرار پائے گا، البتہ اگر باپ اس مجلس نکاح میں موجود نہیں رہا ہے اور وکیل نے ایک مرد یا دو عورتوں کی موجودگی میں نابالغہ کا نکاح کردیا تو نکاح نہیں ہوگا، اس لیے کہ وکیل خود عاقد قرار پایا اور اس طرح گواہوں کا نصاب پورا نہیں ہوا۔

اگر کسی باپ نے اپنی عاقلہ بالغہ لڑکی کا نکاح صرف ایک گواہ کی موجودگی میں کیا تو یہ نکاح اس وقت درست ہوگا جب لڑکی بالغہ جس کا نکاح ہو رہا ہے اس مجلسِ نکاح میں موجود ہو، کیونکہ اس صورت میں وہ بالغہ لڑکی خود عاقدہ قرار دی جائے گی اور ایک گواہ اور اس کا باپ یہ دونوں اس کے گواہ ہو جائیں گے۔ اور اگر وہ بالغہ لڑکی مجلسِ نکاح میں موجود نہیں ہوگی تو صورت مذکورہ میں نکاح منعقد نہیں ہوگا، کیونکہ اس صورت میں باپ عاقد ہوگا اور گواہ صرف ایک رہ جائے گا اور ایک گواہ کی گواہی سے نکاح درست نہیں ہوتا ہے۔

حکم کرنے والے کے لیے قاعدہ

حکم دینے والے مسئلے میں قاعدہ یہ ہے کہ جب حکم کرنے والا موجود ہوگا وہی مباشر اور عقد کرنے والا قرار پائے گا۔ اور جس کو حکم دیا گیا ہے وہ سفیر محض کے درجہ میں ہوگا، اور جب مامور عاقد نہیں ہوگا تو گواہ بن جائے گا۔

مامور (جس کو حکم دیا گیا ہے) اس کی گواہی اسی صورت میں قبول ہوگی جب وہ اپنے کو عاقد نہ کہے تاکہ اپنی ذات کے فعل پر گواہی دینا لازم نہ آئے، یعنی جب مامور اپنے کو عاقد کہے گا تو اس کا گواہی دینا درست نہیں ہوگا کیونکہ اپنے فعل کی گواہی درست نہیں ہے۔

اگر کسی آقا نے اپنے غلام بالغ کی شادی خود اس غلام اور ایک دوسرے شخص کی موجودگی میں کردی تو ظاہر روایت کی بنیاد پر نکاح درست نہیں ہوگا، کیونکہ آقا کی اجازت کے بغیر غلام عاقد بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے کہ آقا کو دوسرا گواہ قرار دیا جاسکے اور ایک گواہ کی موجودگی میں نکاح جائز نہیں ہوتا ہے، البتہ اگر آقا نے اپنے اس غلام کو نکاح کی اجازت دیدی تھی اور اس کے موجود رہنے کی صورت میں ایک گواہ کے سامنے اس نے اس کا نکاح کیا تو نکاح صحیح ہو جائے گا، کیونکہ غلام اس صورت میں عاقد قرار پائے گا اور آقا اور ایک گواہ مل کر دو گواہ قرار دیئے جائیں گے۔

(وَلَوْ قَالَ) رَجُلٌ لِآخَرَ (زَوِّجْنِي ابْنَتَكَ فَقَالَ) الْآخَرُ (زَوَّجْتُ أَوْ قَالَ (نَعَمْ) مُجِيبًا لَهُ (لَمْ يَكُنْ

بِكَاحًا مَا لَمْ يَقُلْ) الْمُوجِبُ بَعْدَهُ (قَبِلْت) لِأَنَّ زَوَّجْتنِي اسْتِخْبَارٌ وَلَيْسَ بِعَقْدٍ، بِخِلَافِ زَوِّجْنِي؛ لِأَنَّهُ تَوْكِيلٌ (غَلِطَ وَكِيلُهَا بِالنِّكَاحِ فِي اسْمِ أَبِيهَا بِغَيْرِ حُضُورِهَا لَمْ يَصِحَّ) لِلْجَهَالَةِ وَكَذَا لَوْ غَلِطَ فِي اسْمِ بِنْتِهِ إِلَّا إِذَا كَانَتْ حَاضِرَةً وَأَشَارَ إِلَيْهَا فَيَصِحُّ، وَلَوْ لَهُ بِنْتَانِ أَرَادَ تَزْوِيجَ الْكُبْرَى فَغَلِطَ فَسَمَّاهَا بِاسْمِ الصُّغْرَى صَحَّ لِلصُّغْرَى خَانِيَةٌ. (وَلَوْ بَعَثَ) مُرِيدُ النِّكَاحِ (أَقْوَامًا لِلْخِطْبَةِ فَزَوَّجَهَا الْأَبُ) أَوْ الْوَلِيُّ (بِحَضْرَتِهِمْ صَحَّ) فَيُجْعَلُ الْمُتَكَلِّمُ فَقَطْ خَاطِبًا وَالْبَاقِي شُهُودًا، بِهِ يُفْتَى فَتْحٌ.

کیا استفہام اور جواب سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے؟

ایک شخص نے دوسرے شخص سے کہا کہ تم نے اپنی صاحبزادی سے میری شادی کردی؟ دوسرے نے اس کے جواب میں کہا: میں نے شادی کردی۔ یا اس کے جواب میں کہا: ہاں۔ تو اس صورت میں نکاح صحیح نہیں ہوگا جب تک ایجاب کرنے والا اسکے بعد اس طرح نہ کہے کہ میں نے قبول کیا، کیونکہ زَوَّجتنِي (تم نے میری شادی کردی) استخبار و استفہام ہے عقد نہیں۔

اس کے برخلاف اگر کوئی شخص کسی دوسرے سے اس طرح کہے کہ تو اپنی لڑکی کا مجھ سے نکاح کردے اور اس نے اس کے جواب میں کہا: میں نے نکاح کر دیا تو پھر اس کے بعد "میں نے قبول کیا" کہنے کی ضرورت نہیں ہے، نکاح ہو جائے گا، اس لیے کہ یہ جملہ کہ "تو اپنی لڑکی کا مجھ سے نکاح کردے" وکیل بنانا ہے، گویا اس نے اس کو اپنے نکاح کا وکیل بنا دیا۔ تو اب زَوَّجتُ (میں نے نکاح کردیا) ایجاب و قبول دونوں کے قائم مقام ہو گیا، اس لیے کہ نکاح میں ایک شخص دونوں طرف کا ذمہ دار بن سکتا ہے، البتہ بیع میں یہ صورت نہیں ہو سکتی ہے۔

عورت کے باپ کے نام میں غلطی کا اثر

عورت مجلس نکاح میں موجود نہیں تھی اور نکاح کے وکیل سے غلطی یہ ہوئی کہ لڑکی کے باپ کا صحیح نام نہیں لیا تو اس صورت میں نکاح صحیح نہیں ہوگا، کیونکہ عورت کا امتیاز نہیں ہو سکا۔ کہنا چاہئے تھا "زید کی لڑکی"، مگر اس نے غلطی سے خالد کی بیٹی کہہ دیا اور خود عورت وہاں موجود نہیں تھی تو پھر نکاح کیسے درست ہوگا؟ ہاں اگر وہاں عورت موجود ہوتی تو نام لینے میں وکیل کی غلطی اثر انداز نہیں ہوتی، کیونکہ اس کی موجودگی سے اس کا تعین خود ہو جاتا ہے۔

اسی طرح اگر کوئی باپ اپنی بیٹی کے نام میں غلطی کر گیا اور وہ موجود نہیں تھی تو بھی نکاح صحیح نہیں ہوگا، لیکن اگر وہ موجود تھی اور باپ نے اس کی طرف اشارہ کر کے کہا تھا تو نکاح صحیح اور جائز ہوگا اس صورت میں نام کی غلطی مضر نہیں ہے۔

باپ بڑی کے بجائے چھوٹی لڑکی کا نام نے لے

اگر کسی شخص کی دو لڑکیاں تھیں اور اس کا ارادہ ان میں سب سے بڑی کے نکاح کا تھا اور غلطی سے اس نے چھوٹی لڑکی کا نام

لے لیا تو اس صورت میں چھوٹی لڑکی کا نکاح درست ہو جائے گا، بشرطیکہ اس کے نکاح کے لیے کوئی مانع شرعی موجود نہ ہو، لیکن اگر مانع شرعی ہے جیسے وہ کسی کی منکوحہ ہے، یا اس شوہر کے لیے جائز نہیں ہے تو پھر ان میں سے کسی کا نکاح درست نہیں ہوگا۔ بڑی کا اس وجہ سے درست نہیں ہوا کہ اس کا نام نہیں لیا گیا اور چھوٹی سے اس وجہ سے جائز نہیں ہوا کہ وہ محل نکاح باقی نہیں تھی۔

نکاح کا ارادہ کرنے والے نے کچھ لوگوں کو منگنی کے واسطے بھیجا، لڑکی کے باپ یا اس کے ولی نے ان کی موجودگی میں اس کا نکاح کر دیا تو یہ نکاح صحیح ہوا، اس صورت میں صرف بولنے والا منگنی کرنے والا قرار پائے گا اور باقی لوگ گواہ ہو جائیں گے، فتویٰ اسی روایت پر دیا جاتا ہے۔

[فُرُوعٌ] قَالَ زَوِّجْنِي ابْنَتَكَ عَلَى أَنَّ أَمْرَهَا بِيَدِكَ لَمْ يَكُنْ لَهُ الْأَمْرُ لِأَنَّهُ تَفْوِيضٌ قَبْلَ النِّكَاحِ. وَكَّلَهُ بِأَنْ يُزَوِّجَهُ فُلَانَةَ بِكَذَا فَزَادَ الْوَكِيلُ فِي الْمَهْرِ لَمْ يَنْفُذْ، فَلَوْ لَمْ يَعْلَمْ حَتَّى دَخَلَ بَقِيَ الْخِيَارُ بَيْنَ إِجَازَتِهِ وَفَسْخِهِ وَلَهَا الْأَقَلُّ مِنَ الْمُسَمَّى، وَمَهْرِ الْمِثْلِ؛ لِأَنَّ الْمَوْقُوفَ كَالْفَاسِدِ تَزَوَّجَ بِشَهَادَةِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ لَمْ يَجُزْ، بَلْ قِيلَ يَكْفُرُ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ.

نکاح سے پہلے تفویض طلاق درست نہیں

ایک مرد نے دوسرے سے کہا کہ میرا نکاح اپنی لڑکی سے اس شرط پر کر دے کہ اس کی طلاق کا معاملہ تیرے ہاتھ میں رہے گا۔ تو اس صورت میں باپ کو طلاق کا اختیار نہیں ہوگا اور نکاح درست ہوگا۔ طلاق کا اختیار اس لیے نہیں ہوا کہ نکاح سے پہلے طلاق کی تفویض پائی گئی اور نکاح سے پہلے طلاق دوسرے کے سپرد کرنا درست نہیں ہے۔

ایک مرد نے دوسرے کو وکیل بنایا کہ وہ اس کا نکاح فلاں عورت سے اتنے مہر پر کر دے۔ وکیل نے متعین مہر سے زیادہ مہر مقرر کر دیا تو یہ نکاح نافذ نہیں ہوگا، البتہ مؤکل چاہے تو وہ مہر کی زیادتی کو قبول کر لے اور نکاح صحیح کر دے اور اگر چاہے تو زیادتی کو نہ مانے اور نکاح باطل ہو جائے۔

مؤکل کو اختیار

اگر مہر کی زیادتی کا علم مؤکل کو نہیں ہو سکا اور اسی حال میں اس نے عورت سے جماع کر لیا تو اس صورت میں بھی شوہر کو نکاح کے درست رکھنے اور باطل کر دینے کا اختیار باقی رہے گا۔ اگر درست رکھے گا تو متعین مہر قبول کرنا ہوگا اور اگر فسخ کرے گا تو عورت کو مہر متعین اور مہر مثل میں سے جو کمتر ہوگا ملے گا، یعنی اگر مہر متعین مہر مثل سے کم ہے تو وہ اس پر واجب ہوگا اور اگر مہر مثل کم ہے مہر متعین سے تو مہر مثل واجب ہوگا، کیونکہ نکاح غیر نافذ جو موقوف کہا جاتا ہے نکاح فاسد کے برابر ہے، لہٰذا نکاح فاسد کا حکم نکاح موقوف میں جاری ہوگا اور نکاح فاسد کا حکم یہ ہے کہ اس میں کمتر مہر ملتا ہے۔

صرف اللہ و رسول کی گواہی پر نکاح

اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی گواہی میں نکاح کرے گا تو وہ نکاح جائز نہیں ہوگا۔ اور بعضوں نے ایسے شخص کے کفر کا فتویٰ دیا ہے۔ کفر کی دلیل یہ دی ہے کہ اس نے ایک حرام کو حلال جانا، کیونکہ اللہ اور رسول کا حکم یہ ہے کہ نکاح میں آدمیوں کی گواہی معتبر ہے، غیر انسان کی گواہی کا حکم کہیں نہیں دیا گیا ہے۔ دوسری دلیل کفر کی یہ دی ہے کہ جب اس نے رسول کو گواہ قرار دیا تو گویا اس نے رسول کے لیے علم غیب ثابت کیا اور حال یہ ہے کہ غیب کا علم اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے، اس کے سوا کسی کو عالم الغیب جاننا جائز نہیں۔

فَصْلٌ فِي الْمُحَرَّمَاتِ

ان عورتوں کا بیان جن سے مرد کے لیے شرعاً نکاح درست نہیں

أَسْبَابُ التَّحْرِيمِ أَنْوَاعٌ: قَرَابَةٌ، مُصَاهَرَةٌ، رَضَاعٌ، جَمْعٌ، مِلْكٌ، شِرْكٌ، إِدْخَالُ أَمَةٍ عَلَى حُرَّةٍ، فَهِيَ سَبْعَةٌ: ذَكَرَهَا الْمُصَنِّفُ بِهٰذَا التَّرْتِيبِ وَبَقِيَ التَّطْلِيقُ ثَلَاثًا، وَتَعَلُّقُ حَقِّ الْغَيْرِ بِنِكَاحٍ أَوْ عِدَّةٍ ذَكَرَهُمَا فِي الرَّجْعَةِ. (حَرُمَ) عَلَى الْمُتَزَوِّجِ ذَكَرًا كَانَ أَوْ أُنْثٰى نِكَاحُ (أَصْلِهِ وَفُرُوعِهِ) عَلَا أَوْ نَزَلَ (وَبِنْتِ أَخِيهِ وَأُخْتِهِ وَبِنْتِهَا) وَلَوْ مِنْ زِنًى (وَعَمَّتِهِ وَخَالَتِهِ) فَهٰذِهِ السَّبْعَةُ مَذْكُورَةٌ فِي آيَةِ - {حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ} [النساء:۲۳] - وَيَدْخُلُ عَمَّةُ جَدِّهِ وَجَدَّتِهِ وَخَالَتُهُمَا الْأَشِقَّاءُ وَغَيْرُهُنَّ، وَأَمَّا عَمَّةُ عَمَّةِ أُمِّهِ وَخَالَةُ خَالَةِ أَبِيهِ حَلَالٌ كَبِنْتِ عَمِّهِ وَعَمَّتِهِ وَخَالِهِ وَخَالَتِهِ لِقَوْلِهِ تَعَالٰى: {وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذٰلِكُمْ}

اسباب حرمت نکاح

جن اسباب کی وجہ سے عورتیں حرام قرار پاتی ہیں یعنی ان سے شرعاً نکاح نہیں ہوسکتا ان کی چند قسمیں ہیں: ایک سبب حرمت قرابتداری ہے، یعنی نسبی رشتہ کی وجہ سے سات عورتوں سے نکاح حرام ہے: (۱) ماں۔ (۲) بیٹی۔ (۳) بہن۔ (۴) پھوپھی۔ (۵) خالہ۔ (۶) بھتیجی۔ (۷) بھانجی۔ دوسرا سبب حرمت سسرالی رشتہ ہے، جیسے خوشدامن (یعنی ساس)، جس عورت سے ہم بستر ہو چکا ہے اس کی لڑکیاں اور اس کے لڑکے کی بیویاں۔ تیسرا سبب حرمت دودھ پینا ہے، جیسے جس غیر عورت کا زمانہ شیر خوارگی میں دودھ پیا ہے اس کی لڑکیاں۔ چوتھا سبب حرمت جمع کرنا ہے، جیسے دو بہنوں کو ایک ساتھ نکاح میں رکھنا، یا بیوی اور اس کی پھوپھی یا اس کی خالہ کو ساتھ ساتھ نکاح میں رکھنا۔ پانچواں سبب حرمت ملکیت ہے، جیسے آقا کا اپنی لونڈی سے نکاح کرنا یا آقا عورت کا اپنے غلام سے نکاح کرنا۔ چھٹا سبب حرمت مشرک ہونا ہے، جیسے مجوسیہ، ہندو بت پرست عورت سے

نکاح کرنا۔ ساتواں سبب حرمت آزادی ہے، یعنی بیوی کے ہوتے ہوئے کسی لونڈی سے نکاح کرنا ہے۔

یہ سات اسباب حرمت ہیں جن کو مصنف نے ترتیب وار اس طرح بیان کیا ہے۔ اب باقی رہ گئے تین طلاق دینا اور غیر کے حق یعنی نکاح یا عدت کا عورت کے ساتھ متعلق ہونا، یعنی مطلقہ ثلاثہ بھی حرام ہے اور غیر کی منکوحہ اور معتدہ بھی، ان دو سببوں کو مصنف نے فصل رجعت میں بیان کیا ہے، اس طرح کل نو سبب ہو گئے۔

اصول وفروع کی حرمت

نکاح کرنے والے پر خواہ وہ مرد ہو یا عورت اس کی اصل (اوپر والے) اور اس کی فرع (نیچے والے) حرام قرار دیئے گئے ہیں۔ اصل زیادہ سے زیادہ اونچے ہوں یا نیچے والے زیادہ سے زیادہ نیچے ہوں۔ اوپر والے میں ماں، باپ، دادا، دادی، پردادا، پردادی، نانا، نانی، پرنانا، پرنانی۔ نیچے والے میں بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، پڑپوتا، پڑپوتی، ناتن، ناتی وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح اپنے بھائی کی لڑکی (بھتیجی) حرام ہے، یعنی سگے یا سوتیلے یا اخیافی بھائی کی بیٹی اور سگی اور سوتیلی واخیافی بہن اور ان بہنوں کی لڑکیاں یعنی بھانجی یہ رشتہ گو زنا سے ہوں تب بھی حرام ہوں گی، یعنی اصول وفروع بھتیجی، بہن اور بھانجی ہر طرح سے حرام ہیں خواہ نکاح کا رشتہ ہو یا زنا سے پایا گیا ہو اور پھوپھی بھی حرام ہے خواہ نکاح سے یہ رشتہ ہو خواہ زنا سے اور اپنی خالہ سے بھی حرام ہے نکاح سے ہو یا زنا سے۔

یہ ساتوں رشتے والی محرمات کا تذکرہ قرآن پاک کی اس آیت میں مذکور ہے {حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهَاتُكُمْ} الخ۔

اصول یعنی اوپر کی تفصیل

پھوپھی اور خالہ کی حرمت میں دادا، دادی کی پھوپھی اور ان کی خالہ بھی داخل ہے، یہ سگی ہوں یا سوتیلی یا اخیافی، حرمت میں سب برابر ہیں، باقی اخیافی پھوپھی کی پھوپی اور سوتیلی خالہ کی خالہ پس یہ حلال ہیں، اس لیے کہ اخیافی پھوپھی کی پھوپھی دادی کے شوہر کی بہن ہوئی البتہ سگی اور سوتیلی پھوپھی کی پھوپھی حرام ہے، اس لیے کہ پھوپھی باپ کی بہن ہوئی تو پھوپھی کی پھوپھی، دادا کی بہن ہوئی تو جس طرح باپ کی بہن حرام ہے دادا کی بہن بھی حرام ہے اور سوتیلی خالہ کی خالہ اس وجہ سے حلال ہے کہ سوتیلی خالہ کی ماں سگی نانی نہیں بلکہ نانا کی بیوی ہے اور نانا کی بیوی کی بہن نانا کی سالی ہوئی اور نانا کی ایسی سالی مرد پر حرام نہیں ہے اور اس کی خالہ یا اخیافی خالہ کی خالہ ہے تو وہ حلال نہیں ہے۔

وہ رشتے جن سے نکاح درست ہے

چنانچہ چچا اور پھوپھی کی بیٹی حلال ہے اور اسی طرح خالہ اور ماموں کی بیٹی بھی حلال ہے۔ ارشادِ ربانی ہے {وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَاءَ ذٰلِكُمْ} یعنی جو محرمات بیان کی گئی ہیں ان کے علاوہ رشتہ کی لڑکیاں حلال کی گئی ہیں، کیونکہ ان سب کا محرمات میں شمار

نہیں کرایا گیا ہے۔

(وَ) حَرُمَ الْمُصَاهَرَةُ (بِنْتُ زَوْجَتِهِ الْمَوْطُوءَةِ وَأُمُّ زَوْجَتِهِ) وَجَدَّاتُهَا مُطْلَقًا بِمُجَرَّدِ الْعَقْدِ الصَّحِيحِ (وَإِنْ لَمْ تُوطَأْ) الزَّوْجَةُ لِمَا تَقَرَّرَ أَنَّ وَطْءَ الْأُمَّهَاتِ يُحَرِّمُ الْبَنَاتِ وَنِكَاحَ الْبَنَاتِ يُحَرِّمُ الْأُمَّهَاتِ، وَيَدْخُلُ بَنَاتُ الرَّبِيبَةِ وَالرَّبِيبِ. وَفِي الْكَشَّافِ وَاللَّمْسُ وَنَحْوُهُ كَالدُّخُولِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَقَرَّهُ الْمُصَنِّفُ (وَزَوْجَةُ أَصْلِهِ وَفَرْعِهِ مُطْلَقًا) وَلَوْ بَعِيدًا دَخَلَ بِهَا أَوْ لَا. وَأَمَّا بِنْتُ زَوْجَةِ أَبِيهِ أَوْ ابْنِهِ فَحَلَالٌ (وَ) حَرُمَ (الْكُلُّ) مِمَّا مَرَّ تَحْرِيمُهُ نَسَبًا، وَمُصَاهَرَةً (رَضَاعًا) إلَّا مَا اُسْتُثْنِيَ فِي بَابِهِ.

ربیبہ کی حرمت

اور سسرالی رشتہ کی وجہ سے اپنی اُس بیوی کی لڑکی حرام ہے جس بیوی سے مرد ہم بستر ہو چکا ہو، یعنی بیوی کی وہ لڑکی جو اس کے دوسرے شوہر سے ہے۔ اصطلاح میں اس لڑکی کو "ربیبة" کہتے ہیں۔ اور اگر عورت سے صرف نکاح ہوا تھا ابھی وطی نہیں ہوئی تھی کہ اس کو طلاق دیدی تو اس صورت میں اس عورت کی لڑکی سے جو دوسرے شوہر سے ہے شادی جائز ہے۔

بیوی کی سگی ماں وغیرہ کی حرمت

باقی اپنی بیوی کی ماں اور اس کی دادیاں اور نانیاں مطلقاً حرام ہیں، خواہ سگی ہوں خواہ سوتیلی۔ اور یہ حرمت صرف نکاح صحیح کرنے سے ثابت ہو جاتی ہے، وطی پائی گئی ہو یا نہ پائی گئی ہو، دونوں صورتوں میں۔ (نکاح صحیح کی قید اس لیے لگائی گئی ہے تا کہ معلوم ہو جائے کہ نکاح فاسد سے ساس وغیرہ حرام نہیں ہوتی ہیں، جب تک اس میں جماع یا بیوی کا شہوت سے چھونا نہ پایا جائے)۔

ایک میں وطی کی قید ہونا دوسرے میں نہ ہونا

ربیبہ کی حرمت کا وطی کے ساتھ مقید کرنا اور خوشدامن (ساس) کی حرمت بلا قید اس وجہ سے ہے کہ شریعت میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ ماں سے وطی بیٹیوں کو حرام کر دیتی ہے اور بیٹیوں کے ساتھ صرف نکاح کرنا (چاہے بلا وطی ہو) ماؤں کو حرام کر دیتا ہے، قرآن کریم میں یہ دونوں مسئلے صراحت کے ساتھ موجود ہیں۔

ربیبہ کی حرمت میں ربیبہ اور ربیب کی بیٹیوں کی حرمت بھی داخل ہے۔ تفسیر کشاف میں ہے کہ شہوت کے ساتھ چھونا اور اسی طرح دوسری حرمت ابوحنیفہؒ کے نزدیک قائم مقام دخول (وطی کرنے) کے ہے اور مصنف نے اس کو اپنی تصنیف میں برقرار رکھا ہے۔

باپ دادا کی منکوحہ

اصل یعنی باپ دادا نے جن عورتوں سے نکاح کیا ہے وہ حرام ہیں، انھوں نے ان سے جماع کیا ہو یا نہ کیا ہو، ہر دو صورت میں، اسی طرح اپنی اولاد کی بیویاں مطلقاً حرام ہیں، خواہ وہ اولاد اوپر کی ہوں جیسے پوتا اور نواسی اور ان اولادوں نے اپنی ان

عورتوں سے وطی کی ہو یا نہ کی ہو، یعنی بیٹے اور پوتے کی بیویاں باپ دادا پر حرام ہیں اور اس میں وطی شرط نہیں ہے صرف نکاح صحیح پایا جانا کافی ہے۔

لیکن اپنے باپ کی بیوی یعنی سوتیلی ماں کی لڑکی (جو دوسرے شوہر سے ہو) اور اسی طرح اپنے بیٹے کی بیوی کی لڑکی (جو اس کے دوسرے شوہر سے ہو) حلال ہے، کیونکہ ان دونوں میں خون کا کوئی رشتہ نہیں پایا جاتا ہے۔

دودھ کا رشتہ

وہ سارے رشتے جن کی حرمت نسب یا سسرالی رشتہ سے بیان کی جا چکی ہے وہ دودھ کے رشتہ سے بھی حرام ہیں، البتہ ان میں سے جو صورت مستثنیٰ ہے وہ اس میں داخل نہیں ہے جن کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

[فُرُوعٌ] يَقَعُ مَغْلَطَةً فَيُقَالُ: طَلَّقَ امْرَأَتَهُ تَطْلِيقَتَيْنِ، وَلَهَا مِنْهُ لَبَنٌ فَاعْتَدَّتْ، فَنَكَحَتْ صَغِيرًا فَأَرْضَعَتْهُ، فَحَرُمَتْ عَلَيْهِ فَنَكَحَتْ آخَرَ فَدَخَلَ بِهَا فَأَبَانَهَا فَهَلْ تَعُودُ لِلْأَوَّلِ بِوَاحِدَةٍ أَمْ بِثَلَاثٍ؟ الْجَوَابُ: لَا تَعُودُ إِلَيْهِ أَبَدًا لِصَيْرُورَتِهَا حَلِيلَةَ ابْنِهِ رَضَاعًا. شَرَى أَمَةَ أَبِيهِ لَمْ تَحِلَّ لَهُ إِنْ عَلِمَ أَنَّهُ وَطِئَهَا. تَزَوَّجَ بِكْرًا فَوَجَدَهَا ثَيِّبًا وَقَالَتْ أَبُوكَ فَضَّنِي، إِنْ صَدَّقَهَا بَانَتْ بِلَا مَهْرٍ، وَإِلَّا لَا شُمُنِّيٌّ

ایک مسئلہ کی نوعیت

ایک شخص نے اپنی بیوی کو دو طلاق دی اور اس عورت کو اپنے شوہر کی وجہ سے دودھ اترا تھا، عورت نے طلاق کے بعد عدت گزاری اور بعد عدت ایک شیر خوار لڑکے سے نکاح کر لیا اور پھر اسے اپنا دودھ پلایا اس کی وجہ سے یہ عورت اس لڑکے پر حرام ہوگئی۔ اس عورت نے اس کے بعد دوسرے مرد سے نکاح کیا اور اس مرد نے اس عورت سے نکاح کے بعد جماع کیا، بعد جماع اس نے اس کو طلاق بائن دیدی۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا یہ عورت پہلے شوہر سے نکاح کر سکتی ہے؟ اور اس نکاح کے بعد اس پہلے شوہر کو ایک طلاق کا اختیار ہوگا یا تین طلاق کا، چونکہ پہلے وہ دو طلاق دے چکا تھا، اس لیے صرف باقی ماندہ ایک طلاق کا حق رہے گا، یا ازسرِ نو وہ تین طلاق دینے کا اختیار رکھے گا؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ عورت پہلے شوہر سے کبھی نکاح نہیں کر سکتی ہے، کیونکہ یہ عورت اس شوہر کے رضاعی بیٹے کی بیوی ہوگئی اور رضاعی بیٹے کی بیوی سے نکاح جائز نہیں ہے۔

باپ کی موطوءہ لونڈی سے وطی جائز نہیں

ایک شخص نے اپنے باپ کی لونڈی خریدی تو اس شخص کے لیے یہ حلال نہیں ہے کہ وہ اس لونڈی سے وطی کرے اگر اس کو یہ معلوم ہے کہ اس کا باپ اس سے وطی کر چکا ہے۔

ایک مرد نے ایک باکرہ عورت سے نکاح کیا لیکن بعد نکاح اس عورت کو باکرہ نہیں پایا بلکہ ثیبہ پایا، اس نے عورت سے پوچھا کہ تیری بکارت کس نے زائل کی؟ اس نے جواب دیا کہ تیرے باپ نے میری بکارت زائل کی ہے۔ اگر شوہر نے اس کے اس کہنے کی تصدیق کی تو اس کا نکاح ٹوٹ گیا اور اس کو مہر بھی نہیں ملے گا۔ مہر نہ ملنے کی وجہ یہ ہے کہ عورت نے یہ بات پہلے کیوں نہ بتادی؟ لیکن اگر شوہر نے عورت کی بات کی تصدیق نہیں کی تو نکاح نہیں ٹوٹا اب اس کو اختیار ہے اس کو رکھے یا نہ رکھے۔

(وَ) حَرُمَ أَيْضًا بِالصِّهْرِيَّةِ (أَصْلُ مَزْنِيَّتِهِ) أَرَادَ بِالزِّنَا الْوَطْءَ الْحَرَامَ (وَ) أَصْلُ (مَمْسُوسَتِهِ بِشَهْوَةٍ) وَلَوْ لِشَعْرٍ عَلَى الرَّأْسِ بِحَائِلٍ لَا يَمْنَعُ الْحَرَارَةَ (وَأَصْلُ مَاسَّتِهِ وَنَاظِرَةٍ إِلَى ذَكَرِهِ وَالْمَنْظُورِ إِلَى فَرْجِهَا) الْمُدَوَّرِ (الدَّاخِلِ) وَلَوْ نَظَرَهُ مِنْ زُجَاجٍ أَوْ مَاءٍ هِيَ فِيهِ (وَفُرُوعُهُنَّ) مُطْلَقًا وَالْعِبْرَةُ لِلشَّهْوَةِ عِنْدَ الْمَسِّ وَالنَّظَرِ لَا بَعْدَهُمَا وَحَدُّهَا فِيهِمَا تَحَرُّكُ آلَتِهِ أَوْ زِيَادَتُهُ بِهِ يُفْتَى وَفِي امْرَأَةٍ وَنَحْوِ شَيْخٍ كَبِيرٍ تَحَرُّكُ قَلْبِهِ أَوْ زِيَادَتُهُ وَفِي الْجَوْهَرَةِ: لَا يُشْتَرَطُ فِي النَّظَرِ لِفَرْجٍ تَحْرِيكُ آلَتِهِ بِهِ يُفْتَى هَذَا إِذَا لَمْ يُنْزِلْ فَلَوْ أَنْزَلَ مَعَ مَسٍّ أَوْ نَظَرٍ فَلَا حُرْمَةَ بِهِ يُفْتِي ابْنُ كَمَالٍ وَغَيْرُهُ. وَفِي الْخُلَاصَةِ: وَطِئَ أُخْتَ امْرَأَتِهِ لَا تَحْرُمُ عَلَيْهِ امْرَأَتُهُ (لَا) تَحْرُمُ (الْمَنْظُورُ إِلَى فَرْجِهَا الدَّاخِلِ) إِذَا رَآهُ (مِنْ مِرْآةٍ أَوْ مَاءٍ) لِأَنَّ الْمَرْئِيَّ مِثَالُهُ (بِالِانْعِكَاسِ) لَا هُوَ (هَذَا إِذَا كَانَتْ حَيَّةً مُشْتَهَاةً) وَلَوْ مَاضِيًا (أَمَّا غَيْرُهَا) يَعْنِي الْمَيِّتَةَ وَصَغِيرَةً لَمْ تُشْتَهَ (فَلَا) تَثْبُتُ الْحُرْمَةُ بِهَا أَصْلًا كَوَطْءِ دُبُرٍ مُطْلَقًا وَكَمَا لَوْ أَفْضَاهَا لِعَدَمِ تَيَقُّنِ كَوْنِهِ فِي الْفَرْجِ مَا لَمْ تَحْبَلْ مِنْهُ بِلَا فَرْقٍ بَيْنَ زِنًا وَنِكَاحٍ.

مزنیہ کی ماں، دادی اور نانی کی حرمت

جس عورت سے زنا کیا ہے اس کی ماں اور دادی، نانی مرد پر حرام ہے۔ مصنف نے یہاں زنا سے ''جماع حرام'' مراد لیا ہے، خواہ اس کی کچھ صورت ہو۔ اور جس عورت کو شہوت کے ساتھ چھوا ہے اگرچہ اس کے سر کے بالوں کو چھوا ہو اور درمیان میں ایسا باریک کپڑا بھی حائل ہو جو گرمی کو نہ روکتا ہو، تو بھی اس عورت کی ماں اور دادی نانی حرام ہوگی (البتہ اگر اس قدر موٹا کپڑا ہے جو حرارت (گرمی) کو روکتا ہے، حائل رہا ہے تو پھر چھونے سے حرمت ثابت نہیں ہوگی)۔

عورت کا شہوت کے ساتھ مرد کو چھونا

اس عورت کی اصل (ماں، دادی، نانی) حرام ہیں جس نے مرد کو شہوت کے ساتھ چھولیا ہو، یا مرد کے عضو تناسل کو شہوت سے دیکھ لیا ہو، اُس عورت کی بھی اصل حرام ہے جس کی اندر والی گول شرمگاہ کو مرد نے شہوت سے دیکھا ہو خواہ شیشہ کے ذریعہ دیکھا ہو، یا اس پانی کے ذریعہ جس میں وہ داخل ہوئی ہے۔ اور ان مذکورہ محرمات کی فروع بھی مطلقاً حرام ہیں، جس طرح ان

کے اصول حرام تھے۔اس حکم میں اصول مادری و پدری اور اسی طرح فروع پدری و مادری دونوں داخل ہیں۔
(لہٰذا اگر کسی عورت کی شرمگاہ آئینہ میں دیکھی یا عورت کسی حوض پر پانی کے کنارے بیٹھی تھی اور اس کی شرمگاہ پانی میں نظر آ گئی یا اس کی ظاہری شرمگاہ دیکھی باطنی نہیں دیکھی تو اس صورت میں اس کے اصول وفروع حرام نہیں ہوں گے)۔ 1

قابل اعتبار شہوت

ان مسائل میں ایسی شہوت کا اعتبار ہے جو چھوتے وقت پائی جائے یا دیکھتے وقت پائی جائے، بعد کی شہوت کا اعتبار نہیں ہوتا، اگر دیکھتے اور چھوتے وقت شہوت پائی گئی ہے تو حرمت ثابت ہوگی ورنہ نہیں۔

شہوت کی مقدار

اور چھوتے یا دیکھتے وقت جس شہوت کا اعتبار ہے اس کی مقدار یہ ہے کہ عضو تناسل میں جنبش پیدا ہو جائے اور وہ حرکت میں آ جائے اور اگر پہلے سے تھی تو چھوتے یا دیکھتے وقت پہلی شہوت بڑھ جائے، اسی پر فتویٰ ہے۔
عورت اور بڈھے مرد جیسوں میں شہوت کی جس مقدار کا اعتبار ہے وہ یہ ہے کہ اس کے دل میں جنبش و حرکت آ جائے یا اس موجود جنبش و حرکت میں اضافہ ہو جائے بڈھے جیسوں میں عنین (نامرد) بیمار اور مقطوع الذکر وغیرہ بھی داخل ہیں۔
جوہرہ میں ہے کہ عورت کی شرمگاہ دیکھنے میں عضو تناسل میں جنبش اور حرکت کی کوئی شرط نہیں ہے اور اسی پر فتویٰ نقل کیا گیا ہے۔

انزال کی صورت میں کیا حکم ہے؟

چھونے اور دیکھنے سے حرمت اس وقت ثابت ہوگی جب انزال نہ ہو، لیکن اگر چھونے اور دیکھنے کے ساتھ کسی کو انزال ہو گیا اور منی نکل آئی تو پھر چھونے اور دیکھنے سے حرمت ثابت نہیں ہوگی۔ ابن الکمال وغیرہ نے اسی پر فتویٰ دیا ہے۔(قاعدہ یہ ہے کہ انزال نہ ہونے کی صورت میں خواہش باقی رہتی ہے، لہٰذا اس کو قائم مقام جماع کے قرار دیا جائے گا، لیکن اگر انزال ہو گیا تو پھر جماع کی خواہش جاتی رہتی ہے، لہٰذا اس کو قائم مقام قرار نہیں دیا جا سکتا ہے)۔

سالی کے ساتھ وطی کرنا

اگر کوئی شخص اپنی بیوی کی بہن یعنی سالی سے وطی کرے تو بیوی کی بہن سے یہ وطی اس پر اس کی بیوی کو حرام نہیں کرتی ہے، یعنی سالی سے وطی کرنے سے بیوی حرام نہیں ہوتی ہے، گویا حرمت کا تعلق صرف زوجہ کے اصول وفروع سے ہے دوسروں سے نہیں، البتہ اگر بیوی کی بہن سے وطی بیوی کے شبہ میں ہوئی ہے تو اس کی بہن کے لیے عدت میں بیٹھنا واجب ہے اور جب تک اس کی عدت ختم نہ ہو بیوی کے ساتھ جماع کرنے سے پرہیز لازم ہے۔
جس عورت کی اندرونی شرمگاہ آئینہ یا پانی میں دیکھی گئی ہے اس کے اصول وفروع حرام نہیں ہوتے ہیں، کیونکہ اس

صورت میں شرمگاہ کی مثال اور عکس پر نظر پڑتی ہے، خود شرمگاہ نہیں دیکھی جاسکتی ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تصور اور خیال میں دیکھنے سے بھی حرمت ثابت نہیں ہوتی ہے۔

حرمت کی شرط

زنا سے اور چھونے اور دیکھنے سے حرمتِ مصاہرت اُس وقت ثابت ہوتی ہے جب عورت لائقِ شہوت ہو، اگر چہ وہ گذشتہ زمانہ میں لائقِ شہوت رہی ہو اور اب نہیں ہے جیسے بڑھی اور بدشکل۔ اور اگر عورت مردہ ہو یا نابالغہ نو برس سے کم کی، و اس کے ساتھ جماع کرنے سے اور چھونے سے اور یا اس کی شرمگاہ کی طرف دیکھنے سے حرمت ثابت نہیں ہوگی، جیسے عورت اور مرد کے ساتھ اغلام سے مطلقاً حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی ہے۔ (اغلام سے حرمت اس وجہ سے ثابت نہیں ہوتی کہ اس میں بچہ پیدا ہونے کا کوئی احتمال سرے سے نہیں ہے، حالاں کہ حرمت کی علت وہ جماع ہے جس سے بچہ پیدا ہو اور چھونے کو سبب اس لیے قرار دیا گیا ہے کہ وہ جماع کا سبب ہوتا ہے)۔

اسی طرح اگر مرد نے ایسی عورت کے ساتھ وطی کی، جس کی شرمگاہ اور مقام پائخانہ کے درمیان کا پردہ پھٹ چکا ہے اور دونوں مل کر ایک ہوگیا ہے تو اس کے ساتھ وطی کرنے سے حرمت ثابت نہیں ہوگی، کیونکہ یقین نہیں ہے کہ جماع عورت کی شرمگاہ والے حصہ میں ہی پایا گیا ہوگا، البتہ اگر اس جماع سے عورت حاملہ ہوجائے گی تو حرمتِ مصاہرت ثابت ہوجائے گی، کیونکہ یہ علامت ہوگی کہ وطی اس کی شرمگاہ میں ہوئی ہے۔

میت اور نابالغہ کیساتھ جماع سے حرمت ثابت نہ ہونے میں زنا اور نکاح میں کوئی فرق نہیں ہے، دونوں کا حکم یکساں ہے۔

(فَلَوْ تَزَوَّجَ صَغِيرَةً لَا تُشْتَهَى، فَدَخَلَ بِهَا فَطَلَّقَهَا وَانْقَضَتْ عِدَّتُهَا وَتَزَوَّجَتْ بِآخَرَ جَازَ) لِلْأَوَّلِ (التَّزَوُّجُ بِبِنْتِهَا) لِعَدَمِ الْإِشْتِهَاءِ وَكَذَا تُشْتَرَطُ الشَّهْوَةُ فِي الذَّكَرِ؛ فَلَوْ جَامَعَ غَيْرُ مُرَاهِقٍ زَوْجَةَ أَبِيهِ لَمْ تَحْرُمْ فَتْحٌ (وَلَا فَرْقَ) فِيمَا ذُكِرَ (بَيْنَ اللَّمْسِ وَالنَّظَرِ بِشَهْوَةٍ بَيْنَ عَمْدٍ وَنِسْيَانٍ) وَخَطَإٍ، وَإِكْرَاهٍ، فَلَوْ أَيْقَظَ زَوْجَتَهُ أَوْ أَيْقَظَتْهُ هِيَ لِجِمَاعِهَا فَمَسَّتْ يَدُهُ بِنْتَهَا الْمُشْتَهَاةَ أَوْ يَدُهَا ابْنَهُ حَرُمَتْ الْأُمُّ أَبَدًا فَتْحٌ. (قَبَّلَ أُمَّ امْرَأَتِهِ) فِي أَيِّ مَوْضِعٍ كَانَ عَلَى الصَّحِيحِ جَوْهَرَةٌ (حَرُمَتْ) عَلَيْهِ (امْرَأَتُهُ مَا لَمْ يَظْهَرْ عَدَمُ الشَّهْوَةِ) وَلَوْ عَلَى الْفَمِ كَمَا فَهِمَهُ فِي الذَّخِيرَةِ (وَفِي الْمَسِّ لَا) تَحْرُمُ (مَا لَمْ تُعْلَمْ الشَّهْوَةُ) لِأَنَّ الْأَصْلَ فِي التَّقْبِيلِ الشَّهْوَةُ، بِخِلَافِ الْمَسِّ (وَالْمُعَانَقَةُ كَالتَّقْبِيلِ) وَكَذَا الْقَرْصُ وَالْعَضُّ بِشَهْوَةٍ، وَلَوْ لِأَجْنَبِيَّةٍ وَتَكْفِي الشَّهْوَةُ مِنْ أَحَدِهِمَا،، وَمُرَاهِقٍ، وَمَجْنُونٍ وَسَكْرَانَ كَبَالِغٍ بَزَّازِيَّةٌ. وَفِي الْقُنْيَةِ: قَبَّلَ السَّكْرَانُ بِنْتَهُ تَحْرُمُ الْأُمُّ،

نابالغہ بیوی کی لڑکی سے نکاح

ایک مرد نے ایک ایسی نابالغہ لڑکی سے شادی کی جو لائق شہوت نہیں تھی، پھر اس نے اس کے ساتھ جماع کیا اور بعد جماع طلاق دی، طلاق کے بعد اس عورت کی جب عدت پوری گذر چکی تو اس عورت نے بعد عدت (لائق شہوت ہونے کے بعد) کسی دوسرے مرد سے نکاح کرلیا اب اس صورت میں پہلے شوہر کے لیے یہ جائز ہوگا کہ وہ اس عورت کی بیٹی سے (جو اس کے دوسرے شوہر سے پیدا ہوئی ہے) شادی کرلے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلے شوہر سے جب اس کا نکاح ہوا تھا یہ لڑکی شہوت کے قابل نہیں تھی اور حرمت مصاہرت شہوت کے لائق ہوئے بغیر ثابت نہیں ہوتی ہے، البتہ اس عورت کی ماں اس پر حرام ہوگی اس لیے کہ بیٹی سے خواہ جس عمر کی ہو نکاح کرنا اس کی ماں کو حرام کردیتا ہے۔

مرد میں شہوت کا ہونا

اسی طرح حرمت مصاہرت ثابت ہونے کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ مرد میں شہوت ہو، لہٰذا اگر کسی ایسے لڑکے نے جو ابھی قریب البلوغ بھی نہیں تھا باپ کی بیوی سے جماع کرلیا تو باپ کی بیوی باپ پر حرام نہیں ہوگی، یعنی شہوت کے پائے نہ جانے کی وجہ سے مزنیہ بہو قرار نہیں پائے گی۔

اوپر ذکر کیے ہوئے مسئلوں میں کہ شہوت کے ساتھ چھونے یا دیکھنے میں اس کی کوئی تمیز نہیں ہے کہ اس نے یہ فعل قصداً (جان بوجھ کر) کیا ہو یا اس سے بھول سے ایسا ہوگیا ہو، یا غلطی میں ایسا کرگیا ہو، یا زبردستی کی وجہ سے ہوا ہو، مختصر یہ کہ جس طور پر بھی یہ ہوا ہو حرمت مصاہرت ثابت ہوجائے گی، عمداً ہو یا بھول سے ہو، غلطی سے ہو یا زبردستی ہو ہر صورت کا حکم ایک ہے۔

حرمت کا ایک مسئلہ

کسی مرد نے وطی کے لیے اپنی بیوی کو جگایا یا عورت نے شوہر کو جگایا، اسی حالت میں مرد کا ہاتھ بیوی کی جوان لڑکی کو لگ گیا، وہ لڑکی خواہ اس مرد سے ہو یا دوسرے مرد سے، یا عورت کا ہاتھ اسی حالت میں شوہر کے جوان بیٹے کو اوپر پڑ گیا خواہ وہ اس مرد سے ہو یا دوسرے مرد سے، تو ماں ہمیشہ کے لیے اس پر حرام ہوجائے گی، اس لیے کہ چھونا شہوت کے ساتھ پایا گیا ہے چاہے غلطی سے ہی کیوں نہ ہوا ہو۔

بیوی کی ماں کا بوسہ لینا

کسی شخص نے اپنی بیوی کی ماں کا بوسہ لے لیا خواہ کسی بھی حصہ کا لیا ہو، اس صورت میں اس پر اس کی بیوی حرام ہوجائے گی، جب تک یہ ظاہر نہ ہو کہ شہوت نہیں تھی، گو بوسہ منھ کا ہی کیوں نہ لیا ہو، کذا فی الذخیرۃ۔

شہوت کا شرط ہونا

خوش دامن (یعنی ساس) کو چھونے سے بیوی اس وقت حرام ہوتی ہے جب شہوت کا یقین ہو، جب تک شہوت کا یقین نہ ہوگا حرمت ثابت نہیں ہوگی، اس لیے کہ بوسہ لینے میں اصل شہوت ہے اور یہ مسلّم ہے کہ بوسہ شہوت سے عموماً خالی نہیں ہوتا ہے، البتہ چھونے میں شہوت کا پایا جانا ضروری نہیں ہے اس لیے اس میں شہوت کی شرط لگائی گئی ہے۔

معانقہ (گلے ملنا) بوسہ کے درجہ میں ہے، یعنی اس میں بھی دراصل شہوت پائی جاتی ہے، لہٰذا اس سے بھی حرمت ثابت ہوگی جب تک اس کا یقین نہ ہو جائے کہ شہوت نہیں پائی جاتی تھی۔ یہی حکم شہوت کے ساتھ چٹکی لینے اور دانت کاٹنے کا ہے، اس سے بھی حرمت ثابت ہوگی۔ گو اجنبی عورت کا بوسہ لیا ہو یا اسکے ساتھ معانقہ کیا ہو یا شہوت سے اس کی چٹکی لی ہو، یا دانت کاٹا ہو، ان صورتوں میں دونوں (مرد عورت) میں سے کسی ایک میں بھی شہوت کا پایا جانا ثبوت حرمت کے لیے کافی ہے، دونوں میں شہوت کا پایا جانا ضروری نہیں ہے۔ ان مسائل میں قریب البلوغ، پاگل اور مست یہ سب بالغ کے حکم میں ہیں۔

جوان لڑکی کا بوسہ

قنیہ میں ہے کہ کسی مست نے اپنی جوان لڑکی کا بوسہ لیا تو اس پر اس لڑکی کی ماں حرام ہو جائے گی۔

وَبِحُرْمَةِ الْمُصَاهَرَةِ لَا يَرْتَفِعُ النِّكَاحُ حَتَّى لَا يَحِلَّ لَهَا التَّزَوُّجُ بِآخَرَ إِلَّا بَعْدَ الْمُتَارَكَةِ وَانْقِضَاءِ الْعِدَّةِ، وَالْوَطْءُ بِهَا لَا يَكُونُ زِنًا، وَفِي الْخَانِيَةِ إِنَّ النَّظَرَ إِلَى فَرْجِ ابْنَتِهِ بِشَهْوَةٍ يُوجِبُ حُرْمَةَ امْرَأَتِهِ وَكَذَا لَوْ فَزِعَتْ فَدَخَلَتْ فِرَاشَ أَبِيهَا عُرْيَانَةً فَانْتَشَرَ لَهَا أَبُوهَا تَحْرُمُ عَلَيْهِ أُمُّهَا (وَبِنْتٌ) سِنُّهَا (دُونَ تِسْعٍ لَيْسَتْ بِمُشْتَهَاةٍ) بِهِ يُفْتَى (وَإِنْ ادَّعَتْ الشَّهْوَةَ) فِي تَقْبِيلِهِ أَوْ تَقْبِيلِهَا ابْنَهُ (وَأَنْكَرَهَا الرَّجُلُ فَهُوَ مُصَدَّقٌ) لَا هِيَ (إِلَّا أَنْ يَقُومَ إِلَيْهَا مُنْتَشِرًا) آلَتُهُ (فَيُعَانِقَهَا) لِقَرِينَةِ كَذِبِهِ أَوْ يَأْخُذَ ثَدْيَهَا (أَوْ يَرْكَبَ مَعَهَا) أَوْ يَمَسَّهَا عَلَى الْفَرْجِ أَوْ يُقَبِّلَهَا عَلَى الْفَمِ قَالَهُ الْحَدَّادِيُّ وَفِي الْفَتْحِ يَتَرَاءَى إِلْحَاقُ الْخَدَّيْنِ بِالْفَمِ، وَفِي الْخُلَاصَةِ قِيلَ لَهُ مَا فَعَلْت بِأُمِّ امْرَأَتِك فَقَالَ: جَامَعْتهَا تَثْبُتُ الْحُرْمَةُ، وَلَا يُصَدَّقُ أَنَّهُ كَذَبَ وَلَوْ هَازِلًا.

حرمت مصاہرت سے نکاح پر اثر

حرمت مصاہرت سے نکاح ٹوٹتا نہیں ہے، چنانچہ عورت کے لیے دوسرے مرد سے نکاح اس وقت تک جائز نہیں ہے جب تک وہ مرد اس کو چھوڑ نہ دے اور اس کی عدت گذر نہ جائے، چنانچہ اس حرمت مصاہرت کے زمانہ میں وطی کرنا زنا قرار نہیں پائے گا، یعنی اگر شوہر بیوی کو چھوڑنے سے پہلے اس کے ساتھ وطی کرلے گا تو اس پر زنا کی حد جاری کرنا واجب نہیں ہوگی۔

شہوت سے شرمگاہ دیکھنا

اپنی لڑکی کی شرمگاہ کو شہوت کے ساتھ دیکھنا اس کی بیوی کو اس پر حرام کر دیتا ہے۔ لڑکی خوفزدہ ہوئی اور اسی خوف کی حالت میں ننگی ہو کر اپنے باپ کے بستر میں داخل ہوگئی، اس کے آجانے کی وجہ سے باپ میں شہوت پیدا ہوگئی تو اس صورت میں اس بیٹی کی ماں اس باپ پر حرام ہو جائے گی، بشرطیکہ اس کے باپ نے اس لڑکی کو چھوا ہو اور اگر اس نے اس کو مس نہیں کیا تو حرام نہیں ہوگی۔ جس بچی کی عمر نو سال سے کم ہو وہ مشتہاۃ (لائق شہوت) قرار نہیں پاتی، فتویٰ اسی قول پر ہے۔ (موٹی اور دبلی ہونے کا کوئی فرق نہیں)

بیوی کا دعویٰ

اگر بیوی نے دعویٰ کیا کہ اس کے شوہر نے اس کی ماں یا بیٹی کا شہوت کے ساتھ بوسہ لیا ہے، یا یہ دعویٰ کیا کہ خود اس نے شوہر کے اصول وفروع میں سے کسی کا شہوت کے ساتھ بوسہ لیا۔ لیکن شوہر شہوت کا انکار کرتا ہے اس صورت میں تصدیق شوہر کے قول کی ہوگی نہ کہ عورت کے قول کی، گویا حرمت مصاہرت بغیر شوہر کی تصدیق کے ثابت نہیں ہوگی، البتہ اس وقت شوہر کی بات قابل تسلیم نہیں ہوگی جب شوہر اس حال میں بیوی کی لڑکی کی طرف کھڑا ہوا ہو کہ اس کا عضو تناسل ایستادہ ہو اور جا کر اس سے لپٹ گیا ہو اس صورت میں اس کے جھوٹے ہونے کا قرینہ موجود ہے۔ یا مرد عورت کی چھاتی پکڑ لے یا اس کے ساتھ سوار ہو، یا اس کے شرمگاہ کو چھوئے، یا اس کے منہ کا بوسہ لے ان تمام صورتوں میں شوہر کا یہ کہنا کہ شہوت نہیں تھی قابل تسلیم نہیں ہوگا اور حرمت مصاہرت ثابت ہو جائے گی۔

رخساروں اور لبوں کا بوسہ

فتح القدیر میں ہے کہ رخساروں کا بوسہ لینا لبوں کا بوسہ لینے کے حکم میں ہے، یعنی دونوں کا حکم ایک ہے۔

خلاصہ میں ہے کہ کسی نے مرد سے کہا کہ تو نے اپنی خوشدامن (ساس) کے ساتھ کیا کیا؟ اس کے جواب میں اس نے کہا کہ میں نے اس کے ساتھ جماع کیا، اس کے یہ کہنے سے حرمت ثابت ہو جائے گی اور اس کے جھوٹے ہونے کو مانا نہیں جائے گا اگر چہ اس نے یہ مذاق اور دل لگی سے ہی کیوں نہ کہا ہو۔

(وَتُقْبَلُ الشَّهَادَةُ عَلَى الْإِقْرَارِ بِاللَّمْسِ وَالتَّقْبِيلِ عَنْ شَهْوَةٍ وَكَذَا) تُقْبَلُ (عَلَى نَفْسِ اللَّمْسِ وَالتَّقْبِيلِ) وَالنَّظَرِ إلَى ذَكَرِهِ أَوْ فَرْجِهَا (عَنْ شَهْوَةٍ فِي الْمُخْتَارِ) تَجْنِيسٌ لِأَنَّ الشَّهْوَةَ مِمَّا يُوقَفُ عَلَيْهَا فِي الْجُمْلَةِ بِانْتِشَارٍ أَوْ آثَارٍ. (وَ) حَرُمَ (الْجَمْعُ) بَيْنَ الْمَحَارِمِ (نِكَاحًا) أَيْ عَقْدًا صَحِيحًا (وَعِدَّةً وَلَوْ مِنْ طَلَاقٍ بَائِنٍ، وَ) حَرُمَ الْجَمْعُ (وَطْءً بِمِلْكِ يَمِينٍ بَيْنَ امْرَأَتَيْنِ أَيَّتُهُمَا فُرِضَتْ ذَكَرًا

لَمْ تَحِلَّ لِلْأُخْرَى) أَبَدًا لِحَدِيثِ مُسْلِمٍ »لَا تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ عَلَى عَمَّتِهَا« وَهُوَ مَشْهُورٌ يَصْلُحُ مُخَصِّصًا لِلْكِتَابِ (فَجَازَ الْجَمْعُ بَيْنَ امْرَأَةٍ وَبِنْتِ زَوْجِهَا) أَوْ امْرَأَةِ ابْنِهَا أَوْ أَمَةٍ ثُمَّ سَيِّدَتِهَا لِأَنَّهُ لَوْ فُرِضَتْ الْمَرْأَةُ أَوْ امْرَأَةُ الِابْنِ أَوْ السَّيِّدَةُ ذَكَرًا لَمْ يَحْرُمْ بِخِلَافِ عَكْسِهِ.

گواہی کب قبول ہوگی؟

شہوت کے ساتھ چھونے اور بوسہ لینے کے اقرار پر گواہی قبول کی جائے گی، یعنی مرد نے گواہوں کے سامنے یہ اقرار کیا کہ اس نے بیوی کی بیٹی کا شہوت کے ساتھ بوسہ لیا ہے یا اس کو چھوا ہے اور بیوی کے دعویٰ کرنے پر شوہر انکار کر دے تو اس صورت میں اس کے سنے ہوئے اقرار کی گواہی معتبر ہوگی اور بیوی شوہر پر حرام ہو جائے گی۔

اسی طرح وہ گواہی بھی قبول کی جائے گی کہ اس عورت نے اقرار کیا ہو کہ شہوت کے ساتھ اس نے مرد کو چھوا ہے یا اس کا بوسہ لیا ہے، یا اس مرد کے عضو تناسل کی طرف دیکھا ہے، یا مرد نے اس عورت کی شرمگاہ دیکھی ہے، مذہب مختار یہی ہے، کیونکہ شہوت ایسی چیز ہے جس پر فی الجملہ اطلاع ہو سکتی ہے عضو تناسل کی ایستادگی اور اس کے آثار کے ذریعہ۔

دو محرم عورتوں کا جمع کرنا

کئی محرم عورتوں کا ایک نکاح صحیح میں جمع کرنا حرام ہے، جیسے دو بہنوں کا نکاح میں جمع کرنا، یا خالہ اور بھانجی کا، یا پھوپھی اور بھتیجی کا، یہ نسبی ہوں یا رضاعی جائز نہیں، بلکہ حرام ہے۔ (نکاح کی قید لگا کر اشارہ کیا ہے کہ اگر کسی نے ایک بہن سے نکاحِ فاسد کیا پھر اس کی دوسری بہن سے نکاحِ صحیح کیا تو یہ درست ہے، کیونکہ نکاحِ فاسد میں وطی کرنا حلال نہیں ہے)۔

اسی طرح محارم عورتوں کا عدت میں جمع کرنا بھی حلال نہیں ہے، گو وہ طلاقِ بائن کی عدت ہو، یعنی جب عورت کو طلاق رجعی یا بائن دی گئی تو جب تک اس کی عدت پوری نہ ہو جائے اس وقت تک اس کی بہن یا خالہ یا پھوپھی سے نکاح نہیں کر سکتے ہیں، اگر نکاح کرے گا تو جائز نہیں ہوگا، حرام ہوگا۔

محارم کا وطی میں بواسطہ ملک یمین جمع کرنا بھی حرام ہے، یعنی جب کوئی لونڈی تصرف میں آئی تو اس کی بہن یا اس کی خالہ یا پھوپھی کو تصرف میں نہیں لا سکتے ہیں کیونکہ یہ درست نہیں ہے۔

جمع کی حرمت کا قاعدہ

نکاح، عدت اور بواسطہ ملک یمین وطی میں ان دو عورتوں کا جمع کرنا حرام ہے کہ ان دو میں سے جس کو مرد فرض کریں اس کے لیے دوسری کبھی حلال نہ ہو، جیسے عورت اور اس کی پھوپھی، ان دو میں سے اگر عورت کو مرد فرض کر لے تو پھوپھی کے ساتھ اس کا نکاح درست نہیں ہوگا اور اگر پھوپھی کو مرد فرض کر لیں تو اس کا نکاح بھتیجی سے جائز نہیں ہوگا۔

مسلم شریف کی حدیث میں صراحت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا کہ عورت کا نکاح اس کی پھوپھی پر نہ کیا جائے اور یہ حدیث مشہور ہے اور حدیث مشہور سے کتاب اللہ کی تخصیص ہو جاتی ہے، یعنی اگر چہ قرآن میں صرف جمع بین الاختین یعنی دو بہنوں کا جمع کرنا حرام بتایا گیا ہے، پھوپھی بھتیجی کا جمع کرنا بیان نہیں کیا گیا ہے بلکہ فرمایا گیا ہے {وَ اُحِلَّ لَکُمۡ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمۡ} حدیث مشہور سے اصل حکم {مَا وَرَآءَ ذٰلِکُمۡ} میں تخصیص درست ہے۔ اور بھی حدیثیں ہیں جن میں عورت اور اس کی پھوپھی کو جمع کرنے کی حرمت صراحت کے ساتھ موجود ہے۔

جہاں جمع اس طرح ہو کہ ان دو میں سے جس کسی کو مرد پر فرض کر دیا جائے تو اس کا نکاح دوسرے سے ناجائز نہ ہو تو ایسی دو عورتوں کا جمع کرنا درست ہوگا، چنانچہ فقہاء صراحت کرتے ہیں کہ عورت اور اس کے شوہر کی بیٹی کو ایک ساتھ جمع کرنا درست ہے۔ اسی طرح یہ بھی درست ہے کہ عورت اور اس کے بیٹے کی بیوی کے درمیان جمع کرے اور لونڈی اور اس کے مالک کی بیوی کو جمع کیا جائے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر عورت اور اس کے شوہر کی بیٹی کو یا عورت اور اس کے بیٹے کی بیوی میں سے ایک کو مرد فرض کیجئے تو اس کا نکاح دوسرے سے جائز ہوگا حرام نہیں ہوگا، البتہ اس کے برعکس میں حرمت ہوگی یعنی ایک طرف سے بہر حال حرمت نہیں ہوگی۔

(وَإِنْ تَزَوَّجَ) بِنِكَاحٍ صَحِيحٍ (أُخْتَ أَمَةٍ) قَدْ (وَطِئَهَا صَحَّ) النِّكَاحُ لَكِنْ (لَا يَطَأُ وَاحِدَةً مِنْهُمَا حَتَّى يُحَرِّمَ) حِلَّ اسْتِمْتَاعِ (إحْدَاهُمَا عَلَيْهِ بِسَبَبٍ مَا) لِأَنَّ لِلْعَقْدِ حُكْمَ الْوَطْءِ حَتَّى لَوْ نَكَحَ مَشْرِقِيٌّ مَغْرِبِيَّةً يَثْبُتُ نَسَبُ أَوْلَادِهَا مِنْهُ لِثُبُوتِ الْوَطْءِ حُكْمًا وَلَوْ لَمْ يَكُنْ وَطِئَ الْأَمَةَ لَهُ وَطْءُ الْمَنْكُوحَةِ، وَدَوَاعِي الْوَطْءِ كَالْوَطْءِ ابْنُ كَمَالٍ

لونڈی کی بہن سے نکاح

اپنی جس لونڈی سے صحبت کر چکا تھا اگر اس کی بہن سے نکاحِ صحیح کیا تو یہ نکاح صحیح ہوگا، لیکن اس نکاح کے بعد ان دونوں بہنوں میں سے کسی سے بھی اس وقت تک وطی نہیں کر سکتا ہے جب تک ان میں سے کسی ایک کی وطی حلال کو کسی طرح اپنے اوپر حرام نہ کر لے، اگر منکوحہ کو رکھنا ہو تو لونڈی سے وطی ہرگز نہ کرے اور اگر لونڈی سے وطی کرنا ہو تو پھر منکوحہ کو علیحدہ کر دے۔

وطی صرف ایک سے

ان دونوں بہنوں میں سے ایک کا حرام کرنا اس وجہ سے ضروری ہے کہ نکاح جماع کے حکم میں ہے، یہاں تک کہ اگر کوئی مشرق میں رہنے والا مغرب میں رہنے والی عورت سے نکاح کرلے تو (گو دونوں میاں بیوی اتنے فاصلہ پر الگ الگ ہیں لیکن) اس عورت کی اولاد کا نسب مشرق میں رہنے والے شوہر سے ثابت ہوگا۔ اور یہ صرف اس وجہ سے ہے کہ نکاح وطی کے حکم میں ہے،

لہٰذا نکاح کی وجہ سے حکماً وطی تسلیم ہوگی (اور کہا جائے گا کہ بطور کرامت اتنی لمبی مسافت طے ہوسکتی ہے اور دونوں مل سکتے ہیں)۔

دواعی وطی بحکم وطی

حرمت کے باب میں وطی کے دواعی اور اس کے اسباب بھی وطی کے حکم میں ہوتے ہیں، چنانچہ اگر اس نے اپنی لونڈی سے مثلاً وطی نہ کی ہو مگر شہوت سے اس کا بوسہ لیا ہو یا شہوت کے ساتھ اس کو چھوا ہو تو یہ بھی وطی کے حکم میں شمار ہوگا اور منکوحہ سے اس وقت تک وطی نہ کر سکے گا جب تک اس کی وطی کو اپنے اوپر حرام نہ کرے۔

(وَإِنْ تَزَوَّجَهُمَا مَعًا) أَيْ الْأُخْتَيْنِ أَوْ مَنْ بِمَعْنَاهُمَا (أَوْ بِعَقْدَيْنِ وَنَسِيَ) النِّكَاحَ (الْأَوَّلَ فَرَّقَ الْقَاضِي (بَيْنَهُ وَبَيْنَهُمَا) وَيَكُونُ طَلَاقًا (وَلَهُمَا نِصْفُ الْمَهْرِ) يَعْنِي فِي مَسْأَلَةِ النِّسْيَانِ إِذْ الْحُكْمُ فِي تَزَوُّجِهِمَا مَعًا الْبُطْلَانُ وَعَدَمُ وُجُوبِ الْمَهْرِ إِلَّا بِالْوَطْءِ كَمَا فِي عَامَّةِ الْكُتُبِ فَتَنَبَّهْ. وَهَذَا إِنْ (كَانَ مَهْرَاهُمَا مُتَسَاوِيَيْنِ) قَدْرًا وَجِنْسًا (وَهُوَ مُسَمًّى فِي الْعَقْدِ وَكَانَتْ الْفُرْقَةُ قَبْلَ الدُّخُولِ) وَادَّعَى كُلٌّ مِنْهُمَا أَنَّهَا الْأُولَى، وَلَا بَيِّنَةَ لَهُمَا، فَإِنْ اخْتَلَفَ مَهْرَاهُمَا، فَإِنْ عَلِمَا فَلِكُلٍّ رُبْعُ مَهْرِهَا، وَإِلَّا فَلِكُلٍّ نِصْفُ أَقَلِّ الْمُسَمَّيَيْنِ (وَإِنْ لَمْ يَكُنْ مُسَمًّى فَالْوَاجِبُ مُتْعَةٌ وَاحِدَةٌ لَهُمَا) بَدَلُ نِصْفِ الْمَهْرِ (وَإِنْ كَانَتْ الْفُرْقَةُ بَعْدَ الدُّخُولِ وَجَبَ لِكُلِّ وَاحِدَةٍ مَهْرٌ كَامِلٌ) لِتَقَرُّرِهِ بِالدُّخُولِ وَمِنْهُ يُعْلَمُ حُكْمُ دُخُولِهِ بِوَاحِدَةٍ (وَكَذَا الْحُكْمُ فِيمَا جَمَعَهُمَا مِنْ الْمَحَارِمِ) فِي نِكَاحٍ.

دو سگی بہنوں یا دو محارم کا جمع کرنا

اگر کسی نے دو سگی بہنوں یا ایسی دو عورتوں سے جن کا جمع کرنا حرام ہے ساتھ ساتھ ایک ایجاب وقبول سے نکاح کیا، یا دونوں کا ایجاب وقبول الگ الگ مجلس میں کیا اور پہلا نکاح فراموش کر گیا تو اس نکاح کرنے والے مرد اور ان دونوں عورتوں کے درمیان تفریق کردی جائے گی اور یہ تفریق طلاق کے حکم میں ہوگی۔ اور ان دونوں محارم عورتوں کو آدھا آدھا مہر ملے گا، جب وہ پہلا نکاح بھول گیا تھا اور اس حالت میں دوسرا نکاح کیا۔ اور اگر ساتھ ساتھ کیا، یا یاد رہتے ہوئے کیا تو ساتھ ساتھ کرنے سے دونوں نکاح باطل ہوگئے، لہٰذا مہر کے واجب ہونے کا سوال ہی نہیں۔ اگر یکے بعد دیگرے نکاح کیا تو یاد ہونے کی صورت میں دوسرا نکاح باطل ہوا، لہٰذا اس کا مہر واجب نہیں ہوگا، لیکن اگر وطی کرلے گا تو البتہ مہر واجب ہوگا، چنانچہ یہ مسئلہ تمام کتب فقہ میں صراحت کے ساتھ موجود ہے۔

مہر کی بحث

نصف مہر کا وجوب اُس وقت ہے جب دونوں کا مہر تعداد میں برابر ہو اور ایک جنس کے ہوں اور بوقت نکاح متعین

ہو چکے ہوں اور جدائی خلوتِ صحیحہ سے پہلے ہوئی ہو، یا یہ کہ دونوں بیویوں میں سے ہر ایک دعویٰ کرے کہ میرا نکاح پہلے ہوا اور ان میں سے کسی کے پاس گواہ نہ ہوں۔

لہٰذا اگر ان دو بیویوں کے مہر مختلف ہوں اور دونوں معلوم ہوں کہ فلاں کا اتنا ہے اور فلاں کا اتنا، تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو اس مہر کا چوتھائی ملے گا۔ اور اگر ہر ایک کا مہر معلوم نہ ہو تو اس صورت میں ہر ایک کو دونوں مہروں میں جو کمتر ہو اس کا آدھا آدھا ملے گا۔ اور اگر مہر سرے سے متعین نہ ہوا ہو تو واجب یہ ہے کہ دونوں کو نصف مہر کے بدلے تین متعہ یعنی تین کپڑے دیئے جائیں، قمیص، دوپٹہ اور چادر۔

اور اگر جدائی خلوتِ صحیحہ کے بعد ہوئی ہے تو دونوں میں سے ہر ایک کو پورا پورا مہر دینا واجب ہوگا کیونکہ خلوتِ صحیحہ کے بعد مہر مؤکد ہو جاتا ہے۔ اور اگر ان دونوں میں سے ایک سے خلوتِ صحیحہ ہوئی ہے تو اس کا حکم بھی معلوم ہو گیا کہ جس کے ساتھ خلوتِ صحیحہ ہوئی ہوگی اس کو پورا مہر ملے گا اور جس کے ساتھ نہیں ہوئی ہے اس کو چوتھائی مہر ملے گا۔

جو حکم دو بہنوں کو جمع کرنے کا ہے ویسا ہی حکم ان محارم عورتوں کا بھی ہے جن کو ایک نکاح میں جمع کر لیا گیا ہے۔

(وَ) حَرُمَ (نِكَاحُ) الْمَوْلَى (أَمَتَهُ وَ) الْعَبْدِ (سَيِّدَتَهُ) ؛ لِأَنَّ الْمَمْلُوكِيَّةَ تُنَافِي الْمَالِكِيَّةَ، نَعَمْ لَوْ فَعَلَهُ الْمَوْلَى احْتِيَاطًا كَانَ حَسَنًا، وَفِيهِ مَا لَا يَخْفَى فِي عَدَمِ عَدِّهَا خَامِسَةً. وَنَحْوُهُ مِنْ عَدَمِ الِاخْتِيَاطِ.
(وَ) حَرُمَ نِكَاحُ (الْوَثَنِيَّةِ) بِالْإِجْمَاعِ (وَصَحَّ نِكَاحُ كِتَابِيَّةٍ) ، وَإِنْ كُرِهَ تَنْزِيهًا (مُؤْمِنَةٍ بِنَبِيٍّ) مُرْسَلٍ (مُقِرَّةٍ بِكِتَابٍ) مُنَزَّلٍ، وَإِنْ اعْتَقَدُوا الْمَسِيحَ إِلَهًا، وَكَذَا حِلُّ ذَبِيحَتِهِمْ عَلَى الْمَذْهَبِ بَحْرٌ. وَفِي النَّهْرِ تَجُوزُ مُنَاكَحَةُ الْمُعْتَزِلَةِ لِأَنَّا لَا نُكَفِّرُ أَحَدًا مِنْ أَهْلِ الْقِبْلَةِ إِنْ وَقَعَ إِلْزَامًا فِي الْمَبَاحِثِ.

اپنی لونڈی اور اپنی آقا عورت سے نکاح کی حرمت

مالک کا اپنی لونڈی سے نکاح کرنا حرام ہے، کیونکہ دو ملکیت جمع نہیں ہوا کرتی ہیں۔ حرمت سے مراد یہاں یہ ہے کہ مولیٰ پر نکاح کے احکام جیسے مہر، طلاق وغیرہ لازم نہیں ہوں گے، یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ لائق عذاب قرار پائے گا۔ اسی طرح غلام کے لیے اپنی آقا عورت سے نکاح کرنا حرام ہے، اس وجہ سے کہ مملوک ہونا مالک بننے کے خلاف ہے، غلام مملوک ہے لہٰذا اس کے لیے مغلوب ومحکوم ہونا لازم ہے اور جب غلام شوہر بن جائے گا تو قاعدہ میں بحیثیت شوہر بیوی پر غالب ہوگا، تو ایک ہی شخص غالب ومغلوب دونوں کیسے ہو سکتا ہے؟

البتہ اگر مولیٰ بطور احتیاط اپنی لونڈی سے نکاح کر لے گا تو یہ بہتر ہوگا اس لیے کہ ہو سکتا ہے کہ وہ لونڈی شاید آزاد ہو، کبھی ایسا دھوکہ بھی سامنے آتا ہے۔ اس لونڈی کو پانچویں یا اسکے مثل شمار کرنے میں کوئی احتیاط نہیں ہے۔ (صحیح یہ ہے کہ اگر متیقن طور پر لونڈی ہی ہے تو نکاح کی قطعاً ضرورت نہیں ہے اور اگر آزاد ہے تو پھر اس کو لونڈی کے طور پر رکھنا جائز نہیں ہے)۔

بت پرست عورت سے نکاح کی حرمت

بت پرست عورت سے نکاح متفقہ طور پر حرام ہے۔ فتح القدیر میں ہے کہ سورج کی پوجا، ستاروں کی پوجا یا مورت کی پوجا اسی طرح فرقۂ معتزلہ، ملحد، باطنیہ، اباحیہ سب بت پرست میں داخل ہیں۔ دوسری کتابوں میں ہے کہ جس عقیدہ پر کفر کا فتویٰ لگتا ہو اس مذہب والی عورت سے نکاح درست نہیں ہے، ان سب پر مشرک کا اطلاق ہوتا ہے۔

اہل کتاب عورت سے نکاح

اہل کتاب عورت سے نکاح درست ہے، گو مکروہ تنزیہی ہے۔ فتح القدیر میں ہے کہ کتابیہ عورت سے نکاح جائز ہے مگر بہتر یہ ہے کہ اس سے نکاح نہ کیا جائے۔ اور کتابیہ جو دار الحرب میں رہتی ہے اس سے نکاح مکروہ ہے تاکہ اس کی وجہ سے مسلمان کے دار الحرب میں رہنے کا سلسلہ نہ ہو سکے۔ دوسرے اہلِ کفر کی صحبت اولاد کے اخلاق واعمال کے لیے مضر اور موجب فساد ہے۔

کتابیہ سے وہ عورت مراد ہے جو کسی نبی مرسل (بھیجے ہوئے) پر ایمان رکھتی ہو اور آسمانی کتاب کا اقرار کرتی ہو، جیسے یہود و نصاریٰ، اگرچہ اہلِ کتاب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معبود جانتے ہوں، یعنی اس اعتقاد سے گو وہ مشرک ہو جائیں گے مگر اہلِ کتاب باقی رہیں گے۔

اہلِ کتاب کا ذبیحہ

جیسے کتابیہ سے نکاح درست ہے ایسے ہی اہل کتاب کا ذبیحہ بھی جائز ہے، یعنی جس حلال جانور کو اہلِ کتاب نے ذبح کیا ہو اس کا گوشت کھانا جائز ہوگا، قوی مذہب اس باب میں یہی ہے۔

معتزلہ عورت سے نکاح

النہر الفائق میں صراحت کی ہے کہ معتزلہ سے شادیاں کرنا جائز ہے، کیونکہ ہم اہلِ سنت والجماعت کا مسلک یہ ہے کہ اہلِ قبلہ میں سے کسی کی ہم تکفیر نہیں کرتے اگرچہ اختلافی مباحث میں بطور الزام ان کی تکفیر ہوگئی ہے۔

فرقۂ معتزلہ

معتزلہ اسلام میں ایک فرقہ ہے جو قرآن پاک کو مخلوق کہتا ہے۔ اور قیامت میں دیدار الٰہی کا منکر ہے۔ اور بندے کو اپنے افعال کا خالق مانتا ہے۔ اور اسی طرح کچھ اور اختلافات معتزلہ عقائد میں رکھتے ہیں۔ خیر الدین رملی نے لکھا ہے کہ رافضیوں اور معتزلیوں کے فرقے اہلِ کتاب میں داخل ہیں، اس بنیاد پر سنی مسلمان عورت کا نکاح کسی رافضی اور معتزلی سے درست نہیں ہوگا اس وجہ سے کہ عورت مسلمان ہوئی اور مرد اہلِ کتاب (کافر) اور اہلِ کتاب مرد سے مسلمان عورت کا نکاح سرے سے درست نہیں ہے، البتہ ان کی عورتوں سے نکاح کرنا اہلِ سنت کے لیے درست ہے۔

(لَا) يَصِحُّ نِكَاحُ (عَابِدَةِ كَوْكَبٍ لَا كِتَابَ لَهَا) وَلَا وَطْؤُهَا بِمِلْكِ يَمِينٍ (وَالْمَجُوسِيَّةِ وَالْوَثَنِيَّةِ) هَذَا سَاقِطٌ مِنْ نُسَخِ الشَّرْحِ ثَابِتٌ فِي نُسَخِ الْمَتْنِ، وَهُوَ عَطْفٌ عَلَى عَابِدَةِ كَوْكَبٍ. وَقَوْلُهُ (وَالْمُحْرِمَةِ) بِحَجٍّ أَوْ عُمْرَةٍ (وَلَوْ بِمُحْرِمٍ) عَطْفٌ عَلَى كِتَابِيَّةٍ فَتَنَبَّهْ (وَالْأَمَةِ وَلَوْ) كَانَتْ (كِتَابِيَّةً أَوْ مَعَ طَوْلِ الْحُرَّةِ) الْأَصْلُ عِنْدَنَا أَنَّ كُلَّ وَطْءٍ يَحِلُّ بِمِلْكِ يَمِينٍ يَحِلُّ بِنِكَاحٍ، وَمَا لَا فَلَا (وَإِنْ كُرِهَ) تَحْرِيمًا فِي الْمُحْرِمَةِ وَتَنْزِيهًا فِي الْأَمَةِ (وَحُرَّةٍ عَلَى أَمَةٍ لَا) يَصِحُّ (عَكْسُهُ وَلَوْ) أُمَّ وَلَدٍ (فِي عِدَّةِ حُرَّةٍ) وَلَوْ مِنْ بَائِنٍ (وَصَحَّ لَوْ رَاجَعَهَا) أَيْ الْأَمَةَ (عَلَى حُرَّةٍ) لِبَقَاءِ الْمِلْكِ

صابیہ اور ستارہ پرست سے نکاح

ایسی ستارہ پرست عورت سے نکاح جائز نہیں ہے جس کے پاس کوئی آسمانی کتاب نہیں ہے۔ فرقہ صابیہ کے اہل کتاب ہونے میں شبہ ہے۔ صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ صابیہ عورت سے نکاح جائز ہے، اگر وہ کسی نبی اور کسی آسمانی کتاب پر ایمان رکھتی ہو۔ اور اگر وہ ستارہ پرست ہو اور کسی آسمانی کتاب پر ایمان نہ رکھتی ہو تو نکاح جائز نہیں ہوگا، اور نہ بذریعہ ملک یمین اس سے وطی درست ہے۔

آگ کے پجاری سے نکاح

آتش پرست سے بھی نکاح صحیح نہیں ہے۔ اور نہ اس سے بملکِ یمین وطی جائز ہے۔ اس پر تمام ائمہ اربعہ کا اجماع ہے۔ اور نہ بت پرست عورت سے نکاح صحیح ہے۔ یہاں بتایا گیا ہے کہ نکاح صحیح نہیں ہے اور اس سے پہلے کہا کہ حلال نہیں ہے، کیونکہ صحیح نہ ہونے سے حلال نہ ہونا لازم نہیں آتا ہے۔

حالت احرام میں نکاح

جس عورت نے حج یا عمرہ کا احرام باندھ رکھا ہے اس کا نکاح درست ہے، گو اس شخص کے ساتھ ہو جس نے خود بھی حج یا عمرہ کا احرام باندھ رکھا ہو، اگرچہ بعض لوگوں نے اس نکاح کو مکروہ تحریمی کہا ہے جو صحیح نہیں ہے کیونکہ حدیث ہے کہ آں حضرت ﷺ نے حالت احرام میں حضرت میمونہؓ سے نکاح کیا۔

لونڈی کے ساتھ نکاح

غیر کی لونڈی سے نکاح کرنا درست ہے، گو وہ کتابیہ ہو اور اگرچہ وہ مرد آزاد عورت سے نکاح کرنے کی استطاعت رکھتا ہو۔ احناف کا اس باب میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ بملک یمین کے ذریعہ جو وطی حلال ہے وہ بذریعہ نکاح بھی حلال ہے اور جو وطی

ملک یمین سے حلال نہیں ہے وہ نکاح سے بھی حلال نہیں، تو چونکہ لونڈی سے بذریعہ خریداری وطی حلال ہے لہٰذا اگر کوئی نکاح کرکے وطی کرے وہ بھی حلال ہوگی، گو لونڈی سے نکاح کرنا مکروہ تنزیہی کہا گیا ہے۔

لونڈی کے نکاح میں ہوتے ہوئے آزاد عورت سے نکاح اور اس کا برعکس

اگر کوئی پہلے لونڈی سے نکاح کر چکا ہے اس کے بعد آزاد عورت سے نکاح کرے تو یہ بھی درست ہے، البتہ اس کے برعکس صورت درست نہیں ہے، یعنی اگر کوئی آزاد عورت سے نکاح کر چکا ہے اور بیوی موجود ہے تو اس کے رہتے ہوئے لونڈی سے نکاح کرنا درست نہیں ہے۔ طبرانی میں حدیث ہے کہ آں حضرت ﷺ نے آزاد عورت کے ہوتے ہوئے لونڈی سے نکاح کرنے سے منع فرمایا ہے۔

آزاد عورت طلاقِ بائن کی وجہ سے عدت میں ہو اور ابھی عدت ختم نہیں ہوئی کہ کسی نے ام ولد (لونڈی) سے نکاح کیا تو یہ نکاح درست نہیں ہے۔

جواز کی ایک صورت

اگر کسی نے پہلے لونڈی سے نکاح کیا پھر آزاد عورت سے نکاح کیا، اسکے بعد لونڈی کو طلاق رجعی دی اور آزاد عورت کے عقد میں ہوتے ہوئے اس مطلقہ لونڈی سے رجعت کی تو یہ رجعت درست ہے، کیونکہ طلاق رجعی دینے سے لونڈی نکاح سے باہر نہیں ہوئی بلکہ وہ ابھی تا رجعت ملکیتِ نکاح میں باقی ہے، لہٰذا یہ نہیں کہا جائے گا کہ آزاد عورت پر لونڈی سے نکاح ہوا۔

(وَلَوْ تَزَوَّجَ أَرْبَعًا مِنَ الْإِمَاءِ وَخَمْسًا مِنَ الْحَرَائِرِ فِي عَقْدٍ) وَاحِدٍ (صَحَّ نِكَاحُ الْإِمَاءِ) لِبُطْلَانِ الْخَمْسِ (وَ) صَحَّ (نِكَاحُ أَرْبَعٍ مِنَ الْحَرَائِرِ وَالْإِمَاءِ فَقَطْ لِلْحُرِّ) لَا أَكْثَرَ (وَلَهُ التَّسَرِّي بِمَا شَاءَ مِنَ الْإِمَاءِ) فَلَوْ لَهُ أَرْبَعٌ وَأَلْفُ سُرِّيَّةٍ وَأَرَادَ شِرَاءَ أُخْرَى فَلَامَهُ رَجُلٌ خِيفَ عَلَيْهِ الْكُفْرُ وَلَوْ أَرَادَ فَقَالَتْ امْرَأَتُهُ أَقْتُلُ نَفْسِي لَا يَمْتَنِعُ لِأَنَّهُ مَشْرُوعٌ، لَكِنْ لَوْ تَرَكَ لِئَلَّا يَغُمَّهَا يُؤْجَرُ لِحَدِيثِ «مَنْ رَقَّ لِأُمَّتِي رَقَّ اللَّهُ لَهُ» بَزَّازِيَّةٌ (وَنِصْفُهَا لِلْعَبْدِ) وَلَوْ مُدَبَّرًا (وَيَمْتَنِعُ عَلَيْهِ غَيْرُ ذَلِكَ) فَلَا يَحِلُّ لَهُ التَّسَرِّي أَصْلًا، لِأَنَّهُ لَا يَمْلِكُ. إِلَّا الطَّلَاقَ (وَ) صَحَّ نِكَاحُ (حُبْلَى مِنْ زِنًى لَا) حُبْلَى (مِنْ غَيْرِهِ) أَيْ الزِّنَى لِثُبُوتِ نَسَبِهِ وَلَوْ مِنْ حَرْبِيٍّ أَوْ سَيِّدِهَا الْمُقِرِّ بِهِ (وَإِنْ حَرُمَ وَطْؤُهَا) وَدَوَاعِيهِ (حَتَّى تَضَعَ) مُتَّصِلٌ بِالْمَسْأَلَةِ الْأُولَى لِئَلَّا يَسْقِيَ مَاءَهُ زَرْعَ غَيْرِهِ إِذْ الشَّعْرُ يَنْبُتُ مِنْهُ.

لونڈی اور آزاد عورت سے ایک ساتھ نکاح

اگر کسی نے چار لونڈی اور پانچ آزاد عورت سے ایک عقد میں نکاح کیا تو لونڈیوں سے نکاح درست ہوگا اور پانچ آزاد

عورتوں سے نکاح باطل قرار پائے گا۔

بیک وقت کتنی عورتیں رکھ سکتا ہے؟

آزاد مرد کے لیے درست ہے کہ وہ صرف چار آزاد عورتوں سے نکاح کرے، یا صرف چار لونڈیوں سے، کیونکہ بیک وقت چار عورتوں سے زیادہ کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں ہے، البتہ آزاد مرد کے لیے جائز ہے کہ وہ جس قدر لونڈی چاہے رکھ سکتا ہے، لونڈیوں کو لونڈی کی حیثیت سے رکھنے میں کوئی تعداد متعین نہیں ہے۔

زیادہ لونڈی رکھنے پر اعتراض کرنا

اگر کسی شخص کی چار بیویاں ہوں اور ہزار لونڈیاں اور اس کے بعد بھی وہ کوئی لونڈی خریدنا چاہے اور اس پر اس کو کوئی ملامت کرے تو ملامت کرنے والے پر کفر کا خوف ہے، کیونکہ جب لونڈیوں کی تعداد محدود نہیں اور وہ ایک جائز فعل کرنا چاہتا ہے تو اعتراض بظاہر یہ بتاتا ہے کہ اس کو قرآن کے جواز پر شک ہے، پس معلوم ہوا کہ اگر اعتراض جواز پر شک کے طور پر ہو تو خوف کفر ہے ورنہ نہیں۔

اگر کسی شخص نے لونڈی کے تصرف کا ارادہ کیا، یہ دیکھ کر اس کی بیوی نے اس سے کہا: اگر تو باز نہیں آتا تو میں خودکشی کرتی ہوں تو اس کے لیے ایک فعل جائز سے رکنا واجب نہیں ہے، یعنی وہ اس دھمکی کے باوجود لونڈی خرید کر اس کے ساتھ وطی کرے تو مجرم نہیں ہے اس لیے کہ اسے اسلام میں جائز رکھا گیا ہے۔

لیکن اگر کوئی بیوی کے رہتے ہوئے لونڈی خرید کر اس سے ہم بستر اس لیے نہ ہو کہ بیوی کو غم ہوگا تو وہ لائق اجر ہے، کیونکہ حدیث نبوی ﷺ ہے کہ جو میری امت پر نرمی اور شفقت کرے گا حق تعالیٰ اس پر رحم فرمائے گا۔

غلام اور آزاد کے لیے عورت کی تعداد

آزاد مرد کو جتنی عورتوں کے ساتھ بیک وقت نکاح کرنا درست ہے اس تعداد کے آدھے سے غلام کو نکاح کرنا درست ہے، یعنی آزاد کے لیے چار عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے اور غلام کے لیے دو سے، اگرچہ وہ غلام مدبر ہی کیوں نہ ہو اور اس سے زائد سے نکاح کرنا اس کے لیے منع ہے، لہٰذا غلام کے لیے لونڈیوں کا تصرف حلال نہیں ہے، اس لیے کہ وہ سوائے اپنی بیوی کے طلاق کے اور کسی کا مالک نہیں ہوتا ہے۔

حاملہ من الزنا سے نکاح اور وطی

زنا سے حاملہ عورت کے ساتھ نکاح درست ہے۔ زنا کے علاوہ سے جو حاملہ عورت ہے اس سے نکاح درست نہیں ہے۔ حاملہ من غیر الزنا عورت سے نکاح اس لیے درست ہے کہ اس کا نسب ثابت ہے، خواہ حربی کافر کا نسب ہو یا لونڈی کے ایسے مالک کا جو

خوداس کا اقرار کرتا ہو، لیکن زنا سے حاملہ عورت سے بعد نکاح اس وقت تک وطی اور وطی کے دواعی جیسے بوسہ وغیرہ حرام ہے جب تک اس کو بچہ پیدا نہ ہو جائے، تا کہ دوسرے کی کھیتی میں یا اپنے پانی سے سینچائی نہ کر سکے، کیونکہ اس حال میں وطی سے بال جمتے ہیں۔

یعنی اگر کوئی عورت زنا سے حاملہ ہے تو اس سے نکاح کرنا درست ہوگا، مگر وطی یا جو چیز وطی کی خواہش پیدا کرے جیسے بوسہ وغیرہ لینا اس وقت تک حرام ہوگا جب تک اس عورت کو بچہ پیدا نہ ہو جائے، تا کہ زنا سے حمل والے بچے میں دوسرے کی شرکت نہ ہو بلکہ وہ الگ تھلگ رہے، جب حاملہ کو زنا کا بچہ ہو چکے گا تو اب شوہر کو اس سے وطی کرنے کا اختیار ہے اور اس کے بعد جو بچہ پیدا ہوگا شوہر کا ہوگا۔

باقی جو عورت اپنے شوہر سے حاملہ ہو اور شوہر نے طلاق دے دی ہو، یا فوت ہو گیا ہو، تو ایسی حاملہ عورت کے ساتھ نکاح جائز نہیں ہے جب تک اس کو بچہ پیدا نہ ہو جائے۔

[فُرُوعٌ] لَوْ نَكَحَهَا الزَّانِي حَلَّ لَهُ وَطْؤُهَا اتِّفَاقًا وَالْوَلَدُ لَهُ وَلَزِمَهُ النَّفَقَةُ، وَلَوْ زَوَّجَ أَمَتَهُ أَوْ أُمَّ وَلَدِهِ الْحَامِلَ بَعْدَ عِلْمِهِ قَبْلَ إِقْرَارِهِ بِهِ جَازَ وَكَانَ نَفْيًا دَلَالَةً نَهْرٌ عَنِ التَّوْشِيحِ. (وَ) صَحَّ نِكَاحُ (الْمَوْطُوءَةِ بِمِلْكٍ) يَمِينٍ وَلَا يَسْتَبْرِئُهَا زَوْجُهَا - بَلْ سَيِّدُهَا وُجُوبًا عَلَى الصَّحِيحِ ذَخِيرَةٌ (أَوْ) الْمَوْطُوءَةِ (بِزِنًى) أَيْ جَازَ نِكَاحُ مَنْ رَآهَا تَزْنِي، وَلَهُ وَطْؤُهَا بِلَا اسْتِبْرَاءٍ، وَأَمَّا قَوْلُهُ تَعَالَى {وَالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَا إِلَّا زَانٍ} - فَمَنْسُوخٌ بِآيَةِ - {فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ} وَفِي آخِرِ حَظْرِ الْمُجْتَبَى لَا يَجِبُ عَلَى الزَّوْجِ تَطْلِيقُ الْفَاجِرَةِ وَلَا عَلَيْهَا تَسْرِيحُ الْفَاجِرِ إِلَّا إِذَا خَافَا أَنْ لَا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا بَأْسَ أَنْ يَتَفَرَّقَا، فَمَا فِي الْوَهْبَانِيَّةِ ضَعِيفٌ كَمَا بَسَطَهُ الْمُصَنِّفُ.

زانی کا زانیہ سے نکاح کے بعد وطی کی اجازت

اگر زنا والی حاملہ عورت سے خود زنا کرنے والے نے نکاح کیا ہے تو اس کے لیے وطی کرنا درست ہے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ اور اس حمل سے پیدا ہونے والے بچے کا نسب اسی زنا کرنے والے سے ثابت ہوگا جس نے زنا کے بعد نکاح کر لیا ہے اور اس بچے کا نفقہ بھی اسی پر واجب ہوگا۔

حاملہ لونڈی اور ام ولد کا نکاح

اگر کسی نے اپنی حاملہ لونڈی یا اپنی حاملہ ام ولد (لونڈی) کا اس کے حمل کے معلوم ہونے کے باوجود نکاح کر دیا تو یہ نکاح جائز ہوگا اور ولد کے نسب کی نفی ہوگی۔

موطوءہ لونڈی سے نکاح اور وطی بلا استبراء

اگر کوئی شخص اپنی اُس لونڈی کا نکاح کر دے جس سے وہ وطی کرتا تھا تو یہ نکاح جائز ہوگا (بشرطیکہ وہ حاملہ نہ ہو) اس سے

شادی کرنے والا شوہر استبراء نہیں کرے گا، یعنی اس سے وطی کرنے کے لیے یہ انتظار نہیں کرے گا کہ اس کو حیض آجائے تا کہ معلوم ہو جائے کہ اس کے آقا کا حمل نہیں ہے۔ البتہ امام محمد فرماتے ہیں کہ اس کے لیے یہ جاننا مستحب ہے کہ اس کو پہلے سے حمل نہیں ہے اور یہ معلوم ہوگا حیض آجانے کے بعد، لیکن اگر کوئی دوسرے کی لونڈی خریدے گا تو اس کے ساتھ وطی کرنے سے پہلے یہ جاننا واجب ہوگا کہ اس کو حمل نہیں ہے اور یہ معلوم ہوگا ایک حیض گذرنے سے، بلکہ اس آقا پر استبراء واجب ہے جو فروخت کر رہا ہے، یعنی وہ جب بیچنے کا ارادہ کرے تو حیض کا انتظار کرے اور حیض آجانے کے بعد اس کے ساتھ وطی نہ کرے، پھر اسی زمانہ میں فروخت کرے۔

اگر کسی نے عورت کو زنا کرتے دیکھا تو بھی اس کے لیے زانیہ سے نکاح کرنا درست ہے اور وہ وطی کے لیے رحم کے صاف ہونے کا انتظار نہیں کرے گا، البتہ حاملہ ہوگی تو یہ معلوم کرنا لازم ہوگا کہ وہ صاف ہو چکا ہے اور اب حمل باقی نہ رہا۔

غیر زانی کا زانیہ سے نکاح

قرآن پاک میں آیا ہے ﴿الزَّانِيَةُ لَا يَنكِحُهَا إِلَّا زَانٍ﴾ کہ زنا کار عورت سے صرف زانی ہی نکاح کرے گا۔ یہ آیت دوسری آیت ﴿فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ﴾ (تم کو جو عورت اچھی معلوم ہو اس سے نکاح کرو) سے منسوخ ہے۔ اس دوسری آیت میں کوئی شرط نہیں ہے۔ نسخ کی دلیل یہ بیان کی گئی ہے کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میری عورت کسی ہاتھ لگانے والے کا ہاتھ نہیں روکتی۔ آں حضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس کو طلاق دیدو۔ اس نے عرض کیا: وہ خوب صورت ہے، مجھے بہت پسند ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: پھر تم اس سے فائدہ اُٹھاتے رہو۔

بدکار عورت کو طلاق

مجتبیٰ نامی کتاب کے باب الحظر میں ہے کہ شوہر پر اپنی بدکار عورت کا طلاق دینا واجب نہیں ہے۔ اور نہ عورت پر واجب ہے کہ وہ اپنے بدکار شوہر کو چھوڑ دے، البتہ جب دونوں خطرہ محسوس کرنے لگیں کہ وہ حدود اللہ کو باقی نہ رکھ سکیں گے تو اس صورت میں باہم تفریق کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں، یعنی دونوں ایک دوسرے سے علیحدگی اختیار کر لیں، لہٰذا وہبانیہ نامی کتاب میں جو یہ آیا ہے کہ زانیہ سے شوہر کے لیے اُس وقت تک وطی حرام ہے جب تک حیض نہ آجائے یہ ضعیف روایت ہے، مصنفؒ نے اس کو اپنی شرح میں بسط و تفصیل سے بیان کیا ہے۔

(وَ) صَحَّ نِكَاحُ (الْمَضْمُومَةِ إِلَى مُحَرَّمَةٍ وَالْمُسَمّٰى) كُلُّهُ (لَهَا) وَلَوْ دَخَلَ بِالْمُحَرَّمَةِ فَلَهَا مَهْرُ الْمِثْلِ. (وَبَطَلَ نِكَاحُ مُتْعَةٍ، وَمُؤَقَّتٍ) ، وَإِنْ جُهِلَتْ الْمُدَّةُ أَوْ طَالَتْ فِي الْأَصَحِّ وَلَيْسَ مِنْهُ مَا لَوْ نَكَحَهَا عَلَى أَنْ يُطَلِّقَهَا بَعْدَ شَهْرٍ أَوْ نَوَى مُكْثَهُ مَعَهَا مُدَّةً مُعَيَّنَةً وَلَا بَأْسَ بِتَزَوُّجِ النَّهَارِيَّاتِ عِنْيٌّ

(وَ) يَحِلُّ (لَهُ وَطْءُ امْرَأَةٍ ادَّعَتْ عَلَيْهِ) عِنْدَ قَاضٍ (أَنَّهُ تَزَوَّجَهَا) بِنِكَاحٍ صَحِيحٍ (وَهِيَ) أَيْ وَالْحَالُ أَنَّهَا (مَحَلٌّ لِلْإِنْشَاءِ) أَيْ لِإِنْشَاءِ النِّكَاحِ خَالِيَةٌ عَنِ الْمَوَانِعِ (وَقَضَى الْقَاضِي بِنِكَاحِهَا بِبَيِّنَةٍ) أَقَامَتْهَا (وَلَمْ يَكُنْ فِي نَفْسِ الْأَمْرِ تَزَوَّجَهَا، وَكَذَا) تَحِلُّ لَهُ (لَوْ ادَّعَى هُوَ نِكَاحَهَا) خِلَافًا لَهُمَا، وَفِي الشُّرُنْبُلَالِيِّ عَنِ الْمَوَاهِبِ وَبِقَوْلِهِمَا يُفْتَى

حلال وحرام عورت سے ایک ساتھ نکاح

ایک جائز عورت ہو اور دوسری حرام عورت ہو اور ایک شخص دونوں سے ایک عقد میں نکاح کرے، تو جس عورت سے نکاح حلال ہے اس سے نکاح درست ہوگا اور جس سے نکاح حرام ہے اس سے نکاح باطل ہوگا۔ اور جو کچھ مہر متعین ہوا ہے وہ کل جائز عورت کا ہوگا۔ ہاں اگر اس نے اس عورت سے جس سے نکاح حرام تھا صحبت کر لی ہے تو اس کو مہر مثل ملے گا۔

نکاحِ متعہ

نکاحِ متعہ باطل ہے۔ متعہ یہ ہے کہ کوئی مرد کسی عورت سے متعین دنوں کے لیے ایک خاص مقدار مال کی مقرر کر کے نکاح کرے، مثلاً دس دنوں یا دو تین مہینے کے لئے۔ متعہ اسلام میں خیبر اور فتح مکہ کے موقع سے مباح ہوا تھا، جب لوگوں کا مجرد رہنا سخت مشکل ہو گیا تھا، لیکن فتح مکہ کے بعد متعہ کی حرمت کا مستقل طور پر اعلان کر دیا گیا اور بتا دیا گیا کہ یہ ہمیشہ کے لیے حرام قرار دیدیا گیا۔ مسلم میں روایت ہے کہ آں حضرت ﷺ نے فتح مکہ میں تین دنوں کے لیے متعہ کے مباح ہونے کا اعلان فرمایا تھا، پھر فرمایا: اے لوگو! میں نے تمہارے لیے متعہ کی اجازت دی تھی، اب اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لیے اس کو حرام قرار دیدیا ہے۔ صحابہ کرامؓ کا متعہ کی حرمت پر اجماع ہے اب جو اس کو حلال جانے وہ کافر کے حکم میں ہے۔

نکاحِ موقت

نکاح موقت بھی حرام اور باطل ہے، اگرچہ مدت مجہول اور لمبی ہو۔ اس نکاح میں وقت متعین ہوتا ہے کہ اتنے دن کے لیے ہے۔ متعہ اور موقت میں یہ فرق بیان کیا گیا ہے کہ متعہ میں لفظ "متعہ" کا بولا جانا ضروری ہے۔ اور موقت میں نکاح وغیرہ کے الفاظ بولے جاتے ہیں، پھر متعہ میں مہر کی مالیت کی تعیین ضروری ہے موقت میں ضروری نہیں۔ اسی طرح متعہ میں گواہ شرط نہیں ہے موقت میں گواہ کا ہونا شرط ہے۔

اگر کسی نے عورت سے نکاح اس شرط پر کیا کہ وہ اس کو ایک مہینہ کے بعد طلاق دے دیگا، تو یہ نکاح موقت نہیں ہوگا؛ بلکہ طلاق کی شرط باطل ہو جائے گی اور نکاح درست ہوگا۔ یا کسی نے نکاح میں یہ نیت کی کہ اتنی مدت تک بیوی کے ساتھ رہے گا تو یہ نکاح بھی نکاحِ موقت میں داخل نہیں ہوگا۔

نکاحِ نہاریات

نہاریات کے نکاح میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، کذا فی العینی۔ نہاریات اس نکاح کو کہتے ہیں جس میں شوہر عورت کے پاس دن میں رہے اور رات میں نہ رہے۔

غلط طور پر نکاح ثابت کرنا

ایک عورت نے قاضی کے پاس ایک مرد پر دعویٰ کیا کہ اس نے اس سے صحیح طور پر نکاح کیا ہے اور وہ عورت نکاح کی محل تھی، یعنی اس سے نکاح کرنا اس مرد کے لیے حلال تھا اور کوئی مانع بھی نکاح کا نہیں پایا جارہا تھا، یعنی اس عورت سے مرد کا کوئی ایسا رشتہ نہیں تھا جس سے حرمت ثابت ہوتی ہو اور نہ وہ کسی غیر کی منکوحہ تھی اور نہ کسی معتدہ۔

قاضی کے فیصلے کے بعد وطی

پھر عورت نے اپنے اس دعویٰ نکاح پر ثبوت (گواہوں کی گواہی) قاضی کے پاس پیش کردی۔ قاضی نے ثبوتِ شرعی کے پیش ہونے کی وجہ سے اس کے نکاح کا فیصلہ کردیا اور حال یہ تھا کہ حقیقت میں مرد نے اس عورت سے نکاح نہیں کیا تھا، مدعیہ اور گواہان سب جھوٹے تھے، لیکن یہ بات قاضی کو معلوم نہیں ہوسکی، ظاہری ثبوت پر اس نے فیصلہ دیدیا۔

اس صورت میں مرد کا اس عورت سے وطی کرنا جائز و درست ہوگا اور قاضی کا فیصلہ نکاح کے حکم میں سمجھا جائے گا اور مرد پر عورت کا نان و نفقہ واجب ہوگا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے روبرو ایک مرد نے ایک عورت سے اپنا نکاح کرنا گواہوں کے ذریعہ ثابت کردیا، لیکن حقیقت میں نکاح نہیں ہوا تھا۔ عورت نے کہا کہ مرد کا دعویٰ غلط اور جھوٹا ہے، اگر آپ کا یہی حکم ہے تو میرا باضابطہ اس سے نکاح کردیں، تاکہ وطی حلال ہوجائے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ دونوں گواہوں نے تمہاری شادی اس کے ساتھ کردی اب نکاح کی ضرورت نہیں ہے، یعنی نکاح نہیں تھا تو بھی گواہوں کی گواہی کے بعد نکاح ہوگیا۔

اسی طرح اگر خود مرد نے عورت کے ساتھ نکاح کا دعویٰ کیا اور گواہوں کی گواہی گزرنے کے بعد قاضی نے فیصلہ مرد کے حق میں دیدیا تو مرد کے لیے اس عورت سے وطی کرنا درست ہے۔

البتہ پہلی صورت میں جب کہ عورت نے غلط دعویٰ کرکے نکاح ثابت کیا تھا عورت گنہگار ہوگی۔ اور دوسری صورت میں غلط دعویٰ اور ثبوت پر مرد گنہگار ہوگا۔ صاحبینؒ ان صورتوں میں وطی کے حلال ہونے میں خلاف ہیں وہ فرماتے ہیں کہ بغیر جدید نکاح کے وطی حلال نہیں ہے۔ شرنبلالیہ میں مواہب سے فتویٰ صاحبینؒ کے قول پر نقل کیا ہے، احتیاط اسی میں ہے کہ وطی نہ کی جائے، لیکن ظاہر میں قاضی کا فیصلہ نافذ ہوگا۔ واللہ اعلم

(وَلَوْ قَضَى بِطَلَاقِهَا بِشَهَادَةِ الزُّورِ مَعَ عِلْمِهَا) بِذَلِكَ نَفَذَ، وَ (حَلَّ لَهَا التَّزَوُّجُ بِآخَرَ بَعْدَ الْعِدَّةِ وَحَلَّ لِلشَّاهِدِ) زُورًا (تَزَوُّجُهَا وَحَرُمَتْ عَلَى الْأَوَّلِ) وَعِنْدَ الثَّانِي لَا تَحِلُّ لَهُمَا، وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ تَحِلُّ لِلْأَوَّلِ مَا لَمْ يَدْخُلِ الثَّانِي وَهِيَ مِنْ فُرُوعِ الْقَضَاءِ بِشَهَادَةِ الزُّورِ كَمَا سَيَجِيءُ (وَالنِّكَاحُ لَا يَصِحُّ تَعْلِيقُهُ بِالشَّرْطِ) كَتَزَوَّجْتُكِ إِنْ رَضِيَ أَبِي لَمْ يَنْعَقِدِ النِّكَاحُ لِتَعْلِيقِهِ بِالْخَطَرِ كَمَا فِي الْعِمَادِيَّةِ وَغَيْرِهَا، فَمَا فِي الدُّرَرِ فِيهِ نَظَرٌ (وَلَا إِضَافَتُهُ إِلَى الْمُسْتَقْبَلِ) كَتَزَوَّجْتُكِ غَدًا أَوْ بَعْدَ غَدٍ لَمْ يَصِحَّ

ثبوت پاکر قاضی کا فیصلۂ طلاق

اگر قاضی نے شرعی گواہی پیش ہونے کی وجہ سے عورت کے طلاق کا فیصلہ کر دیا تو یہ فیصلہ نافذ ہوگا اور عورت کے لیے دوسرا نکاح کرنا درست ہوگا، حالاں کہ عورت کے علم میں تھا کہ اس نے جو گواہی پیش کی ہے وہ جھوٹی تھی کو قاضی پر وہ جھوٹ ظاہر نہیں ہوسکا تھا۔

خود جھوٹی گواہی دینے والے کے لیے بھی اس عورت سے نکاح کر لینا درست ہوگا، کیونکہ قاضی کا فیصلۂ طلاق ظاہر و باطن دونوں میں نافذ ہو چکا ہے اور اس فیصلہ کی وجہ سے عورت پہلے شوہر پر حرام ہو چکی ہے۔ امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ عورت ان دونوں شوہروں میں سے کسی کے لیے حلال نہیں۔ اور امام محمدؒ کا قول یہ ہے کہ پہلے شوہر کے لیے اس وقت تک حلال ہے جب تک شوہر ثانی نے اس عورت سے صحبت نہ کی ہو۔ اور اگر اس نے صحبت کر لی ہے تو پہلے شوہر پر حرام ہوگئی، کیونکہ اس سے اس پر عدت واجب ہوگئی۔ اور یہ فیصلہ نکاح اور طلاق کا شہادت زور سے متعلق ہے۔

نکاحِ معلّق

نکاح کا کسی شرط کے ساتھ معلق کرنا صحیح نہیں ہے، جیسے کوئی شخص کہے کہ میں نے تجھ سے نکاح کیا اگر میرا باپ راضی ہوگا۔ دوسرے نے کہا: میں نے قبول کیا، تو اس ایجاب وقبول سے نکاح منعقد نہیں ہوگا، کیونکہ یہ خطرہ کے ساتھ معلق رہا۔ ہوسکتا ہے کہ باپ راضی ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ باپ راضی نہ ہو، چنانچہ یہ مسئلہ عمادیہ وغیرہ میں موجود ہے۔

اور دُرَر میں اس کا جائز ہونا جو لکھا گیا ہے اس میں شک ہے۔ دُرر میں ہے کہ اگر کسی نے معلق طور پر نکاح کیا تو تعلیق باطل ہو جائے گی اور نکاح منعقد ہو جائے گا۔

اسی طرح نکاح کا مستقبل کی طرف منسوب کرنا بھی صحیح نہیں ہے جیسے کوئی کہے کہ میں نے تجھ سے آئندہ کل میں نکاح کیا، یا آئندہ پرسوں میں نکاح کیا تو یہ نکاح صحیح نہیں ہوگا۔

(وَلَكِنْ لَا يَبْطُلُ) النِّكَاحُ (بِالشَّرْطِ الْفَاسِدِ وَ) إِنَّمَا (يَبْطُلُ الشَّرْطُ دُونَهُ) يَعْنِي لَوْ عَقَدَ مَعَ شَرْطٍ

فَاسِدٍ لَمْ يَبْطُلِ النِّكَاحُ بَلِ الشَّرْطُ بِخِلَافِ مَا لَوْ عَلَّقَهُ بِالشَّرْطِ (إِلَّا أَنْ يُعَلِّقَهُ بِشَرْطٍ) مَاضٍ (كَائِنٍ) لَا مَحَالَةَ (فَيَكُونُ تَحْقِيقًا) فَيَنْعَقِدُ فِي الْحَالِ كَأَنْ خَطَبَ بِنْتًا لِابْنِهِ فَقَالَ أَبُوهَا زَوَّجْتُهَا قَبْلَكَ مِنْ فُلَانٍ فَكَذَّبَهُ فَقَالَ إِنْ لَمْ أَكُنْ زَوَّجْتُهَا لِفُلَانٍ فَقَدْ زَوَّجْتُهَا لِابْنِكَ فَقَبِلَ ثُمَّ عَلِمَ كَذِبَهُ انْعَقَدَ لِتَعْلِيقِهِ بِمَوْجُودٍ، وَكَذَا إِذَا وُجِدَ الْمُعَلَّقُ عَلَيْهِ فِي الْمَجْلِسِ، كَذَا ذَكَرَهُ خُوَاهَرْ زَادَهْ وَعَمَّمَهُ الْمُصَنِّفُ بَحْثًا لَكِنْ فِي النَّهْرِ قُبَيْلَ كِتَابِ الصَّرْفِ فِي مَسْأَلَةِ التَّعْلِيقِ بِرِضَا الْأَبِ وَالْحَقُّ الْإِطْلَاقُ فَلْيَتَأَمَّلِ الْمُفْتِي.

نکاح میں شرطِ فاسد

لیکن یہ بھی طے ہے کہ شرطِ فاسد کی وجہ سے نکاح باطل نہیں ہوتا ہے، جیسے کوئی شخص کہے کہ میں نے تجھ سے اس شرط کے ساتھ نکاح کیا کہ میں تجھے مہر نہیں دوں گا، یا اس شرط پر کہ مجھ سے اپنا نفقہ طلب نہ کرے۔ اگر کوئی اس طرح کی شرطِ فاسد کے ساتھ نکاح کرے گا تو شرط فاسد باطل ہو جائے گی مگر نکاح باطل نہیں ہوگا، وہ باقی رہے گا۔ اس کے خلاف اگر کسی نے نکاح کو شرط پر معلق کیا ہے تو وہاں شرط بھی باطل ہوگی اور نکاح بھی باطل ہوگا۔

معلق نکاح اور مشروط بشرط فاسد نکاح میں فرق

معلق علی الشرط کا مطلب یہ ہے کہ جس چیز کے پائے جانے کا احتمال ہے مگر وہ موجود نہیں ہے نکاح کا اس پر معلق کرنا، جیسے اس شرط پر نکاح کرنا کہ اگر فلاں راضی ہوا، یا اگر کل بارش ہوئی، یا فلاں مر گیا۔ اور مشروط بشرط فاسد سے مراد یہ ہے کہ نکاح میں لوازمِ نکاح کے مخالف چیزوں کی شرط لگا دینا جیسے مہر نہیں دیں گے، یا نفقہ خود عورت برداشت کرے گی۔

البتہ وہ معلق نکاح درست ہو جاتا ہے جس کو گذشتہ زمانہ کی موجود چیز پر معلق کیا گیا ہو اور اس کے ماضی میں پائے جانے میں کوئی تردد نہ رہا ہو، یا وہ اس وقت فوراً موجود ہو گیا ہو جیسے کسی نے کہا کہ میں نے تجھ سے نکاح کیا زید کے آنے پر اور دوسرے نے قبول کیا اور اسی وقت زید آ گیا تو نکاح ہو جائے گا۔

موجود چیز پر معلق کرنا

جب موجود شرط پر معلق کر کے نکاح کیا گیا تو وہ نکاح اسی وقت ہو گیا معلق نہیں رہا، جیسے ایک شخص نے اپنے بیٹے کے لئے ایک لڑکی سے نکاح کا پیغام دیا، یا اس سے منگنی کی، لڑکی کے باپ نے کہا کہ میں اس لڑکی کا نکاح تمہارے کہنے سے پہلے فلاں سے کر چکا ہوں، لڑکے والے نے اس کے قول کی تکذیب کی کہ ایسا نہیں ہوا ہے، یہ سن کر لڑکی کے باپ نے کہا اگر میں نے فلاں سے اپنی اس لڑکی کا نکاح نہیں کیا ہو تو یقین کرو کہ میں نے اس کا نکاح تمہارے بیٹے کے ساتھ کر دیا اور لڑکے والے نے اپنے

بیٹے کے لئے اس نکاح کو قبول کرلیا، پھر معلوم ہوا کہ وہ پہلے جھوٹ بولا تھا، یا خود اسی نے اس کو ظاہر کیا، یا جس سے نکاح کرنا بتایا تھا اس نے بتایا کہ انھوں نے جھوٹ کہا تھا، اس صورت میں یہ نکاح ہوگیا، کیونکہ اس نے نکاح کو ایک موجود شرط پر متعلق کیا تھا، تو گویا یہ نکاح معلق نہیں رہا بلکہ محقق ہوگیا۔

اسی طرح وہ نکاح بھی صحیح ہوجاتا ہے جب وہ چیز ایجاب وقبول کی مجلس میں موجود ہو جس پر تعلیق کی ہے، جیسا کہ خواہر زادہ نے ذکر کیا ہے۔ اور مصنف نے اس کو اپنی شرح میں عام رکھا ہے (اس میں انھوں نے عمادیہ سے نقل کیا ہے کہ اگر کسی نے کہا کہ میں نے تجھ سے ہزار درہم پر اگر فلاں شخص راضی ہو نکاح کیا، جس شخص پر معلق کیا تھا وہ مجلس نکاح میں حاضر تھا، سن کر بولا: میں راضی ہوا، تو نکاح صحیح ہوگیا، البتہ اگر وہ حاضر نہ ہوگا تو نکاح نہیں ہوگا۔

اس کا خلاصہ یہ ہوا کہ جس شخص پر نکاح معلق کیا ہے اگر وہ مجلس نکاح میں موجود ہے اور اپنی رضا اسی وقت ظاہر کررہا ہے تو نکاح ہوجائے گا ورنہ نہیں، صرف حاضر رہنا کافی نہیں ہے، اسی طرح مجلس کے بعد اجازت دینا بھی کافی نہیں۔

النہر الفائق میں کتاب الصرف سے ذرا پہلے باپ کی رضامندی سے متعلق مسئلہ تعلیق میں لکھا ہے کہ تعلیق علی الاطلاق صحیح نہیں ہے، خواہ باپ مجلس میں حاضر ہو اور رضا کا اظہار کرے، یا عدم رضا کا اور جس پر معلق کیا ہے وہ خواہ باپ ہو یا اجنبی کسی طرح نکاح صحیح نہیں۔ اس اطلاق کو صاحب نہر نے خانیہ سے نقل کیا ہے، لہٰذا مفتی کو چاہئے کہ اس مسئلہ کے بیان کرنے میں غور وفکر سے کام لے، کیونکہ فتاویٰ خانیہ معتمد کتاب ہے۔

بَابُ الْوَلِيِّ

ولی سے متعلق احکام ومسائل

(هُوَ) لُغَةً: خِلَافُ الْعَدُوِّ. وَعُرْفًا: الْعَارِفُ بِاللّٰهِ تَعَالَى وَشَرْعًا: (الْبَالِغُ الْعَاقِلُ الْوَارِثُ) وَلَوْ فَاسِقًا عَلَى الْمَذْهَبِ مَا لَمْ يَكُنْ مُتَهَتِّكًا، وَخَرَجَ نَحْوُ صَبِيٍّ وَوَصِيٍّ مُطْلَقًا عَلَى الْمَذْهَبِ (وَالْوِلَايَةُ تَنْفِيذُ الْقَوْلِ عَلَى الْغَيْرِ) تَثْبُتُ بِأَرْبَعٍ: قَرَابَةٌ، وَمِلْكٌ، وَوَلَاءٌ، وَإِمَامَةٌ (شَاءَ أَوْ أَبَى) وَهِيَ هُنَا نَوْعَانِ: وِلَايَةُ نَدْبٍ عَلَى الْمُكَلَّفَةِ وَلَوْ بِكْرًا وَوِلَايَةُ إِجْبَارٍ عَلَى الصَّغِيرَةِ وَلَوْ ثَيِّبًا وَمَعْتُوهَةٍ وَمَرْقُوقَةٍ كَمَا أَفَادَهُ بِقَوْلِهِ (وَهُوَ) أَيِ الْوَلِيُّ (شَرْطٌ) صِحَّةِ (نِكَاحِ صَغِيرٍ وَمَجْنُونٍ وَرَقِيقٍ) لَا مُكَلَّفَةٍ (فَنَفَذَ نِكَاحُ حُرَّةٍ مُكَلَّفَةٍ (بِلَا) رِضَا (وَلِيٍّ) وَالْأَصْلُ أَنَّ كُلَّ مَنْ تَصَرَّفَ فِي مَالِهِ تَصَرَّفَ فِي نَفْسِهِ وَمَا لَا فَلَا (وَلَهُ) أَيْ لِلْوَلِيِّ (إِذَا كَانَ عَصَبَةً) وَلَوْ غَيْرَ مُحْرِمٍ كَابْنِ عَمٍّ فِي الْأَصَحِّ خَانِيَّةٌ، وَخَرَجَ ذَوُو الْأَرْحَامِ وَالْأُمُّ وَالْقَاضِي (الِاعْتِرَاضُ فِي غَيْرِ الْكُفْءِ) فَيَفْسَخُهُ الْقَاضِي وَيَتَجَدَّدُ بِتَجَدُّدِ النِّكَاحِ

(مَا لَمْ) يَسْكُتْ حَتَّى (تَلِدَ مِنْهُ) لِئَلَّا يَضِيعَ الْوَلَدُ وَيَنْبَغِي إِلْحَاقُ الْحَبَلِ الظَّاهِرِ بِهِ (وَيُفْتَى) فِي غَيْرِ الْكُفْءِ (بِعَدَمِ جَوَازِهِ أَصْلًا) وَهُوَ الْمُخْتَارُ لِلْفَتْوَى (لِفَسَادِ الزَّمَانِ) فَلَا تَحِلُّ مُطَلَّقَةٌ ثَلَاثًا نَكَحَتْ غَيْرَ كُفْءٍ بِلَا رِضَا وَلِيٍّ بَعْدَ مَعْرِفَتِهِ إِيَّاهُ فَلْيُحْفَظْ (وَ) بِنَاءً (عَلَى الْأَوَّلِ) وَهُوَ ظَاهِرُ الرِّوَايَةِ (فَرِضَى الْبَعْضِ) مِنَ الْأَوْلِيَاءِ قَبْلَ الْعَقْدِ أَوْ بَعْدَهُ (كَالْكُلِّ) لِثُبُوتِهِ لِكُلٍّ كَمَلًا كَوِلَايَةِ أَمَانٍ وَقَوَدٍ وَسَتَحَقُّقُهُ فِي الْوَقْفِ (لَوِ اسْتَوَوْا فِي الدَّرَجَةِ وَإِلَّا فَلِلْأَقْرَبِ) مِنْهُمْ (حَقُّ الْفَسْخِ

شرعاً کون شخص ولی بن سکتا ہے؟

لفظ "ولی" لغت میں دوست کے معنی میں ہے اور "دشمن" کے مقابلے میں بولا جاتا ہے۔ اور عرف میں عارف باللہ کو کہتے ہیں۔ اور شریعت کی اصطلاح میں "ولی" اس عاقل بالغ کو کہتے ہیں جو کسی کا وارث ہو، چاہے وہ فاسق ہی کیوں نہ ہو، یہی صحیح مذہب ہے؛ لیکن اس کے ساتھ یہ شرط ہے کہ وہ علانیہ طور سے کھلم کھلا حرمت کی خلاف ورزی نہ کرتا ہو۔ ولی کی اس تعریف سے نابالغ، دیوانہ اور وصی نکل گیا۔ نابالغ اس لئے کہ وہ بالغ نہیں ہے۔ دیوانہ اور بے ہوش اس وجہ سے کہ ان کے عقل نہیں ہوتی ہے اور وصی اس وجہ سے کیوں کہ وہ وارث نہیں ہوتا اور اس کو صحیح مذہب کی بنیاد پر مطلقاً نکاح کی ولایت حاصل نہیں ہوتی، خواہ باپ نے اس کو نکاح کر دینے کی وصیت کی ہو یا نہ کی ہو۔ اسی طرح وارث کی قید سے کافر اور غلام بھی نکل گئے، لہٰذا کافر اپنے مسلمان بیٹے کا اور غلام اپنے آقا کا ولی نہیں ہو سکتا۔

ولایت کس کو کہتے ہیں؟

ولایت کہتے ہیں اپنی بات کو دوسرے پر نافذ کرنا؛ خواہ وہ راضی ہو یا راضی نہ ہو۔ اور یہ ولایت چار اسباب میں سے کسی ایک سبب سے حاصل ہوتی ہے: (۱) قرابت سے، جیسے باپ اپنی نابالغہ بیٹی کا نکاح کرے۔ (۲) مِلک، جیسے آقا اپنے غلام یا لونڈی کا نکاح کرے۔ (۳) آزاد کرنے کی بناء پر ولایت، جیسے آقا آزاد غلام کا نکاح کر دے۔ (۴) امامت، جیسے کسی لاوارث کا بادشاہ یا قاضی نکاح کر دے۔

ولایت کی کتنی قسمیں ہیں؟

اس ولایتِ نکاح کی دو قسمیں ہیں: (۱) ولایتِ مستحب، جیسے عاقلہ بالغہ لڑکی کا نکاح اس کا باپ کرے، خواہ کنواری ہو، یا بیوہ یا مطلقہ۔ بالغہ لڑکی پر باپ کو جبر کا قطعاً حق نہیں ہے، لیکن مناسب یہ ہے کہ بالغہ اپنے نکاح کا معاملہ اپنے ولی کے ذریعہ طے کرائے تاکہ وہ بے حیائی کی طرف منسوب نہ کی جاسکے۔ (۲) ولایتِ اجبار، یہ وہ ولایت ہے جو باپ اور دوسرے ولی کو نابالغہ پر حاصل ہوتی ہے چاہے وہ کنواری نہ ہو، اسی طرح بالغہ، مدہوش و پاگل پر۔ اسی طرح باندی پر ولایتِ اجبار حاصل ہوتی ہے،

یعنی اگر آقا اپنی باندی کا نکاح کر دے گا تو وہ نکاح نافذ ہو جائے گا۔

آزاد عاقل و بالغ پر ولایت اِجبار نہیں ہے

ولایت اجبار کو مصنف علیہ الرحمہ نے اس طرح بیان کیا ہے کہ نابالغ لڑکا لڑکی اور پاگل بالغ اور غلام کے نکاح کے لئے ولی شرط ہے، البتہ آزاد عاقل و بالغ کے نکاح کے لئے ولی شرط نہیں ہے، چنانچہ اگر کوئی بالغ لڑکا لڑکی اپنا نکاح بطور خود ولی کی رضامندی کے بغیر کر لے تو وہ نکاح نافذ ہوگا، احناف کا یہی مذہب ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "الأَيِّمُ أَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا"۔ بے شوہر والی عورت ولی کے مقابلے میں خود اپنی ذات کی زیادہ مستحق ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بالغہ پر ولی کو حق جبر حاصل نہیں ہے۔

اس باب میں ایک قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جو اپنے مال میں تصرف کا حق رکھتا ہے وہ اپنی ذات میں بھی تصرف کا حق رکھتا ہے اور جو اپنے مال میں تصرف کا حق نہیں رکھتا وہ اپنے نفس میں بھی تصرف کا حق نہیں رکھتا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ عاقلہ بالغہ اپنے مال میں تصرف کا حق رکھتی ہے، لہٰذا وہ اپنی ذات کے سلسلے میں بھی تصرف کا پورا پورا حق رکھے گی، لہٰذا وہ اپنا نکاح بغیر ولی کی اجازت کے بھی اپنی مرضی سے کر سکتی ہے۔

ولی کو حق اعتراض ہے یا نہیں؟

ولی جو عصبہ بنفسہ ہے خواہ وہ محرم نہ ہو، جیسے چچا کا لڑکا، غیر کفو میں نکاح کرنے کی صورت میں اسے اعتراض کرنے کا حق ہوگا کہ وہ قاضی کے پاس درخواست دے کر نکاح کو فسخ کرا دے۔ عصبہ کی قید لگنے سے ذوی الارحام نکل گئے اور قاضی اور ماں بھی، ان کو اعتراض کا حق حاصل نہیں ہے کیونکہ یہ عصبہ بنفسہ میں داخل نہیں ہیں۔

فسخِ نکاح

اور نکاح کے تجدد سے فسخ نکاح کا تجدد پایا جائے گا، مثلاً ولی نے عورت کا نکاح عورت کی اجازت سے غیر کفو میں کر دیا پھر عورت نے ولی کی مرضی کے بغیر اسی غیر کفو شوہر سے نکاح کر لیا، تو اس صورت میں بھی ولی کو تفریق کا حق حاصل ہوگا، کیونکہ پہلے نکاح کی رضامندی سے دوسرے نکاح سے راضی ہونا لازم نہیں آتا ہے، جب تک ولی نے سکوت اختیار نہیں کیا ہو قاضی نکاح فسخ کر سکتا ہے۔

فسخ نکاح کی مدت

مگر اس وقت تک قاضی کو فسخ کا اختیار ہوگا جب تک اس غیر کفو والے شوہر سے بچہ پیدا نہیں ہوا ہے۔ اگر نکاح کے بعد بچہ پیدا ہو گیا تو پھر ولی کو اعتراض کا حق باقی نہیں رہے گا۔ اور اس میں مصلحت یہ ہے کہ لڑکا ضائع نہ ہونے پائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب تک قاضی تفریق نہ کر دے ولی کو جدا کرنے کا حق نہیں ہے اور تفریق سے پہلے تک نکاح کے تمام احکام اِرث اور طلاق وغیرہ

ثابت رہیں گے، لہٰذا اگر تفریق خلوتِ صحیحہ اور دخول کے بعد ہوئی ہے تو عورت کو مہرِ معین ملے گا اور اس پر عدت بھی واجب ہوگی۔ اور اگر تفریق دخول اور صحبت سے پہلے ہوئی ہے تو بیوی کو مہر نہیں ملے گا، اس واسطے کہ یہ جدائی شوہر کی طرف سے نہیں ہوئی۔

غیر کفو میں شادی

اگر عورت نے غیر کفو میں شادی کی اور ولی خاموش رہا، یہاں تک کہ عورت حاملہ ہوگئی تو اب فسخ کا حق جاتا رہا، عورت کا ولی کی مرضی کے خلاف غیر کفو میں نکاح کرنا قطعاً ناجائز ہے، اسی پر فتویٰ دیا گیا ہے اور فتویٰ دینے کے لئے اسی روایت کو پسندیدہ قرار دیا گیا ہے۔ حسن بن زیادؒ نے امام اعظمؒ سے روایت نقل کی ہے کہ اگر بالغہ نے شادی کی اور اس کا شوہر ہم کفو ہے تو بغیر ولی نکاح درست ہے اور وہ نکاح نافذ ہوگا اور اگر غیر کفو ہے تو نکاح نافذ نہیں ہوگا، اکثر مشائخ نے اسی روایت کو اختیار کیا ہے۔ اور ناجائز ہونے کا فتویٰ زمانہ کے فساد کی وجہ سے دیا گیا ہے، کیونکہ نہ تو ہر بالغہ حیادار اور باشرم ہے اور نہ ہی ہر قاضی عادل اور نہ ہی ہر ولی کو سلیقہ آتا ہے۔

مطلقہ ثلاثہ کا غیر کفو میں شادی کرنا

جس عورت کو اس کے شوہر نے تین طلاقیں دے دی ہوں اگر وہ اس طلاقِ ثلاثہ کے بعد کسی غیر کفو میں ولی کی مرضی کے خلاف شادی کرلے گی اور وہ طلاق دے دیگا یا مر جائے گا تو یہ عورت پہلے شوہر کے لئے جائز نہیں ہوگی۔ اگر اس عورت کا کوئی ولی نہیں ہے یا ولی تھا اور اس نے غیر کفو میں شادی کی اجازت دیدی ہے تو یہ پہلے شوہر کے لئے جائز ہوجائے گی۔ بعض لوگوں نے امام اعظمؒ کے قول پر فتویٰ دیا ہے کہ بالغہ عاقلہ اگر غیر کفو میں شادی کرلے گی تو وہ جائز ہوگی، ظاہر الروایہ کے مطابق ولیوں میں سے بعض کا عقد سے پہلے یا بعد راضی ہونا تمام کے راضی ہونے کے حکم میں ہے، اس لئے کہ ولایت کا ہر ایک کو پورا حق حاصل ہے، لہٰذا جب ایک بھی راضی ہوگیا تو باقی کو اعتراض کا حق باقی نہیں رہ جاتا، جیسا کہ امان اور قصاص کے باب میں حکم ہے، یعنی اگر ایک مسلمان نے بھی کسی حربی کو امان دیدی ہے تو دوسرے مسلمان اس کو نہیں چھیڑ سکتے، یا اگر ایک ولی نے قصاص معاف کردیا ہے تو بقیہ اولیاء کو قصاص کا حق باقی نہیں رہتا۔

قریب ترین ولی کا حق

ایک ولی کی رضامندی سب کی رضامندی کے برابر اس وقت ہے جب سب درجہ میں برابر ہوں۔ اور اگر اولیاء درجہ میں برابر نہ ہوں ایک زیادہ قریب ہو، جیسے باپ اور دوسرا اس کی بہ نسبت ولی بعید ہو جیسے بھائی، تو ان اولیاء میں قریب ترین کو فسخ کا حق ہوتا ہے، مثلاً بھائی نے نکاح کردیا تو باپ اسے فسخ کرسکتا ہے۔

وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهَا وَلِيٌّ فَهُوَ) أَيْ الْعَقْدُ (صَحِيحٌ) نَافِذٌ (مُطْلَقًا) اتِّفَاقًا (وَقَبْضُهُ) أَيْ وَلِيٍّ لَهُ حَقُّ الِاعْتِرَاضِ (الْمَهْرَ وَنَحْوَهُ) مِمَّا يَدُلُّ عَلَى الرِّضَا (رِضًا) دَلَالَةً إنْ كَانَ عَدَمُ الْكَفَاءَةِ ثَابِتًا عِنْدَ الْقَاضِي قَبْلَ مُخَاصَمَتِهِ وَإِلَّا لَمْ يَكُنْ رِضًا كَمَا (لَا) يَكُونُ (سُكُوتُهُ) رِضًا مَا لَمْ تَلِدْ، وَأَمَّا تَصْدِيقُهُ بِأَنَّهُ كُفْءٌ، فَلَا يُسْقِطُ حَقَّ الْبَاقِينَ مَبْسُوطٌ (وَلَا تُجْبَرُ الْبَالِغَةُ الْبِكْرُ عَلَى النِّكَاحِ) لِانْقِطَاعِ الْوِلَايَةِ بِالْبُلُوغِ (فَإِنْ اسْتَأْذَنَهَا هُوَ) أَيْ الْوَلِيُّ وَهُوَ السُّنَّةُ (أَوْ وَكِيلُهُ أَوْ رَسُولُهُ أَوْ زَوَّجَهَا) وَلِيُّهَا وَأَخْبَرَهَا رَسُولُهُ أَوْ الْفُضُولِيُّ عَدْلٌ (فَسَكَتَتْ) عَنْ رَدِّهِ مُخْتَارَةً (أَوْ ضَحِكَتْ غَيْرَ مُسْتَهْزِئَةٍ أَوْ تَبَسَّمَتْ أَوْ بَكَتْ بِلَا صَوْتٍ) فَلَوْ بِصَوْتٍ لَمْ يَكُنْ إذْنًا وَلَا رَدًّا حَتَّى لَوْ رَضِيَتْ بَعْدَهُ انْعَقَدَ مِعْرَاجٌ وَغَيْرُهُ، فَمَا فِي الْوِقَايَةِ وَالْمُلْتَقَى فِيهِ نَظَرٌ (فَهُوَ إذْنٌ) أَيْ تَوْكِيلٌ فِي الْأَوَّلِ إنْ اتَّحَدَ الْوَلِيُّ، فَلَوْ تَعَدَّدَ الْمُزَوِّجُ لَمْ يَكُنْ سُكُوتُهَا إذْنًا، وَإِجَازَةٌ فِي الثَّانِي إنْ بَقِيَ النِّكَاحُ لَا لَوْ بَطَلَ بِمَوْتِهِ

جس کا کوئی ولی نہ ہو

اگر عاقلہ بالغہ لڑکی کا کوئی ولی نہ ہو تو اس کا خود کیا ہوا نکاح متفقہ طور پر درست ہوگا اور وہ نکاح نافذ ہوگا، خواہ لڑکی نے کفو میں نکاح کیا ہو یا غیر کفو میں کیا ہو، بہر صورت اس کا خود کا کیا ہوا نکاح نافذ ہوگا، فتویٰ بھی اسی قول پر ہے۔

ولی کی رضامندی

حضرت مصنفؒ فرماتے ہیں کہ جس ولی کو حق اعتراض شرعی اعتبار سے حاصل ہے اس کا مہر پر قبضہ کرنا یا ایسا کام کرنا جس سے اس کی رضامندی ظاہر ہوتی ہو، جیسے کہ خوشی سے تحفہ وغیرہ قبول کرنا یہ دلالت حال کی وجہ سے ولی کی رضامندی کے حکم میں ہے، بشرطیکہ قاضی کی عدالت میں مقدمہ دائر کرنے سے پہلے کفو نہ ہونا ثابت ہو چکا ہو اور عند القاضی پہلے سے ہم کفو ہونا ثابت نہ تھا، ولی کا مہر وغیرہ پر قبضہ کرنا رضامندی کی دلیل نہ ہوگی، جس طرح ولی کا خاموش رہنا رضامندی کی دلیل نہیں سمجھی جاتی ہے، ہاں اگر ولی اس وقت تک خاموش رہا کہ عورت کا بچہ پیدا ہوگیا تو رضامندی کے درجے میں ہوگا اور تمام ولیوں میں سے صرف ایک ولی کا یہ تصدیق کرنا کہ شوہر ہم کفو ہے بقیہ اولیاء کے حق اعتراض کو ساقط نہیں کرتا ہے۔

باکرہ بالغہ کی رضامندی کی صورتیں

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جو عورت کنواری اور بالغہ ہے اس کو اس کا ولی نکاح پر مجبور نہیں کر سکتا ہے، کیونکہ بلوغ کے بعد ولی کی ولایت کا حق ختم ہو جاتا ہے۔ اگر ولی نے بالغہ لڑکی سے نکاح کی اجازت چاہی (اور ولی کا ہی اجازت چاہنا سنت ہے) یا ولی کے وکیل نے اجازت طلب کی، یا اس کے قاصد نے اجازت چاہی، یا لڑکی کے ولی نے اجازت طلب کرنے سے

پہلے بالغہ لڑکی کا نکاح کر دیا، اس کے بعد ولی کے قاصد یا کسی فضولی عادل شخص نے لڑکی کو یہ خبر دی (کہ تمہارا نکاح تو فلاں سے ہو چکا ہے) یہ سن کر لڑکی خاموش رہی، نکاح کو صراحتاً رد نہیں کیا حالانکہ وہ مختار تھی، یا لڑکی نکاح کی خبر سن کر ہنسنے لگی، اور یہ ہنسنا بطور مذاق و تمسخر نہیں تھا، یا نکاح کی خبر سن کر مسکرائی، یا بغیر آواز کے رونے لگی، تو یہ نکاح کے لیے اجازت تصور کی جائے گی اور نکاح منعقد ہو جائے گا، لیکن اگر لڑکی کا ہنسنا بطور مذاق اور تمسخر ہو، یا رونا آواز کے ساتھ ہو تو نکاح منعقد نہیں ہوگا اور بلند آواز سے رونا نہ اجازت مانی جائے گی اور نہ ہی رد، یہی وجہ ہے کہ اگر رونے کے بعد لڑکی رضامندی ظاہر کر دے تو نکاح منعقد ہو جائے گا، جیسا کہ معراج الدرایہ وغیرہ میں ہے۔

اور وقایہ نیز ملتقی الابحر میں جو یہ لکھا ہے کہ بالغہ لڑکی کا بغیر آواز کے رونا اجازت ہے اور آواز کے ساتھ رونا اجازت نہیں ہے اس میں نظر ہے، ان دونوں قولوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ پہلے قول کا مطلب یہ ہے کہ آواز کے ساتھ رونا نہ اجازت ہے اور نہ رد۔ اور دوسرے قول کا مطلب یہ ہے کہ آواز کے ساتھ رونا اجازت نہیں ہے یعنی اس قول کے مطابق رد ہے۔

مسئلہ: بالغہ لڑکی کے پاس ولی یا اس کا قاصد نکاح کی اجازت لینے کے لیے گیا، جب لڑکی سے نکاح کے متعلق گفتگو کی گئی تو وہ چیخ و پکار کے ساتھ رونے لگی تو مفتی بہ قول کے مطابق یہ اجازت نہیں ہوگی بلکہ رد ہوگا، ہاں اگر اجازت لیتے وقت صرف آنکھوں سے آنسو نکل گئے تو اجازت ہوگی۔ (شامی: ۴/۱۶۱)

اگر متعدد ولی ہوں تو خاموشی اجازت نہیں

ماقبل میں جو یہ کہا گیا ہے کہ بالغہ عورت سے اجازت طلب کرنے کے وقت خاموش رہنا، ہنسنا اور بلا آواز رونا اجازت کے حکم میں ہے تو یہ اس وقت ہے جب ولی ایک ہو، لیکن اگر نکاح کرنے والے ولی متعدد ہوں تو اس وقت بالغہ لڑکی کا سکوت اجازت نہ ہوگا، مثال کے طور پر جس لڑکی کا نکاح ہو رہا ہے اس کے دو بھائی ہیں، ایک نے کہا میں تیرا نکاح حماد پسر غلام رسول سے کرتا ہوں اور دوسرے بھائی نے کہا کہ میں تیرا نکاح محمود پسر سجاد ابن منظور سے کرتا ہوں اور دونوں بھائیوں کے اجازت طلب کرنے کے وقت وہ لڑکی خاموش رہی تو یہ چپ رہنا اجازت نہیں مانی جائے گی۔

طلب اِجازت سے پہلے نکاح

بالغہ عورت کا ہنسنا یا خاموش رہنا وغیرہ دوسری صورت میں جب ولی نے اس سے اجازت لینے سے پہلے نکاح کر دیا بعد میں جب نکاح کی خبر بالغہ کو ملی تو اس نے سکوت اختیار کیا تو گویا ولی نے جو نکاح اس کی اجازت کے بغیر کر دیا ہے اس کو جائز رکھنا ہے، اگر اس وقت تک نکاح باقی تھا اور اگر نکاح شوہر کے مرنے کی وجہ سے باطل ہو چکا تھا پھر بعد میں خبر ملی اور بالغہ خاموش رہی تو اس وقت کا سکوت اجازتِ نکاح کے حکم میں نہیں ہے اس لیے کہ نکاح تو شوہر کے مرنے کی وجہ سے خود بخود ختم ہو چکا ہے۔

وَلَوْ قَالَتْ بَعْدَ مَوْتِهِ: زَوَّجَنِي أَبِي بِأَمْرِي وَأَنْكَرَتْ الْوَرَثَةُ فَالْقَوْلُ لَهَا فَتَرِثُ وَتَعْتَدُّ، وَلَوْ قَالَتْ: بِغَيْرِ أَمْرِي لَكِنَّهُ بَلَّغَنِي فَرَضِيت فَالْقَوْلُ لَهُمْ وَقَوْلُهَا غَيْرُهُ أَوْلَى مِنْهُ رَدٌّ قَبْلَ الْعَقْدِ لَا بَعْدَهُ. وَلَوْ زَوَّجَهَا لِنَفْسِهِ فَسُكُوتُهَا رَدٌّ بَعْدَ الْعَقْدِ لَا قَبْلَهُ، وَلَوْ اسْتَأْذَنَهَا فِي مُعَيَّنٍ فَرَدَّتْ ثُمَّ زَوَّجَهَا مِنْهُ فَسَكَتَتْ صَحَّ فِي الْأَصَحِّ بِخِلَافِ مَا لَوْ بَلَّغَهَا فَرَدَّتْ ثُمَّ قَالَتْ: رَضِيتُ لَمْ يَجُزْ لِبُطْلَانِهِ بِالرَّدِّ، وَلِذَا اسْتَحْسَنُوا التَّجْدِيدَ عِنْدَ الزِّفَافِ لِأَنَّ الْغَالِبَ إظْهَارُ النُّفْرَةِ عِنْدَ فَجْأَةِ السَّمَاعِ وَلَوْ اسْتَأْذَنَهَا فَسَكَتَتْ فَوَكَّلَ مَنْ يُزَوِّجُهَا مِمَّنْ سَمَّاهُ جَازَ إنْ عُرِفَ الزَّوْجُ وَالْمَهْرُ كَمَا فِي الْقُنْيَةِ، وَاسْتَشْكَلَهُ فِي الْبَحْرِ بِأَنَّهُ لَيْسَ لِلْوَكِيلِ أَنْ يُوَكِّلَ بِلَا إذْنٍ، فَمُقْتَضَاهُ عَدَمُ الْجَوَازِ أَوْ أَنَّهَا مُسْتَثْنَاةٌ (إنْ عَلِمَت بِالزَّوْجِ) أَنَّهُ مَنْ هُوَ لِتَظْهَرَ الرَّغْبَةُ فِيهِ أَوْ عَنْهُ، وَلَوْ فِي ضِمْنِ الْعَامِّ كَجِيرَانِي أَوْ بَنِي عَمِّي لَوْ يُحْصَوْنَ وَإِلَّا لَا مَا لَمْ تُفَوِّضْ لَهُ الْأَمْرَ (لَا) الْعِلْمُ (بِالْمَهْرِ) وَقِيلَ يُشْتَرَطُ، وَهُوَ قَوْلُ الْمُتَأَخِّرِينَ بَحْرٌ عَنْ الذَّخِيرَةِ وَأَقَرَّهُ الْمُصَنِّفُ، وَمَا صَحَّحَهُ فِي الدُّرَرِ عَنْ الْكَافِي رَدَّهُ الْكَمَالُ (وَكَذَا إذَا زَوَّجَهَا الْوَلِيُّ عِنْدَهَا) أَيْ بِحَضْرَتِهَا (فَسَكَتَتْ) صَحَّ (فِي الْأَصَحِّ) إنْ عَلِمَتْهُ كَمَا مَرَّ وَالسُّكُوتُ كَالنُّطْقِ فِي سَبْعٍ وَثَلَاثِينَ مَسْأَلَةً مَذْكُورَةً فِي الْأَشْبَاهِ

لڑکی اور شوہر کے وارثین کے درمیان اختلاف ہو جائے تو کیا حکم ہے؟

اگر عورت نے اپنے شوہر کے مرنے کے بعد یہ کہا کہ میرے باپ نے میری اجازت سے نکاح کیا تھا اور ادھر شوہر کے وارثین اس کا انکار کریں تو اس صورت میں عورت کا قول معتبر ہوگا چناں چہ عورت اپنے شوہر کے مال کی وارث ہوگی اور عدت بھی گذارے گی۔ اور اگر شوہر کی موت کے بعد عورت نے یوں کہہ دیا کہ میرے باپ نے میری اجازت کے بغیر نکاح کر دیا تھا، بعد میں مجھے اس نکاح کے متعلق خبر ملی تھی اور میں اس پر راضی ہوگئی تھی اور شوہر کے وارثین اس کا انکار کریں تو اس صورت میں شوہر کے وارثین کا قول معتبر ہوگا، لہٰذا عورت کو نہ مہر ملے گا اور نہ ہی میراث، لیکن اس صورت میں اگر عورت کو نکاح کے صحیح ہونے کا علم ہے تو عدت لازم ہوگی۔

ولی نے بالغہ عورت سے کسی کے ساتھ نکاح کی اجازت چاہی اس نے کہا کہ اس سے بہتر دوسرا ہے تو اگر بالغہ کا یہ قول نکاح سے پہلے ہے تو اجازت نہیں ہوگی بلکہ انکار ہوگا۔ اور اگر عورت کا یہ قول عقد کے بعد کا ہے تو اجازت ہوگی انکار نہ ہوگا۔

ولی کا خود اپنے ساتھ نکاح کر لینا

اگر ولی نکاح نے بالغہ عورت کا نکاح خود اپنے ساتھ کر لیا اور اس سے اجازت نہیں لی، جب بالغہ کو یہ معلوم ہوا کہ ولی نے اپنے

ساتھ میرا نکاح کر لیا تو اب وہ خاموش رہی تو اب اس کا یہ سکوت نکاح کے بعد رد کے حکم میں ہے، رضامندی نہیں ہوگی۔ اور اگر عقد نکاح سے پہلے اجازت طلب کی اور اس نے سکوت اختیار کیا تو اس کا یہ سکوت رضامندی کی دلیل ہے اور نکاح منعقد ہو جائے گا۔

نکاح کی مختلف صورتیں

اگر ولی نے بالغہ عورت سے کسی متعین شخص کے ساتھ نکاح کے لیے اجازت چاہی، لڑکی نے اس کو رد کر دیا، پھر رد کرنے کے بعد اس بالغہ کا نکاح اسی شخص معین کے ساتھ کر دیا، جب لڑکی کو یہ معلوم ہوا کہ میرا نکاح اسی شخص کے ساتھ کر دیا گیا ہے اس کے باوجود وہ خاموش رہی تو اس صورت میں نکاح منعقد ہو جائے گا، اس بارے میں اصح قول یہی ہے۔ اس کے برخلاف جب عورت کو نکاح کے متعلق خبر ملی تو اس نے رد کر دیا کہ میں تو اس نکاح پر راضی نہیں ہوں، پھر اس کے بعد اس نے کہا کہ چلو میں اس نکاح پر راضی ہوں، تو یہ نکاح اس صورت میں جائز نہ ہوگا کیوں کہ ایک مرتبہ رد کرنے کی وجہ سے نکاح باطل ہو چکا تھا، لہٰذا بعد میں رضامندی ظاہر کرنے سے باطل شدہ نکاح صحیح نہیں ہوگا۔

اسی وجہ سے حضرات فقہائے کرام نے فرمایا کہ زفاف کے وقت دوبارہ از سر نو نکاح کر دیا جائے اس لیے کہ عام طور پر عورت اس طرح کی خبر اچانک سن کر نفرت کا اظہار کرتی ہے، اس لیے ممکن ہے کہ ہو سکتا ہے کہ عورت نے ایسا کیا ہو جس سے نکاح باطل ہو گیا ہو، لیکن جب دوبارہ نکاح ہو گیا تو اب شک ختم ہو جائے گا، لیکن یہ اس وقت کی بات ہے جب ولی نے عورت سے اجازت لیے بغیر نکاح کر دیا ہو۔ اور اگر باقاعدہ اجازت لینے کے بعد نکاح کیا تو اس صورت میں عندالزفاف تجدید نکاح کی ضرورت نہیں ہے۔

اگر ولی نے کسی شخص معین کے ساتھ نکاح کر دینے کے متعلق اجازت طلب کی، چناں چہ اس وقت وہ خاموش رہی، پھر اس کے بعد ولی نے ایک شخص کو وکیل بنا دیا کہ اس کا نکاح اس متعین شخص سے کر دے جس کا نام لیا تھا تو اس صورت میں یہ وکیل بنانا اور اس کا نکاح کر دینا دونوں جائز ہے، بشرطیکہ عورت کو معلوم ہو کہ فلاں سے اس کی شادی ہو رہی ہے اور مہر کی مقدار یہ ہے اور وکیل بھی اس کو جانتا ہو، جیسا کہ یہ مسئلہ قنیہ میں ہے۔ مسئلۂ اولیٰ کو البحر الرائق میں مشکل شمار کیا ہے، بایں طور کہ البحر الرائق میں لکھا ہے کہ وکیل کو اس کا اختیار نہیں ہے کہ موکل کی اجازت کے بغیر کسی دوسرے کو وکیل بنا دے، اس کا تقاضہ یہ ہے کہ نکاح اس صورت میں جائز نہ ہو، کیوں کہ جب وہ معلوم کرنے پر خاموش رہی تو اب وہ خود عورت کا وکیل بن گیا، اب اس کو یہ اختیار نہیں ہے کہ دوسرے کو وکیل بنا دے، یا پھر یوں کہا جائے کہ یہ مسئلہ اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہے۔

معلوم ہو جانے کے بعد اجازت طلب کرنا

مسئلہ: اگر بالغہ لڑکی کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ فلاں شخص شوہر بننے والا ہے، پھر ولی کے اجازت طلب کرنے پر وہ خاموش

رہی، تو خاموش رہنا عورت کی طرف سے اجازت ہوگی۔ اور عورت کا شوہر کون ہے؟ اس کے متعلق اس لیے معلوم ہونا چاہیے تا کہ وہ اپنے شوق یا نفرت کا اظہار کر سکے۔ اور اگر عورت کو شوہر کا علم عام کے ضمن میں ہوا بایں طور کہ ولی نے یوں کہا کہ تیرا نکاح اپنے رشتہ داروں میں کر رہا ہوں یا اپنے چچا کے بیٹوں میں سے کسی ایک سے کر رہا ہوں، تو اگر رشتہ دار یا چچا کے بیٹے محدود اور متناہی ہوں تا کہ عورت اندازہ کر کے یہ معلوم کر لے کہ کون میرا شوہر بننے والا ہے؟ تو اس صورت میں عورت کا سکوت اجازت مانی جائے گی۔ اور اگر ان کی تعداد محدود نہیں ہے تو اس صورت میں عورت کا سکوت رضامندی نہ ہوگی، جب تک کہ وہ اپنا معاملہ ولی کے حوالہ نہ کر دے، مثلاً عورت یوں کہہ دے کہ آپ جس سے بھی چاہیں میرا نکاح کر دیں، یا آپ جو بھی کریں گے میں اس پر راضی ہوں، تو اس صورت میں رضامندی ثابت ہو جائے گی۔

عورت کو مہر کی مقدار بتانا

جب ولی لڑکی سے اجازت لے رہا ہو اس وقت عورت کو مہر کی مقدار بتانا ضروری نہیں ہے اس لیے کہ صحت نکاح کا مدار مقدارِ مہر پر نہیں ہے۔ بعض فقہائے کرام نے فرمایا کہ اجازت لیتے وقت مہر کی مقدار بتانا شرط ہے، اس لیے کہ قلت مہر اور کثرتِ مہر سے بھی رغبت و نفرت ہوا کرتی ہے۔ متاخرین فقہاءِ کرام کا یہی قول ہے، جیسا کہ البحر الرائق میں ذخیرہ سے نقل کیا گیا ہے۔ اور اسی کو حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے بھی شرح منح الغفار میں برقرار رکھا ہے۔ اور دُرر میں جس قول کو کافی سے نقل کر کے تصحیح کی گئی ہے کمال نے اس کو رد کر دیا ہے۔ (دُرر میں لکھا ہے کہ اگر ولی باپ یا دادا ہو تو اس صورت میں صرف شوہر کا ذکر کرنا کافی ہے، مہر کی مقدار ذکر کرنا ضروری نہیں ہے اور اگر ولی باپ یا دادا کے علاوہ کوئی اور ہے تو اس وقت مہر کی مقدار ذکر کرنا ضروری ہے۔ علامہ کمال الدین اس پر لکھتے ہیں کہ ولی کے اندر باپ، دادا اور دوسرے ولیوں کے درمیان یہ تفریق اس وقت ہے جب صغیرہ نابالغہ کا نکاح ہو، کیوں کہ اس صورت میں اس کو ولایتِ اجبار حاصل ہوتی ہے، لیکن یہاں زیرِ بحث مسئلہ بالغہ لڑکی کا نکاح ہے اس میں خود باپ بھی اجنبی کے برابر ہے اس لیے کہ باپ کو بھی بالغہ پر ولایتِ اجبار حاصل نہیں ہوتی ہے۔

اسی طرح جب ولی نے بالغہ کا نکاح اس کے روبرو کر دیا اور بالغہ خاموش رہی تو اصح قول کے مطابق نکاح منعقد ہو جائے گا بشرطیکہ اس بالغہ کو شوہر کا علم ہو، جیسا کہ یہ بات پہلے بھی گذر چکی ہے۔

وہ ۳۷/ مسائل جن میں سکوت تکلم کے قائم مقام ہے

الاشباہ والنظائر کے بارہویں قاعدہ میں علامہ ابن نجیم المصریؒ نے لکھا ہے کہ ۳۷/ مسائل ایسے ہیں جن میں خاموش رہنا بولنے کے قائم مقام ہے، جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) جس وقت ولی باکرہ لڑکی سے اجازت طلب کرے گا اس وقت باکرہ لڑکی کا سکوت بولنے کے قائم مقام ہے، خواہ

عقد سے پہلے ہو یا عقد کے بعد ہو۔

(۲) بالغہ عورت کا اپنے مہر پر قبضہ کرتے وقت خاموش رہنا۔

(۳) باکرہ لڑکی کا اپنے بالغ ہونے کے وقت خیار بلوغ میں چپ رہنا، جب کہ نکاح کرنے والے ولی باپ، دادا کے علاوہ کوئی دوسرے لوگ ہوں۔

(۴) عورت نے قسم کھائی تھی کہ نکاح نہ کروں گی، مگر اس کے باپ نے اس کا نکاح کر دیا اور وہ خاموش رہی تو نکاح ہو جائے گا اور عورت اپنی قسم میں حانث ہوگی۔

(۵) جس محتاج پر صدقہ کیا جائے وہ خاموش رہے تو اس کا خاموش رہنا قبول کرنے کے حکم میں ہوگا، لیکن جس کو ہبہ کیا جائے اس کی خاموشی کافی نہیں ہے۔

(۶) جس آدمی پر صدقہ یا ہبہ کیا گیا ہے وہ آدمی اگر صدقہ یا ہبہ کے مال پر قبضہ کر لے اور مالک دیکھ کر خاموش رہے تو مالک کی خاموشی اجازت کے حکم میں ہوگی۔

(۷) کسی نے کسی آدمی کو وکیل بنایا اور وہ خاموش رہا تو یہ قبول کرنے کے حکم میں ہوگا، لیکن اس کے رد کر دینے سے رد ہو جائے گا۔

(۸) مقرلہ کا سکوت قبول کے حکم میں ہے۔

(۹) کسی کو کوئی سامان سپرد کیا جائے اور وہ خاموش رہے تو یہ بھی قبول کے حکم میں ہے۔

(۱۰) کسی پر کوئی شئ وقف کی گئی اور وہ سن کر خاموش رہا تو یہ بھی قبول کے حکم میں ہے۔

(۱۱) بیع التلجیہ میں بائع یا مشتری نے کہا کہ میں بیع اس کو صحیح قرار دیتا ہوں اور دوسرا سن کر خاموش رہا تو یہ بھی ماننے کے حکم میں ہوگا۔

(۱۲) مالِ غنیمت مجاہدین اسلام کے درمیان تقسیم کرتے وقت مالکِ قدیم کا خاموش رہنا رضامندی ہے۔

(۱۳) غلام کو خرید و فروخت کرتے دیکھ کر مشتری بالخیار کا خاموش رہنا خیار کو ساقط کر دیتا ہے۔

(۱۴) خریدار کا خریدی ہوئی چیز پر قبضہ دیکھ کر اس بائع کا خاموش رہنا جس کو مال روکنے کا حق تھا اس کی طرف سے اجازت ہے۔

(۱۵) جس شخص کو حقِ شفعہ پہنچتا تھا اس کو معلوم ہوا کہ حقِ شفعہ والی شئ فروخت کر دی گئی اور اس کے باوجود خاموش رہا، شفعہ طلب نہیں کیا تو حقِ شفعہ باطل ہو جائے گا۔

(۱۶) غلام کو غیر کا مال خرید و فروخت کرتے دیکھتے ہوئے بھی آقا کا خاموش رہنا اس بات کی دلیل ہوگی کہ آقا کی طرف سے اس کو تجارت کی اجازت مل گئی ہے۔

(۱۷) آقا نے یہ قسم کھائی کہ غلام کو تجارت کی اجازت نہیں دوں گا، لیکن جب آقا نے دیکھا کہ غلام خرید وفروخت کررہا ہے تو خاموش رہا تو اس صورت میں وہ آقا حانث قرار پائے گا اور اس کی طرف سے اجازت ہوگی۔

(۱۸) فروخت کرتے وقت غلام کا خاموش رہنا غلام ہونے کا اقرار ہے۔

(۱۹) ایک آدمی نے یہ قسم کھائی کہ فلاں شخص کو اپنے گھر نہیں آنے دوں گا، پھر اس نے اس کو اپنے گھر آتے دیکھا اور خاموش رہا تو گویا اس کی جانب سے گھر آنے کی اجازت ہوئی اس لیے وہ اپنی قسم میں حانث ہوجائے گا۔

(۲۰) عورت کے بچہ کی ولادت کے وقت یا لوگوں کی جانب سے مبارک بادی دیتے وقت شوہر کا خاموش رہنا ثبوتِ نسب کا اقرار ہے، لہٰذا اس کے بعد کا انکار معتبر نہیں ہے۔

(۲۱) ام ولد کا بچہ پیدا ہوا آقا خاموش رہا تو یہ بچے کا اقرار ہے۔

(۲۲) مشتری کو بتادیا گیا کہ سامان میں عیب ہے اس کے باوجود اس نے اس کو خرید لیا اور خاموش رہا تو یہ خاموشی عیب پر رضامندی کی دلیل ہوگی، بشرطیکہ خبر دینے والا عادل ہو۔

(۲۳) باکرہ لڑکی کو یہ معلوم ہوا کہ اس کا نکاح اس کے ولی نے فلاں سے کردیا ہے، اس کے بعد وہ خاموش رہی تو یہ باکرہ کی طرف سے رضامندی ہوگی۔

(۲۴) بیوی یا قریبی رشتہ دار نے زمین فروخت کی اور اس وقت شوہر نے سکوت اختیار کیا تو یہ اس کا سکوت اقرار ہے کہ وہ زمین اس کی نہیں ہے، مشائخ سمرقند کا اسی پر فتویٰ ہے۔ اسی طرح بیوی دیکھ رہی ہے کہ شوہر ایک شئی فروخت کررہا ہے اور وہ خاموش رہی تو یہ بیوی کی طرف سے اس بات کا اقرار ہے کہ وہ شئی اس کی ملکیت میں نہیں ہے۔

(۲۵) ایک شخص نے دیکھا کہ کوئی دوسرا شخص سامان یا گھر فروخت کررہا ہے، پھر خریدار نے ایک عرصہ تک اس کو اپنے تصرف میں رکھا اور یہ شخص خاموش رہا تو اس کا خاموش رہنا اس کے دعویٰ کو ساقط کردیتا ہے۔

(۲۶) شرکت عنان کے دو شریکوں میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ اس باندی کو خاص طور پر میں اپنے لیے لیتا ہوں اور دوسرا چپ رہا تو اس میں دونوں کی شرکت نہیں ہوگی۔

(۲۷) وکیل نے اپنے مؤکل سے کہا کہ فلاں چیز میں خاص طور پر اپنے واسطے خرید رہا ہوں اور مؤکل اس پر خاموش رہا تو وہ چیز وکیل ہی کی ہوگی۔

(۲۸) نابالغ سمجھ دار کو خرید وفروخت کرتے دیکھ کر اس کے ولی نے خاموشی اختیار کی تو یہ اس کی طرف سے اجازت شمار ہوگی، اور اس کا خرید وفروخت کرنا جائز ہوگا۔

(۲۹) کسی شخص نے غیر کو دیکھا کہ اس نے مشک پھاڑ ڈالا اور جو چیز اس مشک میں تھی وہ بہہ گئی اور دیکھنے والا خاموش رہا تو یہ اس کی جانب سے رضامندی سمجھی جائے گی۔

(۳۰) کسی نے یہ قسم کھائی کہ غلام سے خدمت نہیں لوں گا پھر غلام آقا کے کہے بغیر خدمت کرنے لگا اور آقا کچھ بولا نہیں بلکہ خاموش رہا تو آقا حانث ہو جائے گا۔ یہ تیس مسائل جامع الفصول میں درج ہیں۔

(۳۱) ماں نے اپنی بیٹی کے جہیز میں کچھ سامان اس کے باپ کے سامان سے دیا اور باپ خاموش رہا تو اب باپ کو یہ حق نہیں رہتا کہ اس سامان کو واپس لے۔

(۳۲) ماں نے بیٹی کے جہیز میں وہ سامان دیئے جو رائج تھے اور باپ خاموش رہا تو اس صورت میں ماں اس کی ضامن نہیں ہوگی۔

(۳۳) باندی زیور پہنے ہوئے تھی اس کے ساتھ اس کو بغیر کسی شرط کے فروخت کر دیا، پھر باندی مع زیورات کے خریدار کے سپرد کر دی اور وہ اس کو لے گیا اور فروخت کرنے والا خاموش رہا تو یہ خاموشی اجازت کے حکم میں ہوگی اور خریدار زیور کا بھی مالک ہوگا۔

(۳۴) شاگرد نے استاد کے سامنے پڑھا اور استاد خاموش رہا تو یہ استاد کے بولنے کے حکم میں ہوگا۔

(۳۵) مدعی علیہ کا بلا کسی عذر کے خاموش رہنا انکار کے حکم میں ہے اور بعض نے کہا کہ یہ انکار نہیں ہے۔

(۳۶) مرتہن نے مال رہن پر قبضہ کیا اور راہن خاموش رہا تو یہ تسلیم کرنے کے حکم میں ہے۔

(۳۷) قاضی نے مزکی سے گواہ کے متعلق دریافت کیا اور وہ چپ رہا تو یہ عادل قرار دینے کے درجہ میں ہے۔

یہ سارے کے سارے مسائل الاشباہ والنظائر سے اخذ کئے گئے ہیں۔

(فَإِنْ اسْتَأْذَنَهَا غَيْرُ الْأَقْرَبِ) كَأَجْنَبِيٍّ أَوْ وَلِيٍّ بَعِيدٍ (فَلَا) عِبْرَةَ لِسُكُوتِهَا (بَلْ لَا بُدَّ مِنَ الْقَوْلِ كَالثَّيِّبِ) الْبَالِغَةِ لَا فَرْقَ بَيْنَهُمَا إِلَّا فِي السُّكُوتِ لِأَنَّ رِضَاهُمَا يَكُونُ بِالدَّلَالَةِ كَمَا ذَكَرَهُ بِقَوْلِهِ (أَوْ مَا هُوَ فِي مَعْنَاهُ) مِنْ فِعْلٍ يَدُلُّ عَلَى الرِّضَا (كَطَلَبِ مَهْرِهَا) وَنَفَقَتِهَا (وَتَمْكِينِهَا مِنَ الْوَطْءِ) وَدُخُولِهِ بِهَا بِرِضَاهَا ظَهِيرِيَّةٌ (وَقَبُولِ التَّهْنِئَةِ) وَالضَّحِكِ سُرُورًا وَنَحْوِ ذَلِكَ بِخِلَافِ خِدْمَتِهِ أَوْ قَبُولِ هَدِيَّتِهِ (مَنْ زَالَتْ بَكَارَتُهَا بِوَثْبَةٍ) أَيْ نَطَّةٍ (أَوْ) دُرُورٍ (حَيْضٍ أَوْ) حُصُولِ (جِرَاحَةٍ أَوْ تَعْنِيسٍ) أَيْ كِبَرٍ بِكْرٌ حَقِيقَةً كَتَفْرِيقٍ بِجَبٍّ، أَوْ عُنَّةٍ أَوْ طَلَاقٍ أَوْ مَوْتٍ بَعْدَ خَلْوَةٍ قَبْلَ وَطْءٍ (أَوْ زِنًا) وَهَذِهِ فَقَطْ (بِكْرٌ حُكْمًا) إِنْ لَمْ يَتَكَرَّرْ وَلَمْ تُحَدَّ بِهِ وَإِلَّا فَثَيِّبٌ كَمَوْطُوءَةٍ بِشُبْهَةٍ أَوْ نِكَاحٍ فَاسِدٍ (قَالَ) الزَّوْجُ لِلْبِكْرِ الْبَالِغَةِ (بَلَغَكِ النِّكَاحُ فَسَكَتِّ وَقَالَتْ رَدَدْتُ) النِّكَاحَ (وَلَا بَيِّنَةَ لَهُمَا) عَلَى ذَلِكَ (وَلَمْ يَكُنْ دَخَلَ بِهَا طَوْعًا) فِي الْأَصَحِّ (فَالْقَوْلُ قَوْلُهَا) بِيَمِينِهَا عَلَى الْمُفْتَى بِهِ وَتُقْبَلُ بَيِّنَتُهُ عَلَى سُكُوتِهَا لِأَنَّهُ وُجُودِيٌّ بِضَمِّ الشَّفَتَيْنِ وَلَوْ بَرْهَنَا فَبَيِّنَتُهَا أَوْلَى إِلَّا أَنْ يُبَرْهِنَ عَلَى رِضَاهَا أَوْ إِجَازَتِهَا (كَمَا لَوْ زَوَّجَهَا أَبُوهَا) مَثَلًا زَاعِمًا عَدَمَ بُلُوغِهَا (فَقَالَتْ أَنَا بَالِغَةٌ وَالنِّكَاحُ لَمْ

يَصِحُّ وَهِيَ مُرَاهِقَةٌ وَقَالَ الْأَبُ) أَوِ الزَّوْجُ (بَلْ هِيَ صَغِيرَةٌ) فَإِنَّ الْقَوْلَ لَهَا إِنْ ثَبَتَ أَنَّ سِنَّهَا تِسْعٌ وَكَذَا لَوْ ادَّعَى الْمُرَاهِقُ بُلُوغَهُ وَلَوْ بَرْهَنَا فَبَيِّنَةُ الْبُلُوغِ أَوْلَى عَلَى الْأَصَحِّ بِخِلَافِ قَوْلِ الصَّغِيرَةِ رَدَدْتُ حِينَ بَلَغْتُ وَكَذَّبَهَا الزَّوْجُ فَالْقَوْلُ لَهُ لِإِنْكَارِهِ زَوَالَ مِلْكِهِ هَذَا لَوْ اخْتَلَفَا بَعْدَ زَمَانِ الْبُلُوغِ وَلَوْ حَالَةَ الْبُلُوغِ فَالْقَوْلُ لَهَا شَرْحُ وَهْبَانِيَّةٍ فَلْيُحْفَظْ

غیر ولی اجازت طلب کرے تو باکرہ کا بولنا

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اگر باکرہ بالغہ لڑکی سے نکاح کی اجازت ولی اقرب کے علاوہ کسی دوسرے ولی نے لی، جیسے اجنبی نے اجازت لی، یا ولی بعید نے اجازت لی اور ولی اقرب موجود تھا تو اس صورت میں عورت کے چپ رہنے کا کوئی اعتبار نہیں ہے بلکہ ولی بعید یا اجنبی شخص کے اجازت لیتے وقت اس کا بولنا اسی طرح ضروری ہے جس طرح ثیبہ بالغہ کا بولنا ضروری ہوتا ہے۔ (اور ''ثیبہ'' اس عورت کو کہا جاتا ہے جس کا نکاح ایک مرتبہ ہو چکا ہو اور اس سے صحبت بھی ہو چکی ہو)۔

باکرہ بالغہ اور ثیبہ بالغہ کے درمیان صرف ایک مسئلہ میں فرق ہے اور وہ ہے نکاح کے لیے ولی کے اجازت لیتے وقت اس کا خاموش رہنا، کہ باکرہ لڑکی کا سکوت اختیار کرنا اس کی رضامندی کی دلیل ہوتی ہے۔ اور ثیبہ کے لیے بولنا ضروری ہے، اس کا سکوت رضامندی کی دلیل نہیں ہے جب کہ اجازت چاہنے والا ولی ہو۔

دلالت حال سے رضامندی کا اظہار

باکرہ اور ثیبہ لڑکی کی رضامندی دلالتِ حال سے معلوم ہوتی ہے، جیسا کہ حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے اس کو اپنے قول ''أَوْ مَا هُوَ فِي مَعْنَاهُ'' سے ذکر کیا ہے کہ جب باکرہ بالغہ سے غیر ولی اجازت طلب کرے گا تو اس پر لازم ہوگا کہ وہ ثیبہ کی طرح زبان سے بول کر رضامندی کا اظہار کرے، یا پھر کوئی ایسا کام کرے جو قول کی طرح رضامندی پر دلالت کرے، جیسے جب غیر ولی اجازت لے تو اس وقت تو عورت خاموش رہے، لیکن بعد میں اپنا مہر اور نان ونفقہ طلب کرنے لگے، یا عورت ہونے والے شوہر کو اپنے اوپر جماع کی قدرت دے، یا عورت اپنی خوشی سے شوہر کے ساتھ خلوت کرے، جیسا کہ فتاویٰ ظہیریہ میں ہے۔ اسی طرح عورت کا مبارک بادی قبول کرنا، یا خوشی میں ہنسنا، اسی طرح کوئی اور افعال کرنا جو عورت کی طرف سے رضامندی پر دلالت کرے جیسے عورت اپنا سامان اور بستر شوہر کے گھر اُٹھا کر لے جائے، یہ نکاح پر رضامندی کی دلیل ہے، باقی شوہر کی خدمت کرنا یا اس کی جانب سے تحفہ قبول کرنا، تو یہ نکاح پر راضی ہونے کی علامت اور دلیل نہیں ہے۔

پردۂ بکارت وطی حلال کے علاوہ کسی اور سبب سے زائل ہو جائے تو کیا حکم ہے؟

جس عورت کا پردۂ بکارت وطئ حلال کے علاوہ کسی اور وجہ سے زائل ہو گیا، جیسے: اُچھلنے، کودنے، بہت زیادہ حیض آنے،

یا زخم لگنے کی وجہ سے، یا عمر کی زیادتی کی وجہ سے عورت کی شرمگاہ کا پردۂ بکارت پھٹ گیا، تو مذکورہ تمام صورتوں میں ایسی عورت حقیقت میں باکرہ ہوگی اور اس کا سکوت رضامندی کی دلیل ہوگی، جیسے کہ وہ عورت جس کی تفریق شوہر کے مقطوع الذکر ہونے کی وجہ سے ہوئی ہو، یا شوہر کے نامرد ہونے کی وجہ سے ہوئی ہو، یا خلوت کے بعد وطی سے پہلے طلاق کے ذریعہ یا شوہر کے مرنے کی وجہ سے تفریق ہوئی ہو تو اس صورت میں بھی عورت حقیقت میں باکرہ ہی ہوگی۔ اور اگر زنا کی وجہ سے پردۂ بکارت ختم ہوا تو اب یہ عورت حکماً باکرہ ہے، بشرطیکہ دوبارہ زنا کا صدور نہ ہوا ہو اور زنا کی وجہ سے اس پر حد نہ لگی ہو، لیکن اگر عورت نے چند بار زنا کیا، یا اس پر حد لگ گئی تو ایسی صورت میں وہ عورت باکرہ کے حکم میں نہیں رہے گی بلکہ اس عورت کی طرح ثیبہ ہو جائے گی جس سے شبہ میں وطی کی گئی ہو یا نکاح فاسد ہونے کے باوجود وطی کی گئی ہو۔

زوجین کے درمیان اختلاف ہو جائے تو کیا حکم ہے؟

شوہر نے باکرہ بالغہ لڑکی سے کہا کہ تجھے نکاح کے متعلق خبر ملی اور تو خاموش رہی (لہٰذا تو اب میری بیوی ہے) باکرہ لڑکی نے کہا کہ میرے پاس جوں ہی نکاح کی خبر پہنچی تھی میں نے رد کر دیا تھا، لہٰذا نہ تو میرا شوہر ہے اور نہ ہی میں تیری بیوی۔ اور اس دعویٰ پر دونوں میں سے کسی پر کوئی شرعی دلیل اور ثبوت بھی نہیں ہے اور اب تک شوہر نے بیوی کی رضامندی سے اس کے ساتھ دخول بھی نہیں کیا ہے، یا شوہر نے دخول تو کیا لیکن زبردستی، تو اس صورت میں اصح قول کے مطابق عورت کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا، مفتی بہ قول یہی ہے، یعنی عورت اگر قسم کھا لے گی تو نکاح ثابت نہ ہوگا، ہاں اگر شوہر کے دعویٰ پر عورت خاموش رہی تو شوہر کے گواہ مقبول ہوں گے، اس لیے کہ سکوت امر وجودی ہے اس لیے کہ سکوت دو لبوں کے ملانے سے حاصل ہوتا ہے۔

اور اگر اس مسئلہ میں زوجین میں سے ہر ایک اپنے اپنے دعویٰ پر گواہ پیش کر دیں تو لائق ترجیح عورت کے گواہ ہوں گے، ہاں اگر شوہر نے عورت کی رضامندی یا اس کی اجازت پر گواہ پیش کیا تو اس صورت میں شوہر کے گواہ قابل قبول اور لائق ترجیح ہوں گے۔ جیسے کہ اگر باپ نے کسی لڑکی کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر یہ سمجھ کر کر دیا کہ لڑکی ابھی نابالغہ ہے، جب لڑکی کو معلوم ہوا کہ باپ نے میرا نکاح کر دیا ہے تو اس نے کہا کہ میں تو بالغہ ہوں، تو اس صورت میں یہ نکاح درست نہیں ہوگا۔ اور اگر عورت قریب البلوغ ہو اور باپ یا شوہر نے کہا کہ ابھی یہ نابالغہ ہے تو اس صورت میں بھی عورت کی ہی بات مانی جائے گی، بشرطیکہ یہ ثابت ہو جائے کہ لڑکی کی عمر نو سال ہو چکی ہے (نو سال کی عمر سے کم میں عورت بلوغت کا دعویٰ کرے تو اس کی بات نہیں مانی جائے گی)۔

مراہق (قریب البلوغ) کے قول کا اعتبار

اسی طرح اگر کوئی قریب البلوغ لڑکا اپنی بلوغت کا دعویٰ کرے تو اس لڑکے کی بات مانی جائے گی۔ (مثال کے طور پر باپ نے اپنے بیٹے کا سامان کسی کے ہاتھ فروخت کر دیا، بیٹے نے کہا میں تو بالغ ہوں، لہٰذا میری مرضی کے بغیر آپ کا فروخت

کرنا جائز نہیں ہے اور باپ لڑکے کو نابالغ بتائے، یا خریدار لڑکے کو نابالغ قرار دے، تو اس صورت میں لڑکے کی بات مانی جائے گی۔ اور اگر باپ بیٹا دونوں نے اپنے اپنے قول پر گواہی پیش کر دی تو جو گواہ بلوغت کے متعلق گواہی دے اس کی گواہی اصح قول کے مطابق قابل ترجیح ہوگی۔

باپ نے اپنی نابالغہ لڑکی کا نکاح کسی سے کر دیا، اب لڑکی کو خیار بلوغ حاصل ہے، یعنی بالغ ہونے کے بعد اگر چاہے تو اس نکاح پر باقی رہے چاہے تو قاضی کے یہاں مقدمہ دائر کر کے نکاح فسخ کر دے، اب وہ لڑکی جس کا نکاح نابالغہ کی حالت میں کیا گیا ہے وہ کہتی ہے کہ جس وقت میں بالغ ہوئی تھی اسی وقت میں نے نکاح رد کر دیا تھا اور شوہر اس کی تکذیب کرتا ہے کہ تو نے رد نہیں کیا ہے تو اس صورت میں شوہر کا قول معتبر ہوگا، اس لیے کہ شوہر اپنے ملک کے زائل ہونے کا انکار کر رہا ہے اور لڑکی مدعیہ ہے، لہٰذا بات منکر کی تسلیم ہوگی۔ اور یہ مسئلہ اس وقت ہے جب کہ اختلاف دونوں کے درمیان زمانہ بلوغ کے بعد ہوا ہو اور اگر زوجین کے درمیان اختلاف حالت بلوغ میں ہوا ہو تو اس صورت میں عورت کی بات مانی جائے گی، جیسا کہ شرح وہبانیہ میں ہے، لہٰذا اس مسئلہ کو خوب اچھی طرح محفوظ کرلو۔

(وَلِلْوَلِيِّ) الْآتِي بَيَانُهُ (إِنْكَاحُ الصَّغِيرِ وَالصَّغِيرَةِ) جَبْرًا (وَلَوْ ثَيِّبًا) كَمَعْتُوهٍ وَمَجْنُونٍ شَهْرًا (وَلَزِمَ النِّكَاحُ وَلَوْ بِغَبْنٍ فَاحِشٍ) بِنَقْصِ مَهْرِهَا وَزِيَادَةِ مَهْرِهِ (أَوْ) زَوَّجَهَا (بِغَيْرِ كُفْءٍ إِنْ كَانَ الْوَلِيُّ) الْمُزَوِّجُ بِنَفْسِهِ بِغَبْنٍ (أَبًا أَوْ جَدًّا) وَكَذَا الْمَوْلَى وَابْنُ الْمَجْنُونَةِ (لَمْ يُعْرَفْ مِنْهُمَا سُوءُ الِاخْتِيَارِ) مَجَانَةً وَفِسْقًا (وَإِنْ عُرِفَ لَا) يَصِحُّ النِّكَاحُ اتِّفَاقًا وَكَذَا لَوْ كَانَ سَكْرَانَ فَزَوَّجَهَا مِنْ فَاسِقٍ، أَوْ شِرِّيرٍ، أَوْ فَقِيرٍ، أَوْ ذِي حِرْفَةٍ دَنِيَّةٍ لِظُهُورِ سُوءِ اخْتِيَارِهِ فَلَا تُعَارِضُهُ شَفَقَتُهُ الْمَظْنُونَةُ بَحْرٌ (وَإِنْ كَانَ الْمُزَوِّجُ غَيْرَهُمَا) أَيْ غَيْرَ الْأَبِ وَأَبِيهِ وَلَوْ الْأُمَّ أَوْ الْقَاضِيَ أَوْ وَكِيلَ الْأَبِ، لَكِنْ فِي النَّهْرِ بَحْثًا لَوْ عَيَّنَ لِوَكِيلِهِ الْقَدْرَ صَحَّ. (لَا يَصِحُّ) النِّكَاحُ (مِنْ غَيْرِ كُفْءٍ أَوْ بِغَبْنٍ فَاحِشٍ أَصْلًا) وَمَا فِي صَدْرِ الشَّرِيعَةِ صَحَّ وَلَهُمَا فَسْخُهُ وَهْمٌ (وَإِنْ كَانَ مِنْ كُفْءٍ وَبِمَهْرِ الْمِثْلِ صَحَّ وَ) لَكِنْ (لَهُمَا) أَيْ لِصَغِيرٍ وَصَغِيرَةٍ وَمُلْحَقٍ بِهِمَا (خِيَارُ الْفَسْخِ) وَلَوْ بَعْدَ الدُّخُولِ (بِالْبُلُوغِ أَوْ الْعِلْمِ بِالنِّكَاحِ بَعْدَهُ) لِقُصُورِ الشَّفَقَةِ وَيُغْنِي عَنْهُ خِيَارُ الْعِتْقِ، وَلَوْ بَلَغَتْ وَهُوَ صَغِيرٌ فَرَّقَ بِحَضْرَةِ أَبِيهِ أَوْ وَصِيِّهِ (بِشَرْطِ الْقَضَاءِ) لِلْفَسْخِ (فَيَتَوَارَثَانِ فِيهِ) وَيَلْزَمُ كُلُّ الْمَهْرِ ..

صغیر اور صغیرہ پر ولایت اجبار کا حق

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جن ولیوں کا ذکر آگے آ رہا ہے ان کو نابالغ لڑکا اور نابالغ لڑکی پر نکاح کرنے کے سلسلے میں ولایت اجبار حاصل ہے، اگرچہ ثیبہ اور ثیب ہی کیوں نہ ہوں، جس طرح کہ بے عقل اور اس پاگل شخص کا نکاح ولی

زبردستی کرسکتا ہے جس کا جنون مسلسل ایک ماہ تک باقی رہتا ہے۔ ولی باپ اور دادا ہے اگران دونوں میں سے کسی نے نابالغوں کا نکاح کردیا تو یہ نکاح لازم ہوجائے گا، اگرچہ باپ دادا نے غبن فاحش کے ساتھ ہی کیوں نہ نکاح کردیا ہو، بالغ ہونے کے بعد لڑکا اور لڑکی اس نکاح کو فسخ نہیں کرسکتے ہیں۔ اور غبن فاحش کو یوں سمجھو کہ باپ نے لڑکی کا نکاح نہایت کم مہر میں کردیا، یا نابالغ لڑکے کا نکاح زیادہ مہر کے ساتھ کردیا جو عام طور پر اس طرح کی کمی یا زیادتی نہیں ہوتی ہے، یا غیر کفو میں اس کی شادی کردی گئی ہو، تو ان تمام صورتوں میں نکاح لازم ہوجائے گا، لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ ولی جس نے نکاح کیا ہو اس نے بطور خود ایسا کیا ہو اور لڑکی یا لڑکے کا باپ یا دادا ہو، اسی طرح اگر آقا نے غلام یا باندی کا نکاح کردیا ہے، اسی طرح پاگل عورت کا لڑکا جس نے پاگل ماں کا نکاح کردیا ہے تو یہ نکاح بھی لازم ہوجاتا ہے اس کو فسخ نہیں کیا جاسکتا ہے۔

فسق وفجور میں مشہور باپ دادا کا نکاح لازم نہیں ہوتا

ماقبل میں مسئلہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ باپ اور دادا کا کیا ہوا نکاح لازم ہوجاتا ہے اگرچہ غبن فاحش اور غیر کفو میں کیوں نہ کردیا ہو، لیکن اس میں اس باپ اور دادا کا کیا ہوا نکاح مستثنیٰ ہے جو بدتدبیری، فسق وفجور اور راہ وبیا کی میں مشہور نہ ہو، اگر باپ دادا فسق وفجور اور بدتدبیری میں معروف ومشہور ہوں تو بالاتفاق ان کا کیا ہوا نکاح لازم نہیں ہوگا۔

اسی طرح وہ نکاح بھی صحیح نہیں ہوتا ہے جس کو باپ دادا نے نشہ کی حالت میں کیا ہو، یا اس نے نابالغ لڑکے یا لڑکی کا نکاح کسی فاسق یا شریر سے کردیا ہو، یا ایسے محتاج وفقیر سے کردیا ہو جو بیوی کے نان ونفقہ ادا کرنے پر قادر نہ ہو، یا کسی ذلیل پیشہ سے روزی کمانے والا ہو، اس لیے کہ اس صورت میں یہ بات بالکل عیاں ہے کہ باپ دادا نے غلط اور برارشتہ تلاش کیا ہے اور غلط جگہ نکاح کیا ہے، لہٰذا اس میں شفقت کا خیال بالکل نہیں کیا گیا ہے، اس لیے نکاح لازم نہ ہوگا۔

باپ دادا کے علاوہ کسی نے غیر کفو میں نکاح کردیا تو کیا حکم ہے؟

اگر نکاح باپ اور دادا کے علاوہ کسی اور نے غیر کفو میں یا غبن فاحش کے ساتھ صغیر اور صغیرہ کا کردیا تو یہ نکاح بالکل صحیح نہ ہوگا، خواہ ماں ہو، یا قاضی، یا باپ کا وکیل ہو، لیکن النہر الفائق میں بحث کرنے کے بعد یہ مسئلہ لکھا ہے کہ اگر باپ نے جس کو وکیل بنایا ہے اس سے مہر کی مقدار متعین کردی تھی تو اس کا کیا ہوا نکاح صحیح ہوگا، لیکن فتویٰ قول اول پر ہے۔ اور صدر الشریعہ نے جو یہ لکھا ہے کہ باپ دادا کے علاوہ اگر کسی نے غیر کفو میں یا غبن فاحش کے ساتھ صغیر اور صغیرہ کا نکاح کردیا تو نکاح درست ہے اور نابالغ ونابالغہ کو بلوغ کے بعد حق فسخ حاصل ہے یہ ان کا وہم ہے، یہ نکاح بالکل درست نہیں ہوتا ہے۔

باپ دادا کے علاوہ ولی نے کفو میں نکاح کیا تو کیا حکم ہے؟

اگر باپ اور دادا کے علاوہ دوسرے ولی نے صغیر اور صغیرہ کا نکاح کفو میں کردیا اور مہر مثل کے عوض کردیا، تو اس صورت

میں نکاح صحیح ہو جائے گا، لیکن صغیر اور صغیرہ کو اور اسی طرح جو اس کے ساتھ لاحق ہے جیسے پاگل اور نرے بے وقوف کو بلوغ کے بعد اور جنون اور بے وقوفی ختم ہونے کے بعد نکاح فسخ کرنے کا اختیار حاصل ہوگا، اگرچہ شوہر بیوی سے جماع ہی کیوں نہ کر چکا ہو۔ اور بالغ ہونے کے بعد نکاح کا علم ہوا تو نکاح کا علم ہوتے ہی فسخ کا اختیار حاصل ہوگا، اس لیے کہ جو شفقت و محبت باپ اور دادا میں پائی جاتی ہے وہ دوسروں میں نہیں پائی جاتی ہے، اسی وجہ سے بلوغ کے بعد حق فسخ حاصل ہے۔

اسی طرح اگر نابالغ غلام اور باندی ہوں اور ان کا نکاح کر دیا گیا ہو، پھر بالغ ہونے کے بعد ان کو آقا کی طرف سے آزادی کا پروانہ مل گیا ہو تو اس صورت میں عورت کو خیار عتق حاصل ہوگا۔

لڑکی بالغہ اور لڑکا نابالغ ہو تو پھر کیا حکم ہے؟

اگر لڑکی بالغہ ہو گئی اور لڑکا ابھی نابالغ ہی ہے، لڑکی چاہ رہی ہے کہ نکاح کو فسخ کر دیا جائے تو ان دونوں کے درمیان لڑکے کے باپ کی موجودگی میں یا اس کے وصی کے روبرو تفریق کی جائے گی، لیکن نکاح کے فسخ کے لیے قاضی کا فیصلہ کرنا شرط ہوگا، لہٰذا ان دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کے وارث ہوں گے، یعنی لڑکی کے بالغ ہونے کے بعد قاضی نے نکاح فسخ نہیں کیا یہاں تک کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک مر گیا تو بقائے نکاح کی وجہ سے ایک دوسرے کے وارث ہوں گے اور شوہر کے ذمہ پورا مہر ادا کرنا لازم ہوگا اس لیے کہ موت کی وجہ سے بھی مہر مؤکد ہو جاتا ہے۔

ثُمَّ الْفُرْقَةُ إِنْ مِنْ قِبَلِهَا فَفَسْخٌ لَا يَنْقِصُ عَدَدَ طَلَاقٍ وَلَا يَلْحَقُهَا طَلَاقٌ إِلَّا فِي الرِّدَّةِ وَإِنْ مِنْ قِبَلِهِ فَطَلَاقٌ إِلَّا بِمِلْكٍ أَوْ رِدَّةٍ أَوْ خِيَارِ عِتْقٍ وَلَيْسَ لَنَا فُرْقَةٌ مِنْهُ وَلَا مَهْرَ عَلَيْهِ إِلَّا إِذَا اخْتَارَ نَفْسَهُ بِخِيَارِ عِتْقٍ وَشَرْطُ لِلْكُلِّ الْقَضَاءُ إِلَّا ثَمَانِيَةً وَنَظَمَ صَاحِبُ النَّهْرِ فَقَالَ:

فِرَقُ النِّكَاحِ أَتَتْكَ جَمْعًا نَافِعًا ☆ فَسْخٌ طَلَاقٌ وَهٰذَا الدُّرُّ يَحْكِيهَا

تَبَايُنُ الدَّارِ مَعْ نُقْصَانِ مَهْرٍ كَذَا ☆ فَسَادُ عَقْدٍ وَفَقْدُ الْكُفْءِ يَنْعِيهَا

تَقْبِيلُ سِبْيٍ وَإِسْلَامُ الْمُحَارِبِ أَوْ ☆ إِرْضَاعُ ضَرَّتِهَا قَدْ عُدَّ ذَا فِيهَا

خِيَارُ عِتْقٍ بُلُوغٍ رِدَّةٌ وَكَذَا ☆ مِلْكٌ لِبَعْضٍ وَتِلْكَ الْفَسْخُ يُحْصِيهَا

أَمَّا الطَّلَاقُ فَجَبٌّ عُنَّةٌ وَكَذَا ☆ إِيلَاؤُهُ وَلِعَانٌ ذَاكَ يَتْلُوهَا

قَضَاءُ قَاضٍ أَتَى شَرْطُ الْجَمِيعِ خَلَا ☆ مِلْكٍ وَعِتْقٍ وَإِسْلَامٍ أَتَى فِيهَا

تَقْبِيلُ سِبْيٍ مَعَ الْإِيلَاءِ يَا أَمَلِي ☆ تَبَايُنٌ مَعْ فَسَادِ الْعَقْدِ يُدْنِيهَا

اگر فرقت بیوی کی طرف سے ہو تو کیا حکم ہے؟

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ پھر اگر جدائی کا مطالبہ بیوی کی جانب سے ہو تو نکاح کا فسخ کرنا طلاق کے عدد کو

کم نہیں کرتا ہے، یعنی اگر بعد میں شوہر نے اس کی خوشی سے اس سے نکاح کرلیا تو شوہر تین طلاق دینے کا مالک ہوگا۔ اور جو عورت فسخ نکاح کی عدت میں ہے اس کو طلاق لاحق نہیں ہوگی، مگر مرتد ہونے کی صورت میں طلاق لاحق ہوگی یعنی اگر عورت ارتداد کی عدت میں ہو تو طلاقِ صریح اس کے ساتھ لاحق ہوسکتی ہے۔

فرقت شوہر کی طرف سے ہو تو کیا حکم ہے؟

اور اگر جدائی کا مطالبہ شوہر کی طرف سے ہو تو نکاح کا فسخ کرنا طلاق کے حکم میں ہے، لیکن شوہر کے مالک ہونے یا مرتد ہونے، یا شوہر کو خیارِ عتق حاصل ہونے کی وجہ سے جو جدائی حاصل ہوگی وہ طلاق شمار نہیں ہوگی، بلکہ وہ فسخ نکاح ہی شمار ہوگا۔ مثال کے طور پر کسی نے باندی سے نکاح کیا تھا پھر اس نے اس کو خرید لیا تو اس صورت میں اس کا نکاح فسخ ہوجائے گا اور یہ جدائی اگرچہ شوہر کی طرف سے ہوئی لیکن طلاق شمار نہ ہوگی بلکہ فسخ ہوگا۔ (حضرت علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ شارح نے یہاں خیارِ عتق بولا ہے، حالانکہ درست خیارِ بلوغ ہے جیسا کہ اس پر علامہ ابن نجیم صاحب البحر الرائق کا قول دلالت کر رہا ہے)۔ (شامی: ۴/۱۷۸)

فرقت کے بعد ادائیگیِ مہر

ہم علمائے احناف کے نزدیک شوہر کی جانب سے کوئی ایسی جدائی نہیں ہے جس میں شوہر پر مہر کی ادائیگی ضروری نہ ہو سوائے ایک صورت کے، کہ شوہر نابالغ تھا جس وقت کہ اس کا نکاح ہوا تھا، بالغ ہونے کے بعد اس کو خیارِ بلوغ حاصل ہوا، اس نے نکاح کو فسخ کرنا پسند کیا تو اس طریق سے جو جدائی واقع ہوگی اس میں شوہر پر مہر واجب نہیں ہوگی۔ اور تمام جدائی کے اندر قضائے قاضی شرط ہے، البتہ آٹھ قسم کی جدائی ایسی ہے جس میں قضائے قاضی شرط نہیں ہے بلکہ خود بخود جدائی واقع ہوجاتی ہے، ان آٹھ قسم کی جدائی کو النہر الفائق میں نظم کردیا گیا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے:

طلاق و فسخ

(۱) نکاح کی جدائی اور فرقت تیرے پاس مجموعہ نافع بن کر کے آئیں اور یہ دو چیزوں میں منحصر ہے: طلاق اور فسخ میں۔ ان دونوں کو یہ نظم بیان کررہی ہے۔

(۲) اوّل ان میں دار کا تباین ہے، یعنی زوجین کے درمیان تباینِ دار کی وجہ سے جدائی پیش آئے تو اس میں جدائی کے لیے قاضی کا فیصلہ شرط نہیں ہے۔ دوسرا مہر کی کمی کی وجہ سے فرقت واقع ہونا ہے۔ تیسری فرقت: عقد کے فاسد ہونے کی وجہ سے پیش آئے۔ اور چوتھی جدائی: زوجین میں کفو کا فقدان ہے، جو عورت کو موت کی خبر سناتا ہے۔

(۳) پانچویں فرقت تقبیل والی ہے۔ (اور اس کا مطلب یہ ہے کہ عورت شوہر کے بیٹے کو شہوت کے ساتھ چھولے، یا اس کا بوسہ لے لے، یا شوہر نے عورت کی بیٹی کا بوسہ لے لیا، یا شہوت کے ساتھ چھولیا تو اس سے حرمت مصاہرت ثابت ہوجائے

گی اور نکاح ٹوٹ جائے گا)۔(شامی:۴/ ۱۸۳)

چھٹی فرقت قید کی وجہ سے ہے۔(اور اس کی فرقت اس طرح ہے کہ عورت دار الحرب سے قید ہو کر دار الاسلام آ گئی)۔ ساتویں فرقت حربی شخص کا اسلام قبول کرنا ہے۔(قبولِ اسلام کی وجہ سے فرقت یہ ہے کہ حربی شخص نے اسلام قبول کرلیا اور مسلمان ہوگیا اور ادھر عورت کو تین حیض بھی آ چکے ہیں یا تین ماہ گذر چکے ہیں تو یہ جدائی فسخ نکاح قرار پائے گی)۔آٹھویں فرقت یہ ہے کہ سوکن کا سوکن کو دودھ پلانا ہے،اسلام لانے اور دودھ پلانے کا شمار اسی میں ہے(دودھ پلانے کی وجہ سے فرقت یہ ہے کہ مثال کے طور پر سوکن نے اپنی نابالغہ سوکن کو جس کی عمر دو سال سے کم کی تھی دودھ پلا دیا تو اس صورت میں شوہر کا نکاح دونوں سے فسخ ہوجائے گا۔

(۴)نویں فرقت خیارِ عتق ہے۔دسویں خیار بلوغ کی ہے۔گیارہویں ارتداد کی۔بارہویں جدائی بعض کا ملک ہونا ہے۔یہ تمام کی تمام جدائیاں فسخِ نکاح میں شمار ہوتی ہیں،طلاق میں نہیں۔(خیارِ عتق سے جدائی صرف عورت کی طرف سے واقع ہوتی ہے اور بعض کا ملک جیسے شوہر بیوی کا مالک ہوجائے،یا بیوی شوہر کی مالک ہوجائے تو اس صورت میں نکاح فسخ ہوجائے گا اور جب بعض ملک سے نکاح فسخ ہوجاتا ہے توکل ملک سے تو بدرجۂ اولیٰ نکاح فسخ ہوگا۔

طلاق سے فرقت

(۵) بہر حال جو جدائی طلاق سے واقع ہوتی ہے وہ چار ہیں:(۱)شوہر کا مجبوب یعنی مقطوع الذکر ہونا (۲)شوہر کا عنین یعنی نامرد ہونا (۳)ایلاء کا پایا جانا،یعنی شوہر یہ قسم کھائے کہ خدا کی قسم میں اپنی بیوی کے پاس چار ماہ تک نہیں جاؤں گا اور چار ماہ اسی طرح گذر گئے اور اس نے بیوی سے صحبت نہیں کی تو بیوی ایک طلاق سے بائنہ ہوجائے گی (۴)لعان کی وجہ سے جدائی کا واقع ہونا(یعنی شوہر بیوی پر زنا کی تہمت لگائے اور شرعی ثبوت نہ پیش کر سکے،پھر دونوں قسم کھا کر ایک دوسرے پر لعنت کریں،اس کے بعد باہم جدائی واقع ہوجاتی ہے)یہ حکم میں ماقبل کے تابع ہیں،یہ کل سولہ قسم کی جدائی ہوئی ہیں،بارہ فسخ کی ہیں اور چار طلاق کی۔

قاضی کا فیصلہ

مذکورہ بالا تمام جدائیوں میں آٹھ قسم کی جدائی میں قضائے قاضی شرط ہے،اس کے بغیر جدائی واقع نہیں ہوگی اور آٹھ قسم کی جدائی میں قضائے قاضی شرط نہیں ہے اور وہ درج ذیل ہیں:(۱)خیارِ عتق (۲)جدائی بوجہ ملک (۳)جدائی بوجہ اسلام (۴)جدائی بوجہ تقبیل (۵)جدائی بوجہ قید (۶)جدائی بوجہ ایلاء (۷)جدائی بوجہ تباین (۸)جدائی بوجہ فساد عقد۔

(وَبَطَلَ خِيَارُ الْبِكْرِ بِالسُّكُوتِ) لَوْ مُخْتَارَةً (عَالِمَةً بِ) أَصْلِ (النِّكَاحِ) فَلَوْ سَأَلَتْ عَنْ قَدْرِ

الْمَهْرِ قَبْلَ الْخَلْوَةِ أَوْ عَنْ الزَّوْجِ أَوْ سَلَّمَتْ عَلَى الشُّهُودِ لَمْ يَبْطُلْ خِيَارُهَا نَهْرٌ بَحْثًا (وَلَا يَمْتَدُّ إلَى آخِرِ الْمَجْلِسِ) لِأَنَّهُ كَالشُّفْعَةِ وَلَوْ اجْتَمَعَتْ مَعَهُ تَقُولُ أَطْلُبُ الْحَقَّيْنِ ثُمَّ تَبْدَأُ بِخِيَارِ الْبُلُوغِ لِأَنَّهُ دِينِيٌّ وَتَشْهَدُ قَائِلَةً بَلَغْت الْآنَ ضَرُورَةَ إحْيَاءِ الْحَقِّ (وَإِنْ جَهِلَتْ بِهِ) لِتَفَرُّغِهَا لِلْعِلْمِ (بِخِلَافِ) خِيَارِ (الْمُعْتَقَةِ) فَإِنَّهُ يَمْتَدُّ لِشُغْلِهَا بِالْمَوْلَى (وَخِيَارُ الصَّغِيرَةِ وَالثَّيِّبِ إذَا بَلَغَا لَا يَبْطُلُ) بِالسُّكُوتِ (بِلَا صَرِيحِ) رِضًا (أَوْ دَلَالَةٍ) عَلَيْهِ (كَقُبْلَةٍ وَلَمْسٍ) وَدَفْعِ مَهْرٍ (لَا) يَبْطُلُ (بِقِيَامِهَا عَنْ الْمَجْلِسِ) لِأَنَّ وَقْتَهُ لِلْعُمْرِ فَيَبْقَى حَتَّى يُوجَدَ الرِّضَا، وَلَوْ ادَّعَتْ التَّمْكِينَ كُرْهًا صُدِّقَتْ، وَمُفَادُهُ أَنَّ الْقَوْلَ لِمُدَّعِي الْإِكْرَاهِ لَوْ فِي حَبْسِ الْوَالِي فَلْيُحْفَظْ

باکرہ لڑکی کے خیارِ بلوغ کا بطلان

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ باکرہ لڑکی کا خیارِ بلوغ سکوت سے باطل ہوجاتا ہے، بشرطیکہ وہ اصل نکاح سے واقف ہو اور سکوت واختیار میں وہ خودمختار ہو تو خیارِ بلوغ باطل ہوجائے گا (لیکن جب با[1] کے پاس بلوغ کے بعد نکاح کی خبر پہنچی اس وقت اس کو چھینک یا کھانسی آگئی یا کسی نے منھ بند کردیا اور وہ بول نہ سکی، تو اس طرح کی خاموشی سے خیارِ بلوغ باطل نہ ہوگا، بلکہ باکرہ بعد میں نکاح کو رد کرسکتی ہے)۔ (شامی: ۴/ ۱۸۷)

جب باکرہ لڑکی کے پاس نکاح کی خبر پہنچی تو اس نے مہر کی مقدار دریافت کی اور خلوت سے پہلے کی، یا اس نے شوہر کے متعلق کچھ معلومات کیں، یا اس نے نکاح کے گواہوں کو سلام کیا تو ان افعال کی وجہ سے اس کا اختیار باطل نہ ہوگا، جیسا کہ النہر الفائق میں اس مسئلہ پر بحث کرنے کے بعد لکھا ہے۔

خیارِ بلوغ کب تک باقی رہتا ہے؟

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ خیارِ بلوغ مجلس کے اخیر تک دراز نہیں ہوتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ خیارِ بلوغ شفعہ کی طرح ہے، یعنی عورت کو جس مجلس میں اپنے بلوغ کا علم ہوا ہو اسی مجلس میں نکاح باقی رکھنے یا نہ رکھنے کے متعلق اظہار کرنا چاہئے، اگر عورت نے فوراً اظہارِ خیال نہیں کیا اور خاموشی اختیار کئے رہی تو بعد میں اس کے قول کا اعتبار نہ ہوگا، جس طرح کہ بابِ شفعہ میں حق شفعہ کے متعلق علم ہونے کے بعد سکوت اختیار کرنے سے شفعہ باطل ہوجاتا ہے۔

اور اگر حق شفعہ خیارِ بلوغ کے ساتھ جمع ہوجائے تو عورت یوں کہے کہ میں دونوں حق کا مطالبہ کرتی ہوں، پھر تفصیل کرتے ہوئے پہلے خیارِ بلوغ کا ذکر کرے، اس لیے کہ یہ ایک دینی معاملہ ہے۔ اور عورت یہ کہہ کر گواہ بنائے کہ میں اب بالغ ہوچکی ہوں اور اس طرح کہنا اس کے حق کو زندہ کرنے کے لیے ہوگا۔ اور اگر عورت کو یہ مسئلہ معلوم نہ ہو کہ بالغ ہونے کے بعد خاموش

رہنے سے خیارِ بلوغ باطل ہوجاتا ہے تب اس کا خیارِ بلوغ باطل ہوجائے گا، اس لیے کہ مسئلہ سے ناواقف رہنا عذر نہیں مانا گیا ہے، اس لیے کہ آزاد عورت علم حاصل کرنے کے لیے فارغ ہوتی ہے، لہٰذا اس پر فرض تھا کہ وہ ضروری مسائل دینیہ سے واقف رہتی، ہاں اگر وہ باندی ہے جو ابھی ابھی آزاد ہوئی ہے اور اس کو یہ مسئلہ معلوم نہیں ہے کہ خاموش رہنے سے خیارِ عتق باطل ہوجاتا ہے تو اس کے حق میں نہ جاننا عذر مانا گیا ہے، اس لیے کہ باندی مولیٰ کی خدمت میں مشغول رہتی ہے، اس کو تحصیلِ علم کا موقع نہیں ملتا ہے، اس لیے جب تک اس کو خیارِ عتق کا مسئلہ معلوم نہ ہو خیارِ عتق باقی رہے گا۔

نابالغ کا خیارِ بلوغ

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ نابالغ اور ثیب کا خیارِ بلوغ بالغ ہونے کے بعد صرف سکوت سے باطل نہیں ہوتا ہے، جب تک کہ صراحۃً یا دلالۃً اس سے رضامندی نہ پائی جائے، دلالتِ حال سے رضامندی کا پایا جانا جیسے بیوی کا بوسہ لینا، چھونا، مہر دینا۔ (مطلب یہ ہے کہ ایک نابالغ لڑکا تھا اور ایک نابالغہ لڑکی تھی ان دونوں کا نکاح باپ اور دادا کے علاوہ کسی اور ولی نے کردیا تھا تو بلوغ کے بعد فوراً خیارِ بلوغ باطل نہ ہوگا جب تک کہ لڑکا صراحۃً یہ نہ کہے کہ میں نے نکاح کو باقی رکھا، یا پھر بیوی کے ساتھ بوس وکنار کرلیا، یا اس کو مہر ادا کردیا، یا اسی طرح کوئی اور کام کردیا جو رضامندی پر دلالت کرتا ہو تو اب خیارِ بلوغ باطل ہوگا۔ (اور ثیب اس لڑکے کو کہتے ہیں جس کا نکاح نابالغی کی حالت میں ہوا تھا پھر بیوی کا انتقال ہوگیا اور لڑکے کا دوبارہ نکاح نابالغی کی حالت میں کسی اور سے کردیا گیا)۔

اسی طرح اگر صغیر اور ثیب مجلس سے اُٹھ گئے تو محض مجلس سے اُٹھ جانے کی وجہ سے بھی خیارِ بلوغ باطل نہیں ہوتا ہے، اس لیے کہ ان کے اختیار کا وقت ان کی پوری زندگی ہے، لہٰذا جب تک رضامندی نہ پائی جائے اختیار باقی رہے گا۔

اگر عورت یہ دعویٰ کرے کہ شوہر نے اس کے ساتھ زبردستی جماع کیا ہے، تو اس صورت میں عورت کی تصدیق کی جائے گی، اس کا فائدہ یہ ہے کہ جو بھی زبردستی کا دعویٰ کرے گا اس کی بات تسلیم کی جائے گی، اگرچہ دعویٰ کرنے والا شخص حاکم کے قید میں کیوں نہ ہو، لہٰذا اس فائدہ کو خوب اچھی طرح یاد رکھنا چاہئے۔

(الْوَالِيُّ فِي النِّكَاحِ) لَا الْمَالِ (الْعَصَبَةُ بِنَفْسِهِ) وَهُوَ مَنْ يَتَّصِلُ بِالْمَيِّتِ حَتَّى الْمُعْتَقَةِ (بِلَا تَوَسُّطِ أُنْثَى) بَيَانٌ لِمَا قَبْلَهُ (عَلَى تَرْتِيبِ الْإِرْثِ وَالْحَجْبِ) فَيُقَدَّمُ ابْنُ الْمَجْنُونَةِ عَلَى أَبِيهَا لِأَنَّهُ يَحْجُبُهُ حَجْبَ نُقْصَانٍ (بِشَرْطِ حُرِّيَّةٍ وَتَكْلِيفٍ وَإِسْلَامٍ فِي حَقِّ مُسْلِمَةٍ) تُرِيدُ التَّزَوُّجَ (وَوَلَدِ مُسْلِمٍ) لِعَدَمِ الْوِلَايَةِ (وَكَذَا لَا وِلَايَةَ) فِي نِكَاحٍ وَلَا فِي مَالٍ (لِمُسْلِمٍ عَلَى كَافِرَةٍ إِلَّا) بِالسَّبَبِ الْعَامِّ (بِأَنْ يَكُونَ) الْمُسْلِمُ (سَيِّدَ أَمَةٍ كَافِرَةٍ أَوْ سُلْطَانًا) أَوْ نَائِبَهُ أَوْ شَاهِدًا

اولیاءِ نکاح کی تفصیل

یہاں حضرت مصنف علیہ الرحمہ اولیاءِ نکاح کی تفصیل بیان کر رہے ہیں اولیاءِ مال کا بیان نہیں ہے۔ نکاح کے لیے ولی وہ ہے جو عصبہ بنفسہٖ ہو اور عصبہ بنفسہٖ اس کو کہتے ہیں جس کا تعلق میت اور آزاد شدہ عورت کے ساتھ بغیر کسی عورت کے واسطہ سے ہو، جیسے باپ بیٹا اور آزاد کرنے والا آقا، یہ تمام کے تمام عصبہ بنفسہٖ ہیں، اس لیے کہ باپ کا تعلق بیٹے سے اور بیٹے کا تعلق ماں سے، اسی طرح آزاد کرنے والے آقا کا تعلق اس باندی سے جس کو اس نے آزاد کیا ہے بغیر کسی عورت کے توسط کے ہے۔ (یہاں عصبہ بنفسہٖ کی تعریف میں میت کا لفظ غیر مناسب تھا، اس لیے کہ یہاں جس لڑکی یا لڑکے کا نکاح کر رہا ہے اس سے اس کا تعلق بلا کسی عورت کے ہے، لہٰذا یہی کہنا مناسب اور موزوں تھا)۔

ولایتِ نکاح کی ترتیب

اور ولایتِ نکاح کا حق وراثت اور حجب کی ترتیب کے مطابق ہے، لہٰذا پاگل عورت کا لڑکا اس کے باپ پر مقدم ہوگا، اس لیے کہ بیٹا باپ کے لیے حاجبِ نقصان بنتا ہے، اس لیے کہ اگر بیٹا نہ ہو تو میت کا سارا مال باپ کو مل جاتا ہے اور اگر میت کا بیٹا بھی ہوگا تو اس کے باپ کو صرف چھٹا حصہ ملے گا اس لیے بیٹے کی ولایت باپ پر مقدم ہوگی۔

عصبہ بنفسہٖ کے شرائط

عصبہ بنفسہٖ کے ولی نکاح بننے کے لیے تین شرطیں ہیں: (۱) وہ آزاد ہو (۲) عاقل وبالغ ہو (۳) مسلمان ہو، ان مسلمان عورت کے حق میں جو نکاح کا ارادہ رکھتی ہو، اور مسلمان لڑکے کے حق میں، اس لیے کہ کافر کو مسلمان پر حق ولایت حاصل نہیں ہے، اسی طرح مسلمان کو بھی کافرہ عورت کے نکاح میں حق ولایت حاصل نہیں ہوتی ہے اور نہ مسلمانوں کو کافر عورت کے مال میں ولایت حاصل ہوتی ہے، البتہ سبب عام کی وجہ سے مسلمان کو ولایت حاصل ہوتی ہے، اور سبب عام یہ ہے کہ مسلمان کافر باندی کا مالک ہو، یا مسلمان بادشاہ ہو، یا اس کا نائب ہو تو ان صورتوں میں مسلمانوں کو کافرہ پر حق ولایت حاصل ہوگی۔

(وَلِلْكَافِرِ وِلَايَةٌ عَلَى) كَافِرٍ (مِثْلِهِ) اتِّفَاقًا (فَإِنْ لَمْ يَكُنْ عَصَبَةٌ فَالْوِلَايَةُ لِلْأُمِّ) ثُمَّ لِأُمِّ الْأَبِ وَفِي الْقُنْيَةِ عَكْسُهُ، ثُمَّ لِلْبِنْتِ، ثُمَّ لِبِنْتِ الِابْنِ، ثُمَّ لِبِنْتِ الْبِنْتِ، ثُمَّ لِبِنْتِ ابْنِ الِابْنِ، ثُمَّ لِبِنْتِ بِنْتِ الْبِنْتِ، وَهَكَذَا، ثُمَّ لِلْجَدِّ الْفَاسِدِ (ثُمَّ لِلْأُخْتِ لِأَبٍ وَأُمٍّ، ثُمَّ لِلْأُخْتِ لِأَبٍ ثُمَّ لِوَلَدِ الْأُمِّ) الذَّكَرُ وَالْأُنْثَى سَوَاءٌ، ثُمَّ لِأَوْلَادِهِمْ (ثُمَّ لِذَوِي الْأَرْحَامِ) الْعَمَّاتِ، ثُمَّ الْأَخْوَالِ، ثُمَّ الْخَالَاتِ، ثُمَّ بَنَاتِ الْأَعْمَامِ. وَبِهَذَا التَّرْتِيبِ أَوْلَادُهُمْ شُمُنِّيٌّ ثُمَّ مَوْلَى الْمُوَالَاةِ (ثُمَّ لِلسُّلْطَانِ ثُمَّ لِقَاضٍ نُصَّ لَهُ عَلَيْهِ فِي مَنْشُورِهِ) ثُمَّ لِنُوَّابِهِ إنْ فُوِّضَ لَهُ ذَلِكَ وَإِلَّا لَا (وَلَيْسَ لِلْوَصِيِّ) مِنْ حَيْثُ هُوَ وَصِيٌّ (أَنْ

يُزَوِّجَ) الْيَتِيمَ (مُطْلَقًا) وَإِنْ أَوْصَى إِلَيْهِ الْأَبُ بِذَلِكَ عَلَى الْمَذْهَبِ. نَعَمْ لَوْ كَانَ قَرِيبًا أَوْ حَاكِمًا يَمْلِكُهُ بِالْوِلَايَةِ كَمَا لَا يَخْفَى.

کافر کی ولایت

مسئلہ یہ ہے کہ کافر کو اپنے جیسے کافر پر ولایت حاصل ہے اور یہ اتفاقی مسئلہ ہے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے اور مماثلت اور برابری کفر میں ہونا چاہئے مذہب وملت میں نہیں، چنانچہ یہودی شخص نصرانی کی لڑکی کا ولی بن سکتا ہے، اگرچہ دونوں کا مذہب وملت الگ الگ ہو۔

اگر عصبہ نہ ہو تو حق ولایت کس کو ملے گا؟

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اگر نابالغ کا کوئی بھی ولی عصبہ نہ ہو تو ایسی صورت میں نکاح کی ولایت ماں کو ملتی ہے، پھر ماں کے بعد نکاح کی ولایت دادی کو حاصل ہوتی ہے۔ اور قنیہ نامی کتاب میں اس کے برعکس لکھا ہے، یعنی ولی عصبہ نہ ہونے کی صورت میں نکاح کی ولایت پہلے دادی کو حاصل ہوگی اس کے بعد ماں کو، لیکن پہلا قول راجح ہے کہ ماں کو ولایت حاصل ہوگی پھر دادی کو، دادی کے بعد بیٹی کو، پھر پوتی کو، پھر نواسی کو، پھر پڑپوتی کو، پھر پڑنواسی کو، اسی ترتیب سے فروع کے اخیر تک، ان تمام کے بعد ولایت نکاح کا حق نانا کو حاصل ہوگا۔

نانا کے بعد ولایت کا حق کس کا ہے؟

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ نانا کے بعد ولایت نکاح کا حق سگی بہن کو ہے، پھر سوتیلی بہن کو، پھر ماں کی اولاد کو، ان میں مرد وعورت دونوں برابر ہوتے ہیں، پھر ان کے بعد ماں کی اولاد کی اولاد کو نکاح کی ولایت حاصل ہوگی، پھر اگر ان میں سے کوئی بھی نہ ہو تو اس صورت میں بقیہ ذوی الارحام کو ولایت کا حق حاصل ہوگا۔ اور ذوی الارحام میں پہلے ولایت نکاح کا حق پھوپھی کو ملے گا، پھر ماموں کو، پھر خالہ کو، پھر چچا کی لڑکیوں کو، پھر اسی ترتیب سے ان سب کی اولاد کو، جیسا کہ شمنی میں ہے، پھر ان سب کے بعد مولی الموالات کو۔ (اور مولی الموالات وہ شخص ہے جس کے دست اقدس پر کسی کافر شخص نے اسلام قبول کیا ہو اور جس نے اسلام قبول کیا تھا وہ مجہول النسب تھا اور وہ اپنی ایک نابالغہ لڑکی چھوڑ کر انتقال کر گیا، تو اس صورت میں اس لڑکی کا ولی وہ شخص ہوگا جس کے ہاتھ پر اس کے باپ نے اسلام قبول کیا تھا۔ (شامی: ۴/ ۱۹۶)

ولایت نکاح بادشاہ اور قاضی کو

اگر کسی آدمی کا مولی الموالات بھی کوئی نہ ہو تو ان سب کے بعد بادشاہ وقت کو ولایت نکاح حاصل ہوتی ہے، پھر اس قاضی کو ولایت نکاح حاصل ہوتی ہے جس کی سند میں نابالغہ لڑکی کے نکاح کی ولایت کی صراحت کی گئی ہو، پھر اس کے بعد قاضی کے

نائبوں کو، اگر قاضی پر بادشاہ کی طرف سے نابالغوں کے نکاح کرانے کی ذمہ داری سونپی گئی ہو اور اگر بادشاہ کی طرف سے قاضی پر یہ ذمہ داری نہیں سونپی گئی ہو تو پھر اس کے نائب کو ولایتِ نکاح حاصل نہ ہوگا۔

وصی کے لیے نکاح کی ولایت کا حق

جو شخص وصی ہے اس کو وصی ہونے کی حیثیت سے یہ حق نہیں ہے کہ وہ کسی طرح سے یتیم کی شادی کر دے، اگرچہ اس کو باپ نے نکاح کر دینے کی وصیت ہی کیوں نہ کی ہو، تب بھی وصی من حیث الوصی نکاح نہیں کرا سکتا ہے، اس بارے میں صحیح مذہب یہی ہے، البتہ اگر وصی قرابت دار یا حاکم ہو تو وہ ولایتِ نکاح کا مالک ہوگا اور نکاح کرا سکتا ہے، اس لیے کہ اس کو ولایت حاصل ہے جیسا کہ یہ بات پوشیدہ نہیں ہے۔

[فُرُوعٌ] لَيْسَ لِلْقَاضِي تَزْوِيجُ الصَّغِيرَةِ مِنْ نَفْسِهِ وَلَا مِمَّنْ لَا تُقْبَلُ شَهَادَتُهُ لَهُ كَمَا فِي مُعِينِ الْحُكَّامِ، وَأَقَرَّهُ الْمُصَنِّفُ وَبِهِ عُلِمَ أَنَّ فِعْلَهُ حُكْمٌ وَإِنْ عَرِيَ عَنِ الدَّعْوَى. صَغِيرَةٌ زَوَّجَتْ نَفْسَهَا وَلَا وَلِيَّ وَلَا حَاكِمَ ثَمَّةَ تَوَقَّفَ، وَنَفَذَ بِإِجَازَتِهَا بَعْدَ بُلُوغِهَا لِأَنَّ لَهُ مُجِيزًا وَهُوَ السُّلْطَانُ، وَلَوْ زَوَّجَهَا وَلِيَّانِ مُسْتَوِيَانِ قُدِّمَ السَّابِقُ فَإِنْ لَمْ يَدْرِ أَوْ وَقَعَا مَعًا بَطَلَا (وَلِلْوَلِيِّ الْأَبْعَدِ التَّزْوِيجُ بِغَيْبَةِ الْأَقْرَبِ) فَلَوْ زَوَّجَ الْأَبْعَدُ حَالَ قِيَامِ الْأَقْرَبِ تَوَقَّفَ عَلَى إِجَازَتِهِ وَلَوْ تَحَوَّلَتِ الْوِلَايَةُ إِلَيْهِ لَمْ يَجُزْ إِلَّا بِإِجَازَتِهِ بَعْدَ التَّحَوُّلِ قُهُسْتَانِيٌّ وَظَهِيرِيَّةٌ (مَسَافَةَ الْقَصْرِ) وَاخْتَارَ فِي الْمُلْتَقَى مَا لَمْ يَنْتَظِرِ الْكُفْءُ الْخَاطِبُ جَوَابَهُ وَاعْتَمَدَهُ الْبَاقَانِيُّ وَنَقَلَ ابْنُ الْكَمَالِ أَنَّ عَلَيْهِ الْفَتْوَى وَثَمَرَةُ الْخِلَافِ فِيمَنِ اخْتَفَى فِي الْمَدِينَةِ هَلْ تَكُونُ غَيْبَةً مُنْقَطِعَةً (وَلَوْ زَوَّجَهَا الْأَقْرَبُ حَيْثُ هُوَ جَازَ) النِّكَاحُ (عَلَى) الْقَوْلِ (الظَّاهِرِ) ظَهِيرِيَّةٌ (وَيَثْبُتُ لِلْأَبْعَدِ) عَلَى أَوْلِيَاءِ النَّسَبِ شَرْحُ وَهْبَانِيَّةٍ لَكِنْ فِي الْقُهُسْتَانِيِّ عَنِ الْغِيَاثِيِّ: لَوْ لَمْ يُزَوِّجِ الْأَقْرَبُ زَوَّجَ الْقَاضِي عِنْدَ فَوْتِ الْكُفْءِ (التَّزْوِيجُ بِعَضْلِ الْأَقْرَبِ) أَيْ بِامْتِنَاعِهِ عَنِ التَّزْوِيجِ إِجْمَاعًا خُلَاصَةٌ (وَلَا يَبْطُلُ تَزْوِيجُهُ) السَّابِقُ (بِعَوْدِ الْأَقْرَبِ) لِحُصُولِهِ بِوِلَايَةٍ تَامَّةٍ.

شارح کی طرف سے اضافہ شدہ چند مسائل

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ مسئلہ یہ ہے کہ قاضی کے لیے یہ بات جائز نہیں ہے کہ نابالغہ لڑکی کا نکاح اپنے آپ سے کر لے اور نہ یہ بات جائز ہے کہ اس کا نکاح اس شخص سے کر دے جس کی شہادت اس کے حق میں قبول نہیں کی جاتی ہے جیسا کہ یہ مسئلہ معین الحکام میں ہے، اسی کو حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے برقرار رکھا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ بے شک حاکم کا فعل حکم

ہے اگرچہ دعویٰ سے خالی ہے۔ (اور قاضی کے لیے یہ بات جائز نہیں ہے کہ اپنے نفس کے لیے کوئی فیصلہ کرے، اسی طرح یہ بات بادشاہ کے لیے بھی جائز نہیں ہے)۔

مسئلہ: نابالغہ لڑکی نے نکاح کیا اور وہاں کوئی ولی حاکم وغیرہ نہیں تھا تو نابالغہ کا یہ نکاح موقوف رہے گا، اس کے بالغ ہونے کے بعد اس کی اجازت سے نکاح نافذ ہوگا۔ اور یہ نکاح باطل اس لیے نہیں ہوگا کہ اس کی اجازت دینے والا یعنی حاکم موجود تھا گو کہ وہ وہاں موجود نہیں تھا۔

مسئلہ: اگر کسی نابالغ کا نکاح دو برابر درجے کے ولیوں نے کر دیا تو اس صورت میں پہلا نکاح منعقد ہوگا اور دوسرا منعقد نہیں ہوگا اور اگر یہ معلوم نہ ہو سکے کہ پہلا کون ہے اور بعد والا کون ہے، یا پھر دونوں نکاح ساتھ ساتھ ہوئے ہیں، تو اس صورت میں دونوں نکاح باطل ہو جائیں گے، جیسے کہ نابالغہ لڑکی کے دو بھائی تھے ایک نے خالد سے اس کا نکاح کر دیا، دوسرے نے حماد سے نکاح کر دیا اور اوّلیت وبعدیت کا علم نہیں ہے تو دونوں نکاح باطل ہو جائیں گے۔

ولیٔ اقرب کی عدمِ موجودگی میں ولیٔ ابعد کو ولایتِ نکاح

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ولیٔ اقرب کی عدمِ موجودگی میں ولی ابعد نکاح کرا سکتا ہے اور اس کا کرایا ہوا نکاح درست ہے، لیکن اگر ولی اقرب کی موجودگی میں ولی ابعد نے نکاح کر دیا تو اب یہ نکاح ولی اقرب کی اجازت پر موقوف رہے گا۔ مثال کے طور پر ایک لڑکی ہے اس کا ایک سگا بھائی ہے، دوسرا سوتیلا بھائی ہے تو سگا بھائی ولی اقرب ہوا، تو اگر سگے بھائی کی موجودگی میں سوتیلے بھائی نے بہن کا نکاح کر دیا تو یہ نکاح سگے بھائی جو ولی اقرب ہے کی اجازت پر موقوف رہے گا۔

اور اگر ولایت نکاح ولی اقرب کی طرف منتقل ہوگئی تو اب نکاح اس کی اجازت سے نافذ ہوگا جیسا کہ قہستانی اور فتاویٰ ظہیریہ میں ہے۔ مثال کے طور پر ولی اقرب موجود تھا اور ولی ابعد نے نکاح کر دیا، پھر اس کے بعد ولی اقرب کا انتقال ہو گیا یا کہیں دور غائب ہو گیا جہاں سے اس سے رائے لینا ممکن نہ ہو تو اب یہ ولایت ولی ابعد کی طرف منتقل ہوگئی، لہٰذا اب ولی ابعد کا کیا ہوا نکاح اس وقت تک نافذ نہ ہوگا جب تک ولایت لوٹنے کے بعد دوبارہ اجازت نہ دے۔

ولیٔ ابعد کو حقِ ولایت

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ولی ابعد نابالغ لڑکی یا لڑکے کا نکاح اس وقت کر سکتا ہے جب ولی اقرب مسافت سفر کی مقدار پر غائب ہو۔ اور ملتقیٰ نامی کتاب میں غائب ہونے کی مقدار یہ بیان فرمائی ہے کہ ولی اقرب اتنا دور چلا جائے کہ جس سے منگنی ہونی طے پائی ہے وہ اس کے جواب کے انتظار کرنے پر آمادہ نہ ہو۔ علامہ باقانی نے اسی قول پر اعتماد کیا ہے اور علامہ ابن کمالؒ نے اسی پر فتویٰ دینا نقل کیا ہے۔ اور ان دونوں قولوں میں اختلاف کا ثمرہ اس وقت ظاہر ہوگا جب ولی

اقرب شہر میں چھپ گیا ہو تو اس وقت غیبت منقطعہ کا ثبوت ہوگا یا نہیں؟ تو قولِ اوّل کے مطابق اس صورت میں ولی ابعد کا نکاح کرنا جائز نہیں ہوگا، کیوں کہ مسافت سفر شرعی کی دوری پر نہیں ہے اور قولِ ثانی کے مطابق ولی ابعد کا نکاح کرنا جائز ہوگا، اس لیے کہ اس صورت میں بھی اس کی رائے سے فائدہ نہیں اُٹھایا جاسکتا ہے۔

ولیٔ اقرب جہاں ہے وہیں سے نکاح کر دیا تو کیا حکم ہے؟

ولیٔ اقرب جس جگہ قیام پذیر ہے اسی جگہ رہتے ہوئے نابالغہ لڑکی کا نکاح کر دے تو ظاہر قول کے مطابق نکاح جائز ہوگا جیسا کہ فتاویٰ ظہیریہ میں ہے۔

(اور النہر الفائق میں ہے کہ نکاح جائز نہ ہوگا، کیوں کہ وہ غائب ہے لیکن فتویٰ قولِ اوّل پر ہے)۔

ولیٔ اقرب کے انکار کی صورت میں ولیٔ ابعد کو ولایتِ نکاح کا حق

اگر ولیٔ اقرب نابالغوں کا نکاح نہ کرے اور ولایت کا انکار کرے تو ولی ابعد کے لیے ولایتِ نکاح ثابت ہو جائے گی، یعنی جب ولی اقرب نکاح کرنے سے رُکا رہے گا تو وہ ولایت سے معزول قرار پائے گا اور ولی ابعد اس کے قائم مقام ہو جائے گا، جیسا کہ شرح وہبانیہ میں ہے، لیکن قہستانی میں غیاثی سے نقل کیا ہے کہ جب ولی اقرب نابالغ لڑکے یا لڑکی کا نکاح نہ کرے اور کفو فوت ہو رہا ہو تو ایسی صورت میں قاضی ولی بن کر کفو میں اس کا نکاح کر سکتا ہے اور یہ اجماعی مسئلہ ہے جیسا کہ خلاصہ نامی کتاب میں مذکور ہے۔

ولیٔ اقرب کی عدمِ موجودگی میں جو نکاح ولیٔ ابعد نے کر دیا ہے وہ ولی اقرب کے لوٹنے کی وجہ سے باطل نہیں ہوگا، کیوں کہ ولی ابعد نے جس وقت نکاح کیا تھا اس کو ولایت تامہ حاصل تھی۔

(وَوَلِيُّ الْمَجْنُونَةِ) وَالْمَجْنُونِ وَلَوْ عَارِضًا (فِي النِّكَاحِ) أَمَّا التَّصَرُّفُ فِي الْمَالِ فَلِلْأَبِ اتِّفَاقًا (ابْنُهَا) وَإِنْ سَفَلَ (دُونَ أَبِيهَا) كَمَا مَرَّ، وَالْأَوْلَى أَنْ يَأْمُرَ الْأَبُ بِهِ لِيَصِحَّ اتِّفَاقًا (وَلَوْ أَقَرَّ وَلِيُّ صَغِيرٍ أَوْ صَغِيرَةٍ أَوْ) أَقَرَّ (وَكِيلُ رَجُلٍ أَوْ امْرَأَةٍ أَوْ مَوْلَى لِعَبْدِهِ النِّكَاحَ لَمْ يَنْفُذْ) لِأَنَّهُ إِقْرَارٌ عَلَى الْغَيْرِ بِخِلَافِ مَوْلَى الْأَمَةِ حَيْثُ يَنْفُذُ إِجْمَاعًا لِأَنَّ مَنَافِعَ بُضْعِهَا مِلْكُهُ (إِلَّا أَنْ يَشْهَدَ الشُّهُودُ عَلَى النِّكَاحِ) بِأَنْ يَنْصِبَ الْقَاضِي خَصْمًا عَنِ الصَّغِيرِ، حَتَّى يُنْكِرَ فَتُقَامَ الْبَيِّنَةُ عَلَيْهِ (أَوْ يُدْرِكَ الصَّغِيرُ أَوْ الصَّغِيرَةُ فَيُصَدِّقَهُ) أَيْ الْوَلِيَّ الْمُقِرَّ (أَوْ يُصَدِّقَ الْمُوَكِّلُ أَوْ الْعَبْدُ) عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَا: يُصَدَّقُ فِي ذَلِكَ وَهَذِهِ الْمَسْأَلَةُ مُخَرَّجَةٌ مِنْ قَوْلِهِمْ مَنْ مَلَكَ الْإِنْشَاءَ مَلَكَ الْإِقْرَارَ بِهِ وَلَهَا نَظَائِرُ [فَرْعٌ] هَلْ لِوَلِيِّ مَجْنُونٍ وَمَعْتُوهٍ تَزْوِيجُهُ أَكْثَرَ مِنْ وَاحِدَةٍ لَمْ أَرَهُ وَمَنَعَهُ الشَّافِعِيُّ

وَجَوَّزَهُ فِي الصَّبِيِّ لِلْحَاجَةِ.

پاگل عورت کا ولی

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ پاگل عورت اور پاگل مرد کا ولی نکاح اس کا لڑکا ہے، اگر چہ نیچے تک ہو، مثلاً پوتا وغیرہ، اگر چہ ان کا پاگل پن عارضی طور پر کیوں نہ لاحق ہوا ہو۔ پاگل کے لڑکے کے رہتے ہوئے اس کا باپ ولی نہیں ہوگا، یہ بات پہلے بھی گذر چکی ہے البتہ پاگل مرد یا پاگل عورت کے مال میں تصرف کا حق اس کے باپ کو حاصل ہوگا، اس پر تمام ائمہ کرام متفق ہیں، اور افضل یہ ہے کہ پاگل کے نکاح میں اس کا باپ اس کے لڑکے کو حکم دے پھر اس کے بعد بیٹا پاگل ماں کا نکاح کردے، تاکہ نکاح بالاتفاق درست ہوجائے اور کسی کا اختلاف باقی نہ رہے۔

دوسرے کا اقرار

اگر نابالغ لڑکے یا نابالغہ لڑکی کا ولی اس کے نکاح کا اقرار کرے یا کسی شخص کا وکیل اقرار کرے، یا کسی عورت کا وکیل اقرار کرے، یا آقا غلام کے نکاح کا اقرار کرے تو یہ اقرار نافذ نہیں ہوگا، اس لیے کہ یہ غیر کے اوپر اقرار ہے خود اپنی ذات پر اقرار نہیں ہے کہ حجت بن سکے، البتہ اگر باندی کے نکاح کا اقرار آقا کرلے گا تو اس کا اقرار بالاتفاق نافذ ہوجائے گا اس لیے کہ باندی سے صحبت کا فائدہ آقا کو حاصل ہے اور آقا ہی اس کا مالک ہے۔

اس کی شکل یہ ہے کہ کسی نے یہ دعویٰ کیا کہ میرا نکاح فلاں باندی سے ہوا ہے مگر اس کے پاس گواہ نہیں ہے، اب آقا اس کی تصدیق کردیتا ہے کہ ہاں اس کا نکاح باندی سے ہوا ہے تو اس کی بات تسلیم کرلی جائے گی اور نکاح ثابت ہوجائے گا۔

ولی کے اقرار کا نفاذ

نکاح کے سلسلہ میں ولی کا اقرار اس وقت نافذ ہوگا جب گواہان نکاح ہونے کی گواہی دیں، اور اس کی صورت یہ ہے کہ قاضی نابالغ کی طرف سے کوئی مدعیٰ علیہ کھڑا کرے کہ وہ نکاح کا انکار کرے پھر مدعی کی طرف سے گواہ پیش ہو، یا نابالغ لڑکا یا لڑکی بالغ ہونے کے بعد اس کی تصدیق کریں، یا مؤکل اپنے وکیل کے اقرار کی تصدیق کرلے، یا غلام اپنے آقا کے اقرار کی تصدیق کرے، یہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے اور حضرات صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ بغیر تصدیق اور بغیر گواہ کے بھی ولی کے اقرار کی تصدیق ہوگی۔ اور اقرار کا یہ مسئلہ حضرات فقہائے کرام کے اس قول سے نکلا ہے کہ جو شخص انشاء کا مالک ہوتا ہے وہ اقرار کا بھی مالک ہوتا ہے اور اس کی اور بھی نظیریں ہیں، لیکن اوپر والا مسئلہ اس اصول سے مستثنیٰ ہے کیوں کہ ولی انشاء کا مالک ہے لیکن اقرار کا نہیں۔

ایک مسئلہ یہ ہے کہ کیا مجنون پاگل اور بدتدبیر کے ولی کے لیے یہ بات جائز ہے کہ وہ اس کا نکاح ایک سے زائد عورت کے ساتھ کردے؟ شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ جزئیہ صراحتاً کہیں نہیں دیکھا ہے، حضرت امام شافعیؒ نے اس طرح کرنے سے منع فرمایا ہے، البتہ بچہ کے حق میں اس کی ضرورت کے پیش نظر جائز رکھا ہے۔

بَابُ الْكَفَاءَةِ

یہ باب کفاءت کے بیان میں ہے

اس باب میں حضرت مصنف علیہ الرحمہ مسئلۂ کفاءت کو بیان کریں گے تو اس بارے میں علی الاختصار عرض یہ ہے کہ کفائت کا مسئلہ جمہور علمائے کرام کے نزدیک معتبر ہے۔ زوجین کے درمیان کفو کا ہونا جمہور فقہاء کے نزدیک معتبر ہے، علمائے احناف میں سے صرف امام کرخیؒ فرماتے ہیں کہ باب نکاح میں کفاءت کا اعتبار نہیں ہے، چناں چہ صاحب مبسوط نے نقل کیا ہے کہ امام کرخیؒ کے نزدیک کفاءت بالکل معتبر نہیں ہے۔ امام ابوبکر جصاص رازیؒ کے یہاں بھی نکاح میں کفاءت معتبر نہیں ہے۔

جمہور فقہائے کرامؒ کے دلائل

چوں کہ جمہور فقہائے مجتہدین کے نزدیک کفاءت نکاح کے اندر معتبر ہے اس لیے ان کے دلائل سپردِ قلم کئے جاتے ہیں۔ اس بارے میں حضرات جمہور کے پاس دلائل عقلیہ اور دلائل نقلیہ دونوں ہیں، دلائل نقلیہ درج ذیل ہیں:

(۱) قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ: ألا لَايُزَوِّجِ النِّسَاءَ إلاّ الأولِياءُ، ولَايُزَوَّجنَ إلاّمِنَ الأكفاءِ۔

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سنو! عورتوں کی شادی صرف اولیاء ہی کرائیں اور ان کی شادی صرف کفو میں کی جائے۔

(۲) قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ لِعَلِيٍّ رضی اللہ عنہ: ثَلاثٌ لاتُؤخِّرهَا: الصَّلاةُ إذَا أتَتْ، والجَنَازَةُ إذَا حَضَرَتْ، والأيِّمُ إذَا وَجَدَتْ لَهَا كُفْأً۔

رسول اکرم ﷺ نے حضرت علیؓ سے ارشاد فرمایا کہ تین چیزوں کو موخر نہ کرو (۱) نماز جب اس کا وقت ہوجائے (۲) جنازہ جب حاضر ہوجائے (۳) اور بے بیاہی لڑکی کو جب کفو مل جائے (تو فوراً اس کی شادی کر دینی چاہئے تاخیر نہیں کرنی چاہئے)۔

(۳) رُوِيَ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا وعَنْ أمِيرِ الْمُؤمِنِينَ عُمَرَ رضی اللہ عنہ: لأمنعن تزوج ذوات الاحساب إلا من الاكفاء۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ اور امیر المومنین حضرت عمر بن الخطابؓ سے مروی ہے کہ میں حسب ونسب والی عورتوں کو نکاح کرنے سے ضرور بالضرور منع کردوں گا الا یہ کہ کفو میں نکاح کیا جائے۔ (یہ اثر حدیث مرفوع کے حکم میں ہے اس لیے کہ صحابی کا وہ قول جو غیر مدرک بالقیاس ہو وہ حدیث مرفوع کے حکم میں ہوتا ہے)۔

حضرت امام شافعیؒ نے نکاح میں کفاءت کے معتبر ہونے پر حدیث بریرہ رضی اللہ عنہا سے استدلال کیا ہے، اور فرمایا کہ حدیث بریرہؓ ہی اس بارے میں اصل ہے، بایں طور کہ جب حضرت بریرہؓ کو ان کے آقا نے آزاد کردیا تو رسول اللہ ﷺ

نے ارشاد فرمایا کہ ملکتِ بضعکِ تو اپنی بضع کی مالک ہے اور تجھے اختیار ہے، چاہے مغیث کے ساتھ نکاح میں رہو چاہے دوسرے کے ساتھ نکاح کرلو، جب بریرہؓ کو آزادی مل گئی اور حضرت مغیث غلام ہی رہے تو دونوں میں کفاءت مفقود ہوگئی تھی اس لیے آپ ﷺ نے اختیار دیا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ بابِ نکاح میں کفاءت معتبر ہے۔

کفاءت کے سلسلہ میں عقلی دلائل

نکاح بہت ساری مصلحتوں اور حکمتوں پر مبنی ہوتا ہے، نکاح کا مقصد جہاں توالد و تناسل اور صیانت ولد ہے وہیں اس کا مقصد یہ بھی ہے کہ خاندان والوں کی خارجی و داخلی زندگی پر سکون رہے اور زوجین کی آپسی زندگی شیر و شکر بن کر معاشرہ میں ایک مثالی نمونہ بنے، اور یہ بات اسی وقت ممکن ہے جب زوجین کا مزاج رہن سہن، طور و طریق کے درمیان یگانگت ہو، حسب و نسب اور تقویٰ و طہارت اور ورع و پرہیزگاری کے درمیان یکسانیت ہو، اگر ان چیزوں کا خیال کئے بغیر شادی کردی جائے گی تو اس صورت میں زوجین کی زندگی جسے گلاب کا پھول بن کر معاشرہ کو اپنی خوشبو سے معطر کرنا چاہئے تھی وہ اجیرن بن کر پورے معاشرہ کو خراب اور متاثر کئے بغیر نہ رہ سکے گی، اس لیے شریعتِ مطہرہ نے کفاءت کا اعتبار کیا ہے۔

مِنْ: كَافَأَهُ، إِذَا سَاوَاهُ. وَالْمُرَادُ هُنَا مُسَاوَاةٌ مَخْصُوصَةٌ أَوْ كَوْنُ الْمَرْأَةِ أَدْنَى (الْكَفَاءَةُ مُعْتَبَرَةٌ) فِي ابْتِدَاءِ النِّكَاحِ لِلُزُومِهِ أَوْ لِصِحَّتِهِ (مِنْ جَانِبِهِ) أَيْ الرَّجُلِ لِأَنَّ الشَّرِيفَةَ تَأْبَى أَنْ تَكُونَ فِرَاشًا لِلدَّنِيءِ وَلِذَا (لَا) تُعْتَبَرُ (مِنْ جَانِبِهَا) لِأَنَّ الزَّوْجَ مُسْتَفْرِشٌ فَلَا تَغِيظُهُ دَنَاءَةُ الْفِرَاشِ وَهٰذَا عِنْدَ الْكُلِّ فِي الصَّحِيحِ، كَمَا فِي الْخَبَّازِيَّةِ لَكِنْ فِي الظَّهِيرِيَّةِ وَغَيْرِهَا هٰذَا عِنْدَهُ وَعِنْدَهُمَا تُعْتَبَرُ فِي جَانِبِهَا أَيْضًا

زوجین کے درمیان برابری

حضرت شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ لفظ ''کفاءت'' کے معنی برابری کے ہیں، چنانچہ اہل عرب بولتے ہیں: کَافَأَہٗ جب کوئی چیز کسی چیز کے برابر ہو۔ اور بابِ نکاح میں کفاءت سے مراد ایک مخصوص قسم کی برابری ہے، یا عورت کا مرد سے کم تر ہونا مراد ہے۔ (لہٰذا اگر عورت نے اپنے سے افضل و اعلیٰ مرد سے نکاح کیا تو ولی کو حق تفریق حاصل نہیں ہوگی)۔

کفاءت کا اعتبار اور اس کا وقت

کفاءت کا اعتبار ابتداءِ نکاح میں ہوتا ہے، لہٰذا اگر بوقتِ نکاح مرد و عورت کے درمیان کفاءت تھی بعد میں شوہر فاسق ہوگیا تو اس کی وجہ سے حکم نہیں بدلے گا۔ اور کفاءت کا اعتبار ابتداءِ نکاح میں نکاح کے لازم ہونے کے لیے ہے، یعنی نکاح بغیر کفاءت کے بھی درست ہے، لیکن ولی کو حق اعتراض حاصل ہوتا ہے۔ اور اس بارے میں دوسرا قول یہ ہے کہ ابتداءِ نکاح میں

کفاءت کا اعتبار نکاح کے درست ہونے کے لیے ہے، یعنی کفاءت کے بغیر نکاح درست ہی نہیں ہوتا ہے۔ اور کفاءت کا اعتبار مرد کی جانب سے ہے کہ مرد ورع وتقویٰ کا مالک اور شریف ہو، اس لیے کہ عموماً شریف عورت کمینہ مرد کے نیچے رہنے سے انکار کرتی ہے اور شریف عورت کم تر مرد کا فراش بننے کو پسند نہیں کرتی ہے، اسی وجہ سے کفاءت کا اعتبار عورت کی جانب سے نہیں ہے، اس لیے کہ شوہر تو فراش بنانے والا ہے اس کو تو صرف عورت چاہئے جس کو وہ استعمال کر سکے، لہٰذا شوہر کے لیے فراش کا کم تر ہونا باعث عار نہیں ہوگا۔ اور کفاءت کا اعتبار مردوں کی جانب سے ہے، عورتوں کی جانب سے نہیں ہے، یہ تمام ائمہ کے نزدیک ہے۔ (اور تمام ائمہ سے مراد حضرت امام اعظمؒ، امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ ہیں) جیسا کہ خبازیہ نامی کتاب میں ہے، لیکن فتاویٰ ظہیریہ وغیرہ میں یہ ہے کہ مرد کی جانب سے صرف کفاءت کا اعتبار ہے، یہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ہے اور حضرات صاحبینؒ کے یہاں کفاءت کا اعتبار عورتوں کی جانب سے بھی ہے)۔

(وَ) الْكَفَاءَةُ (هِيَ حَقُّ الْوَلِيِّ لَا حَقُّهَا) فَلَوْ نَكَحَتْ رَجُلًا وَلَمْ تَعْلَمْ فَإِذَا هُوَ عَبْدٌ لَا خِيَارَ لَهَا بَلْ لِلْأَوْلِيَاءِ وَلَوْ زَوَّجُوهَا بِرِضَاهَا وَلَمْ يَعْلَمُوا بِعَدَمِ الْكَفَاءَةِ ثُمَّ عَلِمُوا لَا خِيَارَ لِأَحَدٍ إِلَّا إِذَا شَرَطُوا الْكَفَاءَةَ أَوْ أَخْبَرَهُمْ بِهَا وَقْتَ الْعَقْدِ فَزَوَّجُوهَا عَلَى ذَلِكَ ثُمَّ ظَهَرَ أَنَّهُ غَيْرُ كُفْءٍ كَانَ لَهُمُ الْخِيَارُ وَلْوَالِجِيَّةٌ فَلْيُحْفَظْ. (وَتُعْتَبَرُ) الْكَفَاءَةُ لِلُزُومِ النِّكَاحِ خِلَافًا لِمَالِكٍ (نَسَبًا فَقُرَيْشٌ) بَعْضُهُمْ (أَكْفَاءُ) بَعْضٍ (وَ) بَقِيَّةُ (الْعَرَبِ) بَعْضُهُمْ (أَكْفَاءُ) بَعْضٍ وَاسْتَثْنَى فِي الْمُلْتَقَى تَبَعًا لِلْهِدَايَةِ بَنِي بَاهِلَةَ لِخِسَّتِهِمْ، وَالْحَقُّ الْإِطْلَاقُ قَالَهُ الْمُصَنِّفُ كَالْبَحْرِ وَالنَّهْرِ وَالْفَتْحِ وَالشُّرُنْبُلَالِيِّ وَيَعْضُدُهُ إِطْلَاقُ الْمُصَنِّفِينَ كَالْكَنْزِ وَالدُّرَرِ وَهَذَا فِي الْعَرَبِ (وَ) أَمَّا فِي الْعَجَمِ فَتُعْتَبَرُ (حُرِّيَّةً وَإِسْلَامًا) فَمُسْلِمٌ بِنَفْسِهِ أَوْ مُعْتَقٌ غَيْرُ كُفْءٍ لِمَنْ أَبُوهَا مُسْلِمٌ أَوْ حُرٌّ أَوْ مُعْتَقٌ وَأُمُّهَا حُرَّةُ الْأَصْلِ وَمَنْ أَبُوهُ مُسْلِمٌ أَوْ حُرٌّ غَيْرُ كُفْءٍ لِذَاتِ أَبَوَيْنِ (وَأَبَوَانِ فِيهِمَا كَالْآبَاءِ) لِتَمَامِ النَّسَبِ بِالْجَدِّ، وَفِي الْفَتْحِ وَلَا يَبْعُدُ مُكَافَأَةُ مُسْلِمٍ بِنَفْسِهِ لِمُعْتَقٍ بِنَفْسِهِ وَأَمَّا مُعْتَقُ الْوَضِيعِ، فَلَا يُكَافِئُ مُعْتَقَةَ الشَّرِيفِ. وَأَمَّا مُرْتَدٌّ أَسْلَمَ فَكُفْءٌ لِمَنْ لَمْ يَرْتَدَّ،

کفاءت میں ولی کا حق

مسئلہ یہ ہے کہ کفاءت ولی کا حق ہے نہ کہ عورت کا، چنانچہ اگر کسی عورت نے کسی ایسے مرد سے نکاح کر لیا جس کا حال اسے معلوم ہی نہ تھا، پھر بعد میں معلوم ہوا کہ جس سے نکاح کیا ہے وہ غلام ہے تو اس صورت میں فسخ نکاح کا حق عورت کو حاصل نہ ہوگا بلکہ یہ حق عورت کے اولیاء کو ملے گا کہ وہ نکاح فسخ کر دیں۔ اور اگر عورت کے تمام ولیوں نے مل کر عورت کی رضامندی سے اس

کا نکاح کر دیا اور ان کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ شوہر کفو نہیں ہے اور نکاح کے بعد اولیاء کو عدم کفو کا علم ہوا تو اب اس صورت میں نہ تو اولیاء کو حق فسخ حاصل ہوگا اور نہ ہی عورت کو حق فسخ حاصل ہوگا، ہاں اگر نکاح کرتے وقت اولیاء نے یہ شرط لگائی تھی کہ لڑکا ہم کفو ہو، یا خود لڑکے نے بوقت نکاح یہ بتایا تھا کہ میں لڑکی کا ہم کفو ہوں، چناں چہ اس کے مطابق ولی نے نکاح کر دیا پھر بعد میں معلوم ہوا کہ وہ لڑکا با ہم کفو نہیں تھا بلکہ لڑکی کا غیر کفو تھا تو اس صورت میں اولیاء کو حق فسخ حاصل ہوگا جیسا کہ ولوالجیہ میں ہے، لہٰذا اس مسئلہ کو خوب اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہئے۔

نسب میں کفاءت کا اعتبار

نکاح کے لازم ہونے کے لیے کفاءت کا اعتبار نسب میں بھی ہے، اس میں حضرت امام مالکؒ کا اختلاف ہے ان کے نزدیک کفاءت کا اعتبار نہیں ہے، اسی طرح سفیان ثوریؒ کے یہاں بھی کفاءت کا اعتبار نہیں ہے۔ نیز علمائے احناف میں سے امام کرخیؒ کا بھی اختلاف ہے، ان کے نزدیک بھی کفاءت کا اعتبار نہیں ہے، جیسا کہ فتح القدیر میں ہے۔ (شامی: ۴/۲۰۹)

چوں کہ کفاءت کا اعتبار نسب میں بھی ہے اس لیے قریش ایک دوسرے کے لیے آپس میں کفو ہیں۔ (اور قریش وہ لوگ کہے جاتے ہیں جو نضر بن کنانہ کی اولاد میں سے ہوں، نضر بن کنانہ رسول اکرم ﷺ کی بارہویں پشت میں آتے ہیں، خلفاء اربعہ قریش میں داخل ہیں، لہٰذا نیچے کے لوگ ہاشمی، نوفلی، تیمی اور عدوی سب آپس میں برابر اور کفو ہیں، اسی وجہ سے حضرت علیؓ نے اپنی صاحبزادی کا نکاح حضرت عمر فاروقؓ سے کیا تھا، حالاں کہ حضرت علی ہاشمی اور حضرت عمرؓ فاروق عدوی تھے)۔ (شامی: ۴/۲۰۹)

قریش کے علاوہ بقیہ عرب ایک دوسرے کے کفو ہیں۔ اور ملتقی الابحر میں ہدایہ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے قبیلہ بنو باہلہ کو ان کی رذالت ودناءت کی وجہ سے عرب سے مستثنیٰ کر دیا ہے اور فرمایا کہ بنو باہلہ کے لوگ عرب کے کفو نہیں ہو سکتے ہیں، حالاں کہ صحیح بات یہ ہے کہ عرب سے اس خاندان کو خارج کرنا درست نہیں ہے، بلکہ علی الاطلاق تمام عرب ایک دوسرے کے کفو ہیں، خواہ بنو باہلہ ہی کیوں نہ ہوں۔ حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے اسی کو کہا ہے جیسا کہ اسی بات کو البحر الرائق، النہر الفائق، فتح القدیر اور شرنبلالیہ وغیرہ میں کہا ہے اور اس کی تقویت وتائید حضرات مصنفین کے اطلاق سے بھی ہوتی ہے، جیسے کہ کنز اور درر وغیرہ میں ہے اور یہ مسئلہ عرب کے بارے میں ہے۔

کفاءت کا اعتبار عجم کے نسب میں

اور کفاءت نسب کا اعتبار تو صرف اہل عرب میں ہے، رہا کفاءت نسب کا اعتبار عجم میں تو انھوں نے اپنا نسب ضائع کر ڈالا ہے، لہٰذا ان کے درمیان کفاءت کا اعتبار نسب میں نہیں ہے بلکہ صرف آزاد ہونے اور مسلمان ہونے میں ہے، پس جو شخص خود مسلمان ہے یا خود آزاد ہوا ہے وہ اس آدمی کا کفو نہیں بن سکتا ہے جس کا باپ مسلمان تھا یا آزاد تھا، یا اس کی ماں اصلی آزاد تھی

اور وہ شخص جس کا باپ مسلمان ہو یا باپ آزاد ہو وہ اس شخص کا کفو نہیں ہو سکتا ہے جس کے باپ اور دادا دونوں مسلمان ہوں، یا دونوں آزاد ہوں۔

اور جس شخص کا باپ اور دادا دونوں مسلمان ہوں یا دونوں آزاد ہوں وہ اس شخص کا کفو ہو سکتا ہے جس کے آباء واجداد خاندانی اعتبار سے مسلمان یا آزاد ہوں، اس لیے کہ نسب دادا پر آکر تمام ہو جاتا ہے۔ (لہٰذا دو پشت کا اسلام اور آزادی، دس پشت کے اسلام اور آزادی کے برابر ہے) اور فتح القدیر میں ہے کہ جو خود مسلمان ہے وہ برابری میں اس سے دور نہیں ہے جو خود آزاد ہو۔ (مثال کے طور پر جو مسلمان ہے اس کے باپ دادا آزاد تھے، البتہ مسلمان نہیں تھے اور جو خود آزاد ہے اس کے باپ دادا مسلمان تھے مگر آزاد نہیں تھے، ماحصل یہ ہے کہ دونوں میں ایک ایک کی ہے، لہٰذا ایک دوسرے کا کفو ہو سکتا ہے)۔

کم ذات کا جو مرد آزاد کردہ ہے وہ اس عورت کا کفو نہیں ہو سکتا ہے جس کو کسی شریف نے آزاد کیا ہو اور جو شخص مرتد ہو کر مسلمان ہو گیا ہے، وہ اس مسلمان کا کفو بن سکتا ہے جو مرتد نہیں ہوا ہے۔

وَأَمَّا الْكَفَاءَةُ بَيْنَ الذِّمِّيِّينَ فَلَا تُعْتَبَرُ إِلَّا لِفِتْنَةٍ (وَ) تُعْتَبَرُ فِي الْعَرَبِ وَالْعَجَمِ (دِيَانَةً) أَيْ تَقْوَى فَلَيْسَ فَاسِقٌ كُفُؤًا لِصَالِحَةٍ أَوْ فَاسِقَةٍ بِنْتِ صَالِحٍ مُعْلِنًا كَانَ أَوْ لَا عَلَى الظَّاهِرِ نَهْرٌ (وَمَالًا) بِأَنْ يَقْدِرَ عَلَى الْمُعَجَّلِ وَنَفَقَةِ شَهْرٍ لَوْ غَيْرَ مُحْتَرِفٍ، وَإِلَّا فَإِنْ كَانَ يَكْتَسِبُ كُلَّ يَوْمٍ كِفَايَتَهَا لَوْ تُطِيقُ الْجِمَاعَ (وَحِرْفَةً) فَمِثْلُ حَائِكٍ غَيْرُ كُفْءٍ لِمِثْلِ خَيَّاطٍ وَلَا خَيَّاطٍ لِبَزَّازٍ وَتَاجِرٍ وَلَا هُمَا لِعَالِمٍ وَقَاضٍ، وَأَمَّا أَتْبَاعُ الظَّلَمَةِ فَأَخَسُّ مِنَ الْكُلِّ وَأَمَّا الْوَظَائِفُ فَمِنَ الْحِرَفِ فَصَاحِبُهَا كُفْءٌ لِلتَّاجِرِ لَوْ غَيْرَ دَنِيئَةٍ كَبَوَّابَةٍ وَذُو تَدْرِيسٍ أَوْ نَظَرٍ كُفْءٌ لِبِنْتِ الْأَمِيرِ بِمِصْرَ بَحْرٌ

ذمیوں کے درمیان کفاءت کا اعتبار ہے یا نہیں؟

مسئلہ یہ ہے کہ دو ذمیوں کے درمیان کفاءت معتبر نہیں ہے، البتہ فتنہ وفساد کو ختم کرنے کے لیے ذمیوں کے درمیان بھی کفاءت کا اعتبار کر لیا جاتا ہے۔ (ذمیوں کے درمیان راجہ اور چمار سب برابر ہیں، لہٰذا راجہ کی بیٹی اگر چمار کے لڑکے سے نکاح کرلے تو نکاح ہو جائے گا، البتہ فتنہ وفساد کو ختم کرنے کے لیے قاضی ان دونوں میں تفریق کرے گا)۔

کفاءت کا اعتبار دینداری میں

مسئلہ یہ ہے کہ عرب وعجم کے درمیان کفاءت کا اعتبار دینداری اور تقویٰ وطہارت میں معتبر ہے، لہٰذا فاسق مرد نیک عورت کا کفو نہیں ہوگا اور نہ فاسق مرد اس فاسقہ عورت کا کفو ہوگا جس کا باپ نیک اور صالح ہو، وہ فاسق خواہ علانیہ طور پر ہو یا خفیہ طور پر ہو، اس بارے میں ظاہر مذہب یہی ہے جیسا کہ النہر الفائق میں ہے۔

مال داری میں کفاءت کا اعتبار

اور کفاءت کا اعتبار مالداری میں بھی ہے اور مالداری میں اس کا اعتبار ہے کہ شوہر مہر معجل کی ادائیگی اور ایک ماہ کا نان ونفقہ ادا کرنے پر قادر ہو۔ اور یہ اس وقت ہے جب شوہر پیشہ ور نہ ہو، اگر وہ پیشہ ور ہے تو اگر وہ روزانہ اتنا کما سکتا ہو جو عورت کے لیے کافی ہو، اگر عورت جماع کو برداشت کرسکتی ہے تو اس کے لیے نفقہ کا انتظام ضروری ہے اور اگر عورت جماع کے برداشت کرنے پر قادر نہ ہو تو شوہر کا صرف مہر معجل کی ادائیگی پر قادر ہونا کافی ہے، نان ونفقہ کی ادائیگی پر قادر ہونا ضروری نہیں ہے۔

حرفت و پیشہ میں کفاءت کا اعتبار

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ کفاءت میں پیشہ کا بھی اعتبار ہے، پس کپڑا بننے والا درزی کا کفو نہیں ہے اور درزی، کپڑا فروخت کرنے والے اور تاجر کے کفو نہیں ہے اور نہ بزاز و تاجر دونوں کسی عالم وقاضی کے برابر ہیں، اور ظالم لوگوں کے خدام تمام لوگوں سے زیادہ ذلیل ہیں، اگرچہ مالدار کیوں نہ ہوں، اور جو اوقاف کے وظائف کے پیشوں میں داخل ہیں جیسے امامت، خطابت یہ وظائف خوار سوداگر کے کفو ہیں، یعنی ان کی لڑکی سے نکاح کرسکتا ہے بشرطیکہ پیشہ بالکل حقیر نہ ہو جیسے دربانی اور فراشی کا پیشہ نہ ہو، اور مدرس اور ناظر امیر مصر کی لڑکی کا ہم کفو ہے اس سے نکاح کرسکتا ہے۔

(وَ) الْكَفَاءَةُ (اعْتِبَارُهَا عِنْدَ) ابْتِدَاءِ (الْعَقْدِ فَلَا يَضُرُّ زَوَالُهَا بَعْدَهُ) فَلَوْ كَانَ وَقْتَهُ كُفُؤًا ثُمَّ فَجَرَ لَمْ يَفْسَخْ، وَأَمَّا لَوْ كَانَ دَبَّاغًا فَصَارَ تَاجِرًا فَإِنْ بَقِيَ عَارُهَا لَمْ يَكُنْ كُفُؤًا وَإِلَّا لَا. نَهْرٌ بَحْثًا (الْعَجَمِيُّ لَا يَكُونُ كُفُؤًا لِلْعَرَبِيَّةِ وَلَوْ) كَانَ الْعَجَمِيُّ (عَالِمًا) أَوْ سُلْطَانًا (وَهُوَ الْأَصَحُّ) فَتْحٌ عَنْ الْيَنَابِيعِ وَادَّعَى فِي الْبَحْرِ أَنَّهُ ظَاهِرُ الرِّوَايَةِ وَأَقَرَّهُ الْمُصَنِّفُ لَكِنْ فِي النَّهْرِ فَسَّرَ الْحَسِيبَ بِذِي الْمَنْصِبِ وَالْجَاهِ فَغَيْرُ كُفْءٍ لِلْعَلَوِيَّةِ كَمَا فِي الْيَنَابِيعِ وَإِنْ بِالْعَالِمِ فَكُفْءٌ لِأَنَّ شَرَفَ الْعِلْمِ فَوْقَ شَرَفِ النَّسَبِ وَالْمَالِ كَمَا جَزَمَ بِهِ الْبَزَّازِيُّ وَارْتَضَاهُ الْكَمَالُ وَغَيْرُهُ وَالْوَجْهُ فِيهِ ظَاهِرٌ وَلِذَا قِيلَ: إنَّ عَائِشَةَ أَفْضَلُ مِنْ فَاطِمَةَ - رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا - ذَكَرَهُ الْقُهُسْتَانِيُّ وَالْحَنَفِيُّ كُفْءٌ لِبِنْتِ الشَّافِعِيِّ وَمَتَى سَأَلْنَا عَنْ مَذْهَبِهِ أَجَبْنَا بِمَذْهَبِنَا كَمَا بَسَطَهُ الْمُصَنِّفُ مَعْزِيًّا لِجَوَاهِرِ الْفَتَاوَى

کفاءت کا اعتبار ابتداءِ نکاح کے وقت

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ کفاءت کا اعتبار ابتدائے عقد کے وقت ہے، لہٰذا اگر عقد کے وقت زوجین ایک دوسرے کے باہم کفو تھے لیکن عقد کے بعد کسی وجہ سے کفاءت جاتی رہی تو اس سے اس نکاح پر کچھ اثر نہیں پڑے گا جو ہو چکا ہے، چناں چہ اگر عقد کے وقت باہم کفو تھا، پھر بعد میں فاسق ہو گیا تو نکاح فسخ نہیں ہوگا، لیکن اگر پہلے شوہر دباغ یعنی کھالوں کو

دباغت دینے والا تھا بعد میں تاجر ہو گیا، تو اگر تاجر بننے کے بعد بھی دباغت کی عار باقی رہے تو وہ کفو نہیں ہو سکتا ہے، اور اگر اس کی عار باقی نہیں ہے تو کفو اور ہمسر ہوگا، جیسا کہ النہر الفائق میں اس مسئلہ پر بحث کے بعد لکھا ہے۔

عرب و عجم کے درمیان کفاءت کا اعتبار

مسئلہ یہ ہے کہ عجمی مرد عربی عورت کا کفو نہیں ہو سکتا ہے اگرچہ وہ عجمی شخص عالم دین یا بادشاہ ہی کیوں نہ ہو، اس بارے میں یہی قول زیادہ صحیح ہے جیسا کہ فتح القدیر میں ینابیع سے نقل کیا ہے۔ اور البحر الرائق میں علامہ ابن نجیم المصریؒ نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہی قول ظاہر الروایہ بھی ہے۔ اور حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے اسی کو برقرار رکھا ہے، لیکن النہر الفائق میں لکھا ہے کہ اگر حسیب کا مطلب منصب وجاہ وجلال والا ہے تو یہ علویہ کا کفو نہیں ہے جیسا کہ ینابیع کے اندر ہے۔ اور اگر حسیب سے مراد عالم ہے تو پھر حسیب عالم علویہ کا کفو ہوگا، اس لیے کہ علم کی شرافت و بزرگی مال اور نسب کی شرافت و بزرگی سے بڑھ کر ہے، جیسا کہ بزازیہ میں اسی پر یقین ظاہر کیا ہے اور کمال وغیرہ نے اسی کو پسند کیا ہے، اور اس کی وجہ یعنی علم کی شرافت و بزرگی مال اور نسب کی شرافت سے بڑھ کر ہے بالکل ظاہر ہے، اسی بنیاد پر یہ کہا گیا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ سے افضل واشرف ہیں، اس لیے کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ علم وفضل میں حضرت فاطمہؓ سے بڑھی ہوئی ہیں۔ (یہاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حضرت فاطمہؓ سے بعض چیز میں افضل کہا گیا ہے اور وہ علم ہے ورنہ تو حضرت فاطمہؓ بنت رسول ﷺ سے افضل کوئی بھی نہیں ہو سکتا ہے، اس لیے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِنِّي فاطمہؓ میرے جگر کا ٹکڑا ہے)۔ (شامی: ۴/۲۱۹)

حنفی و شافعی کے درمیان کفاءت کا اعتبار

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ حنفی مرد، شافعی عورت کا کفو ہے، جب ہم سے شافعی مذہب کے مطابق سوال ہوگا تو ہم اپنے مذہب کے مطابق جواب دیں گے۔ حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے اپنی شرح میں اس کو نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اور اس کو جواہر الفتاویٰ کی جانب منسوب کیا ہے۔ (ایک شافعی المذہب بالغہ لڑکی نے ایک حنفی مرد سے نکاح کر لیا، حالاں کہ اس کا باپ راضی نہیں تھا تو نکاح درست ہے۔ اسی طرح اگر حنفی لڑکی شافعی لڑکے سے نکاح کرے اور ہم سے سوال کرے تو ہم یہی جواب دیں گے کہ مذہب احناف کے مطابق نکاح بالکل درست ہے۔

(الْقَرَوِيُّ كُفْءٌ لِلْمَدَنِيِّ) فَلَا عِبْرَةَ بِالْبَلَدِ كَمَا لَا عِبْرَةَ بِالْجَمَالِ الْخَانِيَّةُ، وَلَا بِالْعَقْلِ وَلَا بِعُيُوبٍ يُفْسَخُ بِهَا الْبَيْعُ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ، لَكِنْ فِي النَّهْرِ عَنِ الْمَرْغِينَانِيِّ الْمَجْنُونُ لَيْسَ بِكُفْءٍ لِلْعَاقِلَةِ (وَكَذَا الصَّبِيُّ كُفْءٌ بِغِنَى أَبِيهِ) أَوْ أُمِّهِ أَوْ جَدِّهِ نَهْرٌ عَنِ الْمُحِيطِ (بِالنِّسْبَةِ إِلَى الْمَهْرِ) يَعْنِي

الْمُعَجَّلِ كَمَا مَرَّ (لَا) بِالنِّسْبَةِ إِلَى (النَّفَقَةِ) لِأَنَّ الْعَادَةَ أَنَّ الْآبَاءَ يَتَحَمَّلُونَ عَنِ الْأَبْنَاءِ الْمَهْرَ لَا النَّفَقَةَ ذَخِيرَةٌ (وَلَوْ نَكَحَتْ بِأَقَلَّ مِنْ مَهْرِهَا فَلِلْوَلِيِّ) الْعَصَبَةِ (الِاعْتِرَاضُ حَتَّى يَتِمَّ) مَهْرُ مِثْلِهَا (أَوْ يُفَرِّقَ) الْقَاضِي بَيْنَهُمَا دَفْعًا لِلْعَارِ (وَلَوْ طَلَّقَهَا) الزَّوْجُ (قَبْلَ تَفْرِيقِ الْوَلِيِّ قَبْلَ الدُّخُولِ فَلَهَا نِصْفُ الْمُسَمَّى) فَلَوْ فَرَّقَ الْوَلِيُّ بَيْنَهُمَا قَبْلَ الدُّخُولِ فَلَا مَهْرَ لَهَا وَإِنْ بَعْدَهُ فَلَهَا الْمُسَمَّى وَكَذَا لَوْ مَاتَ أَحَدُهُمَا قَبْلَ التَّفْرِيقِ فَلَيْسَ لِلْوَلِيِّ الْمُطَالَبَةُ بِالْإِتْمَامِ لِانْتِهَاءِ النِّكَاحِ بِالْمَوْتِ جَوَاهِرُ الْفَتَاوَى.

کفاءت میں دیہات وشہر کا اعتبار نہیں

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ کفاءت میں دیہات وشہر کا اعتبار نہیں ہے، لہٰذا دیہات کا رہنے والا شخص شہر میں رہنے والے کا کفو ہے، پس کفاءت میں شہر کا کوئی اعتبار نہیں ہے، جس طرح کہ کفاءت میں حسن وجمال کا کوئی اعتبار نہیں ہے، جیسا کہ فتاویٰ خانیہ میں ہے اور نہ ہی عقل وخرد کا اعتبار کفاءت میں ہے، لہٰذا مجنون شخص عاقل کا کفو ہے اور نہ ان عیبوں میں کفاءت کا اعتبار ہے جن کی وجہ سے بیع فسخ ہو جاتی ہے جیسے جذام، برص اور منہ کا بدبو کرنا ہے، البتہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک کفاءت میں ان عیوب کا اعتبار کیا گیا ہے جن کی وجہ سے بیع فاسد ہو جاتی ہے، لیکن النہر الفائق میں مرغینانی سے نقل کیا ہے کہ مجنون شخص عقل مند عورت کا کفو نہیں ہے۔

اسی طرح لڑکا اپنے باپ دادا اور ماں اور ماں کی ماں کی مالداری کی وجہ سے مہر معجل کے ادا کرنے کے اعتبار سے کفو ہوتا ہے، جیسا کہ النہر الفائق میں محیط سے نقل کیا ہے، نفقہ ادا کرنے کے اعتبار سے نہیں، اس لیے کہ عام طور پر رواج یہ ہے کہ لڑکے کے باپ دادا اپنے لڑکے اور پوتے کا مہر برداشت کر لیتے ہیں، نفقہ اپنے ذمہ میں لینے کے لیے تیار نہیں ہوتے ہیں، جیسا کہ ذخیرہ نامی کتاب میں ہے۔

مہر مثل سے کم پر نکاح کرنے کی صورت میں ولی کو حق اعتراض

اگر لڑکی نے اپنا نکاح خود کسی مرد سے مہر مثل سے کم پر کر لیا تو اس صورت میں ولی عصبہ کو یہ حق حاصل ہے کہ نکاح کو روک دے جب تک کہ مہر مثل مکمل نہ کرے۔ اور اگر مرد اس لڑکی کا مہر مثل پورا کرنے کے لیے راضی نہیں ہے تو پھر قاضی ان دونوں کے درمیان تفریق کر دے تا کہ عار باقی نہ رہے، اس لیے کہ مہر مثل سے کمی پر نکاح کر لینے کی وجہ سے لوگ اولیاء کو عار وشرم دلائیں گے، اس لیے اس عار کو ختم کرنے کے لیے اولیاء کو یہ حق حاصل ہے۔

قبل الدخول طلاق واقع ہو جائے تو کتنا مہر واجب ہے؟

اگر شوہر نے بیوی کو ولی کی تفریق اور دخول سے پہلے پہلے طلاق دیدی، تو اس صورت میں عورت کو مہر متعین کا آدھا ملے

گا۔ اور اگر ولی نے ان دونوں کے درمیان خلوت وصحبت سے پہلے ہی تفریق کرادی ہے تو اس صورت میں عورت کے لیے کچھ بھی مہر نہیں ہے۔ اور اگر خلوت ودخول کے بعد تفریق کی گئی تو عورت کو پورا متعین مہر ملے گا۔ اسی طرح اگر زوجین میں سے کوئی ایک تفریق سے پہلے انتقال کر جائے تو اس صورت میں ولی کے لیے مہر مثل کے پورا کرنے کے مطالبہ کا حق باقی نہیں رہے گا، اس لیے کہ موت کی وجہ سے نکاح اپنی انتہا کو پہنچ جاتا ہے، جیسا کہ جواہر الفتاوی میں ہے۔ (اس صورت میں ولی کے لیے طلب فسخ نکاح اب ممکن نہیں رہا، لہٰذا مہر مثل کا اتمام لازم بھی نہ ہوگا)۔

(أَمَرَهُ بِتَزْوِيجِ امْرَأَةٍ فَزَوَّجَهُ أَمَةً جَازَ وَقَالَا: لَا يَصِحُّ) وَهُوَ اسْتِحْسَانٌ مُلْتَقَى تَبَعًا لِلْهِدَايَةِ وَفِي شَرْحِ الطَّحَاوِيِّ قَوْلُهُمَا أَحْسَنُ لِلْفَتْوَى وَاخْتَارَهُ أَبُو اللَّيْثِ. وَأَقَرَّهُ الْمُصَنِّفُ وَأَجْمَعُوا أَنَّهُ لَوْ زَوَّجَهُ بِنْتَهُ الصَّغِيرَةَ أَوْ مَوْلِيَّتَهُ لَمْ يَجُزْ كَمَا لَوْ أَمَرَهُ بِمُعَيَّنَةٍ أَوْ بِحُرَّةٍ أَوْ أَمَةٍ، فَخَالَفَ أَوْ أَمَرَتْهُ بِتَزْوِيجِهَا وَلَمْ تُعَيِّنْ فَزَوَّجَهَا غَيْرَ كُفْءٍ لَمْ يَجُزْ اتِّفَاقًا (وَلَوْ) زَوَّجَهُ الْمَأْمُورُ بِنِكَاحِ امْرَأَةٍ (امْرَأَتَيْنِ فِي عَقْدٍ وَاحِدٍ لَا) يَنْفُذُ لِلْمُخَالَفَةِ وَلَهُ أَنْ يُجِيزَهُمَا أَوْ إحْدَاهُمَا وَلَوْ فِي عَقْدَيْنِ لَزِمَ الْأَوَّلُ وَتَوَقَّفَ الثَّانِي؛ وَلَوْ أَمَرَهُ بِامْرَأَتَيْنِ فِي عُقْدَةٍ فَزَوَّجَهُ وَاحِدَةً أَوْ ثِنْتَيْنِ فِي عُقْدَتَانِ جَازَ إلَّا إذَا قَالَ: لَا تُزَوِّجْنِي إلَّا امْرَأَتَيْنِ فِي عُقْدَةٍ أَوْ فِي عُقْدَتَيْنِ لَمْ تَجُزْ الْمُخَالَفَةُ (وَلَا يَتَوَقَّفُ الْإِيجَابُ عَلَى قَبُولِ غَائِبٍ عَنِ الْمَجْلِسِ فِي سَائِرِ الْعُقُودِ) مِنْ نِكَاحٍ وَبَيْعٍ وَغَيْرِهِمَا، بَلْ يَبْطُلُ الْإِيجَابُ، وَلَا تَلْحَقُهُ الْإِجَازَةُ اتِّفَاقًا.

وکیل شخص کا کم تر سے نکاح کرنا جائز نہیں

ایک شخص نے کسی آدمی کو وکیل بنایا کہ وہ اس کا نکاح کسی عورت سے کردے، چنانچہ وکیل نے اپنے مؤکل کا نکاح آزاد عورت کے ساتھ کرنے کے بجائے کسی باندی سے کردیا، تو حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ یہ نکاح جائز ہوگا۔ اور حضرات صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ یہ نکاح بالکل سرے ہی سے صحیح نہ ہوگا، استحسان کا تقاضہ بھی یہی ہے، اس لیے کہ نکاح کا وکیل بنانے کا مقصد یہ تھا کہ اس کی شادی کسی اچھی لڑکی سے کردے ورنہ کم تر لڑکی سے وہ خود بھی نکاح کرسکتا تھا، لہٰذا کم از کم اس کے برابر درجہ کی لڑکی سے تو کردے، کمتر سے کرنے کا کوئی مطلب ہی نہیں ہے، ملتقی الابحر نامی کتاب میں ہدایہ کے اتباع میں اسی کو نقل کیا ہے اور شرح طحاوی میں ہے کہ فتویٰ دینے کے لیے حضرات صاحبینؒ کا قول احسن وعمدہ ہے اور اسی کو فقیہ ابواللیث نے اختیار کیا ہے اور مصنف علیہ الرحمہ نے اسی قول کو برقرار رکھا ہے۔

حضرات فقہاء کرامؒ کا اس پر اجماع ہے کہ اگر مذکورہ صورت میں وکیل نے مؤکل کا نکاح اپنی نابالغہ بیٹی سے کردیا، یا اپنی آزاد کردہ باندی سے کردیا، تو یہ نکاح جائز نہ ہوگا، جس طرح کہ وہ نکاح جائز نہیں ہے کہ کسی نے کسی آدمی کو اپنا وکیل بنایا اور

یہ کہا کہ فلاں متعین لڑکی سے میرا نکاح کردو، یا کسی آزاد عورت سے کردو، یا کسی باندی سے کردو، چنانچہ وکیل نے اپنے موکل کے حکم کی مخالفت کی، یا کسی عورت نے اپنے وکیل کو حکم دیا کہ میرا نکاح کردو اور کسی کو بھی عورت نے متعین نہیں کیا کہ فلاں سے کرنا ہے، چنانچہ وکیل نے اپنی موکلہ کا نکاح غیر کفو میں کردیا تو یہ نکاح بھی بالاتفاق جائز نہ ہوگا۔

اسی طرح کسی نے کسی کو وکیل بنایا کہ وہ کسی عورت سے اس کا نکاح کردے، چنانچہ وکیل نے موکل کا نکاح ایک عقد میں دو عورتوں سے کردیا تو اس صورت میں مخالفتِ حکم کی وجہ سے وکیل کا کیا ہوا نکاح نافذ نہ ہوگا، البتہ موکل کے لیے یہ بات جائز ہے کہ دونوں سے نکاح کو نافذ کرلے یا ان دونوں میں سے کسی ایک سے نکاح کو نافذ کرلے۔ اور اگر دو عورتوں سے نکاح وکیل نے دو عقد میں کیا ہے تو پہلا نکاح نافذ ہوگا دوسرا نکاح موکل کی اجازت پر موقوف ہوگا، اگر موکل نے دوسرا نکاح بھی نافذ کردیا تو دوسرا نکاح بھی ہوجائے گا۔

موکل کی مخالفت کی صورت

اگر کسی نے کسی کو وکیل بنایا کہ اس کا نکاح دو عورتوں سے ایک عقد میں کردے، پس وکیل نے ایک عورت یا دو عورتوں سے دو عقد میں نکاح کردیا، تو یہ نکاح جائز ہے، لیکن اگر موکل نے وکیل سے اس طرح کہا تھا کہ میرا نکاح صرف دو عورتوں سے ایک عقد میں، یا دو عقد میں کرنا، لیکن وکیل نے دو عقد میں دو عورتوں سے نکاح کیا تو اس طرح کی مخالفت جائز نہ ہوگی۔

مجلس نکاح سے غائب شخص کے قبول پر ایجاب کا موقوف ہونا

جو شخص مجلس نکاح سے غائب ہو اور وہاں موجود نہ ہو تو اس کے قبول پر ایجاب موقوف نہیں رہے گا۔ اور یہ حکم ان تمام عقود کا ہے جن میں معاوضہ پایا جاتا ہے، جیسے نکاح اور بیع، اور اس کے علاوہ دیگر چیزیں جیسے سلم اور اجارہ وغیرہ، غائب شخص کے قبول پر ایجاب موقوف نہیں رہے گا بلکہ ایجاب باطل ہوجائے گا اور اس ایجاب کے ساتھ اجازت یعنی قبول شامل نہیں ہوسکتا ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

(وَيَتَوَلَّى طَرَفَيْ النِّكَاحِ وَاحِدٌ) بِإِيجَابٍ يَقُومُ مَقَامَ الْقَبُولِ فِي خَمْسِ صُوَرٍ كَأَنْ كَانَ وَلِيًّا أَوْ وَكِيلًا مِنْ الْجَانِبَيْنِ أَوْ أَصِيلًا مِنْ جَانِبٍ وَوَكِيلًا أَوْ وَلِيًّا مِنْ آخَرَ، أَوْ وَلِيًّا مِنْ جَانِبٍ وَكِيلًا مِنْ آخَرَ كَزَوَّجْت بِنْتِي مِنْ مُوَكِّلِي (لَيْسَ) ذَلِكَ الْوَاحِدُ (بِفُضُولِيٍّ) وَلَوْ (مِنْ جَانِبٍ) وَإِنْ تَكَلَّمَ بِكَلَامَيْنِ عَلَى الرَّاجِحِ لِأَنَّ قَبُولَهُ غَيْرُ مُعْتَبَرٍ شَرْعًا لِمَا تَقَرَّرَ أَنَّ الْإِيجَابَ لَا يَتَوَقَّفُ عَلَى قَبُولِ غَائِبٍ (وَنِكَاحُ عَبْدٍ وَأَمَةٍ بِغَيْرِ إذْنِ السَّيِّدِ مَوْقُوفٌ) عَلَى الْإِجَازَةِ (كَنِكَاحِ الْفُضُولِيِّ) سَيَجِيءُ فِي الْبُيُوعِ تَوَقُّفُ عُقُودِهِ كُلِّهَا إنْ لَهَا مُجِيزٌ حَالَةَ الْعَقْدِ وَلَا تَبْطُلُ.

باب نکاح میں ایک شخص طرفین کا ذمہ دار

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ باب نکاح میں ایک ہی شخص ایجاب وقبول کا ذمہ دار ہو سکتا ہے، اس کا صرف ایجاب ہی کافی ہوگا اور وہی ایجاب وقبول کے قائم مقام ہوگا۔ اور ایجاب وقبول دونوں کا ذمہ دار ایک شخص پانچ صورتوں میں ہو سکتا ہے: (۱) ایک ہی شخص دونوں طرف سے ولی ہو، جیسے کہ کوئی شخص یوں کہے کہ: میں نے اپنی نواسی کا نکاح اپنے پوتے سے کر دیا (۲) ایک ہی شخص دونوں طرف سے وکیل ہو، اور وہ یوں کہے کہ: میں نے اپنے مؤکل کا نکاح اپنی مؤکلہ کے ساتھ کر دیا (۳) ایک ہی شخص ایک کی جانب سے اصیل ہو اور دوسری کی جانب سے وکیل ہو اور اس طرح کہے کہ: میں نے اپنی مؤکلہ کا نکاح اپنی ذات سے کر دیا (۴) ایک ہی شخص ایک طرف سے اصیل ہو اور دوسری طرف سے ولی ہو اور وہ یوں کہے کہ: میں نے اپنے چچا کی نابالغہ لڑکی کا نکاح اپنے آپ سے کر دیا (۵) ایک ہی شخص ایک جانب سے ولی ہو اور دوسری جانب سے وکیل ہو، اور اس طرح کہے کہ: میں نے اپنی بیٹی کا نکاح اپنے مؤکل کے ساتھ کر دیا۔

ایک شخص جو دونوں جانب سے ایجاب وقبول کا ذمہ دار ہو اس کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ فضولی نہ ہو، نہ ایک جانب سے فضولی ہو اور نہ دونوں جانب سے، اگرچہ فضولی شخص ایجاب وقبول دونوں کرے راجح قول کے مطابق، یعنی اگر وہ اس طرح کہے کہ میں نے حماد کا نکاح حامدہ سے کر دیا، پھر کہے کہ میں نے حامدہ کی طرف سے قبول کیا تو یہ درست نہیں ہوگا، اس لیے کہ فضولی شخص کا قبول کرنا شرعاً معتبر نہیں ہے، کیونکہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ فضولی کا ایجاب غائب شخص کے قبول کرنے پر موقوف نہیں رہتا ہے، بلکہ ایجاب باطل ہو جاتا ہے، جیسا کہ ماقبل میں یہ بات گذر چکی ہے۔

نکاحِ موقوف

اگر غلام اور باندی آقا کی اجازت کے بغیر نکاح کر لیں تو یہ نکاح آقا کی اجازت پر موقوف رہے گا، اگر آقا اجازت دیدے تو نکاح صحیح ہو جائے گا ورنہ نکاح درست نہ ہوگا، جس طرح کہ فضولی کا کیا ہوا نکاح میاں بیوی کی اجازت پر موقوف ہوتا ہے۔ (اور فضولی اس شخص کو کہا جاتا ہے جو نہ اصیل ہو نہ وکیل، بلکہ خواہ مخواہ بیچ میں پڑ کر تصرف کرے)۔

فضولی کے عقود کا شرعی حکم

کتاب البیوع میں عنقریب یہ بات آنے والی ہے کہ فضولی کے تمام معاملات اور عقود اگر بوقتِ عقد اجازت دینے والا پایا جاتا ہے تو وہ سب کے سب اجازت دینے والے کی اجازت پر موقوف رہتا ہے اور اگر بوقتِ عقد کوئی اجازت دینے والا نہیں ہوتا ہے تو تمام عقود و معاملات باطل ہو جاتے ہیں۔

(وَلِابْنِ الْعَمِّ أَنْ يُزَوِّجَ بِنْتَ عَمِّهِ الصَّغِيرَةَ) فَلَوْ كَبِيرَةً فَلَا بُدَّ مِنَ الِاسْتِئْذَانِ، حَتَّى لَوْ تَزَوَّجَهَا بِلَا

اسْتِئْذَانٍ فَسَكَتَتْ أَوْ أَفْصَحَتْ بِالرِّضَا لَا يَجُوزُ عِنْدَهُمَا. وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ: يَجُوزُ وَكَذَا الْمَوْلَى الْمُعْتِقُ وَالْحَاكِمُ وَالسُّلْطَانُ جَوْهَرَةٌ بِهِ يُفْتِي بِخِلَافِ الصَّغِيرَةِ كَمَا مَرَّ فَلْيُحَرَّزْ (مِنْ نَفْسِهِ) فَيَكُونُ أَصِيلًا مِنْ جَانِبٍ وَلِيًّا مِنْ آخَرَ (كَمَا لِلْوَكِيلِ) الَّذِي وَكَّلَتْه أَنْ يُزَوِّجَهَا عَلَى نَفْسِهِ فَإِنَّ لَهُ (ذَلِكَ) فَيَكُونُ أَصِيلًا مِنْ جَانِبٍ وَكِيلًا مِنْ آخَرَ (بِخِلَافِ مَا لَوْ وَكَّلَتْهُ بِتَزْوِيجِهَا مِنْ رَجُلٍ فَزَوَّجَهَا مِنْ نَفْسِهِ) لِأَنَّهَا نَصَّبَتْهُ مُزَوِّجًا لَا مُتَزَوِّجًا

چچازاد بھائی کا بحیثیت ولی نکاح کرنا

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ چچا کے بیٹے کے لیے یہ جائز ہے کہ اپنے چچا کی نابالغہ لڑکی کا نکاح اپنے ساتھ کرلے، لیکن اگر چچا کی لڑکی بالغہ ہے تو اس صورت میں اس سے اجازت لینا ضروری ہوگی، اس کی اجازت کے بغیر نکاح جائز نہیں ہوگا، یہاں تک کہ اگر چچا کے لڑکے نے اپنے چچا کی لڑکی جو بالغہ تھی اس سے اپنا نکاح اس کی اجازت کے بغیر کرلیا اور وہ خاموش رہی، یا بعد میں رضامندی کا اظہار کردی تب بھی نکاح جائز نہ ہوگا، حضرات طرفین کا مذہب یہی ہے، اور حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ جائز ہو جائے گا۔

بالغہ لڑکی سے اجازت لینا

اسی طرح آزاد کرنے والا آقا جو اپنے آزاد کردہ باندی کا نکاح کر رہا ہے اور حاکم و سلطان جو بالغہ لڑکی کا نکاح کر رہا ہے، ان کے لیے بالغہ سے اجازت لینا ضروری ہے، اجازت لیے بغیر ان دونوں کا کیا ہوا نکاح جائز نہ ہوگا، جیسا کہ جوہرہ میں ہے اور فتویٰ بھی اسی قول پر ہے، بخلاف نابالغہ لڑکی کے، کہ اس میں چچا کا لڑکا یا حاکم و بادشاہ اپنی ولایت سے اس کا نکاح اس سے اجازت لیے بغیر کر سکتے ہیں، لیکن خود اپنا نکاح قاضی و سلطان کو اس کے ساتھ کرنا جائز نہیں ہے۔ البتہ چچازاد بھائی کے لیے اپنا نکاح چچازاد بہن کے ساتھ کرنا جائز ہے، اس لیے کہ چچازاد بھائی ایک جانب سے اصیل ہوگا اور دوسری جانب سے وکیل ہوگا، جس طرح وکیل کے لیے یہ بات جائز ہے کہ اپنا نکاح اپنی اس مؤکلہ کے ساتھ کرلے جس نے اس کو اپنا وکیل بنایا ہے کہ وہ اس کا نکاح اپنے ساتھ کردے، یہ اپنی طرف سے اصیل ہوگا اور دوسرے کی طرف سے وکیل ہوگا۔

وکیل کا مؤکل کے حکم کی خلاف ورزی کرنا

برخلاف اس صورت کے کہ ایک عورت نے کسی کو وکیل بنایا تھا کہ وہ اس کا نکاح کسی مرد سے کردے، چنانچہ وکیل نے دوسرے مرد کے ساتھ نکاح کرنے کے بجائے خود اپنے ساتھ اس کا نکاح کرلیا، تو چوں کہ یہ مؤکل کے حکم کی خلاف ورزی ہے اس لیے نکاح جائز نہیں ہوگا، اس لیے کہ عورت نے اس کو نکاح کرا دینے والا مقرر کیا تھا، نکاح کرنے والا مقرر نہیں کیا تھا۔ (اسی طرح

اگر عورت نے متعین کر کے کہا تھا کہ فلاں کے ساتھ میرا نکاح کر دو اور اس نے اپنے ساتھ کر لیا تب بھی نکاح نہ ہوگا، اسی طرح اگر وکیل نے اپنے باپ یا بیٹے کے ساتھ مؤکلہ کا نکاح کر دیا تب بھی نکاح صحیح نہ ہوگا، امام ابوحنیفہ کا یہی قول ہے۔ (شامی: ۴/۲۲۸)

(أَوْ وَكَّلَتْهُ أَنْ يَتَصَرَّفَ فِي أَمْرِهَا أَوْ قَالَتْ لَهُ زَوِّجْ نَفْسِي مِمَّنْ شِئْتَ) لَمْ يَصِحَّ تَزَوُّجُهَا مِنْ نَفْسِهِ كَمَا فِي الْخَانِيَّةِ وَالْأَصْلُ أَنَّ الْوَكِيلَ مَعْرِفَةٌ بِالْخِطَابِ فَلَا يَدْخُلُ تَحْتَ النَّكِرَةِ (وَلَوْ أَجَازَ مَنْ لَهُ الْإِجَازَةُ (نِكَاحَ الْفُضُولِيِّ بَعْدَ مَوْتِهِ صَحَّ) لِأَنَّ الشَّرْطَ قِيَامُ الْمَعْقُودِ لَهُ وَأَحَدُ الْعَاقِدَيْنِ لِنَفْسِهِ فَقَطْ (بِخِلَافِ إِجَازَةِ بَيْعِهِ) فَإِنَّهُ يَشْتَرِطُ قِيَامَ أَرْبَعَةِ أَشْيَاءَ كَمَا سَيَجِيءُ. [فُرُوعٌ] الْفُضُولِيُّ قَبْلَ الْإِجَازَةِ لَا يَمْلِكُ نَقْضَ النِّكَاحِ بِخِلَافِ الْبَيْعِ يُشْتَرَطُ لِلُزُومِ عَقْدِ الْوَكِيلِ مُوَافَقَتُهُ فِي الْمَهْرِ الْمُسَمَّى وَحُكْمُ رَسُولٍ كَوَكِيلٍ.

وکیل نے اپنی ذات سے مؤکلہ کی شادی کر لی تو کیا حکم ہے؟

یا عورت نے کسی شخص کو اس بات کا وکیل بنایا کہ اس کے معاملہ میں اس کے حکم سے تصرف کرے، یا عورت نے اس وکیل سے کہا کہ تو جس شخص کے ساتھ چاہے میرا نکاح کر دے، تو اس صورت میں وکیل کے لیے اس عورت کا نکاح اپنی ذات سے کرنا صحیح نہیں ہوگا، جیسا کہ فتاویٰ خانیہ میں ہے۔ اور نکاح کے جائز نہ ہونے میں اس باب میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ وکیل عورت کے خطاب کی وجہ سے متعین ہو چکا ہے اور عورت نے شوہر کو متعین نہیں کیا ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ معین غیر معین میں داخل نہیں ہوتا ہے، لہٰذا وکیل خود نکرہ کے عموم کے تحت داخل نہیں ہوگا۔

فضولی کا کیا ہوا نکاح نافذ کرنے کے بعد فضولی کی موت

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جس شخص کو اجازت دینے کا حق شرعی طور پر حاصل ہے اگر اس نے فضولی کے مرنے کے بعد اس کے کئے ہوئے نکاح کی اجازت دیدی تو نکاح صحیح ہو جائے گا، اس لیے کہ صحت نکاح کے لیے اجازت کے وقت شرط یہ ہے کہ جس کے واسطے نکاح کا انعقاد ہوا ہے وہ موجود اور قائم رہے اور دو عاقدوں میں سے صرف ایک عاقد کی موت یعنی فضولی کی موت، نکاح کے صحیح ہونے کے مضر نہیں ہے، اس لیے کہ یہاں دوسرا عاقد موجود ہے، بخلاف فضولی کے بیع کی اجازت دینے کے، یعنی کسی فضولی شخص نے بیع کے اندر ایجاب وقبول کیا، اس کے بعد اس کا انتقال ہو گیا اور کسی اور نے اجازت دی تو یہ بیع صحیح نہیں ہوگی، کیوں کہ بیع کی صحت کے لیے اس وقت چار چیزوں کی موجودگی ضروری ہے، جس کی تفصیل آئندہ آنے والی ہے: (۱-۲) عاقدین موجود ہوں (۳) مبیع موجود ہو (۴) اور اس کا صاحب موجود ہو۔

فضولی اجازت سے پہلے اپنا کیا ہوا نکاح فسخ کرنے کا حقدار نہیں ہوتا

فضولی نے جو نکاح کیا ہے اس کو وہ اجازت دینے سے پہلے توڑنے کا مالک نہیں ہوتا ہے، البتہ بیع کو اجازت سے پہلے توڑ سکتا

ہے، اور وکیل کے عقد کے لازم ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ وکیل اس مہر میں مؤکل کے موافق ہو جو اس نے بوقت عقد نکاح متعین کر رکھے ہیں، اگر مہر مؤکل کے مہر کے موافق نہیں ہے تو مؤکل کو قبول کرنے اور قبول نہ کرنے دونوں کا اختیار حاصل ہوگا۔

قاصد بمنزلہ وکیل ہے

قاصد جو پیام لے جاتا ہے وہ حکم میں وکیل کی طرح ہے، مثال کے طور پر کسی مرد نے نکاح کا پیغام دے کر کسی شخص کو عورت کے پاس بھیجا اور عورت نے دو گواہوں کی موجودگی میں اس کو قبول کر لیا تو نکاح درست ہو جائے گا، بشرطیکہ اس نے جو مہر متعین کر کے بھیجا ہے اس میں مخالفت نہ کی ہو۔ (اور اگر مخالفت کی ہو تو پھر نکاح منعقد نہیں ہوگا)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

بَابُ الْمَهْرِ

یہ باب مہر کے احکام ومسائل کے بیان میں ہے

ترجمہ وتشریح: جب حضرت مصنف علیہ الرحمہ نکاح کے ارکان اور اس کی شرطوں کے بیان سے فارغ ہو گئے ہیں تو اب یہاں سے نکاح کے حکم کو بیان کر رہے ہیں اور نکاح کا حکم مہر کا واجب ہونا ہے خواہ مہر مثل واجب ہو یا مہر مسمّٰی، نکاح کے بعد مہر کا واجب ہونا قرآنِ کریم اور احادیث رسول ﷺ دونوں سے ثابت ہے، چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِیْٓــًٔا مَّرِیْٓــًٔا (النساء:۴)

اور عورتوں کو ان کے مہر راضی خوشی سے ادا کر دو، ہاں اگر وہ اپنی خوشی سے کچھ مہر چھوڑ دیں تو اسے شوق سے خوشی خوشی کھاؤ۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ ؕ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِیْضَةً ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ فِیْمَا تَرٰضَیْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِیْضَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیْمًا حَكِیْمًا (النساء:۲۴)

ترجمہ: اور ان محرمات کے علاوہ جن کا ذکر مذکورہ بالا آیت کے اندر ہوا ہے تمام عورتیں تمہارے لیے حلال کی گئیں ہیں، کہ تم اپنے مالوں کے ذریعے ان سے نکاح کرنا چاہو، برے کام سے بچنے کے لیے نہ کہ شہوت رانی کے لیے، اس لیے کہ جن سے تم فائدہ اٹھاؤ انہیں ان کا مقرر کیا ہوا مہر ادا کر دو اور مہر مقرر ہو جانے کے بعد اگر تم آپس کی رضامندی سے کمی زیادتی کے ساتھ طے کر لو تو اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں ہے بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

اور نفس مہر کا ثبوت حدیث رسول ﷺ سے بھی ہے، رسول اکرم ﷺ نے ایک صحابی کو مہر کے انتظام کرنے کا حکم دیا اس کے بعد ان کا نکاح کر دیا۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک عورت آئی اور عرض کی کہ

یارسول اللہ ﷺ! بے شک میں اپنے آپ کو آپ کے لیے ہبہ کرتی ہوں، یہ سن کر آپ نے کوئی جواب نہیں دیا، پس وہ عورت دیر تک کھڑی رہی اتنے میں ایک شخص کھڑے ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! اگر آپ کو اس کی ضرورت نہیں ہے تو آپ اس کی شادی میرے ساتھ کر دیجئے، رسول اللہ ﷺ نے ان سے معلوم کیا کہ تمہارے پاس مہر ادا کرنے کے لیے کچھ ہے بھی یا نہیں؟ انھوں نے کہا: یارسول اللہ! میرے پاس میرے اس ازار کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جاؤ اور مہر کا انتظام کرو اگرچہ لوہے کی ایک انگوٹھی ہی کیوں نہ ہو، چنانچہ انھوں نے مہر کے انتظام میں دوڑ دھوپ کی لیکن کچھ نہیں پایا، تو رسول اللہ ﷺ نے عرض کیا کیا تم کو قرآن کی کچھ سورتیں یاد ہیں؟ انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! ہاں مجھے فلاں فلاں سورتیں یاد ہیں۔ رسول اکرم اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: تمہارا نکاح میں نے اس عورت کے ساتھ اس کے عوض میں کر دیا ہے جو تمہارے پاس قرآن ہے۔ اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ اچھا جاؤ میں نے تمہارا نکاح اس عورت کے ساتھ کر دیا اس کو قرآن کریم سکھا دینا یہی تمہارا مہر ہوگا۔

یہ روایت متفق علیہ ہے یعنی بخاری و مسلم دونوں میں ہے۔

وَمِنْ أَسْمَائِهِ: الصَّدَاقُ وَالصَّدَقَةُ، وَالنِّحْلَةُ، وَالْعَطِيَّةُ، وَالْعُقْرُ. وَفِي اسْتِيلَادِ الْجَوْهَرَةِ الْعُقْرُ فِي الْحَرَائِرِ مَهْرُ الْمِثْلِ وَفِي الْإِمَاءِ عُشْرُ قِيمَةِ الْبِكْرِ وَنِصْفُ عُشْرِ قِيمَةِ الثَّيِّبِ. (أَقَلُّهُ عَشَرَةُ دَرَاهِمَ) لِحَدِيثِ الْبَيْهَقِيِّ وَغَيْرِهِ «لَا مَهْرَ أَقَلُّ مِنْ عَشَرَةِ دَرَاهِمَ» وَرِوَايَةُ الْأَقَلِّ تُحْمَلُ عَلَى الْمُعَجَّلِ (فِضَّةٌ وَزْنُ سَبْعَةٍ) مَثَاقِيلَ كَمَا فِي الزَّكَاةِ (مَضْرُوبَةً كَانَتْ أَوْ لَا) وَلَوْ دَيْنًا أَوْ عَرْضًا قِيمَتُهُ عَشَرَةٌ وَقْتَ الْعَقْدِ، أَمَّا فِي ضَمَانِهَا بِطَلَاقٍ قَبْلَ الْوَطْءِ فَيَوْمَ الْقَبْضِ

مہر کے نام

حضرت شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ قرآن وحدیث میں مہر کے پانچ نام آتے ہیں: (۱) صداق (۲) صدقہ (۳) نحلہ (۴) عطیہ (۵) عقر۔ اور الجوہرۃ النیرۃ کے باب الاستیلاد میں ہے کہ آزاد عورتوں میں عقر مہر مثل کو کہتے ہیں اور باندیوں میں باکرہ لڑکی کی قیمت کے دسویں حصہ کو کہتے ہیں۔ اور ثیبہ کے بیسویں حصہ کو عقر کہتے ہیں۔

شریعت میں اقل مہر کی مقدار

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ شریعت میں مہر کی کم از کم مقدار دس درہم ہے، جیسا کہ اس کی تصریح بیہقی وغیرہ کی حدیث شریف میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ''دس درہم سے کم مہر نہیں ہے''۔

(یہ حدیث ضعیف سند کے ساتھ مروی ہے اور اس روایت کو ابن ابی حاتم نے بھی نقل کیا ہے۔ اور حافظ ابن حجر فرماتے

ہیں کہ یہ روایت اس سند کے ساتھ "حسن" کے درجہ میں ہے، جیسا کہ فتح القدیر باب الکفاءت میں ہے، لہٰذا یہ حدیث کثرتِ طرق کی وجہ سے لائقِ حجت ہوئی)۔ (شامی: ۴/۲۳۱)

اور جس روایت میں دس درہم سے بھی کم مہر کا ذکر آیا ہے وہ درحقیقت مہر معجل پر محمول ہے۔ مثال کے طور پر جن حدیثوں میں یہ آیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ اگر لوہے کی انگوٹھی ہو تو وہی مہر میں دیدو، یا دولپ ستو یا کھجور ہی ادا کردو، تو ان روایتوں کا محمل یہ ہے مہر معجل میں کچھ نہ کچھ ادا کر دیا جائے، کیوں کہ عربوں کے یہاں یہ رواج تھا کہ بیوی کے پاس جانے سے پہلے کچھ دے دیا کرتے تھے۔ ان حدیثوں کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ کھجوروں اور ستو کے علاوہ اور کچھ مہر نہیں تھا کل مہر یہی تھا اور صرف یہی مہر میں دینے کا عام رواج تھا۔

دس درہم کا وزن

اقل مہر کی مقدار جو دس درہم بتائی گئی ہے اس کا وزن سات مثقال کے برابر ہوتا ہے جس کی تفصیل کتاب الزکوٰۃ میں گزر چکی ہے۔ اور سات مثقال ساڑھے اکتیس ماشہ کے برابر ہوتے ہیں، اس طرح دس درہم کا وزن تین تولہ ڈیڑھ ماشہ ہوا، لہٰذا تین تولہ ڈیڑھ ماشہ چاندی کی جو قیمت بازار میں ہوگی وہی کم از کم مہر کی مقدار ٹھہرے گی اور ہر زمانے کے اعتبار سے قیمت لگائی جائے گی۔

قیمت لگانے میں قبضہ کے دن کا اعتبار ہے

اور جس درہم کو مہر قرار دیا گیا ہے وہ ڈھلے ہوئے ہوں یا ڈھلے ہوئے نہ ہوں اور خواہ وہ کسی پر قرض ہوں یا اس کے پاس کوئی سامان ہو جس کی قیمت بوقت نکاح دس درہم ہوتی ہو، لہٰذا نکاح کے بعد اگر اس کی قیمت کم ہو جائے تو اس سے کوئی حرج نہیں ہے، لیکن اگر کوئی شخص اتنی قیمت کی جنس کا وطی سے پہلے طلاق کے سلسلہ میں ضامن ہوا تو اس باب میں قیمت کے وصول کرنے کا اعتبار قبضہ کرنے کا دن ہوگا۔ (مثال کے طور پر ایک عورت کا نکاح ایک کپڑے پر ہوا، جس کی قیمت دس درہم تھی، لیکن عورت نے جس دن اس کپڑے پر قبضہ کیا ہے اس دن اس کی قیمت بڑھ کر دوگنی ہوگئی اب شوہر نے اس عورت کو وطی سے پہلے طلاق دیدی، تو شوہر پر قاعدہ کے اعتبار سے نصف مہر دینا واجب ہوا اور جو کپڑا مہر میں تھا وہ ضائع ہوگیا، لہٰذا اس صورت میں شوہر اپنی مطلقہ بیوی کو آدھا مہر دس درہم ادا کرے گا، کیونکہ عورت نے جس دن کپڑے پر قبضہ کیا تھا اس دن اس کی قیمت بیس درہم تھی)۔ (شامی: ۴/۲۳۲)

(وَتَجِبُ) الْعَشَرَةُ (إِنْ سَمَّاهَا أَوْ دُونَهَا وَ) يَجِبُ (الْأَكْثَرُ مِنْهَا إِنْ سَمَّى) الْأَكْثَرَ وَيَتَأَكَّدُ (عِنْدَ

وَطْءٍ أَوْ خَلْوَةٍ صَحَّتْ) مِنَ الزَّوْجِ (أَوْ مَوْتِ أَحَدِهِمَا) أَوْ تَزَوَّجَ ثَانِيًا فِي الْعِدَّةِ أَوْ إِزَالَةِ بَكَارَتِهَا بِنَحْوِ حَجَرٍ بِخِلَافِ إِزَالَتِهَا بِدَفْعَةٍ فَإِنَّهُ يَجِبُ النِّصْفُ بِطَلَاقٍ قَبْلَ وَطْءٍ وَلَوْ الدَّفْعُ مِنْ أَجْنَبِيٍّ، فَعَلَى الْأَجْنَبِيِّ أَيْضًا نِصْفُ مَهْرِ مِثْلِهَا إِنْ طَلُقَتْ قَبْلَ الدُّخُولِ وَإِلَّا فَكُلُّهُ نَهْرٌ بَحْثًا - (وَ) يَجِبُ (نِصْفُهُ بِطَلَاقٍ قَبْلَ وَطْءٍ أَوْ خَلْوَةٍ) فَلَوْ كَانَ نَكَحَهَا عَلَى مَا قِيمَتُهُ خَمْسَةٌ كَانَ لَهَا نِصْفُهُ وَدِرْهَمَانِ وَنِصْفٌ (وَعَادَ النِّصْفُ إِلَى مِلْكِ الزَّوْجِ بِمُجَرَّدِ الطَّلَاقِ إِذَا لَمْ يَكُنْ مُسَلَّمًا لَهَا، وَإِنْ) كَانَ (مُسَلَّمًا) لَهَا لَمْ يَبْطُلْ مِلْكُهَا مِنْهُ بَلْ (تَوَقَّفَ) عَوْدُهُ إِلَى مِلْكِهِ (عَلَى الْقَضَاءِ أَوْ الرِّضَا) فَلِهَذَا (لَا نَفَاذَ لِعِتْقِهِ) أَيْ الزَّوْجِ (عَبْدًا لِمَهْرٍ بَعْدَ طَلَاقِهَا قَبْلَهُ) أَيْ قَبْلَ الْقَضَاءِ وَنَحْوِهِ لِعَدَمِ مِلْكِهِ قَبْلَهُ (وَنَفَذَ تَصَرُّفُ الْمَرْأَةِ) قَبْلَهُ (فِي الْكُلِّ لِبَقَاءِ مِلْكِهَا) وَعَلَيْهَا نِصْفُ قِيمَةِ الْأَصْلِ يَوْمَ الْقَبْضِ، لِأَنَّ زِيَادَةَ الْمَهْرِ الْمُنْفَصِلَةَ تَتَنَصَّفُ قَبْلَ الْقَبْضِ لَا بَعْدَهُ

بوقت عقد دس درہم سے کم مہر بیان کیا گیا تو کیا حکم ہے؟

اگر کسی نے بوقت عقد مہر دس درہم بیان کیا یا دس درہم سے کم بیان کیا تو اس صورت میں اس پر دس درہم واجب ہوگی، دس درہم سے کم واجب نہ ہوگا۔ اور اگر بوقت نکاح دس درہم سے زیادہ متعین کیا ہے تو پھر جتنا متعین کیا ہے اتنا ہی واجب ہوگا۔ (اور مہر کی زیادہ مقدار کی کوئی حد نہیں ہے جتنا زیادہ چاہے مہر متعین کر سکتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ مہر بہت زیادہ نہ ہو کہ شوہر اس کو ادا نہ کر سکے بلکہ مہر کم ہو؛ تا کہ شوہر اس کو ادا کر سکے اور اس کو ادا کرنے میں کوئی پریشانی نہ ہو)۔

مہر کا لزوم شوہر کے ذمہ کب ہوتا ہے؟

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جب شوہر بیوی کے ساتھ صحبت کرلے یا شوہر کی جانب سے خلوت صحیحہ پائی جائے، یا زوجین میں سے کسی ایک کا انتقال ہو جائے، یا عدت کے اندر دوبارہ نکاح کرے اور اس کے بعد طلاق دے، یا عورت کا پردۂ بکارت شوہر زائل کر دے، خواہ پتھر وغیرہ سے ہی کیوں نہ ہو، تو ان تمام صورتوں میں شوہر پر مہر ادا کرنا لازم ہو جاتا ہے اور پورا مہر ادا کرنا لازم ہوتا ہے۔

اس کے برخلاف اگر شوہر کے دھکا دینے کی وجہ سے عورت کا پردۂ بکارت زائل ہوا اور اس نے وطی سے قبل طلاق دیدی تو اس صورت میں صرف نصف مہر واجب ہوگا پورا مہر ادا کرنا واجب نہ ہوگا۔ اور اگر اجنبی شخص کے دھکا دینے سے عورت کا پردۂ بکارت زائل ہوا اور شوہر نے وطی سے پہلے طلاق دیدی تو اس صورت میں اجنبی شخص پر نصف مہر مثل واجب ہوگا اور اگر وطی کے بعد طلاق واقع ہوئی تو پھر پورا مہر دینا واجب ہوگا، جیسا کہ اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے النہر الفائق میں لکھا ہے۔

نصف مہر کا وجوب

اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو وطی سے پہلے یا خلوتِ صحیحہ سے پہلے طلاق دیدے تو اس صورت میں شوہر پر نصف مہر واجب ہوگا، چنانچہ اگر کسی شخص نے کسی عورت سے ایسی چیز پر نکاح کیا جس کی قیمت پانچ درہم تھی، اب شوہر نے اس بیوی کو وطی سے پہلے یا خلوتِ صحیحہ سے پہلے طلاق دیدی، تو اس صورت میں وہ چیز آدھی عورت کو ملے گی اور ڈھائی درہم بھی ملیں گے۔ آدھی چیز تو اس لیے ملے گی کہ اس نے خلوتِ صحیحہ سے پہلے طلاق دی ہے اور ڈھائی درہم کی چیز ہوئی لہٰذا ڈھائی درہم مزید اوپر سے ملیں گے، اب دونوں مل کر پانچ درہم ہوں گے جو دس درہم کا نصف ہے گویا کم از کم نصف مہر ملا ہے۔

اور نصف مہر محض طلاق دینے کی وجہ سے شوہر کی ملکیت میں آجائے گا، جب کہ اس نے مہر ابھی تک بیوی کے حوالے نہیں کیا ہے۔ اور اگر شوہر مہر کو بیوی کے حوالے کر چکا ہے تو وطی سے پہلے عورت کی ملکیت کل مہر سے باطل نہیں ہوگی؛ بلکہ نصف مہر کا شوہر کی ملکیت میں آنا قاضی کے فیصلے یا عورت کی رضامندی پر موقوف ہوگا، یہی وجہ ہے کہ مہر کے غلام کو شوہر کا آزاد کرنا عورت کو طلاق دینے کے بعد نافذ نہیں ہوگا جب تک کہ قاضی کا فیصلہ یا بیوی کی رضامندی نہ پائی جائے، اس لیے کہ قاضی کے فیصلے یا بیوی کی رضامندی سے پہلے شوہر اس کا مالک نہیں ہوتا ہے، لہٰذا قضائے قاضی یا رضائے بیوی سے پہلے مہر کے غلام کو آزاد کرنا شوہر کے لیے درست نہیں ہے اسی وجہ سے عتق نافذ نہ ہوگا۔

البتہ قاضی کے فیصلے سے پہلے عورت کا تصرف کل مہر میں نافذ ہوگا؛ اس لیے کہ عورت کی ملکیت باقی رہتی ہے، لہٰذا جس غلام پر عورت نے بطور مہر قبضہ کیا ہے طلاق ہوجانے کے بعد اس کو آزاد کردے تو یہ آزاد کرنا صحیح ہوگا اور غلام آزاد ہوجائیگا اور غلام کے قبضہ کرنے کے دن جو اصل کی قیمت تھی، عورت پر اس کا آدھا واجب ہوگا؛ اس لیے کہ مہر پر جو زیادتی ہوتی ہے اس کی تنصیف اس وقت ہوتی ہے جب مہر پر قبضہ کرنے سے پہلے زیادتی ہوئی ہو، قبضہ کرنے کے بعد جو زیادتی ہوتی ہے اس میں تنصیف نہیں ہوتی۔ (مثال کے طور پر عورت کو مہر میں ایک باندی ملی ہے عورت نے اس پر قبضہ کرلیا، پھر قبضہ کے بعد باندی کا بچہ پیدا ہوا اور شوہر نے اس عورت کو وطی سے پہلے طلاق دیدی، تو اس صورت میں عورت صرف باندی کی قیمت کا نصف واپس کریگی، بچہ مکمل عورت ہی کا ہوگا، کیونکہ یہ بچہ باندی سے الگ شئ ہے اور قبضہ کرنے کے بعد پیدا ہوا ہے۔)

(وَوَجَبَ مَهْرُ الْمِثْلِ فِي الشِّغَارِ) هُوَ أَنْ يُزَوِّجَهُ بِنْتَه عَلَى أَنْ يُزَوِّجَهُ الْآخَرُ بِنْتَه أَوْ أُخْتَهُ مَثَلًا مُعَاوَضَةً بِالْعَقْدَيْنِ وَهُوَ مَنْهِيٌّ عَنْهُ لِخُلُوِّهِ عَنِ الْمَهْرِ، فَأَوْجَبْنَا فِيهِ مَهْرَ الْمِثْلِ فَلَمْ يَبْقَ شِغَارًا (وَ) فِي (خِدْمَةِ زَوْجٍ حُرٍّ) سَنَةً (لِلْإِمْهَارِ) لِحُرَّةٍ أَوْ أَمَةٍ لِأَنَّ فِيهِ قَلْبَ الْمَوْضُوعِ كَذَا قَالُوا وَمُفَادُهُ صِحَّةُ تَزَوُّجِهَا عَلَى أَنْ يَخْدُمَ سَيِّدَهَا أَوْ وَلِيَّهَا كَقِصَّةِ شُعَيْبٍ مَعَ مُوسَى كَصِحَّتِهِ عَلَى خِدْمَةِ

عَبْدِهِ أَوْ أَمَتِهِ أَوْ عَبْدِ الْغَيْرِ بِرِضَا مَوْلَاهُ أَوْ حُرٌّ آخَرَ بِرِضَاهُ (وَ) فِي (تَعْلِيمِ الْقُرْآنِ) لِلنَّصِّ بِالِابْتِغَاءِ بِالْمَالِ، وَبَاءُ «زَوَّجْتُكَ بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ» - لِلسَّبَبِيَّةِ أَوْ لِلتَّعْلِيلِ، لَكِنْ فِي النَّهْرِ يَنْبَغِي أَنْ يَصِحَّ عَلَى قَوْلِ الْمُتَأَخِّرِينَ (وَلَهَا خِدْمَتُهُ لَوْ كَانَ الزَّوْجُ (عَبْدًا) مَأْذُونًا فِي ذَلِكَ، أَمَّا الْحُرُّ فَخِدْمَتُهُ لَهَا حَرَامٌ لِمَا فِيهِ مِنَ الْإِهَانَةِ وَالْإِذْلَالِ وَكَذَا اسْتِخْدَامُهُ نَهْرٌ عَنِ الْبَدَائِعِ

نکاحِ شغار کا حکم شرعی

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ نکاح شغار میں مہر مثل واجب ہوتا ہے۔ اور نکاح شغار یہ ہے کہ ایک شخص اپنی بیٹی یا بہن کا نکاح دوسرے شخص سے اس شرط پر کرے کہ وہ دوسرا مرد اپنی بیٹی یا بہن کا نکاح اس سے کردے؛ تاکہ ایک عقد دوسرے عقد کا بدلہ ہوجائے اور دونوں میں سے کسی میں بھی مہر کا نام نہ لیا جائے۔ اور جس نکاح میں مہر نہ ہو وہ ممنوع ہے لیکن نکاح ہوجاتا ہے اور ہم نے اس طرح کے نکاح میں مہر مثل واجب قرار دیا ہے، لہٰذا اب یہ نکاح شغار باقی نہ رہے گا۔

مہر کے عوض بیوی کی خدمت کرنا

اگر نکاح کے وقت یہ طے ہوا کہ شوہر مہر کے بدلہ میں اپنی آزاد یا باندی بیوی کی ایک سال خدمت کرے گا، تو اس صورت میں بھی شرعی اعتبار سے نکاح ہوجائے گا اور مہر مثل واجب ہوگا، شوہر پر بیوی کی خدمت واجب نہ ہوگی اس لیے کہ اس میں قلب موضوع ہے بایں طور کہ اصول یہ ہے کہ عورت شوہر کی خدمت کرتی ہے نہ کہ شوہر بیوی کی؛ اس لیے کہ اس میں شوہر کی اہانت اور تذلیل ہے جو شرعاً حرام ہے، جیسا کہ حضرات فقہاء کرام نے فرمایا ہے۔

اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ مہر مثل کے وجوب سے نکاح صحیح ہوجائے گا اگر کوئی شخص اس شرط پر نکاح کرے کہ شوہر اپنی بیوی کے آقا یا ولی کی خدمت کرے گا تو یہ نکاح درست ہوجائے گا، کیونکہ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی صاحبزادی کا نکاح حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس شرط پر کیا تھا کہ موسیٰ آٹھ سال یا دس سال تک شعیب علیہ السلام کی بکریاں چرائیں گے۔

جس طرح کہ وہ نکاح صحیح ہوجاتا ہے کہ جس میں یہ شرط لگائی گئی ہو کہ شوہر کا غلام یا اس کی باندی بیوی کی خدمت کرے گی یا شوہر کے علاوہ دوسرے کا غلام اپنے مولیٰ کی رضامندی سے عورت کی خدمت کرے گا، یا کوئی آزاد مرد اس کی رضامندی سے خدمت کرے گا۔

مہر میں تعلیم قرآن مقرر کرنا

اگر کسی نے نکاح میں بطور مہر تعلیم قرآن مقرر کیا ہے یعنی مہر یہ ہوگا کہ میں بیوی کو قرآن پڑھا دوں گا تو اس صورت میں بھی مہر مثل ہی واجب ہوگا؛ اس لیے کہ نص قرآنی میں مال کے ذریعہ سے نکاح کرنے کا حکم آیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے ﴿وَأُحِلَّ لَكُمْ

مَا وَرَاءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ ؛ "مال کے عوض نکاح طلب کرو"۔ اور تعلیم قرآن مال نہیں ہے؛ اس لیے مہر میں تعلیم قرآن مقرر کرنے کی صورت میں مہر مثل واجب ہوگا۔ رہی وہ حدیث شریف جس میں آیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ایک صحابی کا نکاح تعلیم قرآن پر کر دیا اور فرمایا: جا! تیرا نکاح اس قرآن کے بدلہ کر دیا ہے جو تیرے پاس ہے۔ اس حدیث کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم قرآن کو مہر بنانا جائز ہے؟ اس حدیث پاک کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث شریف میں باء سبب اور تعلیل کے لیے ہے، عوض کے لیے نہیں ہے یعنی تمہارا نکاح اس وجہ سے کر دے رہا ہوں کہ تم کو قرآن یاد ہے۔ لیکن النہر الفائق میں ہے کہ حضرات متاخرین علماء کے قول کی بنیاد پر یہ کہا جائے کہ تعلیم قرآن کو مہر بنانا جائز ہے؛ کیونکہ متاخرین علماء نے تعلیم قرآن پر اجرت لینے کو جائز قرار دیا ہے، لہٰذا جس کی اجرت لینا جائز ہے اس کا مہر بنانا بھی جائز ہونا چاہیے، چنانچہ فتح القدیر میں مفتی بہ قول اسی کو قرار دیا ہے کہ تعلیم قرآن کو مہر بنانا جائز ہے۔ علامہ شامیؒ نے بھی اسی قول پر فتویٰ نقل کیا ہے۔ (شامی: ۴/۲۴۰)

غلام شوہر کا، بیوی کی خدمت کرنا

ہاں اگر شوہر غلام ہو اور اس کے آقا نے خدمت کرنے کی اجازت دے رکھی ہو اور وہ کسی آزاد عورت سے بحکم آقا نکاح کرے اور مہر میں بیوی کی خدمت کرنا مقرر کرے تو جائز ہے اور نکاح درست ہوگا، کیونکہ غلام شوہر کا آزاد بیوی کی خدمت کرنا باعث رسوائی اور ذلت نہیں ہے، لیکن آزاد شوہر کا بیوی کی خدمت کرنا حرام ہے؛ اس لیے کہ اس میں شوہر کی تذلیل اور اہانت ہے اسی طرح شوہر کو بطور اجیر خدمت لینا بھی حرام ہے جیسا کہ النہر الفائق میں بدائع الصنائع سے نقل کیا ہے۔

(اسی وجہ سے بیٹے کے لیے جائز نہیں ہے کہ اپنے باپ کو خدمت کے لیے اجیر رکھے؛ بلکہ باپ کو خدمت کے لیے اُجرت پر رکھنا حرام ہے)۔ (شامی: ۴/۲۴۲)

(وَكَذَا يَجِبُ) مَهْرُ الْمِثْلِ (فِيمَا إِذَا لَمْ يُسَمِّ) مَهْرًا (أَوْ نَفَى إِنْ وَطِئَ) الزَّوْجُ (أَوْ مَاتَ عَنْهَا إِذَا لَمْ يَتَرَاضَيَا عَلَى شَيْءٍ) يَصْلُحُ مَهْرًا (وَإِلَّا فَذٰلِكَ) الشَّيْءُ (هُوَ الْوَاجِبُ، أَوْ سَمَّى خَمْرًا أَوْ خِنْزِيرًا أَوْ هٰذَا الْخَلَّ وَهُوَ خَمْرٌ أَوْ هٰذَا الْعَبْدَ وَهُوَ حُرٌّ) لِتَعَذُّرِ التَّسْلِيمِ (أَوْ دَابَّةً) أَوْ ثَوْبًا أَوْ دَارًا و (لَمْ يُبَيِّنْ جِنْسَهَا) لِفُحْشِ الْجَهَالَةِ (وَ) تَجِبُ (مُتْعَةٌ لِمُفَوَّضَةٍ) وَهِيَ مَنْ زُوِّجَتْ بِلَا مَهْرٍ (طُلِّقَتْ قَبْلَ الْوَطْءِ، وَهِيَ دِرْعٌ وَخِمَارٌ وَمِلْحَفَةٌ لَا تَزِيدُ عَلَى نِصْفِهِ) أَيْ نِصْفِ مَهْرِ الْمِثْلِ لَوِ الزَّوْجُ غَنِيًّا (وَلَا تَنْقُصُ عَنْ خَمْسَةِ دَرَاهِمَ) لَوْ فَقِيرًا (وَتُعْتَبَرُ) الْمُتْعَةُ (بِحَالِهِمَا) كَالنَّفَقَةِ بِهِ يُفْتَى

بوقت عقد مہر بیان نہ کرنے کی صورت میں مہر مثل کا وجوب

اسی طرح اگر بوقت نکاح مہر بیان نہیں کیا گیا ہے یا مہر کی نفی کی گئی ہے، تو اس صورت میں بھی شوہر پر مہر مثل واجب ہوگا

بشرطیکہ شوہر نے بیوی کے ساتھ وطی کی ہو، یا میاں بیوی میں سے کسی ایک کا انتقال ہو گیا ہو اور دونوں کسی ایسی چیز کے مہر بنانے پر راضی نہ ہوئے ہوں جو مہر بننے کے لائق ہو اور اگر میاں بیوی میں سے ہر ایک نے ایسی چیز کے مہر بنانے پر اتفاق کر لیا ہے جو مہر بننے کی صلاحیت رکھتی ہے تو پھر وہی چیز مہر قرار پائے گی۔

مہر میں شراب یا خنزیر کا نام لیا گیا تو مہر مثل کا وجوب

اسی طرح اگر کسی نے عقد نکاح کے وقت مہر میں شراب بیان کیا، یا خنزیر بیان کیا، یعنی یہ کہا کہ مہر میں شراب یا خنزیر دوں گا، تو اس صورت میں بھی شوہر پر مہر مثل ہی واجب ہوگا؛ اس لیے کہ شراب اور خنزیر مسلمانوں کے حق میں مال نہیں ہے۔ یا بوقت نکاح کسی برتن کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اس برتن میں جو سرکہ ہے وہ مہر ہے، چنانچہ جب برتن کھولا گیا تو اس میں شراب نکلی۔ یا بوقت نکاح کسی شخص کی جانب اشارہ کر کے کہا کہ یہ غلام بطور مہر ہے بعد میں معلوم ہوا کہ وہ غلام نہیں ہے؛ بلکہ آزاد ہے تو ان دونوں صورتوں میں بھی مہر مثل ہی واجب ہوگا؛ اس لیے کہ آزاد شخص کا سپرد کرنا متعذر اور دشوار ہے اور شراب اور خنزیر تو اسلام میں مال ہی نہیں ہے۔

یا مہر میں جانور کا نام لیا یا کپڑے کا نام لیا یا گھر کا نام لیا اور اس کی جنس کو بیان نہیں کیا کہ کون سا جانور مہر میں دوں گا یا کون سا کپڑا دوں گا، یا کیسا گھر دوں گا، لہٰذا اس میں جنس کے بیان نہ کرنے کی وجہ سے جہالتِ فاحشہ پائی گئی ہے؛ اس لیے مہر میں مہر مثل ہی واجب ہوگا؛ اس لیے کہ مذکور شئی کا واجب کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔

متعہ کا وجوب

جس عورت نے اپنے آپ کو کسی مرد کے حوالے بلا مہر کے کر دیا، یعنی بغیر مہر کے نکاح کیا اور شوہر نے اس کے ساتھ وطی کرنے سے پہلے اس کو طلاق دیدی، تو ایسی عورت کے لیے متعہ واجب ہوگا اور متعہ میں تین کپڑے واجب ہوتے ہیں: (۱) قمیص (۲) اوڑھنی (۳) ایسی چادر جو سر سے پاؤں تک ہو۔ لیکن ان تینوں کپڑوں کی قیمت مہر مثل کے نصف سے زیادہ نہیں ہونی چاہیے اگر شوہر غنی اور مال دار ہے اور اگر شوہر غریب وفقیر ہو تو متعہ میں دیئے جانے والے کپڑوں کی قیمت پانچ درہم سے کم نہ ہونی چاہیے اور متعہ میں کپڑا دیتے وقت زوجین میں سے ہر ایک کے حالات کا اعتبار ہوگا، جس طرح کہ بیوی کا نفقہ دونوں کے حالات کے اعتبار سے طے ہوتا ہے، فتویٰ بھی اسی قول پر ہے۔ (اور البحر الرائق میں ہے کہ اگر میاں بیوی میں سے ہر ایک محتاج وغریب ہوں تو متوسط سوتی کپڑے دیئے جائیں گے۔ اور اگر دونوں مالدار ہوں تو متوسط ریشمی کپڑے دیئے جائیں گے اور اگر دوسرا محتاج ہو تو متوسط کپڑا دیا جائے گا)۔ (شامی: ۲۲۵/۴)

(وَتُسْتَحَبُّ الْمُتْعَةُ لِمَنْ سِوَاهَا) أَيْ الْمُفَوَّضَةِ (إلَّا مَنْ سُمِّيَ لَهَا مَهْرٌ وَطُلِّقَتْ قَبْلَ وَطْءٍ) فَلَا

تُسْتَحَبُّ لَهَا بَلْ لِلْمَوْطُوءَةِ سُمِّيَ لَهَا مَهْرٌ أَوْ لَا فَالْمُطَلَّقَاتُ أَرْبَعٌ (وَمَا فُرِضَ) بِتَرَاضِيهِمَا أَوْ بِفَرْضِ قَاضٍ مَهْرُ الْمِثْلِ (بَعْدَ الْعَقْدِ) الْخَالِي عَنِ الْمَهْرِ (أَوْ زِيدَ) عَلَى مَا سُمِّيَ فَإِنَّهَا تَلْزَمُهُ بِشَرْطِ قَبُولِهَا فِي الْمَجْلِسِ أَوْ قَبُولِ وَلِيِّ الصَّغِيرَةِ وَمَعْرِفَةِ قَدْرِهَا وَبَقَاءِ الزَّوْجِيَّةِ عَلَى الظَّاهِرِ نَهْرٌ. وَفِي الْكَافِي: جُدِّدَ النِّكَاحُ بِزِيَادَةِ أَلْفٍ لَزِمَهُ أَلْفَانِ عَلَى الظَّاهِرِ وَفِي الْخَانِيَّةِ: وَلَوْ وَهَبَتْهُ مَهْرَهَا ثُمَّ أَقَرَّ بِكَذَا مِنَ الْمَهْرِ وَقَبِلَتْ صَحَّ، وَيُحْمَلُ عَلَى الزِّيَادَةِ وَفِي الْبَزَّازِيَّةِ: الْأَشْبَهُ أَنَّهُ لَا يَصِحُّ بِلَا قَصْدِ الزِّيَادَةِ (لَا يُنَصَّفُ) لِاخْتِصَاصِ التَّنْصِيفِ بِالْمَفْرُوضِ فِي الْعَقْدِ بِالنَّصِّ، بَلْ تَجِبُ الْمُتْعَةُ فِي الْأَوَّلِ وَنِصْفُ الْأَصْلِ فِي الثَّانِي. (وَصَحَّ حَطُّهَا) لِكُلِّهِ أَوْ بَعْضِهِ (عَنْهُ) قَبِلَ أَوْ لَا، وَيَرْتَدُّ بِالرَّدِّ كَمَا فِي الْبَحْرِ

متعہ کن عورتوں کے لیے مستحب ہے؟

مفوضہ عورتوں کے علاوہ جن عورتوں کا مہر متعین ہو اُن کو متعہ کے تین کپڑے دینے مستحب ہیں، لیکن جن عورتوں کا مہر متعین تھا اور ان کو وطی سے پہلے طلاق ہوگئی ہے تو ان کے لیے متعہ مستحب نہیں ہے، پس متعہ صرف ان عورتوں کے لیے مستحب ہے جن کا مہر متعین ہو یا نہ متعین ہو لیکن طلاق وطی کے بعد دی گئی ہو، پس اس طرح مطلقہ کی چار قسمیں ہیں:

(۱) ایک وہ عورت جس کے ساتھ ابھی تک وطی نہ ہوئی ہو اور طلاق دیدی گئی ہو اور اس کا مہر بھی متعین نہ ہو تو ایسی عورت کو متعہ کے طور پر تین کپڑے دینے واجب ہیں۔

(۲) دوسری وہ عورت جس کو قبل الوطی طلاق دیدی گئی ہو اور متعین ہو اس کو متعہ دینا مستحب نہیں ہے۔

(۳) تیسری وہ عورت جس کو وطی کے بعد طلاق دی گئی ہو اور مہر متعین نہ ہو۔

(۴) چوتھی وہ عورت جس کو وطی کے بعد طلاق دی گئی ہو اور اس کا مہر متعین ہو تو ان دونوں کو متعہ دینا مستحب ہے۔

قاضی کے فیصلے سے مہر کا وجوب

مسئلہ یہ ہے کہ جو مہر زوجین کی آپسی رضامندی سے مقرر ہوا ہے، یا وہ نکاح جو مہر کے ذکر سے خالی تھا اور قاضی نے بعد میں مہر مثل متعین کیا، یا مقررہ مہر میں کچھ اضافہ کیا گیا، تو عورت کے مجلس کے اندر قبول کرنے سے وہ زیادتی لازم ہو جاتی ہے۔ یا لڑکی نابالغہ تھی اور اس زیادتی کو اس کے ولی نے قبول کر لیا تو بھی لازم ہو جاتی ہے جبکہ وہ مہر کی زیادتی کی تعداد کو جانتا ہو اور یہ کہ رشتہ نکاح باقی بھی ہو، جیسا کہ النہر الفائق میں ہے۔ (لہٰذا اگر شوہر اجمالی طور پر یہ کہے کہ میں نے مہر میں اضافہ کر دیا اور زیادتی کی مقدار بیان نہ کرے یا طلاق بائن کے بعد مہر میں اضافہ کرے تو لازم نہ ہوگی)۔ (شامی: ۴/۲۴۶)

اور کافی نامی کتاب میں یہ مسئلہ مذکور ہے کہ شوہر نے ایک ہزار مہر کی زیادتی کے ساتھ نکاح کی تجدید کی تو قول ظاہر کے مطابق اس پر دو ہزار لازم ہوں گے۔ (ایک ہزار پہلے نکاح کا اور ایک ہزار دوسرے نکاح کا)۔ اور فتاویٰ خانیہ میں ہے کہ اگر بیوی نے اپنے مہر کو شوہر کے لیے ہبہ کر دیا پھر شوہر نے اتنے ہی مہر کا مزید اقرار کیا اور عورت نے اسے قبول کر لیا تو یہ صحیح اور درست ہے اور یہ مہر کے اضافہ کر دینے پر محمول ہوگا۔ اور فتاویٰ بزازیہ میں ہے کہ اشبہ قول یہ ہے کہ بغیر زیادتی کے قصد کے اقرار درست نہیں ہے۔

مہر کی تنصیف کا حکم

مسئلہ یہ ہے کہ جو مہر نکاح کے بعد طے ہوا ہے یا مہر متعین پر بعد میں اضافہ ہوا ہے اس کی تنصیف نہیں ہوگی بشرطیکہ وطی سے پہلے طلاق واقع ہوگئی ہو، اس لیے کہ تنصیف اس مہر کے لیے خاص ہے جو بوقت عقد طے پایا ہو، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا پاک ارشاد ہے {فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ} تم نے جو مقرر کیا ہے اس کا آدھا ہے اس میں بعد میں جو اضافہ کیا گیا وہ مراد نہیں ہے۔ پہلی صورت میں یعنی عقد نکاح کے بعد مہر متعین کیا گیا ہو تو اس صورت میں متعہ واجب ہوگا اور دوسری صورت میں یعنی عقد نکاح کے بعد مہر میں اضافہ کیا گیا ہو تو اس صورت میں اصل مہر کا نصف واجب ہوگا۔

مہر کا معاف کرنا یا کم کرنا

مسئلہ یہ ہے کہ عورت اپنے کل مہر یا مہر کے بعض حصہ کو معاف کرنا چاہتی ہے تو اس کے لیے معاف کر دینا یا کم کر دینا درست ہے، خواہ شوہر اس کو قبول کرے یا قبول نہ کرے، دونوں صورتوں میں معاف کرنا درست ہے۔ البتہ اگر شوہر بیوی کی طرف سے معافی کو رد کر دے کہ میں اس معافی کو نہیں مانتا ہوں تو اس سے رد ہو جائے گا اور مہر معاف نہیں ہوگا۔

مسئلہ: اگر بیوی نے شوہر کی پٹائی کے ڈر سے اپنا مہر شوہر کے حوالہ کر دیا، یا اس کو ہبہ کر دیا اور شوہر اس کی پٹائی کرنے پر قادر بھی ہے تو اس صورت میں یہ ہبہ درست نہ ہوگا۔ (شامی: ۴/ ۲۴۸)

مسئلہ: بعض جگہ یہ دیکھا گیا ہے کہ شوہر کے انتقال کے بعد بیوی چارپائی پکڑ کر مہر معاف کرتی ہے یا بیوی کے انتقال کے بعد شوہر بیوی کی چارپائی پکڑ کر مہر معاف کراتا ہے، یہ طریقہ غلط ہے اور غیر اسلامی ہے قرآن و حدیث میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔

(وَالْخَلْوَةُ) مُبْتَدَأٌ خَبَرُهُ قَوْلُهُ الْآتِي كَالْوَطْءِ (بِلَا مَانِعٍ حِسِّيٍّ) كَمَرَضٍ لِأَحَدِهِمَا يَمْنَعُ الْوَطْءَ (وَطَبْعِيٍّ) كَوُجُودِ ثَالِثٍ عَاقِلٍ ذَكَرَهُ ابْنُ الْكَمَالِ، وَجَعَلَهُ فِي الْأَسْرَارِ مِنَ الْحِسِّيِّ، وَعَلَيْهِ فَلَيْسَ لِلطَّبْعِيِّ مِثَالٌ مُسْتَقِلٌّ (وَشَرْعِيٍّ) كَإِحْرَامٍ لِفَرْضٍ أَوْ نَفْلٍ. (وَ) مِنَ الْحِسِّيِّ (رَتَقٌ) بِفَتْحَتَيْنِ: التَّلَاحُمُ (وَقَرْنٌ) بِالسُّكُونِ: عَظْمٌ (وَعَفَلٌ) بِفَتْحَتَيْنِ: غُدَّةٌ (وَصِغَرٌ) وَلَوْ بِزَوْجٍ (لَا يُطَاقُ مَعَهُ

الْجِمَاعُ وَ) بِلَا (وُجُودِ ثَالِثٍ مَعَهُمَا) وَلَوْ نَائِمًا أَوْ أَعْمَى (إِلَّا أَنْ يَكُونَ) الثَّالِثُ (صَغِيرًا لَا يَعْقِلُ) بِأَنْ لَا يُعَبِّرَ عَمَّا يَكُونُ بَيْنَهُمَا (أَوْ مَجْنُونًا أَوْ مُغْمًى عَلَيْهِ) لَكِنْ فِي الْبَزَّازِيَّةِ: إِنْ فِي اللَّيْلِ صَحَّتْ لَا فِي النَّهَارِ، وَكَذَا الْأَعْمَى فِي الْأَصَحِّ (أَوْ جَارِيَةَ أَحَدِهِمَا) فَلَا تَمْنَعُ بِهِ يُفْتَى مُبْتَغَى (وَالْكَلْبُ يَمْنَعُ إِنْ) كَانَ (عَقُورًا) مُطْلَقًا. وَفِي الْفَتْحِ: وَعِنْدِي أَنَّ كَلْبَهُ لَا يَمْنَعُ مُطْلَقًا (أَوْ) كَانَ (لِلزَّوْجَةِ وَإِلَّا) يَكُنْ عَقُورًا وَكَانَ لَهُ (لَا) يَمْنَعُ وَبَقِيَ مِنْهُ عَدَمُ صَلَاحِيَةِ الْمَكَانِ كَمَسْجِدٍ وَطَرِيقٍ وَحَمَّامٍ وَصَحْرَاءَ وَسَطْحٍ وَبَيْتٍ بَابُهُ مَفْتُوحٌ، وَمَا إِذَا لَمْ يَعْرِفْهَا. (وَصَوْمُ التَّطَوُّعِ وَالْمَنْذُورِ وَالْكَفَّارَاتِ وَالْقَضَاءِ غَيْرُ مَانِعٍ لِصِحَّتِهَا) فِي الْأَصَحِّ، إِذْ لَا كَفَّارَةَ بِالْإِفْسَادِ وَمُفَادُهُ أَنَّهُ لَوْ أَكَلَ نَاسِيًا فَأَمْسَكَ فَخَلَا بِهَا أَنْ تَصِحَّ وَكَذَا كُلُّ مَا أَسْقَطَ الْكَفَّارَةَ تَفَرَّ (بَلِ الْمَانِعُ صَوْمُ رَمَضَانَ) أَدَاءً وَصَلَاةُ الْفَرْضِ فَقَطْ (كَالْوَطْءِ) فِيمَا يَجِيءُ (وَلَوْ) كَانَ الزَّوْجُ (مَجْبُوبًا أَوْ عِنِّينًا أَوْ خَصِيًّا) أَوْ خُنْثَى إِنْ ظَهَرَ حَالُهُ وَإِلَّا فَنِكَاحُهُ مَوْقُوفٌ، وَمَا فِي الْبَحْرِ وَالْأَشْبَاهِ لَيْسَ عَلَى ظَاهِرِهِ كَمَا بَسَطَهُ فِي النَّهْرِ. وَفِيهِ عَنْ شَرْحِ الْوَهْبَانِيَّةِ أَنَّ الْعُنَّةَ قَدْ تَكُونُ لِمَرَضٍ أَوْ ضَعْفِ خِلْقَةٍ أَوْ كِبَرِ سِنٍّ (فِي ثُبُوتِ النَّسَبِ) وَلَوْ مِنَ الْمَجْبُوبِ (وَ) فِي (تَأَكُّدِ الْمَهْرِ) الْمُسَمَّى (وَ) مَهْرِ الْمِثْلِ بِلَا تَسْمِيَةٍ وَ (النَّفَقَةِ وَالسُّكْنَى وَالْعِدَّةِ وَحُرْمَةِ نِكَاحِ أُخْتِهَا وَأَرْبَعٍ سِوَاهَا) فِي عِدَّتِهَا (وَحُرْمَةِ نِكَاحِ الْأَمَةِ وَمُرَاعَاةِ وَقْتِ الطَّلَاقِ فِي حَقِّهَا) وَكَذَا فِي وُقُوعِ طَلَاقٍ بَائِنٍ آخَرَ عَلَى الْمُخْتَارِ (لَا) تَكُونُ كَالْوَطْءِ (فِي حَقِّ) بَقِيَّةِ الْأَحْكَامِ كَالْغُسْلِ وَ (الْإِحْصَانِ

خلوتِ صحیحہ وطی کے حکم میں ہے

خلوتِ صحیحہ وطی کے حکم میں ہے بشرطیکہ کوئی مانع حسی، مانع طبعی اور مانع شرعی موجود نہ ہو۔ مانع حسی تو وہ ہے جو حواس سے معلوم ہو، جیسے زوجین میں سے کسی ایک کا اس طرح بیمار ہونا جو وطی کے لیے مانع ہو۔ اور مانع طبعی یہ ہے کہ زوجین کے درمیان کوئی تیسرا عقلمند شخص موجود ہو، ابن کمال نے اسی طرح اس کو ذکر کیا ہے۔ اور اسرار نامی کتاب میں کسی تیسرے عاقل شخص کے موجود ہونے کو مانع حسی میں شمار کیا ہے اگر اس کو مانع حسی میں داخل کر لیا جائے تو اس تقدیر پر مانع طبعی کی کوئی مستقل مثال نہ ہوگی۔ اور مانع شرعی جیسے زوجین میں سے کوئی ایک حج فرض یا حج نفل کے احرام میں ہو، یا بیوی حیض کی حالت میں یا نفاس کی حالت میں ہو، یہ بھی شرعی مانع ہے۔

مانع حسی کی مزید مثال

اور مانع حسی میں "رتق" بھی داخل ہے، یعنی شرمگاہ کا اس طرح بند ہو جانا کہ مرد کے لیے اس میں آلہ تناسل کا داخل کرنا ممکن

نہ ہو۔ لفظ رتق، راء اور تاء دونوں فتحہ کے ساتھ ہے۔ اور مانع حسی میں "قَرَن" بھی ہے، لفظ قرن راء کے سکون کے ساتھ ہے یعنی شرمگاہ میں ایسی ہڈی کا پایا جانا جو دخول کے لیے مانع ہو۔ اور مانع حسی میں عَفَل بھی ہے، لفظ عین اور فاء کے فتحہ کے ساتھ ہے یعنی عورت کی شرمگاہ میں غدہ ہونا۔ اور مانع حسی میں سے شوہر کا ایسا چھوٹا اور نابالغ ہونا ہے جو اس کے ساتھ جماع کی طاقت نہ رکھتا ہو۔

خلوتِ صحیحہ کے لیے مزید شرطیں

وہ خلوت جو وطی کے قائم مقام ہے اس میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ میاں بیوی کے درمیان کوئی تیسرا شخص نہ ہو، خواہ وہ تیسرا سوتا ہوا ہو یا اندھا ہی کیوں نہ ہو، اگر میاں بیوی کے ساتھ کوئی تیسرا شخص ہے جو سو رہا ہے یا اندھا ہے تب بھی خلوتِ صحیحہ کا تحقق نہیں ہوگا، لیکن اگر وہ تیسرا شخص کوئی نابالغ بچہ ہے جو میاں بیوی کے درمیان ہونے والی بات کو بیان کرنے پر قادر نہ ہو، یا وہ تیسرا شخص پاگل یا بے ہوش ہو تو مانع خلوت نہیں ہے؛ بلکہ ان کی موجودگی میں بھی خلوتِ صحیحہ کا تحقق ہو جائے گا۔ لیکن فتاویٰ بزازیہ میں ہے کہ اگر مجنون یا دیوانہ یا مدہوش موجود ہو اور خلوت ہو تو خلوت صحیح ہو جائیگی، لیکن اگر ان کی موجودگی میں دن میں خلوت اختیار کرے تو خلوت صحیح نہیں ہوگی اور یہی حکم اندھے شخص کا بھی ہے، یا تیسرا شخص ان دونوں میں سے کسی ایک کی باندی ہو تو بھی مانع خلوت نہیں ہے؛ بلکہ ان کے رہتے ہوئے خلوت صحیح ہو جائے گی فتویٰ بھی اسی پر ہے، جیسا کہ مجتبیٰ کے اندر ہے۔

لیکن بعض اہل علم نے باندی کی موجودگی کو مانع خلوت قرار دیا ہے، چنانچہ امام سرخسیؒ نے مبسوط میں یہی لکھا ہے۔ اور حضرت امام ابو حنیفہؒ اور آپ کے دونوں شاگردوں کا یہی قول ہے، اس لیے کہ باندی کے سامنے بیوی سے جماع کرنے پر طبیعت آمادہ نہیں ہوتی ہے۔ امام قاضی خاں نے اسی قول پر جزم ظاہر کیا ہے کہ ان کی موجودگی میں خلوت صحیح نہ ہوگی۔ (شامی: ۴/۲۵۱)

کٹکھنے کتے کی موجودگی میں خلوت کا عدم تحقق

اگر میاں بیوی کے درمیان کوئی کاٹ کھانے والا کتا ہو تو یہ مانع خلوت ہے، یعنی کٹکھنے کتے کی موجودگی میں خلوتِ صحیحہ کا تحقق نہیں ہوگا، خواہ وہ کتا شوہر کا ہو یا بیوی کا، رات ہو یا دن۔ اور فتح القدیر میں ہے کہ میرے نزدیک شوہر کا کتا مطلقاً مانع خلوت نہیں ہے، خواہ کاٹ کھانے والا ہو یا نہ ہو، اس واسطے کہ کتا مالک کو نہیں کاٹتا ہے، ہاں اگر کتا عورت کا ہو تو مانع خلوت ہوگا، لیکن اگر کتا کاٹ کھانے والا نہیں ہے یا کاٹنے والا ہو لیکن شوہر کا ہو تو اس طرح کا کتا خلوتِ صحیحہ کے لیے مانع نہیں ہے۔

خلوتِ صحیحہ کی جگہ کا مناسب ہونا

اور مانع حسی میں ایک صورت یہ باقی رہ گئی کہ وہ جگہ وطی کے لائق نہ ہو، جیسے مسجد، راستہ، غسل خانہ، جنگل، چھت بلا پردہ، یا کوٹھری جس کا دروازہ کھلا ہو، اس لیے کہ یہ ساری جگہیں مامون نہیں ہوتی ہیں؛ بلکہ لوگوں کی آمد و رفت جاری رہتی ہے اور جب شوہر بیوی کو پہچانتا نہ ہو تب بھی مانع خلوت ہے۔

ان روزوں کا بیان جو مانع خلوت ہیں اور جو مانع خلوت نہیں ہیں

حضرت مصنفؒ فرماتے ہیں کہ نفلی روزہ، نذر کا روزہ، کفارات کا روزہ، قضاء کا روزہ خلوت صحیحہ کے لیے مانع نہیں ہے۔اس بارے میں اصح قول یہی ہے، اس لیے کہ ان روزوں کے فاسد کرنے میں کفارہ نہیں ہے اس کا مفاد اور خلاصہ یہ ہے کہ اگر ایسے روزہ دار نے بھول کر کھاپی لیا، پھر اس کے بعد دن بھر کھایا پیا نہیں اور عورت کے ساتھ خلوت کی تو خلوت صحیح ہو جائے گی، اس وجہ سے کہ اس میں کفارہ واجب نہیں ہے۔اور اسی طرح ہر وہ روزہ جو کفارہ کو ساقط کرے وہ مانع خلوت نہیں ہے، خلوت صحیحہ کے لیے مانع صرف ادائے رمضان کا روزہ اور فرض نماز ہے اور ماقبل میں خلوت صحیحہ کے جو موانع بیان ہوئے ہیں اگر ان میں سے کوئی مانع نہ ہو اور خلوت صحیحہ کا تحقق ہو جائے تو یہ خلوت چند احکام میں وطی کی طرح ہے جس کی تفصیل آئندہ آنے والی ہے۔

اور اگر موانع خلوت میں سے کوئی مانع نہ پایا جائے اور شوہر بیوی کے ساتھ خلوت کرے خواہ شوہر مقطوع الذکر یا نامرد یا خصی یا خنثیٰ ہی کیوں نہ ہو، تو خلوت وطی کے حکم میں ہوگی بشرطیکہ خلوت سے پہلے خنثیٰ کا حال معلوم ہو گیا ہو، کہ یہ مرد ہے اور اگر خنثیٰ کے متعلق یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ مرد ہے یا عورت، تو اس صورت میں اس کا نکاح موقوف رہے گا، جب تک کہ اس کا حال معلوم نہ ہو جائے، ایسے خنثیٰ کی خلوت وطی کے قائم مقام نہ ہوگی اور خنثیٰ کا جو مسئلہ البحر الرائق اور الاشباہ والنظائر میں ہے وہ اپنے ظاہر پر محمول نہیں ہے جیسا کہ اس کی تفصیل النہر الفائق میں ہے۔

خلوتِ صحیحہ سے ثبوتِ نسب اور کامل مہر کا وجوب

اور النہر الفائق میں شرح وہبانیہ سے منقول ہے کہ نامردی کبھی بیماری کی وجہ سے ہوتی ہے اور کبھی پیدائشی کمزوری کی وجہ سے، یا درازئ عمر کی وجہ سے بھی ہوتی ہے۔اور خلوت صحیحہ وطی کے حکم میں ہے نسب کے ثابت کرنے کے لئے، خواہ شوہر مقطوع الذکر کیوں نہ ہو، اسی طرح خلوت صحیحہ مہر متعین کے ثابت کرنے، نیز اگر بلا مہر کے نکاح ہو تو مہر مثل واجب کرنے میں اور بیوی کا نان ونفقہ اور سکنیٰ کے واجب کرنے میں وطی کے حکم میں ہے، یعنی جس طرح وطی سے مہر متعین واجب ہو جاتا ہے بیوی کا نان ونفقہ اور سکنیٰ شوہر پر لازم ہو جاتا ہے، اسی طرح خلوت صحیحہ سے بھی لازم ہو جائے گا۔

خلوتِ صحیحہ سے عدت وغیرہ کا وجوب

اور جس طرح وطی سے عدت واجب ہوتی ہے اسی طرح خلوت صحیحہ سے بھی عدت واجب ہوگی اور جس طرح بیوی کی بہن سے نکاح کرنا وطی کی وجہ سے حرام ہوتا ہے اور اس کے سوا چار عورتوں سے نکاح حرام ہوتا ہے اسی طرح خلوت صحیحہ بھی وطی کے حکم میں ہے، یعنی کسی نے نکاح کیا پھر بیوی سے خلوت صحیحہ کی اس کے بعد اس کو طلاق دیدی تو اب اس مطلقہ بیوی کی عدت میں نہ اس کی بہن سے نکاح کر سکتا ہے اسی طرح اس کے علاوہ چاروں عورتوں سے اس کی عدت میں نکاح کرنا حرام ہے۔

اسی طرح اگر کسی نے آزاد عورت سے نکاح کر کے خلوتِ صحیحہ کے بعد طلاق دیدی، تو اس کی عدت میں باندی سے نکاح کرنا حرام ہے، جس طرح کہ اگر وطی کے بعد اس کو طلاق دیتا اور وہ عدت میں رہتی تو اس کی عدت میں باندی سے نکاح کرنا حرام ہوتا۔

احکام پر خلوتِ صحیحہ کا اثر

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ خلوتِ صحیحہ کے بعد بھی طلاق کے وقت کی رعایت عورت کے حق میں رکھنی چاہئے، یعنی جس طرح کہ اگر وطی کے بعد شوہر بیوی کو طلاق دیتا تو اس کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ ایسے طہر میں طلاق دے جس میں جماع نہ کیا گیا ہو اور اسی طرح دوسری طلاق بائن پڑنے میں بھی خلوتِ صحیحہ وطی کی طرح ہے، مختار قول یہی ہے، یعنی خلوت کے بعد ایک طلاق دی، پھر عدت کے زمانہ میں دوسری طلاق دی تو یہ دوسری طلاق بھی واقع ہوگی اور پہلی طلاق بھی واقع ہوگی اگر چہ وہ صریح تھی لیکن طلاق بائن کے حکم میں ہو جائے گی۔

لیکن اور بقیہ احکام شرع میں خلوتِ صحیحہ وطی کے حکم میں نہیں ہے جیسے کہ غسل ہے یعنی وطی کی وجہ سے زوجین میں سے ہر ایک پر غسل واجب ہوتا ہے لیکن محض خلوتِ صحیحہ کی وجہ سے غسل واجب نہ ہوگا، اسی طرح وطی کے بعد احصان کا ثبوت ہو جاتا ہے، لیکن اگر صرف خلوت کیا تو اس کی وجہ سے احصان کا ثبوت نہیں ہوگا۔ معلوم ہوا کہ ثبوتِ احصان میں خلوت وطی کے قائم مقام نہیں ہے۔

وَحُرْمَةِ الْبَنَاتِ وَحِلِّهَا لِلْأَوَّلِ وَالرَّجْعَةِ وَالْمِيرَاثِ) وَتَزْوِيجُهَا كَالْأَبْكَارِ عَلَى الْمُخْتَارِ وَغَيْرُ ذَلِكَ كَمَا نَظَمَهُ صَاحِبُ النَّهْرِ فَقَالَ:

وَخَلْوَةُ الزَّوْجِ مِثْلُ الْوَطْءِ	فِي صُوَرٍ وَغَيْرُهُ وَبِهَذَا الْعَقْدِ تَحْصِيلُ
تَكْمِيلُ مَهْرٍ وَإِعْدَادٍ كَذَا نَسَبُ	إِنْفَاقُ سُكْنَى وَمَنْعُ الْأُخْتِ مَقْبُولُ
وَأَرْبَعٍ وَكَذَا قَالُوا الْإِمَا وَلَقَدْ	رَاعَوْا زَمَانَ فِرَاقٍ فِيهِ تَرْحِيلُ
وَأَوْقَعُوا فِيهِ تَطْلِيقًا إِذَا لَحِقَا	وَقِيلَ لَا وَالصَّوَابُ الْأَوَّلُ الْقِيلُ
أَمَّا الْمُغَايِرُ فَالْإِحْصَانُ يَا أَمَلِي	وَرَجْعَةٌ وَكَذَا التَّوْرِيثُ مَعْقُولُ
سُقُوطُ وَطْءٍ وَإِحْلَالٍ لَهَا وَكَذَا	تَحْرِيمُ بِنْتٍ نِكَاحُ الْبِكْرِ مَبْذُولُ
كَذَلِكَ الْفَيْءُ وَالتَّكْفِيرُ مَا فَسَدَتْ	عِبَادَةٌ وَكَذَا بِالْغُسْلِ تَكْمِيلُ

حرمت بنات میں خلوت وطی کے حکم میں نہیں ہے

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ بیٹیوں کے حرام ہونے میں بھی خلوتِ صحیحہ وطی کے حکم میں نہیں ہے، یعنی شوہر

جس عورت سے وطی کرے گا اس عورت کی لڑکی جو کسی دوسرے شوہر سے ہو اس مرد پر حرام ہوگی لیکن مرد جس عورت کے ساتھ محض خلوت کرے گا اس عورت کی بیٹی جو دوسرے شوہر سے ہے مرد پر حرام نہ ہوگی۔ اور عورت کے شوہر اوّل کے لیے حلال ہونے میں بھی خلوت وطی کے قائم مقام نہیں ہے، یعنی جس عورت کے شوہر نے عورت کو تین طلاق دیدی، اس نے عدت کے بعد کسی دوسرے مرد سے نکاح کیا اس مرد نے وطی کے بعد طلاق دیدی یا مرجائے تو اس صورت میں عورت شوہر اوّل کے لیے حلال ہوگی لیکن اگر دوسرے شوہر نے صرف خلوت کی تھی اور وطی نہیں کی تو یہ عورت شوہر اوّل کے لیے حلال نہ ہوگی۔

ثبوتِ رجعت اور مسئلہ میراث میں خلوت وطی کے حکم میں نہیں ہے

مسئلہ رجعت میں بھی خلوت وطی کے حکم میں نہیں ہے، یعنی اگر کسی نے بیوی سے وطی کرنے کے بعد ایک طلاق دی ہے تو اس کے لیے رجعت کرنا درست ہے لیکن اگر کسی نے بیوی کے ساتھ محض خلوت کی اور اس کے ساتھ وطی نہیں کی اور طلاق دیدی تو پھر اس کے لیے رجعت کرنا درست نہیں ہے، اس لیے کہ محض خلوت کے بعد طلاق واقع ہوتی ہے وہ طلاق رجعی نہیں ہوئی ہے بلکہ طلاق بائن ہوئی ہے، اس لیے کہ غیر مدخولہ کو جو طلاق دی جاتی ہے وہ بائن پڑتی ہے اور طلاق بائن میں رجعت درست نہیں ہے۔

اسی طرح میراث کے حق میں بھی خلوت وطی کے حکم میں نہیں ہے یعنی اگر شوہر نے وطی کرنے کے بعد طلاق دی ہے اور عدت کے زمانہ میں شوہر کا انتقال ہوگیا تو اس صورت میں بیوی شوہر کی وارث ہوگی، لیکن اگر صرف خلوت کے بعد طلاق واقع ہوئی اور دورانِ عدت شوہر کا انتقال ہوگیا تو اس صورت میں عورت وارث نہ ہوگی۔

اور جس عورت کے ساتھ صرف خلوتِ صحیحہ ہوئی اور وطی نہیں ہوئی ہے اس کی شادی مختار قول کے مطابق باکرہ کی شادی کی طرح ہے یعنی جب باکرہ عورت کو اس کے شوہر نے خلوت کے بعد طلاق دیدی تو اب اس کا دوسرا نکاح بھی باکرہ ہی کی طرح ہوگا اور ان کے علاوہ دوسرے احکام شرع میں جن میں خلوتِ صحیحہ وطی کے حکم میں نہیں ہے النہر الفائق میں صاحب نہر نے اس کو نظم میں ڈھال دیا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔

وہ احکام جن میں خلوت وطی کے حکم میں ہے

(۱) چند صورتوں میں شوہر کا بیوی کے ساتھ خلوت کرنا وطی کے حکم میں ہے اور چند صورتوں میں خلوت وطی کے مغائر ہے اور اس نظم سے جو موتیوں کی لڑی ہے خلوت کے احکام حاصل ہوتے ہیں۔

(۲) خلوتِ صحیحہ وطی کے حکم میں ہے کامل مہر واجب کرنے میں، وجوب عدت میں، ثبوت نسب میں، نفقہ کے واجب ہونے میں، سکنیٰ کے واجب ہونے میں اور اس کی بہن کے ساتھ نکاح حرام ہونے میں، یہ قول علمائے کرام کے نزدیک مقبول

ہے مردود نہیں۔ (۳) اور چار عورتوں کے ساتھ اس کی عدت میں نکاح کے حرام ہونے میں، اسی طرح علماء نے باندیوں کے متعلق کہا ہے اور طلاق دینے کے لیے طہر کی رعایت کرنے میں۔

(۴) اور حضرات علمائے کرام نے طلاق کے بعد دوسری طلاق واقع کی ہے جب کہ وہ پہلی طلاق سے لاحق ہو اور بعض علماء نے فرمایا کہ وہ دوسری طلاق واقع نہیں ہوتی ہے لیکن ان میں قول اوّل درست ہے کہ طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

وہ مسائل جن میں خلوت وطی کے حکم میں نہیں ہے

(۵) بہر حال وہ احکام جن میں خلوت وطی کے حکم میں نہیں ہے بلکہ مغائر ہے، پہلا ان میں احصان ہے، پھر رجعت ہے اور اسی طرح وراثت بھی ہے اور یہ بات معقول اور عقل میں آنے والی ہے۔

(۶) اور ایک دفعہ وطی کے بعد وطی کرنے کا مطالبہ کا ساقط ہونا ہے اس لیے کہ صرف خلوت ہوئی ہے تو وطی کے مطالبہ کا حق باقی رہتا ہے اور بیوی کو حلال کرنا ہے یعنی محض خلوت سے عورت وشوہر اوّل کے لیے حلال نہ ہوگی جب تک کہ شوہر ثانی وطی نہ کرے، اسی طرح بیٹی کا حرام ہونا ہے یعنی اگر عورت کے ساتھ صرف خلوت کیا اور اس کے ساتھ چھیڑ چھاڑ نہیں کیا اور طلاق دیدی تو اس عورت کی لڑکی شوہر پر حرام نہ ہوگی بخلاف وطی کے، اس سے عورت کی لڑکی حرام ہو جاتی ہے اور جس عورت سے صرف خلوت ہوئی ہے اور وطی نہیں ہوئی ہے تو وہ نکاح ثانی میں باکرہ عورت کی طرح ہے۔

(۷) اس طرح ایلاء سے رجوع کرنا ہے یعنی کسی نے قسم کھائی کہ چار ماہ تک بیوی سے جماع نہیں کروں گا تو اگر اس دوران خلوت کرلے تو اس سے حانث نہیں ہوگا لیکن اگر وطی کرلے تو رجعت ہو جائے گی۔ اس طرح روزہ دار عورت کے ساتھ خلوت سے بھی کفارہ لازم نہیں ہوتا ہے اور روزہ دار عورت سے وطی کرنے سے کفارہ لازم ہوتا ہے اسی طرح بیوی کے ساتھ خلوت محض خلوت سے نہ حج فاسد ہوتا ہے اور نہ روزہ اور نہ اعتکاف، اس کے برخلاف وطی کرنے سے یہ سب فاسد ہو جاتے ہیں، اسی طرح محض خلوت سے غسل واجب نہیں ہوتا ہے جب کہ وطی سے غسل واجب ہو جاتا ہے اتنے مسائل میں خلوت صحیحہ وطی کے حکم میں نہیں ہے۔

(وَلَوِ افْتَرَقَا فَقَالَتْ بَعْدَ الدُّخُولِ وَقَالَ الزَّوْجُ قَبْلَ الدُّخُولِ فَالْقَوْلُ لَهَا) لِإِنْكَارِهَا سُقُوطَ نِصْفِ الْمَهْرِ، وَإِنْ أَنْكَرَ الْوَطْءَ وَلَوْ لَمْ تُمَكِّنْهُ فِي الْخَلْوَةِ، فَإِنْ بِكْرًا صَحَّتْ وَإِلَّا لَا لِأَنَّ الْبِكْرَ إِنَّمَا تُوطَأُ كَرْهًا كَمَا بَحَثَهُ الطَّرَسُوسِيُّ وَأَقَرَّهُ الْمُصَنِّفُ. (وَلَوْ قَالَ إِنْ خَلَوْت بِك فَأَنْتِ طَالِقٌ فَخَلَا بِهَا طَلَقَتْ) بَائِنًا لِوُجُودِ الشَّرْطِ (وَوَجَبَ نِصْفُ الْمَهْرِ) وَلَا عِدَّةَ عَلَيْهَا بَزَّازِيَّةٌ (وَتَجِبُ الْعِدَّةُ فِي الْكُلِّ) أَيْ كُلِّ أَنْوَاعِ الْخَلْوَةِ وَلَوْ فَاسِدًا (احْتِيَاطًا) أَيْ اسْتِحْسَانًا لِتَوَهُّمِ الشُّغْلِ (وَقِيلَ) قَائِلُهُ

الْقُدُورِيُّ وَاخْتَارَهُ التُّمُرْتَاشِيُّ وَقَاضِي خَانْ (إِنْ كَانَ الْمَانِعُ شَرْعِيًّا) كَصَوْمٍ (وَتَجِبُ) الْعِدَّةُ (وَإِنْ) كَانَ (حِسِّيًّا) كَصِغَرٍ وَمَرَضٍ مُدْنِفٍ (لَا) تَجِبُ وَالْمَذْهَبُ الْأَوَّلُ لِأَنَّهُ نَصُّ مُحَمَّدٍ قَالَهُ الْمُصَنِّفُ. وَفِي الْمُجْتَبَى: الْمَوْتُ أَيْضًا كَالْوَطْءِ فِي حَقِّ الْعِدَّةِ وَالْمَهْرِ فَقَطْ، حَتَّى لَوْ مَاتَتِ الْأُمُّ قَبْلَ دُخُولِهِ لَهَا حَلَّتْ بِنْتُهَا

زوجین میں اگر اختلاف ہو جائے تو کس کا قول معتبر ہوگا؟

اگر زوجین کے درمیان تفریق ہوگئی، اس کے بعد بیوی نے یہ کہا کہ دخول کے بعد شوہر نے مجھے طلاق دی ہے اور شوہر نے یہ کہا کہ میں نے دخول سے پہلے طلاق دی ہے، تو اس صورت میں بیوی کا قول معتبر ہوگا؛ اس لیے کہ عورت گویا نصف مہر کے ساقط ہونے کا انکار کر رہی ہے، لہٰذا قسم کے ساتھ اسی کی بات مانی جائے گی اور عورت کو پورا مہر متعین ملے گا۔ اور اگر عورت وطی کا انکار کرے اور شوہر اس کا اقرار کرے تو اس صورت میں بھی عورت ہی کا قول معتبر ہوگا۔ اور اگر عورت نے شوہر کو خلوت میں اپنے اوپر جماع کی قدرت نہیں دی، تو اس صورت میں دیکھا جائے گا کہ عورت باکرہ ہے یا ثیبہ؟ اگر عورت باکرہ ہے تو خلوت صحیح ہوگی اور اگر اس کی بکارت زائل ہو چکی ہے تو خلوت صحیحہ کا تحقق نہیں ہوگا اس لیے کہ باکرہ لڑکی کے ساتھ وطی زبردستی بھی کی جاتی ہے جیسا کہ طرسوسی نے تفصیل کی اور مصنف نے اس کو برقرار رکھا ہے۔

اگر طلاق کو خلوت پر معلق کرے تو کیا حکم ہے؟

شوہر نے بیوی سے یوں کہا کہ اگر میں تیرے ساتھ خلوت کروں گا تو تو طلاق والی ہے، پھر اس کے بعد شوہر نے اس کے ساتھ خلوت کی، تو شرط کے پائے جانے کی وجہ سے اس کی بیوی پر طلاق بائن واقع ہو جائے گی اور شوہر پر نصف مہر واجب ہوگا اور بیوی پر عدت واجب نہ ہوگی، جیسا کہ فتاویٰ بزازیہ میں ہے اور جب عدت واجب نہیں ہے تو اس پر نفقہ و سکنیٰ اور لباس بھی واجب نہ ہوگا کیونکہ یہ سب عدت کے متعلق ہیں۔

احتیاطاً عدت کا حکم

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ خلوت کی تمام قسموں میں احتیاطاً عدت واجب ہے خواہ خلوت فاسدہ ہی کیوں نہ ہو اور استحسان کا تقاضہ بھی یہی ہے، کیوں کہ عورت کا رحم مرد کے نطفہ کے ساتھ مشغول ہونے کا وہم ہو گیا ہے، خلوت صحیحہ اور خلوت فاسدہ دونوں میں عدت واجب ہے، کہا گیا ہے کہ اس قول کے قائل امام قدوری ہیں اور اسی کو تمرتاشی اور قاضی خاں نے اختیار کیا ہے۔

اگر خلوت صحیحہ کے لیے مانع شرعی ہے جیسے روزہ تو عدت واجب ہوگی اور اگر خلوت صحیحہ کے لیے مانع حسی ہے جیسے کم سن

ہونا، یا دائمی مرض میں مبتلا ہونا، جس نے قوت وطاقت بالکل زائل کر دی ہو تو عدت واجب نہ ہوگی۔ مختار مذہب اوّل قول ہے یعنی ہر صورت میں عدت واجب ہے خواہ خلوتِ صحیحہ ہو یا خلوتِ فاسدہ ہی کیوں نہ ہو، اس کی صراحت حضرت امام محمدؒ نے کی ہے اور مصنف نے اسی کو برقرار رکھا ہے۔

اور مجتبیٰ نامی کتاب میں ہے کہ موت بھی عدت اور مہر کے واجب ہونے کے حق میں وطی کے حکم میں ہے یعنی شوہر کے مرنے کی وجہ سے بھی عدت واجب ہوگی اور مہر بھی واجب ہوگی، یہاں تک کہ اگر ماں دخول سے پہلے ہلاک ہوگئی تو ماں کے شوہر پر اس کی وہ بیٹی جو دوسرے شوہر سے ہو حلال ہوگی۔

(قَبَضَتْ أَلْفَ الْمَهْرِ فَوَهَبَتْهُ لَهُ وَطَلَّقَتْ قَبْلَ وَطْءٍ رَجَعَ) عَلَيْهَا (بِنِصْفِهِ) لِعَدَمِ تَعَيُّنِ النُّقُودِ فِي الْعُقُودِ (وَإِنْ لَمْ تَقْبِضْهُ أَوْ قَبَضَتْ نِصْفَهُ فَوَهَبَتْهُ الْكُلَّ) فِي الصُّورَةِ الْأُولَى (أَوْ مَا بَقِيَ) وَهُوَ النِّصْفُ فِي الثَّانِيَةِ (أَوْ وَهَبَتْ (عَرْضَ الْمَهْرِ) كَثَوْبٍ مُعَيَّنٍ أَوْ فِي الذِّمَّةِ (قَبْلَ الْقَبْضِ أَوْ بَعْدَهُ لَا) رُجُوعَ لِحُصُولِ الْمَقْصُودِ. (نَكَحَهَا بِأَلْفٍ عَلَى أَنْ لَا يُخْرِجَهَا مِنَ الْبَلَدِ أَوْ لَا يَتَزَوَّجَ عَلَيْهَا أَوْ) نَكَحَهَا (عَلَى أَلْفٍ إِنْ أَقَامَ بِهَا وَعَلَى أَلْفَيْنِ إِنْ أَخْرَجَهَا، فَإِنْ وَفَى) بِمَا شَرَطَهُ فِي الصُّورَةِ الْأُولَى (وَأَقَامَ) بِهَا فِي الثَّانِيَةِ (فَلَهَا الْأَلْفُ) لِرِضَاهَا بِهِ. فَهُنَا صُورَتَانِ: الْأُولَى تَسْمِيَةُ الْمَهْرِ مَعَ ذِكْرِ شَرْطٍ يَنْفَعُهَا وَالثَّانِيَةُ تَسْمِيَةُ مَهْرٍ عَلَى تَقْدِيرٍ وَغَيْرِهِ عَلَى تَقْدِيرٍ (وَإِلَّا) يُوَفِّ وَلَمْ يُقِمْ (فَمَهْرُ الْمِثْلِ) لِفَوْتِ رِضَاهَا بِفَوَاتِ النَّفْعِ (وَ) لَكِنْ (لَا يُزَادُ) الْمَهْرُ فِي الْمَسْأَلَةِ الْأَخِيرَةِ (عَلَى أَلْفَيْنِ وَلَا يَنْقُصُ عَنْ أَلْفٍ) لِاتِّفَاقِهِمَا عَلَى ذَلِكَ، وَلَوْ طَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُولِ تَنَصَّفَ الْمُسَمَّى فِي الْمَسْأَلَتَيْنِ لِسُقُوطِ الشَّرْطِ. وَقَالَا الشَّرْطَانِ صَحِيحَانِ

طلاق قبل الدخول کی صورت میں مہر کا وجوب

مسئلہ یہ ہے کہ بیوی نے مہر کے ہزار درہم پر قبضہ کیا، پھر اس نے اس ہزار کو شوہر کو ہبہ کر دیا اور شوہر نے اس سے وطی کرنے سے پہلے طلاق دیدی، تو اس صورت میں شوہر اپنی اس بیوی سے ہزار درہم کا آدھا واپس لے گا، باقی بیوی نے ہزار درہم جو شوہر کو ہبہ کیا تھا اس کا اعتبار نہ ہوگا، اس لیے کہ نقود عقود کے اندر متعین نہیں ہوتے ہیں جو یہ کہے کہ ہزار درہم دیئے تھے بعینہ اس نے شوہر کو واپس کر دیا تھا۔

اور اگر بیوی نے مہر پر قبضہ نہیں کیا تھا یا صرف نصف مہر پر قبضہ کیا تھا، پھر نہ قبضہ کرنے کی صورت میں کل مہر شوہر کو ہبہ کر دیا یا نصف مہر قبضہ کرنے کی صورت میں اسی نصف کو ہبہ کر دیا یا مہر نقد کے بجائے جنس کی صورت میں تھا اور بیوی نے اسی

جنس کو ہبہ کر دی، جیسے کوئی متعین کپڑا تھا یا وہ کپڑا تھا جو کسی کے ذمہ بصورت دین تھا، بیوی نے اس کو ہبہ کر دیا خواہ قبضہ کرنے سے پہلے ہبہ کر دیا یا قبضہ کرنے کے بعد ہبہ کیا، پھر اس عورت کی طلاق ہوگئی اور وطی سے پہلے ہوئی تو ان تمام صورتوں میں سے کسی بھی صورت میں شوہر بیوی سے وہ رقم واپس نہیں لے گا اس لیے کہ شوہر کا جو مقصود تھا وہ حاصل ہو گیا، اس لیے کہ قبل الدخول طلاق کی وجہ سے جس کا مستحق تھا بعینہ اس تک پہنچ گیا ہے۔

مہر کی کمی اور زیادتی شرطوں کے ساتھ

ایک شخص نے کسی عورت سے اس شرط پر نکاح کیا ہے کہ اس کو اس شہر سے باہر نہیں لے جائے گا، یا ایک ہزار مہر کے عوض اس شرط پر نکاح کیا کہ اس کی موجودگی میں کسی اور سے نکاح نہیں کرے گا یا اس شرط کے ساتھ ایک ہزار کے بدلہ میں نکاح کیا کہ اگر تجھ کو اس شہر میں رکھوں گا تو ایک ہزار مہر ہوگا اور اگر اس شہر سے باہر لے گیا تو دو ہزار مہر ہوگا، لہٰذا اگر اس نے شرط پوری کی جو لگائی تھی یعنی ہزار والی شرط میں شہر میں رکھا یا دوسرا نکاح اس کی موجودگی میں نہیں کیا اور دوسری صورت میں عورت کو لے کر شہر میں مقیم رہا تو ایک ہزار عورت کو ملیں گے اس لیے کہ عورت ایک ہزار پر راضی تھی پس یہاں دو صورتیں ہیں ایک مہر کا معین ہونا ایسی شرط کے ذکر کے ساتھ جو عورت کے لیے مفید ہو اور دوسری صورت یہ ہے کہ مہر ایک صورت میں کم مقرر کیا اور دوسری صورت میں زیادہ مقرر کیا۔

مہر مثل کا وجوب

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اگر شوہر نے پہلی صورت میں شرط پوری نہیں کی اور دوسری صورت میں شہر میں مقیم نہیں رہا تو اس صورت میں شوہر پر مہر مثل واجب ہوگا، اس لیے نفع کے فوت ہونے کی وجہ سے عورت کی رضامندی بھی فوت ہوگئی، لیکن اخیر والے مسئلہ میں مہر مثل دو ہزار سے زیادہ نہیں ہوگا اور نہ ایک ہزار سے کم ہوگا، اس لیے کہ میاں بیوی دونوں اس پر متفق تھے، اور اگر شوہر نے اپنی بیوی کو دخول سے پہلے طلاق دیدی ہے تو دونوں صورتوں میں مہر معین کا آدھا دیا جائے گا وجہ یہ ہے کہ دخول سے قبل طلاق دینے میں شرطیں ساقط ہوگئیں ہیں اور حضرات صاحبین فرماتے ہیں کہ دونوں شرطیں صحیح ہیں لہٰذا اگر بیوی کو شہر میں رکھا تو ایک ہزار ملے گا اور اگر شہر سے باہر رکھا تو عورت کو دو ہزار ملیں گے۔

(بِخِلَافِ مَا لَوْ تَزَوَّجَهَا عَلَى أَلْفٍ إنْ كَانَتْ قَبِيحَةً وَعَلَى أَلْفَيْنِ إنْ كَانَتْ جَمِيلَةً فَإِنَّهُ يَصِحُّ الشَّرْطَانِ) اتِّفَاقًا فِي الْأَصَحِّ لِقِلَّةِ الْجَهَالَةِ بِخِلَافِ مَا لَوْ رَدَّدَ فِي الْمَهْرِ بَيْنَ الْقِلَّةِ وَالْكَثْرَةِ لِلثُّيُوبَةِ وَالْبَكَارَةِ، فَإِنَّهَا إنْ ثَيِّبًا لَزِمَهُ الْأَقَلُّ وَإِلَّا فَمَهْرُ الْمِثْلِ لَا يُزَادُ عَلَى الْأَكْثَرِ وَلَا يُنْقَصُ عَنْ الْأَقَلِّ فَتْحٌ، وَلَوْ شَرَطَ الْبَكَارَةَ فَوَجَدَهَا ثَيِّبًا لَزِمَهُ الْكُلُّ دُرَرٌ وَرَجَّحَهُ فِي الْبَزَّازِيَّةِ. (وَلَوْ تَزَوَّجَهَا

عَلَى هَذَا الْعَبْدِ أَوْ عَلَى هَذَا الْأَلْفِ) أَوْ الْأَلْفَيْنِ (أَوْ عَلَى هَذَا الْعَبْدِ وَهَذَا الْعَبْدِ) أَوْ عَلَى أَحَدِ هَذَيْنِ (وَأَحَدُهُمَا أَوْكَسُ حَكَّمَ) الْقَاضِي (مَهْرَ الْمِثْلِ) فَإِنْ مِثْلَ الْأَرْفَعِ أَوْ فَوْقَهُ فَلَهَا الْأَرْفَعُ، وَإِنْ مِثْلَ الْأَوْكَسِ أَوْ دُونَهُ فَلَهَا الْأَوْكَسُ وَإِلَّا فَمَهْرُ الْمِثْلِ

خوبصورتی اور بدصورتی کے معیار پر مہر میں کمی وزیادتی

اگر کسی نے عورت سے نکاح اس شرط پر کیا کہ اگر عورت بدصورت ہے تو ایک ہزار مہر اور اگر عورت حسین وجمیل ہے تو دو ہزار مہر، پس یہ دونوں شرطیں درست ہیں اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے اور اصح قول بھی یہی ہے اس لیے کہ خوب صورتی و بدصورتی میں زیادہ جہالت نہیں ہوتی ہے اس کا فیصلہ بہت جلد آدمی کر لیتا ہے کہ لڑکی خوبصورت ہے یا بدصورت۔

ثیبہ اور باکرہ کے اوپر مہر کی کمی اور زیادتی

اس کے برخلاف اگر مہر کی کمی یا زیادتی کا انحصار عورت کے ثیبہ اور باکرہ ہونے پر کیا، بایں طور کہ شوہر نے یوں کہا کہ اگر عورت ثیبہ ہوگی تو مہر ایک ہزار ہوگا اور اگر عورت باکرہ ہوگی تو مہر دو ہزار ہوں گے لہٰذا اگر عورت ثیبہ نکلی تو ایک ہزار مہر لازم ہوگا جو دو ہزار کے بالمقابل اقل ہے اور اگر عورت باکرہ ہونا ثابت ہوئی تو پھر مہر مثل واجب ہوگا جو دو ہزار سے زیادہ نہ ہو اور نہ ایک ہزار سے کم ہو، جیسا کہ فتح القدیر میں ہے اور اگر شوہر نے باکرہ ہونے کی شرط لگائی اور عورت ثیبہ پائی گئی تو کل مہر لازم ہوگا، جیسا کہ درر میں ہے، فتاویٰ بزازیہ میں اسی قول کو راجح قرار دیا ہے۔ اس لیے کہ مہر بیوی سے لطف اندوز ہونے کی وجہ سے واجب ہے نہ کہ بکارت کی وجہ سے، اس لیے یہ شرط ہی فاسد ہوگئی، اور شرط فاسد سے نکاح فاسد نہیں ہوتا ہے بلکہ خود شرط فاسد ہو جاتی ہے۔

مہر میں دو مختلف چیزوں کا نام لینا

اگر شوہر نے بوقت نکاح مہر میں دو مختلف قیمت والی چیزوں کا نام لیا خواہ وہ جنس واحد کی ہوں خواہ مختلف جنس کی ہوں، مثال کے طور پر شوہر نے اس طرح کہا: میں نے اس غلام پر نکاح کیا، یا یوں کہا کہ ان دونوں میں سے کسی ایک پر نکاح کیا اور ان میں سے ایک کی قیمت کم ہے اور دوسری کی قیمت زیادہ ہے تو اس صورت میں قاضی مہر مثل کو حَکَم بنائے گا، پس اگر مہر مثل زیادہ قیمت والی چیز کے برابر ہے یا مہر مثل اس سے بھی زیادہ ہے تو عورت کو زیادہ قیمت والی چیز ملے گی۔ اور اگر مہر مثل کم قیمت والی چیز کے برابر ہے یا اس سے بھی کم ہے تو عورت کو کم قیمت والی چیز بطور مہر ملے گی۔ اور اگر مہر مثل زیادہ قیمت والی چیز سے کچھ کم ہو اور کم قیمت والی چیز سے کچھ زیادہ ہو تو اس صورت میں مہر مثل ملے گا۔

(وَفِي الطَّلَاقِ قَبْلَ الدُّخُولِ يُحَكَّمُ بِمُتْعَةِ الْمِثْلِ) لِأَنَّهَا الْأَصْلُ، حَتَّى لَوْ كَانَ نِصْفُ الْأَوْكَسِ أَقَلَّ مِنَ الْمُتْعَةِ وَجَبَتْ الْمُتْعَةُ فَتْحٌ. (وَلَوْ تَزَوَّجَهَا عَلَى فَرَسٍ) أَوْ عَبْدٍ أَوْ ثَوْبٍ هَرَوِيٍّ أَوْ فِرَاشِ بَيْتٍ

أَوْ عَلَى مَعْلُومٍ مِنْ نَحْوِ إِبِلٍ (فَالْوَاجِبُ) فِي كُلِّ جِنْسٍ لَهُ وَسَطٌ (الْوَسَطُ أَوْ قِيمَتُهُ) وَكُلُّ مَا لَمْ يَجُزِ السَّلَمُ فِيهِ فَالْخِيَارُ لِلزَّوْجِ وَإِلَّا فَلِلْمَرْأَةِ (وَكَذَا الْحُكْمُ) وَهُوَ لُزُومُ الْوَسَطِ (فِي كُلِّ حَيَوَانٍ ذُكِرَ جِنْسُهُ) هُوَ عِنْدَ الْفُقَهَاءِ الْمَقُولُ عَلَى كَثِيرِينَ مُخْتَلِفِينَ فِي الْأَحْكَامِ (دُونَ نَوْعِهِ) هُوَ الْمَقُولُ عَامَّةً عَلَى كَثِيرِينَ مُتَّفِقِينَ فِيهَا، بِخِلَافِ مَجْهُولِ الْجِنْسِ كَثَوْبٍ وَدَابَّةٍ لِأَنَّهُ لَا وَسَطَ لَهُ وَوَسَطُ الْعَبِيدِ فِي زَمَانِنَا الْحَبَشِيُّ

دخول سے پہلے طلاق اور متعہ کا حکم

اور اسی مسئلہ میں اگر دخول سے پہلے طلاق واقع ہوگئی ہے تو قاضی متعۂ مثل کو حَکَم بنائے گا، اس لیے کہ یہی اصل ہے لہٰذا اگر متعہ مثل کم قیمت والی چیز سے نصف ہے تو اس صورت میں متعہ مثل واجب ہوگا جیسا کہ فتح القدیر میں ہے۔ اور اگر شوہر نے نکاح کیا اس شرط پر کہ مہر میں گھوڑا ہوگا یا غلام ہوگا یا ہروی کپڑا ہوگا یا گھر کا فرش ہوگا یا مہر میں متعین تعداد اونٹ قرار دیا تو ان تمام صورتوں میں ہر اس جنس کا متوسط درجہ جس میں متوسط پایا جاتا ہو واجب ہوگا یا پھر اس کی قیمت واجب ہوگی، شوہر کو اختیار ہے کہ متوسط درجہ کی جنس مہر میں ادا کرے یا اس کی قیمت ادا کرے اور جس چیز میں بیع سلم جائز نہیں ہے اس میں شوہر کو اختیار ہے خواہ وہ چیز مہر میں ادا کرے یا اس کی قیمت ادا کرے اور جس میں بیع سلم جائز ہے اس میں عورت کو اختیار ہے خواہ عورت مہر میں وہی چیز لے یا اس کی قیمت لے۔

مہر میں حیوان یا کوئی مجہول الجنس شئی کا ذکر کرنا

اور ایسا ہی حکم ہر اس حیوان کے مہر بنانے میں ہے جس کی جنس ذکر کی گئی ہو اور نوع بیان نہ کیا گیا ہو، یعنی اس صورت میں متوسط درجہ کا حیوان لازم ہوگا۔ اور جنس حضرات فقہاء کرام کی اصطلاح میں اس کو کہا جاتا ہے جو بہت سارے مختلف افراد پر صادق آئے جن کے احکام مختلف ہوں۔ اور نوع اس کو کہتے ہیں جو بہت سارے ایسے افراد پر صادق آئے جن کے احکام متفق ہوں۔ جنس کی مثال انسان ہے اس کے اندر مرد و عورت دونوں شامل ہیں اور دونوں کے احکام الگ الگ ہیں اور نوع کی مثال صرف مرد یا صرف عورت ہے جو زید، عمر، بکر، خالد وغیرہ اور رقیہ، فاطمہ، فوزیہ، اور نازیہ پر صادق آتا ہے اور سب کے احکام ایک ہیں۔ اس کے برخلاف جو چیز مجہول الجنس ہو جیسے یہ کہا کہ مہر میں کپڑا ہوگا، چوپایہ ہوگا تو اس جنس کا متوسط مراد نہ ہوگا اس لیے کہ کپڑا اور چوپایہ میں متوسط نہیں ہے۔ اور مجہول الجنس اس کو کہتے ہیں جس کے احکام بہت کثرت کے ساتھ اختلاف رکھتے ہوں، مثال کے طور پر کپڑوں میں بعض کا استعمال ناجائز ہے پھر ان میں قیمت کے اعتبار سے بھی بڑا فرق پڑتا ہے یہی حال جانوروں میں ہے بعض جانور حلال ہیں بعض حرام، کوئی جانور سواری کے لائق ہوتا ہے اور کوئی نہیں ہوتا ہے اس لیے اس

صورت میں مہر مثل واجب ہوگا اور غلام کے اندر متوسط غلام ہمارے زمانہ میں حبشی غلام ہے بہر حال متوسط کا اعتبار ہر دور کے رواج کے اعتبار سے ہوگا۔

(وَإِنْ أَمْهَرَهَا العَبْدَيْنِ وَ) الحَالُ أَنَّ (أَحَدَهُمَا حُرٌّ فَمَهْرُهَا الْعَبْدُ) عِنْدَ الْإِمَامِ (إِنْ سَاوَى أَقَلَّهُ) أَيْ عَشَرَةَ دَرَاهِمَ (وَإِلَّا كُمِّلَ لَهَا الْعَشَرَةُ) لِأَنَّ وُجُوبَ الْمُسَمَّى وَإِنْ قَلَّ يَمْنَعُ مَهْرَ الْمِثْلِ. وَعِنْدَ الثَّانِي لَهَا قِيمَةُ الْحُرِّ لَوْ عَبْدًا وَرَجَّحَهُ الْكَمَالُ كَمَا لَوْ اسْتُحِقَّ أَحَدُهُمَا. (وَيَجِبُ مَهْرُ الْمِثْلِ فِي نِكَاحٍ فَاسِدٍ) وَهُوَ الَّذِي فَقَدَ شَرْطًا مِنْ شَرَائِطِ الصِّحَّةِ كَشُهُودٍ (بِالْوَطْءِ) فِي الْقُبُلِ (لَا بِغَيْرِهِ) كَالْخَلْوَةِ لِحُرْمَةِ وَطْئِهَا (وَلَمْ يُزَدْ) مَهْرُ الْمِثْلِ (عَلَى الْمُسَمَّى) لِرِضَاهَا بِالْحَطِّ، وَلَوْ كَانَ دُونَ الْمُسَمَّى لَزِمَ مَهْرُ الْمِثْلِ لِفَسَادِ التَّسْمِيَةِ بِفَسَادِ الْعَقْدِ، وَلَوْ لَمْ يُسَمِّ أَوْ جُهِلَ لَزِمَ بَالِغًا مَا بَلَغَ (وَ) يَثْبُتُ (لِكُلٍّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا فَسْخُهُ وَلَوْ بِغَيْرِ مَحْضَرٍ عَنْ صَاحِبِهِ دَخَلَ بِهَا أَوْ لَا) فِي الْأَصَحِّ خُرُوجًا عَنِ الْمَعْصِيَةِ. فَلَا يُنَافِي وُجُوبَهُ بَلْ يَجِبُ عَلَى الْقَاضِي التَّفْرِيقُ بَيْنَهُمَا .

مہر میں غلام اور آزاد شخص کو مقرر کرنا

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اگر شوہر نے بیوی کا مہر دو غلام متعین کیا، حالانکہ ان دونوں غلاموں میں سے ایک آزاد تھا تو اس صورت میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عورت کا مہر صرف وہی ایک غلام ہوگا، اگر اس کی قیمت مہر کی کم از کم مقدار دس درہم کے برابر ہو اور اگر اس ملام کی قیمت دس درہم سے کم ہے تو دس درہم پورا کیا جائیگا، اس لیے کہ جو مہر مقرر کیا گیا ہے اس کی تعداد اگرچہ دس درہم سے کم ہو تب بھی مہر مسمی کا وجوب مہر مثل کے وجوب سے مانع ہے۔ اور حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں عورت غلام لے گی اور آزاد کی جو قیمت اس کے غلام ہونے کی صورت میں ہوتی وہ بھی لے گی، اسی قول کو علامہ کمال نے ترجیح دی ہے۔ جس طرح کہ اگر ان دو غلاموں میں سے کوئی ایک غلام دوسرے کے لیے ثابت ہو جاتا تو اس غلام کی قیمت عورت لیتی، اسی طرح آزاد نکلنے کی صورت میں بھی اس کی قیمت لے گی۔

نکاح فاسد میں مہر مثل کا وجوب

مسئلہ یہ ہے کہ نکاح فاسد میں وطی کرنے سے شوہر پر مہر مثل واجب ہو جاتا ہے۔ اور نکاح فاسد اس کو کہا جاتا ہے جس میں صحت نکاح کی شرطوں میں سے کوئی شرط نہ پائی جائے، جیسے نکاح میں گواہوں کا نہ ہونا، بغیر گواہوں کے ایجاب وقبول کرنے سے نکاح صحیح نہیں ہوتا ہے بلکہ نکاح فاسد ہو جاتا ہے۔

اور نکاح فاسد میں اگر وطی عورت کی شرمگاہ میں پائی جائے گی تو مہر مثل واجب ہوگا اور اگر شرمگاہ کے علاوہ کسی دوسری جگہ

وطی پائی گئی تو نکاح فاسد مہر مثل واجب نہیں ہوگا، مثال کے طور پر نکاح فاسد میں صرف خلوت صحیحہ پائی گئی ہے وطی نہیں پائی گئی ہے تو مہر مثل واجب نہیں ہوگا اس کی وجہ یہ ہے کہ نکاح فاسد میں عورت سے وطی کرنا حرام ہے۔

مہر مثل مہر مسمیٰ سے زیادہ نہ ہوگا

نکاح کے اندر جو مہر متعین کیا گیا ہے مہر مثل اس سے زیادہ نہیں کیا جائے گا، اس لیے کہ عورت اتنے ہی پر راضی تھی لیکن اگر مہر مثل مہر متعین سے کم ہے تو اس صورت میں مہر مثل لازم آئے گا، اس لیے کہ عقد نکاح کے فاسد ہونے کی وجہ سے وہ مہر بھی فاسد ہو گیا جو متعین کیا گیا تھا اور اگر نکاح فاسد میں مہر کا نام ہی نہیں لیا گیا، یا مہر کا نام تو لیا گیا لیکن مقدار ظاہر نہ کی گئی بلکہ مقدار مہر مجہول رہی تو اس صورت میں بھی مہر مثل ہی لازم ہوگا، خواہ مہر مثل کم ہو یا زیادہ اور نکاح فاسد کے فسخ کرنے کا حق میاں بیوی میں سے ہر ایک کو حاصل ہوتا ہے اگرچہ نکاح فسخ کرتے وقت دوسرا ساتھی موجود نہ ہو اور عورت سے اس نے وطی کی ہو یا نہیں کی ہو بہر صورت اختیار فسخ حاصل ہوگا، اس بارے میں اصح قول یہی ہے تا کہ وہ سب کے سب گناہ سے نکل جائیں، اس لیے کہ نکاح فاسد کا ارتکاب اور اس پر جمار ہنا حرام ہے لہٰذا فسخ کی ملکیت اور وجوب فسخ میں منافات نہیں ہے بلکہ قاضی پر واجب ہے کہ اگر نکاح فاسد ہوا ہے تو ان دونوں کے درمیان تفریق کردے (یعنی اگر زوجین خود تفریق نہ کریں تو قاضی پر تفریق کرنا واجب ہے)۔

(وَتَجِبُ الْعِدَّةُ بَعْدَ الْوَطْءِ) لَا الْخَلْوَةِ لِلطَّلَاقِ لَا لِلْمَوْتِ (مِنْ وَقْتِ التَّفْرِيقِ) أَوْ مُتَارَكَةِ الزَّوْجِ وَإِنْ لَمْ تَعْلَمْ الْمَرْأَةُ بِالْمُتَارَكَةِ فِي الْأَصَحِّ (وَيَثْبُتُ النَّسَبُ) احْتِيَاطًا بِلَا دَعْوَةٍ (وَتُعْتَبَرُ مُدَّتُهُ) وَهِيَ سِتَّةُ أَشْهُرٍ (مِنْ الْوَطْءِ، فَإِنْ كَانَتْ مِنْهُ إِلَى الْوَضْعِ أَقَلُّ مُدَّةِ الْحَمْلِ) يَعْنِي سِتَّةَ أَشْهُرٍ فَأَكْثَرَ (يَثْبُتُ) النَّسَبُ (وَإِلَّا) بِأَنْ وَلَدَتْهُ لِأَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ (لَا) يَثْبُتُ، وَهَذَا قَوْلُ مُحَمَّدٍ وَبِهِ يُفْتَى، وَقَالَا: ابْتِدَاءُ الْمُدَّةِ مِنْ وَقْتِ الْعَقْدِ كَالصَّحِيحِ وَرَجَّحَهُ فِي النَّهْرِ بِأَنَّهُ أَحْوَطُ وَذَكَرَ مِنْ التَّصَرُّفَاتِ الْفَاسِدَةِ إِحْدَى وَعِشْرِينَ، وَنَظَمَ مِنْهَا الْعَشَرَةَ الَّتِي فِي الْخُلَاصَةِ فَقَالَ:

وَفَاسِدٌ مِنْ الْعُقُودِ عَشْرٌ ... إِجَارَةٌ وَحُكْمُ هَذَا الْأَجْرِ
وُجُوبُ أَدْنَى مِثْلٍ أَوْ مُسَمًّى ... أَوْ كُلِّهِ مَعَ فَقْدِكَ الْمُسَمَّى
وَالْوَاجِبُ الْأَكْثَرُ فِي الْكِتَابَةِ ... مِنْ الَّذِي سَمَّاهُ أَوْ مِنْ قِيمَةٍ
وَفِي النِّكَاحِ الْمِثْلُ إِنْ يَكُنْ دَخَلْ ... وَخَارِجُ الْبَذْرِ لِمَالِكٍ أَجَلْ
وَالصُّلْحُ وَالرَّهْنُ لِكُلٍّ نَقْضُهُ ... أَمَانَةٌ أَوْ كَالصَّحِيحِ حُكْمُهُ

ثُمَّ الْهِبَةُ مَضْمُونَةٌ يَوْمَ قَبْضٍ وَصَحَّ بَيْعُهُ لِنَبِيذٍ افْتَرَضْ
مُضَارَبَةٌ وَحُكْمُهَا الْأَمَانَةُ وَالْمِثْلُ فِي الْبَيْعِ وَإِلَّا الْقِيمَةُ

نکاحِ فاسد میں وجوبِ عدت

اگر نکاحِ فاسد میں وطی کے بعد تفریق ہوئی تو عدت واجب ہے اور اگر محض خلوتِ صحیحہ کے بعد تفریق ہوئی تو عدت واجب نہیں ہے اور عدت طلاق کا وجوب ہوگا عدتِ موت کا نہیں، یعنی نکاحِ فاسد میں اگر شوہر نے اس کے ساتھ وطی کرنے کے بعد نکاح فسخ کیا اور شوہر کا انتقال ہو گیا تو عورت طلاق کی عدت گزارے گی موت کی عدت نہیں گزارے گی یعنی عورت چار ماہ دس دن کی عدت نہیں کرے گی بلکہ تین حیض کے ذریعہ یا وضع حمل کے ذریعہ عدت گزارے گی اور یہ عدت کا شمار اس وقت سے ہوگا جب سے شوہر نے بیوی سے جدائی اختیار کی ہے اور اس کو چھوڑا ہے یا قاضی نے تفریق کر دی ہے خواہ عورت کو یہ معلوم نہ ہو کہ شوہر نے اس سے جدائی اختیار کر لی ہے پھر بھی جدائی کے وقت ہی سے عدت کا شمار ہوگا، اس بارے میں اصح قول یہی ہے۔

نکاحِ فاسد میں نسب کا ثبوت

اور نکاحِ فاسد میں اگر عورت کا بچہ پیدا ہو گیا تو احتیاطاً بغیر دعویٰ کے بچہ کا نسب اس شوہر سے ثابت ہو جائے گا اور نسب کی مدت کا اعتبار ہوگا وطی سے چھ مہینے کے بعد، یعنی وطی کرنے اور بچہ کی پیدائش تک حمل کی مدت چھ مہینے یا اس سے زیادہ رہی تو نسب ثابت ہو جائے گا اور اگر ایسا نہیں ہے بلکہ وطی کے بعد چھ مہینے سے کم کے اندر بچہ پیدا ہو گیا ہے تو پھر نسب ثابت نہ ہوگا، حضرت امام محمدؒ کا یہی قول ہے اور اسی پر فتویٰ بھی ہے اور حضرات شیخینؒ فرماتے ہیں کہ ثبوتِ نسب کی مدت عقد کے وقت سے شمار ہوگی، جس طرح کہ نکاحِ صحیح میں عقد کے وقت سے ثبوتِ نسب کے لیے مدت شمار ہوتی ہے یعنی عقد سے لے کر بچے کی پیدائش تک حمل کی مدت کم از کم چھ ماہ رہی ہے تو نسب ثابت ہوگا ورنہ نہیں، النہر الفائق میں اسی کو ترجیح دیا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے اس میں زیادہ احتیاط ہے۔

تصرفاتِ فاسدہ کا بیان

اور النہر الفائق میں تصرفاتِ فاسدہ اکیس شمار کرائے گئے ہیں اور ان میں سے دس کو نظم کر دیا گیا ہے جو خلاصہ میں مذکور ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔

(۱) عقودِ فاسدہ دس ہیں، ان میں سے ایک اجارۂ فاسدہ ہے اور اس کا حکم اجرت کا واجب ہونا ہے۔

(۲) اور اگر اجرت معین ہو گئی ہے تو ادنیٰ اُجرت واجب ہوگی بشرطیکہ اُجرت مثل متعین اجرت سے کم ہو، تو اجرت مثل واجب ہوگی اور اگر متعین اجرت ہی کم ہے تو پھر یہی واجب ہوگی اور اگر اجرت متعین نہ ہو تو اجرت مثل واجب ہوگی۔

(۳) اور کتابت فاسدہ میں جو متعین اور قیمت سے زیادہ ہے وہ واجب ہوگا اگر متعین زیادہ ہے تو متعین واجب ہوگا اور اگر اس کی قیمت زیادہ ہے تو پھر قیمت واجب ہوگی۔

(۴) اور نکاح فاسد میں اگر شوہر نے اس کے ساتھ دخول کر لیا تو مہر مثل واجب ہوگا۔

(۵) اور مزارعت فاسدہ میں جو چیز کھیت میں پیدا ہوئی ہے وہ اس کا ہے جس نے بیج دیا ہے، اگر بیج مالک زمین کا ہے تو کام کرنے والے کو اجرت مثل ملے گی اور اگر بیج کام کرنے والے کا ہے تو مالک زمین کو اجرت ملے گی۔

(۶) اور صلح فاسد اور رہن فاسد میں عاقدین میں سے ہر ایک کو اس کے توڑ دینے کا حق ہوتا ہے اور صلح کا بدل مصالح کے ہاتھ میں امانت ہے اسی طرح شئی مرہون مرتہن کے ہاتھ میں امانت ہے یا یہ کہ صلح فاسد حکم کے اندر صلح صحیح کی طرح ہے اور رہن فاسد کا حکم رہن صحیح کی طرح ہے۔

(۷) اور ہبہ فاسدہ میں شئی موہوب یعنی جو چیز ہبہ کی گئی ہے اس کا ضمان اس شخص پر ہے جس کے لیے ہبہ کیا گیا ہے اور ضمان میں اعتبار اس دن کا ہوگا جس دن اس پر قبضہ کیا ہے۔

(۸) اور قرض فاسد میں مالک قرض لینے والا ہوتا ہے لہٰذا قرض لینے والے کو اس کا فروخت کرنا جائز ہے۔

(۹) اور مضاربت فاسدہ میں، مضاربت کا مال مضارب کے ہاتھ میں بطور امانت ہوتا ہے۔

(۱۰) اور بیع فاسد میں اگر مثلی چیز ہے تو اس کا ضمان خریدنے والے پر ہے اور اگر وہ چیز مثلی نہیں ہے بلکہ قیمت والی ہے تو پھر قیمت کا ضمان ہوگا۔ ہر ایک کی تفصیل انشاء اللہ اپنی جگہ پر آئے گی۔

(وَ) الْحُرَّةُ (مَهْرُ مِثْلِهَا) الشَّرْعِيُّ (مَهْرُ مِثْلِهَا) اللُّغَوِيُّ: أَيْ مَهْرُ امْرَأَةٍ تُمَاثِلُهَا (مِنْ قَوْمِ أَبِيهَا) لَا أُمِّهَا إِنْ لَمْ تَكُنْ مِنْ قَوْمِهِ كَبِنْتِ عَمِّهِ. وَفِي الْخُلَاصَةِ: يُعْتَبَرُ بِأَخَوَاتِهَا وَعَمَّاتِهَا، فَإِنْ لَمْ يَكُنْ فَبِنْتُ الشَّقِيقَةِ وَبِنْتُ الْعَمِّ انْتَهَى وَمُفَادُهُ اعْتِبَارُ التَّرْتِيبِ فَلْيُحْفَظْ. وَتُعْتَبَرُ الْمُمَاثَلَةُ فِي الْأَوْصَافِ (وَقْتَ الْعَقْدِ سِنًّا وَجَمَالًا وَمَالًا وَبَلَدًا وَعَصْرًا وَعَقْلًا وَدِينًا وَبَكَارَةً وَثُيُوبَةً وَعِفَّةً وَعِلْمًا وَأَدَبًا وَكَمَالَ خُلُقٍ) وَعَدَمَ وَلَدٍ. وَيُعْتَبَرُ حَالُ الزَّوْجِ أَيْضًا، ذَكَرَهُ الْكَمَالُ قَالَ: وَمَهْرُ الْأَمَةِ بِقَدْرِ الرَّغْبَةِ فِيهَا (وَيُشْتَرَطُ فِيهِ) أَيْ فِي ثُبُوتِ مَهْرِ الْمِثْلِ لِمَا ذُكِرَ (إِخْبَارُ رَجُلَيْنِ أَوْ رَجُلٍ وَامْرَأَتَيْنِ وَلَفْظُ الشَّهَادَةِ) فَإِنْ لَمْ يُوجَدْ شُهُودٌ عُدُولٌ فَالْقَوْلُ لِلزَّوْجِ بِيَمِينِهِ، وَمَا فِي الْمُحِيطِ مِنْ أَنَّ لِلْقَاضِي فَرْضَ الْمَهْرِ عَمَلَهُ فِي النَّهْرِ عَلَى مَا إِذَا رَضِيَا بِذَلِكَ (فَإِنْ لَمْ يُوجَدْ مِنْ قَبِيلَةِ أَبِيهَا فَمِنَ الْأَجَانِبِ) أَيْ فَمِنْ قَبِيلَةٍ تُمَاثِلُ قَبِيلَةَ أَبِيهَا (فَإِنْ لَمْ يُوجَدْ فَالْقَوْلُ لَهُ) أَيْ لِلزَّوْجِ فِي ذَلِكَ بِيَمِينِهِ كَمَا مَرَّ.

مہر مثل شرعی

اور آزاد عورت کا مہر مثل شرعی وہ ہے جو اس کے برابر والی عورت کا مہر ہے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ برابر والی عورت اس کے باپ کی نسل سے ہو، نہ کہ اس کی ماں کی نسل سے، اگر اس کی ماں اس کے باپ کی قوم سے نہیں ہے۔ اور اگر ماں بھی باپ ہی کی قوم کی نسل سے ہو جیسے اس کے چچا کی لڑکی ہو تو اس صورت میں ماں ہی کی قوم کا اعتبار ہوگا، اس لیے کہ دونوں کے خاندان ایک ہی ہوئے، خلاصہ یہ ہے کہ برابر والی عورت کا باپ کے خاندان سے ہونا ضروری ہے۔

اور خلاصہ نامی کتاب میں لکھا ہے کہ مہر مثل میں سب سے پہلے اس کی بہنوں اور پھوپھیوں کا اعتبار ہوگا، یعنی جو مہر اس کی بہنوں اور پھوپھیوں کا ہے وہی مہر اس کا بھی مقرر کیا جائیگا۔ اور اگر اسکی بہنیں اور پھوپھیاں نہ ہوں تو اس وقت سگی بھانجیوں اور چچا کی لڑکیوں کے مہر کا اعتبار ہوگا۔ خلاصہ یہ نکلا کہ باپ کے خاندان میں بھی ترتیب ہے، سب سے پہلے اقرب کے مہر کا اعتبار ہوگا پھر اس کے بعد جو قریب تر ہے پھر اس کے بعد جو قریب ہے اس کے مہر کا اعتبار ہوگا لہٰذا اس کو ذہن نشین کر لو۔

مماثلت کا اعتبار کن اوصاف میں

اور عقد کے وقت مماثلت یعنی برابری ان اوصاف میں ہونا ضروری ہے، یعنی خوبصورتی میں، مالداری میں، ایک شہر میں رہنے میں، ہم عمر ہونے میں، عقل میں، دین داری میں، باکرہ ہونے میں، ثیبہ ہونے میں، پاک دامن ہونے میں، علم و ادب میں اور کمال خلق میں اور اولاد کے نہ ہونے میں، ان چیزوں میں مماثلت کا اعتبار ہوتا ہے، یعنی جس عورت کا مہر مثل اس کے لیے ثابت کیا جا رہا ہے وہ دونوں ان اوصاف و کمال میں برابر ہوں۔

اور مماثلت میں شوہر کی حالت کا بھی اعتبار ہوتا ہے یعنی جس عورت کے مہر کا اعتبار کیا ہے اس میں یہ بھی دیکھا جائے گا کہ اس کے شوہر اور اس کے شوہر کی مالی حالت میں کس طرح کی برابری ہے اس کو صاحب فتح القدیر علامہ کمال نے ذکر کیا ہے۔ اور باندی کا مہر مثل اس میں خواہش و رغبت والے کی ہمت کے مطابق ہے یعنی اس کا دوسرا چاہنے والا کس قدر مہر دے سکتا ہے۔

وجوب مہر مثل کے لیے نصاب شہادت کی شرط

اور مہر مثل کے وجوب کے لیے جن اوصاف و کمال میں مماثلت ضروری قرار دی گئی ہے ان میں دو عادل مرد یا ایک عادل مرد اور دو عادل عورتوں کی شہادت معتبر ہوگی اور یہ بھی شرط ہے کہ گواہی کے الفاظ کے ساتھ اس کو ادا کرے۔ اور اگر اس بارے میں کوئی عادل گواہ نہ مل سکے تو پھر شوہر کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔ اور محیط نامی کتاب میں جو یہ مذکور ہے کہ گواہ موجود نہ ہونے کے وقت قاضی مہر کا اندازہ لگائے، اس قول کو النہر الفائق میں اس پر محمول کیا ہے کہ جب زوجین قاضی کے اندازہ پر راضی ہوں۔

مہر مثل کے وجوب میں اجنبی خاندان کے مہر کا اعتبار

اگر باپ کے خاندان کی عورتوں میں یہ سب اوصاف جو ذکر کیے گئے ہیں نہ پائے جائیں تو پھر ایسی صورت میں اجنبی قوم کی عورت کے مہر کا اعتبار ہوگا یعنی اس اجنبی خاندان کی عورتوں کے مہر کا اعتبار ہوگا جو اس کے باپ کے خاندان کی عورتوں کے مہر کے مساوی ہو، پھر اگر اجنبی قوم میں بھی باپ کے قوم کی مماثلت نہ پائی جائے تو مہر مثل میں شوہر کا قول معتبر ہوگا لیکن شوہر کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا جیسا کہ ماقبل میں گزرا ہے۔

(وَصَحَّ ضَمَانُ الْوَلِيِّ مَهْرَهَا وَلَوْ) الْمَرْأَةُ (صَغِيرَةً) وَلَوْ عَاقِدًا لِأَنَّهُ سَفِيرٌ، لَكِنْ بِشَرْطِ صِحَّتِهِ؛ فَلَوْ فِي مَرَضِ مَوْتِهِ وَهُوَ وَارِثُهُ لَمْ يَصِحَّ، وَإِلَّا صَحَّ مِنَ الثُّلُثِ، وَقَبُولِ الْمَرْأَةِ أَوْ غَيْرِهَا فِي مَجْلِسِ الضَّمَانِ (وَتَطْلُبُ أَيًّا شَاءَتْ) مِنْ زَوْجِهَا الْبَالِغِ، أَوِ الْوَلِيِّ الضَّامِنِ (فَإِنْ أَدَّى رَجَعَ عَلَى الزَّوْجِ إِنْ أَمَرَ) كَمَا هُوَ حُكْمُ الْكَفَالَةِ (وَلَا يُطَالِبُ الْأَبُ بِمَهْرِ ابْنِهِ الصَّغِيرِ الْفَقِيرِ) أَمَّا الْغَنِيُّ فَيُطَالَبُ أَبُوهُ بِالدَّفْعِ مِنْ مَالِ ابْنِهِ لَا مِنْ مَالِ نَفْسِهِ (إِذَا زَوَّجَهُ امْرَأَةً إِلَّا إِذَا ضَمِنَهُ) عَلَى الْمُعْتَمَدِ (كَمَا فِي النَّفَقَةِ) فَإِنَّهُ لَا يُؤْخَذُ بِهَا إِلَّا إِذَا ضَمِنَ، وَلَا رُجُوعَ لِلْأَبِ إِلَّا إِذَا أَشْهَدَ عَلَى الرُّجُوعِ عِنْدَ الْأَدَاءِ

ولی مہر کا ضامن بن سکتا ہے

اور عورت کے مہر کی ضمانت ولی کا لینا درست ہے اگر چہ عورت نابالغہ ہی کیوں نہ ہو اور اگر چہ ولی نکاح کا عاقد کیوں نہ ہو، اس لیے کہ عاقدِ نکاح محض سفیر ہوتا ہے عاقد پر نکاح کے حقوق عائد نہیں ہوتے ہیں، لیکن جس وقت ولی عورت کے مہر کی ضمانت لے رہا تھا اس وقت اس کا حالت صحت میں ہونا شرط ہے چنانچہ اگر ولی مرض الموت میں ہو اور وہ جس کے واسطے ضامن ہوا ہے وہ اس کا وارث تھا تو پھر اس کا ضامن ہونا صحیح نہ ہوگا، لیکن اگر وہ اس ولی کا وارث نہیں ہے تو پھر اس کی ضمانت درست ہوگی اور ثلث مال سے مہر ادا کیا جائے گا۔ اور ولی کی ضمانت کے صحیح ہونے کے لیے دوسری شرط یہ ہے کہ عورت یا اس کے علاوہ کوئی اور شخص مجلس ضمان میں اس کو قبول کر لے، یعنی اگر لڑکی بالغہ ہے تو خود قبول کر لے اور اگر نابالغہ ہے تو اس کا ولی مجلس ضمان میں قبول کر لے۔

عورت اپنا حق ولی اور شوہر میں سے جس سے چاہے مطالبہ کرے

جب ولی عورت کے مہر کا ضامن بن گیا اور یہ کہا کہ اس لڑکے کے مہر کا ضامن میں ہوں میں ادا کروں گا اب عورت کو اختیار ہے کہ اپنا مہر جس سے چاہے مطالبہ کرے اگر چاہے تو اپنے بالغ شوہر سے مہر کا مطالبہ کرے اور اگر چاہے تو ولی ضامن سے مطالبہ کرے، خواہ ولی عورت کا ہو یا شوہر کا ہو۔ اور اگر ابھی شوہر بالغ نہیں ہے تو اس صورت میں عورت اپنا مہر کا حق ولی

ضامن سے مطالبہ کرے گی، شوہر سے نہیں۔ اور اگر ولی ضامن نے عورت کو اپنی طرف سے مہر ادا کر دیا ہے اور یہ ادا شوہر کے حکم سے کیا ہے تو اس صورت میں ولی ضامن اس رقم کو شوہر سے وصول کرے گا، کیونکہ شوہر ہی نے اس کو ضامن بنایا تھا اور اگر شوہر نے اس کو ضامن نہیں بنایا تھا بلکہ عاقد خود بخود ضامن بن گیا اور مہر ادا کر دیا تو اس صورت میں اپنی رقم شوہر سے وصول نہیں کر سکتا ہے اور ضمانت کا حکم کفالت کی طرح ہے۔

نابالغ ومحتاج شوہر کے باپ سے مہر کا مطالبہ

اگر لڑکا نابالغ اور محتاج ہے تو اس کے مہر کا مطالبہ اس کے باپ سے نہیں کیا جائے گا، ہاں اگر وہ نابالغ شوہر غنی اور مالدار ہے تو اس کے باپ سے بایں طور مہر کا مطالبہ کیا جائے گا کہ آپ اپنے بیٹے کے مال سے اس کا مہر ادا کر دیں، اپنے مال سے ادا کرنے کا مطالبہ نہ ہوگا، جب باپ نے اپنے نابالغ بیٹے کا نکاح جو محتاج تھا کسی عورت سے کر دیا تو محض نکاح کرنے کی وجہ سے اس کے مہر کا مطالبہ اس کے باپ سے نہیں کیا جائے گا، ہاں اگر باپ نے اس نابالغ محتاج بیٹے کے مہر کی ضمانت لے لی ہے تو اس صورت میں باپ سے اس کا مطالبہ ہوگا، اس بارے میں معتمد قول یہی ہے، جس طرح نفقہ کا مطالبہ باپ سے نہیں کیا جاتا ہے ہاں اگر نفقہ کی ضمانت باپ نے لے لی ہے تو پھر باپ سے نفقہ کا مطالبہ بھی کیا جا سکتا ہے۔

اور جب باپ نے اپنے نابالغ محتاج بیٹے کا مہر ادا کر دیا یا مالدار نابالغ بیٹے کا مہر ادا کر دیا تو اب باپ کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی اس رقم کو بیٹے سے واپس لے جو اس نے بطور مہر ادا کی ہے لیکن اگر دیتے وقت باپ نے گواہ بنا لیا ہے کہ میں یہ رقم بیٹے سے واپس لے لوں گا تو اس صورت میں باپ کے لیے یہ رقم واپس لینا جائز ہے۔

(وَلَهَا مَنْعُهُ مِنَ الْوَطْءِ) وَدَوَاعِيهِ شَرْحُ مَجْمَعٍ (وَالسَّفَرُ بِهَا وَلَوْ بَعْدَ وَطْءٍ وَخَلْوَةٍ رَضِيَتْهُمَا) لِأَنَّ كُلَّ وَطْأَةٍ مَعْقُودٌ عَلَيْهَا، فَتَسْلِيمُ الْبَعْضِ لَا يُوجِبُ تَسْلِيمَ الْبَاقِي (لِأَخْذِ مَا بَيْنَ تَعْجِيلِهِ) مِنَ الْمَهْرِ كُلِّهِ أَوْ بَعْضِهِ (أَوْ) أَخْذَ (قَدْرَ مَا يُعَجَّلُ لِمِثْلِهَا عُرْفًا) بِهِ يُفْتَى، لِأَنَّ الْمَعْرُوفَ كَالْمَشْرُوطِ (إِنْ لَمْ يُؤَجَّلْ) أَوْ يُعَجَّلْ (كُلُّهُ) فَكَمَا شَرَطَ لِأَنَّ الصَّرِيحَ يَفُوقُ الدَّلَالَةَ إِلَّا إِذَا جُهِلَ الْأَجَلُ جَهَالَةً فَاحِشَةً فَيَجِبُ حَالًا غَايَةٌ، إِلَّا التَّأْجِيلَ لِطَلَاقٍ أَوْ مَوْتٍ فَيَصِحُّ لِلْعُرْفِ بَزَّازِيَّةٌ. وَعَنِ الثَّانِي لَهَا مَنْعُهُ إِنْ أَجَّلَهُ كُلَّهُ، وَبِهِ يُفْتَى اسْتِحْسَانًا وَلْوَالِجِيَّةٌ وَفِي النَّهْرِ: لَوْ تَزَوَّجَهَا عَلَى مِائَةٍ عَلَى حُكْمِ الْحُلُولِ عَلَى أَنْ يُعَجِّلَ أَرْبَعِينَ لَهَا مَنْعُهُ حَتَّى تَقْبِضَهُ. (وَ) لَهَا (النَّفَقَةُ) بَعْدَ الْمَنْعِ

مہر معجل کی وصولیابی کے لیے وطی سے روکنے کا حق

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جب تک شوہر اپنی بیوی کو مہر معجل ادا نہ کر دے اس وقت تک شوہر کو وطی کرنے

اور دواعی وطی یعنی بوس وکنار سے عورت روک سکتی ہے اسی طرح بیوی مہر معجل کی وصول یابی تک اس کے ساتھ سفر میں جانے سے بھی انکار کر سکتی ہے کہ جب تک مجھے مہر معجل ادا نہ کر دیا جائے میں آپ کے ساتھ سفر میں نہیں جاؤں گی۔ اگر چہ بیوی نے ایسا اس وطی اور خلوت کے بعد کیا ہو جو اس کی رضامندی سے ہو چکی تھی، اس لیے کہ ہر وطی مہر کے ساتھ بندھی ہوئی ہے، لہٰذا بعض کے سپرد کرنے سے باقی کا سپرد کرنا لازم نہیں آتا ہے اور عورت کل مہر معجل اور بعض مہر معجل دونوں کے لینے کے لیے شوہر کو وطی سے روک سکتی ہے اسی طرح عورت اپنے شوہر کو اس مہر لینے کے لیے بھی وطی سے روک سکتی ہے جو اس جیسی عورت کو عرف عام میں جلد دیئے جانے کا رواج ہو اور فتویٰ بھی اسی پر ہے، اس لیے کہ معروف مشروط کے درجہ میں ہوتی ہے۔ (اگر مہر ادا کرنے کی مدت متعین نہیں کی گئی، یا مہر جلد ادا کرنے کا تذکرہ نہیں کیا گیا ہو تو اس صورت میں عرف عام کا اعتبار ہوگا۔ اور اگر کل مہر کی ادائیگی کی مدت طے ہو چکی ہے تو پھر اسی طرح عمل کرنا چاہئے جس طرح دونوں نے شرط لگائی ہے یعنی اگر مہر مؤجل ہے تو پھر عورت شوہر کو وطی وغیرہ سے نہیں روک سکتی ہے اور اگر مہر معجل ہے تو ادائیگی تک وطی سے روک سکتی ہے اس لیے کہ صراحت دلالت پر مقدم ہے۔

مہر مؤجل کا شرعی حکم

اگر عقد کے وقت مہر ادھار رکھا گیا تو پھر عورت شوہر کو وطی سے نہیں روک سکتی ہے ہاں اگر ادھار مہر کی ادائیگی کی مدت بالکل مجہول ہو، یعنی یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ مہر ادا بھی کرے گا یا نہیں، جس کو جہالت فاحشہ سے تعبیر کرتے ہیں تو چوں کہ ایسی صورت میں مہر کی ادائیگی فوراً واجب ہوتی ہے اس لیے عورت وطی کرنے سے شوہر کو روک سکتی ہے، لیکن اگر شوہر نے مہر کی ادائیگی کی مدت طلاق تک یا موت تک مقرر کی ہے تو یہ درست ہے اگر چہ اس میں بھی جہالت فاحشہ پائی جاتی ہے اس لیے کہ موت کب آئے گی طلاق کب دی جائے گی اس کا وقت کسی کو معلوم نہیں ہے مگر یہ عرف عام میں رائج ہونے کی وجہ سے درست ہے جیسا کہ فتاویٰ بزازیہ میں ہے۔

اور حضرت امام ابو یوسفؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ اگر شوہر نے کل مہر کو ادھار کر دیا تو اس صورت میں بھی بیوی کو وطی سے روکنے کا حق حاصل ہے اور بطور استحسان فتویٰ بھی اسی پر ہے جیسا کہ فتاویٰ ولوالجیہ میں ہے، یعنی جب شوہر نے مہر کی ادائیگی کے لیے ایک مدت متعین کر دی ہے تو گویا شوہر نے اس مدت تک بیوی سے فائدہ اٹھانے کے حق کو ساقط کرنے پر رضامندی ظاہر کر دی ہے اس لیے کہ مہر تو فائدہ اٹھانے ہی کا عوض ہے۔ (اور خلاصہ نامی کتاب میں لکھا ہے استاذ ظہیر الدین کا فتویٰ یہ ہے کہ اس صورت میں عورت کو وطی سے روکنے کا حق حاصل نہیں ہے۔ اور صدر الشہید کا فتویٰ یہ ہے کہ اس صورت میں عورت کو روکنے کا حق ہے، لہٰذا اب فتویٰ اس پر ہے کہ روکنے کا حق حاصل ہے)۔ (شامی: ۴/ ۲۹۲)

اور النہر الفائق میں ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی عورت سے سو درہم پر نکاح کیا اس شرط کے ساتھ کہ چالیس درہم تو فوری طور پر ادا کر دے گا تو اس صورت میں بھی عورت کو مہر کا بقیہ حصہ وصول کرنے تک شوہر کو وطی سے روکنا درست ہوگا اور جس

زمانے میں عورت مہر کی وصولیابی کے لیے شوہر کو وطی سے روک رہی ہے اس زمانے کا نان ونفقہ بھی شوہر پر واجب ہے۔ (بشرطیکہ مطالبہ سے پہلے عورت کی رضامندی سے خلوت ہو چکی ہو، یا شوہر بیوی سے وطی کر چکا ہو)۔

(وَ) لَهَا (السَّفَرُ وَالْخُرُوجُ مِنْ بَيْتِ زَوْجِهَا لِلْحَاجَةِ؛ وَ) لَهَا (زِيَارَةُ أَهْلِهَا بِلَا إِذْنِهِ مَا لَمْ تَقْبِضْهُ) أَيْ الْمُعَجَّلَ، فَلَا تَخْرُجُ إِلَّا لِحَقٍّ لَهَا أَوْ عَلَيْهَا أَوْ لِزِيَارَةِ أَبَوَيْهَا كُلَّ جُمُعَةٍ مَرَّةً أَوْ الْمَحَارِمِ كُلَّ سَنَةٍ، وَلِكَوْنِهَا قَابِلَةً أَوْ غَاسِلَةً لَا فِيمَا عَدَا ذَلِكَ، وَإِنْ أَذِنَ كَانَا عَاصِيَيْنِ وَالْمُعْتَمَدُ جَوَازُ الْحَمَّامِ بِلَا تَزَيُّنٍ أَشْبَاهٌ وَسَيَجِيءُ فِي النَّفَقَةِ (وَيُسَافِرُ بِهَا بَعْدَ أَدَاءِ كُلِّهِ) مُؤَجَّلًا وَمُعَجَّلًا (إذَا كَانَ مَأْمُونًا عَلَيْهَا وَإِلَّا) يُؤَدِّ كُلَّهُ، أَوْ لَمْ يَكُنْ مَأْمُونًا (لَا) يُسَافِرُ بِهَا وَبِهِ يُفْتَى كَمَا فِي شُرُوحِ الْمَجْمَعِ وَاخْتَارَهُ فِي مُلْتَقَى الْأَبْحُرِ وَسِرَاجِ الْفَتَاوَى وَاعْتَمَدَهُ الْمُصَنِّفُ وَبِهِ أَفْتَى شَيْخُنَا الرَّمْلِيُّ، لَكِنْ فِي النَّهْرِ: وَالَّذِي عَلَيْهِ الْعَمَلُ فِي دِيَارِنَا أَنَّهُ لَا يُسَافِرُ بِهَا جَبْرًا عَلَيْهَا، وَجَزَمَ بِهِ الْبَزَّازِيُّ وَغَيْرُهُ. وَفِي الْمُخْتَارِ: وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى. وَفِي الْفُصُولِ: يُفْتَى بِمَا يَقَعُ عِنْدَهُ مِنْ الْمَصْلَحَةِ (وَيَنْقُلُهَا فِيمَا دُونَ مُدَّتِهِ) أَيْ السَّفَرِ (مِنْ الْمِصْرِ إلَى الْقَرْيَةِ وَبِالْعَكْسِ) وَمِنْ قَرْيَةٍ إلَى قَرْيَةٍ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِغُرْبَةٍ، وَقَيَّدَهُ فِي التَّتَارْخَانِيَّةِ بِقَرْيَةٍ يُمْكِنُهُ الرُّجُوعُ قَبْلَ اللَّيْلِ إلَى وَطَنِهِ، وَأَطْلَقَهُ فِي الْكَافِي قَائِلًا: وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى

بیوی کے مخصوص حقوق

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ مسئلہ یہ ہے کہ بیوی کے لیے سفر کرنا اور ضرورت کے پیش نظر شوہر کے گھر سے باہر نکلنا جائز ہے البتہ بلاضرورت گھر سے باہر نکلنا جائز نہیں ہے اور جب تک عورت نے مہر معجل پر قبضہ نہیں کیا ہے اس وقت تک عورت اپنے گھر والوں اور رشتہ داروں سے شوہر کی اجازت کے بغیر ملنے جاسکتی ہے، البتہ جب عورت مہر معجل پر قابض ہو چکی ہے تو اب اس کو چاہیے کہ شوہر کے گھر سے باہر نہ نکلے، البتہ اگر اس پر کسی کا حق باقی ہے تو حق ادا کرنے کے لیے یا کسی شخص پر اس کا کوئی حق باقی ہے تو اس کو لینے کے لیے شوہر کے گھر سے باہر نکل سکتی ہے خواہ شوہر کی اجازت ہو یا نہ ہو۔

ہفتہ میں ایک بار والدین سے ملاقات کرنے کے لیے جانا

عورت اپنے والدین کی زیارت اور ان سے ملنے کے لیے ہفتہ میں ایک بار جاسکتی ہے اور محارم رشتہ داروں سے ملنے کے لیے ایک سال میں ایک مرتبہ جاسکتی ہے اگرچہ شوہر روکتا ہی کیوں نہ ہو پھر بھی والدین سے ملاقات کرنے کے لیے ہفتہ میں ایک بار اور محارم سے ملنے کے لیے سال میں ایک بار جاسکتی ہے۔ اسی طرح اگر عورت بچہ جنانے والی ہو یا مردہ کو غسل دینے والی ہو تب بھی گھر سے نکل سکتی ہے لیکن اس صورت میں شوہر کو نکلنے سے روکنے کا حق ہے اور ان کے علاوہ کاموں کے لیے

عورت کا گھر سے نکلنا جائز نہیں ہے۔ اگر مذکورہ امور کے علاوہ میں شوہر نکلنے کی اجازت دے گا تو شوہر اور بیوی دونوں ہی گنہگار ہوں گے اور معتمد قول یہ ہے کہ عورت زیب وزینت کئے بغیر غسل خانہ میں جاسکتی ہے یہ اس کے لیے جائز ہے، عورت کے باہر نکلنے سے متعلق مزید مسائل عنقریب باب النفقہ میں آئیں گے۔ (علامہ ابن ہمام نے لکھا ہے کہ جن مواقع پر عورتوں کے لیے گھر سے باہر نکلنے کی اجازت ہے وہاں یہ شرط ملحوظ ہے کہ عورت گھر سے بن سنور کر خوشبو میں معطر ہو کر نہ نکلے، بلکہ اس حال میں نکلے کہ مردوں کی نگاہیں اس کی جانب نہ اٹھیں)۔ (شامی: ۴/ ۲۹۴)

عورت کو سفر میں لے جانا

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ کل مہر ادا کرنے کے بعد خواہ مہر معجّل ہو یا مؤجل، شوہر اپنی بیوی کو اپنے ساتھ سفر میں تین منزل یا اس سے زیادہ دوری کی مسافت پر لے جاسکتا ہے جب کہ شوہر اس بات سے مطمئن ہو کہ وہ بیوی کو سفر میں ایذاء نہیں پہنچائے گا اور اگر شوہر نے کل مہر تا ہنوز ادا نہیں کیا یا مہر تو ادا کر دیا لیکن شوہر مطمئن نہیں ہے تو اس صورت میں بیوی کو سفر میں نہیں لے جاسکتا ہے فتویٰ بھی اسی قول پر ہے جیسا کہ مجمع الانہر کی شروحات میں ہے اور ملتقی الابحر نیز مجمع الفتاویٰ میں اسی قول کو اختیار کیا ہے اور مصنف نے بھی اپنی شرح میں اسی قول پر اعتماد کیا ہے اور ہمارے استاذ محترم شیخ خیر الدین رملی نے بھی اسی قول پر فتویٰ دیا ہے۔

—لیکن نہر الفائق میں لکھا ہے کہ ہمارے ملک مصر میں جو عمل ہے وہ یہ ہے کہ بیوی کو زبردستی سفر میں نہیں لے جایا جاتا ہے اگر وہ اپنی خوشی سے سفر میں جانا چاہتی ہے تو سفر میں لے جائے ورنہ نہ لے جائے، اسی قول پر بزازیہ وغیرہ نے یقین ظاہر کیا ہے۔ اور مختار نامی کتاب میں اسی قول پر فتویٰ نقل کیا ہے۔ اور فصول میں یہ ہے کہ مفتی حضرات اپنی صوابدید کے مطابق حکمت ومصلحت دیکھ کر فتویٰ دیں۔ اور جہاں شوہر بیوی کو لے جانا چاہتا ہے وہ جگہ مدت سفر کی مسافت سے کم دوری پر واقع ہے تو شوہر وہاں بیوی کو لے جاسکتا ہے خواہ شہر سے گاؤں میں لے جائے یا گاؤں سے شہر میں لے جائے یا ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں میں لے جائے، اس لیے کہ اتنا دور لے جاسکتا ہے جہاں سے رات تک اپنے وطن واپسی ممکن ہو، یا رات آنے سے پہلے وطن کی جانب واپسی ممکن ہو۔ اور کافی میں یہ قید مذکور نہیں ہے بلکہ مطلق ہے اور فتویٰ بھی اسی پر ہے۔ (یعنی رات آنے سے پہلے پہلے وطن واپس آجانا ممکن ہو تو شوہر لے جاسکتا ہے ورنہ نہیں، یہ قید کافی نامی کتاب میں نہیں ہے، بلکہ وہاں مطلق ہے یعنی شوہر بیوی کو مدت سفر کی مسافت کی دوری پر یا اس سے زائد دوری پر بیوی کو سفر میں لے جاسکتا ہے)۔

(وَإِنْ اخْتَلَفَا) فِي الْمَهْرِ (فَفِي أَصْلِهِ) حُلِّفَ مُنْكِرُ التَّسْمِيَةِ، فَإِنْ نَكَلَ ثَبَتَ، وَإِنْ حَلَفَ (يَجِبُ مَهْرُ الْمِثْلِ) وَفِي الْمَهْرِ يُحَلَّفُ (إِجْمَاعًا، وَ) إِنْ اخْتَلَفَا (وَفِي قَدْرِهِ حَالَ قِيَامِ النِّكَاحِ فَالْقَوْلُ

لِمَنْ شَهِدَ لَهُ مَهْرُ الْمِثْلِ) بِيَمِينِهِ (وَأَيٌّ أَقَامَ بَيِّنَةً قُبِلَتْ) سَوَاءٌ (شَهِدَ مَهْرُ الْمِثْلِ لَهُ، أَوْ لَهَا، أَوْ لَا وَلَا، وَإِنْ أَقَامَا الْبَيِّنَةَ فَبَيِّنَتُهَا) مُقَدَّمَةٌ (إِنْ شَهِدَ مَهْرُ الْمِثْلِ لَهُ، وَبَيِّنَتُهُ) مُقَدَّمَةٌ (إِنْ شَهِدَ) مَهْرُ الْمِثْلِ (لَهَا) لِأَنَّ الْبَيِّنَاتِ لِإِثْبَاتِ خِلَافِ الظَّاهِرِ (وَإِنْ كَانَ مَهْرُ الْمِثْلِ بَيْنَهُمَا تَحَالَفَا، فَإِنْ حَلَفَا أَوْ بَرْهَنَا قُضِيَ بِهِ، وَإِنْ بَرْهَنَ أَحَدُهُمَا قُبِلَ بُرْهَانُهُ) لِأَنَّهُ نَوَّرَ دَعْوَاهُ. (وَفِي الطَّلَاقِ قَبْلَ الْوَطْءِ حُكْمُ مُتْعَةِ الْمِثْلِ) لَوِ الْمُسَمَّى دَيْنًا وَإِنْ عَيْنًا كَمَسْأَلَةِ الْعَبْدِ وَالْجَارِيَةِ فَلَهَا الْمُتْعَةُ بِلَا تَحْكِيمٍ إِلَّا أَنْ يَرْضَى الزَّوْجُ بِنِصْفِ الْجَارِيَةِ (وَأَيٌّ أَقَامَ بَيِّنَةً قُبِلَتْ فَإِنْ أَقَامَا فَبَيِّنَتُهَا) أَوْلَى (وَإِنْ شَهِدَتْ لَهُ) الْمُتْعَةُ (وَبَيِّنَتُهُ إِنْ شَهِدَتْ لَهَا، وَإِنْ كَانَتْ) الْمُتْعَةُ (بَيْنَهُمَا تَحَالَفَا، وَإِنْ حَلَفَ وَجَبَ مُتْعَةُ الْمِثْلِ؛

زوجین کے درمیان مہر میں اختلاف ہوجائے تو کیا حکم

اگر میاں بیوی کے درمیان مہر کے بارے میں اختلاف ہوجائے تو اس کی دو صورتیں ہیں یا تو اصل مہر کے بارے میں اختلاف ہوگا یا مقدار مہر کے بارے میں اختلاف ہوگا، اصل مہر کے بارے میں اختلاف کی صورت یہ ہے کہ زوجین میں سے ایک کہے کہ مہر متعین ہوا تھا دوسرے نے کہا کہ مہر متعین نہیں ہوا تھا اور دونوں میں سے کسی کے پاس بھی گواہ نہ ہوں تو اس صورت میں انکار کرنے والے سے قسم لی جائے گی اور اگر وہ قسم کھانے سے انکار کرے تو دعویٰ ثابت ہوجائے گا اور اگر تسمیہ کے انکار کرنے والے نے قسم کھالی ہے تو پھر اس صورت میں مہر مثل واجب ہوگا، لیکن اگر مدعی عورت ہے تو پھر اس کے دعویٰ سے زیادہ مہر مثل نہیں دیا جائیگا مہر کے باب میں اس بات پر اتفاق ہے کہ تسمیہ کے انکار کرنے والے سے قسم لی جائے گی اور پھر اسی کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔

اور اگر نکاح کے برقرار رہتے ہوئے میاں بیوی کے درمیان مہر کی مقدار کے بارے میں اختلاف ہوجائے بایں طور کہ ان میں سے ایک زیادتی مہر کا دعویٰ کرے اور دوسرا کمی کا، تو اس صورت میں اسی کا قول قابل اعتماد اور لائق تسلیم ہوگا جس کی گواہی مہر مثل دے گا، یعنی جس کا قول مہر مثل کے مطابق ہوگا اس کا قول مانا جائے گا مگر قسم کے ساتھ معتبر ہوگا، مقدار مہر کے بارے میں اختلاف کی صورت میں جو بھی اپنے قول پر گواہ اور ثبوت پیش کردے گا اس کا قول معتبر ہوگا، خواہ مہر مثل اس کے قول کی تائید کرے یا نہ کرے یا مہر مثل عورت کے قول کی تائید کرے یا مرد کے قول کی تائید کرے بہرصورت اس کی بات مانی جائے گی جس نے گواہ پیش کردیا ہے۔

اور اگر زوجین میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے دعویٰ پر شہادت پیش کردی تو اس صورت میں عورت کی شہادت مقدم ہوگی بشرطیکہ مہر مثل مرد کے دعویٰ کے مطابق ہو اور اگر مہر مثل عورت کے دعویٰ کے مطابق ہے تو اس صورت میں مرد کی شہادت مقدم

ہوگی اس لیے کہ شہادت تو ظاہر کے خلاف ثابت کرنے کے لیے پیش کیے جاتے ہیں اور خلاف ظاہر اس شخص کا دعویٰ ہوگا جو مہر مثل کے مطابق نہ ہو۔

اور اگر مہر مثل دونوں کے قولوں کے درمیان ہو تو اس وقت دونوں سے قسم لی جائے گی پس اگر دونوں نے قسم کھالی، یا دونوں نے گواہ پیش کر دیا تو اس صورت میں قاضی مہر مثل کا فیصلہ فرمائے گا اور اگر ان دونوں میں سے کسی ایک نے گواہی پیش کی ہے تو اس کے گواہ کو مانا جائے گا اس لیے کہ گواہ پیش کر کے اس نے اپنے دعویٰ کو روشن کر دیا ہے۔

طلاق کے بعد مہر میں اختلاف

اور اگر میاں بیوی کے درمیان مہر میں اختلاف قبل الوطی طلاق دینے کے بعد رونما ہوا ہے تو اس صورت میں متعہ مثل کا فیصلہ ہوگا، بشرطیکہ متعین کردہ مہر دین ہو، جیسے درہم و دنانیر وغیرہ۔ اور اگر مہر مسمی عین ہو یعنی مثلی یا قیمتی ہو جیسے باندی یا غلام، پھر اس میں اختلاف ہو جائے مثال کے طور پر شوہر کہتا ہے کہ مہر میں غلام تھا اور بیوی کہتی ہے کہ مہر میں باندی تھی تو اس صورت میں بلا تحکیم بیوی کو متعہ مثل ملے گا۔ البتہ اگر شوہر نصف باندی پر راضی ہو جائے تو پھر متعہ مثل دینے کی ضرورت نہیں ہوگی اور ان دونوں میں سے جو بھی گواہ پیش کرے گا قبول ہوگا اور اگر دونوں نے اپنے اپنے دعویٰ پر گواہ پیش کر دئے تو اس صورت میں اگر متعہ مرد کے قول کے مطابق ہے تو عورت کے گواہ کو اولیت حاصل ہوگی اور اگر متعہ عورت کے قول کے مطابق ہے تو پھر مرد کے گواہ کو اولیت حاصل ہوگی، اس لیے کہ گواہ کا کام خلاف ظاہر چیز کو ثابت کرنا ہے اور اگر متعہ دونوں کے درمیان بین بین ہو تو اس صورت میں دونوں سے قسم لی جائے گی، اگر دونوں نے قسم کھالی تو پھر متعہ مثل واجب ہوگا۔

وَمَوْتُ أَحَدِهِمَا كَحَيَاتِهِ فِي الْحُكْمِ) أَصْلًا وَقَدْرًا لِعَدَمِ سُقُوطِهِ بِمَوْتِ أَحَدِهِمَا (وَبَعْدَ مَوْتِهِمَا فَفِي الْقَدْرِ الْقَوْلُ لِوَرَثَتِهِ، وَ) فِي الِاخْتِلَافِ (فِي أَصْلِهِ) الْقَوْلُ لِمُنْكِرِ التَّسْمِيَةِ (لَمْ يُقْضَ بِشَيْءٍ) مَا لَمْ يُبَرْهِنْ عَلَى التَّسْمِيَةِ (وَقَالَا يُقْضَى بِمَهْرِ الْمِثْلِ) كَحَالِ حَيَاةٍ (وَبِهِ يُفْتَى وَهَذَا) كُلُّهُ (إذَا لَمْ تُسَلِّمْ نَفْسَهَا، فَإِنْ سَلَّمَتْ وَوَقَعَ الِاخْتِلَافُ فِي الْحَالَيْنِ) الْحَيَاةِ وَبَعْدَهَا (لَا يُحْكَمُ بِمَهْرِ الْمِثْلِ) لِأَنَّهَا لَا تُسَلِّمُهُ نَفْسَهَا إلَّا بَعْدَ تَعْجِيلِ شَيْءٍ عَادَةً (بَلْ يُقَالُ لَهَا لَا بُدَّ أَنْ تُقِرِّي بِمَا تَعَجَّلْتِ وَإِلَّا قَضَيْنَا عَلَيْكِ بِالْمُتَعَارَفِ) تَعْجِيلُهُ (ثُمَّ يُعْمَلُ فِي الْبَاقِي بِمَا ذَكَرْنَا) وَهَذَا إذَا ادَّعَى الزَّوْجُ إيصَالَ شَيْءٍ إلَيْهَا بَحْرٌ.

زوجین میں سے کسی ایک کے انتقال کے بعد مہر میں اختلاف

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں میاں بیوی میں سے کسی ایک کا مر جانا حکم میں دونوں کے زندہ ہونے کے برابر

ہے خواہ اختلاف اصل مہر میں ہو یا اختلاف مہر کی مقدار میں ہو، اس لیے کہ کسی ایک کے مرنے سے مہر مثل ساقط نہیں ہوتا ہے اور اگر میاں بیوی دونوں کے مرنے کے بعد مقدار مہر کے بارے میں وارثوں کے درمیان اختلاف ہوجائے تو اس صورت میں شوہر کے وارثوں کا قول معتبر ہوگا، لیکن شوہر کے ورثہ کا قول یوں ہی معتبر نہیں ہوگا بلکہ قسم کے ساتھ معتبر ہوگا اور اگر زوجین کے انتقال کے بعد وارثین کے درمیان اصل مہر کے بارے میں اختلاف ہوجائے تو اس صورت میں تسمیہ کے انکار کرنے والے کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا اور اگر اصل تسمیہ میں زوجین کی وفات کے بعد اختلاف ہوجائے تو جب تک گواہوں کے ذریعہ ثابت نہ ہوجائے کچھ فیصلہ نہیں کیا جائے گا اور حضرات صاحبین فرماتے ہیں کہ دونوں کے مرنے کے بعد بھی مہر مثل ہی کا فیصلہ ہوگا جس طرح زوجین کے زندہ ہونے کی صورت میں مہر مثل کا فیصلہ ہوتا ہے اور فتویٰ بھی اسی قول پر ہے۔

اور یہ ساری شکلیں اس وقت ہیں جب کہ بیوی نے بخوشی خود کو شوہر کے حوالہ نہ کیا ہو، لیکن اگر بیوی نے خود کو سپرد کر دیا ہے اور پھر زندگی یا موت کے بعد میں اختلاف ہوا ہے تو اس صورت میں مہر مثل کا فیصلہ نہیں ہوگا، اس لیے کہ عام طور پر رواج اور دستور یہ ہے کہ جب تک عورت کچھ نہ کچھ مہر معجل شوہر سے وصول نہیں کرتی ہے اس وقت تک اپنے آپ کو شوہر کے حوالہ نہیں کرتی ہے۔ (یہ حکم وہاں کے بارے میں جہاں فوری طور پر کچھ نہ کچھ دینے کا دستور اور رواج ہے اور جہاں مہر کی ادائیگی کی مدت موت یا طلاق تک ہو وہاں عورت کا اپنے آپ کو سپرد کرنا اور نہ کرنا دونوں برابر ہیں لہٰذا مہر مثل کا فیصلہ ہوگا) بلکہ عورت یا اس کے وارثوں سے کہا جائے گا تم کو یقینی طور پر کچھ نہ کچھ مہر معجل کے وصول کرنے کا اقرار کرنا ہوگا ورنہ ہم تم پر مہر تعجیل متعارف کا فیصلہ کریں گے (یعنی یہ فیصلہ کریں گے جو مہر جلدی دینے کا دستور ہے وہ تم لے چکی ہو) پھر اس کے بعد باقی پر عمل کیا جائے گا جس کو ہم نے ذکر کیا ہے اور یہ اس صورت میں ہوگا جب شوہر نے عورت کو کچھ دینے کا دعویٰ کیا ہو اور اگر شوہر نے کچھ بھی دینے کا دعویٰ نہیں کیا تو اس صورت میں تعجیل متعارف کا فیصلہ نہیں ہوگا، جیسا کہ البحر الرائق میں ہے۔

(وَلَوْ بَعَثَ إِلَى امْرَأَتِهِ شَيْئًا وَلَمْ يَذْكُرْ جِهَةً عِنْدَ الدَّفْعِ غَيْرَ) جِهَةِ (الْمَهْرِ) كَقَوْلِهِ لِشَمْعٍ أَوْ حِنَّاءٍ ثُمَّ قَالَ إِنَّهُ مِنَ الْمَهْرِ لَمْ يُقْبَلْ قُنْيَةٌ لِوُقُوعِهِ هَدِيَّةً فَلَا يَنْقَلِبُ مَهْرًا (فَقَالَتْ هُوَ) أَيِ الْمَبْعُوثُ (هَدِيَّةٌ وَقَالَ هُوَ مِنَ الْمَهْرِ) أَوْ مِنَ الْكِسْوَةِ أَوْ عَارِيَةٌ (فَالْقَوْلُ لَهُ) بِيَمِينِهِ وَالْبَيِّنَةُ لَهَا، فَإِنْ حَلَفَ وَالْمَبْعُوثُ قَائِمٌ فَلَهَا أَنْ تَرُدَّهُ – وَتَرْجِعَ بِبَاقِي الْمَهْرِ ذَكَرَهُ ابْنُ الْكَمَالِ. وَلَوْ عَوَّضَتْهُ ثُمَّ ادَّعَاهُ عَارِيَةً فَلَهَا أَنْ تَسْتَرِدَّ الْعِوَضَ مِنْ جِنْسِهِ زَيْلَعِيٌّ (فِي غَيْرِ الْمُهَيَّإِ لِلْأَكْلِ) كَثِيَابٍ وَشَاةٍ حَيَّةٍ وَسَمْنٍ وَعَسَلٍ وَمَا يَبْقَى شَهْرًا أَخِي زَادَهْ (وَ) الْقَوْلُ (لَهَا) بِيَمِينِهَا (فِي الْمُهَيَّإِ لَهُ) كَخُبْزٍ وَلَحْمٍ مَشْوِيٍّ لِأَنَّ الظَّاهِرَ يُكَذِّبُهُ، وَلِذَا قَالَ الْفَقِيهُ: الْمُخْتَارُ أَنَّهُ يُصَدَّقُ فِيمَا لَا يَجِبُ عَلَيْهِ كَخُفٍّ وَمُلَاءَةٍ لَا فِيمَا يَجِبُ كَخِمَارٍ وَدِرْعٍ، يَعْنِي مَا لَمْ يَدَّعِ أَنَّهُ كِسْوَةٌ لِأَنَّ الظَّاهِرَ مَعَهُ. (خَطَبَ بِنْتَ

رَجُلٍ وَبَعَثَ إِلَيْهَا أَشْيَاءَ وَلَمْ يُزَوِّجْهَا أَبُوهَا فَمَا بَعَثَ لِلْمَهْرِ يَسْتَرِدُّ عَيْنَهُ قَائِمًا) فَقَطْ وَإِنْ تَغَيَّرَ بِالِاسْتِعْمَالِ (أَوْ قِيمَتَهُ هَالِكًا) لِأَنَّهُ مُعَاوَضَةٌ وَلَمْ تَتِمَّ فَجَازَ الِاسْتِرْدَادُ (وَكَذَا) يَسْتَرِدُّ (مَا بَعَثَ هَدِيَّةً وَهُوَ قَائِمٌ دُونَ الْهَالِكِ وَالْمُسْتَهْلَكِ) لِأَنَّهُ فِي مَعْنَى الْهِبَةِ.

بیوی کے پاس بھیجی ہوئی چیز میں اختلاف

شوہر نے اپنی بیوی کے پاس کچھ بھیجا خواہ نقدی ہو یا جنس ہو اور بیوی کے پاس بھیجتے وقت شوہر نے کوئی ایسی بات ذکر نہیں کی جو مہر کے مغائر ہو، یعنی نہ یہ بتایا کہ یہ مہر ہے اور نہ یہ بتایا کہ یہ مہر نہیں ہے بلکہ مہر کے علاوہ کچھ اور ہے مثلاً اس کو شمع جلانے میں یا مہندی میں خرچ کرنا، پھر اس کے بعد شوہر نے وضاحت کے ساتھ کہا کہ میں نے جو سامان بھیجا تھا وہ بطور مہر تھا تو شوہر کا یہ قول قابل قبول نہیں ہوگا، جیسا کہ قنیہ نامی کتاب میں ہے اس لیے کہ وہ چیز ہدیہ ہو چکی ہے لہٰذا اب وہ مہر میں شمار نہیں ہو سکتی ہے۔

جب شوہر نے بیوی کے پاس کوئی سامان بھیجا اس وقت بیوی نے کچھ نہیں کہا اور بعد میں کہتی ہے کہ وہ بھیجا ہوا سامان ہدیہ تھا اور شوہر کہتا ہے نہیں، وہ تو مہر میں سے تھا، یا وہ سامان لباس کے لیے تھا یا وہ بطور عاریت تھا تو اس صورت میں شوہر کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی۔ اور اگر دونوں نے اپنے اپنے دعویٰ پر گواہ پیش کر دیا تو اس وقت عورت کی شہادت کو ترجیح دی جائے گی، اگر وہ بھیجا ہوا سامان عورت کے پاس موجود ہو اور شوہر اس بات کی حلف لے کہ بخدا وہ سامان بطور مہر تھا تو عورت کو اختیار ہے کہ وہ اس سامان کو واپس کر دے اور اپنا بقیہ مہر شوہر سے وصول کر لے، اس کو ابن کمال نے ذکر کیا ہے۔

شوہر نے بیوی کے پاس بطور ہدیہ کوئی سامان بھیجا پھر بیوی نے بھی شوہر کے پاس بطور ہدیہ کوئی سامان بھیجا، پھر مرد نے دعویٰ کیا کہ وہ سامان میں نے بطور عاریت تمہارے پاس بھیجا تھا تو اس صورت میں عورت کے لیے جائز ہے اس کے جنس کے بدلہ میں دی ہوئی چیز شوہر سے واپس لے لے، جیسا کہ زیلعی میں ہے۔

وہ سامان جو فوراً کھانے کے لیے نہ ہو اس میں شوہر کا قول معتبر ہے

اگر بھیجے ہوئے سامان کے بارے میں زوجین کے درمیان اختلاف ہو جائے اور وہ سامان ایسا ہے کہ فوری طور پر کھانے کے لیے نہ ہو یا وہ ایک ماہ تک بغیر سڑے گلے باقی رہ سکے تو اس وقت شوہر کا قول لائق اعتبار ہوگا، جیسے کپڑا، زندہ بکری، گھی اور شہد وغیرہ، جیسا کہ اخی زادہ نے ذکر کیا ہے۔

اور جو سامان کھانے کے لیے تیار کی گئی ہو جیسے روٹی، بھنا ہوا گوشت اگر اس میں اختلاف ہو جائے بایں طور پر کہ شوہر اس کو مہر قرار دے اور بیوی ہدیہ، تو اس صورت میں بیوی کی بات قسم کے ساتھ مان لی جائے گی اس لیے یہاں ظاہر شوہر کے دعویٰ کی تکذیب کر رہا ہے، اسی وجہ سے فقیہ ابو اللیث نے کہا کہ شوہر کی بات ایسی چیزوں کے بارے میں تصدیق نہیں کی جائے گی

جوشوہر پرواجب ہے جیسے اوڑھنی اور قمیص وغیرہ اوران میں شوہر کی بات اس وقت تک تصدیق نہیں کی جائے گی جب تک شوہر یہ دعویٰ نہ کرے کہ اوڑھنی اور قمیص کو پوشاک میں دیا ہے اگر شوہر نے پوشاک کا دعویٰ کیا اور بیوی نے اس کو ہدیہ بتایا تو شوہر کی بات مانی جائے گی اس لیے کہ ظاہر حال شوہر کے ساتھ ہے۔

منگنی کے وقت بھیجا ہوا سامان

ایک شخص نے کسی شخص کی لڑکی کے پاس نکاح کا پیغام بھیجا اور اس نے اس کے پاس چند چیزیں بھی ساتھ میں بھیجیں، پھر لڑکی کے والد نے اس لڑکی کا نکاح اس کے ساتھ نہیں کیا تو جو سامان اس نے بطور مہر بھیجا تھا اگر وہ سامان بعینہٖ موجود ہوں تو وہ صرف اسی سامان کو واپس لے گا نہ کہ اس کی قیمت، اور اگر وہ سامان استعمال کی وجہ سے متغیر ہو چکا ہے اور بعینہٖ وہ موجود نہ ہو تو پھر اس کی قیمت واپس لے گا، اس لیے کہ یہ بدلے میں تھا جو مکمل نہیں ہوا لہٰذا قیمت واپس لینا جائز ہوگا۔

اسی طرح لڑکا اس سامان کو بھی اس سے واپس لے سکتا ہے جو اس نے اس کے پاس بطور تحفہ بھیجا تھا، بشرطیکہ وہ سامان بعینہٖ اس کے پاس موجود ہو، لیکن اگر وہ خراب ہو چکا یا سڑ گل چکا ہے تو پھر وہ اس کو واپس نہیں لے گا خواہ وہ سامان خود بخود خراب ہوا ہو یا کسی کے فعل کی وجہ سے خراب ہوا ہو۔ مثال کے طور پر اس نے مٹھائی یا میوہ بھیجا تھا وہ خراب ہو گیا، تو اب وہ واپس نہیں لے گا، اس لیے کہ تحفہ کے اندر ہبہ کے معنیٰ بھی پایا جاتا ہے اور ہبہ ہلاک ہونے یا ہلاک کرنے دونوں صورت میں مانع رجوع ہے، واپسی کے لیے بعینہٖ اس کا موجود ہونا ضروری ہے تبدیلی کی صورت میں واپسی نہیں ہے۔

(وَلَوْ ادَّعَتْ أَنَّهُ) أَيْ الْمَبْعُوثَ (مِنْ الْمَهْرِ وَقَالَ هُوَ وَدِيعَةٌ فَإِنَّهُ كَانَ مِنْ جِنْسِ الْمَهْرِ فَالْقَوْلُ لَهَا، وَإِنْ كَانَ مِنْ خِلَافِهِ فَالْقَوْلُ لَهُ) بِشَهَادَةِ الظَّاهِرِ. (أَنْفَقَ) رَجُلٌ (عَلَى مُعْتَدَّةِ الْغَيْرِ بِشَرْطِ أَنْ يَتَزَوَّجَهَا) بَعْدَ عِدَّتِهَا (إنْ تَزَوَّجَتْهُ لَا رُجُوعَ مُطْلَقًا، وَإِنْ أَبَتْ فَلَهُ الرُّجُوعُ إنْ كَانَ دَفَعَ لَهَا، وَإِنْ أَكَلَتْ مَعَهُ فَلَا مُطْلَقًا) بَحْرٌ عَنْ الْعِمَادِيَّةِ. وَفِيهِ عَنْ الْمُبْتَغَى (جَهَّزَ ابْنَتَهُ بِجِهَازٍ وَسَلَّمَهَا ذَلِكَ لَيْسَ لَهُ الِاسْتِرْدَادُ مِنْهَا وَلَا لِوَرَثَتِهِ بَعْدَ أَنْ سَلَّمَهَا ذَلِكَ وَفِي صِحَّتِهِ) بَلْ تَخْتَصُّ بِهِ (وَبِهِ يُفْتَى) وَكَذَا لَوْ اشْتَرَاهُ لَهَا فِي صِغَرِهَا وَلْوَالِجِيَّةٌ. وَالْحِيلَةُ أَنْ يُشْهِدَ عِنْدَ التَّسْلِيمِ إلَيْهَا أَنَّهُ إنَّمَا سَلَّمَهُ عَارِيَّةً وَالْأَحْوَطُ أَنْ يَشْتَرِيَهُ مِنْهَا ثُمَّ تُبْرِئَهُ دُرَرٌ. (أَخَذَ أَهْلُ الْمَرْأَةِ شَيْئًا عِنْدَ التَّسْلِيمِ فَلِلزَّوْجِ أَنْ يَسْتَرِدَّهُ) لِأَنَّهُ رِشْوَةٌ.

کب شوہر کا قول قابل اعتبار ہوگا اور کب بیوی کا؟

شوہر نے کوئی سامان بیوی کے پاس بھیجا، اس کے بعد بیوی نے یہ دعویٰ کیا کہ جو سامان آپ نے بھیجا ہے وہ بطور مہر تھا۔

شوہر یہ کہتا ہے کہ نہیں وہ بطور امانت تھا، میں نے وہ سامان امانت کے طور پر بھیجا تھا، تو اس صورت میں یہ دیکھا جائے گا کہ وہ بھیجا ہوا سامان اگر مہر کے جنس سے ہے تو عورت کی بات مانی جائے گی جیسے کہ روپیہ، درہم دنانیر وغیرہ ہو اور اگر جو سامان بھیجا تھا وہ مہر کی جنس سے نہیں ہے بلکہ اس کے مخالف ہے مثال کے طور پر مہر میں روپیہ مقرر ہوا تھا اور شوہر نے کپڑا بھیجا تو اس صورت میں شوہر کی بات قابل تسلیم ہوگی، کیونکہ دونوں صورتوں میں دونوں کی ظاہر حال گواہ پیش کر رہا ہے۔

معتدۃ الغیر پر بشرط نکاح کچھ خرچہ کرنا

ایک شخص نے اپنی منکوحہ کو طلاق دیدی تھی وہ عدت گزار رہی تھی کہ دوسرے شخص نے اس معتدۃ الغیر پر کچھ رقم اس شرط کے ساتھ خرچ کر دیا کہ عدت گزرنے کے بعد اس سے شادی کروں گا یا عورت اس سے شادی کرلے گی، چنانچہ اگر عورت وعدہ کے مطابق اس سے شادی کرتی ہے تو جو کچھ اس نے خرچ کیا تھا اس کی واپسی کا سوال نہیں ہوتا ہے لیکن اگر عورت نے نکاح کرنے سے انکار کر دیا تو اس صورت میں اس مرد کو یہ حق حاصل ہے کہ جو کچھ اس نے اس پر خرچ کیا تھا یا اس کو دیا تھا سب واپس مانگ لے اور اگر وہ عورت مرد ہی کے ساتھ کھا پی رہی تھی تو پھر مرد خرچ کیا ہوا مال، یا دی ہوئی رقم واپس نہیں لے سکتا ہے، خواہ اس نے نکاح کیا ہو یا نکاح نہ کیا ہو، جیسا کہ البحر الرائق میں عمادیہ سے نقل کیا ہے۔

سامان جہیز کا واپس لینا

البحر الرائق میں مبتغی نامی کتاب سے نقل کیا ہے کہ کسی باپ نے اپنی صاحبزادی کو جہیز کا سامان دیا اور سامان جہیز سب کے سب اس کے حوالہ کر دیا تو اب باپ کو اپنی صاحبزادی سے سامان جہیز واپس لینے کا حق باقی نہیں رہتا ہے اور نہ باپ کی موت کے بعد اس کے وارثوں کو سامان جہیز واپس لینے کا شرعی حق باقی رہتا ہے بشرطیکہ باپ نے سامان جہیز اپنی صحت کے زمانے میں اس کے حوالہ کیا تھا، بلکہ اب وہ سامان مخصوص طور پر بیٹی کی ملکیت قرار پائے گا فتویٰ بھی اسی پر ہے۔ اسی طرح وہ سامان بھی باپ واپس نہیں لے سکتا ہے جس کو باپ نے بیٹی کی نابالغی کی حالت میں بطور جہیز خریدا تھا، جیسا کہ ولوالجیہ نامی کتاب میں ہے۔

سامان جہیز کی واپسی کے لیے ایک حیلہ

سامان جہیز واپس لینے کا ایک حیلہ یہ ہے کہ باپ جس وقت سامان جہیز بیٹی کے سپرد کرے اس وقت گواہ بنالے کہ میں اس کو یہ سامان بطور عاریت دے رہا ہوں اور اس باب میں زیادہ احتیاط اس میں ہے کہ باپ وہ سامان بیٹی سے خرید لے پھر بیٹی باپ کے لیے قیمت معاف کر دے، جیسا کہ درر میں ہے۔

شوہر سے لی ہوئی رقم کی واپسی

جس وقت لڑکی والوں نے لڑکی کو شوہر کے پاس بھیجا اس وقت لڑکی والوں نے شوہر سے کچھ لے لیا، تو شوہر کو شرعی طور پر

یہ حق ہے کہ وہ اپنی اس رقم کو واپس لے لے، اس لیے کہ اس وقت وہ رقم رشوت کے حکم میں تھی۔

(جَهَّزَ ابْنَتَهُ ثُمَّ ادَّعَى أَنَّ مَا دَفَعَهُ لَهَا عَارِيَةٌ وَقَالَتْ هُوَ تَمْلِيكٌ أَوْ قَالَ الزَّوْجُ ذَلِكَ بَعْدَ مَوْتِهَا لِيَرِثَ مِنْهُ وَقَالَ الْأَبُ) أَوْ وَرَثَتُهُ بَعْدَ مَوْتِهِ (عَارِيَةٌ فَ) الْمُعْتَمَدُ أَنَّ (الْقَوْلَ لِلزَّوْجِ وَلَهَا إِذَا كَانَ الْعُرْفُ مُسْتَمِرًّا أَنَّ الْأَبَ يَدْفَعُ مِثْلَهُ جِهَازًا لَا عَارِيَةً، وَ) أَمَّا (إِنْ مُشْتَرَكًا) كَمِصْرَ وَالشَّامِ (فَالْقَوْلُ لِلْأَبِ) كَمَا لَوْ أَكْثَرَ مِمَّا يُجَهَّزُ بِهِ مِثْلُهَا (وَالْأُمُّ كَالْأَبِ فِي تَجْهِيزِهَا) وَكَذَا وَلِيُّ الصَّغِيرَةِ شَرْحُ وَهْبَانِيَّةٍ. وَاسْتَحْسَنَ فِي النَّهْرِ تَبَعًا لِقَاضِي خَانْ أَنَّ الْأَبَ إِنْ كَانَ مِنَ الْأَشْرَافِ لَمْ يُقْبَلْ قَوْلُهُ أَنَّهُ عَارِيَةٌ. (وَلَوْ دَفَعَتْ فِي تَجْهِيزِهَا لِابْنَتِهَا أَشْيَاءَ مِنْ أَمْتِعَةِ الْأَبِ بِحَضْرَتِهِ وَعِلْمِهِ وَكَانَ سَاكِتًا وَزُفَّتْ إِلَى الزَّوْجِ فَلَيْسَ لِلْأَبِ أَنْ يَسْتَرِدَّ ذَلِكَ مِنَ ابْنَتِهِ) لِجَرَيَانِ الْعُرْفِ بِهِ (وَكَذَا لَوْ أَنْفَقَتِ الْأُمُّ فِي جِهَازِهَا مَا هُوَ مُعْتَادٌ وَالْأَبُ سَاكِتٌ لَا تَضْمَنُ) الْأُمُّ. وَهُمَا مِنَ الْمَسَائِلِ السَّبْعِ وَالثَّلَاثِينَ بَلِ الثَّمَانِ وَالْأَرْبَعِينَ عَلَى مَا فِي زَوَاهِرِ الْجَوَاهِرِ الَّتِي السُّكُوتُ فِيهَا كَالنُّطْقِ

سامان جہیز میں اختلاف

باپ نے بیٹی کو جہیز دیا، پھر اس نے دعویٰ کیا جو کچھ میں نے دیا تھا وہ عاریتاً دیا تھا اور بیٹی کہتی ہے وہ بطور تملیک دیا تھا یعنی مالک بنا دیا تھا، یا شوہر نے بیوی کے مرنے کے بعد تملیک ہی کا دعویٰ کیا، تا کہ شوہر اس طرح سے اس کا وارث ہو جائے اور باپ یا اس کے وارثوں نے اس کے مرنے کے بعد کہا کہ وہ بطور عاریت دیا گیا تھا تو اس باب میں قابل اعتماد قول یہ ہے کہ شوہر اور لڑکی کی بات مانی جائے گی، جب کہ وہاں کا دائمی طور پر رواج ہو کہ اس طرح کا سامان باپ اپنی بیٹی کو بطور جہیز دیتا ہے نہ کہ بطور عاریت اور اگر وہاں کا رواج مشترک ہو، کہ بعض لوگ تو بطور جہیز دیتے ہیں اور بعض بطور عاریت، جیسا کہ ملک مصر اور ملک شام کا رواج ہے تو اس صورت میں باپ کی بات مانی جائے گی، جس طرح کہ اگر جہیز کا سامان اس مقدار سے بہت زیادہ ہو جس مقدار میں عام طور پر مہر دیا جاتا ہے تو جو زیادہ ہے اس میں باپ کا قول قابل قبول ہوگا۔

جہیز کے سامان میں ماں کا حق

اور ماں باپ کے حکم میں ہے بیٹی کو جہیز کے دینے میں اور یہی حکم نابالغہ لڑکی کے ولی کا بھی ہے، یعنی ماں یا نابالغہ لڑکی کے ولی نے جو جہیز کا سامان دیا ہے وہ واپس نہیں ہوگا، جیسا کہ شرح وہبانیہ میں ہے۔ (لیکن اگر ماں یا ولی نے یہ دعویٰ کیا کہ ہم نے سامان عاریتاً دیا تھا تو اس صورت میں جو حکم باپ کا بیان کیا گیا ہے وہی حکم ماں اور ولی کا بھی ہے۔ اور النہر الفائق میں قاضی خان کی پیروی میں اس قول کو مستحسن قرار دیا گیا ہے کہ اگر باپ اشراف میں سے ہے تو اس کا قول عاریت کے بارے میں نہیں مانا

جائے گا، یعنی باپ کا یہ کہنا کہ یہ سامان بطور عاریت دیا تھا قبول نہ ہوگا۔

ماں نے باپ کے سامان کو بیٹی کے جہیز میں دیدیا تو کیا حکم ہے

اگر ماں نے بیٹی کے جہیز میں اس کے باپ کے سامانوں میں سے کچھ سامان اس کی موجودگی میں اور اس کو بتا کردے دیا اور باپ اس پر خاموش رہا اور بیٹی کو شوہر کے گھر پہنچا دیا تو اب اس کے بعد اس کے باپ کو حق باقی نہیں رہتا ہے کہ اپنے ان سامانوں کو جو جہیز میں دیا گیا ہے بیٹی سے واپس لے لے، اس لیے عام طور پر رواج یہی ہے کہ باپ جہیز کا سامان لڑکی کی ماں کے حوالے کردیا کرتا ہے کہ وہ لڑکی کو دیدے۔ اسی طرح اگر کسی ماں نے اپنی بیٹی کے جہیز میں اتنا سامان دیا جتنا وہاں کا رواج تھا اور باپ یہ دیکھ کر چپ چاپ رہا تو اس صورت میں ماں پر کوئی ضمان نہیں ہے اور یہ دونوں مسائل ان ۳۷ یا ۴۸ مسئلوں میں سے ہیں جہاں چپ رہنا بولنے کے قائم مقام ہے جیسا کہ زواھر الجواھر میں ہے۔

[فَرْعٌ] لَوْ زُفَّتْ إِلَيْهِ بِلَا جِهَازٍ يَلِيقُ بِهِ فَلَهُ مُطَالَبَةُ الْأَبِ بِالنَّقْدِ قُنْيَةٌ، زَادَ فِي الْبَحْرِ عَنْ الْمُبْتَغَى إِلَّا إِذَا سَكَتَ طَوِيلًا فَلَا خُصُومَةَ لَهُ، وَلَكِنْ فِي النَّهْرِ عَنْ الْبَزَّازِيَّةِ: الصَّحِيحُ أَنَّهُ لَا يَرْجِعُ عَلَى الْأَبِ بِشَيْءٍ لِأَنَّ الْمَالَ فِي النِّكَاحِ غَيْرُ مَقْصُودٍ (نَكَحَ ذِمِّيٌّ) أَوْ مُسْتَأْمَنٌ (ذِمِّيَّةً أَوْ حَرْبِيٌّ حَرْبِيَّةً ثَمَّةَ بِمَيْتَةٍ أَوْ بِلَا مَهْرٍ بِأَنْ سَكَتَا عَنْهُ أَوْ نَفَيَاهُ وَ) الْحَالُ أَنَّ (ذَا جَائِزٌ عِنْدَهُمْ فَوُطِئَتْ أَوْ طُلِّقَتْ قَبْلَهُ أَوْ مَاتَ عَنْهَا فَلَا مَهْرَ لَهَا) لَوْ أَسْلَمَا أَوْ تَرَافَعَا إِلَيْنَا لِأَنَّا أُمِرْنَا بِتَرْكِهِمْ وَمَا يَدِينُونَ (وَتَثْبُتُ) بَقِيَّةُ (أَحْكَامِ النِّكَاحِ فِي حَقِّهِمْ كَالْمُسْلِمِينَ مِنْ وُجُوبِ النَّفَقَةِ فِي النِّكَاحِ وَوُقُوعِ الطَّلَاقِ وَنَحْوِهِمَا) كَعِدَّةٍ وَنَسَبٍ وَخِيَارِ بُلُوغٍ وَتَوَارُثٍ بِنِكَاحٍ صَحِيحٍ وَحُرْمَةِ مُطَلَّقَةٍ ثَلَاثًا وَنِكَاحِ مَحَارِمَ. (وَإِنْ نَكَحَهَا بِخَمْرٍ أَوْ خِنْزِيرٍ عَيْنٍ) أَيْ مُشَارٍ إِلَيْهِ (ثُمَّ أَسْلَمَا أَوْ أَسْلَمَ أَحَدُهُمَا قَبْلَ الْقَبْضِ فَلَهَا ذَلِكَ) فَتُخَلِّلُ الْخَمْرَ وَتُسَيِّبُ الْخِنْزِيرَ، وَلَوْ طَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُولِ فَلَهَا نِصْفُهُ (وَ) لَهَا (فِي غَيْرِ عَيْنٍ) قِيمَةُ الْخَمْرِ وَمَهْرُ الْمِثْلِ فِي الْخِنْزِيرِ، إِذْ أَخْذُ قِيمَةِ الْقِيَمِيِّ كَأَخْذِ عَيْنِهِ

نقدی مطالبہ کرنے کا حق

اگر لڑکی کو اس کے مناسب جہیز دیئے بغیر شوہر کے پاس بھیج دیا گیا ہے تو شوہر کے لیے لڑکی کے باپ سے اتنی ہی نقدی مطالبہ کرنے کا حق ہے جیسا کہ قنیہ میں ہے۔ (دراصل یہ صورت اس جگہ کے لیے مخصوص ہے جہاں یہ رواج ہو کہ لڑکی کا ولی شوہر سے نکاح کے واسطے بطور نقد کچھ وصول کرتا ہو اور اس نقد سے کچھ سامان لڑکے کے لیے بنایا جاتا ہو اور کچھ سامان لڑکی کے لئے، اب نقد لینے کے بعد جو سامان اس لڑکے کے لیے تیار ہوا ہے وہ لڑکے کو نہ ملا تو لڑکا وہ نقد مطالبہ کرسکتا ہے)۔

لیکن البحرالرائق میں مجتبیٰ نامی کتاب سے یہ زیادہ کیا ہے کہ اگر شوہر بہت دنوں تک خاموش رہا تو پھر اس نفقہ کے مطالبہ کا حق ختم ہو جاتا ہے اس کے لیے زیادہ دنوں تک خاموشی اختیار کرنا رضامندی کی دلیل ہے، لیکن النہرالفائق میں فتاویٰ بزازیہ سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ اس بارے میں صحیح قول یہ ہے کہ شوہر لڑکی کے باپ سے کچھ بھی مطالبہ کرنے کا حق نہیں رکھتا ہے اس لیے کہ نکاح کے اندر مال مقصود نہیں ہوا کرتا ہے۔

کافرہ عورت کے مہر میں مردار اور شراب مقرر کرنا

کسی ذمی نے یا مستامن (یعنی ویزا لے کر دارالاسلام میں رہنے والا کافر) نے کسی ذمیہ سے نکاح کیا یا کسی حربی شخص نے حربیہ عورت سے نکاح کیا اور نکاح دارالحرب ہی میں ہوا اور مہر میں مردار جانور کو مقرر کیا، یا بلا مہر ہی کے نکاح کر لیا بایں طور کہ دونوں ہی مہر کے ذکر سے خاموش رہے یا ان دونوں نے صراحت کے ساتھ مہر کی نفی کر دی اور اس طرح کرنا ان کے مذہب میں جائز ہو، پھر اس نکاح کے بعد اس ذمیہ یا حربیہ سے وطی کی گئی یا وطی سے پہلے اس کی طلاق ہوگئی، یا شوہر کا انتقال ہو گیا، تو مذکورہ تمام صورتوں میں عورت کو کچھ بھی مہر نہیں ملے گا اور نہ ہی ان کو متعہ ملے گا اگرچہ وہ دونوں مسلمان ہو گئے ہوں اور مسلمان قاضی کے پاس مقدمہ دائر کیا ہو پھر بھی مہر نہیں ملے گا اس لیے کہ ہم مسلمان حکمرانوں کے لیے شریعت کی طرف سے یہ حکم ہے کہ ذمیوں کو ان کے دین و مذہب پر باقی رکھا جائے اور اسلامی احکام ان پر جاری نہ کئے جائیں۔ (یہی وجہ ہے کہ دارالاسلام میں اگر ذمی سود کھائے، یا شراب پیئے یا اس کا لین دین کرے تو ان کو روکنے کی اجازت نہیں ہے)۔ (شامی: ۴/ ۳۱۲)

ذمیوں پر مہر کے علاوہ دیگر احکام کا نفاذ

مہر کے علاوہ نکاح کے اور دیگر احکامات ذمیوں کے لیے اسی طرح ثابت ہوں گے جس طرح مسلمانوں کے لیے ثابت ہوتے ہیں، جیسے نکاح میں نان ونفقہ کے وجوب کا مسئلہ، وقوع طلاق کا مسئلہ اور ان کے علاوہ دوسرے احکامات مثلاً عدت، خیار بلوغ، نسب کا ثبوت اور نکاح صحیح کی وجہ سے وارث ہونا، مطلقہ ثلاثہ کا حرام ہونا، محارم کے ساتھ نکاح کا حرام ہونا، یہ تمام احکامات مذکورہ ذمیوں پر اس وقت لاگو ہوں گے جب وہ بھی ان کا باہم اعتقاد رکھتے ہوں اور مقدمہ مسلمان قاضی کے سامنے پیش کریں۔ (شامی: ۴/ ۳۱۲)

شراب معین اور خنزیر معین پر نکاح کرنے کا حکم

اگر کسی ذمی شخص نے کسی ذمیہ عورت سے معین شراب یا معین خنزیر پر نکاح کیا یعنی شراب اور خنزیر کو اشارہ کر کے متعین کر دیا، پھر وہ دونوں مسلمان ہو گئے، یا مہر پر قبضہ کرنے سے پہلے پہلے ان دونوں میں سے کوئی ایک مسلمان ہو گیا، تو اس صورت میں عورت کو وہی معین شراب اور وہی معین خنزیر بطور مہر ملے گا، اب وہ اس شراب کو سرکہ بنا کر کام میں لا سکتی ہے البتہ

خنزیر کو چھوڑ دے گی اور اگر اس نے ذمیہ عورت کو دخول سے پہلے طلاق دیدی تو اس صورت میں اس مہر معین کا آدھا ملے گا، یعنی آدھی شراب اور آدھا خنزیر۔

اور اگر مہر میں معین شراب اور معین خنزیر پر نہیں تھا بلکہ مطلقاً شراب یا مطلقاً خنزیر تھا تو شراب کی صورت میں عورت کو شراب کی قیمت ملے گی اور خنزیر کی صورت میں مہر مثل ملے گا اور سور کی صورت میں اس کی قیمت لینا اس لیے جائز نہیں ہے کہ قیمت والی چیز کی قیمت لینا بعینہ ایسا ہے جیسا کہ اس نے وہی چیز لے لی ہے تو خنزیر کی قیمت لینا خنزیر لینے کے حکم میں ہوگا جو نجس العین اور مسلمانوں کے لیے حرام ہے۔

[فُرُوعٌ] الْوَطْءُ فِي دَارِ الْإِسْلَامِ لَا يَخْلُو عَنْ حَدٍّ أَوْ مَهْرٍ إلَّا فِي مَسْأَلَتَيْنِ: صَبِيٌّ نَكَحَ بِلَا إذْنٍ وَطَاوَعَتْهُ، وَبَائِعُ أَمَتِهِ قَبْلَ تَسْلِيمٍ، وَيَسْقُطُ مِنَ الثَّمَنِ مَا قَبْلَ الْبَكَارَةِ وَإِلَّا فَلَا. تَدَافَعَتْ جَارِيَةٌ مَعَ أُخْرَى فَأَزَالَتْ بَكَارَتَهَا لَزِمَهَا مَهْرُ الْمِثْلِ. لِأَبِي الصَّغِيرَةِ الْمُطَالَبَةُ بِالْمَهْرِ، وَلِلزَّوْجِ الْمُطَالَبَةُ بِتَسْلِيمِهَا إنْ تَحَمَّلَتْ الرَّجُلَ. قَالَ الْبَزَّازِيُّ: وَلَا يُعْتَبَرُ السِّنُّ، فَلَوْ تَسَلَّمَهَا فَهَرَبَتْ لَمْ يَلْزَمْهُ طَلَبُهَا، خَدَعَ امْرَأَةً وَأَخَذَهَا حُبِسَ إلَى أَنْ يَأْتِيَ بِهَا وَيُعْلَمَ مَوْتُهَا. الْمَهْرُ مَهْرُ السِّرِّ، وَقِيلَ الْعَلَانِيَةِ. الْمُؤَجَّلُ إلَى الطَّلَاقِ يَتَعَجَّلُ بِالرَّجْعِيِّ وَلَا يَتَأَجَّلُ بِمُرَاجَعَتِهَا. وَلَوْ وَهَبَتْهُ الْمَهْرَ عَلَى أَنْ يَتَزَوَّجَهَا فَأَبَى فَالْمَهْرُ بَاقٍ نَكَحَهَا أَوْ لَا. وَلَوْ وَهَبَتْهُ لِأَحَدٍ وَوَكَّلَتْهُ بِقَبْضِهِ صَحَّ. وَلَوْ أَحَالَتْ بِهِ إنْسَانًا ثُمَّ وَهَبَتْهُ لِلزَّوْجِ لَمْ تَصِحَّ، وَهَذِهِ حِيلَةُ مَنْ يُرِيدُ أَنْ يَهَبَ وَلَا تَصِحُّ

شارح کی طرف سے اضافہ شدہ مسائل کا بیان

حضرت شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ دارالاسلام میں ملک یمین کے علاوہ وطی کرنا دو چیزوں میں سے ایک سے خالی نہیں ہوتا ہے یا تو وطی کی وجہ سے حد واجب ہوگی یا اس پر مہر لازم ہوگا ہاں دو مسئلے ایسے ہیں کہ ان میں وطی کرنے سے نہ حد واجب ہے نہ مہر، ان میں سے ایک مسئلہ یہ ہے کہ کسی نابالغ لڑکے نے کسی بالغہ لڑکی سے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرلیا اور عورت نے وطی میں نابالغ لڑکے کی اطاعت کی تو اس صورت میں نہ حد ہوگی نہ مہر۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ باندی کو فروخت کرنے والے نے باندی کو سپرد کرنے سے پہلے اس کے ساتھ وطی کرلیا تو اس صورت میں وطی کرنے والے پر نہ حد جاری ہوگی اور نہ مہر لازم ہوگا البتہ پردہ بکارت کے زائل ہونے کی وجہ سے اس مقدار تک باندی کی قیمت کم ہوجائے گی، اس لیے کہ اس کی بکارت کو فروخت کرنے والے نے زائل کردی ہے اور اگر وہ باندی باکرہ نہ تھی اور وطی کی وجہ سے بکارت زائل نہ ہوئی تو پھر قیمت میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔

پردۂ بکارت زائل کرنے کا بدلہ

ایک لڑکی نے کسی دوسری لڑکی کو دھکا دیا اور دھکیلا جس کی وجہ سے اس کی بکارت زائل ہوگئی، تو اس صورت میں دھکیلنے والی عورت پر مہر مثل لازم ہوگا، اس لیے کہ اس کے دھکا دینے کی وجہ سے بکارت زائل ہوئی گویا یہی عورت کی بکارت زائل ہونے کا سبب بنا اس لیے مہر مثل اس پر لازم ہوگا۔

نابالغہ لڑکی شوہر کے حوالے کب ہوگی؟

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ نابالغہ لڑکی کے باپ کو شرعی طور پر یہ حق پہنچتا ہے کہ اس کے شوہر سے مہر کا مطالبہ کرلے، اگرچہ شوہر بیوی سے لطف اندوز نہ ہوا ہو، اسی طرح نابالغہ لڑکی کے شوہر کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنی نابالغہ بیوی کے سپرد کرنے کا مطالبہ کرے بشرطیکہ وہ لڑکی مرد کو برداشت کرسکتی ہو، بزازی کا کہنا ہے کہ لڑکی میں عمر کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ (یعنی اگر شوہر اور لڑکی کے باپ میں اختلاف ہوجائے شوہر کہتا ہے کہ لڑکی مرد کو برداشت کرسکتی ہے اور لڑکی کے باپ کا کہنا ہے کہ لڑکی کے اندر مرد کے برداشت کرنے کی طاقت نہیں ہے تو اس وقت لڑکی کی عمر کا کوئی اعتبار نہ ہوگا بلکہ قاضی صاحب لڑکی کو عورتوں کو دکھائے گا کہ یہ لڑکی جماع کے برداشت کرنے کے قابل ہے یا نہیں، اگر عورتیں یہ بتائیں کہ ہاں یہ لڑکی مرد کو برداشت کرسکتی ہے تو اس صورت میں شوہر کے حوالہ کردی جائے گی اور اگر یہ بتائیں کہ لڑکی مرد کو برداشت کرنے کے لائق نہیں ہے تو شوہر کے حوالہ نہیں کی جائے گی۔

اگر لڑکی کے باپ نے اپنی نابالغہ لڑکی کو شوہر کے حوالہ کردیا، لیکن وہ لڑکی شوہر کے پاس سے بھاگ گئی تو شوہر پر اس لڑکی کی تلاش لازم نہیں ہے اس لیے کہ آزاد عورت کے گم ہوجانے سے ضمان واجب نہیں ہوتا ہے۔

عورت کو بھگانے والے کی سزا

کسی شخص نے کسی عورت کو دھوکہ دیا اور اس کو بھگالے گیا تو اس صورت میں اس شخص کو قید کردیا جائے گا جب تک کہ وہ اس عورت کو واپس نہ لے آئے یا اس عورت کے مرجانے کا علم نہ ہوجائے۔

مسئلہ مہر کا بیان

مہر وہی معتبر ہوتا ہے جو پوشیدگی کا مہر ہو اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ مہر وہ معتبر ہے جو ظاہر کا مہر ہو، (یہاں مسئلہ کی دو صورت ہیں: ایک یہ کہ میاں بیوی نے کسی ایک خاص مقدار کو مہر متعین کیا اور خفیہ طور پر اس پر اتفاق کرلیا، پھر مجمع عام میں لوگوں کو دکھانے کے لیے اس سے زیادہ مقرر کیا جو خفیہ طور مقرر کیا تھا، تو اس صورت میں پوشیدگی کے مہر کا اعتبار ہوگا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ زوجین نے خفیہ طور پر ایک خاص مہر پر اتفاق کیا پھر لوگوں کے سامنے دکھلانے کے لیے اس سے زیادہ کا اقرار کیا پس اگر دونوں نے اس پر اتفاق کرلیا یا دونوں نے گواہ پیش کردیا کہ زیادہ محض دکھلانے کے لیے تھا تو اس صورت میں وہی مہر قابل

اعتبار ہوگا جو خفیہ طور پر مقرر کیا تھا اور اگر گواہ پیش نہ کر سکا تو حضرات طرفین کے نزدیک مہر اول متعین ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک دوسرا مہر واجب ہوگا اور یہ سارا مہر اول پر زیادتی ہوگی)۔ (شامی: ۳۱۰/۴)

اور جو مہر طلاق تک مؤجل ہو، وہ طلاق رجعی دینے سے معجّل ہو جاتا ہے پھر رجعت کر لینے سے دوبارہ مؤجل نہیں بنتا ہے، عورت نے اس شرط کے ساتھ مہر بخش دیا کہ مرد اس کے ساتھ نکاح کر لے، مرد نے اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تو وہ مہر اس کے ذمہ باقی رہا خواہ اس نے عورت سے نکاح کیا ہو یا نکاح نہ کیا ہو۔ (اس مسئلہ کی وضاحت اس طرح ہے کہ ایک شخص نے اپنی مطلقہ بیوی سے یوں کہا کہ میں تجھ سے نکاح اس وقت تک نہیں کرونگا جب تک تو اپنا مہر معاف نہ کردے عورت نے بشرط نکاح مہر معاف کر دیا پھر مرد نے انکار کر دیا تو مہر باقی رہے گا، مہر ساقط نہیں ہوگا)۔

مسئلہ: کسی عورت نے اپنا مہر کسی کو ہبہ کر دیا اور اسی شخص کو مہر قبضہ کرنے کا وکیل بنا دیا تو اس طرح کرنا صحیح ہے۔ اور اگر عورت نے اپنے شوہر سے یوں کہا کہ میرا مہر فلاں آدمی کو دیدو اور شوہر نے اس کو قبول کر لیا، پھر عورت نے وہی مہر شوہر کو ہبہ کر دیا تو اس کا اس طرح ہبہ کرنا صحیح نہیں ہوگا کیوں کہ وہ پہلے دوسرے کے حوالہ کر چکی ہے، لہٰذا اب کسی اور کو نہیں دے سکتی ہے اور یہ ایک حیلہ ہے اس شخص کے لیے جو یہ چاہتا ہے ہبہ کیا جائے اور ہبہ درست نہ ہو۔

بَابُ نِكَاحِ الرَّقِيقِ

یہ باب غلام کے نکاح کے احکام و مسائل کے بیان میں ہے

ترجمہ وتشریح: جب حضرت مصنف علیہ الرحمہ آزاد شخص اور ان لوگوں کے نکاح کے احکام بیان کر کے فارغ ہو گئے جو نکاح کے اہل تھے تو اب اس کے بعد ان لوگوں کے نکاح کے مسائل بیان کرنا شروع کر رہے ہیں جو خود نکاح کرنے کے اہل نہیں ہیں اور وہ غلام اور باندی ہے۔ اور اس باب کو "باب نکاح الکافر" پر اس لیے مقدم فرمایا کہ اسلام غالب اور بلند ہونے والا ہے، اس لیے اسلام کی عظمت کے پیش نظر اس کو مقدم فرمایا ہے۔

هُوَ الْمَمْلُوكُ كُلًّا أَوْ بَعْضًا، وَالْقِنُّ الْمَمْلُوكُ كُلًّا. (تَوَقَّفَ نِكَاحُ قِنٍّ وَأَمَةٍ وَمُكَاتَبٍ وَمُدَبَّرٍ وَأُمِّ وَلَدٍ عَلَى إِجَازَةِ الْمَوْلَى، فَإِنْ أَجَازَ نَفَذَ، وَإِنْ رَدَّ بَطَلَ) فَلَا مَهْرَ مَا لَمْ يَدْخُلْ فَيُطَالَبُ بِمَهْرِ الْمِثْلِ بَعْدَ عِتْقِهِ، ثُمَّ الْمُرَادُ بِالْمَوْلَى مَنْ لَهُ وِلَايَةُ تَزْوِيجِ الْأَمَةِ كَأَبٍ وَجَدٍّ وَقَاضٍ وَوَصِيٍّ وَمُكَاتَبٍ وَمُفَاوِضٍ وَمُتَوَلٍّ، وَأَمَّا الْعَبْدُ فَلَا يَمْلِكُ تَزْوِيجَهُ إِلَّا مَنْ يَمْلِكُ إِعْتَاقَهُ دُرَرٌ (فَإِنْ) (نَكَحُوا بِالْإِذْنِ فَالْمَهْرُ وَالنَّفَقَةُ عَلَيْهِمْ) أَيْ عَلَى الْقِنِّ وَغَيْرِهِ لِوُجُودِ سَبَبِ الْوُجُوبِ مِنْهُ (وَيَسْقُطَانِ بِمَوْتِهِمْ) لِفَوَاتِ مَحَلِّ الْاِسْتِيفَاءِ (وَبِيعَ قِنٌّ فِيهِمَا لَا) يُبَاعُ (غَيْرُهُ) كَمُدَبَّرٍ بَلْ يَسْعَى، وَلَوْ مَاتَ مَوْلَاهُ لَزِمَهُ

جُمْلَةً إِنْ قَدَرَ نَهْرٌ وَقُنْيَةٌ (وَلٰكِنَّهُ يُبَاعُ فِي النَّفَقَةِ مِرَارًا) إِنْ تَجَدَّدَتْ (وَفِي الْمَهْرِ مَرَّةً) وَيُطَالَبُ بِالْبَاقِي بَعْدَ عِتْقِهِ إِلَّا إِذَا بَاعَهُ مِنْهَا خَانِيَةٌ.

غلام کا نکاح

فرماتے ہیں کہ ”رقیق“ اس غلام کو کہتے ہیں جو پورے طور پر غلام ہو یا اس کا کچھ حصہ غلام ہو۔ اور ”قِن“ اس غلام کو کہتے ہیں جو پورے طور پر غلام ہو، تو رقیق اور قِن، اسی طرح باندی، مکاتب، مدبر اور ام ولد کا نکاح آقا کی اجازت پر موقوف رہتا ہے، اگر اس نے اجازت دیدی تو نکاح جائز ہوگا اور اگر اس نے نکاح رد کر دیا تو نکاح باطل ہو جائے گا۔

مکاتب، مدبر اور ام ولد کی تعریف

مکاتب اس غلام کو کہا جاتا ہے جس کو آقا نے یہ کہا کہ تو اتنے روپیہ کما کر مجھے دیدے اور تو آزاد ہے۔ اور مدبر اس غلام کو کہا جاتا ہے جس کو آقا نے یہ کہا کہ تو میرے مرنے کے بعد آزاد ہے۔ اور ام ولد اس باندی کو کہا جاتا ہے جس سے آقا نے وطی کی اور اس سے بچہ پیدا ہوا پھر آقا نے اس کا اقرار کیا، تو اب یہ باندی ام ولد ہو جائے گی اور آقا کی موت کے بعد خود بخود آزاد ہو جائے گی۔

مالک کی اجازت کے بغیر غلام وغیرہ جو نکاح کرے گا اس نکاح میں مہر اس وقت تک لازم نہیں ہوتا ہے جب تک کہ وہ بیوی کے ساتھ صحبت نہ کرے اور وطی کے بعد بیوی کی طرف سے مہر مثل کا مطالبہ ہوگا مگر اس کے آزاد ہونے کے بعد نہ کہ آزاد ہونے سے پہلے۔ اور یہاں مولیٰ سے مراد وہ شخص ہے جس کو باندی کا نکاح کر دینے کی ولایت حاصل ہو، جیسے کہ باندی کا باپ، دادا، قاضی، وصی، مکاتب، مفاوض اور متولی وغیرہ، چنانچہ باپ اپنی نابالغہ بیٹی باندی کا نکاح کر سکتا ہے، اسی طرح باندی کا نکاح دادا، قاضی اور وصی وغیرہ بھی کر سکتا ہے، لیکن ان کو اس کا اختیار نہیں ہے کہ ان کا نکاح اپنے غلام کے ساتھ کر دیں، اسی طرح مکاتب غلام اپنی باندی کا اور مفاوض کو شرکت کی باندی کے نکاح کا اور متولی کو بیت المال کی باندی کے نکاح کر دینے کا اختیار ہوتا ہے۔

غلام کا نکاح کون کرے؟

اور غلام کا نکاح صرف وہی شخص کر سکتا ہے جو اس کے آزاد کرنے کا حق رکھتا ہے جیسا کہ دُرر نامی کتاب میں ہے (چنانچہ اگر غلام کا نکاح اس کا باپ کر دے تو جائز نہ ہوگا، اس لیے کہ باپ آزاد کرنے کا مالک نہیں ہے)۔

اگر غلام وغیرہ آقا کی اجازت سے نکاح کریں تو ان کی بیویوں کے مہر اور نان ونفقہ خود ان غلام وغیرہ پر لازم ہوگا، اس لیے کہ مہر اور نان ونفقہ کے واجب ہونے کا سبب خود یہی غلام ہیں اور جب یہ غلام وغیرہ مر جائیں تو ان کی موت کی وجہ سے مہر اور نان ونفقہ ساقط ہو جائے گا، اس لیے کہ ان کے مر جانے کے بعد مہر اور نفقہ لینے کا محل باقی نہ رہا۔

مہر ونان ونفقہ کی ادائیگی کے لیے غلام شوہر کو فروخت کرنا

مسئلہ یہ ہے کہ بیوی کے مہر اور اس کے نان ونفقہ ادا کرنے کے واسطے غلام شوہر کو بیچ دینا جائز ہے تاکہ اس کی قیمت سے

مہر اور نفقہ ادا کیا جائے اور بیوی کے مہر اور نان ونفقہ کی ادائیگی کے لیے خالص غلام کے علاوہ مدبر، مکاتب وغیرہ کوفروخت کرنا جائز نہیں ہے؛ بلکہ ان غلاموں سے محنت ومزدوری کرا کے مہر اور نفقہ کا انتظام کیا جائے گا۔

اگر مدبر کا آقا مر جائے تو بشرط قدرت مدبر پر مہر اور نفقہ لازم ہوگا اور اگر مہر اور نفقہ دینے پر قدرت نہ ہو تو جب تک قدرت حاصل نہ ہو جائے انتظار کیا جائے گا، جیسا کہ النہر الفائق اور قنیہ میں ہے۔ اور قن یعنی خالص غلام کو اس کی بیوی کے نفقہ میں بار بار فروخت کیا جائے گا اور مہر کی ادائیگی کے لیے صرف ایک بار فروخت کیا جائے گا اور اگر اس کے باوجود کچھ مہر باقی رہ جائے تو اس کے آزاد ہونے کے بعد اس سے اس کا مطالبہ کیا جائے گا، ہاں اگر غلام کے مالک نے غلام کو خود اسی کی بیوی کے ہاتھ فروخت کر دیا تو اس صورت میں باقی مہر کا مطالبہ نہ ہوگا۔

(وَلَوْ) (زَوَّجَ) الْمَوْلَى (أَمَتَهُ مِنْ عَبْدِهِ) (لَا يَجِبُ الْمَهْرُ) فِي الْأَصَحِّ وَلْوَالِجِيَّةٌ. وَقَالَ الْبَزَّازِيُّ: بَلْ يَسْقُطُ، وَمَحَلُّ الْخِلَافِ إذَا لَمْ تَكُنْ الْأَمَةُ مَأْذُونَةً مَدْيُونَةً، فَإِنْ كَانَتْ بِيعَ أَيْضًا لِأَنَّهُ يَثْبُتُ لَهَا ثُمَّ يَنْتَقِلُ لِلْمَوْلَى نَهْرٌ (فَلَوْ بَاعَهُ سَيِّدُهُ بَعْدَمَا زَوَّجَهُ امْرَأَةً فَالْمَهْرُ بِرَقَبَتِهِ يَدُورُ مَعَهُ أَيْنَمَا دَارَ كَدَيْنِ الِاسْتِهْلَاكِ) لَكِنْ لِلْمَرْأَةِ فَسْخُ الْبَيْعِ لَوْ الْمَهْرُ عَلَيْهِ لِأَنَّهُ دَيْنٌ فَكَانَتْ كَالْغُرَمَاءِ مِنَحٌ (وَقَوْلُهُ لِعَبْدِهِ طَلِّقْهَا رَجْعِيَّةً إجَازَةٌ) لِلنِّكَاحِ (الْمَوْقُوفِ، لَا طَلِّقْهَا أَوْ فَارِقْهَا) لِأَنَّهُ يُسْتَعْمَلُ لِلْمُتَارَكَةِ، حَتَّى لَوْ أَجَازَهُ بَعْدَ ذَلِكَ لَا يَنْفُذُ، بِخِلَافِ الْفُضُولِيِّ (وَإِذْنُهُ لِعَبْدِهِ فِي النِّكَاحِ يَنْتَظِمُ جَائِزَهُ وَفَاسِدَهُ، فَيُبَاعُ الْعَبْدُ لِمَهْرِ مَنْ نَكَحَهَا فَاسِدًا بَعْدَ إذْنِهِ فَوَطِئَهَا) خِلَافًا لَهُمَا، وَلَوْ نَوَى الْمَوْلَى الصَّحِيحَ فَقَطْ تَقَيَّدَ بِهِ، كَمَا لَوْ نَصَّ عَلَيْهِ، وَلَوْ نَصَّ عَلَى الْفَاسِدِ صَحَّ وَصَحَّ الصَّحِيحُ أَيْضًا نَهْرٌ.

اپنی باندی کا نکاح اپنے غلام سے کرنے کا حکم

مسئلہ یہ ہے کہ اگر آقا نے اپنی باندی کا نکاح اپنے غلام سے کر دیا تو یہ نکاح درست ہے لیکن اس صورت میں صحیح قول کے مطابق مہر واجب نہیں ہوگا، جیسا کہ ولوالجیہ نامی کتاب میں ہے۔ اور بزازی نے کہا کہ مہر واجب تو ہوگا لیکن ساقط ہو جائے گا۔ اور یہ وجوب مہر اور عدم وجوب کا اختلاف وہاں ہے کہ جب باندی کو نہ اجازت دی گئی ہو اور نہ باندی قرض دار ہو، اس لیے کہ باندی کے لیے مہر ثابت ہونے کے بعد وہ مہر مولیٰ کی جانب منتقل ہو جائے گا۔ اور اگر باندی قرض دار ہو تو اس صورت میں غلام شوہر کو ادائے مہر کے واسطے بیچا جائے گا۔

اگر غلام نے کسی عورت سے نکاح کیا ہے اس کے بعد اس کے مولیٰ نے اس کو کسی کے ہاتھ فروخت کر دیا تو اس صورت میں اس کی بیوی کا مہر اس کی گردن پر رہے گا، جہاں بھی غلام جائے گا وہ ذمہ اس کی گردن پر باقی رہے گا، گو وہ غلام چند آدمیوں

کے ہاتھ فروخت ہو تب بھی ذمہ میں مہر باقی ہی رہے گا، جس طرح کہ اگر غلام کسی کا مال ضائع کردے تو وہ دَین اس کی گردن پر باقی رہے گا، خواہ وہ بک کر کہیں بھی چلا جائے، لیکن اگر غلام پر بیوی کا مہر باقی ہے تو بیوی آقا کی بیع کو فسخ کرا سکتی ہے، اس لیے کہ مہر بھی اس کے ذمہ بطور دَین ہی ہے اور عورت قرض خواہ کی طرح ہے، جیسا کہ منح الغفار میں ہے۔

طلاقِ رجعی کا حکم دینا

اگر آقا نے اپنے غلام سے یہ کہا کہ تم اپنی بیوی کو طلاقِ رجعی دیدو، تو یہ آقا کی طرف سے نکاح موقوف کی اجازت ہوگی، اس لیے کہ طلاقِ رجعی نکاحِ صحیح کے بغیر نہیں ہوسکتی ہے، طلاقِ رجعی دینے کا حکم دینا اس بات کی دلیل ہے کہ آقا اس نکاح کو تسلیم کررہا ہے جو غلام نے اس کی اجازت کے بغیر کرلیا تھا، لیکن اگر آقا نے اپنے غلام سے یوں کہا: طَلِّقْهَا تم اس کو طلاق دیدو، فَارِقْهَا تم اس کو چھوڑ دو، تو یہ نکاح موقوف کی اجازت نہیں ہوگی، اس لیے کہ مطلق لفظ طلاق اور لفظ فراق چھوڑ دینے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، اس لیے کہ اگر آقا نے اس کے بعد اس نکاح کی اجازت دی تو نکاح فاسد نہ ہوگا، اس کے برخلاف فضولی کا معاملہ ہے، یعنی اگر فضولی شخص نے کسی آدمی کا نکاح کسی عورت کے ساتھ کرادیا جب اس آدمی کو نکاح کی خبر ملی تو اس نے کہا اس کو طلاق دیدو، تو یہ جملہ نکاح کے لیے اجازت سمجھا جائے گا، کیوں کہ شوہر کو طلاق دینے کا اختیار ہے وہ خود بھی طلاق دے سکتا ہے اور طلاق کا حکم بھی دے سکتا ہے اور طلاق بغیر نکاح کے نہیں ہوتی ہے اس لیے شوہر کی طرف سے اجازت مانی جائے گی، باقی آقا اپنے غلام کی بیوی کو طلاق نہیں دے سکتا ہے۔

آقا کی طرف سے غلام کے لیے نکاح کی اجازت

اگر آقا نے اپنے غلام کو نکاح کی اجازت دیدی تو یہ اجازت نکاح جائز اور نکاح فاسد دونوں کو شامل ہے، لہٰذا غلام نے جس عورت سے آقا کی اجازت سے نکاح کیا پھر اس سے وطی کی تو اس عورت کے مہر کی ادائیگی کے لیے غلام کو فروخت کیا جائے گا، اس میں حضرات صاحبینؒ کا اختلاف ہے، ان کا کہنا یہ ہے کہ آقا کی اجازت صرف نکاح جائز کو شامل ہوگی نکاح فاسد کو شامل نہ ہوگی، لہٰذا اگر غلام نے نکاح فاسد کرلیا تو بیوی کے مہر کے واسطے غلام کو فروخت نہیں کیا جائے گا، بلکہ جب وہ آزاد ہوگا تو مہر لازم ہوگا۔

اگر آقا نے اپنے غلام کو نکاح کرنے کی اجازت دی اور اس نے صرف نکاحِ صحیح کی نیت کی تو آقا کی یہ اجازت صرف نکاحِ صحیح کو شامل ہوگی، اور اسی کے ساتھ مخصوص ہوگی، جس طرح کہ اگر اس نے نکاحِ صحیح کی صراحت کردی تو صرف نکاحِ صحیح ہی کو شامل ہوگی، اور اگر تصریح میں نکاحِ فاسد کو بھی لے لیا ہے تو نکاحِ فاسد کرنا درست ہوگا اور نکاحِ صحیح کرنا بھی درست ہوگا جیسا کہ النہر الفائق کے اندر ہے۔

(وَلَوْ) (نَكَحَهَا ثَانِيًا) صَحِيحًا (أَوْ نَكَحَ أُخْرَى (بَعْدَهَا صَحِيحًا) (وَقَفَ عَلَى الْإِجَازَةِ) لِانْتِهَاءِ

الْإِذْنِ بِمَرَّةٍ وَإِنْ نَوَى مِرَارًا، وَلَوْ مَرَّتَيْنِ صَحَّ لِأَنَّهُمَا كُلُّ نِكَاحِ الْعَبْدِ، وَكَذَا التَّوْكِيلُ بِالنِّكَاحِ (بِخِلَافِ التَّوْكِيلِ بِهِ) فَإِنَّهُ لَا يَتَنَاوَلُ الْفَاسِدَ فَلَا يَنْتَهِي وَبِهِ يُفْتَى. وَالْوَكِيلُ بِنِكَاحٍ فَاسِدٍ لَا يَمْلِكُ الصَّحِيحَ، بِخِلَافِ الْبَيْعِ ابْنُ مَالِكٍ. وَفِي الْأَشْبَاهِ مِنْ قَاعِدَةِ الْأَصْلِ فِي الْكَلَامِ الْحَقِيقَةِ الْإِذْنُ فِي النِّكَاحِ وَالْبَيْعِ وَالتَّوْكِيلُ بِالْبَيْعِ يَتَنَاوَلُ الْفَاسِدَ، وَبِالنِّكَاحِ لَا، وَالْيَمِينُ عَلَى نِكَاحٍ وَصَلَاةٍ وَصَوْمٍ وَحَجٍّ وَبَيْعٍ، إِنْ كَانَتْ عَلَى الْمَاضِي يَتَنَاوَلُهُ، وَإِنْ عَلَى الْمُسْتَقْبَلِ لَا. (وَلَوْ زَوَّجَ عَبْدًا لَهُ مَأْذُونًا مَدْيُونًا صَحَّ وَسَاوَتْ) الْمَرْأَةُ (الْغُرَمَاءَ فِي مَهْرِ مِثْلِهَا) وَالْأَقَلُّ (وَالزَّائِدُ) عَلَيْهِ (تُطَالِبُ بِهِ) بَعْدَ اسْتِيفَاءِ الْغُرَمَاءِ (كَدَيْنِ الصِّحَّةِ مَعَ) دَيْنِ (الْمَرَضِ) إِلَّا إِذَا بَاعَهُ مِنْهَا كَمَا مَرَّ. (وَلَوْ زَوَّجَ بِنْتَهُ مُكَاتَبَهُ ثُمَّ مَاتَ لَا يَفْسُدُ النِّكَاحُ) لِأَنَّهَا لَمْ تَمْلِكِ الْمُكَاتَبَ بِمَوْتِ أَبِيهَا (إِلَّا إِذَا عَجَزَ فَرُدَّ فِي الرِّقِّ) فَحِينَئِذٍ يَفْسُدُ لِلتَّنَافِي.

غلام کا نکاح آقا کی اجازت پر

آقا نے اپنے غلام کو علی الاطلاق نکاح کرنے کی اجازت دی، چنانچہ اس کے غلام نے پہلے نکاح فاسد کیا پھر دوبارہ اس سے نکاح صحیح کیا، یا نکاح فاسد کے بعد کسی دوسری عورت سے نکاح صحیح کیا تو یہ نکاح صحیح آقا کی اجازت پر موقوف رہے گا، اس لیے کہ آقا کی اجازت ایک مرتبہ نکاح کر لینے پر ختم ہو چکی ہے اگرچہ آقا نے چند مرتبہ نکاح کی نیت کی ہو، تو بھی نکاح ثانی آقا کی اجازت پر موقوف رہے گا۔ اور اگر آقا نے دوبارہ اجازت دینے میں دو عورتوں سے نکاح کی نیت کی، تو نیت صحیح ہے اور غلام کو دوسری عورت سے نکاح کرنا صحیح ہوگا اور دو سے زیادہ نکاح کی اجازت بھی غلام کو نہیں ہے۔

اسی طرح نکاح میں وکیل بنانا ہے یعنی اگر کسی نے کسی آدمی کو نکاح کا وکیل بنایا تو وکیل کو صرف ایک مرتبہ نکاح کرنے کا اختیار ہوگا دوسری مرتبہ نکاح کا اختیار حاصل نہ ہوگا، ہاں یہ بات ہے کہ آقا کی اجازت نکاح فاسد اور نکاح صحیح دونوں کو شامل ہے جب کہ وکیل نکاح کی وکالت صرف نکاح صحیح کو شامل ہے نکاح فاسد کی وکالت اس میں شامل نہ ہوگی، چنانچہ اگر وکیل نکاح نے فاسد نکاح کر دیا تو نکاح نافذ نہ ہوگا اور نکاح فاسد کرنے کی وجہ سے اس کی وکالت بھی ختم نہیں ہوگی، یہی وجہ ہے کہ اگر اس نے دوبارہ نکاح صحیح کر دیا تو نکاح نافذ ہو جائے گا اسی پر فتویٰ بھی ہے۔

اسی طرح جس آدمی کو نکاح فاسد کا وکیل بنایا گیا وہ نکاح صحیح کا وکیل نہ ہوگا، اس کے برخلاف وکیل بالبیع ہے اگر اس کو بیع فاسد کا وکیل بنایا گیا تو وہ بیع صحیح کا وکیل ہوگا جیسا کہ ابن ملک نے ذکر کیا ہے۔

دائرۂ اجازت

اور الاشباہ والنظائر میں جہاں یہ اصول بیان کیا گیا ہے کہ اصل میں ہر کلام میں معنی حقیقی ہے تا کہ معنی مجازی، وہاں علامہ

ابن نجیم المصری نے یہ بیان فرمایا ہے کہ نکاح اور بیع میں اجازت اور وکالت بالبیع یہ سب فاسد کو بھی شامل ہے اور توکیل بالنکاح فاسد کو شامل نہیں ہے۔

اگر کسی آدمی نے نکاح، نماز، روزہ، حج اور بیع کے بارے میں قسم کھائی تو اگر صیغۂ ماضی کے ساتھ قسم کھائی ہے تو یہ فاسد کو بھی شامل ہوگا اور اگر قسم مستقبل کے صیغہ کے ساتھ کھائی ہے تو فاسد کو شامل نہ ہوگی (یعنی اگر کسی نے یوں کہا کہ خدا کی قسم! میں نے نکاح نہیں کیا، یا میں نے نماز نہیں پڑھی، تو یہ قسم فاسد اور صحیح دونوں کو شامل ہوگی۔ اور اگر یوں کہا کہ خدا کی قسم! میں نکاح نہیں کروں گا، تو یہ قسم صرف نکاح صحیح کو شامل ہوگی فاسد نکاح اس کے اندر داخل نہیں ہوگا، اگر صحیح نکاح کرے گا تو حانث ہوگا اور کفارہ لازم آئے گا اور اگر نکاح فاسد کرے گا تو نہ حانث ہوگا اور نہ کفارہ لازم ہوگا، یہی حکم نماز، روزہ اور بیع کا بھی ہے۔

قرض دار غلام کو نکاح کی اجازت

اگر آقا نے اپنے ایسے غلام کا نکاح کیا جو ماذون فی التجارۃ اور قرض دار تھا (یعنی اس غلام کو آقا نے تجارت کرنے کی اجازت دے رکھی تھی اور غلام مقروض تھا) تو یہ نکاح صحیح ہوگا اور اس کی بیوی اپنے مہر مثل یا مہر مثل سے کم جو مہر ہے اس کے وصول کرنے میں دوسرے قرض خواہوں کے برابر ہوگی، یعنی اس غلام کی کمائی سے جس طرح دوسرے قرض خواہ حضرات اپنے اپنے قرض وصول کریں گے اسی طرح بیوی بھی غلام مدیون شوہر سے مہر مثل وصول کرے گی اور جو مہر مہر مثل سے زیادہ ہوگا اس سے زائد حصہ کو قرض خواہ کا قرض ادا ہو جانے کے بعد بیوی اس سے مطالبہ کرے گی، جس طرح کہ اگر کسی شخص پر دو قرض ہوں ایک صحت کے زمانے کا، دوسرا بیماری کے زمانے کا، تو پہلے زمانۂ صحت کا قرض ادا کیا جائے گا پھر اگر اس کے بعد کچھ مال بچے گا تو زمانۂ مرض کا قرض ادا کیا جائے گا، ہاں اگر آقا نے غلام کو اس کی بیوی کے ہاتھ فروخت کر دیا تو اب وہ باقی مہر کا مطالبہ غلام شوہر سے نہیں کر سکتی ہے جیسا کہ یہ مسئلہ پہلے بھی گذر چکا ہے۔

صورتِ مسئلہ

مسئلہ کی صورت اس طرح ہے کہ ایک شخص نے اپنے قرض دار غلام کا نکاح ایک عورت سے ایک ہزار روپیہ مہر کے بدلے کر دیا اور غلام پر پہلے سے ایک ہزار روپیہ قرض بھی تھا، پھر آقا نے غلام قرض دار شوہر کو اس کی بیوی کے ہاتھ فروخت کر دیا ڈیڑھ ہزار روپیہ کے بدلہ میں، تو اس ڈیڑھ ہزار روپیہ میں سے پہلے قرض دار اور عورت اپنا اپنا حصہ لے لیں گے اس کے بعد عورت کا جو حصہ مہر میں سے باقی رہ جائے گا وہ ساقط ہو جائے گا۔

مکاتب غلام سے بیٹی کی شادی کرنا

اگر آقا نے اپنی صاحبزادی کی شادی اپنے مکاتب غلام سے کر دی اس کے بعد آقا کا انتقال ہو گیا، تو اس صورت میں

نکاح فاسد نہ ہوگا، اس لیے کہ لڑکی اپنے باپ کے مرنے کی وجہ سے مکاتب غلام کی مالک نہیں ہوئی ہے ہاں اگر وہ مکاتب غلام بدل کتابت کے ادا کرنے سے بالکل عاجز ہو جائے پھر وہ غلام بنالیا جائے گا تو اس صورت میں نکاح فاسد ہوگا، اس لیے کہ ملکیت اور زوجیت دونوں میں منافات ہے، دونوں ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے ہیں۔

(زَوَّجَ أَمَتَهُ) أَوْ أُمَّ وَلَدِهِ (لَا تَجِبُ) عَلَيْهِ (تَبْوِئَتُهَا) وَإِنْ شَرَطَهَا فِي الْعَقْدِ أَمَّا لَوْ شَرَطَ الْحُرُّ حُرِّيَّةَ أَوْلَادِهَا فِيهِ صَحَّ وَعَتَقَ كُلُّ مَنْ وَلَدَتْهُ فِي هَذَا النِّكَاحِ لِأَنَّ قَبُولَ الْمَوْلَى الشَّرْطَ وَالتَّزْوِيجَ عَلَى اعْتِبَارِهِ هُوَ مَعْنَى تَعْلِيقِ الْحُرِّيَّةِ بِالْوِلَادَةِ فَيَصِحُّ فَتْحٌ، وَمُفَادُهُ أَنَّهُ لَوْ بَاعَهَا أَوْ مَاتَ عَنْهَا قَبْلَ الْوَضْعِ فَلَا حُرِّيَّةَ. وَلَوْ ادَّعَى الزَّوْجُ الشَّرْطَ وَلَا بَيِّنَةَ لَهُ حَلَفَ الْمَوْلَى نَهْرٌ (لَكِنْ لَا نَفَقَةَ وَلَا سُكْنَى لَهَا إلَّا بِهَا) بِأَنْ يَدْفَعَهَا إلَيْهِ وَلَا يَسْتَخْدِمَهَا (وَتَخْدُمُ الْمَوْلَى وَيَطَأُ الزَّوْجُ إنْ ظَفِرَ بِهَا فَارِغَةً) عَنْ خِدْمَةِ الْمَوْلَى، وَيَكْفِي فِي تَسْلِيمِهَا قَوْلُهُ مَتَى ظَفِرْت بِهَا وَطِئْتهَا نَهْرٌ (فَإِنْ) (بَوَّأَهَا ثُمَّ رَجَعَ) عَنْهَا (صَحَّ) رُجُوعُهُ لِبَقَاءِ حَقِّهِ (وَسَقَطَتْ) النَّفَقَةُ. (وَلَوْ) (خَدَمَتْهُ) أَيْ السَّيِّدَ بَعْدَ التَّبْوِئَةِ (بِلَا اسْتِخْدَامِهِ) أَوْ اسْتَخْدَمَهَا نَهَارًا وَأَعَادَهَا لِبَيْتِ زَوْجِهَا لَيْلًا (لَا) تَسْقُطُ لِبَقَاءِ التَّبْوِئَةِ.

اپنی باندی یا ام ولد کا نکاح کرنا

آقا نے اپنی باندی یا اپنی ام ولد کا نکاح کر دیا تو نکاح کرنے کی وجہ سے آقا پر یہ واجب نہیں ہے کہ باندی یا ام ولد کو شب باشی کے لیے شوہر کے گھر بھیجے، گو اس نے بوقت نکاح شب باشی کے لیے بھیجنے کی شرط کیوں نہ لگائی ہو، اس لیے کہ آقا کا حق شوہر کے حق سے مقدم ہے، ہاں اگر اس سے پیدا ہونے والی اولاد کی آزادی کی شرط لگائی گئی ہے تو یہ شرط لگانا درست ہے اور اولاد آزاد ہوگی اور اس نکاح سے جتنی بھی اولاد پیدا ہوگی سب آزاد ہوگی، اس لیے کہ جب آقا نے یہ شرط قبول کر لیا اور نکاح کر دیا تو ولادت پر آزادی کی تعلیق ہوئی اور گویا آقا نے باندی سے یہ کہا کہ اس نکاح سے جتنے بچے یہ باندی جنے گی وہ سب آزاد ہوں گے اور اس طرح کی تعلیق درست ہے جیسا کہ فتح القدیر میں ہے، اس سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ اگر آقا نے باندی کو فروخت کر دیا یا آقا اس کو چھوڑ کر مر گیا اور یہ بچہ کے پیدا ہونے سے پہلے ہوا تو اس صورت میں اس کی اولاد کی آزادی ثابت نہ ہوگی، اس لیے کہ جب تک تعلیق کرنے والا زندہ ہوتا ہے اس وقت تک تعلیق صحیح ہوتی ہے۔ اگر باندی کے شوہر نے یہ دعویٰ کیا کہ اولاد کی آزادی کی شرط بوقت نکاح ہوئی تھی لیکن اس کے پاس کوئی گواہ نہیں ہے تو اس صورت میں آقا قسم کھائے گا جیسا کہ النہر الفائق میں ہے۔

منکوحہ باندی کا نفقہ و سکنیٰ کا وجوب

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ شب باشی کے بغیر شوہر پر اس کا نان و نفقہ اور سکنیٰ واجب نہیں ہوتا ہے اور شب

باشی کی صورت یہ ہوگی کہ آقا باندی کو شوہر کے حوالہ کردے اور اس سے بالکل خدمت نہ لے، اگر آقا نے اس طرح نہ کیا تو باندی آقا کی خدمت کرے گی اور شوہر کو جب موقع ملے گا اس سے وطی کرے گا جب بھی شوہر دیکھے کہ باندی آقا کی خدمت سے فارغ ہے تو وطی کرلے اور اس بارے میں آقا کا صرف یہ کہہ دینا کافی ہوگا کہ جب تم بیوی کو دیکھو کہ کام نہیں کررہی ہے تو تم اس سے وطی کرلیا کرو، جیسا کہ النہر الفائق میں ہے۔

شب باشی کی اجازت کے بعد رجوع

آقا نے شوہر کو شب باشی کرنے کی اجازت دیدی اس کے بعد پھر اس سے رجوع کرلیا تو اس کا یہ رجوع کرنا صحیح ہے اس لیے کہ اجازت دینے کے بعد بھی مولی کا حق باقی رہتا ہے، لیکن اجازت سے رجوع کرنے کی صورت میں شوہر سے بیوی کا نفقہ ساقط ہوجائے گا، آقا نے باندی کو شب باشی کی اجازت دیدی تھی اس کے بعد بھی اس نے آقا کی خواہش کے بغیر خدمت کی، یا آقا نے یوں کہا کہ دن میں وہ خدمت کیا کرے اور رات میں اپنے شوہر کے گھر رہا کرے تو اس صورت میں شوہر کے ذمہ سے نفقہ ساقط نہیں ہوگا، اس لیے کہ شب باشی کا حق شوہر کے ساتھ باقی ہے اور شوہر اس کے ساتھ رات گذار رہا ہے۔

(وَلَهُ) أَيِ الْمَوْلَى (السَّفَرُ بِهَا) أَيْ بِأَمَتِهِ (وَإِنْ أَبَى الزَّوْجُ) ظَهِيرِيَّةٌ (وَلَهُ إِجْبَارُ قِنِّهِ وَأَمَتِهِ) وَلَوْ أُمَّ وَلَدٍ، وَلَا يَلْزَمُهُ الِاسْتِبْرَاءُ بَلْ يُنْدَبُ، فَلَوْ وَلَدَتْ لِأَقَلَّ مِنْ نِصْفِ حَوْلٍ فَهُوَ مِنَ الْمَوْلَى وَالنِّكَاحُ فَاسِدٌ بِحَرٍ مِنَ الِاسْتِيلَادِ وَثُبُوتِ النَّسَبِ (عَلَى النِّكَاحِ) وَإِنْ لَمْ يَرْضَيَا لَا مُكَاتَبُهُ وَمُكَاتَبَتُهُ، بَلْ يَتَوَقَّفُ عَلَى إِجَازَتِهِمَا وَلَوْ صَغِيرَيْنِ الْحَاقًا بِالْبَالِغِ، فَلَوْ أَدَّيَا وَعَتَقَا عَادَ مَوْقُوفًا عَلَى إِجَازَةِ الْمَوْلَى لَا عَلَى إِجَازَتِهِمَا لِعَدَمِ أَهْلِيَّتِهِمَا إِنْ لَمْ يَكُنْ عَصَبَةٌ غَيْرَهُ، وَلَوْ عَجَزَا تَوَقَّفَ نِكَاحُ الْمُكَاتَبِ عَلَى رِضَا الْمَوْلَى ثَانِيًا لِعَوْدِ مُؤَنِ النِّكَاحِ عَلَيْهِ وَبَطَلَ نِكَاحُ الْمُكَاتَبَةِ لِأَنَّهُ طَرَأَ حِلٌّ بَاتٌّ عَلَى مَوْقُوفٍ فَأَبْطَلَهُ، وَالدَّلِيلُ يَحْمِلُ الْعَجَائِبَ، وَبَحْثُ الْكَمَالِ هُنَا غَيْرُ صَائِبٍ.

آقا کے لیے منکوحہ باندی کو سفر میں لے جانے کا حکم

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ مسئلہ یہ ہے کہ آقا اپنی منکوحہ باندی کو اپنے ساتھ سفر میں لے جانا چاہے تو لے جاسکتا ہے، اگرچہ باندی کا شوہر اس کا انکار ہی کیوں نہ کرے، جیسا کہ فتاویٰ ظہیریہ میں ہے اور آقا کو اپنے غلام اور باندی خواہ ام ولد ہی کیوں نہ ہو نکاح کے لیے اجبار کا حق حاصل ہوتا ہے کہ زور ڈال کر نکاح کرادے، (اس لیے کہ غلام اور باندی کا مولی مکمل مالک ہوتا ہے، البتہ مکاتب غلام کا نکاح مولی زبردستی نہیں کراسکتا ہے، اس لیے کہ مکاتب کے اندر ملکیت ناقص ہوتی ہے)۔ (شامی: ۴/ ۳۳۰)

باندی کے لیے استبراء

مسئلہ یہ ہے کہ مولی پر استبراء لازم نہیں ہے بلکہ صرف مستحب ہے، مطلب یہ ہے کہ جو باندی مولی کے تصرف میں تھی اس نے اس کا نکاح کسی مرد سے کر دیا تو مولی کے لیے یہ لازم اور ضروری نہیں ہے کہ پہلے تین حیض گذروا کر شوہر کے سپرد کرے، لہٰذا اگر چھ ماہ سے کم مدت میں بچہ پیدا ہوگا تو اس کا نسب مولی ہی سے ثابت ہوگا اور نکاح فاسد قرار دیا جائے گا، البحر الرائق کے باب الاستیلاد اور ثبوت النسب میں اسی طرح مذکور ہے۔

غلام اور باندی کی شادی زبردستی کر دینا

مولی کو اپنی باندی اور اپنے غلام کے نکاح کے معاملہ میں ان پر زور ڈال کر نکاح کرنے کا اختیار ہے خواہ باندی اور غلام نکاح کرنے پر راضی ہوں یا راضی نہ ہوں، البتہ مولی کو اپنے مکاتب غلام یا مکاتبہ باندی پر جبر کرنے کا اختیار نہیں ہے، ان دونوں کا نکاح ان کی اجازت پر موقوف رہے گا خواہ وہ دونوں نابالغ ہی کیوں نہ ہوں، مکاتبت کی وجہ سے یہ دونوں مسئلہ اجبار میں بالغ کے حکم میں ہوتے ہیں، لہٰذا مولی کو ان پر جبر کا اختیار نہیں ہوگا۔

اگر مکاتب غلام اور مکاتبہ باندی نے نکاح کے بعد بدلِ کتابت ادا کر دیا تو وہ شرعی اعتبار سے آزاد ہو جائیں گے اور آزادی کے بعد ان دونوں کا نکاح ان کی اجازت پر موقوف نہ ہوگا اس لیے کہ نابالغ ہونے کی وجہ سے وہ اس کے اہل نہیں نہیں، لہٰذا اگر کوئی بھی عصبہ نہ ہوں تو اس صورت میں ان کا نکاح سابق مولی کی اجازت پر موقوف ہوگا، اس لیے کہ ولی عصبہ اور دوسرے ولی نہ ہوں تو اس وقت مولی العتاقہ ہی ولی ہوتا ہے۔

مکاتبہ باندی کا نکاح

اگر مکاتب اور مکاتبہ بدلِ کتابت کے ادا کرنے سے عاجز آجائیں تو مکاتب کا نکاح مولی کی اجازت پر موقوف رہے گا اس لیے کہ یہ اب پورے طور پر غلام ہو گیا ہے اور اس کے نکاح کی مؤنت مولی پر لوٹ آئی ہے، اس لیے کہ اس صورت میں مولی ہی مالک ہے اور مکاتبہ کا نکاح بوجہ عاجزی باطل ہو جائے گا اس لیے کہ وہ نکاح جو موقوف تھا اس پر قطعی حلت طاری ہوگئی ہے، لہٰذا اس نکاح کو باطل قرار دیا گیا ہے۔

(مطلب یہ ہے کہ بدلِ کتابت کے ادا کرنے سے عاجز آجانے کی وجہ سے وہ خالص باندی اور خالص غلام ہو گیا، لہٰذا آقا کے لیے باندی سے وطی کرنے کی سابقہ اصل حلت لوٹ آئی، تو یہ اصل حلت موقوف حلت پر (جو زوج کے لیے نکاح کی بنا پر ثابت ہوئی تھی) طاری ہوگئی، اس سے مکاتبہ کا نکاح باطل ہو جائے گا۔ اور ایسا مسئلہ ایسا ہی ہو گیا جیسے کسی باندی نے مولی کی اجازت کے بغیر نکاح کر لیا پھر اس باندی کا مالک ایسا آدمی بن گیا جس کے لیے اس سے وطی حلال ہے تو اس صورت میں نکاح

باطل ہو جائے گا حلیت کے طاری ہونے کی وجہ سے ہے)۔ (شامی: ۴/۳۳۱)

دلیل سے عجیب وغریب اُمور ثابت ہوتے ہیں، لہٰذا اس مقام پر علامہ ابن الہمام کی بحث درست نہیں ہے۔

(وَلَوْ) (قَتَلَ) الْمَوْلَى (أَمَتَهُ قَبْلَ الْوَطْءِ) وَلَوْ خَطَأً فَتْحٌ (وَهُوَ مُكَلَّفٌ) فَلَوْ صَبِيًّا لَمْ يَسْقُطْ عَلَى الرَّاجِحِ (سَقَطَ الْمَهْرُ)لِمَنْعِهِ الْمُبْدَلَ كَحُرَّةٍ ارْتَدَّتْ وَلَوْ صَغِيرَةً (لَا لَوْ فَعَلَتْ ذٰلِكَ) الْقَتْلَ (امْرَأَةٌ) وَلَوْ أَمَةً عَلَى الصَّحِيحِ خَانِيَةٌ (بِنَفْسِهَا) أَوْ قَتَلَهَا وَارِثُهَا أَوْ ارْتَدَّتْ الْأَمَةُ أَوْ قَبَّلَتْ ابْنَ زَوْجِهَا كَمَا رَجَّحَهُ فِي النَّهْرِ، إذْ لَا تَفْوِيتَ مِنْ الْمَوْلَى(أَوْ فَعَلَهُ بَعْدَهُ)أَيْ الْوَطْءِ لِتَقَرُّرِهِ بِهِ، وَلَوْ فَعَلَهُ بِعَبْدِهِ أَوْ مُكَاتَبِهِ أَوْ مَأْذُونَتِهِ الْمَدْيُونَةِ لَمْ يَسْقُطْ اتِّفَاقًا. (وَالْإِذْنُ فِي الْعَزْلِ) وَهُوَ الْإِنْزَالُ خَارِجَ الْفَرْجِ (لِمَوْلَى الْأَمَةِ لَا لَهَا) لِأَنَّ الْوَلَدَ حَقُّهُ، وَهُوَ يُفِيدُ التَّقْيِيدَ بِالْبَالِغَةِ وَكَذَا الْحُرَّةُ نَهْرٌ. (وَيَعْزِلُ عَنْ الْحُرَّةِ) وَكَذَا الْمُكَاتَبَةُ نَهْرٌ بَحْثًا (بِإِذْنِهَا) لَكِنْ فِي الْخَانِيَّةِ أَنَّهُ يُبَاحُ فِي زَمَانِنَا لِفَسَادِهِ قَالَ الْكَمَالُ: فَلْيُعْتَبَرْ عُذْرًا مُسْقِطًا لِإِذْنِهَا، وَقَالُوا يُبَاحُ إسْقَاطُ الْوَلَدِ قَبْلَ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ وَلَوْ بِلَا إذْنِ الزَّوْجِ (وَعَنْ أَمَتِهِ بِغَيْرِ إذْنِهَا) بِلَا كَرَاهَةٍ، فَإِنْ ظَهَرَ بِهَا حَبَلٌ حَلَّ نَفْيُهُ إنْ لَمْ يَعُدْ قَبْلَ بَوْلٍ

سقوطِ مہر

اگر مولیٰ نے اپنی شادی شدہ باندی کو وطی یا خلوتِ صحیحہ سے پہلے قتل کر دیا، خواہ یہ قتل غلطی ہی سے کیوں نہ ہو (فتح القدیر) اور مولیٰ جو قاتل ہے وہ عاقل وبالغ ہو تو اس صورت میں باندی کے شوہر سے مہر ساقط ہو جائے گا اس لیے کہ مولیٰ نے باندی کو قتل کر کے شوہر کو اس سے فائدہ اُٹھانے سے روک دیا ہے حالانکہ مہر اسی فائدہ اُٹھانے کا بدل ہوتا ہے، جس طرح کہ اگر آزاد عورت جو کسی کی منکوحہ تھی شوہر کے وطی سے پہلے مرتد ہو جائے خواہ وہ نابالغہ ہی کیوں نہ ہو اس کا مہر ساقط ہو جائے گا اس لیے کہ جدائی عورت کی طرف سے پائی گئی ہے۔ اگر قتل کرنے والا مولیٰ نابالغ ہو تو اس صورت میں راجح قول کے مطابق شوہر کے ذمہ سے مہر ساقط نہ ہوگا، اسی طرح اگر خود عورت نے قتل کیا ہے اگرچہ وہ باندی ہو، یا اس عورت کے وارثین نے قتل کیا ہو تو اس صورت میں شوہر کے ذمہ سے مہر ساقط نہیں ہوگا اس لیے کہ مولیٰ کی طرف سے کوتاہی نہیں پائی گئی ہے صحیح قول یہی ہے جیسا کہ خانیہ میں ہے، اسی طرح اگر باندی مرتد ہو جائے یا اس نے اپنے شوہر کے لڑکے کا بوسہ لے لیا تو بھی شوہر کے ذمہ سے مہر ساقط نہیں ہوگا، النہر الفائق میں اسی قول کو راجح قرار دیا ہے، اس لیے کہ مولیٰ کی طرف سے کوئی کوتاہی نہیں پائی گئی ہے، اسی طرح اگر مولیٰ نے منکوحہ باندی کو قتل کیا لیکن وطی کے بعد کیا تو اس صورت میں بھی مہر ساقط نہ ہوگا اس لیے کہ وطی کی وجہ سے مہر ذمہ میں ثابت ہو چکا ہے۔ اور اگر مولیٰ نے اپنے غلام کو یا اپنی مکاتبہ باندی کو یا اس باندی کو قتل کر دے جس کو اجازت دے رکھی تھی اور

وہ قرض دار تھی تو بالاتفاق مہر ساقط نہیں ہوگا۔

عزل کی شرعی حیثیت

منکوحہ باندی کا شوہر جب عزل کرنا چاہے گا تو وہ اس کی اجازت اس کے مولی سے لے گا، خود باندی سے اجازت نہ لے گا اس لیے کہ باندی سے جو بچہ پیدا ہوتا ہے وہ آقا کا حق ہوتا ہے اور وہی اس کا مالک ہوتا ہے لہٰذا اس مسئلہ کا تعلق بالغہ باندی سے ہوا، نابالغہ سے نہیں اس لیے کہ نابالغہ کو حمل نہیں ہوتا ہے اسی طرح آزاد عورت کے اندر بھی بالغہ ہونے کی قید ملحوظ ہوگی، النہر الفائق میں یہ مسئلہ اسی طرح مذکور ہے۔

''عزل'' کہتے ہیں شوہر بیوی یا باندی سے وطی کرے اور جب انزال کا وقت آئے تو منی کے قطرات کو شرمگاہ میں گرانے کے بجائے باہر نکال کر گرائے اور یہ اس لیے کیا جاتا ہے تاکہ بچہ پیدا نہ ہو۔

مسئلہ: اگر شوہر آزاد عورت سے جماع کرکے عزل کرنا چاہے تو اس صورت میں اپنی بیوی کی اجازت ضروری ہے، اگر وہ اجازت دیدے تو عزل جائز ہے اور اگر اجازت نہ دے تو پھر عزل جائز نہیں ہے۔ (شامی: ۴/۳۳۵)

مسئلہ: آقا اپنی باندی سے صحبت کے بعد اس کی اجازت کے بغیر بھی عزل کرسکتا ہے، یہ متفق علیہ مسئلہ ہے۔ (شامی: ۴/۳۳۵)

آزاد عورت اور مکاتبہ سے عزل کرنا

آزاد عورت اور مکاتبہ باندی سے اس کا شوہر اس کی اجازت سے عزل کرسکتا ہے جیسا کہ النہر الفائق میں ہے لیکن فتاویٰ تتارخانیہ میں ہے کہ ہمارے زمانہ میں آزاد عورت سے بھی اس کی اجازت کے بغیر شوہر عزل کرسکتا ہے، اس لیے کہ اس زمانے میں فساد عام ہے گویا فساد زمانہ کی وجہ سے اس کی اجازت کے بغیر بھی عزل کرنا جائز ہے۔ علامہ ابن الہمام نے کہا کہ اگر ولد سوء پیدا ہونے کا اندیشہ ہو تو فساد زمان کی وجہ سے بیوی کی رضامندی کے بغیر بھی عزل جائز ہے، پس اس طرح کا عذر اس کی اجازت سے معتبر ہے۔

اسقاطِ حمل کا شرعی حکم

حضرات فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ اگر حمل پر چار ماہ نہیں گذرا ہے تو چار ماہ سے پہلے پہلے اسقاط حمل جائز ہے اگرچہ شوہر کی طرف سے اجازت حاصل نہ ہو۔ (درمختار کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ چار ماہ سے قبل اسقاط حمل علی الاطلاق جائز ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے اس بارے میں صحیح مسئلہ یہ ہے کہ بلا ضرورت شرعیہ اسقاط حمل کسی بھی طرح جائز نہیں ہے۔ اور فتاویٰ خانیہ کے باب الکراہیۃ کے اندر مذکور ہے کہ میں یہ نہیں کہتا ہوں کہ اسقاط حمل علی الاطلاق مباح ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر کوئی

حاجی جو حالت احرام میں ہو اگر وہ شکار کا انڈا توڑ دے تو اس پر ضمان عائد ہوگا کیوں کہ بچہ اسی انڈے سے جنم لیتا ہے، جب ایسی بات ہے تو جب آدمی کا بیج بالکل تیار ہونے کے قریب ہو چکا ہے اس کے بعد بلا عذر ضائع کر دینا کیسے جائز ہوگا اور بلا عذر اس طرح کرنے والا کیوں گنہگار نہیں ہوگا)۔ (شامی: ۴/۳۳۶)

عزل کے باوجود حمل ٹھہر جائے تو کیا حکم ہے؟

اپنی باندی سے اس کی اجازت کے بغیر بھی عزل کرنا جائز ہے اور اس میں کسی طرح کی کوئی کراہت بھی نہیں ہے، لہٰذا اگر کسی نے باندی سے عزل کیا اور اس کے باوجود بھی حمل قرار پا گیا تو اس کے آقا کے لیے یہ بات کہنا جائز ہے کہ کہے کہ یہ حمل مجھ سے نہیں ہے، لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ عزل کے بعد اور پیشاب کرنے سے پہلے وطی نہ کی ہو۔ اور دوسری شرط یہ ہے کہ باندی گھر سے باہر آتی جاتی ہو، اگر باندی پردہ میں رہتی ہو تو پھر آقا کے لیے نفی حمل جائز نہیں ہے، اس لیے کہ عین ممکن ہے کہ عزل کے وقت منی کے کچھ قطرات فرج کے اندر گر گئے ہوں۔ اور تیسری شرط یہ ہے کہ آقا کو ظن غالب ہو کہ واقعۃً یہ حمل اس کے نطفہ سے نہیں ہے۔

(وَخُيِّرَتْ أَمَةٌ، وَلَوْ أُمَّ وَلَدٍ (وَمُكَاتَبَةٌ) وَلَوْ حُكْمًا كَمُعْتَقَةِ بَعْضٍ (عَتَقَتْ تَحْتَ حُرٍّ أَوْ عَبْدٍ وَلَوْ كَانَ النِّكَاحُ بِرِضَاهَا) دَفْعًا لِزِيَادَةِ الْمِلْكِ عَلَيْهَا بِطَلْقَةٍ ثَالِثَةٍ، فَإِنْ اخْتَارَتْ نَفْسَهَا فَلَا مَهْرَ لَهَا أَوْ زَوْجَهَا فَالْمَهْرُ لِسَيِّدِهَا، وَلَوْ صَغِيرَةً تُؤَخَّرُ لِبُلُوغِهَا، وَلَيْسَ لَهَا خِيَارُ بُلُوغٍ فِي الْأَصَحِّ (أَوْ) (كَانَتْ) الْأَمَةُ (عِنْدَ النِّكَاحِ حُرَّةً ثُمَّ صَارَتْ أَمَةً) بِأَنْ ارْتَدَّا وَلَحِقَا بِدَارِ الْحَرْبِ ثُمَّ سُبِيَا مَعًا فَأُعْتِقَتْ خُيِّرَتْ عِنْدَ الثَّانِي خِلَافًا لِلثَّالِثِ مَبْسُوطٌ (وَالْجَهْلُ بِهَذَا الْخِيَارِ) خِيَارِ الْعِتْقِ (عُذْرٌ) فَلَوْ لَمْ تَعْلَمْ بِهِ حَتَّى ارْتَدَّا وَلَحِقَا فَعَلِمَتْ فَفَسَخَتْ صَحَّ إِلَّا إِذَا قَضَى بِاللَّحَاقِ وَلَيْسَ هَذَا حُكْمًا بَلْ فَتْوَى كَافِي (وَلَا يَتَوَقَّفُ عَلَى الْقَضَاءِ) وَلَا يَبْطُلُ بِسُكُوتٍ وَلَا يَثْبُتُ لِغُلَامٍ وَيَقْتَصِرُ عَلَى مَجْلِسٍ كَخِيَارِ مُخَيَّرَةٍ، بِخِلَافِ خِيَارِ الْبُلُوغِ فِي الْكُلِّ خَانِيَّةٌ.

خیارِ عتق کا حکم

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ باندی کا نکاح خواہ آزاد مرد سے ہوا ہو یا غلام سے ہوا ہو اگر چہ نکاح باندی کی رضامندی سے ہوا ہو جب اس کو آقا کی جانب سے آزادی حاصل ہوگی تو اس کو شرعی اعتبار سے یہ اختیار رہے گا کہ آزادی کے بعد زمانۂ غلامی کا نکاح باقی رکھے اور چاہے تو ختم کر دے خواہ وہ باندی ام ولد ہو یا مکاتبہ باندی ہو، پھر وہ باندی من کل الوجوہ پورے طور پر مکاتبہ ہو یا حکماً مکاتبہ ہو، یعنی کچھ حصہ آزاد ہو اور کچھ حصہ غلام ہو، بہر صورت اس کو خیار عتق حاصل ہوگا، یعنی اگر

چاہے تو سابقہ نکاح کو برقرار رکھے اور اگر چاہے تو نکاح کو فسخ کر کے دوسرا نکاح کر لے۔

اور آزادی کے بعد باندی کو خیارِ عتق اس لیے حاصل ہوا ہے کہ پہلے وہ دو طلاق کے ذریعہ ہی سے نکاح سے علیحدہ ہو سکتی تھی اور اب وہ تین طلاق سے الگ ہوگی تو گویا اس پر ملکیت زیادہ ثابت ہوئی اسی کو ختم کرنے اور دور کرنے کے واسطے خیار ملا ہے۔

خیارِ عتق میں باندی نے نفس کو اختیار کر لیا تو مہر کا حکم

پس اگر باندی نے آزاد ہونے کے بعد اپنے نفس کو اختیار کر لیا اور نکاح کو ختم کر لیا اور اب تک اس سے وطی نہ کی گئی ہے تو اس صورت میں اس کو کچھ بھی مہر نہیں ملے گا، اس لیے کہ جدائی خود اس کی طرف سے پائی گئی ہے۔ اور اگر اس سے وطی ہو چکی ہے تو اس صورت میں اس کا مہر اس کے اس مولیٰ کے لیے ہوگا جس نے اس کو آزاد کیا تھا اور جس کی ملکیت میں اس کا نکاح ہوا تھا اور اگر باندی نے آزادی کے بعد نکاح ختم نہ کیا بلکہ شوہر کو باقی رکھا تو اس صورت میں بھی مہر اس کے مولیٰ ہی کو ملے گا خواہ وطی ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔

اور جس وقت آقا نے اس کو آزاد کیا اور اس کو خیارِ عتق حاصل ہوا اس وقت وہ نابالغہ تھی تو اس صورت میں اس کا خیارِ عتق بالغ ہونے تک مؤخر رہے گا اس لیے کہ نابالغی کے زمانے کے فیصلہ کا اعتبار نہیں ہے اور اس بارے میں صحیح تر مذہب یہ ہے کہ اس کو خیار بلوغ حاصل نہ ہوگا۔

باندی کو نکاح رکھنے اور نہ رکھنے کا اختیار اس وقت بھی ہوگا جس وقت اس کا نکاح ہوا تھا اور وہ آزاد تھی پھر وہ باندی ہوگئی۔ اور اس کی شکل یہ ہو سکتی ہے کہ میاں بیوی دونوں آزاد تھے پھر مرتد ہو گئے اور دار الحرب میں چلے گئے، پھر وہاں سے قید کر کے دار الاسلام لائے گئے، اس کے بعد پھر آزادی حاصل ہوئی تو اس کو بھی خیارِ عتق حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک حاصل ہوگا، اس لیے کہ باندی آزادی کی وجہ سے اپنے نفس کی مالک ہوگئی اور شوہر کا ملک اس پر زیادہ ہو گیا ہے، لہٰذا اس کو دور کرنے کے لیے خیارِ عتق ملے گا۔ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک خیارِ عتق حاصل نہ ہوگا جیسا کہ مبسوط میں ہے۔ (اور بقول علامہ شامی اس مسئلہ میں حضرت امام ابو یوسفؒ کا قول راجح اور نص کے مطابق ہے، اس لیے کہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت بریرہؓ کے لیے خیارِ عتق ثابت کیا تھا)۔ (شامی: ۴/۳۳۸)

اگر خیارِ عتق معلوم نہ ہو تو کیا حکم ہے؟

منکوحہ باندی کو آزادی کے بعد شریعت کی جانب سے جو خیارِ عتق ملتا ہے اس بارے میں باندی کو کوئی مسئلہ معلوم نہیں تھا کہ آزادی کے بعد مجھے خیارِ عتق حاصل ہوتا ہے تو یہ عذر قابل قبول ہے، اس لیے کہ باندی ہر وقت مولیٰ کی خدمت میں مشغول رہتی ہے، مسئلہ مسائل سیکھنے کا موقع نہیں ملتا ہے لہٰذا خیارِ عتق کے متعلق جہالت کا عذر قابل تسلیم ہوگا، البتہ خیار بلوغ یعنی بالغ

ہونے کے بعد جو اختیار حاصل ہوتا ہے اس سے ناواقف ہونا عذر شمار نہ ہوگا۔

باندی کو خیار عتق حاصل ہونے کا مسئلہ معلوم نہ تھا آزاد ہونے کے بعد میاں بیوی دونوں مرتد ہو گئے اور دار الحرب چلے گئے، پھر مسلمان ہو کر یا گرفتار ہو کر دار الاسلام آ گئے، اس کے بعد ان کو خیار عتق کا مسئلہ معلوم ہوا چنانچہ انھوں نے اتنی مدت کے بعد نکاح فسخ کر لیا تو یہ درست ہے اس لیے کہ مسئلہ سے ناواقف ہونا قابل قبول عذر تھا، البتہ اگر قاضی نے یہ فیصلہ دیا ہو کہ یہ کفار سے مل گئے تو پھر اس فیصلے کے بعد نکاح توڑنا درست نہ ہوگا اور یہ حکم نہیں ہے بلکہ فتویٰ ہے جیسا کہ کافی میں ہے: "ولیس ھذا حکما بل فتوی"۔ درحقیقت ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ آپ نے اس شخ کے حق میں صحت فسخ نکاح کا حکم کیسے لگا دیا جو دار الحرب میں ہے، حربیوں کے احکام تو ہمارے احکام سے بالکل علیحدہ اور جداگانہ ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حکم لگانا نہیں ہے بلکہ یہ ایک فتویٰ ہے، یعنی اگر اس طرح کا حادثہ پیش کبھی آ جائے تو اس کا یہ جواب ہوگا)۔ (شامی: ۴/۳۳۹)

خیار عتق میں قضائے قاضی کی حاجت نہیں

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ مسئلہ یہ ہے کہ خیار عتق قاضی کے فیصلے پر موقوف نہیں ہوتا ہے اور نہ ہی یہ خاموش رہنے سے باطل ہوتا ہے اور نہ یہ بالغ غلام کے لیے ثابت ہوتا ہے، یعنی اگر نابالغ غلام آزاد ہوگا تو اس کو خیار عتق حاصل نہ ہوگا اور غلام کے آزاد ہونے کے بعد یہ اختیار مجلس پر منحصر رہے گا، جس طرح کہ اس عورت کا اختیار مجلس پر منحصر ہوگا جس کو شوہر نے اختیار دیدیا ہو، اگر عورت کو شوہر نے اختیار دیا اور اس نے مجلس میں اختیار نہیں کیا تو اس کا اختیار باطل ہو جائے گا، اس کے برخلاف خیار بلوغ کا مسئلہ ہے، یہ خیار قضائے قاضی پر موقوف ہوتا ہے اور سکوت اختیار کرنے سے باطل ہو جاتا ہے اور یہ آخر مجلس تک ممتد نہیں ہوتا ہے اور اس باب میں مسئلے سے ناواقف ہونا قابل قبول عذر نہیں ہے۔

(نَكَحَ عَبْدٌ بِلَا إِذْنٍ فَعَتَقَ) أَوْ بَاعَهُ فَأَجَازَ الْمُشْتَرِي (نَفَذَ) لِزَوَالِ الْمَانِعِ (وَكَذَا) حُكْمُ (الْأَمَةِ وَلَا خِيَارَ لَهَا) لِكَوْنِ النُّفُوذِ بَعْدَ الْعِتْقِ فَلَمْ تَتَحَقَّقْ زِيَادَةُ الْمِلْكِ، وَكَذَا لَوْ اقْتَرَنَا بِأَنْ زَوَّجَهَا فُضُولِيٌّ وَأَعْتَقَهَا فُضُولِيٌّ وَأَجَازَهُمَا الْمَوْلَى، وَكَذَا مُدَبَّرَةٌ عَتَقَتْ بِمَوْتِهِ وَكَذَا أُمُّ الْوَلَدِ إِنْ دَخَلَ بِهَا الزَّوْجُ، وَإِلَّا لَمْ يَنْفُذْ لِأَنَّ عِدَّتَهَا مِنَ الْمَوْلَى تَمْنَعُ نَفَاذَ النِّكَاحِ (فَلَوْ) (وَطِئَ) الزَّوْجُ الْأَمَةَ (قَبْلَهُ) أَيْ الْعِتْقِ (فَالْمَهْرُ الْمُسَمَّى لَهُ) أَيْ لِلْمَوْلَى (أَوْ بَعْدَهُ فَلَهَا) لِمُقَابَلَتِهِ بِمَنْفَعَةٍ مَلَكَتْهَا.

آقا کی اجازت کے بغیر غلام کا نکاح کرنا

کسی غلام نے اپنے آقا کی اجازت کے بغیر نکاح کر لیا پھر وہ آزاد ہو گیا، یا آقا نے اس کو فروخت کر دیا، خریدار نے اس

کے نکاح کو نافذ کر دیا تو اس کا یہ نکاح درست ہو جائے گا، اس لیے کہ یہاں مانع نکاح ختم ہو گیا ہے، اور اس کے آزاد ہونے کے بعد اس پر آقا کا کوئی حق باقی نہیں رہا ہے، اس لیے اس کی اجازت کی ضرورت بھی باقی نہیں رہی۔ اور باندی کا بھی یہی حکم ہے، یعنی اگر باندی نے مولیٰ کی اجازت کے بغیر نکاح کسی مرد سے کرلیا، اس کے بعد وہ آزاد ہو گئی تو وہ نکاح نافذ ہو جائے گا اور باندی کو نکاح فسخ کرنے کا اختیار نہ ہوگا، اس لیے کہ یہاں نکاح کا نفاذ آزادی کے بعد ہوا ہے پہلے نہیں، لہٰذا اس صورت میں زیادتی ملک یعنی دو طلاق سے تین طلاق کی ملکیت حاصل نہیں ہوئی ہے۔

فسخ نکاح کا اختیار شرعی

مسئلہ یہ ہے کہ باندی کو اس نکاح کے فسخ کرنے کا اختیار حاصل نہ ہوگا جس کو آزادی اور اجازت دونوں ساتھ ساتھ حاصل ہوئے ہوں۔ اور اس مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ باندی کا نکاح کسی فضولی شخص نے کر دیا اور کسی دوسرے فضولی نے اس کو آزاد کر دیا پھر مولیٰ نے نکاح اور آزادی دونوں کو نافذ کر دیا۔ اسی طرح اس مدبرہ باندی کو بھی نکاح کے فسخ کرنے کا حق حاصل نہیں ہے جس نے اپنا نکاح مولیٰ کی اجازت کے بغیر کیا اور مولیٰ کے مرجانے کے بعد وہ آزاد ہو گئی، اسی طرح اس ام ولد کو بھی فسخ نکاح کا اختیار حاصل نہیں ہوتا ہے جس نے اپنا نکاح خود مولیٰ کی اجازت کے بغیر کرلیا پھر وہ آزاد ہو گئی بشرطیکہ اس کے ساتھ اس کا شوہر وطی کر چکا ہو تو نکاح کا نفاذ ہوگا ورنہ تو نکاح ہی نافذ نہ ہوگا، اس لیے کہ اگر وہ مولیٰ کے مرنے کی وجہ سے آزاد ہوئی تو ظاہر ہے کہ مولیٰ کی عدت گذارے گی اور مولیٰ کی عدت نفاذ نکاح کے لیے مانع ہوتی ہے اور اگر آزادی سے پہلے شوہر اس کے ساتھ وطی کر چکا ہے تو اب وہ مولیٰ کی عدت نہیں گذارے گی اس لیے کہ مولیٰ کی عدت ختم ہو چکی ہے۔

مہر کا حق

اگر شوہر نے باندی سے اس کی آزادی سے پہلے وطی کی تو مہر مقررہ اس کے مولیٰ کے لیے ہوگا اس لیے کہ آزادی سے پہلے اس کا مالک مولیٰ ہے لہٰذا مہر بھی مولیٰ ہی کو ملے گا۔ اور اگر شوہر نے اس کے ساتھ آزادی کے بعد وطی کیا ہے تو اس صورت میں مہر کی مالک خود عورت ہوگی، اس لیے کہ مہر درحقیقت وطی ہی کا عوض ہے اس لیے آزادی کے بعد وطی سے مہر کی مالک خود عورت ہوگی۔

(وَمَنْ وَطِئَ قِنَّةَ ابْنِهِ فَوَلَدَتْ) فَلَوْ لَمْ تَلِدْ لَزِمَ عُقْرُهَا وَارْتَكَبَ مُحَرَّمًا، وَلَا يُحَدُّ قَاذِفُهُ (فَادَّعَاهُ الْأَبُ) وَهُوَ حُرٌّ مُسْلِمٌ عَاقِلٌ (ثَبَتَ نَسَبُهُ) بِشَرْطِ بَقَاءِ مِلْكِ ابْنِهِ مِنْ وَقْتِ الْوَطْءِ إِلَى الدَّعْوَةِ، وَبَيْعُهَا لِأَخِيهِ مَثَلًا لَا يَضُرُّ نَهْرٌ بَحْثًا (وَصَارَتْ أُمَّ وَلَدِهِ) لِاسْتِنَادِ الْمِلْكِ لِوَقْتِ الْعُلُوقِ (وَعَلَيْهِ قِيمَتُهَا) وَلَوْ فَقِيرًا لِقُصُورِ حَاجَةِ بَقَاءِ نَسْلِهِ عَنْ بَقَاءِ نَفْسِهِ وَلِذَا يَحِلُّ لَهُ عِنْدَ الْحَاجَةِ الطَّعَامُ لَا الْوَطْءُ وَيُجْبَرُ عَلَى نَفَقَةِ أَبِيهِ لَا عَلَى دَفْعِ جَارِيَةٍ لِتَسَرِّيهِ (لَا عُقْرُهَا وَقِيمَةُ وَلَدِهَا) مَا لَمْ تَكُنْ

مُشْتَرَكَةٌ فَتَجِبُ حِصَّةُ الشَّرِيكِ وَهٰذَا إِذَا ادَّعَاهُ وَحْدَهُ، فَلَوْ مَعَ الِابْنِ، فَإِنْ شَرِيكَيْنِ قُدِّمَ الْأَبُ وَإِلَّا فَالِابْنُ وَلَوْ ادَّعَى وَلَدَ أَمِّ وَلَدِهِ الْمَنْفِيَّ أَوْ مُدَبَّرَتِهِ أَوْ مُكَاتَبَتِهِ شُرِطَ تَصْدِيقُ الِابْنِ (وَجَدٌّ صَحِيحٌ كَأَبٍ بَعْدَ زَوَالِ وِلَايَتِهِ بِمَوْتٍ وَكُفْرٍ وَجُنُونٍ وَرِقٍّ فِيهِ) أَيْ فِي الْحُكْمِ الْمَذْكُورِ (لَا) يَكُونُ كَالْأَبِ (قَبْلَهُ) أَيْ قَبْلَ زَوَالِ الْمَذْكُورَةِ، وَيُشْتَرَطُ ثُبُوتُ وِلَايَتِهِ مِنَ الْوَطْءِ إِلَى الدَّعْوَةِ.

بیٹے کی باندی سے وطی کرنے کا شرعی حکم

مسئلہ یہ ہے کہ باپ نے اپنے بیٹے کی باندی سے وطی کی، جس سے وہ حاملہ ہوگئی اور بچہ جنا پھر باپ نے اس باندی کے بچہ کا دعویٰ کیا کہ بچہ میرا ہے اور حال یہ ہے کہ باپ مسلمان آزاد اور عاقل ہے تو اس صورت میں اس بچہ کا نسب باپ سے ثابت ہو جائے گا بشرطیکہ اس کے لڑکے کی ملکیت اس باندی میں وطی سے لے کر باپ کے دعویٰ کرنے تک باقی رہی ہو اور وہ باندی اس باپ کی ام ولد ہو جائے گی، اس لیے کہ بیٹے کا مال باپ کا مال کہلاتا ہے اور باپ پر اس باندی کی قیمت لازم ہوگی۔ اور اگر باپ نے بیٹے کی باندی سے صحبت کی اور اس سے بچہ پیدا نہیں ہوا تو باپ پر مہر مثل لازم ہوگا اور باپ کو حرام فعل کا مرتکب کہا جائے گا لیکن اگر کوئی اس پر کوئی زنا کی تہمت لگائے تو تہمت لگانے والے پر حد قذف جاری نہیں کی جائے گی اور نہ باپ پر حد زنا جاری ہوگی، اگر اس باندی کو مالک نے اپنے بھائی کے ہاتھ فروخت کر دیا تو اس سے کچھ نقصان نہیں ہوگا، اس لیے کہ باپ کے لیے دونوں بیٹے برابر ہیں۔ (باپ کا بیٹے پر بہت سارے حقوق ہیں، باپ کے لیے بوقت ضرورت بیٹے کا مال کھانا جائز ہے، ہاں بیٹے کی باندی سے باپ کے لیے وطی جائز نہیں ہے، اسی وجہ سے باپ پر اس کی قیمت واجب ہوتی ہے اور بیٹے کو مجبور نہیں کیا جائے گا کہ باندی کو باپ کے حوالہ کرے، ہاں اگر باپ کھانے کا محتاج ہے تو بیٹے کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ باپ کا نان ونفقہ برداشت کرلے)۔

ایک سوال اور اس کا جواب

اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ مجبوری کے وقت بیٹے پر نفقہ برداشت کرنے کے لیے اس کو مجبور کیا جائے گا تو پھر بقائے نسل اور حفاظت منی کے لیے جب باپ نے اپنی پریشانی دور کرنے کے لیے بیٹے کی باندی سے وطی کر لی ہے تو باپ پر باندی کی قیمت واجب کیوں قرار دی گئی ہے؟

اس سوال کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ کھانے سے جان کی حفاظت ہوتی ہے اور حفاظت منی میں بقاء نسل ہے اور حفاظت جان بقائے نسل پر مقدم ہے دونوں برابر نہیں ہو سکتے ہیں، اس لیے بیٹے کی باندی سے وطی کرنے پر اس کی قیمت واجب ہوگی اور کھانا کھا لینے پر قیمت واجب نہ ہوگی، ایک کے اندر لذت نفس ہے اور دوسرے کے اندر جان کا بچانا ہے، اسی وجہ سے ضرورت کے وقت باپ کے لیے بیٹے کا کھانا کھا لینا حلال ہے لیکن بیٹے کی باندی سے وطی کرنا حلال نہیں ہے اور بیٹے کو باپ کا

نفقہ برداشت کرنے پر مجبور کیا جائے گا لیکن باندی کے حوالہ کرنے پر جبر نہیں کیا جائے گا۔

باندی کی قیمت کا وجوب

اگر باپ نے بیٹے کی باندی سے وطی کرلیا اور اس کی وجہ سے بچہ پیدا ہو گیا تو باندی کی قیمت باپ پر واجب ہوگی اس کا مہر مثل اور اس بچے کی قیمت اس پر واجب نہیں ہوگی، لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ باندی خالص اسی کے بیٹے کی ہو کوئی دوسرا شخص اس میں شریک نہ ہو۔ اور اگر کوئی دوسرا شخص اس باندی میں شریک ہوگا تو اس کے حصہ کے بقدر مہر مثل واجب ہوگا اور مذکورہ تمام حکم اس وقت کا ہے جب باپ نے تن تنہا یہ دعویٰ کیا کہ یہ بچہ میرے نطفہ سے ہے، لیکن اگر باپ کے دعویٰ کے ساتھ ساتھ بیٹے نے بھی دعویٰ کر دیا تو اگر باندی دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہے تو اس صورت میں باپ کا دعویٰ مقدم ہوگا اور اگر باندی خالص بیٹے ہی کی ہے کسی غیر کی اس میں شرکت نہیں ہے تو اس صورت میں بیٹے کا دعویٰ مقدم ہوگا۔

اگر باپ نے اپنے بیٹوں کی ام ولد کے بارے میں یہ دعویٰ کیا کہ ام ولد کا لڑکا میرا ہے یا اس کی مدبرہ باندی یا مکاتبہ باندی کا بچہ میرا ہے اور اس کا لڑکا خود سے بچوں کے نسب کی نفی کر چکا تھا تو اس کے باپ سے ان بچوں کا نسب اس وقت ثابت ہوگا جب بیٹا اس کی تصدیق کرے گا اور ثبوت نسب کی وجہ یہ ہوگی کہ ممکن ہے کہ باپ نے اس کے ساتھ نکاح کرلیا ہو، خواہ نکاح صحیح کیا ہو یا نکاح فاسد کیا ہو، یا وطی بالشبہہ ہوگئی ہو، ہاں اگر بیٹے نے اپنے ام ولد کے بچے کے نسب کی نفی نہیں کی تو پھر باپ سے نسب ثابت نہ ہوگا۔

دادا بعض مسائل کے اندر حکم میں باپ کی طرح ہے

جب باپ کی ولایت نکاح مرنے کی وجہ سے یا کافر ہوجانے کی وجہ سے یا مجنون ہونے یا غلام ہونے کی وجہ سے ختم ہوجائے تو اب مسئلہ ولایت نکاح میں دادا بمنزلہ باپ ہوجاتا ہے، یعنی اگر دادا اپنے پوتے کی باندی کے بچہ کے بارے میں دعویٰ کرے تو پوتے کی تصدیق کے بعد دعویٰ صحیح ہوگا اور باپ کی ولایت کی موجودگی میں دادا ولی نہ ہوگا اور دادا کا نسب کے متعلق دعویٰ اس وقت قابل قبول ہوگا جب اس کی ولایت وطی کے وقت سے لے کر نسب کے دعویٰ تک باقی رہی ہو۔

(وَلَوْ) (تَزَوَّجَهَا) وَلَوْ فَاسِدًا (أَبُوهُ) وَلَوْ بِالْوِلَايَةِ (فَوَلَدَتْ) (لَمْ تَصِرْ أُمَّ وَلَدِهِ) لِتَوَلُّدِهِ مِنْ نِكَاحٍ (وَيَجِبُ الْمَهْرُ لَا الْقِيمَةُ وَوَلَدُهَا حُرٌّ) بِمِلْكِ أَخِيهِ لَهُ، وَمِنَ الْحِيَلِ أَنْ يُمَلِّكَ أَمَتَهُ لِطِفْلِهِ ثُمَّ يَتَزَوَّجَهَا. (وَلَوْ) (وَطِئَ جَارِيَةَ امْرَأَتِهِ أَوْ وَالِدِهِ أَوْ جَدِّهِ فَوَلَدَتْ وَادَّعَاهُ لَا يَثْبُتُ النَّسَبُ إِلَّا بِتَصْدِيقِ الْمَوْلَى) فَلَوْ كَذَّبَهُ ثُمَّ مَلَكَ الْجَارِيَةَ وَقْتًا مَا ثَبَتَ النَّسَبُ وَسَيَجِيءُ فِي الِاسْتِيلَادِ (حُرَّةٌ) مُتَزَوِّجَةٌ بِرَقِيقٍ (قَالَتْ لِمَوْلَى زَوْجِهَا) الْحُرِّ الْمُكَلَّفِ (أَعْتِقْهُ عَنِّي بِأَلْفٍ) أَوْ زَادَتْ وَرَطْلِ

مِنْ حَمْرٍ إِذِ الْفَاسِدُ هُنَا كَالصَّحِيحِ (فَفَعَلَ فَسَدَ النِّكَاحُ) لِتَقَدُّمِ الْمِلْكِ اقْتِضَاءً كَأَنَّهُ قَالَ بِعْتُه مِنْكَ وَأَعْتَقْتُه عَنْكَ، لَكِنْ لَوْ قَالَ كَذَلِكَ وَقَعَ الْعِتْقُ عَنِ الْمَأْمُورِ لِعَدَمِ الْقَبُولِ كَمَا فِي الْحَوَاشِي السَّعْدِيَّةِ؛ وَمَفَادُهُ أَنَّهُ لَوْ قَالَ قَبِلْتُ وَقَعَ عَنِ الْآمِرِ (وَالْوَلَاءُ لَهَا) وَلَزِمَهَا الْأَلْفُ وَسَقَطَ الْمَهْرُ (وَيَقَعُ) الْعِتْقُ (عَنْ كَفَّارَتِهَا إِنْ نَوَتْهُ) عَنْهَا (وَلَوْ لَمْ تَقُلْ بِأَلْفٍ لَا) يَفْسُدُ لِعَدَمِ الْمِلْكِ (وَالْوَلَاءُ لَهُ) لِأَنَّهُ الْمُعْتِقُ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

باپ نے بیٹے کی باندی سے نکاح کرلیا تو کیا حکم ہے؟

اگر باپ نے بیٹے کی باندی سے نکاح کرلیا اگرچہ نکاح فاسد ہوا ہو اور باپ نے نکاح بولایت کیا ہو، بایں طور کہ بیٹے کو حق ولایت کسی وجہ سے حاصل نہیں تھی، جیسے وہ مجنون وغیرہ ہو گیا تھا، پھر باندی کو بچہ پیدا ہوا تو یہ باندی باپ کی ام ولد نہیں ہوگی، اس وجہ سے کہ بچہ نکاح سے پیدا ہوا ہے اور باپ پر مہر مثل یا مقرر مہر واجب ہوگا باندی کی قیمت واجب نہیں ہوگی اور اس کا بچہ آزاد کہلائے گا، اس لیے کہ اس بچہ کا مالک اس کا بھائی ہوا ہے، لہٰذا مَن مَلَکَ ذَا رحمٍ محرمٍ عتق علیہ۔ (یعنی جو شخص کسی قریبی رشتہ دار کا مالک ہوگا وہ اس پر آزاد ہو جائے گا) کے قاعدہ سے بچہ آزاد ہوگا۔

ام ولد نہ بنانے کا حیلہ

اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ میں اپنی باندی سے وطی کروں اور بچہ پیدا ہونے کے بعد وہ ام ولد نہ بنے تو اس کے لیے ایک حیلہ یہ ہے کہ اپنی باندی کو اپنے بیٹے کی ملکیت میں کردے خواہ بذریعہ بیع ہو یا بذریعہ ہبہ، پھر اس باندی سے خود نکاح کرلے، اب جب وطی کرنے کی وجہ سے بچہ پیدا ہوگا تو باندی ام ولد نہ بنے گی اور بچہ بوجہ قرابت آزاد ہوگا۔

باپ دادا یا بیوی کی باندی سے وطی کرنا

اگر کسی آدمی نے اپنی بیوی کی باندی سے وطی کی، پھر اس سے بچہ پیدا ہوا پھر وطی کرنے والے نے نسب کا دعویٰ کیا تو اس سے نسب ثابت نہ ہوگا مگر اس وقت جب کہ باندی کا مالک اس کی تصدیق کردے گا، اگر مالک نے اس کی تکذیب کردی پھر مدعی اپنی زندگی میں کسی بھی وقت باندی کا مالک ہو گیا تو نسب ثابت ہوگا اور بچہ آزاد ہوگا۔ اور یہ مسئلہ باب الاستیلاد میں تفصیل کے ساتھ آئے گا۔

آزاد بیوی نے اپنے غلام شوہر کو خریدا تو کیا حکم ہے؟

غلام کی آزاد منکوحہ نے اپنے شوہر کے مولیٰ سے جو خود آزاد اور مکلف تھا کہا کہ اس کو میری طرف سے ایک ہزار روپیہ یا اس سے کچھ زیادہ کے بدلہ میں آزاد کردے، چنانچہ اس کے مولیٰ نے اس کو آزاد کردیا تو نکاح فاسد ہو جائے گا، اس لیے کہ جب شوہر بیوی کی طرف سے آزاد ہوا تو گویا بیوی شوہر کا پہلے مالک بنی پھر اس کی طرف سے اس کے مولیٰ نے وکیل بن کر آزاد

کیا لہٰذا اس کا مالک ہوتے ہی نکاح فاسد ہو گیا اور یہاں بیع فاسد بیع صحیح کی طرح ہے اس لیے کہ یہاں بیع مقصود نہیں ہے اس لیے بیوی شوہر کی مالک ہو جائے گی اور نکاح فاسد ہو جائے گا، گویا کہ مولیٰ نے یوں کہا کہ میں نے اس کو تیرے ہاتھ فروخت کر دیا اور تیری جانب سے اس کو آزاد کیا، لیکن اگر غلام کے مولیٰ نے صراحت اس طرح کی کہ میں نے تیرے ہاتھ اس کو فروخت کیا یا تیری طرف سے اس کو آزاد کیا تو غلام کی آزادی مولیٰ کی طرف سے ہوگی، اس لیے کہ آمر کی طرف سے قبول نہیں پایا گیا ہے، گویا صرف ایجاب ہوا قبول نہیں ہوا اس لیے بیع تام نہ ہوئی، جیسا کہ حواشی سعدیہ کے اندر ہے۔ اور خلاصہ یہ ہے کہ اگر آمر نے کہا کہ میں نے اس کو قبول کیا تو آزادی آمر کی طرف سے ہوگی ورنہ مامور کی طرف سے آزادی ہوگی۔

حق ولاء کا مستحق کون؟

مذکورہ صورت میں اس غلام کی ولاء اس کی اس آزاد بیوی کو ملے گی جس نے ان کو آزاد کیا تھا اور اس کی آزاد منکوحہ پر لازم ہوگا کہ اس مولیٰ کو ہزار روپیہ ادا کرے اور مولیٰ کے ذمہ جو مہر تھا وہ ساقط ہو جائے گا۔ اور اگر بیوی نے اس میں کفارہ کی ادائیگی کی نیت کر لی ہے تو اس آزادی سے کفارہ بھی ادا ہو جائے گا اور اگر آزاد بیوی نے اس طرح نہیں کہا کہ اس کو ایک ہزار روپیہ کے بدلہ آزاد کر دے بلکہ صرف یوں کہا کہ میرے غلام شوہر کو آزاد کر دو، تو پھر اس کا نکاح فاسد نہ ہوگا، اس لیے کہ اس صورت میں بیوی اپنے غلام شوہر کی مالک نہیں ہوگی اور اس صورت میں حق ولاء مولیٰ کو ملے گا منکوحہ کو نہیں، اس لیے کہ آزادی اس کی طرف سے پائی گئی ہے اور آزاد کرنے والا مولیٰ ہی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

بَابُ نِكَاحِ الْكَافِرِ

یہ باب کافروں، مشرکوں اور اہل کتاب کے نکاح کے بیان میں ہے

ترجمہ وتشریح: جب حضرت مصنف علیہ الرحمہ آزاد مسلمان اور غلام مسلمان کے نکاح کے احکام و مسائل کے بیان سے فارغ ہو گئے تو اب یہاں سے کافروں، مشرکوں اور اہل کتاب کے نکاح کے احکام و مسائل کے بیان کو شروع کر رہے ہیں۔ اور باب المہر اور کافر کے ذمہ مہر کے وجوب کے حکم کو باب نکاح الکافر پر مقدم فرمایا اس لیے کہ نکاح کے بقیہ احکام کافروں کے حق میں اسی طرح ثابت ہیں جس طرح مسلمانوں کے لیے ثابت ہیں، یعنی نفقہ کا وجوب، طلاق کا وقوع، عدت، نسب اور خیار بلوغ وغیرہ۔

يَشْمَلُ الْمُشْرِكَ وَالْكِتَابِيَّ. وَهَاهُنَا ثَلَاثَةُ أُصُولٍ: الْأَوَّلُ أَنَّ (كُلَّ نِكَاحٍ صَحِيحٍ بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ فَهُوَ صَحِيحٌ بَيْنَ أَهْلِ الْكُفْرِ) خِلَافًا لِمَالِكٍ، وَيَرُدُّهُ قَوْلُهُ تَعَالَى - {وَامْرَأَتُهُ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ} - وَقَوْلُهُ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - «وُلِدْتُ مِنْ نِكَاحٍ لَا مِنْ سِفَاحٍ» (وَ) الثَّانِي أَنَّ (كُلَّ نِكَاحٍ حَرُمَ بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ لِفَقْدِ شَرْطِهِ) كَعَدَمِ شُهُودٍ (يَجُوزُ فِي حَقِّهِمْ إِذَا اعْتَقَدُوهُ) عِنْدَ الْإِمَامِ

(وَيُقَرُّونَ عَلَيْهِ بَعْدَ الْإِسْلَامِ.) (وَ) الثَّالِثُ (أَنَّ) (كُلَّ نِكَاحٍ حُرِّمَ لِحُرْمَةِ الْمَحَلِّ) كَمَحَارِمَ (يَقَعُ جَائِزًا) . (وَقَالَ مَشَايِخُ الْعِرَاقِ: لَا) بَلْ فَاسِدًا، وَالْأَوَّلُ أَصَحُّ وَعَلَيْهِ فَتَجِبُ النَّفَقَةُ وَيُحَدُّ قَاذِفُهُ. وَأَجْمَعُوا عَلَى أَنَّهُمْ لَا يَتَوَارَثُونَ لِأَنَّ الْإِرْثَ ثَبَتَ بِالنَّصِّ عَلَى خِلَافِ الْقِيَاسِ فِي النِّكَاحِ الصَّحِيحِ مُطْلَقًا فَيَقْتَصِرُ عَلَيْهِ ابْنُ مَلَكٍ. (أَسْلَمَ الْمُتَزَوِّجَانِ بِلَا) سَمَاعِ (شُهُودٍ أَوْ فِي عِدَّةِ كَافِرٍ مُعْتَقِدَيْنِ ذَلِكَ) (أُقِرَّا عَلَيْهِ) لِأَنَّهُ أُمِرْنَا بِتَرْكِهِمْ وَمَا يَعْتَقِدُونَ

لفظ کافر کی عمومیت

یہاں کافر کا لفظ مشرک اور کتابی کو بھی شامل ہے، کافروں کے نکاح کے سلسلے میں تین بنیادی اصول ہیں، جن میں سے پہلا اصول یہ ہے کہ ہر وہ نکاح جو مسلمانوں کے درمیان باہم صحیح اور درست ہے وہ نکاح کافروں کے درمیان بھی درست ہے، اس مسئلہ میں حضرت امام مالکؒ کا اختلاف ہے، وہ فرماتے ہیں کہ کافروں کا نکاح صحیح نہیں ہوتا ہے اگر چہ دو مسلمانوں کے درمیان یہ نکاح صحیح کیوں نہ ہو۔ حضرت امام مالکؒ کے اس قول کا رد قرآنِ کریم کی اس آیتِ کریمہ سے ہوتا ہے {وَامْرَأَتُهُ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ} اس میں ابولہب کی بیوی کو بیوی کہا گیا ہے اور رسولِ اکرم ﷺ کے ارشادِ گرامی سے بھی امام مالکؒ کے قول کا رد ہوتا ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: وُلِدتُ من نِكاح لا من سفاح۔ میں نکاح سے پیدا ہوا زنا سے نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ طلوعِ اسلام سے پہلے جو نکاح ہوتا تھا اسلام کے طلوع کے بعد اسے نکاح ہی مانا گیا ہے، آیتِ کریمہ اور حدیث پاک دونوں اس بات کی دلیل ہیں کہ کافروں کا نکاح صحیح ہوتا ہے۔

دوسرا اصول

کافروں کے نکاح کے سلسلے میں دوسرا اصول یہ ہے کہ ہر وہ نکاح جو مسلمانوں کے درمیان شرط کے مفقود ہونے کی وجہ سے حرام ہے جیسے گواہوں کے نہ ہونے کی وجہ سے نکاح نہ ہونا، یہ سب نکاح کافروں کے حق میں جائز ہیں جب کہ وہ اس کے درست ہونے کا اعتقاد رکھتے ہوں، حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک یہی ہے، اگر حالت کفر میں نکاح ہوا تھا پھر میاں بیوی دونوں مسلمان ہوگئے تو ان کو اسی سابق نکاح پر برقرار رکھا جائے گا، اسلام لانے کے بعد الگ سے جدید نکاح کی ضرورت نہیں ہوگی۔ (اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے زمانے میں بہت سارے صحابہ کرامؓ کا نکاح جو حالت کفر میں ہوا تھا برقرار رکھا اور اس کی تحقیق نہیں فرمائی کہ تمہارا نکاح پہلے کس طرح ہوا تھا؟)۔

تیسرا اصول

کافروں کے نکاح کے سلسلے میں تیسرا قاعدہ یہ ہے کہ ہر وہ نکاح جو مسلمانوں میں محل کی حرمت کی وجہ سے حرام ہے جیسے

کہ محارم سے نکاح کرنا، یہ سارے نکاح کافروں کے حق میں جائز ہوں گے۔ اور مشائخ عراق فرماتے ہیں کہ محارم سے ہونے والے نکاح درست قرار نہیں دیئے جائیں گے بلکہ وہ فاسد ہوں گے، لیکن اس بارے میں پہلا قول صحت نکاح والا زیادہ صحیح ہے اور اسی قول کی بنیاد پر عورت کا نفقہ شوہر پر واجب ہوگا اور تہمت لگانے پر حد جاری ہوگی۔

کافروں کی وراثت

حضرات فقہائے کرام کا اس مسئلہ میں اتفاق ہے کہ کافر نکاح فاسد کی وجہ سے ایک دوسرے کا وارث نہیں ہوتے ہیں، اس لیے کہ زوجین کی وراثت نکاح صحیح میں خلاف قیاس نص سے ثابت ہوئی ہے اور جو شئی خلاف قیاس نص سے ثابت ہوتی ہے وہ مورد شرع پر منحصر ہوتی ہے عام نہیں ہوتی ہے لہٰذا بوجہ نکاح کافروں کے درمیان وراثت جاری نہ ہوگی۔ (البتہ کافر بوجہ نسب ایک دوسرے کے وارث ہوتے ہیں، مثال کے طور پر ایک کافر نے اپنی بہن سے شادی کر لی، پھر کافر کا انتقال ہو گیا تو عورت نکاح کی وجہ سے شوہر کی وارث نہیں ہوگی، البتہ بہن ہونے کی وجہ سے وارث ہوگی)۔

شادی شدہ کافر میاں بیوی مسلمان ہو جائیں تو کیا حکم ہے؟

میاں بیوی جو دونوں کافر تھے مسلمان ہو گئے اور زمانہ کفر میں ان دونوں کا نکاح اس طرح ہوا تھا کہ نکاح میں گواہ نہیں تھے جو ایجاب وقبول کو سنے ہوں، یا عورت کسی کافر شوہر کی عدت میں تھی اور اسی حال میں اس نے دوسرا نکاح کر لیا تھا اور یہ اس طرح کے نکاح کے درست ہونے کا اعتقاد رکھتے تھے تو ان دونوں کو سابق نکاح پر اسلام لانے کے بعد برقرار رکھا جائے گا، اس لیے کہ ہمیں یہی حکم ہے کہ ہم انہیں ان کے معتقدات پر چھوڑ دیں۔

(وَلَوْ) (كَانَا) أَيْ الْمُتَزَوِّجَانِ اللَّذَانِ أَسْلَمَا (مُحَرَّمَيْنِ أَوْ أَسْلَمَ أَحَدُ الْمُحَرَّمَيْنِ أَوْ تَرَافَعَا إِلَيْنَا وَهُمَا عَلَى الْكُفْرِ) (فَرَّقَ) الْقَاضِي أَوْ الَّذِي حَكَّمَاهُ (بَيْنَهُمَا) لِعَدَمِ الْمَحَلِّيَّةِ (وَبِمُرَافَعَةِ أَحَدِهِمَا لَا) يُفَرِّقُ لِبَقَاءِ حَقِّ الْآخَرِ، بِخِلَافِ إسْلَامِهِ لِأَنَّ الْإِسْلَامَ يَعْلُو وَلَا يُعْلَى (إلَّا إذَا طَلَّقَهَا ثَلَاثًا وَطَلَبَتْ التَّفْرِيقَ فَإِنَّهُ يُفَرِّقُ بَيْنَهُمَا) إجْمَاعًا (كَمَا لَوْ) (خَالَعَهَا ثُمَّ أَقَامَ مَعَهَا مِنْ غَيْرِ عَقْدٍ أَوْ تَزَوَّجَ كِتَابِيَّةً فِي عِدَّةِ مُسْلِمٍ) أَوْ تَزَوَّجَهَا قَبْلَ زَوْجٍ آخَرَ وَقَدْ طَلَّقَهَا ثَلَاثًا، فَإِنَّهُ فِي هَذِهِ الثَّلَاثَةِ يُفَرِّقُ مِنْ غَيْرِ مُرَافَعَةٍ بَحْرٌ عَنْ الْمُحِيطِ خِلَافًا لِلزَّيْلَعِيِّ وَالْحَاوِي مِنْ اشْتِرَاطِ الْمُرَافَعَةِ. (وَإِذَا) (أَسْلَمَ أَحَدُ الزَّوْجَيْنِ الْمَجُوسِيَّيْنِ أَوْ امْرَأَةُ الْكِتَابِيِّ عُرِضَ الْإِسْلَامُ عَلَى الْآخَرِ، فَإِنْ أَسْلَمَ) فِيهَا (وَإِلَّا) بِأَنْ أَبَى أَوْ سَكَتَ (فُرِّقَ بَيْنَهُمَا، وَلَوْ كَانَ) الزَّوْجُ (صَبِيًّا مُمَيِّزًا) اتِّفَاقًا عَلَى الْأَصَحِّ (وَالصَّبِيَّةُ كَالصَّبِيِّ) فِيمَا ذُكِرَ وَالْأَصْلُ أَنَّ كُلَّ مَنْ صَحَّ مِنْهُ الْإِسْلَامُ إذَا أَتَى بِهِ صَحَّ مِنْهُ الْإِبَاءُ

إِذَا عُرِضَ عَلَيْهِ (وَيُنْتَظَرُ عَقْلُ) أَيْ تَمْيِيزُ (غَيْرِ الْمُمَيِّزِ، وَلَوْ) كَانَ (مَجْنُونًا) لَا يُنْتَظَرُ لِعَدَمِ نِهَايَتِهِ بَلْ (يُعْرَضُ) الْإِسْلَامُ (عَلَى أَبَوَيْهِ) فَأَيُّهُمَا أَسْلَمَ تَبِعَهُ فَيَبْقَى النِّكَاحُ، فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ أَبٌ نَصَبَ الْقَاضِي عَنْهُ وَصِيًّا فَيَقْضِي عَلَيْهِ بِالْفُرْقَةِ بَاقَانِيٌّ عَنْ الْبَهْنَسِيِّ عَنْ رَوْضَةِ الْعُلَمَاءِ لِلزَّاهِدِيِّ.

دو محارم کے درمیان نکاح کے بعد اسلام قبول کرے

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ دو شادی شدہ جنھوں نے اسلام قبول کیا آپس میں محرم ہوں یا دو محرموں میں سے ایک نے اسلام قبول کیا ہو، یا دونوں نے اپنا مقدمہ مسلمان قاضی کے سامنے پیش کیا اور دونوں کفر پر تھے تو قاضی ان دونوں کے درمیان تفریق کردے گا یا پھر وہ شخص ان کے درمیان تفریق کرے گا جس کو انھوں نے حکم بنایا ہے اور تفریق اس لیے کرے گا کہ دونوں آپس میں محل نکاح نہیں ہیں۔ اور اگر ان دونوں میں سے ایک مقدمہ دائر کرے تو تفریق نہیں کرائی جائے گی، اس لیے کہ ابھی دوسرے کا حق باقی ہے، لیکن اس کے برخلاف دونوں میں سے کوئی ایک اسلام قبول کرلے تو تفریق کرادی جائے گی اس لیے کہ اسلام بلند ہے پست نہیں ہوسکتا ہے۔

کافر بیوی کو طلاقِ ثلاثہ دیدے تو کیا حکم ہے؟

ہاں اگر مرد نے اپنی عورت کو تین طلاق دی ہو اور عورت تفریق چاہتی ہو تو اس وقت ایک کی چاہت سے ان کے درمیان تفریق کرادی جائے گی، اس مسئلہ میں تمام علماء کا اتفاق ہے۔ (اس لیے کہ تین طلاق کی وجہ سے بالکلیہ طور پر نکاح ختم ہوجاتا ہے لہٰذا یہ تفریق شوہر کے حق کے ابطال پر متضمن نہ ہوگی) جیسے کہ مرد نے عورت سے خلع کیا پھر اسی کے ساتھ بغیر عقد کے قیام کیا، یا کسی کافر مرد نے کسی کتابیہ عورت سے نکاح کیا جو کسی مسلمان کی عدت میں تھی، یا کسی نے عورت سے دوسرے شوہر سے پہلے نکاح کیا حالانکہ وہ اس کو تین طلاق دے چکا تھا تو مذکورہ تینوں صورتوں میں ایک کی شکایت سے اور طلب تفریق سے تفریق کرادی جائے گی، جیسا کہ البحرالرائق میں محیط سے نقل کیا ہے، اس میں زیلعی اور حاوی کا اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب معاملہ کا مرافعہ ہوگا تب تفریق کرائی جائے گی بغیر مرافعہ کے تفریق نہیں کی جائے گی۔

کافر زوجین میں سے کسی ایک کا مسلمان ہونا

اور جب دو مجوسی میاں بیوی میں سے کوئی ایک مسلمان ہوجائے یا کسی کتابی شخص کی بیوی اسلام قبول کرلے تو اس صورت میں دوسرے پر اسلام پیش کیا جائے گا، چنانچہ اگر دوسرے نے بھی اسلام قبول کرلیا تو بہت اچھی بات ہے ان دونوں کو اسی نکاح پر باقی رکھا جائے گا، لیکن اگر دوسرے نے اسلام قبول کرنے سے انکار کردیا یا خاموش رہا تو اس صورت میں دونوں کے درمیان تفریق کردی جائے گی، اگرچہ شوہر نابالغ سمجھ دار ہو تو بھی انکار کرنے کی وجہ سے تفریق ہوگی، اس مسئلہ میں کسی کا اختلاف نہیں ہے بلکہ یہ ایک اتفاقی

مسئلہ ہے۔ (اور صبی ممیز یعنی سمجھدار بچہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ دین ومذہب کو سمجھتا ہو، بعض نے اس کی عمر سات سال لکھی ہے)

اور احکامِ مذکورہ میں بچی بچہ کی طرح ہے یعنی اگر کتابی شوہر مسلمان ہوجائے اور اس کی بیوی سمجھدار نابالغہ ہے تو اس پر اسلام پیش کیا جائے گا، چنانچہ اگر اس نے اسلام قبول کرلیا تو نکاح علی حالہ باقی رہے گا اور اگر اس نے اسلام لانے سے انکار کردیا تو پھر ان دونوں کے درمیان تفریق کردی جائے گی۔ اور اس بارے میں بنیادی قاعدہ یہ ہے کہ ہر وہ شخص جس کا اسلام قبول کرنا معتبر اور صحیح ہے اس کا اسلام لانے سے انکار کرنا بھی معتبر مانا جائے گا۔

اور اگر لڑکا یا لڑکی جو ابھی نابالغہ ہے غیر ممیز ہے یعنی ان دونوں کو اپنے دین ومذہب کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے اور دین ومذہب کو کچھ نہیں سمجھتے ہیں تو ان کے واسطے حکم یہ ہے کہ ان کے سمجھدار ہونے تک انتظار کیا جائے گا اس کے بعد ان کے انکار کا اعتبار ہوگا، لیکن اگر شوہر مجنون ہے تو اس کے جنون کے اچھے ہونے کا انتظار نہیں کیا جائے گا اس لیے کہ اس کی کوئی حد مقرر نہیں ہے بلکہ ان کے ماں باپ پر اسلام پیش کیا جائے گا، اگر ان کے والدین میں سے کوئی بھی مسلمان ہوجائے تو بچہ اسی کے تابع قرار دیا جائے گا اور اس کو بھی مسلمان تسلیم کرلیا جائے گا اور اس طرح سے زوجین کے درمیان نکاح باقی رہے گا۔ اور اگر ان کے والدین نہ ہوں تو قاضی ان کی طرف سے ایک وصی مقرر کرے گا پھر اس پر تفریق کا حکم ہوگا جیسا کہ باقانی نے بہنسی سے اور انھوں نے علامہ زاہدی کی روضۃ العلماء سے نقل کیا ہے۔

(وَلَوْ أَسْلَمَ الزَّوْجُ وَهِيَ مَجُوسِيَّةٌ فَتَهَوَّدَتْ أَوْ تَنَصَّرَتْ بَقِيَ نِكَاحُهَا كَمَا لَوْ كَانَتْ فِي الِابْتِدَاءِ كَذَلِكَ) لِأَنَّهَا كِتَابِيَّةٌ مَآلًا (وَالتَّفْرِيقُ) بَيْنَهُمَا (طَلَاقٌ) يَنْقُصُ الْعَدَدَ (لَوْ أَبَى لَا لَوْ أَبَتْ) لِأَنَّ الطَّلَاقَ لَا يَكُونُ مِنَ النِّسَاءِ (وَإِبَاءُ الْمُمَيِّزِ وَأَحَدِ أَبَوَيِ الْمَجْنُونِ طَلَاقٌ) فِي الْأَصَحِّ، وَهُوَ مِنْ أَغْرَبِ الْمَسَائِلِ حَيْثُ يَقَعُ الطَّلَاقُ مِنْ صَغِيرٍ وَمَجْنُونٍ زَيْلَعِيٌّ، وَفِيهِ نَظَرٌ، إِذِ الطَّلَاقُ مِنَ الْقَاضِي وَهُوَ عَلَيْهِمَا لَا مِنْهُمَا فَلَيْسَا بِأَهْلٍ لِلْإِيقَاعِ بَلْ لِلْوُقُوعِ، كَمَا لَوْ وَرِثَ قَرِيبَهُ. وَلَوْ قَالَ: إِنْ جُنِنْت فَأَنْتِ طَالِقٌ فَجُنَّ لَمْ يَقَعْ، بِخِلَافِ إِنْ دَخَلْت الدَّارَ فَدَخَلَهَا مَجْنُونًا وَقَعَ. (وَلَوْ) (أَسْلَمَ أَحَدُهُمَا) أَيْ أَحَدُ الْمَجُوسِيَّيْنِ أَوِ امْرَأَةُ الْكِتَابِيِّ (ثَمَّةَ) أَيْ فِي دَارِ الْحَرْبِ وَمُلْحَقٌ بِهَا كَالْبَحْرِ الْمِلْحِ (لَمْ تَبِنْ حَتَّى تَحِيضَ ثَلَاثًا) أَوْ تَمْضِيَ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ (قَبْلَ إِسْلَامِ الْآخَرِ) إِقَامَةً لِشَرْطِ الْفُرْقَةِ مَقَامَ السَّبَبِ، وَلَيْسَتْ بِعِدَّةٍ لِدُخُولِ غَيْرِ الْمَدْخُولِ بِهَا.

شوہر مسلمان اور بیوی کتابیہ ہو تو کیا حکم ہے؟

اگر شوہر مسلمان ہوگیا اور بیوی مجوسیہ تھی چنانچہ وہ یہودیہ یا نصرانیہ ہوگئی تو اس کا نکاح باقی رہے گا جس طرح کہ اگر ابتداء

ہی سے کسی مسلمان کی بیوی یہودیہ یا نصرانیہ ہو تو یہ نکاح جائز رہتا ہے اور نکاح باقی رہتا ہے، اسی طرح جب مجوسیہ یہودیہ یا نصرانیہ ہو گئی تو انجام کے اعتبار سے اہل کتاب ہو گئی اس لیے نکاح باقی رکھا جائے گا، کیوں کہ یہودیہ اور نصرانیہ سے نکاح جائز ہے اور ان دونوں کے درمیان جو تفریق ہو گی وہ طلاق بائن کے حکم میں ہو گی جو عدد طلاق کو کم کر ڈالتا ہے، اس لیے اگر تفریق کے بعد شادی کرے گا تو تین طلاق کا مالک نہیں رہے گا بلکہ صرف دو طلاق کا مالک ہوگا اور تفریق طلاق کے حکم میں اس وقت ہے جب شوہر اسلام قبول کرنے سے انکار کرے، لیکن اگر عورت اسلام قبول کرنے سے انکار کرے تو یہ تفریق طلاق کے حکم میں نہیں ہو گی اس لیے کہ طلاق عورتوں کی جانب سے نہیں ہوا کرتی ہے اور عورت طلاق کی مالک نہیں ہوتی ہے۔

نابالغ عاقل اور مجنون کا انکار

اور نابالغ سمجھ دار اور مجنون شوہر کے والدین کا اسلام قبول کرنے سے انکار کرنا اصح قول کے مطابق طلاق کے حکم میں ہے اور یہ عجیب و غریب مسائل میں سے ہے کہ یہاں نابالغ اور مجنون کی طلاق بھی واقع ہو گئی ہے جیسا کہ زیلعی میں ہے اور یہ مسئلہ قابل غور ہے اس لیے کہ یہ طلاق درحقیقت قاضی کی طرف سے واقع ہوئی ہے اور طلاق ان دونوں کی طرف سے واقع کی جاتی ہے ان کے اختیار سے نہیں ہوتی ہے اس لیے کہ یہ دونوں طلاق دینے کے اہل نہیں ہیں بلکہ ان کی طرف سے طلاق پڑ جانے کے اہل ہیں، اس لیے اس مسئلہ کو عجیب و غریب مسائل میں شمار کرنا درست نہیں ہے، جس طرح کہ اگر یہ نابالغ اور مجنون اپنے کسی قرابت دار کے وارث ہوں گے تو وہ اس کی وجہ سے آزاد ہو جائے گا، تو یہ آزادی حقیقت میں شریعت کی جانب سے ہوتی ہے نابالغ اور مجنون کی طرف سے نہیں۔

طلاقِ معلق کا حکم

اگر کسی عاقل و بالغ شوہر نے اپنی بیوی سے اس طرح کہا کہ اگر میں پاگل ہو گیا تو تجھ کو طلاق ہے، چنانچہ شوہر اس کے بعد پاگل ہو گیا تو طلاق واقع نہ ہو گی، اس لیے کہ طلاق وجود شرط کے بعد واقع ہوتی ہے اور یہاں شرط جنون کی تھی اور جب وہ مجنون ہوا تو وہ مکلف نہیں رہا، اس کے برخلاف اگر شوہر نے یہ کہا کہ اگر میں گھر میں داخل ہوں تو تجھ کو طلاق، چنانچہ وہ گھر میں مجنون ہونے کی حالت میں داخل ہوا تو طلاق واقع ہو جائے گی اس لیے کہ طلاق کو دخولِ دار پر معلق کیا تھا اور یہاں دخول پایا گیا ہے اس لیے طلاق واقع ہو جائے گی۔

عورت عدت کب گذارے گی؟

اگر دار الحرب یا جو دار الحرب سے ملحق ہے جیسے البحر الملح ہے اس میں مجوسی میاں بیوی میں سے کوئی ایک مسلمان ہو گیا یا کسی اہل کتاب کی بیوی مسلمان ہو گئی تو عورت اس وقت تک علیحدہ نہ ہو گی جب تک کہ دوسرے کے اسلام قبول کرنے سے

پہلے اس کو تین حیض نہ آجائے یا تین ماہ کی مدت گذر نہ جائے، تاکہ فرقت کی شرط سبب کے قائم مقام ہو جائے، قاعدہ کے اعتبار سے جب میاں بیوی میں سے ایک مسلمان ہو گیا تو دوسرے پر اسلام پیش کرنا چاہیے لیکن چوں کہ دار الحرب میں اسلام پیش نہیں کیا جاسکتا ہے اس لیے تین حیض یا تین ماہ کی مدت درمیان میں رکھی ہے تاکہ یہ مدت اسلام پیش کرنے کے قائم مقام مان لی جائے، اس حیض اور تین ماہ کی مدت کو عدت نہیں کہا جائے گا اس لیے کہ یہ حکم مدخولہ اور غیر مدخولہ دونوں کے لیے برابر ہے اور بات مسلَّم ہے کہ غیر مدخولہ پر عدت نہیں ہوتی ہے۔

(وَلَوْ) (أَسْلَمَ زَوْجُ الْكِتَابِيَّةِ) وَلَوْ مَآلًا كَمَا مَرَّ (فَهِيَ لَهُ، وَ) الْمَرْأَةُ (تَبِينُ بِتَبَايُنِ الدَّارَيْنِ) حَقِيقَةً وَحُكْمًا (لَا) بِ (السَّبْيِ، فَلَوْ) (خَرَجَ) أَحَدُهُمَا (إِلَيْنَا مُسْلِمًا) أَوْ ذِمِّيًّا أَوْ أَسْلَمَ أَوْ صَارَ ذَا ذِمَّةٍ فِي دَارِنَا (أَوْ أُخْرِجَ مَسْبِيًّا) وَأُدْخِلَ فِي دَارِنَا (بَانَتْ) بِتَبَايُنِ الدَّارِ، إِذْ أَهْلُ الْحَرْبِ كَالْمَوْتَى، وَلَا نِكَاحَ بَيْنَ حَيٍّ وَمَيِّتٍ (وَإِنْ) (سُبِيَا) أَوْ خَرَجَا إِلَيْنَا (مَعًا) ذِمِّيَّيْنِ أَوْ مُسْلِمَيْنِ أَوْ ثُمَّ أَسْلَمَا أَوْ صَارَا ذِمِّيَّيْنِ (لَا) تَبِينُ لِعَدَمِ التَّبَايُنِ. حَتَّى لَوْ كَانَتِ الْمَسْبِيَّةُ مَنْكُوحَةَ مُسْلِمٍ أَوْ ذِمِّيٍّ لَمْ تَبِنْ، وَلَوْ نَكَحَهَا ثَمَّةَ ثُمَّ خَرَجَ قَبْلَهَا بَانَتْ وَإِنْ خَرَجَتْ قَبْلَهُ لَا، وَمَا فِي الْفَتْحِ عَنِ الْمُحِيطِ تَحْرِيفٌ نَهْرٌ. (وَمَنْ) (هَاجَرَتْ إِلَيْنَا) مُسْلِمَةً أَوْ ذِمِّيَّةً (حَائِلًا) (بَانَتْ بِلَا عِدَّةٍ) فَيَحِلُّ تَزَوُّجُهَا، أَمَّا الْحَامِلُ فَحَتَّى تَضَعَ عَلَى الْأَظْهَرِ لَا لِلْعِدَّةِ بَلْ لِشُغْلِ الرَّحِمِ بِحَقِّ الْغَيْرِ

کتابیہ کے شوہر کا مسلمان ہو جانا

اور اگر کسی کتابیہ عورت کا شوہر مسلمان ہو گیا اگر چہ وہ انجام کے اعتبار ہی سے کیوں نہ ہو تو وہ عورت اسی کی باقی رہے گی اس لیے کہ کتابیہ عورت سے مسلمان کا نکاح ابتداء میں درست ہے، لہٰذا انجام کے اعتبار سے بھی درست ہوگا اور کافرہ عورت اپنے شوہر سے تبائن دار کی وجہ سے جدا ہو جاتی ہے خواہ یہ دارین کا تبائن حقیقت کے اعتبار سے ہو، مثلاً شوہر دار الاسلام میں اور بیوی دار الحرب میں ہو تو یہ تباین حقیقی ہے، دونوں کے درمیان جدائی ہو جائے گی، یا دارین کا تباین حکمی اعتبار سے ہو مثلاً دار الحرب کا باشندہ دار الاسلام میں بالکلیہ طور پر سکونت پذیر ہونے کے لیے آئے واپسی کا ارادہ نہ ہو تو اس صورت میں بھی دونوں کے درمیان جدائی ہو جائے گی، لیکن اگر وہ دار الاسلام میں امان لے کر بغرض واپسی آیا ہے تو اس سے جدائی نہ ہوگی، صرف گرفتار کر کے لائے جانے کی وجہ سے جدائی واقع نہ ہوگی، پس اگر میاں میں سے کوئی ایک مسلمان ہو کر دار الاسلام آگیا یا کوئی ایک ذمی بن گیا اور دار الاسلام میں داخل ہو گیا یا دار الحرب سے قید کر کے لایا گیا اور دار الاسلام میں داخل کیا گیا تو اس صورت میں عورت اپنے شوہر سے تبائن دار کی وجہ سے بائنہ ہو جائے گی، اس لیے کہ حربی مردہ کے حکم میں ہے اور یہ بات طے

شدہ ہے کہ زندہ اور مردہ کے درمیان نکاح نہیں ہوتا ہے۔

میاں بیوی دونوں ایک ساتھ گرفتار کیے گئے تو کیا حکم ہے؟

اگر میاں بیوی دونوں ایک ساتھ گرفتار کیے گئے اور دونوں مسلمان ہو گئے یا دونوں دارالاسلام ذمی ہو کر آئے اور دونوں مسلمان ہو کر گئے، یا دونوں ذمی بن گئے تو اس صورت میں دونوں کے درمیان جدائی نہیں ہوگی، اس لیے کہ ان کے درمیان تباین دار نہیں پایا گیا ہے۔

اور اگر کسی مسلمان نے دارالحرب میں کسی کتابیہ سے نکاح کیا، یا کسی ذمی نے اس سے نکاح کیا اور عورت شوہر سے پہلے دارالحرب سے نکل آئی تو بائنہ نہیں ہوگی اور اگر اس سے دارالحرب میں نکاح کیا اور شوہر عورت سے پہلے نکل آیا تو اس صورت میں جدائی ہو جائے گی۔ اور جو فتح القدیر میں محیط نامی کتاب سے منقول ہے وہ تحریف ہے۔

اور جو عورت مسلمان ہو کر یا ذمیہ ہو کر دارالحرب سے دارالاسلام آگئی اور وہ حاملہ نہیں ہے تو وہ اپنے شوہر سے بلا عدت جدا ہو جائے گی، لہٰذا اس سے نکاح کرنا صحیح ہوگا۔ اور اگر ہجرت کر کے آنے والی عورت حاملہ ہے تو جب تک بچہ نہ جنے گی ظاہر قول کے مطابق اس کا نکاح درست نہیں ہوگا۔ اور یہ وضع حمل کا انتظار برائے عدت نہیں ہے بلکہ اس لیے کہ اس کی بچہ دانی خالی نہیں ہے غیر کے حق سے متعلق ہے اسی لیے وضع حمل تک نکاح درست نہ ہوگا۔

(وَارْتِدَادُ أَحَدِهِمَا) أَيْ الزَّوْجَيْنِ (فَسْخٌ) فَلَا يَنْقُصُ عَدَدًا (عَاجِلٌ) بِلَا قَضَاءٍ (فَلِلْمَوْطُوءَةِ) وَلَوْ حُكْمًا (كُلُّ مَهْرِهَا) لِتَأَكُّدِهِ بِهِ (وَلِغَيْرِهَا نِصْفُهُ) لَوْ مُسَمًّى أَوْ الْمُتْعَةُ (لَوْ) (ارْتَدَّ) وَعَلَيْهِ نَفَقَةُ الْعِدَّةِ (وَلَا شَيْءَ مِنْ الْمَهْرِ وَالنَّفَقَةِ سِوَى السُّكْنَى) (بِهِ يُفْتَى) (لَوْ ارْتَدَّتْ) لِمَجِيءِ الْفُرْقَةِ مِنْهَا قَبْلَ تَأَكُّدِهِ وَلَوْ مَاتَتْ فِي الْعِدَّةِ وَرِثَهَا زَوْجُهَا الْمُسْلِمُ اسْتِحْسَانًا، وَصَرَّحُوا بِتَعْزِيرِهَا خَمْسَةً وَسَبْعِينَ، وَتُجْبَرُ عَلَى الْإِسْلَامِ وَعَلَى تَجْدِيدِ النِّكَاحِ زَجْرًا لَهَا بِمَهْرٍ يَسِيرٍ كَدِينَارٍ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى وَلْوَالِجِيَّةٌ. وَأَفْتَى مَشَايِخُ بَلْخٍ بِعَدَمِ الْفُرْقَةِ بِرِدَّتِهَا زَجْرًا وَتَيْسِيرًا لَا سِيَّمَا الَّتِي تَقَعُ فِي الْمُكَفِّرِ ثُمَّ تُنْكِرُ، قَالَ فِي النَّهْرِ: وَالْإِفْتَاءُ بِهَذَا أَوْلَى مِنْ الْإِفْتَاءِ بِمَا فِي النَّوَادِرِ لَكِنْ قَالَ الْمُصَنِّفُ: وَمَنْ تَصَفَّحَ أَحْوَالَ نِسَاءِ زَمَانِنَا وَمَا يَقَعُ مِنْهُنَّ مِنْ مُوجِبَاتِ الرِّدَّةِ مُكَرَّرًا فِي كُلِّ يَوْمٍ لَمْ يَتَوَقَّفْ فِي الْإِفْتَاءِ بِرِوَايَةِ النَّوَادِرِ. قُلْت: وَقَدْ بَسَطْتُ فِي الْقُنْيَةِ وَالْمُجْتَبَى وَالْفَتْحِ وَالْبَحْرِ: وَحَاصِلُهَا أَنَّهَا بِالرِّدَّةِ تُسْتَرَقُّ وَتَكُونُ فَيْئًا لِلْمُسْلِمِينَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ - رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى -، وَيَشْتَرِيهَا الزَّوْجُ مِنْ الْإِمَامِ أَوْ يَصْرِفُهَا إلَيْهِ لَوْ مَصْرِفًا. وَلَوْ اسْتَوْلَى عَلَيْهَا الزَّوْجُ بَعْدَ الرِّدَّةِ مَلَكَهَا وَلَهُ بَيْعُهَا مَا

لَمْ تَكُنْ وَلَدَتْ مِنْهُ فَتَكُونُ كَأُمِّ الْوَلَدِ، وَنَقَلَ الْمُصَنِّفُ فِي كِتَابِ الْغَصْبِ أَنَّ عُمَرَ - رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ - هَجَمَ عَلَى نَائِحَةٍ فَضَرَبَهَا بِالدِّرَّةِ حَتَّى سَقَطَ خِمَارُهَا، فَقِيلَ لَهُ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ قَدْ سَقَطَ خِمَارُهَا، فَقَالَ إِنَّهَا لَا حُرْمَةَ لَهَا. وَمِنْ هُنَا قَالَ الْفَقِيهُ أَبُو بَكْرٍ الْبَلْخِيُّ حِينَ مَرَّ بِنِسَاءٍ عَلَى شَطِّ نَهْرٍ كَاشِفَاتِ الرُّءُوسِ وَالذِّرَاعِ فَقِيلَ لَهُ كَيْفَ تَمُرُّ؟ فَقَالَ، لَا حُرْمَةَ لَهُنَّ إِنَّمَا الشَّكُّ فِي إِيمَانِهِنَّ كَأَنَّهُنَّ حَرْبِيَّاتٌ (وَبَقِيَ النِّكَاحُ إِنْ ارْتَدَّا مَعًا) بِأَنْ لَمْ يُعْلَمِ السَّبْقُ فَيُجْعَلُ كَالْغَرْقَى (ثُمَّ أَسْلَمَا كَذَلِكَ) اسْتِحْسَانًا (وَفَسَدَ إِنْ أَسْلَمَ أَحَدُهُمَا قَبْلَ الْآخَرِ) وَلَا مَهْرَ قَبْلَ الدُّخُولِ لَوْ الْمُتَأَخِّرُ هِيَ، وَلَوْ هُوَ فَنِصْفُهُ أَوْ مُتْعَةٌ.

میاں بیوی میں سے کسی ایک کا مرتد ہو جانا

اور مسلمان میاں بیوی میں سے کسی کا مرتد ہو جانا فوری طور پر نکاح کو فسخ کر دیتا ہے جس میں قاضی کے فیصلے کی بھی ضرورت نہیں آئے گی اور چوں کہ فسخ نکاح ہے اس لیے طلاق کا عدد کم نہ ہوگا۔ (چنانچہ اگر کوئی شخص چند بار مرتد ہوا اور ہر بار مسلمان ہوا اور ہر مرتبہ جدید نکاح کیا تو اس صورت میں عورت حلال ہوگی اور حلالہ کی بھی ضرورت پیش نہیں آئے گی)۔ (شامی: ۴/۹۶۶)

اور ارتداد کی صورت میں جس عورت سے شوہر صحبت کر چکا ہے یا خلوتِ صحیحہ پائی گئی ہے اس کا کل مہر شوہر پر واجب ہوگا اس لیے کہ وطی حقیقی اور وطی حکمی دونوں سے مہر مؤکد ہو جاتا ہے، مرتد خواہ مرد ہو یا عورت ہو، اور اگر مرتدہ کے ساتھ وطی نہیں پائی گئی ہے نہ حقیقی نہ حکمی تو مہر مقرر ہونے کی صورت میں نصف مہر واجب ہوگا اور اگر مہر مقرر نہیں تھا تو اس صورت میں متعہ واجب ہوگا۔ اور اگر مرد مرتد ہوا ہے تو اس پر عدت کا نفقہ بھی واجب ہوگا۔ اور اگر عورت مدخولہ نہیں ہے بلکہ غیر مدخولہ ہے تو اس کے شوہر پر نہ مہر واجب ہوگا اور نہ نفقہ، البتہ رہنے کا مکان عدت کے پورے ہونے تک اس پر واجب ہوگا تا کہ اس میں عدت گذارے، فتویٰ بھی اسی پر ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جدائی عورت کی طرف سے پائی گئی ہے اور جس کی وجہ سے مہر مؤکد ہوتا ہے یعنی وطی وہ نہیں پائی گئی ہے اور اگر یہ مرتدہ عورت زمانہ ردت میں مر جائے تو اس کا وارث اس کا مسلمان شوہر ہوگا، استحسان کا یہی تقاضہ ہے۔

مرتد کی سزا اسلام کی نظر میں

حضرات فقہائے کرام نے اس کی صراحت کی ہے کہ جو عورت مرتد ہو جائے اور اسلام سے پھر جائے اس کو بطور سزا پچھتر (۷۵) کوڑے لگائے جائیں گے، حضرت امام ابو یوسفؒ کا یہی قول ہے اور فتویٰ بھی اسی پر ہے اور اس کو بطور سزا مجبور کیا جائے گا کہ وہ اسلام قبول کرلے پھر اسی شوہر سے جدید نکاح کرے اور اس میں مہر بھی نہایت معمولی رکھا جائے گا، مثال کے طور پر ایک دینار، خواہ عورت اس پر راضی ہو یا راضی نہ ہو، فتویٰ بھی اسی پر ہے جیسا کہ ولوالجیہ میں ہے، البتہ اگر شوہر ہی اس عورت سے نکاح نہ کرنا

چاہے تو اس کو اس عورت سے نکاح کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا بلکہ اس عورت کا نکاح کسی دوسرے مرد سے کر دیا جائے گا۔

عورت کے مرتدہ ہونے کا اثر

مشائخ بلخ نے اس بات پر فتویٰ دیا ہے کہ عورت کے مرتد ہونے سے جدائی واقع نہیں ہوگی اور ان مشائخ کا یہ فتویٰ بطور زجر و توبیخ ہے تا کہ عورت شوہر کے خلاف کوئی حیلہ بہانہ اختیار نہ کر سکے اور مخلوق خدا پر آسانی کا بھی یہی تقاضہ ہے بالخصوص وہ عورت جو موجبات کفر کا ارتکاب کرے پھر انکار کر بیٹھے۔ اور النہر الفائق میں لکھا ہے کہ اس روایت پر فتویٰ دینا نوادر روایتوں پر فتویٰ دینے سے بہتر ہے۔

اور حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے اپنی شرح منح الغفار میں رقم فرمایا ہے کہ جو لوگ ہمارے زمانے کی عورتوں کے احوال پر گہری نظر رکھتے ہیں اور یہ جانتے ہیں کہ عورتوں سے کس طرح بار بار ارتداد والے کلمات کا ارتکاب پایا جاتا ہے اور ہر روز کس طرح ان سے کلمات ارتداد سرزد ہوتے ہیں وہ نوادر کی روایت پر فتویٰ دینے پر توقف اختیار نہیں کریں گے بلکہ نوادر ہی پر فتویٰ دیں گے۔

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ میرا کہنا یہ ہے کہ نوادر کی روایت قنیہ، مجتبیٰ، فتح القدیر اور البحر الرائق میں بہت مفصل اور شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جس کا ماحصل اور لب لباب یہ ہے کہ عورت کے مرتد ہونے سے اس کو باندی بنا لیا جائے گا اور وہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک مسلمانوں کے لیے مال غنیمت بن جائے گی، اگر وہ عورت مال غنیمت کا مصرف نہ ہوگی تو شوہر اس کو امام سے خرید لے گا اور غنیمت کے مصرف میں خرچ کرے گا اور اگر وہ مال غنیمت کا مصرف ہے تو شوہر کو مصرف میں استعمال کرے گا اور اگر عورت کے مرتد ہو جانے کے بعد شوہر اس پر مسلط ہو گیا تو وہ اس کا مالک ہوگا اور اس کے لیے اس کا فروخت کرنا جائز ہوگا جب تک کہ شوہر سے اس کی کوئی اولاد نہ پیدا ہو، اگر اولاد پیدا ہو چکی ہے تو یہ مرتدہ عورت ام ولد کی طرح ہو جائے گی، لہٰذا اس کو فروخت کرنا درست نہیں ہوگا۔

نافرمان عورت کی حرمت باقی نہیں رہتی ہے

حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے کتاب الغصب میں یہ واقعہ نقل فرمایا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک عورت کو نوحہ اور ماتم کرتے ہوئے دیکھا، آپ نے اس پر درّے لگوائے، یہاں تک کہ درّے لگانے میں اس کے سر سے دوپٹہ گر گیا، لوگوں نے عرض کیا: اے امیر المؤمنین! اس کے سر سے دوپٹہ گر گیا ہے، آپ نے یہ سن کر فرمایا اس وقت اس کی کوئی عزت و حرمت نہیں ہے، اس لیے کہ یہ خدا کی معصیت اور نافرمانی میں مبتلا ہے۔

اس واقعہ سے استدلال کرتے ہوئے فقیہ ابوبکر بلخی نے کہا جب وہ ایک ایسے نہر کے کنارے سے گذرے جہاں کچھ عورتیں اپنے سروں اور ہاتھوں کو کھولے ہوئے تھیں، لوگوں نے ابوبکر بلخی سے معلوم کیا: حضرت آپ اس جگہ سے کیسے گذر گئے

جہاں عورتیں برہنہ سر اور برہنہ ہاتھ تھیں؟ اس کے جواب میں فقیہ ابوبکر بلخی نے فرمایا: اس صورت میں ان کی شرعاً کوئی حرمت وعزت نہیں ہے، بلکہ مجھے تو ان کے ایمان میں بھی شک ہے، گویا یہ حربی عورتوں کی طرح ہیں اور حربی عورتیں باندیوں کے حکم میں ہوتی ہیں جن کے لیے سر ڈھانکنا اور سر چھپانا واجب نہیں ہے۔

ایک ساتھ زوجین کے مرتد ہونے کا حکم

اگر زوجین میں سے ہر ایک ایک ساتھ مرتد ہوا ہو اور یہ معلوم ہی نہیں ہے کہ کون پہلے مرتد ہوا ہے اور کون بعد، میں تو دونوں کا نکاح علی حالہ باقی رہے گا اور یہ دونوں دو ایک ساتھ ڈوبنے والے کے حکم میں ہو جائیں گے اور ان میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کا وارث نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر یہ دونوں ایک ساتھ مسلمان ہو جائیں تو استحساناً ان کا نکاح باقی رہے گا، ہاں اگر ان میں سے ایک نے دوسرے سے پہلے اسلام قبول کیا تو اس صورت میں نکاح فاسد ہو جائے گا اور اگر یہ واقعہ خلوت صحیحہ سے پہلے پیش آیا ہے تو مہر واجب نہ ہوگا بشرطیکہ عورت نے بعد میں اسلام قبول کیا تھا، لیکن اگر مرد نے بعد میں اسلام قبول کیا تو اگر مہر مقرر ہے تو نصف مہر واجب ہوگا اور اگر مہر ہی مقرر نہ ہو تو اس صورت میں صرف متعہ واجب ہوگا اور اگر خلوت صحیحہ کے بعد ارتداد پایا گیا تو کل مہر مسمّٰی واجب ہوگا۔

(وَالْوَلَدُ يَتْبَعُ خَيْرَ الْأَبَوَيْنِ دِينًا) إنْ اتَّحَدَتْ الدَّارُ وَلَوْ حُكْمًا، بِأَنْ كَانَ الصَّغِيرُ فِي دَارِنَا وَالْأَبُ ثَمَّةَ، بِخِلَافِ الْعَكْسِ (وَالْمَجُوسِيُّ، وَمِثْلُهُ) كَوَثَنِيٍّ وَسَائِرِ أَهْلِ الشِّرْكِ (شَرٌّ مِنَ الْكِتَابِيِّ) وَالنَّصْرَانِيُّ شَرٌّ مِنَ الْيَهُودِيِّ فِي الدَّارَيْنِ لِأَنَّهُ لَا ذَبِيحَةَ لَهُ بَلْ يَخْنُقُ كَمَجُوسِيٍّ وَفِي الْآخِرَةِ أَشَدُّ عَذَابًا. وَفِي جَامِعِ الْفُصُولَيْنِ: لَوْ قَالَ النَّصْرَانِيَّةُ خَيْرٌ مِنَ الْيَهُودِيَّةِ أَوْ الْمَجُوسِيَّةِ كَفَرَ لِإِثْبَاتِهِ الْخَيْرَ لِمَا قُبِّحَ بِالْقَطْعِيِّ. لَكِنْ وَرَدَ فِي السُّنَّةِ أَنَّ الْمَجُوسَ أَسْعَدُ حَالَةً مِنَ الْمُعْتَزِلَةِ لِإِثْبَاتِ الْمَجُوسِ خَالِقَيْنِ فَقَطْ. وَهَؤُلَاءِ خَالِقًا لَا عَدَدَ لَهُ بَزَّازِيَّةٌ وَنَهْرٌ

اولاد ہمیشہ دین میں خیر الابوین کے تابع ہوگی

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اولاد کو والدین میں سے اس کے تابع قرار دیا جائے گا جو دین کے اعتبار سے بہتر ہو، اگر باپ مسلمان ہے تو اولاد باپ کے تابع ہوگی اور اگر ماں مسلمان ہے تو اولاد اس کے تابع ہوگی، بشرطیکہ دار متحد ہو، اگرچہ دار کا اتحاد حکماً ہی کیوں نہ ہو، بایں طور کہ نابالغ لڑکا ہمارے ملک دار الاسلام میں ہو اور اس کی ماں ذمیہ ہو اور باپ نے دار الحرب میں اسلام قبول کیا ہو تو یہاں بظاہر اختلاف دارین ہے لیکن اس کے باپ کے مسلمان ہونے کی وجہ سے حکماً وہ دار الاسلام میں شمار کیا جائے گا، لیکن اگر معاملہ اس کے برعکس ہو، بایں طور کہ نابالغ لڑکا دار الحرب میں ہو اور باپ دار الاسلام

میں اسلام قبول کیا ہو تو اس صورت میں لڑکا اسلام میں باپ کے تابع نہیں ہوگا کیوں کہ اختلاف دارین حقیقتاً اور حکماً دونوں اعتبار سے پایا گیا ہے۔

کافروں کے درجات کی تقسیم

مجوسی اور اسی کے مثل بت پرست اور تمام اہل شرک جن کا مذہب آسمانی نہیں ہے وہ اہل کتاب سے بدتر ہیں، اس لیے کہ اہل کتاب کا دین اس کے دعوی کے مطابق آسمانی اور منجانب اللہ ہے اگر چہ حقیقتاً اب ایسا نہیں ہے، اسی وجہ سے اہل کتاب کا ذبیحہ حلال قرار دیا گیا ہے جب کہ مجوسی کا ذبیحہ حلال نہیں ہے، تو اگر مجوسی اور اہل کتاب دونوں سے مل کر بچہ پیدا ہوا تو بچہ کتابی شمار ہوگا۔

عیسائی یہودی سے بدتر ہے

نصرانی یعنی عیسائی یہودی سے بدتر ہے، دارالاسلام میں بھی اور دارالحرب میں بھی، اس لیے کہ نصرانی لوگ جانور کو ذبح نہیں کرتے ہیں بلکہ گلا گھونٹ کر مار ڈالتے ہیں، اس کے برخلاف یہودی جانور کو ذبح کرتے ہیں، اسی طرح نصرانی کے لیے آخرت میں شدید ترین عذاب آیا ہے۔ (اس لیے کہ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا مانتے ہیں اور ان کا جھگڑا الٰہیات میں ہے اور یہودیوں کا جھگڑا نبوت میں ہے اور ارشاد باری: {وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ نِ ابْنُ اللّٰهِ} (التوبۃ: ۳۰) ''یہودیوں نے کہا کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے''، یہودیوں کی ایک چھوٹی سی جماعت سے متعلق ہے۔ اور یہ آیت کریمہ: {لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا} (المائدۃ: ۸۲) یقیناً آپ ایمان والوں کا سب سے زیادہ دشمن یہودیوں اور مشرکوں کو پائیں گے۔ اس آیت سے تو یہ معلوم ہو رہا ہے کہ یہودی ایمان والوں کے سب سے بڑے دشمن ہیں، لہٰذا آخرت میں سخت عذاب بھی انہیں کو ہوگا اور مصنف نے فرمایا کہ عیسائیوں کو سخت عذاب ہوگا تو دونوں کے درمیان تعارض نظر آرہا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں بحث شدت کفر اور خفت کفر میں ہے، جب کہ آیت کے اندر قوت عداوت اور ضعف عداوت کا بیان ہے، یعنی یہودیوں کی دشمنی زیادہ ہوتی ہے اور عیسائی کفر و شرک میں سخت ہوتے ہیں اور عذاب کفر و شرک کی سختی پر زیادہ ہوگا اس لیے نصرانیوں کو اشد عذاب قرار دیا گیا ہے)۔ (شامی: ۴/ ۳۷۳)

اور جامع الفصولین میں ہے کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ نصرانیت، یہودیت اور مجوسیت سے بہتر ہے تو وہ بہتری کے ثابت کرنے کی وجہ سے کافر ہو جائے گا، اس لیے کہ دلیل قطعی سے ثابت ہے کہ تمام ادیان میں سب سے زیادہ بہتر صرف دین اسلام ہے {اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ} بیشک دین اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہی قابل اعتبار ہے۔ لہٰذا خیر نہ دین نصرانیت میں ہے، نہ دین یہودیت میں، نہ دین مجوسیت میں، لیکن کتب اہل سنت میں آیا ہے کہ مجوسی معتزلہ سے اچھی حالت میں ہیں، اس لیے کہ مجوسی صرف دو خالق ثابت کرتے ہیں: ایک خالق نور جس کا نام ''یزداں'' ہے اور دوسرا خالق ظلمت جس کا

نام ''اہرمن'' ہے، اس کے برخلاف معتزلہ بہت سے خالق مانتے ہیں اور اس کو ثابت کرتے ہیں، جیسا کہ فتاویٰ بزازیہ اور النہرالفائق میں ہے۔ (معتزلہ کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خالق شر نہیں ہے بلکہ شر کا خالق خود بندہ ہے، اس طرح بہت سے خالق لازم آتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ لکن وَرَدَ فِي السُّنَّةِ سے اس بات کا شبہ ہوتا ہے کہ یہ حدیث شریف اور قولِ رسول ہے، حالانکہ یہ قول رسول اور حدیث نہیں ہے، بزازیہ میں یہ عبارت اس طرح مذکور ہے والمذکور في کتب السنة الخ۔ اور وجہ استدراک یہ ہے کہ علمائے اہل السنۃ والجماعۃ کا اس طرح تعبیر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ نصرانیت یہودیت سے بہتر ہے کہنا درست ہے الخ)۔ (شامی: ۴/ ۳۷۳)

(وَلَوْ) (تَمَجَّسَ أَبُو صَغِيرَةٍ نَصْرَانِيَّةٍ تَحْتَ مُسْلِمٍ) بَانَتْ بِلَا مَهْرٍ وَلَوْ كَانَ (قَدْ مَاتَتْ الْأُمُّ نَصْرَانِيَّةً) مَثَلًا وَكَذَا عَكْسُهُ (لَمْ تَبِنْ) لِتَنَاهِي التَّبَعِيَّةِ بِمَوْتِ أَحَدِهِمَا ذِمِّيًّا أَوْ مُسْلِمًا أَوْ مُرْتَدًّا فَلَمْ تَبْطُلْ بِكُفْرِ الْآخَرِ. وَفِي الْمُحِيطِ: لَوْ ارْتَدَّا لَمْ تَبِنْ مَا لَمْ يَلْحَقَا، وَلَوْ بَلَغَتْ عَاقِلَةً مُسْلِمَةً ثُمَّ جُنَّتْ فَارْتَدَّا لَمْ تَبِنْ مُطْلَقًا. مُسْلِمٌ تَحْتَهُ نَصْرَانِيَّةٌ فَتَمَجَّسَا أَوْ تَنَصَّرَا بَانَتْ. (وَلَا) يَصْلُحُ (أَنْ يَنْكِحَ مُرْتَدٌّ أَوْ مُرْتَدَّةٌ أَحَدًا) مِنْ النَّاسِ مُطْلَقًا. (أَسْلَمَ) الْكَافِرُ (وَتَحْتَهُ خَمْسُ نِسْوَةٍ فَصَاعِدًا أَوْ أُخْتَانِ أَوْ أُمٌّ وَبِنْتُهَا بَطَلَ نِكَاحُهُنَّ إنْ تَزَوَّجَهُنَّ بِعَقْدٍ وَاحِدٍ، فَإِنْ رَتَّبَ فَالْآخَرُ) بَاطِلٌ. وَخَيَّرَهُ مُحَمَّدٌ وَالشَّافِعِيُّ عَمَلًا بِحَدِيثِ فَيْرُوزَ. قُلْنَا: كَانَ تَخْيِيرُهُ فِي التَّزَوُّجِ بَعْدَ الْفُرْقَةِ بَلَغَتْ الْمُسْلِمَةُ الْمَنْكُوحَةُ وَلَمْ تَصِفْ الْإِسْلَامَ بَانَتْ وَلَا مَهْرَ قَبْلَ الدُّخُولِ وَيَنْبَغِي أَنْ يَذْكُرَ اللَّهَ تَعَالَى بِجَمِيعِ صِفَاتِهِ عِنْدَهَا وَتُقِرُّ بِذَلِكَ، وَتَمَامُهُ فِي الْكَافِي.

نابالغہ کے باپ کا اثر

اگر مسلمان کی بیوی نابالغہ نصرانیہ کا باپ مجوسی ہوگیا تو اس صورت میں نصرانیہ بلامہر بائن ہوجائے گی، اس لیے کہ یہ نصرانیہ دین میں باپ کے تابع ہوگی، لہٰذا حکم کے اعتبار سے یہ بھی مجوسی قرار پائی، لہٰذا اس کا نکاح باطل قرار پائے گا۔ اور اگر اس کی ماں نصرانیہ مرچکی ہو اور اس کا باپ مجوسی ہوجائے اور اسی طرح اس کے برعکس یعنی نابالغہ نصرانیہ کا باپ نصرانی ہونے کی حالت میں مرچکا ہو اور اس کی ماں مجوسی بن گئی ہو، تو وہ اس صورت میں مسلمان شوہر سے جدا نہیں ہوگی، اس لیے کہ والدین میں سے کسی ایک کے مرنے کی وجہ سے تابع ہونے کی بات ختم ہوچکی ہے خواہ مسلمان ہوکر خواہ ذمی ہوکر خواہ مرتد ہوکر مرا ہو، لہٰذا اس صورت میں دوسرے کے کافر ہونے سے نکاح باطل نہیں قرار دیا جائے گا۔

اور محیط نامی کتاب میں یہ مذکور ہے کہ اگر نابالغہ کے والدین مرتد ہوگئے ہوں تو اس نابالغہ کا نکاح مسلمان کے ساتھ اس

وقت تک برقرار رہے گا جب تک یہ دونوں اس نابالغہ کو لے کر دار الحرب نہ چلے جائیں، اس کی وجہ سے مرتد پر جبر کیا جائے گا کہ وہ مسلمان ہو جائے لیکن یہ جبر اس وقت تک ہوگا جب تک وہ دار الاسلام میں موجود ہو، دار الاسلام سے نکلنے کے بعد جب وہ دار الحرب پہنچ گئے تو اب جبر کا حق باقی نہیں رہا، لہٰذا اب نکاح باطل ہو جائے گا۔

اگر نابالغہ کتابیہ جو کسی مسلمان کے نکاح میں تھی وہ عاقلہ اور بالغہ ہونے کے بعد مسلمان ہو گئی پھر وہ پاگل ہو گئی، پھر اس کے ماں باپ مرتد ہو گئے تو اس صورت میں وہ اپنے شوہر سے مطلق جدا نہیں ہوگی، خواہ اس کے والدین دار الحرب چلے گئے ہوں یا نہ گئے ہوں، اس لیے کہ بالغ ہونے کے بعد مسلمان ہوئی لہٰذا ماں باپ کے تابع قرار نہیں ہوگی۔

مسئلہ: ایک مسلمان کی زوجیت میں کوئی نصرانیہ لڑکی تھی پھر یہ دونوں یعنی میاں بیوی مجوسی یا نصرانی ہو گئے تو اس صورت میں ان دونوں کا نکاح آپس میں ٹوٹ جائے گا اور عورت بائنہ یعنی جدا ہو جائے گی۔

مرتد سے نکاح کرنے کا شرعی حکم

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ کسی مرتد مرد اور عورت کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ کسی سے نکاح کرے خواہ وہ کافر ہو یا مسلمان یا مرتد ہو، اس لیے کہ مرتد مرد تو مستحق قتل ہے اور مرتدہ عورت کو دائمی طور پر جیل میں بند کر دیا جائے گا یہاں تک کہ توبہ کر کے اسلام قبول کر لے۔ اور مرتد شخص کو مہلت اس لیے دی جاتی ہے شاید وہ اپنے شکوک وشبہات دور کر کے مسلمان ہو جائے۔

ایک کافر نے اسلام قبول کیا اور اس کی زوجیت میں پانچ یا اس سے زیادہ بیویاں تھیں، یا اس کے نکاح میں دو حقیقی بہنیں ہوں، یا اس کے نکاح میں ماں اور بیٹی دونوں جمع ہوں تو ان سب کا نکاح باطل قرار پائے گا بشرطیکہ ایک عقد میں نکاح ہوا ہو اور اگر یکے بعد دیگرے نکاح کیا تھا تو اس صورت میں پہلی والی کا نکاح صحیح ہوگا اور بعد والی کا نکاح باطل و ناجائز ہوگا، پہلی صورت میں چار عورتوں سے نکاح جائز ہوگا اور پانچویں کا نکاح باطل ہوگا۔ اور دوسری صورت میں پہلے جس بہن سے نکاح ہوا تھا وہ جائز ہوگا اور بعد میں جس کا نکاح ہوا تھا وہ باطل ہوگا۔ اور تیسری صورت میں پہلے جس سے نکاح کیا تھا جائز دوسری سے باطل۔ اور حضرت امام محمدؒ اور امام شافعیؒ اس کو اختیار دیتے ہیں ان میں سے چار کو رکھ لے اور پانچویں کو الگ کر دے، دو بہنوں میں سے ایک کو رکھ لے دوسری کو الگ کر دے، اسی طرح تیسری صورت میں ایک کو رکھ لے دوسری کو علیحدہ کر دے ضحاک بن فیروز کی حدیث پر عمل کرتے ہوئے کہ رسول اکرم ﷺ نے فیروز دیلمی سے فرمایا کہ ان عورتوں میں سے چار کو پسند کر لو۔

حضرت امام محمدؒ اور امام شافعیؒ نے جو اختیار دیا ہے اس کے بارے میں ہم جواب میں کہیں گے کہ حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فیروز دیلمیؓ کو اس بات کا اختیار دیا تھا کہ ان میں سے کسی بھی چار سے نکاح کر لو سابق نکاح باطل ہو چکا ہے۔

مسلمان منکوحہ عورت بالغہ ہوئی اور اسلام کے ارکان کو بیان نہ کر سکی تو شوہر سے جدا ہو جائے گی اور اگر ابھی خلوت نہیں

ہوئی تھی تو مہر بھی واجب نہیں ہوگا اور عورت کو مہر نہیں ملے گا اور مرد کے لیے مناسب ہوگا کہ وہ عورت کے سامنے اللہ تعالیٰ کی تمام صفات بیان کرے اور اس سے اس کا اقرار کروائے، اگر عورت اقرار کرلے تو نکاح باقی رہے گا۔ اور اس کی پوری تفصیل کافی نامی کتاب میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

بَابُ الْقَسْمِ

یہ باب بیویوں کے درمیان عدل وانصاف قائم کرنے کے بیان میں ہے

ترجمہ وتشریح: حضرت مصنف علیہ الرحمہ نکاح کے جملہ مسائل نیز غلام اور کافروں کے نکاح کے احکام ومسائل کے تفصیلی بیان سے فارغ ہوگئے تو اب اس باب میں بیویوں کے درمیان عدل ومساوات قائم کرنے کے متعلق احکام ومسائل کا بیان شروع کررہے ہیں، اگر کسی شخص کے پاس چند بیویاں ہیں تو ان کے درمیان انصاف قائم کرنا اور تمام کو ایک نظر سے دیکھنا ہر ایک کے ساتھ یکسانیت کا معاملہ کرنا اور ہر ایک کے لیے برابری طور پر کھانے پینے کا انتظام کرنا اور ہر ایک کے پاس باری باری رات گذارنا واجب ہے، اسی کو اس باب میں تفصیل کے ساتھ بیان کریں گے۔

بِفَتْحِ الْقَافِ: الْقِسْمَةُ: وَبِالْكَسْرِ: النَّصِيبُ (يَجِبُ) وَظَاهِرُ الْآيَةِ أَنَّهُ فَرْضٌ نَهْرٌ (أَنْ يَعْدِلَ) أَيْ أَنْ لَا يَجُورَ (فِيهِ) أَيْ فِي الْقَسْمِ بِالتَّسْوِيَةِ فِي الْبَيْتُوتَةِ (وَفِي الْمَلْبُوسِ وَالْمَأْكُولِ) وَالصُّحْبَةِ (لَا فِي الْمُجَامَعَةِ) كَالْمَحَبَّةِ بَلْ يُسْتَحَبُّ. وَيَسْقُطُ حَقُّهَا بِمَرَّةٍ وَيَجِبُ دِيَانَةً أَحْيَانًا وَلَا يَبْلُغُ الْإِيلَاءَ إلَّا بِرِضَاهَا، وَيُؤْمَرُ الْمُتَعَبِّدُ بِصُحْبَتِهَا أَحْيَانًا، وَقَدَّرَهُ الطَّحَاوِيُّ بِيَوْمٍ وَلَيْلَةٍ مِنْ كُلِّ أَرْبَعٍ لِحُرَّةٍ وَسَبْعٍ لِأَمَةٍ. وَلَوْ تَضَرَّرَتْ مِنْ كَثْرَةِ جِمَاعِهِ لَمْ تَجُزْ الزِّيَادَةُ عَلَى قَدْرِ طَاقَتِهَا، وَالرَّأْيُ فِي تَعْيِينِ الْمِقْدَارِ لِلْقَاضِي بِمَا يَظُنُّ طَاقَتَهَا نَهْرٌ بَحْثًا (بِلَا فَرْقٍ بَيْنَ فَحْلٍ وَخَصِيٍّ وَعِنِّينٍ وَمَجْبُوبٍ وَمَرِيضٍ وَصَحِيحٍ) وَصَبِيٍّ دَخَلَ بِامْرَأَتِهِ وَبَالِغٍ لَمْ يَدْخُلْ بَحْرٌ بَحْثًا، وَأَقَرَّهُ الْمُصَنِّفُ، وَمَرِيضَةٍ وَصَحِيحَةٍ (وَحَائِضٍ وَذَاتِ نِفَاسٍ وَمَجْنُونَةٍ لَا تُخَافُ وَرَتْقَاءَ وَقَرْنَاءَ) وَصَغِيرَةٍ يُمْكِنُ وَطْؤُهَا وَمُحْرِمَةٍ وَمُظَاهَرٍ وَمُولًى مِنْهَا وَمُقَابِلَاتِهِنَّ، وَكَذَا مُطَلَّقَةٌ رَجْعِيَّةٌ إنْ قَصَدَ رَجْعَتَهَا وَإِلَّا لَا بَحْرٌ

لفظ "قسم" کی تحقیق

لغت کی مشہور کتاب "المغرب" میں ہے کہ لفظ "قسم" قاف کے زبر کے ساتھ ہے اور اس کے معنی قسمت وتقسیم کے ہیں، یعنی مال کو اس کے شریکوں کے درمیان بانٹنا۔ اور اسی سے القسم بین النساء بھی آتا ہے، اس کے معنی حصہ کے ہیں، اس کے اندر بیویوں کے درمیان عدل ومساوات قائم کرنے کا معنی پایا جاتا ہے۔

بیویوں کے درمیان مساوات کا حکم

بیوی کے درمیان عدل وانصاف اور برابری قائم کرنا واجب ہے، لیکن قرآن کریم کی آیت {فَإِنْ خِفْتُمْ أَنْ لَا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً} اگر تمہیں ڈر ہو کہ تم بیویوں کے درمیان مساوات قائم نہ کرسکو گے تو اس صورت میں صرف ایک ہی عورت سے نکاح کرو) سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عدل وانصاف فرض ہے جیسا کہ النہر الفائق میں ہے، یعنی بیویوں کے ساتھ ان کے شوہر ظلم وجور نہ کریں، ان کے ساتھ رات گذارنے میں برابری کرنی چاہئے، اسی طرح کپڑا پہنانے، کھلانے پلانے، حسن سلوک کرنے میں مساوات کرنا واجب ہے؛ البتہ مجامعت یعنی جماع کرنے میں مساوات واجب نہیں ہے، جس طرح قلبی تعلق اور دلی لگاؤ میں مساوات ممکن نہیں ہے، اس لیے کہ قلب پر اللہ تعالیٰ کا کنٹرول ہے اور جماع طبیعت کی نشاط پر موقوف ہے۔

بیوی کے ساتھ جماع کرنے کا حکم

جماع کرنے میں مساوات قائم کرنا مرد پر واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے، اگر ایک دفعہ بھی شوہر نے بیوی کے ساتھ وطی کرلی تو قضاءً عورت کا حق جماع کے بارے میں ساقط ہوجاتا ہے؛ البتہ دیانۃً کبھی کبھی بیوی کے ساتھ جماع کرتے رہنا واجب ہے۔ اور شوہر مدت ایلاء یعنی چار ماہ تک جماع ترک نہ کرے، ہاں اگر خود بیوی اس پر راضی ہے تو پھر چار ماہ سے زائد تک بھی ترک جماع جائز ہے اس میں کوئی منافقہ نہیں ہے۔ اور متعبّد یعنی عبادت میں مشغول رہنے والے شخص کو یہ حکم دیا جائے گا کہ وہ کبھی کبھی بیوی کے ساتھ جماع کرے، اسی طرح ہر مشغول شخص کو قاضی حکم دے گا کہ وہ کبھی کبھی بیوی کے ساتھ ضرور جماع کرلے۔ اور کبھی کبھی کی کوئی خاص مدت متعین نہیں ہے؛ البتہ حضرت امام طحاوی علیہ الرحمہ نے آزاد عورت کے لیے چار دن میں ایک رات جماع کو مقرر کیا ہے اور باندی کے لیے ہفتہ میں ایک رات جماع کو مقرر کیا ہے۔

کثرت جماع کا حکم

اگر شوہر کے کثرت کے ساتھ جماع کرنے سے بیوی کو نقصان پہنچتا ہو تو ایسی صورت میں عورت کی طاقت سے زیادہ جماع کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ اور قاضی کو یہ اختیار ہے کہ عورت کی طاقت وصحت کو دیکھ کر جماع کی مقدار مقرر کرے تاکہ دونوں کے حقوق صحیح طور پر ادا ہوں، جیسا کہ النہر الفائق میں اس پر بحث کر کے لکھا ہے۔

شوہر پر واجب ہے کہ بیویوں کے درمیان رات گذارنے کو تقسیم کرے، خواہ شوہر صحیح وتندرست جماع پر قادر ہو یا شوہر خصی، عنین، مجبوب یعنی مقطوع الذکر یا مریض ہو یا شوہر ایسا نابالغ ہو جو عورت کے پاس جاچکا ہو، یا ایسا بالغ ہو جو عورت کے پاس نہیں گیا ہو، بہرصورت رات گذارنے کی تقسیم واجب ہے تاکہ زوجین کے درمیان انس ومحبت پیدا ہو، جیسا کہ النہر الفائق میں ہے۔ اور حضرت مصنفؒ نے اسی کو اپنی شرح کے اندر برقرار رکھا ہے۔

شب باشی کی تقسیم میں مساوات کا حکم

بیویوں کے یہاں رات گذاری کی تقسیم میں مساوات قائم کرنا واجب ہے خواہ عورت بیمار ہو خواہ تندرست، خواہ حیض ونفاس میں مبتلا ہو یا ایسی پاگل اور مجنونہ ہو جس سے نقصان کا اندیشہ نہ ہو، نیز عورت خواہ رتقاء (یعنی ایسی عورت جس کی شرمگاہ بند ہے یا اس کی شرمگاہ میں کوئی ہڈی ابھر آئی ہے اور جماع کرنا ممکن نہ ہو) خواہ قرناء (ایسی عورت جس کے ساتھ وطی ممکن نہ ہو) یا عورت ایسی نابالغہ ہو کہ اس سے وطی کرنا ممکن ہو یا وہ حالت احرام میں ہو، یا ایسی بیوی جس کے ساتھ ظہار کیا ہے یا جس کے ساتھ ایلاء کیا ہے یا ان کے مقابلہ والی ہوں یعنی حالت احرام میں نہ ہوں یا اس سے ظہار وایلاء نہ کیا گیا ہو، اسی طرح وہ عورت جس کو طلاق رجعی دے چکا ہو اور اس سے رجعت کا ارادہ ہو، تو ان سب کے درمیان شب باشی میں مساوات قائم کرنا واجب ہے؛ البتہ اگر مطلقہ رجعیہ سے رجوع کا ارادہ نہ ہو تو پھر اس کے لیے باری متعین کرنا واجب نہیں ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ تمام منکوحہ عورتوں کے ساتھ شب باشی میں عدل قائم کرنا واجب ہے کسی کو بھی نظر انداز کرنا جائز نہیں ہے، جیسا کہ البحر الرائق میں ہے۔

(وَلَوْ) (أَقَامَ عِنْدَ وَاحِدَةٍ شَهْرًا فِي غَيْرِ سَفَرٍ ثُمَّ خَاصَمَتْهُ الْأُخْرَى) فِي ذَلِكَ (يُؤْمَرُ بِالْعَدْلِ بَيْنَهُمَا فِي الْمُسْتَقْبَلِ وَهَدَرَ مَا مَضَى وَإِنْ أَثِمَ بِهِ) لِأَنَّ الْقِسْمَةَ تَكُونُ بَعْدَ الطَّلَبِ (وَإِنْ عَادَ إلَى الْجَوْرِ بَعْدَ نَهْيِ الْقَاضِي إيَّاهُ عُزِّرَ) بِغَيْرِ حَبْسٍ جَوْهَرَةٌ لِتَفْوِيتِهِ الْحَقَّ، وَهَذَا إذَا لَمْ يَقُلْ إنَّمَا فَعَلْت ذَلِكَ، لِأَنَّ خِيَارَ الدَّوْرِ إلَيَّ، فَحِينَئِذٍ يَقْضِي الْقَاضِي بِقَدْرِهِ نَهْرٌ بَحْثًا (وَالْبِكْرُ وَالثَّيِّبُ وَالْجَدِيدَةُ وَالْقَدِيمَةُ وَالْمُسْلِمَةُ وَالْكِتَابِيَّةُ سَوَاءٌ) لِإِطْلَاقِ الْآيَةِ. (وَلِلْأَمَةِ وَالْمُكَاتَبَةِ وَأُمِّ الْوَلَدِ وَالْمُدَبَّرَةِ) وَالْمُبَعَّضَةِ (نِصْفُ مَا لِلْحُرَّةِ) أَيْ مِنْ الْبَيْتُوتَةِ وَالسُّكْنَى مَعَهَا. أَمَّا النَّفَقَةُ فَبِحَالِهِمَا. (وَلَا قَسْمَ فِي السَّفَرِ) دَفْعًا لِلْحَرَجِ (فَلَهُ السَّفَرُ بِمَنْ شَاءَ مِنْهُنَّ وَالْقُرْعَةُ أَحَبُّ) تَطْيِيبًا لِقُلُوبِهِنَّ. (وَلَوْ تَرَكَتْ قِسْمَهَا) بِالْكَسْرِ: أَيْ نَوْبَتَهَا (لِضَرَّتِهَا صَحَّ، وَلَهَا الرُّجُوعُ فِي ذَلِكَ) فِي الْمُسْتَقْبَلِ، لِأَنَّهُ مَا وَجَبَ فَمَا سَقَطَ، وَلَوْ جَعَلَتْهُ لِمُعَيَّنَةٍ هَلْ لَهُ جَعْلُهُ لِغَيْرِهَا؟ ذَكَرَ الشَّافِعِيُّ لَا. وَفِي الْبَحْرِ بَحْثًا نَعَمْ، وَنَازَعَهُ فِي النَّهْرِ.

گذرے ہوئے ایام کا عوض

اگر شوہر نے کسی بیوی کے ساتھ سفر کے علاوہ ایک ماہ قیام کیا، یعنی سفر میں نہ ہونے کے باوجود ایک ماہ کسی ایک بیوی کے پاس رات گذاری، پھر دوسری بیوی نے شوہر سے مخاصمت کی تو شوہر کو حکم دیا جائے گا کہ وہ آئندہ اس طرح کی حرکت نہ کرے بلکہ تمام بیویوں کے درمیان برابر برابر باری متعین کرے اور جو ماضی کے اندر گذر چکا ہے اس کا عوض نہیں ہے بلکہ وہ ہدر ہوگا

اگر چہ شوہر ماضی کی ناانصافی کی وجہ سے گنہگار رہوگا، اس لیے کہ باری کی تقسیم بیوی کے طلب کے بعد ہوتی ہے اور چوں کہ شروع میں بیوی کی طرف سے طلب نہیں پایا گیا اس لیے گذشتہ ایام کا عوض نہیں حاصل ہوگا۔

بیویوں کے درمیان ناانصافی کرنے کی سزا

اگر قاضی کے منع کرنے کے باوجود شوہر ظلم وزیادتی کرے اور برابری کا معاملہ نہ کرے، ایک بیوی کے پاس زیادہ رات گذارے اور دوسری کے پاس کم تو قاضی اس کو سزا دے گا لیکن قید نہیں کرے گا جیسا کہ جوہرہ میں ہے، کیوں کہ قید کی وجہ سے مزید حق فوت ہوگا اور یہ سزا قاضی اس وقت دے گا جب کہ شوہر نے یہ نہ کہا ہو کہ میں نے ایسا اس وجہ سے کیا کہ مجھے باری لگانے کا اختیار تھا اور دوسری بیوی کے پاس اتنے ہی ایام گذار دوں گا، اس وقت قاضی یہ فیصلہ دے گا کہ جتنے دن تم اس بیوی کے پاس رات گذارے ہو اتنے ہی دن دوسری بیوی کے پاس بھی رات گذارو، جیسا کہ النہر الفائق میں ہے۔

قرآن کریم کی آیت اس بارے میں چوں کہ مطلق ہے اس لیے باری مقرر کرنے میں باکرہ، ثیبہ، نئی بیوی اور پرانی بیوی، نیز مسلمان بیوی اور کتابیہ دونوں برابر ہیں، ہر ایک کے لیے یکساں طور پر باری مقرر کی جائے گی اور ان سب کے درمیان مساوات قائم کرنا واجب ہے، ہاں اگر بیوی باندی ہو یا ام ولد ہو، یا مکاتبہ یا مدبرہ ہو تو ان سب کے لیے آزاد عورت کے مقابلہ میں آدھی باری ہوگی، یعنی اگر شوہر آزاد عورت کے پاس دو رات گذارے گا تو باندی اور ام ولد کے پاس صرف ایک رات گذارے گا اور باندی، ام ولد کے لیے آزاد کے مقابلہ میں تنصیف صرف شب باشی اور سکنٰی میں ہوگا، رہا نان ونفقہ کے اندر تو میاں بیوی کے حالات کے اعتبار سے ان کے درمیان مساوات واجب ہے۔

سفر میں لے جانے کے لیے شوہر مختار ہے

اگر شوہر سفر میں کسی بیوی کو لے جانا چاہے تو وہاں مساوات اور برابری کا اعتبار نہیں ہے بلکہ شوہر جس بیوی کو چاہے اپنے ساتھ سفر میں لے جائے تاکہ شوہر حرج وتنگی میں مبتلا نہ ہو۔ اور اگر شوہر بیویوں کی دل جوئی کے لیے ان کے درمیان قرعہ اندازی کرے اور قرعہ میں جس کا نام نکل جائے اس کو ساتھ لے جائے تو یہ زیادہ بہتر اور پسندیدہ ہے۔

اپنی باری اپنی سوکن کے لیے ہبہ کرنا

اگر کوئی بیوی اپنی باری اپنی سوکن کے لیے ہبہ کر دے اور شوہر سے یہ کہے کہ میں اپنی باری فلاں کے لیے ہبہ کرتی ہوں تو یہ جائز ہے اور اس کو بعد میں آئندہ اپنی باری واپس لینے کا حق ہے اس لیے کہ آئندہ کے لیے حق واجب نہیں ہوتا ہے لہٰذا اس کے ساقط کرنے سے وہ ساقط بھی نہیں ہوگا۔

اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر کوئی بیوی اپنی باری کسی متعین سوکن کے لیے ہبہ کر دے تو کیا شوہر کے لیے جائز

ہے کہ اس باری کو اس کے علاوہ کسی دوسری بیوی کو دیدے؟ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ شوہر کو اس طرح کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ اور البحر الرائق میں اس پر بحث کرنے کے بعد لکھا ہے کہ شوہر ایسا کرسکتا ہے اور النہر الفائق میں اس کے خلاف لکھا ہے، یعنی شوہر کو اس طرح کرنے کا اختیار نہیں ہے۔

(وَيُقِيمُ عِنْدَ كُلِّ وَاحِدَةٍ مِنْهُنَّ يَوْمًا وَلَيْلَةً) لَكِنْ إِنَّمَا تَلْزَمُهُ التَّسْوِيَةُ فِي اللَّيْلِ، حَتَّى لَوْ جَاءَ لِلْأُولَى بَعْدَ الْغُرُوبِ وَلِلثَّانِيَةِ بَعْدَ الْعِشَاءِ فَقَدْ تَرَكَ الْقَسْمَ، وَلَا يُجَامِعُهَا فِي غَيْرِ نَوْبَتِهَا، وَكَذَا لَا يَدْخُلُ عَلَيْهَا إِلَّا لِعِيَادَتِهَا وَلَوِ اشْتَدَّ: فَفِي الْجَوْهَرَةِ: لَا بَأْسَ أَنْ يُقِيمَ عِنْدَهَا حَتَّى تُشْفَى أَوْ تَمُوتَ انْتَهَى، يَعْنِي إِذَا لَمْ يَكُنْ عِنْدَهَا مَنْ يُؤْنِسُهَا. وَلَوْ مَرِضَ هُوَ فِي بَيْتِهِ دَعَا كُلًّا فِي نَوْبَتِهَا لِأَنَّهُ لَوْ كَانَ صَحِيحًا وَأَرَادَ ذَلِكَ يَنْبَغِي أَنْ يُقْبَلَ. نَهْرٌ (وَإِنْ شَاءَ ثَلَاثًا) أَيْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيَهَا (وَلَا يُقِيمُ عِنْدَ إِحْدَاهُمَا أَكْثَرَ إِلَّا بِإِذْنِ الْأُخْرَى) خَاصَّةً زَادَ فِي الْخَانِيَةِ (وَالرَّأْيُ فِي الْبُدَاءَةِ) فِي الْقَسْمِ (إِلَيْهِ) وَكَذَا فِي مِقْدَارِ الدَّوْرِ هِدَايَةٌ وَتَبْيِينٌ. وَقَيَّدَهُ فِي الْفَتْحِ بَحْثًا بِمُدَّةِ الْإِيلَاءِ أَوْ جُمُعَةٍ، وَعَمَّمَهُ فِي الْبَحْرِ، وَنَظَرَ فِيهِ فِي النَّهْرِ. قَالَ الْمُصَنِّفُ: وَظَاهِرُ بَحْثِهِمَا أَنَّهُمَا لَمْ يَطَّلِعَا عَلَى مَا فِي الْخُلَاصَةِ مِنَ التَّقْيِيدِ بِثَلَاثَةِ أَيَّامٍ كَمَا عَوَّلْنَا عَلَيْهِ فِي الْمُخْتَصَرِ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ.

شب باشی میں مساوات ضروری ہے

اور بیویوں کے درمیان باری کی تقسیم اس طرح ہوگی کہ شوہر ایک کے پاس ایک دن اور ایک رات رہے اور تقسیم میں برابری شوہر کے لیے رات میں لازم ہے، چنانچہ اگر کسی شوہر نے ایسا کیا کہ مغرب کے بعد ایک کے پاس گیا اور عشاء کے بعد دوسری بیوی کے پاس، تو مساوات باقی نہ رہی بلکہ اس نے مساوات کو ترک کردیا، خلاصہ یہ ہے کہ رات گذارنے میں کسی کے پاس کمی وبیشی نہ کرے، دن میں یہ پابندی ضروری نہیں ہے اگر کسی کے پاس دن میں پانچ گھنٹہ رہا اور دوسری بیوی کے پاس صرف ایک گھنٹہ رہا تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

باری کے علاوہ دنوں میں جماع کرنا

عورت سے اس کی باری کے علاوہ دن میں شوہر جماع نہ کرے، اسی طرح رات میں اس کی باری کے علاوہ کسی کے پاس نہ جائے البتہ اگر دوسری بیوی سخت بیمار ہوجائے تو رات میں شوہر اس کی عیادت کے لیے جاسکتا ہے۔ اور الجوہرۃ النیرہ میں ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ جب تک بیماری سے شفایاب نہ ہو اس وقت تک اس کے پاس شوہر ٹھہرا رہے یا پھر اس کی موت واقع ہوجائے، لیکن اس قدر بیمار بیوی کے پاس اس وقت ٹھہرے گا جب اس کے پاس کوئی مونس وغم خوار نہ ہو۔

اور اگر خود شوہر بیمار ہو تو اس کو حق ہے کہ باری باری ہر ایک کو اپنے گھر بلائے، اس لیے کہ اگر شوہر تندرست وصحت مند ہو اور بیوی کے پاس جانے کے بجائے خود اس کو اپنے گھر ہی بلانا چاہے تو اس کو اس کا حق ہے، جیسا کہ النہر الفائق میں ہے۔

شوہر کا اختیار

جس طرح شوہر ایک ایک دن کر کے باری مقرر کر سکتا ہے اسی طرح شوہر کو یہ بھی اختیار ہے کہ تین دن اور تین رات کر کے باری مقرر کرے، لیکن ان میں سے کسی کے پاس دوسری سے زیادہ قیام نہ کرے، ہاں اگر دوسری بیوی اس کی اجازت دیدے کہ فلاں کے پاس زیادہ دن قیام کرو تو زیادہ دن قیام کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور باری کی ابتداء کس بیوی سے کرے؟ یہ شوہر کی رائے پر موقوف ہے، جس بیوی سے چاہے ابتداء کرے، اسی طرح کتنے دن کی باری مقرر کرے؟ اس کا اختیار بھی شوہر کو ہے جیسا کہ فتاویٰ خانیہ میں اس کا اضافہ ہے، ہدایہ اور تبیین الحقائق میں بھی یہی ہے۔

شوہر کے اختیار کے حدود

اور ہدایہ کی شرح فتح القدیر میں لکھا ہے کہ شوہر کے ہاتھ میں اختیار ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اگر وہ چاہے تو ایک ایک سال کی باری مقرر کرے بلکہ اس مسئلہ پر بحث کرنے کے بعد انھوں نے لکھا ہے کہ یہ باری ایلاء کی مدت (یعنی چار ماہ) سے زیادہ نہیں ہونی چاہئے، یا پھر ایک ہفتہ سے زیادہ کی باری مقرر نہیں کرنا چاہئے، چار چار ماہ کی باری مقرر کرنا بھی اچھی بات نہیں ہے اس لیے صرف ایک ایک ہفتہ سے زیادہ کی باری مقرر نہیں کرنی چاہئے، البحر الرائق میں اس کو عام رکھا ہے اور النہر الفائق میں اس پر اشکال کیا ہے۔ اور حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے اپنی شرح منح الغفار میں فرمایا ہے کہ ان دونوں کی بحثوں کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ دونوں اس مسئلہ پر مطلع نہیں ہو سکے جو خلاصہ نامی کتاب میں ہے کہ تین تین دن سے زیادہ باری مقرر نہیں کرنی چاہئے جیسا کہ اس پر ہم نے مختصر میں اعتماد ظاہر کیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

[فُرُوعٌ] لَوْ كَانَ عَمَلُهُ لَيْلًا كَالْحَارِسِ ذَكَرَ الشَّافِعِيَّةُ أَنَّهُ يَقْسِمُ نَهَارًا وَهُوَ حَسَنٌ، وَحَقُّهُ عَلَيْهَا أَنْ تُطِيعَهُ فِي كُلِّ مُبَاحٍ يَأْمُرُهَا بِهِ، وَلَهُ مَنْعُهَا مِنَ الْغَزْلِ وَمِنْ أَكْلِ مَا يَتَأَذَّى مِنْ رَائِحَتِهِ، بَلْ وَمِنَ الْحِنَّاءِ وَالنَّقْشِ وَإِنْ تَأَذَّى بِرَائِحَتِهِ نَهْرٌ وَتَمَامُهُ فِيمَا عَلَّقْته عَلَى الْمُلْتَقَى.

شارح کی جانب سے اضافہ شدہ مسائل

مسئلہ: اگر شوہر رات میں کام کرتا ہو جیسے کہ رات میں چوکیداری اور پہرہ داری کا کام کرتا ہے اور اس کی کئی بیویاں ہوں تو اس کے بارے میں شوافع حضرات کا کہنا ہے کہ ایسا شخص بیویوں کے درمیان باری دن میں مقرر کرے، شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ شوافع کا یہ قول بہتر اور مناسب ہے۔

مسئلہ: شوہر کا بیوی پر حق یہ ہے کہ بیوی اپنے شوہر کی ہر جائز کام اور مباح امر میں اطاعت وفرماں برداری کرے، یعنی اگر شوہر کسی مباح اور جائز کام کا حکم دے تو اس کو بجالائے، شوہر کے حکم دینے کے بعد اطاعت وفرماں برداری بیوی پر واجب ہوگی۔

مسئلہ: اگر کسی شخص کی بیوی زیب وزینت کرنا چھوڑ دے یا نماز نہ پڑھے، یا طہارت وپاکیزگی کا خیال نہ رکھے یا شوہر وطی کے لیے بلائے اور وہ نہ آئے تو ان باتوں میں نافرمانی کرنے کی وجہ سے شوہر اس کو مار بھی سکتا ہے اور اگر بیوی کا باپ مجبور ولاچار اور خدمت کا محتاج ہو اور شوہر بیوی کو باپ کی خدمت سے منع کرے تو اس صورت میں بیوی کے لیے جائز ہے کہ شوہر کے حکم کے خلاف باپ کی خدمت کرے، خواہ باپ مسلمان ہو یا کافر۔ (کشف الاسرار: ۲/۴۸۸)

شوہر کی رعایت

اور شوہر کے لیے یہ بات جائز ہے کہ وہ اپنی بیوی کو سوت کاتنے سے منع کرے، کیوں کہ بیوی کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہے، اسی طرح شوہر کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ اپنی بیوی کو ہر اس چیز کے استعمال کرنے سے منع کرے جس کی بدبو سے شوہر کو تکلیف ہوتی ہو، جیسے لہسن، پیاز بشرطیکہ کچا ہو، حقہ، بیڑی، سگریٹ وغیرہ، بلکہ اگر شوہر کو مہندی اور نقش ونگار سے نفرت ہو اور اس سے اس کو تکلیف ہوتی ہو تو اس سے بھی منع کرسکتا ہے جیسا کہ النہر الفائق میں ہے اور اس کی پوری بحث ملتقی نامی کتاب میں ہے جس پر میں نے تعلیق کی ہے۔

مسئلہ: شوہر بیوی کے ساتھ اچھا سلوک کرے اور بیوی کے جذبات وخیالات کا پورا پورا لحاظ کرے، جو چیز اپنے لیے پسند کرے وہی اپنی بیوی کے لیے بھی پسند کرے اور کھانے پینے نیز لباس اور بناؤ سنگار کے بھی جائز سامان لاکردے، تاکہ بیوی کا دل خوش رہے، نیز شوہر کو چاہئے کہ جہاں چھوٹے نابالغ بچے ہوں یا کوئی اندھا آدمی ہو وہاں بیوی کے ساتھ صحبت نہ کرے، اسی طرح سوکن اور باندی جس کمرہ میں ہوں وہاں بھی جماع نہ کرے۔ (شامی: ۴/۳۸۹)

بَابُ الرَّضَاعِ

یہ باب دودھ پینے سے متعلق احکام ومسائل کے بیان میں ہے

ترجمہ وتشریح: نکاح کا مقصود چوں کہ تحصیل ولد اور توالد وتناسل ہے اور یہ بات بالکل اظہر من الشمس ہے کہ بچہ دودھ کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا ہے، ابتداءً اس کی غذا دودھ ہی ہوتی ہے اور اس دودھ کی وجہ سے بہت سے احکام ثابت ہیں تو چوں کہ نکاح کے بعد ہی اولاد ہوتی ہے اس کے بعد دودھ وغیرہ کا مسئلہ سامنے آتا ہے اس لیے نکاح کے ابواب کو مقدم فرمایا اور اب اس کے بعد باب الرضاع کو ذکر کررہے ہیں۔

(هُوَ) لُغَةً بِفَتْحٍ وَكَسْرٍ: مَصُّ الثَّدْيِ. وَشَرْعًا (مَصٌّ مِنْ ثَدْيِ آدَمِيَّةٍ) وَلَوْ بِكْرًا أَوْ مَيْتَةً أَوْ آيِسَةً،

وَأُلْحِقَ بِالْمَصِّ الْوَجُورُ وَالسَّعُوطُ (فِي وَقْتٍ مَخْصُوصٍ) هُوَ (حَوْلَانِ وَنِصْفٌ عِنْدَهُ وَحَوْلَانِ) فَقَطْ (عِنْدَهُمَا وَهُوَ الْأَصَحُّ) فَتْحٌ وَبِهِ يُفْتَى كَمَا فِي تَصْحِيحِ الْقُدُورِيِّ عَنِ الْعَوْنِ، لَكِنْ فِي الْجَوْهَرَةِ أَنَّهُ فِي الْحَوْلَيْنِ وَنِصْفٍ، وَلَوْ بَعْدَ الْفِطَامِ مُحَرِّمٌ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى. وَاسْتَدَلُّوا لِقَوْلِ الْإِمَامِ بِقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا﴾ أَيْ مُدَّةُ كُلٍّ مِنْهُمَا ثَلَاثُونَ غَيْرَ أَنَّ النَّقْصَ فِي الْأَوَّلِ قَامَ بِقَوْلِ عَائِشَةَ: لَا يَبْقَى الْوَلَدُ أَكْثَرَ مِنْ سَنَتَيْنِ وَمِثْلُهُ لَا يُعْرَفُ إِلَّا سَمَاعًا، وَالْآيَةُ مُؤَوَّلَةٌ لِتَوْزِيعِهِمُ الْأَجَلَ عَلَى الْأَقَلِّ وَالْأَكْثَرِ فَلَمْ تَكُنْ دَلَالَتُهَا قَطْعِيَّةً، عَلَى أَنَّ الْوَاجِبَ عَلَى الْمُقَلِّدِ الْعَمَلُ بِقَوْلِ الْمُجْتَهِدِ وَإِنْ لَمْ يَظْهَرْ دَلِيلُهُ كَمَا أَفَادَهُ فِي رَسْمِ الْمُفْتِي، لَكِنْ فِي آخِرِ الْحَاوِي: فَإِنْ خَالَفَا قِيلَ يُخَيَّرُ الْمُفْتِي، وَالْأَصَحُّ أَنَّ الْعِبْرَةَ لِقُوَّةِ الدَّلِيلِ، ثُمَّ الْخِلَافُ فِي التَّحْرِيمِ. أَمَّا لُزُومُ أَجْرِ الرَّضَاعِ لِلْمُطَلَّقَةِ فَمُقَدَّرٌ بِحَوْلَيْنِ بِالْإِجْمَاعِ

رضاعت کی لغوی وشرعی تعریف

لفظ "رضاعت" لغت میں راء کے فتحہ کے ساتھ اور کسرہ کے ساتھ دونوں طرح آیا ہے، اس کے معنی: "چھاتی چوسنا" ہے۔ کہا جاتا ہے رَضع الصبيُّ الثدي بچہ نے چھاتی کو چوسا۔ اور اصطلاحِ شریعت میں اس کی تعریف یہ ہے کہ عورت کی چھاتی کو چوسنا، خواہ عورت کنواری ہو خواہ مردہ یا بوڑھی۔ اور چوسنے کی ہی کے درجہ میں کسی عورت کا دودھ حلق میں ڈالنا اور ناک سے سڑکنا ہے، بشرطیکہ یہ دودھ پینا مخصوص وقت میں ہو، تب حرمت رضاعت ثابت ہوگی ورنہ نہیں۔

مدتِ رضاعت کی کم از کم مدت

عورت کی چھاتی کے چوسنے کی وجہ سے جو حرمت رضاعت ثابت ہوتی ہے اس کے لیے شرط یہ ہے کہ یہ چوسنا مخصوص وقت میں ہو۔ اور اس مخصوص وقت کی تعیین حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ نے ڈھائی سال کی ہے، یعنی دودھ پینے والا یا پینے والی ڈھائی سال یا اس سے کم ہو۔ اور حضرات صاحبینؒ اس کی مدت دو سال قرار دیتے ہیں۔ اور یہی قول اس باب میں اصح ترین قول ہے اور فتویٰ بھی اسی قول پر ہے، جیسا کہ تصحیح القدوری میں عونؔ سے نقل کیا ہے، لیکن الجوہرۃ النیرۃ میں ہے کہ دودھ چھوڑنے کے بعد اگر بچہ ڈھائی سال کے اندر اندر کسی عورت کا دودھ پی لے تو بھی حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی اور فتویٰ بھی اسی روایت پر ہے، جیسا کہ ولوالجیہ میں ہے اور ظاہر الروایہ بھی یہی ہے۔ (خلاصہ یہ ہے کہ فتویٰ دونوں روایتوں پر ہے، لہٰذا ڈھائی سال والی روایت کو احتیاطاً مانا جائے گا)۔

مدتِ رضاعت ڈھائی سال ہے اس پر امام صاحبؒ کی دلیل

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے قول کے لیے علمائے احناف نے اس آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآنِ

کریم میں ارشاد فرمایا: ﴿وَحَمْلُهُ وَفِصٰلُهُ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا﴾ یعنی حمل اور دودھ چھڑانے کی مدت تیس مہینے ہیں، یعنی ان دونوں میں سے ہر ایک کی مدت تیس ماہ ہے، لیکن حمل میں چھ ماہ کی کمی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث شریف سے ہوتی ہے جس میں صراحت ہے کہ بچہ ماں کے پیٹ میں دو سال سے زیادہ نہیں رہ سکتا ہے اور یہ بات طے شدہ ہے کہ یہ بات حضرت عائشہؓ نے رسولِ اکرم ﷺ سے سن کر ارشاد فرمائی ہوگی، اس لیے کہ اس طرح کا کلام رسول ﷺ سے سنے بغیر بیان نہیں کر سکتی ہیں اس لیے کہ مدتِ حمل کی تعیین میں مجتہد کا اجتہاد کام نہیں کر سکتا ہے تو حکم کے اعتبار سے یہ حدیث مرفوع ہے اس لیے حضرت امام اعظمؒ نے اکثر مدتِ حمل دو سال قرار دیا ہے اور جو آیت کریمہ اس میں پیش کی جاتی ہے وہ مؤول ہے اپنے ظاہر معنی پر محمول نہیں ہے اس لیے کہ علمائے مفسرین نے اس کو اقل مدت حمل پر محمول کیا ہے اور فصال کو اکثر مدت پر، یعنی تیس ماہ کو اس طرح تقسیم کئے ہیں کہ اقل مدت حمل چھ ماہ مراد لیے ہیں اور دو سال دودھ چھڑانے کے، لہٰذا اب یہ آیت کریمہ قطعی باقی نہ رہی بلکہ ظنی ہوگئی ہے اور حدیث شریف بھی ظنی ہے لہٰذا یہاں ظنی دلیل کی تخصیص ظنی دلیل سے ہوئی لہٰذا اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

مقلد پر مجتہد امام کے قول پر عمل واجب ہے

مقلد پر واجب ہے کہ وہ مجتہد کے قول پر عمل کرے اگرچہ اس کے سامنے مجتہد کی دلیل ظاہر نہ ہوئی ہو، جیسا کہ رسم المفتی میں ہے، یعنی اگر کوئی شخص اپنے امام کے استدلال کو نہ سمجھ سکے تو بھی اس پر عمل کرنے میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے، لہٰذا حنفی کو اپنے امام کے قول پر عمل کرنا کافی ہے، لیکن حاوی القدسی کے اخیر میں ہے کہ اس وقت مفتی کو اختیار ہے کہ دونوں قولوں میں سے جس پر چاہے عمل کرے اور فتویٰ دے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اختلاف کی صورت میں امام صاحب کا قول مقدم ہوگا اور اس باب میں اصح ترین بات یہ ہے کہ امام صاحب اور صاحبینؒ کا جس مسئلہ میں اختلاف ہو اس میں قوتِ دلیل کا اعتبار ہوگا، یعنی جس کی بھی دلیل مضبوط ہوگی اسی پر فتویٰ دیا جائے گا خواہ امام صاحب کی ہو یا حضرات صاحبین کی، پھر یہاں یہ بات بھی ہے کہ امام صاحب اور صاحبین میں اختلاف بابِ تحریم میں ہے امام صاحب کے نزدیک حرمتِ رضاعت ڈھائی برس کی عمر تک ثابت ہوگی اور صاحبین کے نزدیک دو برس تک، لیکن اس بارے میں تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ مطلقہ بیوی کو دودھ پلانے کی اُجرت دینا صرف دو سال تک لازم ہوگی اور اس پر اجماع ہے۔ (یہاں مختلف دلائل وقرائن سے حضرات صاحبین کا قول مضبوط ہے اس لیے فتویٰ بھی اسی پر ہے کہ حرمتِ رضاعت کی مدت دو سال ہے)۔

(وَيَثْبُتُ التَّحْرِيمُ) فِي الْمُدَّةِ فَقَطْ وَلَوْ (بَعْدَ الْفِطَامِ وَالِاسْتِغْنَاءِ بِالطَّعَامِ عَلَى) ظَاهِرِ (الْمَذْهَبِ) وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى فَتْحٌ وَغَيْرُهُ. قَالَ فِي الْمُصَنِّفِ كَالْبَحْرِ: فَمَا فِي الزَّيْلَعِيِّ خِلَافُ الْمُعْتَمَدِ لِأَنَّ الْفَتْوَى مَتَى اخْتَلَفَتْ رَجَحَ ظَاهِرُ الرِّوَايَةِ (وَلَمْ يُبَحِ الْإِرْضَاعُ بَعْدَ مُوَتِهِ) لِأَنَّهُ جُزْءُ آدَمِيٍّ وَالِانْتِفَاعُ

بِهِ لِغَيْرِ ضَرُورَةٍ حَرَامٌ عَلَى الصَّحِيحِ شَرْحُ الْوَهْبَانِيَّةِ. وَفِي الْبَحْرِ: لَا يَجُوزُ التَّدَاوِي بِالْمُحَرَّمِ فِي ظَاهِرِ الْمَذْهَبِ، أَصْلُهُ بَوْلُ الْمَأْكُولِ كَمَا مَرَّ. (وَلِلْأَبِ إِجْبَارُ أَمَتِهِ عَلَى فِطَامِ وَلَدِهَا مِنْهُ قَبْلَ الْحَوْلَيْنِ إِنْ لَمْ يَضُرَّهُ) أَيِ الْوَلَدَ (الْفِطَامُ) ، (كَمَا لَهُ) أَيْضًا (إِجْبَارُهَا) أَيْ أَمَتِهِ (عَلَى الْإِرْضَاعِ، وَلَيْسَ لَهُ ذَلِكَ) يَعْنِي الْإِجْبَارَ بِنَوْعَيْهِ (مَعَ زَوْجَتِهِ الْحُرَّةِ) وَلَوْ (قَبْلَهُمَا) لِأَنَّ حَقَّ التَّرْبِيَةِ لَهَا جَوْهَرَةٌ (وَيَثْبُتُ بِهِ) وَلَوْ بَيْنَ الْحَرْبِيِّينَ بَزَّازِيَّةٌ (وَإِنْ قَلَّ) إِنْ عُلِمَ وُصُولُهُ لِجَوْفِهِ مِنْ فَمِهِ أَوْ أَنْفِهِ لَا غَيْرُ، فَلَوِ الْتَقَمَ الْحَلَمَةَ وَلَمْ يُدْرَ أَدَخَلَ اللَّبَنُ فِي حَلْقِهِ أَمْ لَا لَمْ يَحْرُمْ لِأَنَّ فِي الْمَانِعِ شَكًّا وَلْوَالِجِيَّةٌ. وَلَوْ أَرْضَعَهَا أَكْثَرُ أَهْلِ قَرْيَةٍ ثُمَّ لَمْ يُدْرَ مَنْ أَرْضَعَهَا فَأَرَادَ أَحَدُهُمْ تَزَوُّجَهَا، إِنْ لَمْ تَظْهَرْ عَلَامَةٌ وَلَمْ يَشْهَدْ بِذَلِكَ جَازَ خَانِيَّةٌ

حرمتِ رضاعت کا ثبوت صرف مدتِ رضاعت میں

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ حرمت رضاعت کا ثبوت صرف مدتِ رضاعت کے اندر اندر دودھ پینے سے ہوگا خواہ بچہ دودھ چھوڑنے کے بعد ہی کیوں نہ دودھ پیا ہو، اگر مدت کے اندر ہے تو حرمت ثابت ہو جائے گی اور اگر مدتِ رضاعت ختم ہو جانے کے بعد بچہ نے دودھ پیا تو حرمت ثابت نہ ہوگی، اس باب میں ظاہر مذہب یہی ہے اور اسی پر فتویٰ بھی ہے جیسا کہ فتح القدیر وغیرہ میں ہے۔ اور مصنف نے صاحب البحر الرائق کی طرح کہا ہے، لہٰذا زیلعی میں جو یہ روایت ہے کہ اگر بچہ مدتِ رضاعت سے پہلے روٹی کھانے لگا اور دودھ پینا چھوڑ دیا تو اگر وہ اس کے بعد وہ دودھ پئے گا تو حرمت ثابت نہ ہوگی خواہ مدتِ رضاعت کے اندر ہی کیوں نہ پیا ہو، یہ قول معتمد قول کے خلاف ہے، لہٰذا اس پر فتویٰ نہیں دیا جا سکتا ہے اس لیے کہ جب دو روایتوں میں اختلاف ہو جائے تو ظاہر الروایہ پر فتویٰ دیا جاتا ہے اور ظاہر الروایہ یہ ہے کہ مدت کے اندر دودھ پینے سے مطلقاً تحریم ہوتی ہے۔

مدتِ رضاعت ختم ہونے کے بعد دودھ پلانا

مدتِ رضاعت ختم ہونے کے بعد بچہ کو دودھ پلانا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ دودھ آدمی کا جزء ہے اور آدمی کے جزء سے بلا ضرورت شرعیہ فائدہ اٹھانا صحیح قول کے مطابق حرام ہے جیسا کہ شرح الوہبانیہ میں ہے۔ اور البحر الرائق میں ہے کہ ظاہر مذہب کے مطابق حرام چیز سے علاج کرانا جائز نہیں ہے اور حرام شئی سے علاج کی ممانعت کی بنیاد ماکول اللحم کا پیشاب ہے جس کی تفصیل سابق میں گذر چکی ہے، یعنی حرام چیز کے علاوہ کوئی دوسری دوا نہ ہو اور ماہر ڈاکٹر یہ بتائے کہ اسی کے استعمال سے بیماری ٹھیک ہوگی تو اس صورت میں بقدر ضرورت بطور دوا استعمال کرنا جائز ہے۔ (شامی: ۴/ ۹۸)

مدتِ رضاعت سے پہلے دودھ چھڑانے کا حکم

باپ کے لیے یہ بات جائز ہے کہ اپنی باندی کو مجبور کرے کہ وہ اپنے بچے کو دو سال سے پہلے پہلے دودھ پلانا چھوڑ دے، جو

بچہ اس کے نطفہ سے ہے، لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ دودھ چھوڑانے سے بچہ کو نقصان نہ ہوتا ہو جیسا کہ باپ کو جائز ہے کہ وہ اپنی باندی کو اس پر مجبور کرے کہ وہ بچہ کو دودھ پلائے، لیکن شوہر آزاد بیوی پر قبل از وقت دودھ چھڑانے، یا دودھ پلانے کے لیے مجبور نہیں کرسکتا ہے اس لیے کہ حق تربیت عورت کو حاصل ہے، لہٰذا دودھ چھڑانے اور پلانے کا حق اسی کو حاصل ہے جیسا کہ الجوہرۃ النیرہ میں ہے، البتہ مدتِ رضاعت کے بعد شوہر دودھ چھڑانے پر جبر کرسکتا ہے کیوں کہ مدت کے بعد دودھ پلانا جائز نہیں ہے۔

رضاعت کا ثبوت

اگر عورت نے کسی شیر خوار بچے کو ایامِ رضاعت میں دودھ پلا دیا تو اس سے حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی اور یہ عورت اس بچے کی رضاعی ماں ہو جائے گی، اگرچہ یہ دودھ پلانے کا واقعہ دو حربی کافروں کے درمیان کیوں نہ پایا گیا ہو پھر بھی رضاعت ثابت ہو جائے گی، جیسا کہ فتاویٰ بزازیہ میں ہے اور اگرچہ یہ دودھ بہت ہی کم کیوں نہ ہو پھر بھی رضاعت ثابت ہو جائے گی، البتہ یہ شرط ہے کہ اس بات کا یقین ہو کہ دودھ بچہ کے پیٹ میں پہنچ چکا ہے خواہ یہ دودھ بذریعہ منھ پیٹ میں پہنچا ہو، خواہ بذریعہ ناک، اس کے علاوہ دوسرے طریق سے پیٹ میں دودھ پہنچنے کا اعتبار نہیں ہے، چنانچہ اگر بچہ نے عورت کی چھاتی کے سرے کو منھ میں لیا اور یہ معلوم نہ ہو سکا کہ دودھ اس کے حلق میں داخل ہوا ہے یا نہیں؟ تو اس صورت میں حرمتِ رضاعت ثابت نہ ہوگی، اس لیے کہ حلال بننے سے جو شئی مانع تھی اس میں شک ہے اور اس کا حلال ہونا اصل ہے اور بالیقین ثابت ہے اور مانع حلت دودھ کے حلق کے اندر جانے میں شک ہے لہٰذا "الیقینُ لایَزُولُ بالشَّکِ" کے قاعدہ سے حرمت ثابت نہ ہوگی جیسا کہ ولوالجیہ میں ہے۔

دودھ پلانے میں احتیاط

اگر کسی بچی کو گاؤں کی بہت ساری عورتوں نے دودھ پلایا لیکن علی وجہ الیقین یہ معلوم نہ ہو سکا کہ کن کن عورتوں نے دودھ پلایا، پھر گاؤں والوں میں سے کسی نے اس کے ساتھ نکاح کرنے کا ارادہ کیا تو اس صورت میں اگر کوئی علامت نہ پائی جائے کہ اس نے دودھ پلایا ہے اور نہ دودھ پلانے پر گواہ ہو کہ کس نے پلایا تھا تو اس کے لیے نکاح کرنا جائز ہے جیسا کہ فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے۔ (لیکن یہاں احتیاط اور تقویٰ کا تقاضہ یہ ہے کہ جہاں شبہ ہو وہاں نکاح نہ کرے، تاکہ حرام فعل میں مبتلا ہونے سے بچ جائے، اسی وجہ سے حضرات فقہائے کرام نے لکھا ہے کہ عورتوں پر ضروری اور واجب ہے کہ وہ ہر لڑکے اور لڑکی کو بلا ضرورت دودھ نہ پلائیں اور اگر پلانے کی ضرورت پیش آجائے تو اس کو یاد رکھیں یا اپنے پاس لکھ کر رکھیں تاکہ فعل حرام میں مبتلا ہونے کا خطرہ باقی نہ رہے۔ فتاویٰ تتارخانیہ میں ہے کہ شوہر کی اجازت کے بغیر کسی اجنبی بچے کو دودھ پلانا مکروہ ہے، البتہ اگر بچہ کی ہلاکت کا خوف ہو تو شوہر کی اجازت کے بغیر بھی دودھ پلانا جائز ہے، اس لیے کہ بچے کی جان بچانا فرض ہے۔ (شامی: ج۳/ ۴۰۲)

(أُمُومِيَّةُ الْمُرْضِعَةِ لِلرَّضِيعِ، وَ) يَثْبُتُ (أُبُوَّةُ زَوْجِ مُرْضِعَةٍ) إِذَا كَانَ (لَبَنُهَا مِنْهُ) (لَهُ) وَإِلَّا لَا كَمَا سَيَجِيءُ. (فَيَحْرُمُ مِنْهُ) أَيْ بِسَبَبِهِ (مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ) رَوَاهُ الشَّيْخَانِ، وَاسْتَثْنَى بَعْضُهُمْ إِحْدَى وَعِشْرِينَ صُورَةً وَجَمَعَهَا فِي قَوْلِهِ:

يُفَارِقُ النَّسَبُ الْإِرْضَاعَ فِي صُوَرٍ كَأُمِّ نَافِلَةٍ أَوْ جَدَّةِ الْوَلَدِ

وَأُمِّ أُخْتٍ وَأُخْتِ ابْنٍ وَأُمِّ أَخٍ وَأُمِّ خَالٍ وَعَمَّةِ ابْنٍ اعْتَمِدْ

(إِلَّا أُمَّ أَخِيهِ وَأُخْتِهِ) اسْتِثْنَاءٌ مُنْقَطِعٌ لِأَنَّ حُرْمَةَ مَنْ ذُكِرَ بِالْمُصَاهَرَةِ لَا بِالنَّسَبِ فَلَمْ يَكُنِ الْحَدِيثُ مُتَنَاوِلًا لَهَا وَلَا لِمَا اسْتَثْنَاهُ الْفُقَهَاءُ فَلَا تَخْصِيصَ بِالْعَقْلِ كَمَا قِيلَ، فَإِنَّ حُرْمَةَ أُمِّ أُخْتِهِ وَأَخِيهِ نَسَبًا لِكَوْنِهَا أُمَّهُ أَوْ مَوْطُوءَةَ أَبِيهِ وَهَذَا الْمَعْنَى مَفْقُودٌ فِي الرَّضَاعِ.

رضاعت کی وجہ سے رضاعی ماں اور رضاعی باپ کا ثبوت

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جو عورت بچے کو دودھ پلائے وہ بچے کی ماں بن جائے گی اور دودھ پلانے والی عورت کا شوہر اس بچہ کا رضاعی باپ ہو جائے گا، بشرطیکہ اس عورت کا دودھ اسی شوہر کی وجہ سے اُترا ہو۔ اور اگر عورت کا دودھ اس شوہر سے نہیں اُترا ہے تو وہ اس کا رضاعی باپ نہیں ہوگا جیسا کہ اس کی تفصیل آئندہ آئے گی۔

رضاعت سے وہ تمام رشتے حرام ہیں جو قرابت کی وجہ سے حرام ہیں

اور رضاعت یعنی دودھ پلانے کی وجہ سے وہ تمام رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب کی وجہ سے حرام ہوتے ہیں، اس لیے کہ رسول اکرم ﷺ کی حدیث شریف ہے جس کو امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ دونوں ہی نے اپنی جامع میں روایت کی ہے، حدیث یہ ہے "یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب"۔ کہ رضاعت سے وہ تمام رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں۔ اور اس عمومی ضابطہ سے بعض علمائے کرام نے اکیس صورتیں مستثنیٰ کی ہیں، جن کو اس نظم میں جمع کر دیا گیا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے:

(۱) دودھ پلانے کا حکم چند صورتوں میں نسب کے حکم سے جدا ہے، یعنی نسب سے وہ رشتے تو حرام ہیں لیکن رضاعت سے نہیں، ایک پوتے کی ماں، یا لڑکے کی نانی، یعنی پوتے کی رضاعی ماں دادا کے لیے حلال ہے، لیکن پوتے کی نسبی ماں دادا کے لیے کسی بھی صورت میں حلال نہیں ہے، اسی طرح رضاعی لڑکے کی نانی باپ کے لیے حلال ہے لیکن نسبی نانی حلال نہیں ہے۔

(۲) اسی طرح رضاعت کی وجہ سے یہ رشتے حلال ہیں، رضاعی بہن کی ماں، بیٹے کی بہن، بھائی کی ماں، ماموں کی ماں اور بیٹے کی پھوپھی، اس پر اعتماد کیا گیا ہے، بہن کی ماں کی تین شکلیں ہیں: ۱- ماں رضاعی ہو، بہن نسبی ہو، مثلاً خالد کی سگی بہن سلمٰی کو صائمہ نے دودھ پلایا تھا، تو خالد کا نکاح صائمہ سے درست ہوگا۔ ۲- بہن رضاعی ہو اور اس کی ماں نسبی ہو، جیسے خالد کی

رضاعی بہن صادقہ ہے تو خالد کے لیے صادقہ کی نسبی ماں حلال ہے۔ ۳- ماں بھی رضاعی ہو اور بہن بھی رضاعی ہو، چنانچہ سابقہ مثال میں صادقہ کی رضاعی ماں خالد کے لیے حلال ہے، اسی طرح بیٹے کی بہن کی بھی تین صورتیں ہیں اور بھائی کی ماں کی بھی تین صورتیں ہیں، وغیرہ وغیرہ، اس طرح کل اکیس صورتیں بنتی ہیں۔

استثنائی شکل

یہ اصول پہلے بیان کیا جا چکا ہے: ''جو رشتہ نسب کی وجہ سے حرام ہے وہی رشتہ رضاعت کی وجہ سے بھی حرام ہے''۔ لیکن اس سے بھائی اور بہن کی ماں مستثنیٰ ہے، اس لیے کہ نسبی بھائی کی نسبی ماں حرام ہے مگر رضاعی بھائی کی رضاعی ماں حرام نہیں ہے، اسی طرح نسبی بہن کی نسبی ماں حرام ہے لیکن رضاعی بہن کی رضاعی ماں حرام نہیں ہے اور یہ مستثنیٰ منقطع ہے۔ شارح کا قول استثناء منقطع یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ رضاعی بہن کی ماں اور رضاعی بھائی کی ماں کا استثنیٰ کرنا کس طرح صحیح ہے جب کہ ان دونوں کی حرمت نسب میں مصاہرت کی وجہ سے ہے نہ کہ نسب کی وجہ سے، تو جب یہ مستثنیٰ مستثنیٰ منہ میں داخل ہی نہیں ہے تو استثنیٰ کس طرح صحیح ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مستثنیٰ کا مستثنیٰ منہ میں داخل ہونا مستثنیٰ متصل میں ضروری ہے اور یہاں مستثنیٰ متصل نہیں ہے بلکہ منقطع ہے، اس میں مستثنیٰ کا مستثنیٰ منہ میں داخل ہونا شرط ہی نہیں ہے، اس لیے کہ مذکورہ ساری حرمتیں مصاہرت کی وجہ سے ہیں نسب کی وجہ سے نہیں ہیں، لہٰذا حدیث شریف کا متن مذکورہ صورتوں کو شامل نہیں ہوا، جیسا کہ بعض حضرات نے فرمایا ہے، یہ بھی ایک سوال کا جواب ہے کہ حدیث شریف عام ہے حضرات فقہاء نے عقل سے اس کی تخصیص فرمائی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مستثنیٰ صورتیں حدیث شریف میں داخل ہی نہیں کہ تخصیص بالعقل کا اعتراض کیا جائے۔

اور بہن اور بھائی کی ماں کا باعتبار نسب حرام ہونا اس وجہ سے ہے کہ بہن اور بھائی کی ماں خود اپنی ماں ہے یا اپنے باپ کی موطوءہ بیوی ہوگی اور رضاعت میں یہ معنی پایا نہیں جاتا ہے اس لیے کہ خالد کے بھائی کی رضاعی ماں خالد کی ماں نہیں ہے اور نہ اس کے باپ کے موطوءہ بیوی ہے اس لیے رضاعت کی وجہ سے مذکورہ رشتے حرام نہیں ہیں۔

(وَ) قِسْ عَلَيْهِ (أُخْتَ ابْنِهِ) وَبِنْتِهِ (وَجَدَّةَ ابْنِهِ) وَبِنْتِهِ (وَأُمَّ عَمِّهِ وَعَمَّتِهِ وَأُمَّ خَالِهِ وَخَالَتِهِ، وَكَذَا عَمَّةُ وَلَدِهِ وَبِنْتُ عَمَّتِهِ وَبِنْتُ أُخْتِ وَلَدِهِ وَأُمُّ أَوْلَادِ أَوْلَادِهِ) فَهٰؤُلَاءِ مِنَ الرَّضَاعِ حَلَالٌ لِلرَّجُلِ وَكَذَا أَخُو ابْنِ الْمَرْأَةِ لَهَا، فَهٰذِهِ عَشْرُ صُوَرٍ تَصِلُ بِاعْتِبَارِ الذُّكُورَةِ وَالْأُنُوثَةِ إِلَى عِشْرِينَ، وَبِاعْتِبَارِ مَا يَحِلُّ لَهُ أَوْ لَهَا إِلَى أَرْبَعِينَ مَثَلًا يَجُوزُ تَزَوُّجُهُ بِأُمِّ أَخِيهِ وَتَزَوُّجُهَا بِأَبِي أَخِيهَا، وَكُلٌّ مِنْهَا يَجُوزُ أَنْ يَتَعَلَّقَ الْجَارُّ وَالْمَجْرُورُ أَعْنِي مِنَ الرَّضَاعِ تَعَلُّقًا مَعْنَوِيًّا بِالْمُضَافِ كَالْأُمِّ كَأَنْ تَكُونَ لَهُ أُخْتٌ نَسَبِيَّةٌ لَهَا أُمٌّ رَضَاعِيَّةٌ، أَوْ بِالْمُضَافِ إِلَيْهِ كَالْأَخِ كَأَنْ يَكُونَ لَهُ أَخٌ نَسَبِيٌّ لَهُ أُمٌّ رَضَاعِيَّةٌ، أَوْ بِهِمَا كَأَنْ يَجْتَمِعَ مَعَ آخَرَ عَلَى ثَدْيِ أَجْنَبِيَّةٍ وَلِأَخِيهِ رَضَاعًا أُمٌّ أُخْرَى رَضَاعِيَّةٌ فَهِيَ مِائَةٌ وَعِشْرُونَ

وَهٰذَا مِنْ خَوَاصِّ كِتَابِنَا.

رضاعت کی وجہ سے حرام نہ ہونے والی عورتیں

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ بھائی بہن کی ماں پر، بیٹی بیٹا کی بہن کو قیاس کرلو، اور اسی پر ان رشتوں کو بھی قیاس کرلو جن میں حرمت کا جو سبب نسب میں ہے وہ رضاعت میں مفقود ہے چنانچہ بیٹا بیٹی کی رضاعی بہن اور بیٹا بیٹی کی نانی، چچا اور پھوپھی کی ماں، ماموں اور خالہ کی ماں، رضاعت کے اعتبار سے حلال ہے، مثال کے طور پر راشد کا چچا اور اس کی نسبی پھوپھی ہے ان کو ایک اجنبی عورت نے جس کا نام نازیہ ہے دودھ پلایا ہو تو اس صورت میں راشد کے لیے نازیہ حلال ہے، اسی طرح اگر راشد کا چچا رضاعی ہو، یعنی راشد کے والد اور نازیہ نے کسی تیسری عورت عابدہ کا دودھ پیا ہو پھر راشد کے رضاعی چچا نے ذاکرہ کا دودھ پیا تو اس صورت میں راشد کے لیے ذاکرہ سے نکاح کرنا حلال ہے اور نسب کے اعتبار سے چچا اور پھوپھی کی ماں حلال نہیں ہے اس لیے کہ چچا کی نسبی ماں یا تو سگی دادی ہوگی یا اس کے دادا کی مدخولہ بیوی ہوگی اور یہ دونوں حرام ہیں۔

اسی طرح اپنے بچوں کی پھوپھی، اپنی پھوپھی کی لڑکی، اپنے لڑکے کی بہن کی بیٹی اور اپنے پوتوں کی ماں یہ سارے رشتے رضاعت کی وجہ سے مرد کے لیے حلال ہیں (بچوں کی پھوپھی کی بیٹی رضاعت کی وجہ سے حلال ہے، لیکن نسبی رشتہ کی وجہ سے حرام ہے، اس لیے کہ بچوں کی پھوپھی رشتہ میں بہن ہوگی اور بہن کی بیٹی بھانجی ہوئی اور بھانجی ماموں کے لیے حرام ہے، اسی طرح بچوں کی بہن کی بیٹی رضاعت سے ہو تو حلال ہے اور اگر نسب سے ہو تو حرام ہے اس لیے کہ بچوں کی بہن کی بیٹی نواسی ہوگی اور نواسی سے نکاح شرعاً حرام ہے) اسی طرح عورت کے بیٹے کا بھائی عورت کے لیے حلال ہے، یہ کل دس صورتیں ہوئی ہیں: (۱) بھائی بہن کی ماں۔ (۲) بیٹا بیٹی کی ماں۔ (۳) بیٹا بیٹی کی دادی۔ (۴) چچا پھوپھی کی ماں۔ (۵) ماموں اور خالہ کی ماں۔ (۶) بچوں کی پھوپھی۔ (۷) بچوں کی پھوپھی کی بیٹی۔ (۸) بچوں کی بہن کی بیٹی۔ (۹) پوتے کی ماں۔ (۱۰) عورت کے بیٹے کے بھائی۔

رشتہ رضاعت سے حلال عورتوں اور مردوں کی تعداد

یہ کل دس صورتیں ہیں جو مرد وعورت کے اعتبار سے بیس تک پہنچ جائے گی، دس عورتوں کی طرف سے اور دس مردوں کی طرف سے، مثال کے طور پر بہن کی ماں اس کے مقابلہ میں بھائی کی ماں، بیٹی کی بہن اس کے بالمقابل بیٹے کی بہن وغیرہ وغیرہ، تو جس طرح یہ بیس صورتیں مرد کے لیے رضاعت سے حلال ہیں اسی طرح بیس صورتیں رضاعت کی وجہ سے عورت کے لیے بھی حلال ہیں، تو اس طرح سے اس کی تعداد چالیس تک پہنچ جائے گی، مثال کے طور پر جب مرد کے لیے حلال ہو تو کہا جائے گا کہ مرد کے لیے اپنے بھائی کی رضاعی ماں سے نکاح کرنا جائز ہے اور جب عورت کے لیے حلال ہوگی تو کہا جائے گا کہ عورت کے لیے اپنے رضاعی بھائی کے باپ سے نکاح کرنا جائز ہے۔

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ماقبل میں جو صورتیں ذکر کی گئی ہیں ان میں جائز ہے کہ من الرضاع میں جار مجرور کا تعلق مضاف معنوی کے ساتھ ہو، گویا کلام اس طرح ہے یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب إلا أم أخته من الرضاع، جس طرح کہ أم أخته میں أم کا لفظ اس طرح ہو مثلاً زید کی نسبی بہن کی رضاعی ماں، یعنی من الرضاع کا تعلق مضاف الیہ سے ہو جیسے کہ اُخ کے ساتھ، جیسے کہ نسبی بھائی کی رضاعی ماں، یا من الرضاع کا تعلق مضاف اور مضاف الیہ دونوں کے ساتھ ہو مثال کے طور پر ایک شخص نے دوسرے کے ساتھ مل کر کسی اجنبی عورت کا دودھ پیا، مثال کے طور پر حماد اور عباد یہ دونوں مل کر نصرت جہاں جو ایک اجنبیہ عورت ہے اس کا دودھ پئے اور اس کے رضاعی بھائی کی نصرت جہاں کے علاوہ کوئی دوسری رضاعی ماں بھی ہو تو وہ حماد کے لیے حلال ہوگی، اس طرح کل ایک سو بیس صورتیں نکلتی ہیں۔ شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں یہ ہماری کتاب کی خوبی ہے کہ باب رضاعت میں دس سے بیس اور بیس سے چالیس اور چالیس سے ایک سو بیس صورتیں نکل آئیں، دوسری کتابوں میں آپ کو یہ نہیں ملے گا۔

(وَتَحِلُّ أُخْتُ أَخِيهِ رَضَاعًا) يَصِحُّ اتِّصَالُهُ بِالْمُضَافِ كَأَنْ يَكُونَ لَهُ أَخٌ نَسَبِيٌّ لَهُ أُخْتٌ رَضَاعِيَّةٌ، وَبِالْمُضَافِ إِلَيْهِ كَأَنْ يَكُونَ لِأَخِيهِ رَضَاعًا أُخْتٌ نَسَبًا وَبِهِمَا وَهُوَ ظَاهِرٌ. (وَ) كَذَا (نَسَبًا) بِأَنْ يَكُونَ لِأَخِيهِ لِأَبِيهِ أُخْتٌ لِأُمٍّ، فَهُوَ مُتَّصِلٌ بِهِمَا لَا بِأَحَدِهِمَا لِلُزُومِ التَّكْرَارِ كَمَا لَا يَخْفَى. (وَلَا حِلَّ بَيْنَ رَضِيعَيْ امْرَأَةٍ) لِكَوْنِهِمَا أَخَوَيْنِ وَإِنْ اخْتَلَفَ الزَّمَنُ وَالْأَبُ. (وَلَا) حِلَّ (بَيْنَ الرَّضِيعَةِ وَوَلَدِ مُرْضِعَتِهَا) أَيْ الَّتِي أَرْضَعَتْهَا (وَوَلَدِ وَلَدِهَا) لِأَنَّهُ وَلَدُ الْأَخِ (وَلَبَنُ بِكْرٍ بِنْتِ تِسْعِ سِنِينَ فَأَكْثَرَ (مُحَرِّمٌ) وَإِلَّا لَا جَوْهَرَةٌ (وَكَذَا) يُحَرِّمُ (لَبَنُ مَيِّتَةٍ) وَلَوْ مَحْلُوبًا، فَيَصِيرُ نَاكِحُهَا مَحْرَمًا لِلْمَيِّتَةِ فَيُيَمِّمُهَا وَيَدْفِنُهَا بِخِلَافِ وَطْئِهَا، وَفَرَّقَ بِوُجُودِ التَّغَذِّي لَا اللَّذَّةِ. (وَمَخْلُوطٌ بِمَاءٍ أَوْ دَوَاءٍ أَوْ لَبَنِ أُخْرَى أَوْ لَبَنِ شَاةٍ إِذَا غَلَبَ لَبَنُ الْمَرْأَةِ وَكَذَا إِذَا اسْتَوَيَا) إِجْمَاعًا لِعَدَمِ الْأَوْلَوِيَّةِ جَوْهَرَةٌ، وَعَلَّقَ مُحَمَّدٌ الْحُرْمَةَ بِالْمَرْأَتَيْنِ مُطْلَقًا، قِيلَ: وَهُوَ الْأَصَحُّ

رضاعت کے کچھ حلال رشتے

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اپنے رضاعی بھائی کی بہن حلال ہے، یہاں لفظ رضاعاً کا اتصال مضاف کے ساتھ بھی درست ہے، بایں طور کہ اس کے رضاعی بھائی کی نسبی بہن ہو اور یہ بھی درست ہے کہ اس کا تعلق مضاف اور مضاف الیہ دونوں سے ہو اور یہ بالکل ظاہر ہے، یعنی رضاعی بھائی کی رضاعی بہن ہو۔ (اس سے نکاح درست ہے لیکن رضاعی بھائی کی بیٹی سے نکاح حرام ہے جس طرح کہ نسبی بھائی کی بیٹی سے نکاح حرام ہے)۔

سوتیلے بھائی کی نسبی بہن کا حکم

اور اسی طرح اپنے نسبی بھائی کی بہن حلال ہے بایں طور کہ سوتیلے بھائی کی اخیافی بہن ہو، مثال کے طور پر نثار اور احمد دونوں آپس میں سوتیلے بھائی ہیں، دونوں کے باپ تو ایک ہیں لیکن ماں الگ الگ ہیں اور نثار کی بہن عالیہ ہو جو نثار کی اسی ماں سے ہو، مگر اس کا باپ دوسرا ہو، تو اس صورت میں احمد کے لیے نثار کی نسبی بہن عالیہ سے نکاح کرنا جائز ہے، پس یہاں نسب کا اتصال مضاف اور مضاف الیہ دونوں کے ساتھ پایا گیا ہے، صرف ایک سے اتصال نہیں ہے تکرار کے لازم آنے کی وجہ سے جیسا کہ یہ بات پوشیدہ نہیں ہے۔

دو شیر خوار بچوں میں حرمت رضاعت کا ثبوت

ایک عورت کے دو شیر خوار بچوں کے درمیان باہم حلت نہیں ہے اس لیے کہ دونوں آپس میں رضاعی بھائی ہوں گے اگر چہ دونوں بچوں کی شیر خوارگی کا زمانہ مختلف ہو اور دونوں کے رضاعی باپ بھی مختلف ہوں، اسی طرح دودھ پینے والی عورت اور دودھ پلانے والی عورت کے بچوں کے درمیان بھی حلت نہیں ہے یعنی جس نے اس کو دودھ پلایا ہے اس کے بچوں اور جس کو دودھ پلایا گیا ان کے درمیان رشتہ مناکحت قائم نہیں ہو سکتا ہے، اس لیے کہ یہ دونوں آپس میں بھائی بہن ہو جائیں گے، اگر چہ اس بچہ نے اپنی ماں کا دودھ بالکل نہ پیا ہو، اسی طرح دودھ پینے والی عورت اور اس کو دودھ پلانے والی عورت کے پوتوں سے بھی رشتۂ مناکحت قائم نہیں ہو سکتا ہے اس لیے کہ دودھ پلانے والی عورت کا پوتا اس لڑکی کا رضاعی بھتیجہ ہوگا۔

کتنی عمر کی لڑکی کے دودھ سے حرمت رضاعت ثابت ہوتی ہے؟

کنواری باکرہ لڑکی جس کی عمر نو برس یا اس سے زیادہ ہو جائے تو اس لڑکی کا دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت ہوگی، اگر لڑکی کی عمر نو برس سے کم ہو اور اس کو دودھ نکل جائے اور کسی بچے کو پلا دے تو اس سے حرمت ثابت نہیں ہوگی، جیسا کہ جوہرہ میں ہے۔ (اور یہاں کنواری لڑکی سے مراد ایسی لڑکی ہے جس کے ساتھ کسی نے جائز یا ناجائز طریقے سے وطی نہ کی ہو خواہ اس کا پردۂ زائل ہی کیوں نہ ہو چکا ہو)۔ (شامی: ۴/۴۱۱)

مردہ عورت کے دودھ سے حرمت رضاعت کا ثبوت

اسی طرح مردہ عورت کے دودھ سے بھی حرمت رضاعت ثابت ہوتی ہے اگر چہ وہ دودھ برتن میں دوھ کر نکالا ہوا کیوں نہ ہو، پس جس شخص کی بھی شادی اس میت کے دودھ پینے والی عورت سے ہوگی وہ مردہ عورت کا محرم قرار پائے گا، لہٰذا یہ نکاح کرنے والا میت کو تیمم کرا سکتا ہے اور اس کو دفن کر سکتا ہے اس لیے کہ وہ حکماً اس کا داماد ہے، لہٰذا اگر کوئی عورت غسل دینے والی نہ ملے تو یہ داماد اس کو تیمم کرا سکتا ہے۔ اب یہاں ایک اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ مردہ عورت کا دودھ پینے سے حرمت رضاعت

ثابت ہوتی ہے لیکن مردہ عورت کے ساتھ جماع کرنے سے حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی ہے، آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے برخلاف مردہ عورت کے ساتھ جماع کرنا، اس سے حرمت مصاہرت کا ثبوت نہیں ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مردہ عورت کا دودھ غذا کا کام کرتا ہے اور اس سے بچہ کی نشوونما ہو جاتی ہے اس لیے حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہے اور مردہ عورت کے ساتھ وطی کرنے سے لذت حاصل نہیں ہوتی ہے اور وطی کا مقصد طلب ولد ہے اور یہ مردہ عورت میں ناممکن ہے اس لیے مصاہرت کا ثبوت نہیں ہوتا ہے۔

دودھ کے ساتھ دوسری چیز ملی ہو تو رضاعت کا ثبوت

اسی طرح اگر عورت کا دودھ پانی کے ساتھ ملا ہو، یا دواء کے ساتھ ملا ہو، یا کسی دوسری عورت کے دودھ کے ساتھ ملا ہوا ہو، یا بکری کے دودھ کے ساتھ ملا ہو اور عورت کا دودھ غالب ہو تو اس سے بھی حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی۔ اور اگر دو عورتوں کا دودھ ملا ہو اور دونوں برابر ہوں تو اس صورت میں بالاتفاق دونوں سے حرمت ثابت ہوگی اس لیے کہ اوّلیت نہ ہونے کی وجہ سے کسی کو کسی پر ترجیح نہیں ہے، جیسا کہ الجوہرۃ النیرۃ میں ہے۔ اور حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ جب دو عورتوں کا دودھ ملا ہوا ہو، برابر نہ ہو تو بھی دونوں سے حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی۔ اور بعض حضرات نے اسی قول کو صحیح قرار دیا ہے۔

(لَا) يُحَرِّمُ (الْمَخْلُوطُ بِطَعَامٍ) مُطْلَقًا وَإِنْ حَسَاهُ حَسْوًا وَكَذَا لَوْ جُبِّنَهُ لِأَنَّ اسْمَ الرِّضَاعِ لَا يَقَعُ عَلَيْهِ بَحْرٌ (وَ) لَا (الِاحْتِقَانُ وَالْإِقْطَارُ فِي أُذُنٍ) وَإِحْلِيلٍ (وَجَائِفَةٍ وَآمَّةٍ، وَ) لَا (لَبَنُ رَجُلٍ) وَمُشْكِلٍ إلَّا إذَا قَالَ: النِّسَاءُ إنَّهُ لَا يَكُونُ عَلَى غَزَارَتِهِ إلَّا لِلْمَرْأَةِ وَإِلَّا لَا جَوْهَرَةٌ (وَ) لَا لَبَنُ (شَاةٍ) وَغَيْرِهَا لِعَدَمِ الْكَرَامَةِ. (وَلَوْ أَرْضَعَتْ الْكَبِيرَةُ) وَلَوْ مُبَانَةً (ضَرَّتَهَا) الصَّغِيرَةَ وَكَذَا لَوْ أَوْجَرَهُ رَجُلٌ فِي فِيهَا (حَرُمَتَا) أَبَدًا إنْ دَخَلَ بِالْأُمِّ أَوْ اللَّبَنُ مِنْهُ وَإِلَّا جَازَ تَزَوُّجُ الصَّغِيرَةِ ثَانِيًا (وَلَا مَهْرَ لِلْكَبِيرَةِ إنْ لَمْ تُوطَأْ) لِمَجِيءِ الْفُرْقَةِ مِنْهَا (وَلِلصَّغِيرَةِ نِصْفُهُ) لِعَدَمِ الدُّخُولِ (وَرَجَعَ) الزَّوْجُ (بِهِ عَلَى الْكَبِيرَةِ) وَكَذَا عَلَى الْمُوجِرِ (إنْ تَعَمَّدَتْ الْفَسَادَ) بِأَنْ تَكُونَ عَاقِلَةً طَائِعَةً مُتَيَقِّظَةً عَالِمَةً بِالنِّكَاحِ وَبِإِفْسَادِ الْإِرْضَاعِ وَلَمْ تَقْصِدْ دَفْعَ جُوعٍ أَوْ هَلَاكٍ (وَإِلَّا لَا) لِأَنَّ الْمُتَسَبِّبَ يُشْتَرَطُ فِيهِ التَّعَدِّي، وَالْقَوْلُ لَهَا إنْ لَمْ يَظْهَرْ مِنْهَا تَعَمُّدُ الْفَسَادِ مِعْرَاجٌ.

جس دودھ سے حرمتِ رضاعت کا ثبوت نہیں ہوتا

اس دودھ سے حرمت رضاعت مطلقاً ثابت نہیں ہوتی ہے جو کسی طرح سے کھانے کے ساتھ ملا ہو، اگرچہ بچے نے اس کو گھونٹ گھونٹ کر پیا ہو، اسی طرح جس دودھ کا پنیر بنا لیا گیا ہو اس سے بھی حرمت رضاعت نہیں ثابت ہوتی ہے، اس لیے کہ اس

صورت میں دودھ پلانے کا اطلاق اصطلاح میں نہیں ہوتا ہے، جیسا کہ البحرالرائق میں ہے، اسی طرح جس دودھ کو حقنہ کے راستہ سے پیٹ میں پہنچایا جائے، یا کان یا عضوِ تناسل کے سوراخ سے ٹپکایا جائے، یا سر اور پیٹ کے زخم میں ٹپکایا جائے اس سے حرمتِ رضاعت ثابت نہیں ہوتی ہے، اسی طرح مرد اور خنثیٰ مشکل کے دودھ سے بھی حرمت ثابت نہیں ہوتی ہے، ہاں خنثیٰ مشکل کے دودھ سے حرمتِ رضاعت اس وقت ثابت ہوجائے گی، جب کہ عورتیں یہ کہیں کہ اس طرح کثرت سے دودھ عورت ہی کو آتا ہے اگر عورتیں اس کے دودھ کے متعلق اس طرح کا بیان نہیں کرتی ہیں تو حرمت ثابت نہیں ہوگی، جیسا کہ الجوہرۃ النیرۃ میں ہے۔

بکری اور دوسرے جانوروں کے دودھ سے بھی حرمتِ رضاعت ثابت نہیں ہوگی، اس لیے کہ جانوروں کے دودھ کو وہ اعزاز اور کرامت حاصل نہیں ہے جو آدمی کے دودھ کو حاصل ہے، پھر یہ کہ بکری کے دودھ سے جزئیت بھی پیدا نہیں ہوتی ہے اس لیے حرمت ثابت نہیں ہوگی۔

کبیرہ نے صغیرہ سوکن کو دودھ پلا دیا تو کیا حکم ہے؟

کسی شخص کی کبیرہ بیوی نے اپنی چھوٹی سوکن جو ابھی زمانۂ شیرخوارگی میں تھی کو دودھ پلا دیا، اگرچہ وہ بڑی مطلقہ بائنہ کیوں نہ ہو، اسی طرح اس کبیرہ نے اپنا دودھ نکال کر صغیرہ کے حلق میں ڈال دیا، تو ان دونوں صورتوں میں صغیرہ اور کبیرہ دونوں ہی شوہر پر حرام ہوجائیں گی اور یہ حرمت دائمی طور پر ثابت ہوگی بشرطیکہ شوہر بڑی کے ساتھ وطی کر چکا ہو، اس لیے کہ اس صورت میں ماں اور رضاعی بیٹی کا اجتماع پایا گیا، ان دونوں کا شوہر پر ابدی طور پر حرام ہونے کے لیے دوسری شرط یہ ہے کہ اس بڑی کا دودھ اسی شوہر سے اُترا ہو، اگر ایسا نہیں ہے تو شوہر کے لیے صغیرہ سے دوبارہ نکاح کرنا جائز ہے، اس لیے کہ پہلا نکاح تو ماں بیٹی کے اجتماع کی وجہ سے ٹوٹ گیا اور دوسرا نکاح صحیح ہوا اس لیے کہ کبیرہ مدخول بہا نہیں تھی تو صغیرہ اس کی ربیبہ ہوئی اور ربیبہ سے نکاح درست ہے بشرطیکہ اس کی ماں کے ساتھ دخول نہ کیا ہو، اور کبیرہ سے نکاح مطلقاً جائز نہیں ہے اس لیے کہ بیٹی سے صرف نکاح ہوجانا ہی اس کی ماں کو حرام کر دیتا ہے، خلوت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔

اگر کبیرہ غیر مدخول بہا نے طلاق کے بعد صغیرہ کو دودھ پلایا ہے تو چھوٹی کا نکاح فسخ نہ ہوگا اس لیے کہ دودھ پلانے کے وقت کبیرہ صغیرہ کی سوکن نہیں تھی۔ (شامی: ۴/ ۴۱۵)

کبیرہ کے مہر کا حکم

کبیرہ نے اپنی سوکن صغیرہ کو دودھ پلا دیا تو دونوں شوہر پر ہمیشہ کے لیے حرام ہوجائیں گیں اور اس صورت میں کبیرہ کے ساتھ اگر شوہر نے وطی نہیں کی ہے تو اس کے لیے کوئی مہر نہیں ہوگا اس لیے کہ یہ جدائی اس کی طرف سے آئی ہے اور چھوٹی بیوی کو آدھا مہر ملے گا دخول نہ ہونے کی وجہ سے اور اس صورت میں چھوٹی بیوی کو شوہر نے جو آدھا مہر دیا ہے وہ رقم شوہر کبیرہ

سے مطالبہ کرے گا بشرطیکہ کبیرہ کا مقصد دودھ پلانے سے نکاح کو فاسد کرنا ہو اور جان بوجھ کر یہ حرکت کی ہو اور عاقلہ ہو اور اپنی خواہش سے بیداری کی حالت میں دودھ پلائی ہو، نیز اس کو یہ معلوم ہو کہ صغیرہ کا نکاح میرے شوہر کے ساتھ ہو چکا ہے اور اس کو یہ بھی معلوم ہو کہ دودھ پلانے سے نکاح ٹوٹ جائے گا، تب شوہر کبیرہ سے مطالبہ کرے گا۔ اور اگر کبیرہ کا مقصد بھوک اور ہلاکت کو دور کرنا ہو تو پھر شوہر کبیرہ بیوی سے آدھے مہر کا مطالبہ نہیں کرے گا، اس لیے کہ تاوان تعدی اور زیادتی پر مبنی ہے اور اس باب میں کبیرہ بیوی کی بات معتبر ہوگی، اگر وہ اپنی بات کو حلف کے ساتھ بیان کرے، بشرطیکہ اس کی طرف سے جان بوجھ کر نکاح فاسد کرنے سے متعلق کوئی علامت ظاہر نہ ہو، اسی طرح شوہر اس مرد سے بھی تاوان کا مطالبہ کرے گا جس نے جان بوجھ کر چھوٹی بیوی کے منہ میں بڑی بیوی کا دودھ ڈالا ہے۔

(طَلَّقَ ذَاتَ لَبَنٍ فَاعْتَدَّتْ وَتَزَوَّجَتْ) بِآخَرَ (فَحَبِلَتْ وَأَرْضَعَتْ) (فَحُكْمُهُ مِنَ الْأَوَّلِ) لِأَنَّهُ مِنْهُ بِيَقِينٍ فَلَا يَزُولُ بِالشَّكِّ وَيَكُونُ رَبِيبًا لِلثَّانِي (حَتَّى تَلِدَ) فَيَكُونَ اللَّبَنُ مِنَ الثَّانِي، وَالْوَطْءُ بِشُبْهَةٍ كَالْحَلَالِ، قِيلَ: وَكَذَا الزِّنَا وَالْأَوْجَهُ لَا فَتْحٌ. (قَالَ) لِزَوْجَتِهِ (هَذِهِ رَضِيعَتِي ثُمَّ رَجَعَ) عَنْ قَوْلِهِ (صُدِّقَ) لِأَنَّ الرَّضَاعَ مِمَّا يَخْفَى فَلَا يَمْنَعُ التَّنَاقُضُ فِيهِ (وَلَوْ ثَبَتَ عَلَيْهِ، بِأَنْ قَالَ) بَعْدَهُ (هُوَ حَقٌّ كَمَا قُلْت وَنَحْوَهُ) هَكَذَا فَسَّرَ الثَّبَاتَ فِي الْهِدَايَةِ وَغَيْرِهَا (فُرِّقَ بَيْنَهُمَا وَإِنْ أَقَرَّتْ) الْمَرْأَةُ بِذَلِكَ (ثُمَّ أَكْذَبَتْ نَفْسَهَا وَقَالَتْ: أَخْطَأْت وَتَزَوَّجَهَا جَازَ كَمَا لَوْ تَزَوَّجَهَا قَبْلَ أَنْ تُكَذِّبَ نَفْسَهَا) وَإِنْ أَصَرَّتْ عَلَيْهِ لِأَنَّ الْحُرْمَةَ لَيْسَتْ إلَيْهَا، قَالُوا: وَبِهِ يُفْتَى فِي جَمِيعِ الْوُجُوهِ بَزَّازِيَّةٌ. وَمُفَادُهُ أَنَّهَا لَوْ أَقَرَّتْ بِالثَّلَاثِ مِنْ رَجُلٍ حَلَّ لَهَا تَزَوُّجُهُ (أَوْ أَقَرَّا بِذَلِكَ جَمِيعًا ثُمَّ أَكْذَبَا أَنْفُسَهُمَا وَقَالَا) جَمِيعًا (أَخْطَأْنَا ثُمَّ تَزَوَّجَهَا) جَازَ (وَكَذَا) الْإِقْرَارُ (فِي النَّسَبِ لَيْسَ يَلْزَمُهُ إلَّا مَا ثَبَتَ عَلَيْهِ) فَلَوْ قَالَ: هَذِهِ أُخْتِي أَوْ أُمِّي وَلَيْسَ نَسَبُهَا مَعْرُوفًا ثُمَّ قَالَ: وَهِمْتُ صُدِّقَ، وَإِنْ ثَبَتَ عَلَيْهِ فُرِّقَ بَيْنَهُمَا

مطلقہ مرضعہ کے دودھ کا حکم

ایک عورت کو دودھ آرہا تھا شوہر نے اس کو طلاق دیدی، پس اس عورت نے عدت گذار کر کسی دوسرے مرد سے نکاح کر لیا، اور وہ اس دوسرے شوہر سے حاملہ ہو گئی اور اس نے کسی بچہ کو دودھ پلا دیا تو اس صورت میں اس دودھ سے حرمت رضاعت کا ثبوت شوہر اوّل سے متعلق ہوگا، اس لیے کہ بلا شبہ یہ دودھ شوہر اوّل سے جاری ہوا ہے، لہٰذا شک کی بنیاد پر یہ یقین زائل نہیں ہوگا اور یہ بچہ دوسرے شوہر کا ربیب کہلائے گا، اس لیے دوسرے شوہر کی لڑکی کا نکاح اس کے ساتھ جائز ہوگا۔ اور دودھ جو مطلقہ کو آرہا

ہے شوہر اول کا اس وقت تک شمار ہوتا رہے گا جب تک کہ عورت کو بچہ پیدا نہ ہو جائے، بچہ پیدا ہونے کے بعد اب یہ دودھ دوسرے شوہر کا کہلائے گا اور رضاعت کا حکم اسی سے متعلق ہوگا۔ اور شبہ کی وجہ سے جو وطی ہوتی ہے وہ حرمت رضاعت کے ثبوت میں وطی حلال کی طرح ہوتی ہے۔ اور بعض نے فرمایا کہ اسی طرح زنا بھی حرمت رضاعت کے ثبوت میں وطی حلال کے درجہ میں ہے لیکن اس باب میں قابل ترجیح قول یہ ہے کہ زنا کی وجہ سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی ہے، جیسا کہ فتح القدیر میں ہے۔ (علامہ ابن عابدین شامی البحر الرائق سے نقل کر کے لکھتے ہیں کہ اس باب میں قابل اعتماد مذہب یہ ہے کہ زانی کے دودھ سے تحریم ثابت نہیں ہوتی ہے، إنَّ المعتمد في المذهب أن لبن الزاني لا يتعلّق به التحريم۔ (شامی: ۴/ ۴۱۷)

رشتۂ رضاعت کے اقرار کے بعد انکار

ایک شخص نے اپنی اہلیہ محترمہ کے متعلق کہا کہ یہ میری رضاعی بہن ہے اور پھر اس نے اپنے قول سے رجوع کر لیا اور انکار کر دیا تو اس صورت میں اس کی بات کی تصدیق کی جائے گی اور تفریق نہیں ہوگی، اس لیے کہ دودھ پلانا ان چیزوں میں سے ہے جو پوشیدہ رہ سکتی ہے لہٰذا اس میں تناقض ہونے یعنی دو طرح کی بات ہونے سے کوئی شئی مانع نہیں ہے۔ اور اگر شوہر اپنے قول پر جما رہا اور بعد میں بھی یہی کہتا رہا کہ جو بات میں نے بتائی ہے وہ بالکل صحیح ہے اور یہ میری رضاعی بہن ہے تو اس صورت میں ان دونوں میاں بیوی کے درمیان تفریق کر دی جائے گی، ہدایہ وغیرہ میں ثبات کی تفسیر اسی طرح کی گئی ہے۔

عورت رضاعت کا اقرار کرے اور مرد انکار

اور اگر عورت نے ثبوت حرمت رضاعت کا اقرار کیا کہ فلاں میرا رضاعی بھائی ہے یا رضاعی باپ ہے اور وہ آدمی اس کا انکار کرے پھر اس کے بعد عورت بھی اپنے قول سے پھر جائے اور اپنے آپ کی تکذیب کرے اور یہ کہنے لگے کہ مجھ سے غلطی ہوگئی، میں نے جھوٹ کہا تھا اور وہ مرد اس عورت سے نکاح کر لے تو یہ نکاح جائز ہوگا، جیسا کہ اس مرد کے لیے جائز تھا کہ عورت کے اپنے نفس کی تکذیب سے پہلے نکاح کر لیتا، اگر چہ عورت اپنے دعویٰ رضاعت پر اصرار کرتی رہے، اس لیے کہ شریعت میں حرمت کے اثبات کا اختیار عورت کو نہیں ہے اور حضرات علمائے کرام نے فرمایا کہ اسی قول پر فتویٰ بھی ہے، جیسا کہ فتاویٰ بزازیہ میں ہے اور اس کا مفاد یہ ہے کہ اگر کوئی عورت اس بات کا اقرار کرتی ہے کہ شوہر نے اس کو تین طلاق دیدی ہے تو مرد کے لیے جائز ہے کہ اس عورت سے نکاح کرے، اس لیے کہ عورت کے حق میں طلاق مخفی رہ سکتی ہے تو عورت اپنے قول سے رجوع کر سکتی ہے۔

زوجین میں سے ہر ایک اقرار کے بعد انکار کرے

اسی طرح اگر مرد اور عورت دونوں نے مل کر اقرار کیا کہ ہمارے درمیان حرمت رضاعت پائی جاتی ہے، پھر ان دونوں نے اپنے آپ کو جھٹلایا کہ جو ہم نے کہا تھا وہ غلط تھا اور ہم سے غلطی ہوگئی ہے پھر مرد نے اس عورت سے نکاح کر لیا تو یہ نکاح جائز

ہوگا۔ اور اسی طرح اگر ان دونوں نے حالت قیام نکاح میں کہا تھا تو دونوں کے درمیان تفریق نہیں کی جائے گی۔

نسب کے اقرار کے بعد انکار کرنے کا حکم

اسی طرح نسب کے اقرار کرنے کے بعد نسب لازم نہیں ہوتا ہے، یعنی اپنی زوجہ کے بارے میں نسب کا اقرار کیا کہ یہ میری بہن ہے یا میری ماں ہے اور اس کا نسب مشہور ومعروف نہیں ہے پھر اس کے بعد کہا کہ مجھے وہم ہوگیا تھا یہ میری بہن یا ماں نہیں ہے، نسب کے اقرار کرنے میں مجھ سے غلطی ہوگئی، اس صورت میں اس بات کی تصدیق کی جائے گی اور زوجین کے درمیان تفریق نہیں ہوگی، ہاں اگر نسب کے اقرار کرنے کے بعد اس پر جمارہا اور اپنے قول سے رجوع نہیں کیا تو اس صورت میں زوجین کے درمیان تفریق کردی جائے گی۔

(وَ) الرَّضَاعُ (حُجَّتُهُ حُجَّةُ الْمَالِ) وَهِيَ شَهَادَةُ عَدْلَيْنِ أَوْ عَدْلٍ وَعَدْلَتَانِ، لَكِنْ لَا تَقَعُ الْفُرْقَةُ إِلَّا بِتَفْرِيقِ الْقَاضِي لِتَضَمُّنِهَا حَقَّ الْعَبْدِ (وَهَلْ يَتَوَقَّفُ ثُبُوتُهُ عَلَى دَعْوَى الْمَرْأَةِ؛ الظَّاهِرُ لَا) لِتَضَمُّنِهَا حُرْمَةَ الْفَرْجِ وَهِيَ مِنْ حُقُوقِهِ تَعَالَى (كَمَا فِي الشَّهَادَةِ بِطَلَاقِهَا) . وَلَوْ شَهِدَ عِنْدَهَا عَدْلَانِ عَلَى الرَّضَاعِ بَيْنَهُمَا أَوْ طَلَاقِهَا ثَلَاثًا وَهُوَ يَجْحَدُ ثُمَّ مَاتَا أَوْ غَابَا قَبْلَ الشَّهَادَةِ عِنْدَ الْقَاضِي لَا يَسَعُهَا الْمُقَامُ مَعَهُ وَلَا قَتْلُهُ بِهِ يُفْتَى، وَلَا التَّزَوُّجُ بِآخَرَ. وَقِيلَ لَهَا التَّزَوُّجُ دِيَانَةً شَرْحُ وَهْبَانِيَّةَ. [فُرُوعٌ] : قَضَى الْقَاضِي بِالتَّفْرِيقِ بِرَضَاعٍ بِشَهَادَةِ امْرَأَتَيْنِ لَمْ يَنْفُذْ. مَصَّ رَجُلٌ ثَدْيَ زَوْجَتِهِ لَمْ تَحْرُمْ. تَزَوَّجَ صَغِيرَتَيْنِ فَأَرْضَعَتْ كُلًّا امْرَأَةٌ وَلَبَنُهُمَا مِنْ رَجُلٍ لَمْ يَضْمَنَا وَإِنْ تَعَمَّدَتَا الْفَسَادَ لِعُرُوضِهِ بِالْأُخْتِيَّةِ قَبْلَ الِابْنِ زَوْجَةَ أَبِيهِ وَقَالَ: تَعَمَّدْتُ الْفَسَادَ غَرِمَ الْمَهْرَ. وَلَوْ وَطِئَهَا وَقَالَ ذَلِكَ لَا، لِلُزُومِ الْحَدِّ فَلَمْ يَلْزَمْ الْمَهْرُ.

رضاعت کے ثبوت کے لیے شرعی شہادت

ثبوت حرمت رضاعت کے لیے اتنی ہی شہادت کی ضرورت ہے جتنی شہادت مال کے ثابت کرنے کے لیے ضروری ہے اور وہ دو عادل مرد یا ایک عادل مرد اور دو عادل عورتوں کی شہادت ہے اس سے حرمت رضاعت ثابت ہوجائے گی، لیکن زوجین کے درمیان محض شاہدوں کی شہادت سے تفریق نہیں ہوگی جب تک کہ قاضی ان کے درمیان تفریق نہ کردے، اس لیے کہ نکاح ہوجانے کے بعد گواہی کا تعلق حق العبد سے ہوگا لہٰذا نکاح کی حلت کو باطل کرنا محض شہادت سے نہیں ہوگا بلکہ قاضی کے فیصلے کی ضرورت ہوگی۔

کیا ثبوت رضاعت دعویٰ پر موقوف ہے؟

اب یہاں سوال یہ ہے کہ کیا رضاعت کا ثبوت عورت کے دعویٰ پر موقوف ہوگا؟ ظاہر یہ ہے کہ ثبوت رضاعت عورت کے

دعویٰ پر موقوف نہیں ہوگا، کیوں کہ یہ رضاعت حرمت شرمگاہ پر مشتمل ہوتی ہے اور یہ حرمت حقوق اللہ میں سے ایک حق ہے اور حقوق اللہ دعویٰ پر موقوف نہیں ہوتا ہے، جیسا کہ عورت کی طلاق کی گواہی میں مدعی کا دعویٰ ضروری نہیں ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا حق دعویٰ پر موقوف نہیں ہوتا ہے۔

عورتوں کے سامنے دو عادل مرد کی شہادت

اور اگر عورتوں کے سامنے دو عادل مردوں نے اس بات کی گواہی دی کہ تم دونوں آپس میں رضاعی بہن بھائی ہو، یا دو عادل گواہوں نے یہ گواہی دی کہ عورت کو تین طلاق ہو چکی ہے اور شوہر اس کا انکار کرتا ہے پھر دونوں گواہ قاضی کے پاس گواہی دینے سے پہلے انتقال کر گئے، یا دونوں گواہ وہاں سے غائب ہو گئے، تو اس صورت میں عورت کے لیے جائز نہیں ہے کہ مرد کے پاس قیام کرے، اس لیے کہ گواہوں کی گواہی سے رضاعت ثابت ہو چکی ہے صرف قاضی کا فیصلہ باقی رہ گیا تھا، اور عورت کے لیے یہ بھی جائز نہیں ہے کہ مرد کو قتل کر دے اسی قول پر فتویٰ ہے۔ اور عورت کے لیے یہ بھی جائز نہیں ہے محض تین طلاق کی بات سن کر دوسرے مرد سے نکاح کر لے۔ اور ایک قول اس بارے میں یہ ہے کہ عورت کے لیے دیانۃً دوسرے مرد سے نکاح کرنا جائز ہے جیسا کہ شرح وہبانیہ میں ہے۔

دو عورتوں کی شہادت سے تفریق کا حکم

قاضی نے صرف دو عورتوں کی رضاعت کی گواہی سے زوجین کے درمیان تفریق کر دی تو قاضی کا یہ فیصلہ از روئے شرع نافذ نہ ہوگا، اس لیے کہ یہاں نصابِ شہادت مکمل نہیں ہے۔ (اور یہ ان مسائل میں سے ایک ہے جن میں اجتہاد کی گنجائش نہیں ہے اور اس طرح کے مسائل تیس سے کچھ اوپر ہیں جو الاشباہ والنظائر کے کتاب القضاء میں مذکور ہیں)۔

بیوی کے پستان چوسنا

شوہر نے اپنی بیوی کی چھاتی کو چوس لیا اور بیوی کا دودھ نکل کر حلق میں چلا گیا تو اس سے حرمتِ رضاعت ثابت نہیں ہوگی، اس لیے کہ حرمتِ رضاعت کے ثبوت کی مدت ڈھائی سال یا دو سال کی عمر ہے، اگر اس دوران دودھ پیا تو حرمت ثابت ہوگی ورنہ نہیں، البتہ شوہر کے لیے بیوی کا دودھ پینا حرام ہے۔

مسئلہ: شوہر ابھی مدتِ رضاعت میں تھا کہ اس نے اپنی بیوی کا دودھ پی لیا تو اس سے حرمتِ رضاعت ثابت ہو جائے گی۔ (شامی: ۴/۴۲۱)

مسئلہ: کسی نے دو چھوٹی بچیوں سے نکاح کیا، ان دونوں بچیوں کو ایک ایک عورت نے دودھ پلا دیا تھا اور یہ دونوں دودھ پلانے والی عورتیں ایک ہی شخص کی بیوی تھیں اور اسی ایک شوہر سے ان دونوں کا دودھ اترا تھا تو اس صورت میں یہ دونوں

عورتیں ان بچیوں کے مہر کی ضامن نہیں ہوں گی، اگرچہ ان دونوں نے نکاح فاسد کرنے کے ارادہ ہی سے ایسا کیوں نہ کیا ہو، اس لیے کہ جب ایک شوہر کی دونوں بیویوں نے ان بچیوں کو دودھ پلایا تو یہ دونوں دودھ پلانے والیوں کے شوہر کی رضاعی بیٹی ہو گئیں اور اس طرح یہ دونوں بچیاں آپس میں رضاعی بہن ہو گئیں، لہٰذا جمع بین الاختین کی وجہ سے نکاح ٹوٹ جائے گا اور شوہر دونوں بیویوں کو آدھا آدھا مہر دے گا لیکن یہ مہر دودھ پلانے والیوں سے رجوع نہیں کرے گا۔

بیٹے نے باپ کی بیوی کا بوسہ لے لیا تو کیا حکم ہے؟

مسئلہ یہ ہے کہ بیٹے نے اپنے باپ کی بیوی کا بوسہ لے لیا اور اس نے کہا کہ میں نے یہ حرکت جان بوجھ کر کی ہے تا کہ یہ عورت میرے باپ پر حرام ہو جائے، تو اس صورت میں بیٹا مہر کا ضامن ہوگا کیوں کہ اس نے جان بوجھ کر یہ حرکت کی ہے۔ اور اگر بیٹے نے باپ کی بیوی کے ساتھ وطی کر لیا اور کہا کہ ایسا میں نے اس لیے کیا ہے تا کہ میرے باپ کا نکاح فاسد ہو جائے تو اس صورت میں بیٹا مہر کا ضامن نہیں ہوگا اس لیے کہ اس وقت بیٹے پر زنا کی حد لازم ہوگی اور حد اور مہر دونوں جمع ہو جائیں ایسا نہیں ہوتا ہے جیسا کہ فتاویٰ بزازیہ میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب، سبحان اللہ التواب

العبد غلام رسول پہراوی

۱۶/اگست ۲۰۰۵ء مطابق: ۱۰/رجب المرجب ۱۴۲۶ھ

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ
وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا

ظاہری اور باطنی کبیرہ گناہ

قرآن وحدیث کی روشنی میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ناپسند چارسوسڑسٹھ[۴۶۷] بڑے گناہ

انکے نقصانات اور ان کا علاج

الزّواجر عن اقتراف الكبائر

مؤلف
علامہ ابن حجر مکی ہیتمی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم
مولانا محمد ظفر اقبال

مکتبہ رحمانیہ
اقرا سنٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور
فون:042-37224228-37355743

بیشک ہم نے آپ کو اس شان کا رسول بنا کر بھیجا ہے کہ آپ گواہ ہوں گے اور آپ بشارت دینے والے ہیں اور ڈرانے والے ہیں اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والے ہیں اور آپ ایک روشن چراغ ہیں۔ القرآن

البشیر والنذیر

ترجمہ وتشریح

الترغیب والترہیب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کی صحیح احادیث مبارکہ کا عربی متن و ترجمہ اور ضروری فوائد کے ساتھ فضائل کا وہ مستند ذخیرہ جس میں نیک اور بھلے اعمال پر دنیا وآخرت میں فوائد اور کوتاہی سے آنے والے نقصانات کا ذکر ہے جس کے پڑھنے سے ایک مسلمان کے دل میں نیکیوں کی رغبت اور گناہوں کی نفرت بیٹھتی ہے

تصنیف

حافظ زکی الدین عبد العظیم بن عبد القوی المنذری المتوفی ۶۵۶ھ

ترجمہ

مولانا محمد عثمان مقیم مدینۃ المنورۃ

پیش لفظ

حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی بلند شہری مہاجر مدنی رحمۃ اللہ

MAKTABA E RAHMANIA

مکتبہ رحمانیہ (رجسٹرڈ)

اقرأ سنٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور
فون: 042-37224228-37355743

مرقاۃ المفاتیح

شرح اُردو

مشکوٰۃ المصابیح

للعلامہ الشیخ القاری علی بن سلطان محمد القاری

مترجم: مولانا راؤ محمد ندیم

مکتبہ رحمانیہ

اقرأ سنٹر غزنی سٹریٹ، اُردو بازار لاہور
فون: 042-37224228-37355743

نبوی ﷺ اخلاق و آدابِ زندگی

یعنی اُردو ترجمہ و شرح

الادب المفرد

تصنیف

امیر المومنین فی الحدیث امام محمد بن اسمٰعیل بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ المتوفی ۲۵۶ھ

ترجمہ و تشریح

مُفتی محمد عبد القادر جیلانی

[illegible]

رئیس الافتاء دارالافتاء جامعہ دارالعلوم کورنگی کراچی

متخصص فی الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی

تائید و تصویب

مفتی عبد الحکیم صاحب دامت برکاتہم العالیہ

نائب مفتی و استاذ جامعہ خیر المدارس ملتان

مکتبہ رحمانیہ

MAKTABA E REHMANIA

اِقرأ سنٹر غزنی سٹریٹ اُردو بازار لاہور

فون:042-7224228-7355743